لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

اسوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد دوم

سوانح حیات مقدسہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین رسول اکرم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از آغاز ولادت باسعادت تا واقعات پنجم سال ہجرت آنحضرت صلعم

مرتبہ ومؤلفہ

عالیجناب خان بہادر سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس ارکواتھ ضلع آرا

حسب فرمائش

عالیجناب فخر الحاج والزوار حاجی خواجہ شریف حسین صاحب کربلائی و مشہدی

رئیس کیرانہ ضلع مظفر نگر

باہتمام منیجر کاظم بک ڈپو رجسٹرڈ دہلی

سراج المبین ہر دو حصہ

حضرت امیر المومنین یعسوب الدین، قاتل المشرکین، امام المسلمین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہم السلام کی مکمل و مفصل و معتبر و مستند سوانح عمری ہے۔ اور اس کتاب میں یہ امور دکھلائے گئے ہیں۔

اصول مساوات رعایا پروری، انصاف و عدالت، حقوق کی حفاظت، مستحقین کی اعانت، عوام کی تعلیم و ہدایت، تلقین شریعت وغیرہ وغیرہ۔ یہ کتاب نایاب قیمتی اور بے مثال کتب تواریخ و سیر و مناقب و حدیث و تفاسیر و کتب رجال و کلام و دواوین و تواریخ انگریزی وغیرہ سے ترتیب دی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت نفیس، کاغذ نہایت عمدہ ولائتی لگایا گیا ہے، ضخامت جلد اوّل ۵۰۰ صفحات جلد دوم ۲۸۰ صفحات) قیمت اتنی کم ہے کہ ہر شخص خرید سکے۔ یعنی حصہ اوّل (ے۴؍) حصہ دوم (عہ۲؍) علاوہ محصولڈاک۔ درخواستیں جلد از جلد بھیجیے۔ کیونکہ اس نادر الوجود تاریخ کا ایڈیشن قریب اختتام ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے۔

تحفۂ رضویہ

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی مبسوط سوانح عمری اوّل سے آخر تک کے مفصل سوانح اور مکمل واقعات آپ کے پاکیزہ فضائل و عادات، خلفائے عباسیہ کے عہد کا اصلی فوٹو، معتبر اور مستند تاریخوں کا لب لباب۔ عجیب و غریب سازشیں، اور اُن کا انکشاف بنی فاطمہؑ کی حالت کا بالکل سچا اور صحیح مرقع۔ یہ مقدس کتاب بھی فی الحقیقت بے مثل ہے۔ کاغذ ولائتی اعلیٰ قسم کا، لکھائی چھپائی اتنی بہتر ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ نایاب زمانہ۔ قیمت صرف دو روپیہ آٹھ آنے (عہ۸؍) علاوہ محصولڈاک۔

شہادت حسینؑ کے اسباب و وقوع

اور

قاتلان حسینؑ کی رُوبکاری

الحمد للہ کہ یہ کتاب بھی چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ مؤلف ممدوح نے اپنی اِس عمر میں بھی یہ تمام واقعات اس خوبی کے ساتھ نئے طریقہ اور اعلیٰ پیمانہ پر تحریر فرمائے ہیں کہ بیان تحریر سے باہر ہیں۔ فہرست مضامین کتاب مذکور حسب ذیل ہیں۔

مخالفین کی خلافتیں، اور واقعات کربلا کے اسباب و وقوع۔ واقعات کربلا کے روحانی اسباب۔ قاتلان امام حسینؑ علیہ السلام کی روبکاری۔ شہادت امام حسین علیہ السلام پر روئداد مختار علیہ الرحمہ کے محاسن خدمات۔ یہ بالکل سچے تاریخی واقعات ہیں۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ۔ کاغذ ولائتی سفید۔ قیمت صرف دس آنے (۱۰؍)

اللہ اکبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین
خدائے سبحانہ تعالےٰ کی مہربانی اور ملک وقوم کی قدردانی کے شکریوں کیساتھ ہم اسوۃ الرسول کی جلد دوم بالغ نظرانِ قوم وملت کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ؎ توقیع قبول روزیش باد۔

جلد اوّل میں قبل از اسلام عرب کے تاریخی جغرافی۔ سیاسی۔ تمدنی۔ قومی اور مذہبی حالات وواقعات مفصّل اور مسلسل طور پر بیان ہو چکے ہیں۔ اور انھیں کیساتھ ساتھ انبیائے سابقین سلام اللہ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہم اجمعین کی شریعتیں۔ طبقات اُمم سابقہ میں اُن حضرات کی تعلیمیں اُنکی تبلیغی خدمتیں قوم وقبائل کو خدا پرستی اور نیک سرشتی کی ہدایتیں جو اصلاً شریعت اسلامیہ کا مقدمہ تھیں۔ تاریخ وسیرت کے خالص اُصول پر سلسلہ وار پوری تفصیل سے قلمبند کر دی گئیں ہیں۔ سابق انبیائے عرب کے ذکر حالات میں خاص طور پر سلسلہ مقدسہ ابراہیمی اور خانوادہ مطہرۂ اسمٰعیلی کے حالات وواقعات زیادہ تفصیل وتشریح سے بیان کئے گئے ہیں۔ اسلئے کہ یہی حضرات معدن انوار ختم النبیین ومخزن آثار واسرار سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ الطاہرین تھے۔

اس شجرۂ طیبہ میں قیدار بن اسمٰعیل سے لیکر حضرت عبد المطلب تک جتنے قابل الذکر بزرگوار گذرے ہیں اُنکے حالات وواقعات تحقیق کرکے تفصیل سے لکھدیئے ہیں۔ اسلئے کہ کلیات اوّلین کو انھیں مقدمات سے خاتم الرسالت کا آغاز ہوتا ہے یا یوں سمجھا جاوے کہ اسی مبتدا سے مخبر صادق علیہ السّلام کی تمام خبروں کا سلسلہ واقعات مسلسل ہوتے ہیں افسوس ہے کہ قدیم ماخذوں کے طریقہ تالیف کے خلاف جدید تاریخ نویسوں اور سیرت نگاروں نے ان بزرگوں کے حالات کو واقعات قبل اسلام سمجھکر یا سیرت النبیؐ کے موضوع خاص سے زاید جان کر قلم انداز کر دیا ہے لیکن ہمنے اُنکے نقل واندراج کو اسلئے ضروری اور مفید سمجھا ہے کہ اُن کے ذکر وبیان سے خاندان رسالت اور دودمان نبوت کی قدامت ووقار۔ وجاہت واقتدار اور ملک وقوم پر اُن کا اعتبار واختیار ثابت ہوتا ہے۔ اور انھیں اُمور کیساتھ اُنکی سلامت روی۔ نیک نفسی۔ خوش اخلاقی اور قوم ووطن کے ساتھ ہمدردی کے پورے ثبوت ملتے ہیں

جلد دوم میں۔ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے لیکر ہجرت کے **پانچ سال تک** کے تمام حالات وواقعات کامل تشریح وتفصیل سے قلمبند ہیں۔ آغاز رسالت سے پہلے نزول رسالت کے اسباب اور خاصکر جزیرہ نمائے عرب میں حضرت ختم المرسلین کی **بعثت** اور آخر رسالت کے قیام وتعیّن کی مخصوص توجیہات تاریخی ثبوت کے ساتھ مندرج کی گئی ہیں۔ اسی ضمن میں عرب کے تمام الہامی اور غیر الہامی مذاہب وعقائد اور دستور ومراسم بھی بیان کئے گئے ہیں۔ خاص کر عرب کے دو بڑے مذہب۔ یہود وعیسائی شریعتوں کے زیر ومد کی پوری کیفیت لکھی گئی ہے۔ اسلئے کہ **اسلام** کو ہر ہر مقام پر ان سے مقابلہ کا متواتر اتفاق ہوا ہے۔

یہود سے زیادہ عیسائیوں کی شریعت۔ اُنکے **اعتقادات**۔ اعتقادات میں خود غرضانہ اختراعات آپس میں فرقہ بندیاں۔ ان تمام فرقوں کے جدا جدا حالات بقید سنین سلسلہ وار درج کئے گئے ہیں۔ اس لیئے کہ ابتدائے اسلام میں انکی مخالفت اتنی ضرررساں ثابت نہیں ہوئی ہے۔ جتنی موجودہ وقت وزمانہ میں۔ عرب کی تاریخ اور اسلام کا کارنامہ یہودیت وعیسائیت کے بڑے بڑے نیرنگ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دکھلاتا ہے۔ یہود تو اسلام کے ساتھ خوب جی بھر کر لڑے مارا اور مرے۔ لیکن اُنکے برعکس عیسائیوں کے ابتدا ہی سے اسلام کے مقابل قطعی خاموشی اور سکوت اختیار کیا۔ کبھی کبھی اُنکی مہر سکوت ٹوٹی بھی۔ تو اسلام کے متعلق اُنکے مُنہ سے الفاظ تائید ہی اور تصدیق ہی نکلے (ملاحظہ ہو راہب بحیرا کی اُن تصدیق رسالت آنحضرتؐ۔ نجاشی کی تائید وتصدیق اسلام واقعہ ہجرت اُولیٰ۔ عداس کا اقرار رسالت۔ سفر طائف قبل ہجرت) اُس زمانہ میں عیسائیوں کی یہ خموشی اُنکی حیلۃ الوقتی اور حکمت عملی پر مبنی کیجائے۔ یا اُن کی کمی اعداد اور قلت اقتدار کیوجہ سے قرار دیجائے۔ لیکن یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ بمقابلہ یہود۔ ابتدا میں اسلام کو عیسائیوں سے اتنا ضرر نہیں پہونچا۔ جتنا یہودیوں سے یہود اسلام کے سنانی کوششوں کیساتھ عرب سے آپ ہی مٹ گئے۔ اور اپنی بداخلاقیوں کیوجہ سے آجتک نہ پھر قومی اعتبار ہی حاصل کرسکے اور نہ دینی اقتدار۔ انکے برعکس عیسائیوں نے حفاظت وحمایت اسلام کے سایہ میں اکثر مغربی وشمالی عرب میں اتنی قوت وعظمت حاصل کرلی کہ وہیں سے بلاد یورپ اور تمام اقطاع عالم میں پھیل گئے لیکن قوت وعظمت پاجانے کے زمانہ سے لیکر آج تک اُسی اسلام کو۔ جو ہر زمانہ میں اُن کا محسن اور معاون ثابت ہوچکا تھا عیسائیوں نے ہدف ملامت بنا رکھا ہے ؎

کس نیاموخت علم تیر از من ۔۔۔ کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

قیام مکہ کی سیزدہ سالہ مدت میں مخفی طور پر تبلیغ رسالت اور دعوت اسلام کے تمام واقعات وحالات مفصل طور پر لکھے گئے ہیں۔ اور اُن سعادت مندان روزگار کے تفصیلی حالات قلمبند کیئے گئے ہیں جنہوں نے اپنی تحقیق وتلاش خاص سے اسلام کی تصدیق کی اور شرف بایمان ہوکر سبقت اسلام کا شرف خاص حاصل کیا۔ اسلامی سیرت نگار ان واقعات کو

زائد سمجھکر تفصیل سے نہیں لکھتے۔ لیکن ہم نے انکے واقعات کو اسلام کے روحانی آثار کا معیار صداقت قرار دیکر پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ اور حتی الامکان ان تمام بزرگواروں کے قبول اسلام اور حصول ایمان کے مفصل حالات درج کئے ہیں جنہوں نے اپنی تحقیق و تلاش، غور و خوص اور ذاتی مشاہدہ و تجربہ سے اسلام کی صداقت کے اعتراف کا اظہار اور اس کی متابعت کا اقرار کیا ہے۔

قیام مکہ کے زمانہ میں **داعی اسلام** علیہ وآلہ السلام پر ظالمین قریش اور مشرکین مکہ کی طرف سے جو مظالم اور شدائد کئے گئے۔ اور دعوت اسلام کی ممانعت میں جو انواع و اقسام کی تدبیریں عمل میں لائی گئیں اور بیرونی اقوام و قبائل سے سازشیں کی گئیں، وہ موجودہ تمام اسلامی سیرت کی کتابوں سے زیادہ مفصل طور پر لکھی گئی ہیں۔

عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانی دونوں بیعتوں کے احوال کو پوری تشریح و توضیح سے لکھکر اسلام کی **مخفی دعوت** کی حقیقت اور اس کے فوائد و ضرورت کو پورے طور سے ثابت کر دیا ہے اور تبلا دیا ہے کہ اکثر خوش اعتقادان اسلام کی مبادرت و استعجال نے ابتدا میں اعلان اسلام پر اصرار قبل از وقت کر کے فائدہ کی جگہ نقصان اٹھایا ہے یہ وہ حقیقت ہے جس کو علی الاکثر سیرت نگاروں نے نظر انداز کر دیا ہے۔

تیرھویں سال نبوت سے ہجرت کے پہلے سال کی ابتدا ہوتی ہے اور پیغمبر اسلام علیہ السلام **مکہ معظمہ** سے **مدینہ منورہ** میں تشریف لیجاتے ہیں۔ **واقعات ہجرت** میں تقلید اسلاف اور تاکید و تائید عقائد کے زیر اثر ہو کر جیسی اور جتنی نقاب افگنی کی گئی ہے۔ اس کا پورا انکشاف کر دیا گیا ہے۔ اور ان تمام خارجی اور بیرونی گرد و غبار سے حقیقت و اصلیت کا جمال آئینہ نما صاف کر دیا گیا ہے۔

قیام مدینہ کے وقت سے پانچ برس تک کے مفصل اور مسلسل واقعات ہماری موجودہ **جلد دوم** کے مخصوص جزئیات ہیں۔ بیعت عقبہ اور تعین نقبائے دوازدہ گانہ کے بعد مبلغین اسلامی کی خدمات۔ ہجرت صحابہ۔ مہاجرین معتقدین انصار کے بے نظیر اکرام و ایثار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورود۔ قبا اور مدینہ میں آپکا خیر مقدم عقیدت مندوں کا پر جوش استقبال۔ حضرت ابو ایوب انصاری کا شرف میزبانی۔ تعمیر مسجد نبوی وغیرہ وغیرہ۔ بظاہر تو وہی حالات ہیں، جو تمامی کتب تاریخ و سیرت میں عموماً مندرج ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر واقعات میں ان تمام جزئیات کی بھی تفصیل کر دی گئی ہے۔ جو عموماً سیرت نویسوں کے قلم سے چھوٹ گئے ہیں۔

ناواقفکاران حقیقت، اسباب ظاہر پر نظر رکھکر اکثر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ میں پہونچتے ہی اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کو ہر امر میں آسانی، فراغت، آرام اور اطمینان مل گیا۔ ایسا سمجھنا حقیقت سے ناواقفیت اور وقعیت سے بیخبری ہے۔ ایسا نہیں مکہ کی خموش اور مخفی تبلیغ سے علانیہ اور علی رؤس الاشہاد ہدایت و ارشاد زیادہ پر خطر تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ معتدبہ اعوان و انصار کیوجہ سے دعوت اسلام کو اب اخفا کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی

تو گیا اس تنہا ضرورت کے رفع ہو جانے سے اعلان اسلام کی تمام دشواریاں بھی چلی گئی تھیں مخفی تبلیغ میں تو دشمنوں کے مظالم اور ایذا رسانی کے کم اندیشے تھے اسلیئے کہ انکو خبر ہی نہوتی تھی ظاہری او رعلی الاعلان دعوت ایمان کے وقت تو گویا اُن کے مظالم کیلیئے کوئی جواب ہی نہیں تھا اس لیئے حقیقت شناس حضرات جب ان دونوں مختلف مقامی حالات پر موازنہ کی نظر ڈالتے ہیں۔ تو انھیں معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ مکہ سے زائد مدینہ میں ایک ایک قدم اسلام کی تعلیم و تبلیغ کی تمام راہیں۔ انواع و اقسام کی دشواریوں سے بھری پڑی تھیں

اُنھیں دشواریوں کو ابتدائً پیش نظر رکھکر پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اتحاد عام اور مساوات بین الاقوامی کی تعلیم سے دعوت اسلام کا آغاز و افتتاح فرمایا۔ اسلیئے کہ مکہ کیطرح مدینہ ایک ہی قوم و مذہب کے لوگوں کا مرکز نہیں تھا۔ بلکہ خاص مدینہ اور اسکے گرد و نواح میں مختلف مذاہب عقائد اور قبائل کے لوگ آباد تھے اس بنا پر یہ ناممکن تھا کہ تنظیم اتحاد و یکجہتی کے بغیر اسلام کے انتظام اور اُسکے مجوزہ عنوان امن عام وہاں قائم ہو سکیں۔ مدینہ کے قدیم باشندے یہود و انصار تھے۔ یہود تو یہود۔ انصار جو اسلام کے خاص الخاص مددگار تھے اور معین و مددگار، اَوس و خزرج کے دو مخالف فرقوں میں منقسم تھے۔ یہ تعلیم اسلام ہی کے فیوض تھے جنہوں نے اُن کی قدیم مخالفت کو باہمی موالفت سے تبدیل کرکے دونوں فرقوں کو ایک رشتۂ اتحاد میں وابستہ کر دیا۔ انصار کے بعد یہود سے بھی شرائط صلح و امن عام پر اقرار دستخطی کرا کر انصار و یہود کو گویا دونوں قوموں کو ایک کر دیا۔ جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہو گا۔

مدینہ منورہ کی اندرونی تنظیم اتحاد کو درست کرکے پیغمبر اسلام علیہ السلام نے گرد و پیش کی غیر مسلم قوم و قبائل کو بھی اسلام کیساتھ شرائط امن عام میں شریک کر لیا۔ صلح و آشتی کے اس پیام عام اور اتحاد و یکجہتی کی اس دعوت خاص میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انہماک خاص سے کام لیا کہ مدینہ میں تشریف آوری کے زمانہ سے لیکر زائد ایک سال تک کی مدت اسی انتظام میں تمام ہو گئی بیرونی قوم و قبائل کے پاس کبھی چھوٹی چھوٹی سی وفدیں بنا بنا کر پیام صُلح کے ساتھ بھیجی جاتی تھیں اور علی الاکثر دور و دراز مقاموں میں مہاجرین و انصار کی جماعت کے ساتھ خود تشریف لیجا کر غیر مسلم قوموں کو اسلام کے اس معاہدہ امن و امان عام میں شریک فرمایا جاتا تھا

اسلامی تاریخ و سیرت کے مطالعہ کرنیوالوں پر ظاہر ہے۔ کہ آنحضرت صلعم۔ امن عام کے موجودہ انتظام کی کوششوں میں اکثر مدینہ سے نکلکر مکہ کی نصف راہ تک چلے جاتے تھے۔ اور اُن دور و دراز مقامات میں مہینوں اور کئی مہینوں تک ٹھہر جاتے تھے اور جبتک کہ معاملات یکسونہ ہو لیتے تھے مدینہ میں واپس نہ آتے تھے۔ وہ وقت اور اُنکی ضرورتیں صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ اسلام اور تمام اقوام کے امن عام کے لیئے یہ انتظام کیسے ضروری اور مفید تھے۔ اکثر سیرت نگاروں نے ان معاہدین الاقوامی کے حالات و واقعات کو طوالت کے خیال سے مفصل نہیں لکھا ہے۔

اور اُن کے نقل و استنباط میں اختصار اختیار کیا ہے۔ لیکن ہم نے ان حالات کو اُسی تفصیل سے قلمبند کیا ہے جس تفصیل و تشریح سے یہ اصلی ماخذوں میں مندرج کئے گئے ہیں۔ اسلئے کہ اُن کے نقل و اندراج سے مخالفین اسلام کی اُن اعتراضات کی کامل تردید ہو جاتی ہے۔ جو عالم فریبی کی غرض خاص سے اسلام کے آغاز اشاعت کو تیغ زنی اور عام خونریزی کا دیباچہ قرار دیتے ہیں۔

عیسائی معترضین اگر کچھ بھی دیدۂ بینا رکھتے ہیں۔ تو اسلام کے ان معاہد بین الاقوام کو پڑھیں۔ اُسکے شرائط کو ملاحظہ فرمائیں کہ امن و امان اور آرام و اطمینان قائم رکھنے کے فوائد و منافع مسلم قوم و قبائل تک محدود نہیں رکھے گئے تھے بلکہ یہ تمام شرائط اپنے تمام منافع و فوائد کے ساتھ اُن قوم و قبائل کے ساتھ بھی اپنی عملی صورتوں میں ویسے ہی تھے۔ جو اسوقت تک اسلام سے بالکل علیحدہ اور بیگانہ تھے۔ مگر اسوقت امن عام کے اُصول پر رضامند ہو کر اسلام کے ساتھ اس معاہدہ میں شریک ہو گئے تھے۔

اس معاہدہ کی قبولیت و منظوری میں قبول اسلام کی شرط ضروری نہیں تھی۔ مدعا صرف امن پسندی اور صلح پذیری سے تھا۔ ہر قوم و قبیلہ اس لیئے عام اِس سے کہ اسلام لایا ہو یا نہ لایا ہو۔ اگر وہ امن عام قائم رکھنے پر راضی ہو گیا تو وہ بلا عذر اسلام کے معاہد کا حلیف و شریک بنا لیا گیا ہے۔ وہ اپنے تمام مذہبی اور قومی فرائض و مراسم کی ادا کاری میں بلا امتیاز مسلم قوموں کی طرح آزاد اور خود مختار ہے۔ اور اپنے حقوق و مطالبات میں مسلم قوموں کیساتھ برابر اور ساوی ہے۔ غزوہ ودان۔ بواط۔ ذو العشیرہ وغیرہ وغیرہ میں رحمت سفر اسی نظر رحمت سے خاص طور پر اختیار فرمائی گئی تھی

عیسائی معترضین پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام کے اس عملی انتظام اور جناب عیسیٰ مریم علیہ السلام کے اس احکام کو۔ کہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں آیا۔ بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ انجیل متی باب ۔ آیت ۳۴ میں پڑھکر خود تصفیہ کریں کہ ان دونوں بزرگواروں میں صلح کرانیکے پیام کون دیتا ہے۔ اور تلوار چلوانے کے احکام کون؟

اس کے متعلق یہ بتلا دینا ضروری ہے۔ کہ غزوہ کے نام سے عام طور پر عیسائیوں کو وحشت اور اُنکے دیکھا دیکھی ہمارے شمس العلماء مولوی شبلی صاحب کو اُن سے زیادہ دہشت ہوتی ہے۔ چونکہ تمام عربی تاریخ و حدیث کی کتابوں میں اصطلاح خاص کے مطابق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر خاص کو غزوہ کے لفظ خاص سے موصوف کیا گیا ہے۔ اور محاورہ عام میں غزوہ جنگ کے معنوں میں آ گیا ہے۔ اس لیئے کہ اصلاً غزیٰ سے مشتق ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تمام غزوات رسولؐ عموماً جنگی معارک سمجھ لیئے گئے ہیں۔ یوروپین معترضین نے اس محاورہ کی غلطی سے خاص فائدہ اُٹھایا ہے۔ اور غزوات کی کثیر التعدادی سے اشاعت اسلام کو عام طور پر سیف رانی اور خونفشانی کا نتیجہ بتلایا ہے حالانکہ یہ معنویانہ غلط فہمی ہے۔ اور خود غرضانہ عالم فریبی۔

شبلی صاحب کو معترضین کی اسی اشارت نے گھبرا دیا اور آپ نے بھی تاریخ نگاران و سیرت نویسان اسلامی پر

تعدد غزوات کا الزام لگا ہی دیا، حالانکہ معترضین اگر حقیقت شناس نہیں تھے۔ تو آپ کو اس اصطلاح خاص کا علم کامل حاصل تھا۔ آپ تو جانتے تھے کہ اتنے کثیر التعداد غزواۃ میں سوائے چند کے اور سب میں اسلام نے صرف تقریر سے کامیابی حاصل کی ہے، نہ شمشیر سے۔ لیکن چونکہ ان تمام موقعوں پر پیغمبر اسلام علیہ السلام بالنفس النفیس شریک تھے اس لیئے اصطلاح خاص کے موافق اسلامی مورخین و اہل سیرت ان مقامات کے تمام حالات کو بھی غزوہ کے نام سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ اس تعبیر سے اُنکا اصل مدعا سفر رسولؐ تھا۔ جب حقیقت حال شبلی صاحب پر روشن ہو چکی تھی جیسا کہ سیرۃ النبیؐ میں بذکر غزوہ حمرا لاسد لکھ کر بتلا بھی دیا گیا ہے۔ تو پھر سلسلہ غزوات کی تمہید میں ایسی مضطربانہ تحریر قلم بند فرمائی گئی ہے۔ جس سے سیرت و تاریخ کے اندراج کی بنا پر آپ کا تعدد و کثرت غزوات سے متعلق نوعے تسلیم و ایجاب ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بحث کے خاص مقام پر آپ کے اضطراب کا کامل اطمینان کر دیا ہے۔

معاہد صلح عام کے شرائط کچھ عرب کی بُت پرست قوم ہی کے ساتھ محدود و مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ مدینہ کے خاص یہود اور اُنکے تمام قریب کے قبائل و عشائر نے نہایت مسرت اور رضاعت و رغبت سے اسلام کے اُن مجوزہ اور پیش کردہ شرائط صلح کو قبول کیا۔ اور اپنی ہموطن اور ہمسایہ مسلم قوموں کیساتھ قوم متحدہ کے اُصول پر ہمیشہ کاربند اور عمل پیرا رہنے کیلئے اقراری دستخط کر دیئے۔ لیکن سال ہی بھر کے بعد پھر کفار قریش کی مکارانہ شرارتوں نے یہودیوں کو دام فریب میں ملا کر اسلام کی تنظیم اتحاد کے شیرازہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور قوم یہود کی فطرتی غداری اور خلقی پیمان شکنی کی بد اخلاقیوں نے اسلام کی صلح عام کے موجودہ انتظام کو درہم و برہم کر دیا۔

یہیں تک بس کر دیتے۔ تو اتنی تکلیف دہ وہ ثابت نہ ہوتے۔ یہود اپنی پیمان شکنی اور خلاف عہدی کیساتھ ظالمین قریش اور مشرکین مکہ سے ملکر اسلام کے استیصال اور بیخ کنی پر تیار ہو گئے۔ اور پھر اس شدت و عصبیت کے ساتھ کہ اسلام کو ان پہلو کے دشمنوں سے جان بچانا دشوار ہو گیا۔ جیسا کہ اِن کے حالات سے مختلف مقامات کتاب میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔

کفار قریش تو ابتدا ہی سے استیصال اسلام پر تلے ہوئے تھے۔ موجودہ تنظیم اتحاد کو جو مختلف اقوام و قبائل میں اسلام کے خاص اہتمام سے قائم ہو رہی تھی۔ دیکھکر اور بھی جل اُٹھے۔ اور اپنی قدیم مکارانہ اور دغابازانہ تدبیروں سے اسلام کے درپئے آزار ہوئے۔ ایک بار دس مبلغین اور دوسری بار چالیس مبلغین اسلام کو تعلیم دین کے حیلہ سے خدمت رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر ہمراہ لے گئے۔ اور گھر لا کر خونخوار نیزہ بازوں نے بے گناہ مہمانوں کو قتل کر ڈالا جبیب بن عدی اور زید بن ابی الدثنہ بھی انھیں شہداء میں داخل تھے۔ جن کی مصیبتناک سرگذشت پر عرب کی تاریخیں آج تک خون رو رہی ہیں۔

کفار قریش کی مدینہ پر متواتر تاخت و تاراجی کے سلسلہ جنبانی اور شرائط معاہدہ سے اشرار یہود کی روگردانی گویا

اسلامی غزوات کا دیباچہ قرار پاتی ہے۔ اور آغاز معرکہ بدر میں منتقم حقیقی کی بارگاہ سے۔ اسلام کو ایک ہزار فوج مخالف کے مقابل میں کل تین سو تیرہ ۳۱۳ مسلمانوں کے ساتھ جنگ مدافعانہ کا حکم جہاد دلواتی ہے۔ انھیں ناگزیر ضرورتوں کے وقت جب کفار و مشرکین کی تلواریں بے قصور مسلمانوں کے گلوں تک آ لگیں۔ تو مسلمانوں کو اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت میں دشمنوں سے مدافعانہ مقابلہ کرنا پڑا۔ یہی واقعات غزوات اسلامی کے اصلی وجوہات قائم ہوئے۔

اس جلد میں غزوات بدر، احد، اور خندق کل تین غزوات کے حالات قلمبند ہیں۔ اور جانبین کے ان حالات و واقعات کے تمام جزئیات معتبر ماخذوں کی اسناد سے مفصل اور مسلسل طریقہ سے قلمبند کئے گئے ہیں۔ ان معرکہ ہائے جنگ میں کفار قریش کے ظالمانہ اور جارحانہ حملات کے موقعوں پر اسلام نے جس صبر و تحمل اور ضبط و استقلال سے محض مدافعانہ طریقہ مقابلہ اختیار کیا ہے۔ وہ امم سابقہ کے تذکروں اور دنیا کے کارناموں میں مروت و اخلاق، کرم و اشفاق، دشمنوں سے رعایت و مہربانی اور عام ہمدردی انسانی کے بے نظیر شاہدات ثابت ہوتی ہیں

اسلام کے موجودہ بجسالہ حالات میں یہودیوں سے کسی مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت نہیں آئی۔ اگرچہ اس عہد شکن قوم کی غداریوں اور کافر کرداریوں نے اسلام کے استیصال و بیخ کنی کی کوئی امکانی تدبیر اٹھا نہ رکھی یہانتک کہ ایکبار نہیں کئی بار بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خفیہ طور پر جان لینے کی مکارانہ سازشیں بھی عمل میں لائے لیکن اس خلق مجسم اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ان ناقابل عفو جرائم سے ہر بار چشم پوشی اختیار فرمائی۔

ہاں جب یہودیوں کی خفیہ سازشیں کفار قریش کی تلواروں کیساتھ کھل پڑیں۔ اور یہود قریش کے ہمدوش بن کر رو در رو اسلام کے مقابلہ پر نکل پڑے، اور کفار قریش کی طرح اسلام کے ہاتھوں سے شکست کامل اٹھا چکے تو پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے ان کی تنبیہ و تادیب کیطرف توجہ فرمائی اور انکے غیر متحمل اور ناقابل معافی قصوروں کے مقابلہ میں۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے یہودیوں کو شرائط معاہدہ سے خلاف ورزی کے جرم میں صرف جلاوطنی کی سزا دی اور بنی قریظہ کو جنگ خندق میں خلاف معاہدہ شریک ہونے کے قصور میں انھیں کے مقرر کردہ حکم (سعد بن معاذ انصاری) کے تجویز کردہ فیصلے کے مطابق قتل و اسیری کا حکم صادر فرمایا اور ان مجرمین میں بھی تمام عورتیں اور لڑکے حکم قتل سے (بخلاف توریت کتاب الاعداد باب ۳۱ درس ۶۔ ۵۔ ۳) مستثنیٰ کر دیئے گئے اور چند یہودی مع بال بچوں کے غایت مرحمت سے خاص طور پر چھوڑ دیئے گئے۔

یہودی فطرتاً فتنہ کے کرتے تھے۔ دل کے بودے۔ اہل مکر و تزویر تھے۔ نہ صاحب تدبیر تھے۔ نہ مرد شمشیر، قریش سے مل جلکر جنگ خندق میں مسلمانوں سے مقابل بھی ہوئے۔ تو شکست اٹھائی۔ اور قبل اسکے کہ انکا شریک لشکر قریش میدان سے واپس ہوئے، یہ اپنے ڈیرے ڈنڈے اٹھا کر اپنے قلعہ میں چلے گئے۔ اور کیواڑ بند کر کے چھپ رہے سوائے جنگ خیبر کے یہود

کبھی تنہا ہو کر میدان میں مسلمانوں سے نہ لڑے۔ اور خیبر کی شکست کے بعد اُنکے حوصلے ہمیشہ کیلئے ایسے ٹوٹ گئے۔ کہ پھر یہ لوگ مخالفت اسلام کا نام بھی مُنہ سے نہ لے سکے اور علاقہ حجاز سے دیار شام و مغرب کی طرف چلے گئے۔

جنگ خندق اور غزوہ بنی قریظہ کو تمام کر کے جو ۵ھ کے واقعات ہیں اُنھیں کے سلسلہ میں ریحانہ قرظیہ کے غلط واقعہ کی حقیقت اور حضرت زینب سے نکاح کرانکی اصلیت اور ضرورت پوری تفصیل و توضیح سے قلم بند کی گئی ہے۔ اسلیئے کہ یہ دونوں واقعات اور اُن کے متعلق چند غیر مفید اور خلاف واقع مرویات عیسائی معترضین کی سرمایۂ ناز ہیں جنکی کامل تردید و تنقید معتبر دلائل و مستند شاہد سے کر دیگئی ہے انھیں دو اعتراضوں کے جوابوں تک منحصر نہیں کیا گیا ہے بلکہ مخالفین اسلام کے اُن تمام اعتراضات کے مدلّل اور مفصّل جوابات اپنے اپنے مقام پر دیئے گئے ہیں۔ جو اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ و آلہ والسّلام پر وارد کئے جاتے ہیں۔

حضرت ختمی مرتبت علیہ التسلیم والتحیۃ کی حیات مقدّس کے مبارک حالات میں (ولادت سے لیکر پنجم سال ہجرت تک) بہت سے ایسے واقعات تھے جو محض اتفاقیہ طور پر اسلامی تاریخ و سیرت نگاروں کی نگاہوں سے چھوٹ گئے تھے۔ اور اُن کے ذکر و بیان سے آنحضرت صلعم کے مکارم اخلاق اور محاسن عادات کے اظہار ہوتے تھے۔ معتبر ماخذوں سے مستنبط کر کے نقل کر دیئے گئے ہیں۔

بہت سے ایسے واقعات کی حقیقت کا بھی کامل انکشاف کر دیا گیا ہے۔ جو حسن عقیدت کے اُصول کے موافق تھے۔ مگر شان رسالت کے بالکل مخالف۔

بہت سے ایسے واقعات و حالات کی بھی نہایت تحقیق سے کامل تنقید و تردید کر دی گئی ہے۔ جنکی حقیقت اور اصلیت پر خواہ مخواہ۔ تائید عقائد۔ تقلید اسلاف اور وہم و قیاس کے رنگا رنگ طریقوں سے نقاب افگنی کی گئی ہے۔ اس طریقہ خاص کا شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی نے مجلّدات سیرۃ النبیؐ میں ایک خاص عنوان اختیار فرمایا ہے جس کی تمہید دیباچہ کتاب ہی سے شروع کی گئی ہے اور پھر اصل کتاب میں اُن خاص مقامات و واقعات پر پہونچکر جو مفید مطلب حالات تھے اُن میں اتنے اضافات و توسیعات سے کام لیا گیا ہے جو کسی قدیم و جدید تاریخ و سیرت میں مندرج نہیں اور خلاف مطلب واقعات و حالات میں بہ نظر استخفاف و احذاف اس قدر کوتہ قلمی اور مختصر رقمی اختیار فرمائی گئی ہے کہ حقیقت حال اور اصلیت واقعہ معلوم ہونا دشوار ہے

اس شان خاص کے بیان کا جو عنوان دیباچہ کتاب میں قائم کیا گیا ہے اُسکی کامل تنقید تو ہمارے تبصرہ میں کر دی گئی ہے جو جلد اوّل کے ساتھ شایع ہو چکا ہے اور اُسی کے ساتھ ساتھ حالات و واقعات جلد اوّل کے متعلق جتنے اضافات یا استخفاف و اسقاط واقعات فرمائے گئے تھے اُن سب کا انکشاف حقیقت جلد اوّل (اسوۃ الرسولؐ) ہی میں کر دیا گیا ہے۔ اس سے زائد موجودہ جلد دوم میں ان اضافات و احذافات واقعات

کی حقیقت کا اپنے اپنے مقامات خاص پر انکشاف کر دیا گیا ہے۔

تفصیل واقعات و حالات میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کے مبارک طرز عمل سے حق پسندی عام دردمندی رعایت مروت، اور اخلاق و اشفاق کی بے نظیر مثالیں دکھلائی گئی ہیں جو مسلمانوں کی ہدایت دارین کیلئے کافی ہیں۔ اور اسی رعایت مخصوص اور وَلَقَدْ كَانَ فِيكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کی اشارت منصوص پر اس کتاب کا نام اسوۃ الرسول تجویز کیا گیا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ؁ توقیع قبول روز بش باد۔

تالیف کتاب اور تحریر واقعات میں مفصلہ ذیل ترتیب و احتیاط برابر قائم رکھی گئی ہے۔

۱ واقعات کے سلسلہ بیان میں قید سنین کا خاص التزام رکھا گیا ہے اور بلالحاظ ذکر قوم و قبائل خاص جو واقعہ جس سال کا پایا گیا ہے اسی سال کے ذکر میں قلمبند کر دیا گیا ہے بخلاف ترتیب سیرۃ النبی کے جس میں بخیال ذکر خاص قوم یہود ۳ھ ہجری کے تمام واقعات بیان کرنیکے بعد، ضرورتاً پھر ۲ھ و ۳ھ ہجری کے حالات نقل کئے گئے ہیں۔

۲ نقل اسناد میں زیادہ تر انھیں کتابوں کے حوالے مندرج کئے گئے ہیں جو میری نگاہ سے گذر چکی ہیں۔

۳ بعض مقامات میں علماء و محققین کی تالیفات کے حوالے بھی نقل کر دیئے گئے ہیں جنکے لائق اعتبار اور قابل الاسناد ہونے پر انکا اتفاق ہو چکا ہے

۴ ہر ماخذ اصلی کا حوالہ عبارت ماخذ کی خاتمہ ہی پر لکھ دیا گیا ہے اور ناظرین کتاب کو حاشیہ زیریں میں نمبروار تلاش کرنیکی زحمت نہیں دی گئی ہے

۵ اصلی ماخذ کی عبارت پہلے۔ پھر اس کے مقابل اسکا ترجمہ مندرج کر دیا گیا ہے۔

۶ ہر واقعہ کو تاریخ و سیرت کے معیار مقررہ کے موافق لکھا گیا ہے ہاں ان واقعات کی تفصیل و تشریح میں مرویات تفاسیر و احادیث کی نقل و استنباط سے بھی مدد لیگئی ہے جو سیرت و تاریخ کے موضوع خاص سے علیحدہ ہونیکے باعث۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں نہیں پائی گئیں

۷ واقعات سیرت و تاریخ کے ذکر و بیان کو قیاسی دلائل اور خارجی مباحث کی آمیزش سے حتی الامکان پاک و صاف رکھا گیا ہے

۸ مطبوعہ حوالوں کے مطبع اور مقام کا نام بتلا دیا گیا ہے اور قلمی حوالوں کے آگے (قلمی) لکھ دیا گیا ہے۔

۹ جن کتابوں سے نقل و استنباط کیا گیا ہے۔ انکے نام۔ انکے مصنفین کی تصدیق و توثیق بھی ایک جدول میں تیار و مرتب کرکے منسلک کر دی گئی ہے۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا وَآلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ آمِين

تمت بالخیر

کواتھ ضلع آرہ
شریف العمارت
یکم جنوری ۱۹۳۶ء مطابق ۷ شوال ۱۳۵۵ھ
بار دوم شائع ہوئی

المؤلف احقر
سید اولاد حیدر بلگرامی

اُن کتابوں اور اُنکے مصنفوں کی توثیق جنکی اسناد سے اُسوۃُ الرسول جلد دوم لکھی گئی ہے

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	توثیق
۱	تاریخ الرسل والملوک طبری	کتب تاریخ ابن جریر طبری	تذکرۃ الحفاظ (ذہبی) میں ہے محمد بن جریر الامام الحافظ ابو جعفر الطبری احد الاعلام له کتاب الکبیر المشهور فی تاریخ الامم۔ شمس العلما شبلی صاحب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں تاریخ سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین اُن کے فضل و کمال، تفقہ اور وسعت علم کے معترف ہیں اُنکی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دُنیا میں کسی کو میں اُن سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا ۳۱۰ھ میں وفات پائی بعض محدثین (سلیمانی) نے اُن کی نسبت لکھا ہے۔ کہ یہ شیعوں کیلئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔ لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے هذا رجم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمة الاسلام المعتمدین
۲	تاریخ الکامل ابن اثیر	ابن الاثیر جزری	وفیات الاعیان میں ہے عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن اثیر الجزری صاحب تاریخ المسمی بالکامل کان اماماً فی حفظ الحدیث و معرفته وحافظا للتواریخ المتقدمة والمتاخرة وصنف فی التاریخ کتابا باسماه الکامل وهو من خیار التاریخ۔
۳	کتاب المختصر فی اخبار البشر	ابو الفدار	تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں مرقوم ہے کتاب المختصر فی اخبار البشر للملک المؤید اسمعیل ابوالفدا المتوفی ۷۳۲ سنہ ہجری۔

			حج الکرامت مولوی صدیق حسن خاں میں ہے تاریخ ملک المؤید ابو الفدا اسمٰعیل در مختصرات فن چیلے سنجیدہ ومعتبر است۔
۴	تاریخ الخمیس	قاضی حسین دیار بکری	کشف الظنون میں ہے خمیس فی السیر للقاضی حسین بن محمد دیار بکری المالکی نزیل المکۃ المکرمۃ المتوفی فی حدود سنہ ۹۶۶ ہجری ھو کتاب مشہور
۵	روضۃ المناظر	ابن شحنۃ الحلبی	تعلیقات السنیہ مولوی عبد الحیٔ لکھنوی میں ہے ھو محب الدین ابو الولید محمد بن محمد الشہیر بابن شحنۃ الحلبی الحنفی کان محبّا للسنۃ واھاماتہ سنہ ۸۱۵ ہجری ولہ تصنیف فی سیرۃ النبویۃ وتاریخ لطیف۔ حدائق الحنفیہ میں ہے محمد بن محمد شحنہ محب الدین سنہ ۷۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کے بڑے محب تھے امام ہمام نے آپ سے پڑھا ہے۔ کتاب روضۃ المناظر تصنیف کی۔
۶	وفیات الاعیان	ابن خلکان	حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ سیوطی میں ہے ابن خلکان۔ قاضی القضاۃ شمس الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابراھیم بن ابی بکر الشافعی صاحب وفیات الاعیان۔ کان فیا کیّا عارفا بامام الناس مات رجب سنہ ۶۸۱ ھ
۷	روضۃ الاحباب	حافظ جمال الدین محدث	کشف الظنون میں ہے روضۃ الاحباب فی سیرۃ النبیؐ والال والاصحاب فارسی لجمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ المتوفی سنہ ہجری حدائق الحنفیہ مولوی فقیر علی لاہوری میں ہے جمال الدین عطاء اللہ صاحب۔ روضۃ الاحباب۔ آپ اعاظم اولاد امجاد خیر الانام سے ہیں جملہ اقسام علوم دینیہ اور اصناف فنون یقینیہ خصوصاً علم حدیث وسیر میں بے عدیل اور عدیم التمثیل تھے۔ کشاف اسرار تنزیل اور حلال معضلات مواقف تاویل تھے۔ آپ کی تصنیفات سے روضۃ الاحباب فی سیرۃ النبیؐ والآل والاصحاب ایسی عمدہ معتبر اور مشہور آفاق ہے۔ کہ اپنا ثانی نہیں رکھتی۔

٨	روضۃ الصفا	محمد بن خاوند شاہ	**کشف الظنون میں ہے** روضۃ الصفا فی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء المؤرخ محمد بن خاوند شاہ المتوفی ۹۰۳ سنہ ہجری
٩	حبیب السیر	غیاث الدین ہروی	**کشف الظنون میں ہے** حبیب السیر فارسی لغیاث الدین ھروی بن ھمام الدین وھو فی مجلدات کبار من کتب المتمتعۃ المعتبرۃ۔
١٠	سیرۃ النبیؐ	شمس العلماء شبلی نعمانی	صاحب سیرۃ الفاروق، سیرۃ المامون، سیرۃ نعمان، وغیرہ وغیرہ سابق پروفیسر علی گڈھ کالج، مدیر دار الندوہ لکھنؤ، و دار المصنفین، اعظم گڈھ فاضل معاصر المتوفی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ ہجری
١١	تاریخ احمدی	نواب احمد حسین خان بہادر	صاحب تصنیف کثیرہ۔ مثل مظہر الاسلام۔ علم الکتاب۔ معرفۃ العلماء۔ رفع الحجب عن اسامی الکتب۔ تصحیح الاغلاط۔ مفاتیح و شرح مفاتیح۔ عمدۃ المناقب۔ انوار المطالب۔ آیات بینات۔ فصل المبین۔ بلار المبین روض الریاحین۔ نجم الزاہر۔ صبح صادق۔ تحفۃ الاعاظم۔ الرضا۔ جواہر النقی زاد التقی۔ جوہر عبقری۔ کشف الغمۃ۔ اثبات الوصایا۔ اکمال الدرایہ۔ دقائق اللغا یدبیضا۔ مناظر الخلافت۔ کتاب المصالحہ والموافقہ۔ گلستان مذاق وغیر ذلک فاضل معاصر حی القائم۔
		کتب سیرت	
١٢	سیرت ابن ہشام	عبدالملک ابن ہشام	**شمس العلماء مولوی شبلی سیرۃ النبیؐ میں لکھتے ہیں** ابن ہشام کا نام عبدالملک ہے۔ وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث و مورخ تھے۔ حمیر کے قبیلے سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ انہوں نے سیرۃ میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں۔ ان کی تفسیر بھی لکھی ۲۱۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ **کشف الظنون میں ہے** اوّل من صنف فی السیر الامام المعروف بہ محمد بن اسحاق

			رئیس اہل المغازی المتوفی ۲۰۷ھ ہجری و دوسرا ابو محمدؒ عبدالملک بن ہشام المتوفی ۲۱۸ھ ہجری فاحسن فاجاد
۱۳	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد کاتب الواقدی	وفیات الاعیان میں ہے ابو عبداللہ محمدؒ بن سعد کاتب الواقدی احد الفضلاء النبلاء الاجلاء وصنف کتابا کبیرا فی طبقات الصحابۃ وکان کثیر العلم والروایات۔
			مولوی شبلی صاحب نعمانی الفاروق میں لکھتے ہیں محمد بن سعد کاتب الواقدی نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے اس نے ایک کتاب آنحضرت صلعم اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے حالات میں نہایت شرح وبسط کیساتھ دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر لکھا ہے۔
۱۴	مواہب لدنیہ	شہاب الدین احمد قسطلانی	کشف الظنون میں ہے المواہب لدنیہ فی السیرۃ للشیخ الامام شہاب الدین احمد لقسطلانی وھو کتاب جلیل القدر کثیر المنافع
۱۵	شرح مواہب لدنیہ	علامہ عبدالباقی الزرقانی	شبلی صاحب دیباچہ سیرۃ النبیؐ میں لکھتے ہیں یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے مصر میں چھپ گئی ہے۔
۱۶	ریاض النظرہ	محب الدین طبری	کشف الظنون میں ہے ریاض النظرۃ فی فضائل العشرۃ لمحب الدین طبری الشافعی
۱۷	روض الانف	علامہ عبدالرحمان سہیلی	سیرۃ النبیؐ میں شبلی صاحب لکھتے ہیں سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے۔ مصنف کا نام عبدالرحمان سہیلی ہے جنہوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔ یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام مصنفین مابعد سیرۃ نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق اُن کے خوشہ چین ہیں۔ مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ایک سو بیس ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی ہے۔

۱۸	حیوٰۃ الحیوان	محمد بن عیسٰی دمیری	**کشف الظنون میں ہے** حیوٰۃ الحیوان دمیری للشیخ کمال الدین محمد عیسٰی الدمیری الشافعی المتوفی ۸۰۸ھ ہجری وھو کتاب مشہور
			تعلیقات السُنیہ میں تحریر ہے ھو مجموع لطیف وجامع شریف فیہ فوائد مستعدٌ لہ و لطائف المستغرب بہ مؤلفۃ کمال الدین محمد بن عیسٰی الدمیری
۱۹	سیرۃ الحلبیہ	علی ابن ابراہیم حلبی	**خلاصۃ الاثر فی اعیان القران الحادی عشر علامہ محبّی میں ہے** علی بن ابراھیم الملقب نورالدین بن برھان الدین الحلبی الشافعی الامام الکبیر اجل علام المشائخ وعلامۃ الزمان الف المؤلفۃ البدیعۃ منہا السیرۃ النبویۃ التی سماھا انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون۔
۲۰	اسنیٰ المطالب	شمس الدین جزری	**بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز صاحب** لکھتے ہیں صاحب حصن الحصین قاضی القضاۃ ابوالخیر شمس الدین محمد مشہور ابن جزری است از حافظ ابن کثیر فقہ وحدیث اموخت واز عزالدین بن جماعت و محمد بن اسمٰعیل بخاری نیز اجازت وارد۔ در ملک روم اورا امام اعظم لقب دادہ بودند۔ مولفات او ہمہ نافع ومفید افتادہ۔ النشر فی القرات العشر خیلے شہرت دارد۔ واسنی المطالب والجواہر العلیہ ودیگر تصانیف نیز دارد
۲۱	مدارج النبوۃ	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	**عجالہ نافعہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی میں ہے** مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث وسیرت شامیہ ومواہب لدنیہ مبسوط ترین سیر تہا اند **اتحاف النبلا مولوی صدیق حسن خان میں ہے** ابوالمجد شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک الدہلوی مصنفات ایشان لمعات شرح مشکوات در عربی واسعۃ اللمعات در فارسی و شرح سفر السعادت واخبار الاخیار ومدارج النبوۃ ماثبت بالسنۃ وغیرہ مشہور است۔

۲۲	شواہد النبوۃ	مُلّا عبدالرحمن جامی	**کشف الظنون میں ہے** شواھد النبوۃ فارسی لمولانا نورالدین عبدالرحمن بن احمد الجامی۔ اولہ الحمدللہ الذی ارسل رسلا مبشرین ومنذرین الخ۔
			تاریخ الخمیس دیار بکری کے دیباچہ میں ہے انتخبتہا من الکتب المعتبرۃ وھی تفسیر الکبیر والکشاف (الی ان قال) والشواھد النبوۃ ومواھب اللدنیۃ۔
۲۳	خطبات احمدیہ	ڈاکٹر سرسیّد احمد خاں	بانی مدرسۃ العلوم علیگڈھ۔ صاحب صنادید۔ وتہذیب الاخلاق وغیرہ گذشتہ صدی کے شہور ومعروف محقق جنکی معرفت وتوثیق محتاج بیان نہیں المتوفی ۱۳۱۵ھ ہجری
۲۴	رحمۃ العلمین	قاضی سیّد محمد سلیمان سلمان منصورپوری سیرۃ صحابہ کرام	اسپشل مجسٹریٹ۔ ریاست پٹیالہ۔ صاحب سیرۃ النبویۃ۔ مطوّل۔ متوسط اور مختصر۔ فاضل معاصر حق القائم۔
۲۵	استیعاب فی معرفۃ الاصحاب	امام عبدالبر	**تذکرۃ الحفاظ (ذہبی) میں ہے** ابن عبدالبر الامام شیخ الاسلام حافظ المغرب ابو عمر یوسف بن عبدالبر لہ توالیف لامثل لہا فی جمیع معنیہا منہا الکافی عشر مجلّدات ومنہا کتاب الاستیعاب لیس لاحد مثلہ۔ **مولوی شبلی صاحب سیرالنعمان میں لکھتے ہیں** قاضی ابن عبدالبر بہت بڑے محدث وامام ہیں۔ اُن کی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات میں ایک شہور ومستند کتاب ہے
۲۶	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	ابن اثیر جزری	**کشف الظنون میں ہے** اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ للشیخ عزالدین علی بن محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ ہجری ذکر الذھبی فی تجرید اسمآء الصحابۃ کتاب ابن اثیر نفیس مستقصٍ لاسماء الصحابۃ

۲۷	اصابہ فی معرفۃ الصحابہ	ابن حجر عسقلانی	**کشف الظنون میں ہے** اصابہ فی تمئیز الصحابہ للحافظ شہاب الدین احمد ابن الحجر العسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ ہجری وھو فی مجلدات کبار جمع فیہ ما فی الاستعباب وذیلۃ ۔
۲۸	اخبار الخلفاء	علی ابن الجنب بغدادی	**کشف الظنون میں ہے** اخبار الخلفاء للشیخ تاج الدین علی ابن الخجب البغدادی المتوفی سنہ ۶۷۴ ہجری
۲۹	تذکرۃ خواص الائمۃ	علامہ سبط ابن جوزی	**تاریخ ابن وردی میں ہے** وفی سنہ ۶۵۴ ہجری توفی الشیخ شمس الدین یوسف سبط ابن جوزی واعظ فاضل لہ مراۃ الزمان تاریخ جامع ولہ تذکرۃ خواص الامۃ فی مناقب الائمۃ ۔
۳۰	خلاصۃ الوفا علامہ سمہودی	سید نور الدین سمہودی	**جذب القلوب محدث دہلوی میں ہے** اوحد العلماء الاعلام عالم مدینہ خیر الانام نور الدین علی السمہودی المدنی و (الی ان قال) از کتاب وفا الوفاء در سنہ ۸۹۳ ہجری مختصرے دیگر انتخاب کردہ وآنرا خلاصۃ الوفاء نام کردہ در غایت تنقیح ونہایت تہذیب وایں خلاصہ دریں ایام بین الانام مشہور ومتداول است ۔
۳۱	ترجمہ اسنی المطالب فی نجات ابی طالب	امام الحرمین برزنجی	ترجمہ مفتی مکہ معظمہ امام مدینہ مفتی احمد بن دحلان زینی المتوفی فی سنہ ۱۱۵۶ ہجری ۔
۳۲	صواعق محرقہ	ابن حجر مکی	**تعلیقات السنیہ میں ہے** ھو احمد بن محمد بن علی بن حجر کان بحراً فی الفقہ اماماً اقتدی بہ الائمۃ ۔ مصنفاتہ فی العصر یعجز علی الاتیان بمثلہا المعاصرون ومن مولفاتہ شرح منہاج النووی (الی ان قال) الصواعق محرقہ ۔

۳۳	ذخائر العقبیٰ	طبری الشافعی	کشف الظنون میں ہے ذخائر العقبیٰ لمحب الدینؒ طبری المتوفی ۶۹۴ھ ہجری
۳۴	مطالب السئول	علامہ کمال الدین محمد بن طلحۃ الشافعی	
۳۵	فصول المہمہ فی معرفۃ الائمۃ	علامہ ابن صباغ مالکی	
۳۶	کفایۃ الطالب	علامہ محمد بن یوسف الگنجی الشافعی	
۳۷	مودۃ القربیٰ	سید علی الہمدانی	نفحات الانس جامی میں ہے امیر سید علی ہمدانی ابن شہاب الدین بن محمد الہمدانی قدس سرہ جامع بودہ است میان علوم ظاہری و باطنی
۳۸	فتوح البلدان	علامہ بلاذری	الفاروق میں مرقوم ہے احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور متوکل عباسی کا درباری تھا اُسکی دستِ نظر اور صحتِ روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے تاریخ و رجال میں اُسکی دو کتابیں مشہور ہیں فتوح البلدان اور انساب الاشراف
۳۹	ارجح المطالب	خواجہ عبید اللہ امرتسری	سابق ناظر کتب خانہ سرکار رام پور حیؒ القائم۔
		کتب تفاسیر	
۴۰	جامع البیان تفسیر ابن جریر طبری	ابن جریر طبری	تذکرۃ الحفاظ میں ہے محمد بن جریر الطبری احد الاعلام لہ کتاب التفسیر الذی لم تصنیف مثلہ۔
۴۱	غرائب القرآن تفسیر نیشا پوری	نظام نیشاپوری	کشف الظنون میں ہے غرائب القرآن و رغائب الفرقان فی تفسیر للعلامۃ نظام الدینؒ حسن بن محمد الشافعی النیشاپوری۔

۴۲	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی	**کشف الظنون میں ہے** مفاتیح الغیب وھو المعروف بالتفسیر الکبیر للامام فخر الدین محمد بن عمر الرازی المتوفی سنہ ۶۰۶ ہجری
۴۳	تفسیر درمنثور سیوطی	جلال الدین سیوطی	**کشف الظنون میں ہے** الدر المنثور فی التفسیر الماثور للشیخ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ ہجری۔ **عجالہ نافعہ میں شاہ عبد العزیز صاحب لکھتے ہیں** تفسیر ابن مردویہ و تفسیر دیلمی و تفسیر ابن جریر وغیرہ از مشاہیر تفاسیر وحدیث اند و کتاب درمنثور شیخ جلال الدین سیوطی جامع ہمہ است
۴۴	معالم التنزیل	امام بغوی	**وفیات الاعیان میں ہے** ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد المعروف بالفراء البغوی الفقیہ الشافعی المحدث المفسر کان بحرا فی العلم صنف کتبا کثیرۃ منہا کتاب التہذیب وشرح السنۃ ومعالم التنزیل فی تفسیر قرآن الکریم۔
۴۵	تفسیر کشاف	علامہ محمود بن عمر الزمخشری	**جامع الاصول میں ہے** ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی صاحب التصانیف العجیبۃ والتالیفات الغریبۃ مثل الفائق فی غریب الحدیث وکشاف فی تفسیر القرآن۔
۴۶	تفسیر ثعلبی	محمد بن ابراہیم الثعلبی	**وفیات الاعیان میں ہے** ابو اسحق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المفسر المشہور کان اوحد زمانہ فی علم التفسیر۔
		کتب احادیث	
۴۷	صحیح البخاری	محمد بن اسمٰعیل بخاری	**کشف الظنون میں ہے** جامع الصحیح المشہور بصحیح البخاری للامام الحافظ

			ابی عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ ہجری وھو اول الکتب السنۃ فی الحدیث وافضلہا علی مذھب المختار۔
۴۸	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج نیشاپوری	**کشف الظنون میں ہے** قال الامام النووی فی شرح صحیح مسلم اتفق العلماء ان اصح الکتب بعد القرآن الکریم الصحیحان صحیح البخاری و مسلم
۴۹	صحیح ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذی	**کشف الظنون میں ہے** جامع الصحیح للامام الحافظ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ ہجری
۵۰	صحیح نسائی	؍؍	**کشف الظنون میں ہے** جامع الصحیح للامام الحافظ ابی عبدالرحمٰن بن شعیب النسائی
۵۱	خصائص نسائی	؍؍	**ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں** واوعب من جمع مناقبہ رای مناقب علیؑ من الاحادیث الجیاد النسائی فی الخصائص۔
۵۲	مشکوٰۃ المصابیح	خطیب تبریزی	**مرقات شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری میں ہے** کتاب مشکوٰۃ المصابیح الذی الفہ مولانا الحبر العلامۃ والبحر مظہر الحقائق وموضح الدقائق الشیخ التقی النقی ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی۔
۵۳	دلائل النبوۃ	علامہ بیہقی	**کشف الظنون میں ہے** دلائل النبوۃ لابی بکر احمد بن الحسین الامام الحافظ علی البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ ہجری۔
۵۴	کنز العمال	شیخ علی متقی	**اخبار الاخیار شاہ عبدالحق دہلوی میں ہے** شیخ علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان المتقی القادری الشاذلی المدنی الچشتی رحمۃ اللہ علیہ در مکہ معظمہ رخت اقامت نہادہ عالم را بانوار طاعات و مجاہدات و باثار افادت علوم دینی و افاضت معارف دینی ستیز و مستفید

			ساخت ذ بجمع وتصانیف کتب ورسائل در علم حدیث وتصوّف اشتغال فرموده بعد از مشاہدہ آثار خیر ایشان از توالیف وغیران عقل حیران می شود وبجزم حکم می کند کہ ایں ہائے توفیق کامل وبرکت شامل کہ ناشی از کمال ـ مرتبہ استقامت ورسوخ درجۂ ولایت باشد وجود نگیرد جامع صغیر وجمع الجوامع شیخ جلال الدین سیوطی راکہ احادیث بترتیب حروف تہجی جمع کرده و ودعائے احاطۂ جمیع احادیث نبوی از اقوال وافعال کردن تبویب فرموده شیخ ابوالحسن بکری فی فرمودند۔ للسیوطی منة للعلمین وللمتقی منّة علیه (احسان سیوطی برہمہ عالم است واحسان متقی برسیوطی است)
۵۵	مسند امام حنبل	امام المحدثین احمد حنبل	**کشف الظنون میں ہے** مسند الامام احمد بن حنبل المتوفّٰی سنہ ۲۴۱ ہجری هو کتاب جلیل وانّ احمد بن حنبل شرط فیه ان لایخرج الاحدیثا صحیحا عنده۔ **بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی میں ہے** امام احمد چوں از مسودہ این سند فارغ شد ہمہ اولاد خود را جمع کرده پریشان خواند وگفت ایں کتابیست کہ من آنرا جمع کرده ام وچیده ام از ہفت لک وپنجاہ ہزار حدیث یعنی طرق پس اگر مسلمانان را اختلافی شود در حدیثے از احادیث حضرت پیغمبر علیہ السلام باید کہ بایں کتاب رجوع کنند۔
۵۶	مستدرک	امام حاکم نیشاپوری	**وفیات الاعیان میں ہے** ابو عبد الله محمد المعروف بالحاکم النیشاپوری الحافظ امام اهل الحدیث فی عصره والمؤلف فیه الکتب التی لم یسبق الی مثلها کان عالما عارفا واسع العلم المتوفّٰی سنہ ۴۰۵ ہجری
۵۷	موطا امام مالک	امام المحدثین مالک	**کشف الظنون میں ہے** موطا فی الحدیث للامام مالک ابن انس بن مالک الاصبحی المدنی امام دار الهجرة المتوفّٰی سنہ ۱۷۹ ہجری

۵۸	معجم کبیر طبرانی	امام طبرانی	**کشف الظنونؒ میں ہے** معجم الکبیر فی الحدیث للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الحافظ المتوفی سنہ ۳۶۰ ہجری۔
۵۹	معارف ابن قتیبہ	ابن قتیبہ دینوری	**کشف الظنونؒ میں ہے** معارف فی التاریخ لابن قتیبۃ ابی محمد عبد اللہ بن مسلم الدینوری المتوفی سنہ ۲۷۶ ہجری۔
			الفاروق شبلی نعمانی میں مرقوم ہے عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ یہ نامور اور مستند مصنف ہیں۔ محدثین بھی اسکے اعتبار اور اعتماد کے قائل ہیں تاریخ میں اسکی مشہور کتاب معارف ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ گئی ہے
۶۰	کتاب الامامت والسیاست	ابن قتیبہ کاتب دینوری	**مقدمہ الامامت والسیاست (محمود رافعی) مطبوعہ مصر میں مرقوم ہے** کتاب الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبۃ الدینوری وحلی فریدا فی بابہ۔ حسناً فی اسلوبہ لم یکن فی موضوعہ مثلہ فقد جمع فیہ مؤلفہ رحمۃ اللہ من طرائف الاخبار ونوادر التاریخ فیما یتعلق بمسائل الامامۃ وما وقع الیہ صحابہ رضوان اللہ علیہم۔
۶۱	ریاض مستطابہ	علامہ یحییٰ عامری	**کشف الظنونؒ میں ہے** الریاض المستطابۃ فی جملۃ من روی فی الصحیحین علی الصحابۃ للامام عماد الدین یحییٰ ابن ابی بکر العامری الیمانی المتوفی سنہ ۸۹۳ ہجری۔
۶۲	فتح الباری شرح صحیح بخاری	علامہ ابن حجر	موصوف کے اوصاف اوپر مرقوم ہوچکے
۶۳	ارشاد الساری شرح صحیح بخاری	قسطلانی	**بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی میں ہے** ارشاد الساری مشہور بہ قسطلانی شرح صحیح بخاری است تصنیف شہاب الدین احمد بن ابوبکر قسطلانی۔ وتصانیف کہ از و یادگار ماند از اجل انہا این شرح است۔

۶۴	عمدۃ القاری	علامہ محمود عینی	**فوائد البهیہ فی تراجم الحنفیہ مولوی عبدالحئی لکھنوی میں ہے** قاضی القضاۃ بدر الدین عینی ولد بمصر ۷۶۲ ھجری له شرح صحیح البخاری شرح معانی الآثار وشرح الهدایۃ وغیر ذلک کان اماما عالما علامۃ وقد طالعت عمدۃ القاری والنهایۃ شرح الهدایۃ وکلها مفیدۃ۔
۶۵	ینابیع المودۃ	امام قندوزی	**ارجح المطالب میں ہے** للامام سلیمان البلخی القندوزی۔
۶۶	شفا فی تعریف حقوق المصطفےٰ	قاضی عیاض	**کشف الظنون میں ہے** شفا فی تعریف حقوق المصطفےٰ للامام الحافظ ابی الفضل عیاض القاضی المتوفی ۵۴۴ ھجری (الی ان قال) ھو کتاب عظیم النفع کثیر الفوائد لم یؤلف مثلہ فی الاسلام
۶۷	عقد الفرید	ابن عبد ربہ	**وفیات الاعیان ابن خلکان میں ہے** ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربہ کان من العلماء المکثرین من المحفوظات والاطلاع علی اخبار الناس وصنف کتابہ العقد وھو من الکتب الممتعۃ حوی من کل شیٔ
		کتب رجال	
۶۸	تذکرۃ الحفاظ	ذہبی	**بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی میں ہے** ذہبی از مشاہیر مشائخ حدیث است دخیلے بزرگ است۔
۶۹	تدریب الراوی	سیوطی	**کشف الظنون میں ہے** تدریب الراوی شرح تقریب النووی (قال فی ذکر تقریب النووی) له شروح منها الشرح الشیخ جلال الدین السیوطی سماہ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی۔
۷۰	تہذیب الکمال	مزی	**کشف الظنون میں ہے** تہذیب الکمال فی اسماء الرجال للحافظ جمال الدین یوسف

			المزّی المتوفّی سنہ ۷۴۲ھ وھو کتاب کبیر لم یولف مثلہ۔
۷۱	خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال	صفی الدّین خزرجی	**سیرۃ النعمان مولوی شبلی صاحب نعمانی میں ہے** رجال و تاریخ کی مستند کتابیں جن میں امام ابوحنیفہ کا ذکر ہے۔ اکثر میری نظر سے گذریں۔ جن میں تاریخ صغیر بخاری۔ معارف ابن قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی۔ انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء والصفات نووی تذکرۃ الحفّاظ ذہبی دول الاسلام ذہبی عبر ذہبی تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ خلاصہ تذہیب التہذیب الکمال للعلامہ صفی الدین خزرجی خاصۃً قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا دارومدار ہے
۷۲	کتاب الانساب	سمعانی	**کشف الظنون میں ہے** انساب السمعانی للامام ابوسعید عبدالکریم سمعانی الشافعی المتوفّی سنہ ۵۶۲ھ وھو کتاب عظیم فی ھذا الفن
۷۳	وفیات الاعیان	ابن خلکان	**حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ سیوطی میں ہے** ابن خلکان قاضی القضاۃ شمس الدین ابوالعباس احمد بن ابراھیم بن ابی بکر الشافعی صاحب وفیات اعیان کان ذکیا عارفا بایام الناس مات رجب سنہ ۶۸۱ ہجری۔

تمّت بالخیر والعافیۃ

بار دوم

یکم جنوری سنہ ۱۹۳۷ء
مطابق
۱۷ شوال سنہ ۱۳۵۵ھ

سید اولاد حیدر عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین اسوۃ الرسولؐ جلد دوم

مضمون	صفحہ
وفات حضرت عبداللہ علیہ السلام	
حضرت عبداللہؑ کی وفات	۱
وفات حضرت عبداللہ پر حضرت آمنہؑ	۳
کا مرثیہ۔	،،
حضرت عبداللہؑ کا ترکہ۔	،،
سوائے آنحضرتؐ کے حضرت	،،
عبداللہ و آمنہؑ کی اولاد نہیں تھی	،،
ایام حمل میں ظہور کرامات۔	۴
ظہور کرامات سے سر ولیم میور کا	۵
انکار۔ اُن کا جواب۔	،،
نزول رحمت۔ ولادت شہنشاہ رسالتؐ	
ولادت باسعادت	۷
تاریخ۔ روز اور سن ولادت کی تحقیق	،،
حضرت عبدالمطلبؑ اور مژدۂ ولادت	۱۰
تقریب ولادت میں حضرت عبدالمطلبؑ کے اشعار	۱۱
ان اشعار دعائیہ پر سر ولیم میور کا	،،
اعتراض۔ اور جواب۔	۱۱
روز اور وقت ولادت کی تحقیق۔	۱۲
مقام ولادت	۱۳
رسم تسمیہ و ولیمہ عقیقہ کنیت و القاب	۱۳
آنحضرت صلعم	،،
آنحضرت صلعم کی دائیاں۔	۱۴
مختون پیدا ہونے پر میور صاحب کا اعتراض	۱۵
اُس کا جواب	،،
ثوبیہ کے ایام رضاعت حلیمہ سعدیہ	۱۷
کی رضاعت کا زمانہ	،،
تسمیہ احمد پر میور صاحب کا اعتراض کا جواب	۱۶
حلیمہ سعدیہ کے ساتھ آئندہ محاسن سلوک	۱۹
اولاد حلیمہ سعدیہ کیساتھ آئندہ محاسن سلوک	۲۰
شیمہ دختر حلیمہ کے ساتھ محاسن سلوک	۲۱
تمام قبیلہ بنی سعدیہ کے ساتھ محاسن سلوک	۲۲
ایام رضاعت کے واقعات پر میور	۲۴
صاحب کے اعتراضات۔ اُن کے	،،
جوابات	،،
حلیمہ سعدیہ کے انعام خدمات	۲۵
طفولیت میں ضبط	،،
اوقات اور دیگر پاکیزہ عادات	،،
ایام طفولیت	،،
نبوت کی قوت ارتقاد نمو	۲۷
حضرت آمنہ کا انتقال	۲۸
ماں کی قبر کی زیارت	۲۹
حضرت عبدالمطلب کی کفالت	۳۰
قدیم آئین تعظیم سے استشناد دعائے	۳۱
استسقا میں شرکت۔ کفالت عبدالمطلبؑ	۳۲
پر مارگیولوس کا اعتراض اُسکا جواب	،،
کفالت ابی طالبؑ	
وفات حضرت عبدالمطلبؑ	۳۵
وفات حضرت مطلب پر آنحضرتؐ کا ملال	۳۶
حضرت ابی طالبؑ کی کفالت	،،
کفالت زبیر کے غلط افسانہ کی تنقید	،،
ابیطالبؑ کے دل میں رسولؐ کی محبت	۳۷
ابی طالبؑ اور رسول اللہ کی عقیدت	،،
اشعار ابی طالبؑ کی مقبولیت	۳۸
گھر کی دنبیوں کی گلہ بانی	۴۱
موضوعیت اشعار ابی طالبؑ کی تنقید	۴۶
دنبیاں چرانے کی نسبت عیسائیوں کا اعتراض	۴۷
اعتراضات کی حقیقت کا انکشاف	۵۰
ابی طالبؑ کے ساتھ آنحضرتؐ کا سفر	۵۲
شام اور راہب بحیرہ کا مشہور قصہ	،،

شبلی صاحب کی تنقید قصہ راہب	۵۴
شبلی صاحب کی تنقید کی تنقید	״
آنحضرت صلعم کے محاسن اطوار قبل از بلوغ	۶۸
آنحضرت صلعم اور حرب الفجار میں شرکت	۶۹
آنحضرت صلعم اور حلف الفضول	۷۱
کے معاہدے میں شرکت۔	״
سن بلوغ	
تزویج با حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا	۷۳
شغلِ تجارت	״
حضرت خدیجہ کی وسیع اور فروغ	۷۵
یافتہ تجارت	״
آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہؑ کی	״
تجارت کا انتظام	״
حضرت خدیجہ کا پیام نکاح اور آنحضرت کا	״
ایجاب	״
مجلس نکاح حضرت ابی طالبؑ کا خطبہ	۷۸
حضرت خدیجہ کی طرف سے ورقہ کا خطبہ جوابیہ	۸۰
حضرت خدیجہ کی طرف سے ولیمہ نکاح	۸۱
تعمیر خانہ کعبہ۔	۸۲
موجودہ تعمیر میں اضافات ...	۸۵
محمد الامین صلعم	۸۶
تربیت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام	۸۹
تجارت کی ضرورت سے بیرونجات میں سفر	۹۱
مراسم شرک سے ہمیشہ اجتناب	۹۵
ایک صاحبزادہ کا عبدالعزیٰ نام رکھنے کا غلط فسانہ	۱۰۳

اس فسانہ کے متعلق شبلی صاحب کا	۱۰۴
حضرت خدیجہ کی نسبت غلط قیاس اور انکی تنقید	״
موحدین سے ملاقات	۱۰۵
احباب خاص	۱۰۸
شبلی صاحب کے دونوں مذکورہ بالا عنوان	۱۱۱
کی تنقید	״
اسباب رسالت	
اسباب رسالت	۱۱۷
مذہب یہود کی زوال پذیر حالت	۱۱۹
عیسائیت کی خراب حالت	۱۲۲
پولوس نے خالص عیسائیت کو خارجی	۱۲۳
عقائد سے آلودہ کر دیا۔	״
عیسائیت کی خرابیوں کی مفصل کیفیت	
وجود عیسیٰ کے متعلق عیسائیوں کے	۱۲۴
مختلف عقائد اور ان کے مختلف فرقے	״
پہلی صدی عیسوی میں عیسائیت کی خراب	۱۲۶
حالت	״
دوسری صدی میں خراب حالت فرقہ	۱۲۷
مارکونائٹ فرقہ والنتنین فرقہ	״
افانائٹس (افیونی) فرقہ ہیراکوس	״
فرقہ مانٹینوس۔ فرقہ مالونیہ	۱۲۸
تیسری صدی میں عیسائیت کی خراب	۱۳۰
حالت۔ فرقہ سیبلین کا آغاز	״
چوتھی صدی میں عیسائیت کی خراب حالت	۱۳۱

فرقہ ایرین کا ظہور	״
کونسل نیس اور عقائد کی تدوین	۱۳۲
پانچویں صدی میں عیسائیت کی خراب حالت	۱۳۳
مختلف مذاہب کی کتابیں۔	״
چھٹی صدی میں عیسائیت کی خراب حالت	״
فرقہ مینوفیسائیٹ	״
فرقہ مینوتھیافٹ کی ابتدا ...	۱۳۴
قتل ہیپیا	۱۳۵
شاہ مارقیوس کا قتل ناحق	۱۳۶
مختلف قطعات عالم میں عیسائیوں کے مظالم	۱۳۷
ملک سپین میں حکومت عیسائی	۱۳۹
یورپ میں عیسائیت کی دینی اور دنیوی	۱۴۰
بد نظمی۔	״
قبل بعثت۔ ملک عرب کے خاص حالات	۱۴۱
عرب میں بت پرستی کیسے آئی۔	۱۴۲
عرب کے بتوں کے نام اور مقام۔	״
عرب کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں	۱۴۴
عرب کے الہامی مذاہب	
مذہب صابی۔	۱۴۶
مذہب ابراہیمی۔	۱۴۷
مذہب یہود۔	۱۴۹
مذہب عیسائی۔	״
عرب میں ظہور اسلام	
خاص عرب میں آنحضرت صلعم کے مبعوث	۱۵۲
ہونے کی ضرورت	״

شبلی صاحب کا خاندان رسالت پر غلط الزام ۱۵۵
شبلی صاحب اور واقعات مناقض شان رسالت ۱۵۸
نزول وحی۔ ۱۶۰
اقسام وحی۔ ۱۶۲
غار حرا۔ ،،
تحنث۔ عبادت قبل رسالتؐ ۱۶۳
نزول اقرا اور ۱۶۶
حصول منصب رسالتؐ ،،
شبلی صاحب کی غلط فہمی کی اصلاح ۱۶۸

تبلیغ رسالت اور نبوت کا پہلا سال

حضرت علیؑ کی سبقت فی الاسلام ۱۷۳
بعد اسلام حضرت خدیجہؓ ،،
سبقت فی الاسلام کا مسئلہ (حاشیہ) ،،
حضرت ابوبکرؓ کا اسلام ۱۷۹
حضرت ابوذر غفاری کا اسلام ۱۸۱
حضرت عمار ابن یاسر کا اسلام ۱۸۴
حضرت طفیل ابن عمرو دوسی کا اسلام ،،
حضرت ضماد بن ثعلبہ ازدی کا اسلام ۱۸۵
حضرت خالد ابن سعید بن عاص کا اسلام ،،
حضرت مقداد بن جندب کا اسلام ۱۸۶
تین برس (نبوت کا پہلا دوسرا اور تیسرا ،،
پہلے دوسرے اور تیسرے سال ،،
تک تبلیغ اسلام کا مخفی انتظام پہلے ،،
غربائے امت نے دعوت اسلام قبول ۱۸۸
کی ابتدا میں اظہار اسلام کی جرأت ۱۸۹

نبوت کا چوتھا سال

دعوت قریش۔ ۱۹۳
حدیث اخی و وصی و خلیفتی۔ ،،
عبارت حاشیہ متعلقہ حدیث مذکور از ،،
صفحہ ۱۹۴ تا صفحہ ۱۲۵ ،،
دعوت قریش اور عیسائی مؤلفین کی تصدیق ۲۰۹

نبوت کا پانچواں سال

کفار کے اسباب مخالفت۔ ۲۱۳
مدت تک کفار کی خاموشی کے اسباب ۲۲۱
ظالمین قریش اور مظلومین اسلام ۲۲۲
خباب بن الارت۔ ۲۲۳
حضرت بلال اور صہیب رومی ،،
ابوفکیہہ۔ حضرت عثمان۔ زبیر بن العوام ۲۲۴
سعد بن زید مصعب بن عمیر اور سعد وقاص ۲۲۵
مسلمان عورتوں پر مظالم۔ ۲۲۶
لبینہ۔ زنیرہ۔ نہدیہ اور ام عبیس پر ،،
حضرت عمر کے مظالم۔ ،،
قریش اور آنحضرتؐ کی مخالفت پر مشورت ۲۲۶
قریش کی پہلی وفد۔ آنحضرت کی شکایت ۲۲۷
ابی طالبؑ کی خدمت میں۔ ،،

نبوت کا چھٹا سال

حضرت حمزہ کا اسلام لانا ۲۲۸
کفار قریش اور آنحضرت صلعم کو تبلیغ ۲۳۰
اسلام سے باز رکھنے کی کوششیں ،،

نبوت کا ساتواں سال

ہجرت حبشہ۔ ۲۳۳
نجاشی کے دربار میں سفرائے قریش کی ،،
اپیل۔ اُنکی تردید میں حضرت جعفر کی تقریر ۲۳۶

حضرت عمر کا اسلام لانا ۲۳۸

حضرت عمر کے اسلام لانیکی دوسری روایت ۲۴۲
قریش اور آنحضرتؐ سے بالمشافہ گفتگو۔ ۲۴۷
قریش اور بنی ہاشم سے ترک موالات ۲۵۰
بنی ہاشم سے ترک موالات کا عہدنامہ ،،
بنی ہاشم اور ابی طالبؑ کی حمایت ،،
شعب ابی طالبؑ کی سہ سالہ قید سخت ۲۵۱

نبوت کا دسواں سال

(عام الحزن) ،،
سہ سالہ قید سے مخلصی ۲۵۳
معراج۔ وجوب نماز۔ ۲۵۶
وفات ابیطالبؑ و خدیجہؓ۔ ایمان ابی طالبؑ ۲۶۱
مصائب رسولؐ۔ ،،

نبوت کا گیارھواں سال

سفر طائف اور رسول اللہ کے مصائب ۲۶۸
قیام طائف ۲۷۲
عداس نامی عیسائی کی تصدیق رسالت
اُس کا اسلام اور بخیر انجام

قبائل عرب میں اسلام کی تبلیغ

طائف سے مکہ میں واپس آنیکی دشواریاں ۴
قبائل عرب میں مختلف مواقع پر تبلیغ اسلام ،،

قبیلہ بنو حنیفہ ۔ ۲۷۵
قبیلہ بنو ذہل بن شیبان ۔ //
قبیلہ بنو عامرہ ۔ ۲۷۶
قبیلہ بنو کندہ ۔ //
قبیلہ بنو حنیف //
طائف سے واپسی کے بعد آنحضرتؐ //
صلعم پر مصائب کا فتح الباب //
ان غیر متحمل مصائب پر آنحضرت صلعم ۲۷۸
کا بے نظیر استقلال //
حضرت موسیٰؑ کے صبر علی المصائب ۲۷۹
سے موازنہ .... //
حضرت عیسیٰؑ کے صبر علی المصائب //
سے موازنہ .... //

نبوت کا بارہواں سال

مدینہ منورہ اور قبائل انصار ۲۸۰
عقبۂ اولیٰ میں انصار کی بیعت ۲۸۲
عقبۂ ثانی میں انصار کی بیعت ۲۸۵
مصعب بن عمیر ہاشمی کے تبلیغی خدمات ۲۸۶
انصار اور رسول اللہ کو ہجرت مدینہ کی دعوت ۲۸۹
سعد بن عبادہ انصاری اور قریش ۲۹۲
کے مظالم صحابہ کو ہجرت مدینہ کا حکم ۔ ۲۹۴
حضرت ام سلمہ پر ہجرت مدینہ کیلئے مظالم ۲۹۵

نبوت کا تیرہواں اور ہجرت کا پہلا سال

ہجرت رسول اللہ صلعم ۲۹۶
بخاری کی مرویات ہجرت کی حقیقت ۲۹۹
کا انکشاف .... //
فرش رسول اللہ پر علی مرتضیٰؑ کا ۳۱۳
بے نظیر استقلال ...... //
حضرت ابوبکرؓ اور رسول اللہ کی خدمت ۳۱۵
واقعہ خیمہ ام معبد رض ۳۱۶
سراقہ بن خثعم کا واقعہ ۳۱۹
عامر بن فہیرہ کی حقیقت ۳۲۰
سفر مدینہ کی منزلیں ۳۲۱
مدینہ میں نزول رسول صلعم ... //
قبا میں نزول رسالت .... //
قبا میں حضرت علی کا ورود .. ۳۲۲
قبا میں رسول اللہ کا پہلا خطبہ ۳۲۳
خاص مدینہ منورہ میں داخلہ ۔ ۳۲۵
حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر میں قیام ۳۲۶
مسجد نبوی کی تعمیر ۳۲۷
حضرت عمار بن یاسر کے محاسن خدمات //
ازواج مطہرات کے لیے مکانات ۳۳۰
ابتدائے اذان ۳۳۱
مہاجرین و انصار کے مابین اخوت ۳۳۶
مہاجرین کے ساتھ انصار کے ۳۴۰
محاسن سلوک .... //
اصحاب صفہ ۳۴۲
یہودان مدینہ ۳۴۳
مسلمانان اور یہودان مدینہ میں باہمی معاہدہ //
مسلمانوں سے عیسائیوں کی نفرت ۳۴۴
معاہدۂ سابق مذکور کی پوری تفصیل ۳۴۵
کلثوم بن الہدم اور سعد بن زرارہ ۳۴۷
دو میزبانان انصار کی رحلت //

سنہ ۲ ہجری

تحویل قبلہ ۳۴۷
سلسلۂ غزوات ۳۵۱
غزوات کی ضرورتیں اور جہاد ۳۵۲
کی مجبوریاں .... //
یہود و نصاریٰ کے عمل فی الجہاد کی مثالیں ۳۵۵
غزوہ ودان یا غزوۂ ابوا ... ۳۵۸
غزوہ بواط ۳۵۹
غزوۂ ذو العشیرہ //
اسی غزوہ میں حضرت علیؓ کی کنیت //
ابو تراب مشہور ہوئی ...... //
عبد اللہ بن ابی سلول کی شرارت ۳۶۰
یہودیوں سے قریش کی خفیہ سازش ۳۶۲
مسلمانوں کو قتل و غارت کی دھمکی //
کرز بن جابر الفہری کا مدینہ پر حملہ ۔ ۳۶۴
ابوجہل کی قیادت کی چال عبد اللہ بن جحش ۳۶۵
کا بیجا اشتعال عبد اللہ حضرمی کا قتل //
جنگ بدر کے اصلی اسباب ۳۷۲
نزول حکم جہاد اور اس کی ناگزیر ضرورت ۳۷۵

جنگ بدر سنہ ۲ ہجری

کفار قریش اور بدر کا سامان جنگ ۳۷۶

جنگ بدر کا اعلان اور مبارزان اسلام	۳۷۸	شبلی صاحب کی صریح چشم پوشی۔۔	//	جواز فدیہ کی معرکۃ الآرا بحث۔	۴۲۰
کی عقیدت	//	ابوحذیفہؓ کی عقیدتمندانہ غلط فہمی	۳۹۹	بدر میں کثیر التعداد کفار کی شکست اور	۴۲۹
سعد بن عبادہ رئیس خزرج کی تقریر	۳۷۹	اس پر خجالت و شرمندگی...	//	قلیل التعداد مسلمانوں کی فتح کامل	۴۳۴
میدان بدر کی طرف روانگی۔	۳۸۱	ابو البختری کی جاہلانہ حمیت	۴۰۲	کے اسباب	//
شبلی صاحب کی غلط فہمی کی تنقید۔	۳۸۲	ابوجہل کا قتل	۴۰۳	فتح بدر کے خوشگوار نتائج	۴۳۷
موقع بدر	//	فوج کفار کی ابتر حالت اور حضرت	۴۰۶	فتح بدر کے ناگوار نتائج	//
لشکر اسلام میں سامان جنگ	۳۸۵	علیؑ کی شجاعت و دلیری۔	//	مکہ میں مقتولین بدر کا گھر گھر ماتم	//
حباب بن منذر کی مفید مشورت	۳۸۶	شہیدان بدر کی جان نثاریاں	۴۰۹	بدر کے خاتمہ کیساتھ ابولہب کا خاتمہ	۴۳۸
سقّایان قریش کی گرفتاری	۳۸۷	مہجع شہید اول ہیں	//	عمیر بن وہب اور رسولؐ کے قتل کا قصد	۴۳۹
کفار قریش کی بدنیتی کا نتیجہ۔۔	۳۸۸	حارث بن سراقہ کی شہادت	۴۱۰	غزوہ قرقرۃ الکدر ذی قعدہ سنہ ۲ھ	۴۴۱
لشکر اسلام میں صف بندی۔	۳۸۹	عمر بن الحمام کی شہادت۔	//	تزویج جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا	۴۴۲
حکیم بن حزام اور مصالحت کی تدبیر	۳۹۱	عوف بن مالک کی شہادت	۴۱۱	واقعات متفرقہ سنہ ۲ھ۔	۴۴۵
میدان جنگ میں عریشہ رسولؐ کی تیاری	۳۹۲	سعد بن خثیمہ اور مبشر بن منذر	//	شبلی صاحب کے سلسلہ بیان میں	۴۴۶
مقابلہ کے متعلق آنحضرتؐ کا مترحمانہ حکم	//	کی شہادت	//	بدترتیبی اور بے ربطی	//
جنگ میں قریش کی سبقت عامر کی	//	جنگ بدر کے اصلی ہیرو حضرت علی	//	غزوہ بنی قینقاع	۴۴۷
مبارز طلبی	//	علیہ السلام ہیں	//	یہودیوں کے مخرب اخلاق اور ظالمانہ	۴۴۸
مہجع اور عامر کے مقابلہ کی نسبت شبلی	۳۹۴	مقتولین بدر کی تدفین....	۴۱۲	عادات واطوار	//
صاحب کی غلط فہمی مع حاشیہ۔۔	//	ابوحذیفہ بن عتبہ کی قوت اسلام	۴۱۳	یہود اور مخالفت اسلام	۴۵۱
عتبہ اور شیبہ اور ولید کی مبارز طلبی انصار	۳۹۵	اسیران بدر کے ساتھ مترحمانہ سلوک	۴۱۴	بنی قینقاع کی خصوصیتیں	۴۵۲
کے مقابل سے انکار۔ حمزہؓ۔ عبیدہ	//	زرمگاہ سے مراجعت۔ منزل روحا میں	۴۱۵	بنی قینقاع کے خاص حالات۔	۴۵۳
اور حضرت علیؑ سے مقابلہ...	//	عبیدہ کی شہادت۔ مدینہ منورہ میں داخلہ	//	**سنہ ۳ ہجری**	
عتبہ شیبہ اور ولید کا قتل۔ عبیدہ کا	۳۹۶	تائید غیبی کے چشم دید واقعات	۴۱۶	قتل کعب بن اشرف یہودی۔۔	۴۵۴
مجروح ہونا۔ اُن کا شوق شہادت	//	حضرت عباس کا اسلام لانا۔	۴۱۹	شبلی صاحب کا خائفانہ اختصار	۴۶۲
نزول آیہ ہٰذان خصمان الخ	۳۹۷	ادائے فدیہ کا ایک درد انگیز واقعہ	//	قتل ابو رافع۔ سلام بن	۴۶۳
حکم قتل سے بنی ہاشم کا استثناء	//	ابو العاص کا اسلام لانا۔	//	ابی الحقیق	//

جنگ اُحد ۳ سنہ ہجری

ابوسفیان کا سرمایہ جنگ ..	۴۶۷
کافرہ عورتوں کا بیڑہ	״
مدینہ میں آمد قریش کی خبر ۔	۴۶۸
مقابلہ کی تجویز	״
لشکر اسلام کا جائزہ	۴۶۹
ترتیب لشکر اور حفاظت فوج	۴۷۰
ابن ابی سلول اور لشکر اسلام سے علیحدگی	۴۷۱
ترتیب لشکر اسلامی	״
کفار اور سبقت جنگ ۔ ابوعامر کا مقابلہ	۴۷۲
مبارزان اسلام کی شجاعت	۴۷۳
حضرت علی اور علمداران قریش کا قتل	״
تیر اندازان اسلام کی لاعلمانہ غلطی	۴۷۵
حضرت حمزہؓ کی شہادت	۴۷۶
فوج اسلام کی گریز ۔ آنحضرت کا	۴۷۸
مجروح ہونا ۔	״
مفرورین اُحد	۴۸۰
مفرورین اُحد کی بازگشت	۴۸۳
مبارزین اسلام ۔ قائمین فی الجہاد	۴۸۶
کی دلیرانہ خدمات	״
حضرت ابودجانہ انصاری کی محاسن	״
خدمات	״
مصعب ابن عمیر ہاشمی کے محاسن	۴۸۷
خدمات	״
حنظلہ بن ابوعامر کی محاسن خدمات	״
سعد بن الربیع انصاری کی محاسن خدمات	۴۸۸
عمار ابن زیاد انصاری کی جانثاری	״
سہل ابن حنیف انصاری کی محاسن خدمات	۴۸۹
حضرت علی مرتضیٰ کے محاسن خدمات	۴۹۰
حضرت علی اور ذکوان کی حمایت	۴۹۳
نضر بن الحارث انصاری کی جانثاری	۴۹۴
پانچ انصاریوں کی ایک بار	״
جان نثاریاں	״
ابوطلحہ انصاری کی رفاقت	״
خواتین اسلام کی مردانہ ہمت و	״
رفاقت	״
ایک خاتون انصاریہ کی رفاقت	״
سعد بن معاذ کی ماں کی عقیدت	۴۹۵
جراحت رسولؐ سے کر خاتمہ	۴۹۶
جنگ تک کے حالات ...	״
میدان جنگ سے قریش کی واپسی	۴۹۷
شہدائے اُحد کی تدفین	״
حضرت حمزہؓ کی لاش	״
مدینہ میں داخلہ ، شہدا کا ماتم ۔	۵۰۰
جنگ اُحد پر رائے	״
غزوہ حمراء الاسد	۵۰۲
ابوعزہ اور معاویہ بن مغیرہ کا قتل	۵۰۳
واقعات متفرقہ ۳ سنہ ہجری	״

۴ سنہ ہجری

سریۃ ابوسلمہ	۵۰۵
سریۃ ابن انیس	״
واقعات ذات الرجیع	״
خبیب بن عدی کی ہیبتناک سرگذشت	۵۰۷
زید بن الدثنہ کا عبرتناک قتل ۔	۵۱۰
واقعہ بیر معونہ	״
غزوہ بنی نضیر ۴ سنہ ہجری	۵۱۲
غزوہ بنی نضیر	״
یہود بنی نضیر اور قتل رسول صلعم کی	״
مکارانہ ترکیب	״
بنی نضیر کا محاصرہ	۵۱۳
بنی نضیر اور شب خون کا ارادہ ۔	۵۱۶
مدینہ سے بنی نضیر کی شاندار جلاوطنی	۵۱۷
انصار کا مہاجرین کے ساتھ بے مثال	۵۱۸
ایثار	״
تقسیم اموال بنی نضیر	۵۲۰
واقعات متفرقہ ۴ سنہ ہجری	۵۲۱
حضرت فاطمہ بنت اسدؓ مادر حضرت	״
علی کی وفات	״

۵ سنہ ہجری

ذات الرقاع	۵۲۲
غزوہ دومۃ الجندل	۵۲۳
غزوہ بنی المصطلق	״
شبلی صاحب سے خاص گذارش	۵۲۴
عبداللہ بن ابی سلول کی فتنہ انگیزی	۵۲۵
حضرت عمر کے شوری پر عبداللہ بن	۵۲۶

ابی کے بیٹے کی ناراضی ... ۵۲۶
حضرت جویریہ کا قصہ ..... ،،
قصۂ افک حضرت عائشہ پر غلط الزام ۵۲۷

غزوہ خندق یا جنگ احزاب ۵ھ ہجری

قریش کی تیاری
بنی قریظہ سے سازش ۵۲۹
خندق کھودنے کی تجویز اور ۵۳۰
حضرت سلمانؓ کے خدمات ... ،،
منافقین کی علیحدگی ۵۳۲
بھوک کی شدت اور رسولؐ کا تحمل
جناب فاطمۃ الزہراؑ اور رسولؐ کی خدمت ۵۳۳
مقابلہ قریش کا انتظام ...... ،،
ایام محاصرہ میں رسول اللہ کی ،،
ذاتی تکلیفیں
عباد بن بشر انصاری کی خدمات ۵۳۴
انصار کا کمال استقلال .... ،،
حضرت صفیہ کی مردانہ وار دلیری ۵۳۵
باہمی مقابلہ عمر بن عبدود کی شاندار ۵۳۶
آمد۔ فوج اسلامی پر اُسکا رُعب ،،
حضرت علیؑ کی بے نظیر شجاعت ،،
عمر ابن عبدود سے مبارزت ،،
خدمت رسولؐ سے علیؑ کی رخصت ۵۳۷
حضرت علیؑ اور عمر بن عبدود ۵۳۹
سے مکالمہ اور مقابلہ .... ،،
عمر بن عبدود کا قتل ۵۴۰
زور بازو حضرت علیؑ کا لقب ہونا ،،
حضرت عمرو اور بھائی سے مقابلہ ۵۴۱
نوفل کا قتل ...... ،،
نوفل کی لاش کی قیمت لینے ،،
سے آنحضرت صلعم کا انکار ،،
بہن نے بھائی کی لاش کو ،،
محفوظ دیکھ کر قاتل کی تعریف ،،
کی ،،
زبان رسولؐ سے مبارزت علیؑ کی ،،
اہمیت ..... ،،
زبان خدا سے مبارزت ۵۴۲
علیؑ کی اہمیت ..... ،،
میدان جنگ سے قریش کا فرار ،،
سعد بن معاذ کا زخمی ہونا۔ ۵۴۳
قریش کے اتنا جلد فرار کرنے کے ،،
اسباب ...... ،،
بنی قریظہ نے قریش کا ساتھ ۵۴۴
چھوڑ دیا ...... ،،
فرار کفار کی دوسری وجہ .. ،،
حذیفہ بن یمان کے محاسن خدمات ،،

غزوہ بنی قریظہ (۵ھ ہجری) ،،

غزوہ بنی قریظہ ۵۴۷
حضرت علیؑ اور یہود کی سخت کلامی ،،
سعد بن معاذ کی تحکیم ۵۴۹
یہود کی ایک دلیر عورت ۵۵۰
سزائے قریظہ اُصول قصاص ۵۵۱
کے مطابق تھی ..... ،،
قریظہ کے معاملہ میں اسلام ،،
نے حضرت موسیٰ سے زیادہ ۵۵۲
رعایت کی ..... ،،
ریحانہ کا غلط واقعہ ۵۵۳
حضرت زینب سے نکاح ۵۵۵
واقعات متفرقہ ۵ھ ہجری ۵۶۱

تمت بالخیر والعافیۃ

المؤلف الاحقر سید اولاد حیدر عفی عنہ

اللہ اکبر

اسوۃ الرسولؐ جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَ اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ

شادی وغم توام

~ این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

حضرت عبد اللہ علیہ السلام کی وفات

شادی وغم توام ہوتے ہیں اور حکم تقدیر محکم۔ افسوس ہے کہ اس اتحاد وازدواج کا زمانہ کچھ بھی دیرپا نہ رہا اور کل آٹھ ہی مہینوں کی مختصر اور شماری مدت تمام ہو کر یہ اتحاد و اتصال الوداع والفراق سے بدل ہو گیا۔ اگرچہ اس اتنے ہی قلیل عرصہ میں مدبر قدرت نے اپنی ودیعت وامانت کے استیداع و استقرار کے تمام انتظام تیار و مرتب کر لیے تھے۔ مگر ساتھ ہی اس کے مشیت کو یہ ودیعت صدف قدرت میں دریتیم بنا کر رکھنا تھا۔ اس لیے جناب آمنہ کو آٹھ مہینے کی مدت حمل تمام ہونے پائی تھی کہ حضرت عبد اللہؑ نے انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

تاریخوں میں جب زمانہ وفات کی تلاش کی جاتی ہے۔ تو صحیح قرائن یہ بتلاتے ہیں۔ کہ واقعہ فیل کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ نے رحلت فرمائی۔ مقام وفات **مدینہ** ہے۔ شام سے قافلہ تجارت کے ساتھ واپس ہوئے تو مدینہ میں پہونچکر علیل ہو گئے۔ اس لیے وہیں ٹھہر گئے۔ اور قافلہ مکہ چلا آیا۔ ایک مہینہ کی علالت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہی۔ اور وہیں انتقال فرمایا۔ اس کی تفصیل ابن سعد کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

خرج عبد اللہ بن عبد المطلب الی الشام الی الغزۃ فی
عیر من عیرات قریش یحملون تجارات ففرغوا من تجارتہم
ثم انصرفوا فمروا بالمدینۃ وعبد اللہ بن عبد المطلب
یومئذ مریض فقال انا اتخلف عند اخوالہ بنی عدی
بنی النجار فاقام عندہم مریضا شہرا ومضی اصحابہ
فقدموا مکۃ فسألہم عبد المطلب بن عبد اللہ فقالوا
اخلفناہ عند اخوالہ بنی عدی بن النجار وھو
مریض فبعث الیہ عبد المطلب اکبر ولدہ الحارث
فوجدہ قد توفی ودفن فی دار النابغۃ وھو
رجل من عدی بن بنی النجار فی دار التی اذا
دخلتھا فالدویرۃ عن یسارک واخبرہ اخوالہ
بمرضہ وبقیامہم علیہ وما ولوا من امرہ و
انھم خبروہ فرجع الی ابیہ فاخبر فوجد علیہ
عبد المطلب واخوتہ واخواتہ وجدا شدیدا و
رسول اللہ صلعم یومئذ حمل لعبد اللہ یوم
توفی خمس وعشرون طبقات ص ۶۱

حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب قریش کے قافلوں میں سے ایک قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت شام کے مشہور شہر غزہ میں گئے تھے۔ اہل قافلہ تجارتی مال کو بیچکر کے فراغت کر چکے۔ تو وہاں سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہونچے تو اس دریان میں حضرت عبد اللہ بن عبد المطلبؑ علیل ہو گئے۔ آپنے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ میں تو اپنے ماموں زاد بھائیوں کیساتھ قبیلہ عدی بن النجار میں ٹھہر جاؤنگا چنانچہ مدینہ پہنچکر آپ وہیں ٹھہر گئے اور ایک مہینہ تک مریض رہے آپکے رفقا مکہ چلے آئے اور جناب عبد المطلبؑ نے اُن لوگوں سے حضرت عبد اللہ کا حال دریافت کیا اور انہوں نے کہا کہ وہ تو علیل ہو کر مدینہ میں اپنے ماموں زاد بھائیوں کیساتھ ٹھہر گئے ہیں۔ یہ سنکر حضرت عبد المطلبؑ نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو حضرت عبد اللہ کی خبر لانے کیلئے بھیجا۔ یہ وہاں پہونچے تو حضرت عبد اللہ انتقال فرما چکے تھے۔ اور دار النابغہ میں مدفون بھی ہو چکے تھے۔ نابغہ بنی نجار میں ایک شخص کا نام تھا۔ اور یہ اُسی کا مکان تھا۔ اور یہ مکان وہی تھا جس کا دروازہ بائیں جانب تھا۔ پھر ان سے (حارث سے) انکے عزیز و اقارب نے اُنکی حالت مرض انکے قیام کرنے وصیت فرمانے اور پھر رحلت کر جانے اور مدفون ہونیکی تمام و کمال کیفیت بیان کر دی۔ حارث یہ خبر سنکر باپ کے پاس چلے آئے۔ اِس حادثہ کی خبر سنکر جناب عبد المطلبؑ اور اُنکی تمام بھائی بہنیں، بیٹے بیٹیاں بڑی شدت سے روئیں پیٹیں۔ رسول اللہ صلعم اُس وقت تک حمل ہی میں تھے۔ حضرت عبد اللہ کا سن وفات کے وقت پچیس ۲۵ برس کا تھا۔ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۶۱ مطبوعہ جرمن۔

بنی ہاشم کے تمام گھروں میں کہرام مچگیا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اُسوقت تک حمل ہی میں تھے۔ حضرت عبد المطلبؑ کو پیرانہ سالی میں اِس اپنے جوان سال نونہال کا ایسا شدید داغ ملا جس نے آپ کی آنکھوں میں تمام دُنیا کو تاریک کر دیا۔ پیری کا ضعف اور اضمحلال کیا کم تھا۔ اُسپر اس غیر متوقع اور غیر متحمل صدمہ و ملال نے آپکو بالکل مضمحل اور ضعیف کر دیا مگر مدبران مشیت کو اپنی ودیعت کی حفاظت و نگہبانی اور اِس خاتم رسالت کی پرورش و نگرانی اسی بزرگ خاندان سے پوری کرانی تھی اور جس شرف مخصوصہ کیلئے وجریدۂ صالحین میں پہلے ہی سے منتخب ہو چکے تھے اُسکی تعمیل و تکمیل کا زمانہ بالکل قریب آرہا تھا حضرت عبد المطلبؑ نے بالآخر اِس واقعۂ جانگزا اور حادثہ روح فرسا کو محض ارادۂ تقدیر اور امر ناگزیر سمجھکر خود بھی صبر کر لیا اور تمام عزیز و اقارب کو بھی صبر و سکون کی تعلیم و ہدایت فرمائی۔

حضرت عبداللہ کی وفات اور آپ کے سن شریف کے متعلق اور اقوال بھی آئے ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں انکو بھی جمع کر دیا ہے مگر آخر میں اپنا یہ مختار تحقیق قایم کیا ہو والاول اثبت انہ توفی و رسول اللہ صلعم حمل پہلی روایت ثابت ہر کہ حضرت عبداللہ کے انتقال فرمانیکے وقت رسول اللہ صلعم حمل میں تھے پھر روایت متذکرہ بالا کی نسبت آخر میں یوں لکھی ہیں کہ هو اثبت الاقاویل الروایۃ فی وفاۃ عبداللہ بن عبدالمطلب و سنۃ عندنا حضرت عبداللہ کی وفات اور عمر کے متعلق ہمارے نزدیک تمام اقوال و روایات سے مذکورۂ بالا روایات زیادہ ترجیح ثابت ہوتی ہیں۔ صفحہ (۶۱)

اسی طرح وقت وفات حضرت عبداللہ ہشام کلبی نے آنحضرت صلعم کا سن اٹھارہ مہینوں کا تبلایا ہے اور ایک قول کے مطابق ثمات مہینوں کا ۔ اسکی نسبت ابن سعد لکھتے ہیں والاول اثبت انہ توفی و رسول اللہ صلعم حمل قول اوّل زیادہ ثابت ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ حضرت عبداللہ کی وفات کے وقت آنحضرت صلعم حمل میں تھے۔ ابن سعد ص ۶۲۔

وفات عبداللہ پر حضرت آمنہ کا مرثیہ

وفات حضرت عبداللہ کے متعلق جناب آمنہ کا مرثیہ عربی کی تمام تاریخوں میں قلمبند ہے۔ ہم بھی اُسکے دو تین اشعار طبقات سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

عفا جانب البطحاء من بنی هاشم وجاور لحدا خارجا فی الغماغم	فرزند ہاشم کی خبر مرگ نواح بطحا میں لے جاؤ اور بیرون شہر ارض غماغم (مدینہ) میں اُسکی زیارت کرو
دعته المنایا دعوۃ فاجابها وما ترکت فی الناس مثل ابن هاشم	اجل مقدر نے اُس کو بُلایا۔ اور اُسنے قبول کرلیا۔ اور حقیقتاً بنی نوع انسان میں ابن ہاشم کا مثل نہیں ہے
عشیۃ راحوا یحملون سریرہ تعاوروا اصحابہ فی التزاحم	اُس کے اصحاب کمال اندوہ وملال کے ساتھ اُسکو سریر (تابوت) پر اُٹھا کر ہاتھوں ہاتھ (مقبرہ تک) لے گئے۔

طبقات ابن سعد ص ۶۲

حضرت عبداللہ کا ترکہ

جناب عبداللہ کی عمر ہی کیا ہوئی اور آپکو درستی معاشرت کا دُنیا میں وقت ہی کتنا ملا کہ آپکے کسی سرمایہ یا جائیداد کی تفصیل کی جائے آپ نے اپنے بعد جو کچھ ترکہ چھوڑا۔ وہ ابن سعد کی تحقیق میں یہ تھا۔

ام ایمن وخمسۃ اجمال وقطعۃ غنم فورث ذالک رسول اللہ صلعم وکانت ام ایمن تحضنتہ واسمها برکۃ ۔

ایک اُمّ ایمن (خادمہ) پانچ اُونٹ اور چند دُنبیاں اور یہی قلیل اشیاء حیثیت رسول اللہ صلعم کو وراثت میں ملیں اُنھیں اُمّ ایمن نے آپ کو بچپن میں کھلایا تھا۔ اُن کا نام برکت تھا۔

سوائے آنحضرت کے حضرت عبداللہ و آمنہ کی کوئی اولاد نہیں تھی

تمام موّرخین ومحدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ یتیم عبداللہ (روحی فداہ) ہر طریقہ اور ہر قرینہ سے ایسا دُر یتیم تھا کہ نہ اُسکا کوئی شریک تھا نہ سہیم نہ اُسکا کوئی عینی بھائی تھا اور نہ حقیقی بہن اصل توحید کا یہ معلم ربانی بالکل تنہا تھا اور لاثانی تمام محققین نے اسکے متعلق

جو اپنا مختار قایم کیا ہے۔ اُس کو ابن سعد نے ذیل کی عبارت میں لکھا ہے۔

وھذا مما لا یعرف عندنا ولا عند اھل العلم لم تلد اٰمنۃ بنت وھب لعبد اللہ بن عبد المطلب غیر رسول اللہ صلعم

یہ امر ہمارے اور تمام اہل علم کے نزدیک ثابت ہے کہ جناب آمنہ بنت وہب اور حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی کوئی اولاد سوائے جناب رسالتمآب صلعم کے نہیں تھی

ایام حمل میں کرامات کے صدور

عقل ونقل کے شاہدات سے عقل سلیم کے نزدیک یہ امر ثابت ہوچکا ہے کہ گروہ انبیاؑ کی خلقت مقدسہ اور فطرت مطہرہ میں قدرت الٰہیہ نے ترکیب انسانی کے ساتھ تنویر روحانی بھی ودیعت فرمائی اور اس شرف خاص کے باعث سے اُن کی ذات بابرکات کو قاعدۂ تعمیم سے مستثنےٰ فرما کر تخصیص کے خاص مراتب پر پہونچایا تھا۔ اِسی اصول تخصیص کی بنا پر انبیا علیہم السلام کے اکثر اوصاف معمول کے خلاف اور عام فطرت انسانی سے مرجح اور مرتفع سمجھے جاتے ہیں اور چونکہ قدرت کو بھی ان آثار مخصوصہ کے اظہار میں ایک خاص اہتمام منظور ہوتا ہے اس لیے ان کے آثار مخصوصہ کا ظہور وصدور عام طور سے ظاہر بین نگاہوں میں تعجب انگیز اور حیرت خیز معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت کے دیکھنے والے اسے قدرت کی جلوہ نمائی تسلیم کرتے ہیں۔ جب رسالتمآب صلعم کے نبی کیا ختم الانبیا ہونے کے ہمارے پاس بے شمار ثبوت موجود ہیں تو آپ کے متعلق کسی زمانہ یا کسی وقت میں ہم قدرت کی ان جلوہ آرائیوں کو کیسے استبعاد اور بے بنیاد کہہ سکتے ہیں اس لیے ہمارے تمام قدیم مورخین ومحدثین نے آپ کی ولادت باسعادت ورنیز اُس کے قبل کے اُن تمام واقعات کو جن سے ظہور کرامات کے ثبوت عینی ملتے ہیں کچھ اُصول اعتقاد کی بنیاد ہی پر نہیں بلکہ واقعات وشاہدات کے طریقہ اعتبار سے اپنی تصنیفات وتالیفات میں قلم بند فرمایا ہے۔ ابن سعد طبقات میں ان آثار قدرت کے متعلق لکھتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلعم لما حملت اٰمنۃ بنت وھب کانت تقول ما شعرت انی حملت بہ ولا وجدت لہ ثقلا کما تجد النساء الا انی اٰت وانا بین النائم والیقظان فقال ھل شعرت انک حملت فکانی اقول ما ادری فقال انک قد حملت بسید ھذہ الامۃ ونبیھا وذلک یوم الاثنین قالت فکان ذلک مما یقن عندی الحمل ثم امھلنی حتے اذا دنا ولادتی اتانی ذلک الاٰتی فقال قولی اعیذہ بالواحد الصمد من شر کل حاسد قلت فکنت اقول ذلک فذکرت ذلک لنسائی فقلن لی تعلقی حدیدا فی عضدیک وفی عنقک قالت ففعلت فلم یکن ترک علی الا ایاما

جناب آمنہ بنت وہب ناقل ہیں کہ آنحضرت صلعم کے زمانۂ حمل میں ایک عرصہ تک مجھکو اپنے حاملہ ہونیکا یقین نہیں ہوا کیونکہ مجھکو اپنے جسم میں کوئی گرانباری ایسی جیسی عام عورتوں کو ایام حمل میں محسوس ہوتی ہے ذرا بھی محسوس نہیں ہوتی تھی یہانتک کہ ایک بار نیم خوابی کے عالم میں میں نے ایک آنے والے کو اپنے پاس آتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ کیا تجھکو اپنے حاملہ ہونیکا اب تک یقین نہیں ہے میں نے اُس پوچھنے والے سے جواب میں کہا کہ میں تو حمل کی کوئی علامت اپنے میں نہیں دیکھتی۔ اُسنے کہا کہ تجھکو اس اُمت کے سردار ورنبی مختار کا حمل ہے جناب آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھکو خیال ہے کہ وہ دوشنبہ کا دن تھا جس میں اُس شخص کے کہنے کے وقت سے مجھکو اپنے حاملہ ہونیکا پورا یقین ہوگیا یہاں

قد قطع فکنت لا اتعلقہ - طبقات ۹۳ تک کہ اسے عرصہ ہو گیا۔ اور جب ولادت کے دن قریب آئے۔ تو پھر وہی آنے والا شخص میرے پاس آیا۔ اور مجھ سے کہا کہ یہ کلمات مُنہ سے کہو ۱ عیذہ بالواحدۃ الصمد من شر کل حاسد (میں خدائے بزرگ سے تمام حاسدوں کے مفسدوں کیلئے پناہ مانگتی ہوں) میں نے اس کی ہدایت کے مطابق ان کلمات کو کہا اس واقعہ کو پھر میں نے اپنی ہم جلیس عورتوں سے کہا تو ان سب نے کہا کہ لوہے کی کوئی چیز اپنے بازو پر باندھ لو اور گلے میں لٹکا لو۔ جناب آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے اُن عورتوں کے کہنے کے مطابق کیا پھر میں اُسکو وقت ولادت تک پہنے رہی، جب ولادت ہوگئی تو اُتار دیا اور پھر کبھی نہ پہنا۔

اسی سلسلہ بیان میں ابن سعد نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے ۔

امرت اٰمنہ وھی حامل برسول اللہ صلعم ان تسمیہ احمدؐ اس رویا میں آمنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ اس مولود کا نام احمدؐ رکھنا۔

ظہور کرامات کے مذکورہ بالا واقعات سے سر ولیم میور صاحب کا انکار

عیسائیوں کے قدیم تعصب اور نفسانیت کی لکیر پیٹنے والوں میں سر ولیم میور نے بڑا نام پایا ہے اور اسلام کی مخالفت کا خاص بیڑا اُٹھایا ہے اسلام کی تفسیر حدیث اور تاریخ کے بیانات سے لیکر مشاہدات و بدیہیات تک سے انکار فرماتے ہیں اور تائید عیسائیت کے اس غلط طریقہ کو وہ اپنی مجاہدانہ کوشش یقین کرتے ہیں حالانکہ ؎ این راہ کہ میروی بترکان است لیکن حقیقت میں اور انصاف پسند حضرات اُن کی مساعیٔ واہیہ کو ایک مجنونانہ حرکات سے زیادہ وقیع نہیں سمجھتے۔ وہ محض معمولی سے معمولی اسلامی آثار و اخبار کی تنقید و تردید کر کے اپنی دانست میں دین اسلام کی لغویت ثابت کرتے ہیں۔ اِنَّ ہٰذَا الضَّلَالُ بَعِیۡدٌ حالانکہ اُنھیں معلوم نہیں کہ کوئی مذہب ہو اُسکی اصل اور اُس کی بنا حقیقت کے کن اخبار اور معیار پر قایم ہوتی ہے۔

اپنی نفسانیت اور تعصب کے اسی سلسلہ بیان میں سر ولیم میور صاحب نے ظہور کرامات کے اُن واقعات پر بھی جن کو ابھی ہم اُوپر لکھ آئے ہیں تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ اور اُن کو سرے سے بے اصل اور راویوں کے محض مخترعات بتلایا ہے اُن کے علاوہ اُن مشاہدات کو بھی۔ جنکو روایات ہونیکے علاوہ تاریخی واقعات ہونیکی بھی پوری حیثیت حاصل ہے اور وہ دوران حمل اور وقت ولادت متعدد اور متواتر طریقوں سے تمام حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں قابل مضحکہ ٹھہرایا ہے اور خوب قہقہہ لگایا۔ وَمَنْ ضَحِکَ ضُحِکَ۔

جہانتک میور صاحب کے ان تنقیدی مضامین پر غور کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسد و نفسانیت کی عصبیت نے میور صاحب کو حقیقت شناسی اور انصاف پسندی کے راستہ سے بہت دور پھینکدیا ہے۔ اُنہوں نے اِن مرویات سے اسلام کی لغویت ثابت کرنے کا خیال خام پیدا کیا ہے اگر وہ کسی مذہب کی اصلیت اور حقیقی معرفت سے واقف ہوتے اور ان اُصول ضروریہ کو جانتے ہوتے جنپر مذہب کی بنا مبنی ہوتی ہے تو اِن روایات کی تنقید و تردید سے تکذیب اسلام ثابت کرنیکی جرأت نہ کرتے۔

اگر لفرض محال یہ مرویات اسلامی معیار تحقیق و تصدیق کے مطابق بھی نہ اُتریں تو ان سے حقیقت اسلام میں کیا نقصان آتا ہے۔ سر ولیم میور ان مرویات کے ایسے توریت و انجیل کے اُن متعدد اور متواتر واقعات و مندرجات کی نسبت کیا رائے قایم

کرینگے۔ جو محالات سے بھی درجہ سے گر کر مہملات کے حدود تک پہونچے ہوئے پائے جاتے ہیں اور جو عموماً حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیا علیہم السلام کے تذکروں میں اُسوقت سے لیکر اسوقت تک اُنکی مذہبی کتابوں میں بڑے اہتمام اور رنگینیوں سے لکھے جاتے ہیں۔ جن کو اُن ذوات مقدسہ اور نفوس مطہرہ کے متعلق ذکر کرنا کیسا۔ اُن کی طرف صرف منسوب کرنا بھی اہل اسلام خلاف ادب و احترام سمجھتے ہیں۔ مثلاً جناب مریم علیہا السلام پر نزول روح القدس اور استقرار حمل مسیح علیہ السلام کی ترکیبات یا ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد یوسف نجار کے گھر جاکر جناب عیسیٰ کے دیگر علاتی بھائیوں کی ولادت جن کو مسیحی اصطلاحات میں دی برادرس (THE BROTHERS) کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ ایسے لغویات ہیں کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں اور سننے والوں کے کان جلے جاتے ہیں ؎

مگر جیسا کہ ہم اُوپر لکھ آئے ہیں کوئی عیسائی فلاسفر (PHILOSOFER) کوئی سائنٹسٹ (SEICNTIST) ان واقعات کو غلط ٹھہراتا ہے اور نہ محالات و ناممکنات بتلاتا ہے۔ افسوس ہے کہ ان اعتراضات سے پہلے سرولیم میور نے لوقا کی انجیل کھولکر حضرت عیسیٰ کی زبانی ان احکام ربانی کو نہ پڑھ لیا۔ "تو اس ذرے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ میں جو شہتیر ہے اُسکو نہیں دیکھتا۔ اے مکار پہلے تو اپنی آنکھ سے شہتیر نکال لے۔ تب تجھکو اپنے بھائی کی آنکھ کا ذرہ نکالنے کے لیے صاف نظر آنے لگے گا۔ لوقا باب ۶۔ آیت ۴۱ و ۴۲۔ مطبوعہ لاہور۔

میور صاحب کی طرح ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے بھی حضرت آمنہ کا فرشتوں کو دیکھکر ڈر جانے اور عرب کے دستور کے مطابق لوہے کے تعویذ کو گلے میں لٹکانے اور بازوؤں پر باندھ لینے سے یہ معنی لگائے ہیں کہ حضرت آمنہ کو دماغی ضعف کی شکایت تھی اور صرع کا جرم تھا۔ ہم اس نا انصاف یورپین محقق سے پوچھتے ہیں کہ حضرت آمنہؓ کو تو واقعات کے بیان کیلئے تو ضعف دماغ اور صرع کی بیماریوں میں مبتلا ہونا تجویز ہوتا ہے۔ مگر حضرت سارہ اور حضرت مریمؑ نے جو فرشتوں کو دیکھکر حجاب و استعجاب کی صورت میں خوف کھایا تھا۔ اُسکے لیے ڈاکٹر صاحب کونسی بیماری اور کونسا جرم تشخیص فرمائینگے۔

بہرحال اگر سرولیم میور اور اُنکے ہمخیال خصائص انبیاء کے قائل نہیں ہیں اور اُن خاصان خدا کو عوام کالانعام کے برابر جانتے ہیں۔ تو وہ اپنے اس غلط استدلال کو اہل اسلام کے مقابلہ میں جو ابتدائے اسلام سے لیکر اسوقت تک تخصیص و تفضیل انبیاء کے برابر معتقد و مؤید ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ ابد الآباد تک قائل رہیں گے۔ اسوقت تک پیش کرنیکا حق نہیں رکھتے جبتک کہ وہ ان اقسام کی مرویات کو اپنی تمام مذہبی کتابوں سے قلمزد نہیں کرلینگے یا کم سے کم اُنپر محالات و ناممکنات ہونیکا پُورا یقین نہ کرینگے۔ ہمنے اُنکے جملہ اعتراضات کی تردید میں اس کلیہ کو لکھدیا۔ اس سے زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مگر چونکہ سرولیم میور نے فرشتہ کے ذریعہ سے حضرت آمنہ کو اس مولود کا احمد نام رکھے جانے کی ہدایت کرنے پر بڑی حیرت و استعجاب کا اظہار فرمایا ہے۔ اس لیے ہم مختصراً اُنکے استعجاب کا ذیل میں جواب عرض کیے دیتے ہیں۔

سرولیم میور کو اس حصہ روایت کی تردید کی ضرورت جس بنا پر واقع ہوئی ہے اُسکو ہم خوب جانتے ہیں۔ احمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کے نام ولقب سے اُنکے بدن پر لرزہ چڑھ جاتا ہے کیوں اس لیئے کہ یہ وہی مقدس اور مبارک نام ہے جسکے ساتھ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام نے صعود آسمان کے وقت حضرت خاتم الانبیا علیہ وآلہ التحیۃ والثناء کے ظہور اور رسالت کی نوید و بشارت اس عبارت کیساتھ تمام مسیحی اُمت کو پہنچائی تھی کہ "سچ تو یہ ہے کہ میرا چلا جانا تمہارے لیے ضروری ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط (احمد مصطفیٰؐ) تمہارے پاس نہیں آوے گا۔ اور اگر میں چلا جاؤنگا تو اُس کو تمہارے پاس بھیجدونگا۔

انجیل یوحنا باب ۱۶۔ آیت ۷ و باب ۱۴۔ آیت ۲۵ و ۲۶۔

فارقلیط کا اصل ترجمہ احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے جس کی تصدیق و توثیق قرآن مجید کے الفاظ بشارت و من یاتی بعد اسمہ احمد سے بخوبی ہوجاتی ہے ہم فارقلیط اور احمدؐ کے متحد المعنی اور صحیح ترجمہ ہونے کی بحث کو اور تمام مشکلات کو جو عیسائیوں نے اس لفظ کے ترجمہ و معانی میں پیدا کردی ہیں۔ اپنی کتاب کے باب البشارت میں کتب قدیمہ کی اصلی عبارت کے ساتھ بالتفصیل بیان کریں گے۔ بہرحال آمدم برسر مطلب۔ سر ولیم سیور صاحب کو جناب آمنہؑ کے پاس پس فرشتہ کا آنا اور اُس بچے کا نام جو اُسوقت تک حمل میں تھا احمدؐ رکھے جانے کی تاکید کرنا حیرت خیز اور تعجب انگیز بھی معلوم ہوا ہے محال بھی ناممکن الوقوع والاستبعاد بھی۔ اچھا تھوڑی دیر کیلئے یونہی سہی مگر مشکل تو یہ ہے کہ افسوس سر ولیم سیور صاحب بد قسمتی سے ان واقعات و شہادات کی اُن متعدد اور متواتر مثالوں کو کیا کریں گے جو بجنسہ اور بلفظہ اُن کی آسمانی کتابوں میں بھی اُسوقت سے لیکر اسوقت تک مرقوم و مسطور چلی آتی ہیں اور محفوظ و مذکور۔ توریت مقدس کے باب پیدائش میں لکھا ہے۔

"ہاجرہ سے اللہ تعالےٰ نے ایک فرشتہ نے آکر کہا کہ دیکھ تو حمل سے ہے اور تیرے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اُسکا نام اسمٰعیلؑ رکھنا" (کتاب پیدائش باب ۱۶۔ آیۃ ۱۱) اور پھر اُسی کتاب میں ہے کہ:۔

"اللہ تعالےٰ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ تیری بی بی سارہ کے بیشک ایک لڑکا ہوگا۔ تو اس کا نام اسحٰقؑ رکھنا۔ باب ۵۔ آیت ۱۹۔ توریت کی عبارت ہوچکی۔ اب انجیل کی بشارت ملاحظہ ہو۔ انجیل متی باب ۱ آیت ۳۰ میں ہے۔

اُسکے (مریمؑ) ایک بیٹا پیدا ہوگا۔ اور تجھکو (یوسف کو) چاہیے کہ اُسکا عیسیٰؑ نام رکھ کیونکہ وہ اپنی اُمت کو گناہوں سے نجات دیگا۔ ان اعتراضات کے جواب میں عیسائیوں سے عموماً اور سیور صاحب سے خصوصاً التماس ہے کہ ان متعدد اور متواتر مثالوں کی موجودگی میں جنکے صحیح اور فی الواقع ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ وہ کس منہ اور کس زبان سے مسلمانوں کی ان مرویات پر محالات اور ناممکنات کا حکم لگائینگے۔ اس لیئے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ تاوقتیکہ وہ اپنی کتب مقدسہ سے ان واقعات کو نہ نکالدینگے اُنکو جناب آمنہ سلام اللہ علیہا پر نزول فرشتہ اور ہدایت تسمیہ کے متعلق تعریض و تنقید کا کوئی حق حاصل نہیں۔

نزول رحمت ظہور رسالت

ولادت باسعادت جناب آمنہؑ کے ایام حمل تمام ہوئے یا یوں کہیئے کہ امین الٰہی کی امانت کی مدت ختم ہوئی اور وہ دن آگیا کہ ودیعت الٰہی کا وہ نایاب گوہر قدرت لامتناہی کا لاجواب جوہر علم و ایقان کا مخزن عرفان و اتقان کا معدن

بشارت موسیٰؑ کا مدعا۔ نوید عیسیٰؑ کا مقتضا۔ اصل وحدت کا علم۔ امر رسالت کا ختم۔

آئینۂ معرفت کبریا
گوہر گنجینۂ علم و کمال
شمسۂ ایوان قضا و قدر
جلوہ دہ شاہد وحدانیت
علت غائیۂ ہر جزو و کل
ہفت فلک از گردش استوار
منتظم نظم قضا و قدر

خاتمۂ سلسلۂ انبیاءؑ
جوہر آئینۂ حسن و جمال
خمسۂ ارکان عقول بشر
سجدہ گہ عاشق روحانیت
اوّل ہر خلقت ختم الرسلؐ
ہشت بہشت از قدمش نو بہار
مقتدر و معتمد و معتبر

نام ویش اوّل احمد شدہ
احمدؐ و محمودؐ و محمدؐ شدہ
(مولف عفی عنہ)

افضل المرسلین۔ خاتم النبیین شہنشاہِ کونین۔ رسول الثقلین فخر ہاشمی و قصی۔ مفخر عبد اللہؑ۔ ناز پروردہ آمنہؑ۔ اوّل خمسۂ آل عبا حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) رحمۃ اللعٰلمین اور برکت قدسیہ کا اسوۂ حسنہ بنکر رونق افروز گلستان عالم ہوئے۔

تاریخ روز اور سن ولادت تفسیر حدیث اور تاریخ کے محققین اہل سنت والجماعت کے اقوال و مختار سے تاریخ ولادت بارھویں ربیع الاوّل روز دوشنبہ ۱ عام الفیل مطابق ۲۹۔ اگست ۵۷۰ء ثابت ہوتی ہے۔ علمائے اہلبیتؑ کے اتفاق و ارشاد سے سترھویں ربیع الاوّل روز دوشنبہ پائی جاتی ہے۔

وقیل ولد لاثنی عشر من ربیع الاوّل وعلیہ عمل اھل مکۃ وحدیثا فی زیارتھم موضع مولدہ فی ھذا الوقت ای ثانی عشر ربیع الاوّل۔ زرقانی

پھر ان تمام اقوال مختلفہ کے تصفیہ میں تحریر ہے۔

فتحصل فی تعیین الیوم سبعۃ اقوال للمشھور انہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر

بارھویں ربیع الاوّل ہی آپ کی تاریخ ولادت بتلائی گئی ہے اور اسی پر اہل مکہ کا اتفاق ہے اور آجتک اسی پر عمل ہے اور وہ لوگ آپکے مقام ولادت کی زیارت وہاں اسی دن یعنی بارھویں ربیع الاوّل کو کیا کرتے تھے۔

تاریخ ولادت کے تعین میں سات قول آئے ہیں مگر ان سب میں مشہور یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارھویں ربیع الاوّل دوشنبہ

حاشیہ:۔ تاریخ وصال و ولادت کے متعلق ہم نے فریقین کے علیحدہ علیحدہ مختار متفقہ لکھدیئے ہیں یہ سواد اعظم اہلسنت کی حدیث و تاریخ کی تمام کتابوں میں ہو اقوال مختلفہ پر بکمال احتیاط نظر کرنے اور انکو باہم مقابلہ کر لینے کے بعد جو مختار متفقہ قدیم پایا گیا ہے وہ یہ ہے۔

ربیع الاول وھو قول الثالث فی کلام المصنف وھو قول محمد

کے دن پیدا ہوئے اور مصنف قسطلانی صاحب کتب مواہب لدنیہ

احوال ولادت کے متعلق حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی زبانی جسکی تصدیق آگے چلکر خود قول رسول صلعم سے ہوجاتی ہے تمام تاریخوں میں یہ حالات و واقعات درج ہیں۔ ہم ابن سعد کی طبقات سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

إنّ آمنة بنت وھب قالت لقد علقت به تعنی رسول اللہ صلعم فما وجدت له مشقة حتی وضعته فلمّا فصل منّی خرج معه نورٌ اضاء له بین المشرق الی المغرب ثم وقع الی الارض معتمدا علی یدیه ثم اخذ قبضة من تراب فقبضها ورفع راسه الی السماء وعن عبد اللہ بن عباس

جناب آمنہ ناقل ہیں کہ جب سے مجھے جناب رسول خدا کا حمل ہوا مجھے کوئی گرانی محسوس نہیں ہوئی۔ یہانتک کہ وضع حمل ہوا۔ جسوقت آپ متولد ہوئے۔ پورب سے پچھم تک ایک نور پھیل گیا۔ وقت ولادت آپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور ایک مشت خاک اُٹھالی اور آسمان کی طرف اپنا فرق مبارک بلند فرمایا۔ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ

ابن اسحق بن یسار امام المغازی وقول غیرہ وقال ابن کثیر وھو المشھور عند الجمھور وبالغ ابن الجوزی وابن الجزار فنقلا فیه الاجماع وھو الذی علیه العمل۔ زرقانی ص ۱۴۹ ج ۱

مندرجہ اقوال سے یہ تیسرا قول ہے اور یہی امام المغازی محمد ابن اسحاق ابن یسار کا قول ہے۔ اور سوائے انکے اور دوسرے لوگوں کا بھی یہی قول ہے ابن کثیر نے اسی کو قول مشہور لکھا ہے اور ابن جوزی اور ابن جزار نے تمام اقوال کو نقل و جمع کرکے اسی قول پر اجماع و عمل دونوں ثابت کیا ہے

مرقومہ بالا عبارت سے دوازدہم ربیع الاول باتفاق اجماع اور عمل (اہلسنت میں) سب کچھ ثابت ہے لیکن شبلی صاحب کُلُّ جدیدٍ لذیذٌ کے اصول پر اپنی جدت طبع کا نمونہ دکھلا کر اپنے مفسرین محدثین اور مورخین کی اجماعی تحقیق کو غلط ٹھہراتے ہیں۔ اور ایک ایسی تاریخ کو قطعی طور پر روز ولادت بتلاتے ہیں۔ جس کو اسوقت سے لیکر اسوقت تک اُن کے کسی مفسر محدث اور مورخ نے ضعیف سے ضعیف سند کے ساتھ بھی نہیں لکھا ہے حالانکہ سات اقوال مختلفین کا حوالہ زرقانی نے دیا ہے وہ دوسری ۲ آٹھویں ۸ دسویں ۱۰ بارھویں ۱۲ سترھویں ۱۷ اور اٹھارھویں ۱۸ ربیع الاول ہے مندرجہ بالا تاریخوں میں شبلی صاحب کی نویں ۹ تاریخ کو کسی نے بھی نہیں لکھا ہے۔ آپکے قطعی لکھدینے نے تو کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی کیونکہ اگر آٹھویں تاریخ کو کھینچ تان کر کسی طرح نویں تاریخ قرار دے لی بھی جاوے جو وقت ولادت بالاتفاق صبح کے وقت طلوع آفتاب کے بعد قرار پایا ہے۔ کسی طرح نویں کے انعقاد کو صحیح ہونے نہیں دیتا۔ ہاں اگر آٹھویں کا دن تمام ہو کر رات کا وقت ولادت کہیں لکھا ہوتا۔ تو آپکے قول کی قدرے تاویل ممکن تھی۔

شبلی صاحب کے اس قول و تحاشا اور اس فیصلہ نا استوار کی یہ کیفیت ہے۔ جو پیش کی گئی جس سے اُن کی قرارداده تاریخ کے قطعی اور واقعی ہونے کا کہاں تک ثبوت ملے گا۔ اُس کے کم سے کم مشتبہ اور محتمل ہونے کا بھی کوئی عنوان کسی کتب تاریخ و حدیث سے قایم نہیں ہوتا۔ مولوی شبلی نے اسوقت اپنے اُن تمام قواعد وضوابط اور حدود و شرائط سے دست بردار ہو کر جنکو وہ سیرۃ النبی کے دیباچہ میں قائم کرچکے ہیں اور نیز اپنے اس اصول موضوعہ سے کہ کوئی تاریخی واقعہ تاوقتیکہ حدیث کی کتابوں سے منطبق نہ کیا جاوے اندراج کے قابل نہیں۔

ہیئت و نجوم کے موید ہوگئے ہیں۔ اور محمود پاشا فلکی کے مقلد۔ چونکہ انہوں نے قاعدہ نجوم سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ تاریخ ولادت

عن ابیہ عباس بن عبد المطلب ولد النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مختوناً مسروراً۔ طبقات ابن سعد

نے اپنے پدر بزرگوار حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلبؑ سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ختنہ شدہ و ناف بریدہ پیدا ہوئے

حضرت عبدالمطلبؑ کو خبر ولادت

ابن سعد واقعات ولادت کی تفصیل میں آگے لکھتے ہیں۔

ولما ولدت آمنۃ بنت وھب رسول اللہ صلعم ارسلت الی عبد المطلب فجاءہ البشیر وھو جالس فی الحجر معہ ولدہ ورجال من قومہ فاخبرہ ان آمنۃ ولدت

جب جناب رسالتمآب صلعم پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ بنت وہب نے آدمی بھیجکر حضرت عبدالمطلب کو اطلاع کی وہ اُسوقت اپنے بیٹوں اور قوم کے چند لوگوں کے ساتھ کعبہ کے مقام حجر میں تشریف فرما تھے۔

بقیہ عبارت صفحہ گذشتہ:۔ ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے اسلیئے آپنے بھی بلاترددو تامل اسی کو بالکل صحیح اور صریح تاریخ وماہ ولادت قرار دیدیا۔ اور اپنے حسابوں اپنی اس تحقیق وتلاش کو بالکل جدید اور نادر تصور فرمایا حالانکہ اگر آپ صرف زرقانی کی پوری عبارت پڑھ گئے ہوتے تو آپ کو معلوم ہوجاتا کہ محمود پاشا فلکی سے صدہا برس پہلے اسلامی ماہرین ومحققین علم نجوم نے باقاعدۂ نجوم آپ کی ولادت کے روز وتاریخ کی تحقیق کرلی ہے فلکی صاحب کچھ آسمان سے اس مضمون کو نہیں لائے ہیں۔ بلکہ اُن سے بیشتر زمین والے بڑی جانکاہی سے اس کو سطح زمین پر تحقیق کرچکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو عیون المعارف مولفہ ابو عبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر القضاعی الشافعی قاضی مصر المتوفی سنہ ۴۵۴ھ زرقانی جلد اول مطبوعہ مصر حیدرآباد ص ۱۵۹) اب فلکی صاحب یا اُن کی طرف سے شبلی صاحب اسکے متعلق جس تحقیق کی جدت یا نوعیت کا دعوے کریں گے۔ وہ حقیقت میں اُنھیں حضرات کے غور وافکار کا نتیجہ یقین کیا جاویگا۔ عیون المعارف میں جیساکہ زرقانی کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔ امام قضاعی نے یقین تاریخ ولادت کے متعلق علمائے نجوم کے تمام اقوال جمع کئے ہیں اور اُن کی تحقیق کی رُو سے روز ولادت آٹھویں تاریخ تبلائی ہے۔ اسی قول کو اکثر محدثین ومورخین نے بھی تسلیم کرلیا ہے چنانچہ امام قسطلانی صاحب (مواہب لدنیہ) اور حمیدی صاحب جمع بین الصحیحین) وغیرہم کا بھی یہی مختار تھا ملاحظہ ہو۔ زرقانی ص ۱۵۸۔ اس بنا پر اگر اعتبار کیا جاوے گا۔ تو آٹھویں ربیع الاول پر جو علمائے نجوم وحدیث کے متفقہ اقوال سے ظاہر ہوتا ہے۔ نہ فلکی صاحب اور نہ شبلی صاحب کی نویں پر جسکو نہ منجمین لکھتے ہیں نہ محدثین نہ مورخین۔

شبلی صاحب کی بلند پروازی کچھ اسی مضمون تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی تمام تصنیف وتالیف میں "کہ بر آسمان نیز پرد اختی" کا تمام لطف پایا جاتا ہے۔ جس کا ایک نمونہ پیش نظر ہے۔ آپ نے محمود پاشا فلکی کے قول کی قطعی صحت کا حکم تو لگادیا۔ مگر یہ خیال نہ رہا کہ اسکے صحیح مان لینے سے تاریخ میں اختلاف تو تھا ہی سال کے تعین میں بھی فساد عظیم مچگیا عرب اسوقت تک تو صرف سنہ عام الفیل لکھتے اور تبلاتے آئے۔ مگر یوروپین محققین نے جن میں محمود پاشا فلکی کے ایسے کثیر التعداد افراد ہیئت۔ نجوم فلسفہ۔ اور ریاضی کے ماہرین وکاملین شامل ہیں۔ جب واقعات اسلامی کے نقل وترجمہ کی طرف توجہ فرمائی تو سنہ عام الفیل کو سنہ مسیحی سے مطابق کرکے بالاتفاق بارھویں ربیع الاول سنہ عام الفیل کو ۲۹ اگست ۵۷۰ء کے مطابق قرار دیا اور پھر اُسوقت سے لیکر اسوقت تک تمام ممالک یورپ میں اسلامی واقعات وسوانح مختلف زبانوں میں لکھے گئے۔ اور کثیر التعداد عربی تالیفات

غلاماً فسّر ذلك عبد المطلب وقام هو ومن كان معه فدخل عليها فاخبرته بكل ما رأت وما قيل لها وامرت به قال فاخذه عبد المطلب فدخله الكعبة وقام عندها يدعو الله ويشكر ما اعطاه۔

اُس آدمی نے حاضر ہو کر بشارت دی۔ کہ آمنہ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ یہ سُنکر آپ مسرور ہوئے اور آپ کے ساتھ آپ کے تمام ہمراہی بھی کھڑے ہو گئے۔ اور جب گھر میں آمنہ کے پاس پہونچے۔ تو اُنہوں نے وہ تمام حالات جو آپ نے دیکھے تھے۔ یا جو کچھ (منجانب خدا) آپ سے کہا گیا تھا۔ یا جس کے لیے آپ کو حکم دیا گیا تھا حضرت عبدالمطلبؑ سے بیان کر دیا حضرت عبدالمطلبؑ نے اُس مولود مسعود کو گود میں لیا۔ اور خانہ کعبہ کے اندر آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس مولود مسعود کی سلامتی کی دعا مانگی اور اس نعمت کے عطا فرمانے کا شکریہ ادا کیا۔

تقریب ولادت کی یادگار میں حضرت عبدالمطلبؑ کے اشعار

ابن سعد طبقات میں مندرجہ بالا حالات لکھکر محمد ابن عمر اسلمی کے اسناد سے اتنا اضافہ اور کرتے ہیں۔ کہ حضرت عبدالمطلبؑ نے اس واقعہ مسرت افزا کی یادگار میں ذیل کے اشعار منظوم فرمائے۔ جن سے آپ کے قلبی جذبات کا پُورا پُورا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: سر و تصنیفات عربی سے یوروپین زبانوں میں ترجمہ ہوئیں اور سب اس مختار متفقہ پر اعتبار کرکے اپنے تمام تالیفوں اور ترجموں میں نقل کرتے آئے۔ مگر فلکی صاحب نے ۲۹ راگست کو ۱۲ اپریل اور ۵۷۰ء کو ۵۷۱ء کردیا۔ جبھی تفاوت رہ از کجاست تا بکجا سرسری طور پر تاریخوں کے دیکھنے سے تو ولادت کی تاریخ و روز میں صرف دو تین دن کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ عربی تاریخیں ۱۲ ربیع الاول بتلاتی ہیں۔ اور آپ ۹ رکہتے ہیں تو اتنے قلیل اختلاف سے مہینہ اور سال میں اتنا بڑا عظیم اختلاف ہے۔ کہ اپریل سے اگست اور ۵۷۱ء سے ۵۷۰ء ہو گیا ہے۔ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ایسی بین غلطی اس واقعہ کے متعلق اتنے زمانہ سے چلی آتی ہو۔ اور اُس پر علمار مستشرقین کی آجتک نظر نہ پڑی ہو۔ اور اگر نظر پڑی بھی ہو تو وہ اس کو صحیح نہ کر سکے ہوں اور آجتک برابر اُسی غلطی کو نقل کرتے چلے آئے ہوں۔

ڈاکٹر سر سید احمد خاں نے خطبات احمدیہ میں ۵۷۰ء میں آپ کی ولادت واقع ہونے کی تحقیق اور اُس کی تصدیق و توثیق پوری تفصیل کے ساتھ ان الفاظ میں کی ہے۔ جمہور مورخین کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے سال یعنی ابرہہ کی چڑھائی سے پچپن روز بعد پیدا ہوئے۔ مگر اس امر میں کہ عام الفیل سنہ کے کونسے سال میں واقع ہوا تھا۔ مورخوں کی رائے میں اختلاف ہے۔ منقح امر جو قرار پایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عام الفیل ۵۷۰ء کے مطابق تھا کیونکہ سب مورخین اس پر متفق ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے ۶۲۲ء میں مکے سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی۔ یعنی نزول وحی سے تیرہویں برس اور وحی چالیس برس کی عمر میں نازل ہوئی تھی۔ ان برسوں کو اگر جمع کیا جاوے تو ترپن قمری سال ہوتے ہیں۔ اور جب ان میں سے ایک برس قمری۔ شمسی سال سے مطابقت کرنے کے لیے منہا کر لیا وے تو باون (۵۲) برس باقی رہتے ہیں۔ اور جب باون (۵۲) کو چھ سو بائیس (۶۲۲) سے نکال دیا جائے۔ تو پانسو ستر باقی رہتے ہیں۔ اس حساب سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کی ولادت ۵۷۰ء میں واقع ہوئی۔ مطبوعہ لاہور ص ۱۶۔

یہ قرائن و شواہد تبلا رہے ہیں کہ نہ فلکی صاحب کا مختار قابل اعتبار ہے۔ نہ شبلی صاحب کی تائید لائق شمار۔ پھر اتفاق میں اختلاف پیدا کرنا کیا معنی۔ یہ نتیجہ ہے زود قیاسی اور مدعا شناسی کا　　(المولف)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعْطَانِیْ	میں خدا کی تعریف کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے ایسا
ھٰذَا الْغُلَامَ الطَّیِّبَ الْاَرْدَانِیْ	فرزند عطا فرمایا جو اپنی قوم میں پاک و پاکیزہ ہے
قَدْ سَادَ فِی الْمَھْدِ عَلَی الْغِلْمَانِ	وہ اپنے گہوارے میں غلاموں کی حفاظت میں آرام کرتا ہے
اُعِیْذُہٗ بِاللّٰہِ الَّذِیْ ذِیْ اَرْکَانِ	خدائے تعالے جو رکن و مقام کا مالک ہے اُسکو اپنی پناہ میں رکھے
حَتّٰی اَرَاہُ بَالِغَ الْبُنْیَانِ	یہاں تک کہ میں اپنی آنکھوں سے اُسے جوان دیکھ لوں.
اُعِیْذُہٗ مِنْ شَرِّ ذِیْ شَنْاٰنِ	اور خدا اُسے اُسکے برا چاہنے والے حاسدوں سے محفوظ رکھے
مِنْ حَاسِدٍ مُضْطَرِبِ الْعِنَانِ	اور اُن کے شر سے بھی جو اُسکا اچھا نہیں چاہتے ہیں ۵ل

روز اور وقت ولادت سال و ماہ ولادت کی تفصیل و تحقیق اُوپر لکھی جا چکی ہے۔ رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی بالقابہ سپرٹ آف اسلام ص ۷۰ کے زیر حاشیہ لکھتے ہیں۔ کہ جس سال آنحضرت صلعم پیدا ہوئے۔ وہ کسرائے نوشیرواں کا چالیسواں سال جلوس تھا۔ اور سن سلاقسی (یونانی) کا ۸۸۲ھ سال تھا۔

باتفاق فریقین ثابت ہے کہ ولادت باسعادت دن کے وقت بعد طلوع آفتاب دوشنبہ کے روز واقع ہوئی۔ مسلم ابن قتادہ انصاری سے ایک طولانی حدیث اسکے تعلق موجود ہے جسکی سند پر امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ نے یہ قطعی فیصلہ کر دیا ہے ھذا الحدیث یدل انّہ صلعم وُلِدَ نہارًا یہ حدیث اسپر دلیل ہے۔ کہ آپ کی ولادت دن کے وقت واقع ہوئی۔ اسی حدیث میں دوشنبہ کے دن کا بھی تعین مندرج ہے۔ ملاحظہ ہو زرقانی ص ۱۶۱۔

۵ل افسوس ہے کہ سر ولیم میور صاحب تعصب اور نفسانیت کی پرجوشیوں میں بزرگان جذبات اور تعلقات قلبی کو جو محسوسات بدیہی سے ہر ذی روح کو بقدر ضرورت قدرت کی طرف سے ودیعت کئے گئے ہیں۔ بھی قطعی فراموش کر گئے۔ اور حضرت عبدالمطلبؑ کی مندرجہ بالا دعا کو بھی جو انہوں نے اُس دُرِّ یتیم کے حق میں خدا سے مانگی تھی ٹھنڈے دل سے نہ دیکھ سکے اور اس کی نسبت جب اعتراض کا موقع نہ ملا۔ تو تحریر فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب کی دُعا کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے۔ وہ صریح اسلامی طریق کا ہے اور اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ کعبہ میں عبدالمطلب کا دُعا مانگنا مسلمانوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آبائے طاہرین کے خدا پرست ہونے کی بحث تو عنقریب اپنے مقام پر لکھیں گے۔ مگر یہاں سر ولیم میور کو صرف اتنا بتلائے دیتے ہیں۔ کہ اس مقدس خانوادے کی خدا پرستی پر اسلام کے کل فرقوں کا قریبًا اتفاق ہے اور اسکا سب سے بڑا روشن اور قوی ثبوت یہ ہے۔ کہ حضرت عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد بزرگوار کا نام عبداللہ رکھا جو خاص خدا پرستوں کے طریقہ کا نام ہے پھر اس خدا پرست نے اپنی دعا میں خدا پرستوں کے الفاظ و مصطلحات استعمال فرمائے تو کونسا تعجب ہے **ولیم میور صاحب کے اعتراضات کرامات ولادت کے جوابات** اگرچہ ہم نے ولادت کے متعلق صرف اُنہیں واقعات کو لکھا ہے۔ جو تاریخی مشاہدہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور محالات وغیرہ کے شبہات و احتمالات سے بالکل مبرا ہیں۔ مگر سر ولیم میور صاحب اپنی دُھن کے اتنے پکے ہیں۔ کہ ان حالات کو بھی حیرت خیز اور تعجب انگیز کہے جاتے ہیں۔ اس متعصب عیسائی مؤلف کی اصل غرض

مقام ولادت فریقین کے متفقہ مختار سے شعب بنی ہاشم (جو بعد میں شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہوا) مقام ولادت ثابت ہوتا ہے۔ زرقانی میں مقام ولادت کی تفصیل اور تخصیص کے متعلق یہ لکھا ہے۔ کہ شعب بنی ہاشم میں وہ مکان اصلی مقام ولادت تھا جسکو زقاق مُدلک کہتے تھے۔ اور یہ وہی مکان تھا جو بقول مورخ ابن اثیر آنحضرت صلعم نے عقیل بن ابیطالب کو ہبہ فرما دیا تھا اور بعد مرور ایام اُنکی اولاد نے محمد بن یوسف ثقفی برادر حجاج ابن یوسف الثقفی کے ہاتھ بیع کر دیا اور اُسکے بعد جب ہارون الرشید حج کرنے آیا تو اُسنے محمد ابن یوسف کے ورثا سے خرید کر یہاں مسجد بنوا دی جو آجتک مولد النبی صلعم کے نام سے زیارتگاہ عالم ہے (زرقانی صفحہ ۱۶۵)

رسم تسمیہ و ولیمہ عقیقہ رسم تسمیہ اور ولیمہ عقیقہ کی نسبت زرقانی نے تاریخ خمیس کے اسناد سے یہ تفصیلی حالات لکھے ہیں

وفی الخمیس روی انه لما ولد صلے اللہ علیہ آلہ وسلم امر عبد المطلب بجزور فنحرت ودعا رجالاً من قریش فحضروا وطعموا وفی بعض الکتب کان ذلک یوم سابعة فلما فرغوا من الاکل قالوا ما سمیته فقال سمیته محمد

تاریخ خمیس میں ہے کہ جب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت عبدالمطلب نے اُونٹوں کی قربانی کا حکم دیا۔ چنانچہ اُونٹ ذبح کئے گئے قریش کے لوگوں کو دعوت دی گئی وہ حاضر ہوئے اور کھانا کھایا بعض کتابوں میں یہ دعوت ولادت کے ساتویں دن بیان کی گئی ہے جب کھانے سے فراغت ہو چکی تو لوگوں نے حضرت عبدالمطلب سے

حاشیہ صفحہ دیگر تو یہ ہے کہ ان بے ضرورت مباحث کو پیش کر کے دین اسلام کی لغویت ثابت کریں۔ اس سے پہلے آدمی سے کوئی پوچھے کہ کسی پیغمبر کے حالات ولادت کا عام اس سے کہ وہ صحیح ہوں یا غیر صحیح اسکے اصول مذہب اور تعلیم دین پر کیا اثر پڑتا ہے چونکہ میور صاحب کا مدعا اسلام پر دریردہ شرمناک حملہ ہے اسلئے اُسکی حقیقت کا انکشاف ضروری ہے میور صاحب وہ روایات جن میں حضرت آمنہ سے نور کا ظاہر ہونا منقول ہے اور جو بیہقی کی کتاب الشرح السنہ میں بیان کی گئی ہیں اُسطرح پر نہیں ہے جسطرح کہ میور صاحب نے بیان کی ہے اس لیے ہم اُس روایت کو بلفظ نقل کرتے ہیں

عن العرباض ابن ساریة عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ اله وسلم قال ساخبرکم باول امری انا دعوة ابراهیم بشارة عیسے ورؤیا امی التی رات حین وضعتنی وقد خرج لها نور اضاء لها قصور الشام عرباض ابن ساریہ سے منقول ہے کہ رسولخدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا میں تمکو اپنے ابتدائی احوال سے مطلع کروں میں دُعا ہوں ابراہیم کی اور بشارت ہوں عیسیٰ کی اور خواب ہوں اپنی ماں کا جسے اُسنے میرے پیدا ہونے کے وقت دیکھا تھا۔ کہ اُس سے ایک نور پیدا ہوا ہے جس سے شام کے محل رُوشن ہو گئے۔" جن روایتوں میں نور کا پیدا ہونا منقول ہے۔ اُن کو اگر ہم صحیح تسلیم بھی کرلیں تو اُن سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے۔ کہ جناب آمنہ نے ان اُمور کو خواب میں مشاہدہ فرمایا ہے جیسا کہ ہم ابن سعد کے حوالہ سے اُوپر لکھ آئے ہیں تو اس قسم کے خواب دیکھنے نہ حیرت انگیز ہو سکتے ہیں نہ تعجب خیز۔ نہ خلاف قیاس ہیں نہ محال عادت۔ ہمکو میور صاحب کے اس واہی اعتراض پر اسقدر تعجب نہیں ہوتا۔ جسقدر اُن کی قابلیت جامعیت اور یکطرفہ فیصلہ کرنے پر افسوس آتا ہے اُنہوں نے اہل اسلام کے ان مرویات پر محالات و ناممکنات غرض دنیا بھر کی دشواریاں جمع کر دیں اور اُن کو ناممکنات و محالات بتلا دیا۔ مگر اپنی کتابوں کی کوئی خبر نہیں۔ یا جن میں ایسے ایسے مہملات۔ لغویات اور محالات کے خزانے بھرے پڑے ہیں کہ نادان اور بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی اُن کی صحت کا قائل نہیں ہو سکتا۔ دیکھو کتاب توریت حضرت یعقوب کا خدا کے ساتھ کشتی لڑنا۔ اور حضرت اسحاق کا سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھنا اور اس ترکیب مصنوعی سے رتبہ معراج پانا (تکوین ۲۲-۲۹) اسی طرح حضرت موسیٰ کے معجزات عصا کا سانپ ہو جانا۔ ید بیضا کا نمودار ہونا

فقالوا ارغبت عن اسماء آبائہ فقال اردت ان تیکون محمودًا فی السماء للہ و فی الارض لخلقہ وقیل بل سمتہ بذالک امہ لما رأتہ وقیل لہا فی شامہ و یمکن الجمع بان امہ لما نقلت ما رأتہ لجدہ سماہ فوقعت التسمیۃ منہ واذا کان بسببہا القول بانہا سمتہ بہ زرقانی ص۱۵۱

پوچھا اس مولد کا کیا نام رکھا؟ عبدالمطلب نے کہا محمد صلعم۔ لوگوں نے پوچھا۔ آپ کو اپنے بزرگوں کے نام سے رغبت نہیں ہے۔ عبدالمطلب نے فرمایا۔ میں نے اس لیئے اسکا نام محمد رکھا ہے کہ یہ خدا کے نزدیک آسمان پر بھی محمود اور اُس کی خلقت کیلئے زمین پر بھی محمود ہو۔ اور یہ قول بھی آیا ہے کہ آپکا یہ نام آپ کی ماں نے رکھا تھا۔ جیسا کہ آپ کو خواب میں اس بچہ کے ایسے نام اور اکرام شان کے متعلق بتلایا گیا تھا اور ان دونوں مختلف اقوال میں اجماع ممکن ہے اسطرح کہ آپ کی مادر گرامی قدر نے جو کچھ خواب میں مشاہدہ فرمایا ہو۔ وہ آپ کے جد امجد سے دہرا دیا ہو۔ اور کہدیا ہو کہ بچہ کا یہی نام رکھا جائے اور اسی کے مطابق تسمیہ واقع ہوا ہو لیکن صحیح ترین یہی ہے۔ کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام رکھا تھا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وآبائہ وسلم۔

کنیت باتفاق فریقین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ثابت ہے۔

القاب اسلامی کتب تفاسیر واحادیث اور تاریخ میں آپ کے کثیر التعداد القاب مرقوم ہیں۔ احیاء الوفا میں امام سمہودی نے ننانوے[۹۹] القاب مع توجیہات کے پوری تفصیل کے ساتھ قلم بند فرمائے ہیں۔ ان سب میں مشہور ترین القاب۔ خاتم النبیین اور نبی الرحمۃ ہیں۔ جو نصوص قرآنی سے منصوص ومخصوص ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مرضعات آنحضرت صلعم ماں کو کسی نے اُصولاً مرضعات میں شامل نہیں کیا ہے۔ مجازاً کا شمار نہیں۔ اس بنا پر

حاشیہ صفحہ دیگر آب دریا کا خون ہوجانا۔ مینڈکوں کی وبا کا آنا۔ اور دیگر خلاف عقل وعادت معجزات جو (نعوذ باللہ) اُس پیغمبر برحق کی دُعا کی ملک مصر یا دربار فرعون میں ظاہر ہوئے۔ مثلاً اسرائیل کے لیئے نیل کے بیچے پانی میں راستہ کا کُھل جانا۔ من وسلوی کا اُترنا۔ پتھر کی منقوش لوحوں کا نازل ہونا۔ جن پر خدا نے (نعوذ باللہ) اپنی انگشت مبارک سے احکام توریت لکھے تھے۔ خدا کا بنی اسرائیل کو تمام دُنیا کی قوموں پر ترجیح دینا۔ اور تمام دنیا کی برکتیں اُن کو عطا فرمانا۔ اسرائیل کو اپنا پہلوٹا (فرزند) کہنا (نعوذ باللہ) کیا ان سب باتوں کو دُنگی کے قصے اس طرز استدلال سے نہیں کہہ سکتے۔ پھر حضرت عیسیٰ اور اُن کے حواریوں کے متبعین ومعتقدین کا۔ اُسوقت کیا حال ہوگا۔ جب ہر شخص اُن کی مرویات کو محض بناوٹ اور ایجاد سمجھکر مضحکہ میں ڈالدیگا۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کی کراماتی پیدائش۔ اُنکا مصلوب ہونے کے بعد از سر نو زندہ ہونا۔ قبر سے نکلکر آسمان پر چلا جانا۔ اپنا مجروح ہاتھ اپنے حواریوں کو دکھلانا۔ آسمانی سلطنت میں پہونچکر خدا کے دست راست کیطرف بیٹھنا۔ ان اُمور کو کیوں نہ محالات کہا جاوے گا۔ بس ریم سیور کی زبانت کی کہانتک داد دی جاوے کہ وہ اتنے محالات کو اپنی کتابوں میں شب وروز دیکھتے ہیں۔ اور بلا عذر وتامل تسلیم کرلیتے ہیں۔ اور جب ایسے ہی یا اِن سے خفیف اُمور کو مسلمانوں کی کتابوں میں پاتے ہیں تو غلط ٹہراتے ہیں اُنپر ہنسی آتی ہیں لیکن اُنھیں کے ہمرویہ اور طریقہ سے شخص سمجھ لیتا ہے کہ وہ کہانتک تعصب نفسانیت اور خود غرضی سے پاک وصاف ہیں

بہر حال اس بحث کے خاتمہ پر ہم رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی بالقابہ کی وہ رائے جو اُنہوں نے واقعات پیدائش اور ظہور کرامات کے متعلق۔ اسپرٹ آف اسلام میں لکھتی ہے۔ ترجمہ کرکے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

حضرت آمنہ کے بعد سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو۔ ابولہب کی آزاد کردہ جاریہ۔ ثوبیہ نے دودھ پلایا اس سعادت کی تقدیم کا شرف اس لونڈی کی خوش قسمتی کا حصہ تھا وَاللّٰہُ یُؤْتِیْہِ مَنْ تَشَاءُ ابن سعد لکھتے ہیں

اول من ارضع رسول اللّٰہ صلعم ثوبیۃ بلبن ابنھا مسروح ایامًا قبل ان تقدّم حلیمۃ و کانت قد ارضعت قبلہ حمزۃ بن عبد المطلب ارضعت بعدہٗ اباسلمۃ بن عبدالاسد المخزومی انّ ثوبیۃ کان ابولھب اعتقھا۔

سب سے پہلے رسول اللہ صلعم کو ثوبیہ نے اپنے بیٹے مسروح کا دودھ پلایا حلیمہ سعدیہ اسوقت تک نہیں آئی تھیں اور آنحضرت صلعم سے پہلے ثوبیہ نے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو دودھ پلایا تھا اور پھر آپکے بعد ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو (شوہر اول اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ) دودھ پلایا۔ ثوبیہ کو ابولہب نے آزاد کردیا تھا

زرقانی حالات رضاعت کو زیادہ وضاحت سے ذیل کی عبارت میں لکھتے ہیں۔

اُمّہ ارضعتہ تسعۃ ایام (صاحب الذخر والغرر) وغیرھما وقیل ثلاثۃ ایام وقیل سبعۃ ایام وحکاھا الخمیس عن اھل السیر) زرقانی ج ۱ ص ۱۴۷

جناب آمنہ۔ آپ کی ماں نے آپ کو کلُ نوؔ دن دودھ پلایا۔ اس روایت کو صاحب ذُخر و غرر وغیرہ نے لکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کل تین دن دودھ پلایا۔ اور بعض سات دن بتلاتے ہیں۔ ان اقوال کو صاحبان سیرت سے صاحب تاریخ خمیس نے لکھا ہے۔ خوش قسمت ثوبیہ کے حالات کسی قدر وضاحت کیساتھ ابن سعد کی طبقات سے اس طرح ظاہر ہوتے ہیں۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت جیسا کہ اسلامی مورخین کا مختار ہے۔ بہت سے آیات وعلامات کی مظہر و منظر تھی۔ جن سے یہ مقصود ہے کہ تمام اقوام زمانہ سمجھ جائیں کہ زمانہ کا نجات دہندہ آگیا۔ اور اسکا ظہور ہوگیا۔ ان اقول پر فلسفی مورخین تبسم زیرلب کرتے ہیں۔ اور مخالف مذاہب کے معترضین جو بلا تکلف رمّال متعلقات نجوم تک کے اندازی اور قیاسی مسائل کو تسلیم کرلیتے ہیں۔ مگر ان عجائبات پر شتہ بنا لیتے ہیں لیکن ایک تحقیق کے طالب کے نزدیک جسکا قلب قدیم زمانہ کے جذبات اور طرز خیالات کی ہمدردی سے خالی نہیں ہے اور جو با تحقیق حقیقت صرف قیاسات وظنیات پر اعتبار کرلینے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ یہ آیات وعلامات جنکو مورخین اسلامی اپنے پیغمبر کی ولادت کے وقت واقع ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں۔ جو البتہ شاہد تاریخی سے مقابلہ وموازنہ کیئے جانیکے قابل ہیں۔ ہم لوگ موجودہ زمانہ کے اشخاص بھی مختلف اقوام اور خاص اشخاص کے معمولی اور روزمرہ کے حالات وواقعات میں ایک غیر مغلوب قدرت کے نفاذ و اجرا کو تسلیم کرلیتے ہیں۔ تو پھر تیرہ سو برس قبل جیسا کہ مسلمانوں کا خیال ہو کہ ایک قوم خاص کے زوال وادبار کی عین حالتوں میں اُس انگشت قدرت کے اشارے سے اُس قوم کو اُن کے لاعلاج معاملات ومقدرات کو تبلانا جو انکی شرارت ومفسدے کی جزا وسزا میں پیش آنے والے ہیں کیوں تعجب خیز اور حیرت انگیز کہا جائے گا۔ اسپرٹ آف اسلام مطبوعہ لندن ص ۵۔

مختون پیدا ہونے پر اعتراض سر ولیم میور نے اپنے سلسلہ اعتراض میں جہاں ان واقعات کرامات کو محالات تبلایا ہے وہاں حسد وتعصب کی پرجوشیوں میں ممکن سے ممکن واقعات کو بھی جو اُسوقت سے لیکر روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں خلاف عقل ٹھہرایا ہے۔ سر سید نے ان کی نسبت جو اپنی معقول رائے قائم کی ہے۔ اور جن الفاظ میں سر ولیم کی تردید کی ہے وہ یہ ہیں۔

وكان رسول الله صلعم يصلها وهو بمكة وكانت خديجة تكرمها وهي يومئذٍ مملوكة وطلبت الى ابي لهب ان نبتاعها فابى ابي لهب فلما هاجر رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الى المدينة اعتقها ابي لهب وكان رسول الله صلعم يبعث اليها بصلة وكسوة حتى جاءه خبرانها ماتت قد توفيت سنة سبع مرجعه من خيبر فقال ما فعل ابنها مسروح فقيل مات قبلها ولم يبق من قرابتها احد۔

طبقات جرمن ص ۱۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثوبیہ کو برابر صلہ جات وعطایا عنایت فرمایا کرتے تھے اور جناب خدیجہ بھی اُسکی بہت تکریم فرمایا کرتی تھیں ثوبیہ اُسوقت تک حالت مملوکیت میں تھی۔ جناب خدیجہ نے ابولہب سے کہلا بھیجا کہ ثوبیہ کو ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ مگر ابولہب نے انکار کر دیا۔ مگر جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ تو ابولہب نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا۔ قیام مدینہ کے زمانہ میں بھی آپ اُس سے روپیہ پیسے اور کپڑے وغیرہ سے ثوبیہ کی امداد فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہجرت کے ساتویں سال جب غزوہ خیبر سے آپ مدینہ میں لوٹے تو سُنا کہ ثوبیہ مرگئی۔ آپ نے پوچھا کہ اُس کے بیٹے مسروح کا کیا حال ہوا۔ کہا گیا۔ کہ وہ تو اُس سے قبل مرچکا تھا اور اب ثوبیہ کے اقربا سے کوئی باقی نہیں ہے۔

عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ ہم کو کس قدر تعجب آتا ہے کہ سر ولیم میور نے آنحضرت صلعم کے مختون پیدا ہونے کو بھی مخترع روایات میں شمار کیا ہے۔ اور عجیب وغریب بعید از قیاس اور خلاف قانون فطرت قرار دیا ہے۔ مگر یہ بات معجزے سے علاقہ رکھتی ہے نہ عجائبات سے۔ بلکہ محض تونات فطرت سے تعلق ہے۔ ایسے تونات فطرت کی بہت سی نظیریں بتلا جاسکتی ہیں۔ مثلاً ایسے اشخاص کا پیدا ہونا جن میں علامات تذکیر وتانیث دونوں موجود ہوں۔ ایسے واقعات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ قانون فطرت کے مطابق قدرت کا اتفاقیہ انحراف کوئی عجیب بات نہیں۔ اس زمانہ میں بھی بعض اوقات مختون لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے بلا توسل معجزہ یا عجائبات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی مختون پیدا ہونا یقیناً قریب قیاس ثابت ہوتا ہے۔ اور اس امر کا ثبوت اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ باوجودیکہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ختنہ کی رسم نہایت استحکام سے قرار پاگئی تھی۔ اور عرب جاہلیت میں بھی اسکا ترک کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے۔ مگر آنحضرت صلعم کے ختنہ کی رسم کا ہونا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی بیان نہیں کیا گیا۔ خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص (۲۹۷)۔

تسمیہ احمد پر اعتراض سر ولیم میور صاحب کو اسلام کی طرف سے کچھ ایسی خلش ہے۔ کہ بانئے اسلام علیہ السلام کے نام کو بھی سُننا نہیں چاہتے اور رسم تسمیہ کو بھی بلا تعریض وتردید خالی نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ اس کے متعلق جب تعریض کا کوئی اور پہلو نہیں ملا۔ تو لکھتے ہیں کہ اس مصنف (واقدی) نے بیان کیا ہے۔ کہ حضرت آمنہ نے عبدالمطلبؑ سے فرشتۂ غیبی کا یہ حکم بیان کیا کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا۔ تو حمد کے مادے سے جو نام مشتق ہوتے ہیں عرب میں مروج تھے۔ مگر احمد عرب میں بہت کم نام ہوتا تھا۔ آنحضرت صلعم کے سوا پانچ مختلف اشخاص عرب میں اور بھی گذرے ہیں جنکا نام محمد تھا۔ سرسید مرحوم نے جو اُس کی محققانہ تحقیق فرمائی ہے وہ انکشاف حقیقت کیلئے کافی ہے۔ ذیل میں بلفظہٖ نقل کیجاتی ہے

سر ولیم میور نے جو یہ بیان کیا ہے۔ کہ عرب میں محمد نام کے اور لوگ بھی گذرے ہیں۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ علمائے اسلام

ثوبیہ کے ایام رضاعت ثوبیہ کے ایام رضاعت بہت قلیل تھے۔ جسکی مدت خاص کسی تاریخ و سیر میں نہیں پائی جاتی ہاں قلت کا ذکر سب کرتے ہیں۔ زرقانی بھی اتنا ہی لکھتے ہیں۔ ارضعتہ ثوبیۃ ایاما قلائل قبل قدوم الحلیمۃ ثوبیہ نے حلیمہ کے آنے سے قبل تھوڑے دنوں آپ کو دودھ پلایا تھا۔

حلیمہ سعدیہ کے خدمات رضاعت ایک دن۔ دو دن یا ایک ہفتہ خواہ دو ہفتے ثوبیہ کو دودھ پلاتے ہوئے تھے۔ کہ حلیمہ سعدیہ مکہ معظمہ میں آئیں۔ اور آنحضرت صلعم کی خدمات رضاعت اس عالی قسمت سے متعلق ہوئیں۔

تاریخ سیر اور حدیث کی تمام کتابوں میں اسکی تفصیل یوں پائی جاتی ہے۔ کہ قدیم الایام سے عرب کے تمام شرفا اور طبقہ اعلیٰ میں پرورش اطفال کا یہ دستور قائم تھا کہ وہ اپنے بچوں کو خاصکر پرورش پانے کیلئے اُن اعراب صحرائی کی عورتوں کے حوالہ کر دیتے تھے جو ہر سال شہر مکہ میں اسی لیے آیا کرتی تھیں۔ اس سے اول مدعا تو بچوں کا کھلے اور صاف ستھری ہوا میں رہ کر پرورش پانا اور صحیح و تندرست رہنا ہوتا تھا۔ کیونکہ شہر میں کثرت آبادی سے اکثر وبائی امراض پھوٹ پڑتے ہیں۔ اور دوسرے اس سے زبان کی درستی اور فصاحت و بلاغت کی خاص تعلیم بھی مقصود ہوتی تھی۔ کیونکہ عرب میں اسوقت زباندانی کا علم اور اسکی مشق کمال درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور ہر انسان میں ہر شخص کی نگاہ پہلے اسی جوہر کی تلاش رہتی تھی۔ اور خاص زبان کی نسبت گویا مانی بات تھی۔ کہ عرب صحرائی کی زبان اہل شہر اور قصباتی باشندگان ملک کی زبانوں سے زیادہ شیریں اور شستہ ہوتی تھی۔ کیونکہ بیرونی الفاظ خارجی محاورات اور اصطلاحات کے اختلاط سے بالکل پاک و صاف رہتی تھی۔ اس بنا پر شرفا اور رؤسائے مکہ میں بچوں کی ابتدائی پرورش کا یہ طریقہ اور تعلیم زبان کا یہ دستور قدیم سے جاری تھا۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آنحضرت صلعم سے پہلے عرب میں اس نام کا کوئی اور نہیں ہوا۔ بلکہ بخلاف اسکے اس قسم کی تمام روایتوں کو رد کر دیا ہے اور نہایت تدین اور دیانتداری سے اس امر کے دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ اس نام کے عرب میں اور لوگ بھی گذرے ہیں۔ اور واقدی کو بھی ہم انھیں لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ مگر یہ بات کہ ان ناموں کے اور لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے درحقیقت گذرے تھے۔ یا یہ کہ اس نام کا مادہ حمد ہے اور احمد کے اہل عرب ناموں کو مشتق کیا کرتے تھے۔ یا یہ کہ یہ نام اکثر والدین اپنے لڑکوں کا اس قوی امید پر رکھا کرتے تھے۔ شاید ہمارے ہی لڑکے کی قسمت میں نبی موعود ہونا ہو۔ کسی طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی بشارتوں پر موثر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی لڑکے کے والدین نے اُس کے حق میں کچھ بھی تمنا کیوں نہ کی ہو۔ اور نبی موعود کا نام اُس لڑکے کے نبی ہونے کی تمنا میں کیوں نہ رکھا ہو۔ مگر نبی وہی ہوا۔ جسکو درحقیقت خدائے تعالےٰ کو نبی آخر الزمان کرنا منظور تھا۔ ہماری اس رائے کی تائید اُسوقت اور بھی ہوجاتی ہے۔ جبکہ ہم بڑے بڑے کاموں پر غور کرتے ہیں۔ جو آنحضرت صلعم سے ظہور میں آئے تھے۔ اور وہ ایسے کام ہیں جو تمام جہان کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور جب کہ ہم اُس روحانی سرور کو دیکھتے ہیں جو دین حق کا طفیل ہے جسکو آپنے اپنی حیات میں شائع کیا تھا اور آئندہ نسلوں کیلئے بطور ورثہ چھوڑ گئے۔ اور جبکہ ہم اُس صدق و پاکبازی کی ترویج پر نظر ڈالتے ہیں جسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے رائج کیا۔ اور زمانہ کی گردشوں کے بعد بھی غیر مبدل اور بے نقص رہی ہیں اور ابدالآباد تک ایسے ہی رہیں گی۔ تو ہمکو

مگر میرے نزدیک جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش میں حفظ صحت کی ضرورت کو تعلیم زبان کی ضرورت سے زیادہ یقین کرنا چاہیئے کیونکہ ہ اُمی و گویا بزبان فصیح بود از الف آدمؑ و میم مسیحؑ کے اصلی مضمون ومفہوم کو حقیقت کی نگاہوں سے دیکھنے والے اس طریقہ کی تعلیم کو افصح العرب والعجم کے لیے حسب معمول ضروری نہیں سمجھتے۔ ہاں ظاہری اور عملی صورتوں کے مشتاق اس کو ضروری قرار دیکر خود آنحضرت صلعم کے اقوال و ارشاد سے اس کا ثبوت دیتے ہیں۔ لیکن انکو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ زبان رسالت نے اپنے ارشاد میں بنوسعد کی فصاحت و بلاغت کے اقرار و اعتراف سے انا عربکم انا من قریش (میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اسلیئے کہ میں قریش ہوں) پہلے کہکر قریش و ہاشم کی زباندانی اور اعلےٰ درجہ کی فصیح و بلیغ ہونیکی خاندانی عظمت و مفاخرت کو اپنے ارشاد میں مقدم رکھا ہے۔ کمالا یخفی علی الناظر

توبیہ کے دوران رضاعت میں عرب کے دستور قدیم کے مطابق عورتوں کی مختلف جماعتیں مکہ میں خدمت رضاعت تلاش کرتی ہوئی آئیں۔ اس قافلہ میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ انکے شوہر کا نام حارث ابن عبدالعزیٰ تھا۔ اور یہ عرب کے مشہور قبیلہ ہوازن کی قریبی شاخ بنوسعد سے تھے جو عرب میں اپنی فصاحت و بلاغت کیلئے خاص طور پر مشہور تھا۔ اتفاق سے حلیمہ کی تمام ہمراہی عورتوں کو شرفا و روسا مکہ کے شیر خوار بچے رضاعت کے لیے مل گئے۔ مگر حلیمہ غریب کی رضاعت کا کہیں بند و بست نہیں ہوا۔ یہ اسی فکر و تلاش میں حضرت عبدالمطلبؑ کی دولتسرا میں آئیں۔ جناب آمنہ نے اپنے یتیم بچے کی رضاعت کیلئے انھیں مقرر کرنا چاہا۔ مگر پہلے انہوں نے یہ معلوم کرکے کہ یہ بچہ یتیم ہے کچھ پس و پیش سا کیا۔ لیکن پھر اپنے مطلق معطل رہجانے کا خیال کرکے اس ودیعت الٰہی کی خدمت رضاعت کو قبول کرلیا۔ اور اس دُرِّ یتیم کو گلے کا تعویذ بناکر مکہ سے اپنے مقام و مسکن پر چلی آئیں۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھ برس تک حلیمہ سعدیہ کے پاس انکے قبیلہ میں پرورش پاتے رہے۔ حلیمہ سعدیہ نے اس شش سالہ رضاعت کی مدت میں یہ دستور قائم رکھا تھا۔ کہ ہر چھ مہینے کے بعد آپ کو ہمراہ لے کر مکہ میں آتی تھیں اور اس طرح دو چار روز یا ہفتہ عشرہ۔ ماں۔ دادا۔ چچا اور تمام گھر والے اپنے اس گوہر یتیم۔ مرحوم عبداللہ کی نشانی سے اپنے دیدہ و دل کو نورانی کر لیتے تھے۔ پھر حلیمہ آپ کو اپنے گھر لے جاتی تھیں۔

اس طریق سے رضاعت کے دو برس بخیر و خوبی تمام ہوئے۔ تو حلیمہ سعدیہ حسب دستور آپ کو جناب آمنہ کے پاس مستقل طور پر

حاشیہ صفحہ دیگر کامل یقین ہوجاتا ہے کہ جس محمدؐ اور احمدؐ کی بشارت عہد عتیق اور عہد جدید میں دی گئی ہے۔ وہ وہی تھے۔ جو جناب عبداللہؑ کے بیٹے اور آمنہؑ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ خطبات مطبوعہ لاہور۔

عیسائیوں کو یہ بھی یاد رہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے نام کی نسبت بھی یہی حال پایا جاتا ہے رابن صاحب (MRRUEN) کی لائف آف کرائسٹ صفحہ ۱۵ (LIFEG FCHRIST) میں لکھا ہے۔ کہ عیسیٰؑ جو نام رکھا گیا۔ لفظ یسوع کا تبدیل کیا ہوا ہے یہ نہایت مروج نام تھا لیکن بعد کو اس نام میں اسرار اور نجات دہندہ اُمت کے معنی اور اشارے اپنی طرف سے لگا دیئے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ لفظ عیسیٰ کے معنی جو آج تمام دُنیا کو بتلائے جاتے ہیں وہ حقیقتاً آپکے نام رکھنے والوں کو بھی آپکے نام رکھنے کے وقت معلوم نہیں تھے۔　　　المؤلف

پہونچا جانے کیلئے آئیں۔ اتفاق سے اُن دنوں مکہ میں امراض وبائی کی کثرت تھی جناب آمنہ نے دردِ مادری کے تقاضہ سے ایسے اضطرابی عالم اور بروایت آب وہوا کے خاص موسم میں آنحضرت صلعم کو گھر رکھ لینا کسی طرح مناسب نہیں سمجھا۔ اور حلیمہ سعدیہ سے صورت حال بیان فرماکر بچّہ کو واپس لیجانے کا حُکم دیا۔ رضاعی ماں کو بچّہ کی محبت اصلی ماں سے کم نہیں ہوتی حضرت حلیمہ بھی جناب آمنہ کا یہ عذر معقول سُن کر اور تمام شہر کی اضطرابی حالت اپنی آنکھوں سے دیکھکر ازحد متاثر ہوئیں۔ ڈریں۔ اور فوراً آنحضرت صلعم کو اپنے گھر واپس لائیں

دو برس کے بعد پھر لاکر پہونچا گئیں۔ عبد الباقی زرقانی۔ حلیمہ سعدیہ کے گھر میں آپ کی پرورش کے زمانہ کو اسی چار برسوں کی مدّت میں تمام کردیتے ہیں۔ لیکن ابن اسحاق اپنی سیرت میں چھ برس کا زمانہ تبلاتے ہیں۔ اور شبلی صاحب ابن اسحاق ہی کے قول کو اپنا مختار بناتے ہیں۔ جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ زرقانی نے تمام اختلافی اقوال کو جمع کرکے ان الفاظ میں اُن کے اختلاف کا آخر فیصلہ کردیا ہے۔

الراجح انه صلعم رجع الی امّه وھو ابن اربع سنة	قول راجح یہی ہے۔ کہ آپ چار برس کے سن میں اپنی والدہ گرامی قدر کے پاس واپس چلے آئے۔ زرقانی ص ۱۸۱۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ آپ نے بنو سعد کے قبیلہ میں اپنے پرورش پانے کے زمانہ کو ہمیشہ یاد رکھا۔ اور اُس قبیلہ کو ہمیشہ اچھے الفاظ سے یاد فرمایا اور لسانی لسان بنی سعد بن بکر (میری زبان قبیلہ بنی سعد بن بکر کی زبان ہے) ارشاد فرماکر اُن کی اعلیٰ زباں دانی کی بھی تصدیق فرمائی۔ یہ آپ کے خلقِ عظیم اور حفظ مراتب کا عین مقتضا تھا۔

حلیمہ سعدیہ کے ساتھ آئیندہ محاسن سلوک

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ مفرط درجہ کی محبت تھی۔ یہ محبت و اُلفت کچھ رضاعی ماں ہی کے ساتھ محدود نہیں تھی۔ بلکہ آپ اپنے تمام رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ ہمیشہ الطاف و اشفاق سے پیش آتے تھے۔ یہ فطرت انسانی کے تقاضہ بھی کہے جاسکتے ہیں۔ لیکن ہم زیادہ تر ان کو آپ کے خلقِ عظیم اور لطف عمیم کے خاص محاسن قرار دیتے ہیں۔ اسلئے کہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ تمام رؤسار اور شرفا زادوں کی ایسی ہی دودھ پلائیاں کثرت سے تھیں۔ مگر عربی مورّخین جو سیکڑوں برس قبل کے ہر قبیلہ اور عشیرہ کے ذرا ذرا حالات و واقعات یاد کرنیوالے ہیں اور لکھکر دُنیا کو تبلانے والے۔ وہ بھی کسی تاریخ میں کسی شریف یا رئیس خاندان مکّہ کے متعلق مرضعات کے ساتھ ایسے اشفاق و تفقدِ احوال کے کوئی واقعات نہیں تبلاتے ہیں۔

ثوبیہ کے ساتھ جو اشفاق فرمائے گئے۔ وہ اُوپر لکھے جاچکے ہیں۔ اب ہم اپنے سلسلہ بیان میں حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ جو تکریم و تعظیم یا اشفاق و الطاف دکھلائے گئے۔ ان کو ہم عربی ماخذوں سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

لہ موذی زمانہ نے نہ اِس خلق رسول صلعم سے کوئی سبق لیا۔ اور نہ اس لطف پیغمبر کی کوئی قدر کی۔ آج سے تقریباً پچاس برس جبکہ ابھی خیر القرون کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اسی رسول (صلعم) کی اپنی نواسیاں فاسق ابن زیاد کے دربار میں برسرعام لائی گئیں مگر کسی غیرت دار مسلمان

استأذنت امرأۃ علی النبی صلعم قد کانت ارضعتہ فلمّا دخلت علیہ قال اُمّی اُمّی وعمد الی ردائہ فبسطہ لہا فقعدت الیہ۔ طبقات ج اص

اُس عورت نے جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا (حلیمہؓ) آپ سے ملنے کی اجازت مانگی آپ نے اذن دیا۔ وہ جونہی آپکے سامنے آئی۔ آپ میری ماں میری ماں کہکر دوڑ پڑے اور فوراً ردائے مبارک دوش مطہر سے اُتار کر بچھادی اور اُسپر اُسکو بٹھلایا

سرسیّد مرحوم اپنے الفاظ میں اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ کے رشتہ کو خون کے رشتہ کے برابر سمجھتے تھے۔ اور حضرت حلیمہؓ سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ اور اُن کا ادب اور اُن کی تعظیم ماں کے برابر کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے اپنی ردائے مبارک جسکو مسلمان سر پر رکھنے اور آنکھوں سے لگانے کے لائق سمجھتے ہیں حضرت حلیمہ کیلئے بچھادی اور وہ اُسپر بیٹھیں۔ خطبات ص ۱۹۷ لاہور۔

اس واقعہ سے حلیمہ سعدیہؓ کی جتنی قدر و منزلت آپکو منظور تھی کما حقہ ظاہر ہوگئی اشفاق و الطاف کے متعلق طبقات ابن سعد کا دوسرا واقعہ حسب ذیل ہے۔

قدمت حلیمۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمکّۃ وقد تزوج خدیجۃ فشکت جدب البلاد وہلاک الماشیۃ فکلم رسول اللہ خدیجۃ فیہا فاعطتہا اربعین شاۃ وبعیرا موقعا للظعینۃ وانصرفت الی اہلہا۔

حلیمہؓ مکہ میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اُس زمانہ میں آئیں۔ جب آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے شادی کر چکے تھے حلیمہؓ نے قحط پڑ جانے اور مویشیوں کے مر جانے کی شکایت خدمت مبارک میں عرض کی آپنے انکی نسبت حضرت خدیجہ سے ذکر کیا اُس مخدومہ نے چالیس بکریاں اور چالیس تیز رفتار اونٹ مع ہودج کے عطا فرمائے۔ اور وہ اُن کو لے کر اپنے اہل و عیال میں چلی گئیں۔

اولاد حلیمہ سعدیہ کے ساتھ محاسن سلوک

یہ تو رضاعی ماں حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ اشفاق نبوی کی صورت حال دکھلائی گئی۔ اب رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ اخلاق مصطفوی کی شان ملاحظہ ہو۔

تاریخ و سیر کا اتفاق ہے۔ کہ آپ کے چار رضاعی بھائی بہن تھے۔ یا یہ کہ حلیمہ کی چار اولادیں تھیں۔ ایک بیٹا تین بیٹیاں اُن کے نام یہ ہیں۔ عبد اللہ۔ انیسہ۔ حذیفہ۔ اور حذافہ جو زیادہ تر شیما کے نام سے تاریخوں میں مرقوم ہے۔ طبقات ابن سعد سے عبد اللہ اور شیما کا اسلام لانا تو ثابت ہوتا ہے۔ باقی اور دو کے حال پر پردہ ہے۔

حذافہ جو شیما کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ زمانہ رضاعت میں آپ کی کھلائی تھی۔ اور ہمیشہ آپ کو گود میں لیے رہتی تھی زرقانی نے اُس کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں اُنکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیما کو آنحضرت صلعم کیساتھ خاص محبت تھی اور خاص اُلفت آپ کے کھلانے کے وقت کا ایک گیت جو شیما کے متعلق زرقانی نے لکھا ہے اُس سے بچپن ہی سے اُس کی ذہانت اور حقیقت شناسی ظاہر ہوتی ہے۔ زرقانی کے الفاظ یہ ہیں۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ کو اُمت اپنے رسولؐ کے نہ یہ اخلاق یاد آئے اور نہ اشفاق اور نہ اُن کی قومی اور ملّی حمیت نے اُن کو اتنی توفیق دی کہ ان پردگیان عصمت سرائے رسالت کیلئے اگر اپنے ردا بچھانی خلاف شان سمجھا تھا تو ایک بوریا ہی ڈالدیا ہوتا۔ حالانکہ اس ناپاک مجلس میں زید ابن ارقم اور انس ابن مالک دو مشہور صحابی موجود تھے۔ کیا خیر القرون تھے اور کیا خیر القرون والے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ الملتمس عفی عنہ

الشیماء اختہ من الرضاعۃ تحضنہ وترقصہ وتقول

هذا اخ لی لم یلدہ امّی ولیس من نسل ابی وعمّی	شیما آپ کی رضائی بہن تھی آپ کو کھلاتی تھی کو داتی تھی اور کہتی جاتی تھی یہ میرا وہ بھائی ہے جو نہ میری ماں کا زائیدہ ہے اور نہ میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہے

زرقانی ۱۷۶ جلد اوّل

ظاہر طور پر اس شعر کے مفہوم سے نفی اخوت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ نفی تو انکار عین اثبات و اقرار ہے اگر غور کی نظر سے دیکھا جاوے تو اس بدوی لڑکی کا یہ شعر بطور خاص ایک پر لطف معما ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اُسنے بظاہر اُن سب ذریعوں سے انکار کر دیا ہے۔ جن سے انسان کسی کا بھائی ہوتا ہے۔ لیکن تاہم ھذا اخ لی کہکر اُسکے بھائی ہونیکا دعویٰ بھی کرتی ہے۔ تو جب ماں۔ باپ اور چچا کے ذریعہ اُسکے بھائی ہونے کی رشتہ بالکل منقطع ہو گئے تو اب اُسکی صحت دعویٰ کے لیے سوائے رشتہ رضاعت کے اور کون ذریعہ اُسکے بھائی ہونیکا باقی رہا۔ اور یہ ایسا ہی قوی ذریعہ اور صحیح دعویٰ اُسکی بھائی ہونیکا ہے جو منجانب اللہ شیما کو اُسوقت سے لیکر قیامت تک حاصل ہے یہی حقیقت حال ہے اور صورت واقعہ اس ذہین لڑکی کے شعر سے ایک امر خاص کی نفی بھی ظاہر ہوتی ہے اور اثبات بھی۔ مگر نفی بالکل ظاہر ہے اور اثبات بڑی خوبی سے مخفی۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلاتے وقت شیما کا ایک اور گیت زرقانی نے لکھا ہے وہ یہ ہے۔

یا ربّنا ابق اخی محمّدًا	ہمارے پروردگار ہمارے بھائی محمدؐ کو تو سلامت رکھ
حتی اراہ بالغا وامردا	یہانتک کہ ہم اُس کو جوان اور بالغ دیکھ لیں
ثمّ اراہ سیدا ومسوّدا	اور پھر اُس کو سید و سردار قوم پائیں
والبیت اعادیہ معا والحسدا	اُسکے ساتھ دشمنی و حسد رکھنے والوں کو ذلیل کر
واعطہ عزّا یدوم ابدا	اور اُسکو ایسی عزت دے جو ابدالآباد تک قایم رہے

امام ازوی۔ شیما کے ان دُعائیہ اشعار کی نسبت لکھتے ہیں کہ۔ ما احسن ما اجاب اللہ دعاھا بجمیع ما طلبت۔ زرقانی ص ۱۷۵
(کس خوبی سے خداوند عالم نے شیما کی تمام دعاؤں کو جو اُس نے طلب کی تھیں مستجاب فرمایا)

اِن واقعات سے محقق ہوتا ہے کہ تمام بھائی بہنوں میں شیما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک خاص محبت تھی شیما کے ساتھ زمانہ نبوت میں جو خاص الطاف و احسانات فرمائے گئے۔ اُنکو ہم تاریخ طبری کی عبارت ذیل سے نقل کرتے ہیں۔

شیما کے ساتھ خاص الطاف

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم قال بخیلہ التی بعث ان قدرتم علی بجاد رجل من بنی سعد بنی بکر فلا یفلتنکم وکان بجاد قد احادیث حدثا فلما ظفر بہ	قبیلہ بنی سعد بن بکر پر چڑھائی والے دن جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم عام دیا۔ کہ جب تم قبیلہ بنی سعد بن بکر پر غالب آ ؤ تو بجاد ایک بارہ جا پڑو۔ اگرچہ اُن نے احداث (زیادتیاں) تم سے کیسے ہی نیاں کیے گئے ہوں۔ جب مسلمانوں کو اُن پر فتح ہوئی تو مسلمانوں نے

المسلمون ساقوه واهله وساقوا اخته الشيماء بنت الحارث
ابن عبد الله بن عبد العزى اخت رسول الله صلعم
من الرضاعة فعنفوا عليها في السياق معهم فقالت
للمسلمين تعلمون والله اني لاخت صاحبكم من الرضاعة
فلم يصدقوها حتى اتوا بها رسول الله صلے الله عليه وآله وسلم
لما انتهے بالشيماء الى رسول الله صلعم قالت يارسول الله
انى اختك قال وما علامة ذلك قالت عضة عضضتنيها
في ظهرى وانا متوركتك قال فعرف رسول الله صلعم
العلامة فبسط لها رداءها ثم قال ههنا فاجلسها
عليه وخيرها وقال ان احببت فعندي محببة
مكرمة وان احببت امتعك وترجعي الى قومك قالت
بل تمتعني وتردني الى قومي فمتعها رسول الله
صلے الله عليه وآله وسلم وردها الى قومها فزعمت
بنو سعد بن بكر انه اعطاها غلاما يقال له مكحول
وجارية فزوجت احدهما الآخر فلم يزل فيهم
من نسلهما بقية ـ طبری جلد ۳ ص ۱۲۹ مطبوعہ مصر

تمام اہل قبائل کو گرفتار کیا۔ اُن میں شیماء بنت حارث بن عبد اللہ بن عبدالعزیٰ بھی تھیں۔ جو رسول اللہ صلعم کی رضاعی بہن ہوتی تھیں۔ وہ بھی گرفتار ہوئیں۔ اُنکے ساتھ کچھ لوگ سختی سے پیش آئے۔ تو شیماء نے چلاکر کہا کہ مسلمانوں تم کو کیا ہو گیا ہے۔ میں تو تمہارے رسول صلعم کی رضاعی بہن ہوں۔ مگر مسلمانوں نے اُن کے کہنے پر اعتبار نہ کیا۔ اور اُن کو تصدیق کیلئے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لے آئے۔ یزید ابن عبید السعدی کا بیان ہو کہ جب شیماء آپ کے پاس لائی گئیں۔ تو انہوں نے آپ کے مُنہ پر کہا یا رسول اللہ صلعم میں آپکی بہن ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس قرابت کی علامت کیا ہے۔ شیماء نے جواب دیا کہ ایام طفولیت میں ایک بار آپکو گود میں لئے کھلا رہی تھی۔ آپ نے میری پشت میں کاٹ کھایا تھا۔ اُسکا نشان ابتک موجود ہے۔ یہ سُن کر آپ کو صورت واقعہ یاد آگئی اور آپ نے فوراً اُنہیں پہچان لیا۔ پھر جلدی سے اپنی ردائے مُبارک اُن کیلئے زمین پر بچھادی۔ اور اُنکو قریب بلاکر ارشاد فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ پھر اُنکو بہت کچھ دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ مجھکو تمہاری محبت و تکریم دل سے منظور ہے اگر تمہاری طبیعت چاہے تو میرے ساتھ رہو۔ اور اگر تمہارا دل نہ چاہتا ہو تو میں تمکو تمہارے قوم و قبیلہ کے پاس واپس کردوں شیماء نے عرض کی مجھے میرے قبیلہ میں بھیجدیا جاوے۔ آنحضرت صلعم نے اُن کو با اکرام و احترام اُن کے قبیلہ کی طرف بھیجدیا۔ بنی سعد بن بکر میں بعضوں کا یہ بیان ہے کہ آپ نے شیماء کو ایک غلام اور ایک لونڈی بھی دی تھی غلام کا نام مکحول ان میں سے ایک کا بیاہ بھی آخر وقت میں ہو گیا تھا۔ مگر ان کی نسل میں سے کوئی باقی نہیں بچا۔

یہ تھا اُس رحمت عالم کے اشفاق رفیع اور اُس لطف مجسم کے اخلاق وسیع۔ جسنے اپنی ایک رضاعی بہن کے ساتھ لطف و ایثار کے وہ رعایات و محاسن سلوک قایم کئے جسکی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ رضاعی ماں کے ساتھ جس تعظیم و تکریم سے پیش آئے اور جسقدر رعایت و عنایت کا سلوک ہوا وہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ رضاعی بہن کے ساتھ جو رفق و مدارا اور اشفاق و اخلاق برتے گئے وہ بھی ابھی ابھی معلوم ہو چکے۔ اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں اخلاق نبویہ اور اشفاق مصطفویہ کی اُس وسعت و کثرت کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جو حضور حقوق رضاعت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام قبیلہ ہوازن کے ساتھ قایم فرمائے تھے۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

تمام قبیلہ ہوازن کے ساتھ

قدم وفد هوازن علے رسول الله

مقام جعرانہ میں اموال غنیمت کی تقسیم کے بعد قوم ہوازن کی ایک وفد

ساتھ صلائے عام

صلعم بالجعرانۃ بعد ما قسم الغنائم و فی الوفد عم النبی صلعم من الرضاعۃ ابو ثروان و فی الروایۃ الثانی قال المتکلم ابو صرد زهیر ابن صرد فقال یا رسول اللّٰہ صلعم انا اصل و عشیرۃ و قد اصابنا من البلاء ما لا یخفی علیک یا رسول اللّٰہ انما فی هذه الحظائر عماتك و خالاتك و حواضنك اللاتی هن یکفلنك ولو انا ملحنا للحارث ابن ابی شمر و النعمان ابن المنذر ثم نزل منا بمثل الذی نزلت به رجونا عطفهما و عائدتهما و انت خیر المکفولین و یقال انه قال یومئذٍ صرد انما فی هذه الحظائر اخواتك و عماتك و خالاتك و بنات عمك و بنات خالاتك و ابعدهن قریب منك بابی انت و امی انهن حضنك فی حجورهن و ارضعناك بثدیهن و تورکنك علی اوراکهن و انت خیر المکفولین فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و اٰله و سلم ان احسن الحدیث اصدقه و عندی من ترون من المسلمین افابناءکم و نساءکم احب الیکم ام اموالکم فقال یا رسول اللّٰہ صلعم خیرتنا بین احسابنا و اموالنا و ما کنا النعدل بالاحساب شیئًا فرد علینا ابناءنا و نساءنا فقال النبی صلی اللّٰہ علیه و اٰله و سلم اما ما لی و لبنی عبد المطلب فهو لکم و اسأل لکم الناس فاذا صلیت بالناس الظهر فقولوا انستشفع برسول اللّٰہ الی المسلمین و بالمسلمین الی رسول اللّٰہ صلعم فانی ساقول لکم ما لی و لبنی عبد المطلب فهو لکم و ساطلب لکم الی الناس فلما صلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و اٰله و سلم الظهر قاموا فتکلموا بالذی قال لهم رسول اللّٰہ صلعم فرد علیهم رسول اللّٰہ صلعم ما کان له و لبنی

رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی جنمیں ابو ثروان جناب رسولِ خداؐ کے رضاعی چچا بھی تھے۔ طبقات کی دوسری روایت میں ابن سعد لکھتے ہیں کہ اس وفد میں ابو صرد زہیر ابن صرد نامی ایک شخص نے وفد کیطرف سے تقریر کی اور خدمت رسولؐ میں عرض کی کہ ہم آپکے عزیز و قریب ہیں اور جس بلا و مصیبت میں گرفتار ہوئے وہ آپ سے مخفی نہیں ان پھوس کے جھونپڑوں میں آپکی عمائیں اور خالائیں ہیں۔ اور آپکی دائیاں ہیں اور کھلائیاں یہ وہی بیچاریاں ہیں جنہوں نے آپکو پالا ہے اور پرورش کیا ہے اگر ہم لوگوں نے حارث ابن ابی شمر اور نعمان ابن منذر (عرب کے دو مشہور اور نامی یمنی سلاطین) کو دودھ پلایا ہوتا۔ اور اُن کے زمانہ میں یہ بلا و مصیبت ہم پر نازل ہوئی ہوتی جو آج ہم کو پیش آئی ہے۔ تو ہم کو اُن سے اکرام و الطاف کی توقع اور اُمید ہوتی اور یوں تو آپ بھی ہمارے بہترین کفالت کرنے والے ہیں اور بعض روایتوں میں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو ثروان نے اپنے اسی سلسلہ تقریر میں یہ بھی کہا کہ انھیں جھونپڑوں میں آپکی رضاعی بہنیں ہیں عمائیں ہیں خالائیں ہیں پھوپی زاد بہنیں اور خالہ زاد بہنیں اور اُن کے تمام قریب و دور کی رشتہ والیاں ہیں میرے ماں۔ باپ آپ پر فدا ہوں۔ یہ وہی مصیبت کی ماری ہیں جنہوں نے آپکو اپنی گودیوں میں کھلایا ہے اور اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا ہے اپنے پہلوؤں میں سلایا ہے۔ اور ہر طرح سے آپ اُن کے لیے بہترین کفالت کرنے والے ہیں۔ یہ سُنکر رسول صلعم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے جو کچھ بیان کیا وہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے لیکن تمہارے معاملہ میں مجھے عام مسلمانوں سے مشورت کی ضرورت ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمھیں اپنی اولاد و عورات زیادہ عزیز ہیں یا اموال و جائداد۔ حاضرینِ وفد نے جواب دیا کہ جب ہم کو اہل و عیال اور اسباب و اموال کے درمیان تمیز و تفریق کا اختیار دیا جاتا ہے تو ہم کسی طرح سے اموال و جائداد یا کسی شے کے مقابلہ میں اپنی نسواں و اولاد کو ترجیح دینے سے باز نہیں رہ سکتے۔ تو اس بنا پر ہمارے لڑکے بالے ہمیں واپس دیئے جائیں یہ سُنکر اور بیحد متاثر ہوکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تمہارے اموال میں میرا اور تمام بنی عبد المطلبؑ کا اسوقت تک از روئے تقسیم حصہ قائم ہو چکا ہے وہ

عبد المطلب ورد المهاجرون ورد الانصار وسأل هم قبائل العرب فاتفقوا على قول واحد بتسليمهم ورضاهم دفع ما كان فى ايديهم من السبى الا قوما تمسكوا بما فى ايديهم فاعطاهم ابلا عوضا ذلك۔ ج ا ص ۳۵

تمہارا ہو چکا اور میں تمہاری نسبت نماز ظہر کے وقت تمام مسلمانوں سے دریافت کرونگا اور کہدونگا کہ یہ لوگ اپنے معاملہ میں مسلمانوں کے پاس رسول اللہ کی سفارش لائے ہیں۔ اور مسلمانوں کی سفارش رسول اللہ کے پاس میں نے انسے کہدیا ہے کہ تمہارے اموال غنیمت میں جو کچھ میرا اور جمیع بنی عبد المطلبؓ کا حصہ قائم ہو چکا ہے۔ وہ سب تمہارا ہو چکا۔ اور میں اسطرح تمام مسلمانوں سے تمہارے لیے درخواست کرونگا۔ پس جب جناب رسالتمآب صلعم نماز ظہر ادا فرما چکے تو بنی ہوازن و بنو سعد کی وفد والے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے جس طرح سے آنحضرت صلعم نے ہدایت فرمادی تھی۔ تمام مسلمانوں کے پاس اپنی درخواست پیش کی۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت تمام اہل اسلام کے سامنے اپنا اور تمام بنی عبد المطلبؓ کا حصہ اُن لوگوں کو واپس دے دیا۔ اور اسی طرح تمام مہاجرین وانصار نے بھی اپنے اپنے حصے ان لوگوں کو پھیر دیئے اہل عرب کے دوسرے قبائل سے بھی وہ ایسے ہی خواستگار ہوئے۔ اُن مسلمانوں نے بھی اتفاق کیے اور اپنے حصے واپس دے دیئے۔ باقی رہے ایسے لوگ جو اُسوقت تک تقدیات کو صرف کر چکے تھے۔ اُن لوگوں نے قیمت لگا کر معاوضہ میں اُتنے اُونٹ دے دیئے۔

یہ تھے اُس فیاض، بیر چشم، عمیم الاشفاق اور عظیم الاخلاق پیغمبر برحق کے لطف وایثار اور رعایات و مرعات کہ رضاعت کے معمولی تعلقات اور نسبت کی بنا پر قوم کی قوم اور قبیلہ کے قبیلہ کے تمام خطا و مفسدے ایسے معاف کر دیئے گئے۔ جیسے انہوں نے کچھ کیا ہی نہ تھا، نہ لڑنے آئے تھے اور نہ دشمنوں کا ساتھ دیا تھا۔ سیرت کے واقعات پکار رہے ہیں۔ کہ وہ تمام قوم ہوازن کی جمعیت جن کی تعداد کئی ہزاروں سے زیادہ تھی۔ رسولؐ سے لڑنے آئی تھی۔ اور مسلمانوں کا خون کرنے۔ کیا شیماؒ ابو ثروان اور ابو صرد اور تمامی قبیلہ بنو سعد کے دلوں میں مقابلہ و مقاتلہ کے قصد سے نکلنے کے وقت یہ خیال دل میں نہیں آیا تھا کہ ہم کس بزرگ سے لڑنے جاتے ہیں۔ یہ تو وہی ہے جس کے ہم رضاعی چچا ہوتے ہیں۔ اور بھائی۔ اور ہماری عورتیں اُسکی رضاعی بہنیں، پھوپیاں۔ اور خالائیں۔ اور پھر وفد میں اُن کے بیانات انکے اعترافات کو صاف صاف بتلا رہے ہیں۔ کہ وہ ان تعلقات کو اُسی وقت سے جانتے تھے۔ اور ان حقوق فی مابین سے بھی کما حقہ واقف تھے۔ لیکن اپنی شامت اور بدا عمالیوں سے انہوں نے ہمسایہ قوم مشرکین کا ساتھ دیا۔ اور جناب رسول خدا صلعم کے حقوق کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ یہ اُن کا ظرف تھا۔

۵ ولیم میور صاحب اپنی جبلی عادت اور فطرتی نفسانیت سے مجبور ہو کر ایام رضاعت اور طفولیت کے معمولی واقعات پر بھی معترض ہونے سے باز نہیں آئے۔ جناب رسول خدا صلعم کی طفولیت کے متعلق جو واقعات اُن کی نظر سے گذرے۔ بلا امتیاز اسکے کہ وہ تاریخ وسیر کے معیار پر کامل اُترتے ہوں۔ یا نہیں۔ انکی فہرست تعریض پر چڑھ گئے۔ لیکن افسوس اس عیسائی عالم و محقق کو اعتراض کرنے سے پہلے یہ نہ سوجھا کہ جس پیغمبر کی اہانت اور حقارت کی غرض سے اُسکے بچپن کے افعال پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ وہ آخر عبداللہ کا بیٹا ہے نہ اللہ کا۔ وہ باوجود منصب اعلائے نبوت کے حدود بشریت کے اندر ہے۔ نعوذ باللہ۔ وجود الوہیت میں داخل ہے۔ نہ مشترک۔ وہ اپنی فطرت انسانی کی نسبت چلا چلا کر بتلاتا ہے۔ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ میں تو بالکل تمہارے ہی ایک ایسا انسان ہوں فرق اتنا ہے کہ مجھپر وحی بھیجی گئی ہے۔ اب اُس

جناب رسالت مآب ان اُمور کو جانتے تھے۔ مگر تاہم چشم پوشی فرمائی گئی۔ یہ رحمۃ اللعالمین کی شان تھی۔

حلیمہؓ کے انعام خدمات

رضاعت کی چار سالہ مدّت رضاعت تمام ہوگئی اور حضرت حلیمہؓ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مُعلیا مکرمہ جناب آمنہ سلام اللہ علیہما کی خدمت میں پہونچا گئیں حضرت آمنہ اپنے نونہال کو تندرست اور خوشحال پاکر حلیمہؓ سعدیہ کی خدمات سے جیسی کچھ خوش ہوئی ہونگی اُسکا اندازہ اسوقت بھی اُس زمانہ کے والدین بآسانی کرسکتے ہیں بنی ہاشم کا قبیلہ ہمیشہ سے فیاض تھا۔ ان کا ایثار خدمت کے انتظار پر موقوف نہیں تھا۔ پھر ایسے گھر میں حلیمہ سعدیہ کی خدمت رضاعت کتنی وقعت اور عزت سے دیکھی گئی ہوگی تاریخ الخمیس میں ہے ودھتی حلیمۃ خیر الجہاز (حلیمہ کا رخصتانہ انعام سے رخصتانہ تمام ہی رہا ہوا تھا

حلیمہؓ سعدیہ کا اسلام

ابن کثیر شامی لکھتے ہیں کہ حلیمہ قبل اعلان نبوّت رحلت کرگئیں۔ مگر جمہور محدثین نے اُن کو اختلاف کیا ہے۔ ابن ابی خثیمہ نے اپنی تاریخ میں ابن جوزی نے حدار میں منذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں۔ اور ابن حجر نے اصابہ میں بالاتفاق تصریح کی ہے۔ کہ ابن کثیر کی یہ تحقیق صحیح نہیں۔ مغلطائی نے جو عرب کا قدیم مورخ ہے حلیمہ سعدیہ کے اسلام لانے کے متعلق ایک خاص رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام التحفۃ الجسیمۃ فی اسلام الحلیمۃؓ ہے

ابن حجر اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حلیمہؓ کے شوہر ابوذویب حارث ابن عبد العزّیٰ کا اسلام لانا بھی ثابت کرتے ہیں اور اُنکے ایمان لانیکے متعلق یہ واقعہ قلم بند فرماتے ہیں کہ اعلان نبوّت کے زمانہ میں حارث ابن عبد العزّیٰ جناب رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ کہ آپ کی اس دعوت کی نسبت عرب کے تمام اقوام وقبائل میں یہ کیا مشہور ہے۔ آپنے اُنسے مدّعائے رسالت بیان کرکے ارشاد فرمایا کہ ایک دن آپ دیکھ لیں گے کہ میں جو کچھ کہتا تھا۔ وہ بالکل سچ نکلا آپ کے انداز استقامت اور طرز متانت نے حارث کے دل پر حقیقت اسلام کا ایسا گہرا اثر کیا کہ وہ اپنے دل میں کہنے لگے کہ میں اُسدن کا انتظار ہی کیوں کروں۔ آج ہی نہ اُسدن کا اقرار کرلوں یہ کہکر اُسی وقت مسلمان ہوگئے۔

طفولیت میں ضبط اوقات اور پاک عادات

مدبّر قدرت نے فطرت صالحہ کے اعلیٰ جوہروں سے پیکر رسالت کو مرتب کیا تھا۔ زمان رضاعت اور دوران طفولیت سے پاکیزگی۔ طہارت۔ احتیاط۔ ضبط اوقات۔ تہذیب اور حیا وعفت کے اعلیٰ اور لاجواب محاسن آپکے عادات وطرز عمل سے پیدا و ہویدا ہوتے تھے۔ جو عموماً بچوں کے طبایع اور عادات اور روزمرہ کے مشاہدات سے بالکل مخالف تھے۔ یہ خصوصیات تنہا آپ کی عادات ہی سے متعلق نہیں تھی

حاشیہ صفحہ دیگر بچے اور برحق رسولؐ کے ایسے صاف اور پاک اعترافات کی موجودگی میں ایام طفولیت کے واقعات پر مثلاً مکہ کے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہنا۔ مکان کی چھت سے پرندوں کو اُڑا دینا۔ رضاعی بہن کی پیٹھ میں کاٹ کھانا۔ سرولیم کے اعتراضات کیسے بیجا اور قابل التفات سمجھے جاسکتے ہیں۔ جب یہ تمام حرکات وسکنات فطرت انسانی کے اُصول اور بشریت کے معمول کے مطابق پائے جاتے ہیں جنکا مشاہدہ روزمرہ ہی ثبوت بھی موجود ہے۔ اور فاعل کا اعتراف بھی۔ ان واقعات سے نہ معجزات کے معنی لئے جاسکتے ہیں نہ خرق عادات کے سرولیم میور نے حقیقتاً ایسے لغو اور مہمل اعتراض پیش کرکے اسلام اور بانئے اسلام کی توہین تو نہیں اپنی قابلیت اور جاہلیت کی البتہ بدنامی اور رسوائی کروادی مؤلف عفی عنہ

بلکہ ضروریات روزمرہ میں بھی آپ کی احتیاط پابندی اوقات اور التزام پورے طور سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی وقت سے صبر و سکون تحمل۔ استغنا۔ اور قناعت طبع ہمایوں کے خاص جوہر معلوم ہوتے ہیں۔

محدث شیرازی حلیمہ سعدیہؓ کی زبانی لکھتے ہیں۔

حلیمہؓ گوید کہ ہرگز وے درجامۂ خود بول و براز درجامۂ خود نکردی ہمچنانکہ عادت دیگر اطفال بود۔ روزمرہ۔ وقتے معین داشت کہ درآں وقت بول و غائط کردے و تا روز دیگر تا ہما بوقت بران احتیاج نداشتے۔ و در روایتے از حلیمہ است کہ گفت ہرگاہ خواستمی کہ دہان مبارک وے را از شیر پاک کنم پاشستے وشود ہم ضرورت نمیدیدم و اگر عورت وے ظاہر شدے۔ بغضب رفتے و فریاد کردے ناچاری پوشیدمی۔ و در روایتے آنست از حلیمہؓ کہ گفت۔ چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم برفتار آمد کودکان را سیدید کہ بازی میکردند۔ از ایشان دوری می جست و ایشان را از بازی کردن منع می کرد و می گفت مارا برائے بازی کردن نیافریدہ اند۔ حلیمہؓ گوید کہ گریہ بدخوئی و بدخلقی نداشت و بدست چپ ہیچ چیز را فرا نگرفتی۔ بدست راست بستدی۔ حلیمہؓ گوید کہ روزے از روزہا با من گفت یا اماہ۔ چوں است کہ برادران مارا بروز نمی بینم۔ گفتم جانمن فدائے تو بادا ایشان میروند کہ گوسفندان مرا بچرانند۔ بامدادمی روند و شبانگاہ بازمی آیند گفت مرا این جا تنہامی گذاری و با ایشان مرا نمی فرستی۔ کہ من نیز باید کہ کارے بکنم۔ روضۃ الاحباب جلد اوّل ص ۔ ۹

حلیمہؓ کہتی ہیں۔ کہ اُسی وقت سے آپ کی پاکیزگی طبع کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ نے روزمرہ کے کپڑوں میں عام بچوں کی طرح رفع حاجت نہ فرمائی وقت کی پابندی اور احتیاط کا اُسی زمانہ سے یہ حال تھا۔ کہ رفع حوائج ضروریہ کے لیئے وقت خاص مقرر تھا۔ اُسی وقت رفع حاجت فرمائی جاتی تھی اور پھر روز آئندہ کے وقت مقرر تک اُسکی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ مجھکو رفتہ رفتہ روزانہ کے مشاہدے سے اُسکا پورا علم و تجربہ ہوگیا۔ اور میں روزمرہ وقت مقرر پر آپ کی اُن ضروریات کو انجام دیدیا کرتی تھی۔ حیا و عفت کا بچپن ہی سے یہ عالم تھا کہ اگر میری غلطی اور غفلت سے اگر کسی وقت آپ کا کشف ستر ہوگیا تو اُس حیائے مجسم اور ناموس الٰہی کے خاص محرم پر غیظ و غضب کا ایک خاص عالم طاری ہوجاتا تھا اور شرم و حیا کے وفور سے آپ فوراً رُونے لگتے تھے۔ میں رُونا سن کر دوڑ پڑتی تھی۔ اور کپڑا ڈالدیتی تھی۔ عام بچوں کی طرح رُونا۔ دُودھ کے لیئے مچلنا میں۔ رضاعت کے دو سالہ ایام میں کبھی نہ دیکھا۔ کبھی آپ نے کوئی چیز بائیں ہاتھ سے نہیں اُٹھائی۔ ہمیشہ سیدھے ہاتھ سے کام لیا۔ رشد و تمیز کا یہ عالم تھا۔ کہ مجھکو ہمیشہ یہ ارمان رہا۔ کہ دُودھ پلانے کے بعد عام بچوں کی طرح آپ کے دہان مبارک کو بھی رومال سے پاک کردیا کروں۔ کبھی اُس کی مجھے ضرورت ہی نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ اس اندازہ و احتیاط سے دودھ پیا جاتا تھا۔ کہ زیادتی مقدار کا کوئی اثر لب مظہر پر ظاہر نہیں ہونے پاتا تھا۔ حلیمہ کا یہ بھی بیان ہے کہ جب آپ کو طاقت رفتار آگئی تو آپ نے جب کبھی لڑکوں کو باہر کھیلتے ہوئے دیکھ پایا۔ اُنسے بخلاف فطرت کنارے ہوگئے اُن کو ہمیشہ کھیلنے کودنے سے منع فرماتے تھے۔ اور ارشاد کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو کھیلنے کے لیئے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ حلیمہؓ یہ بھی کہتی ہیں۔ کہ آپ نے ایک دن مجھ سے استفسار فرمایا۔ کہ ہمارے بھائیوں کو آپ کہاں روز بھیجدیا کرتی ہیں۔ کیونکہ میں اُن کو دن بھر گھر میں نہیں دیکھتا ہوں میں نے جواب دیا کہ میری جان آپ پر فدا ہو

وہ گھر کی بھیڑیں جنگل میں چرانے جایا کرتے ہیں۔ ہر روز سویرے صبح کو گھر سے بھیڑیں لیکر نکل جاتے ہیں۔ دن بھر جنگل میں بھیڑیں چراتے ہیں۔ اور شام کے وقت ہر روز گھر چلے آتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی انہیں کے ساتھ آپ کیوں نہیں بھیجدیا کرتیں۔ مجھے بھی کچھ کام کرنا چاہیئے۔

اُمّ ایمن آپ کی مرضعہ (دودھ پلائی) تو تھی نہیں۔ لیکن محضنہ (کھلائی) ضرور تھیں بیان کرتی ہیں۔

اُمّ ایمن گوید کہ ہرگز ندیدم کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از گرسنگی وتشنگی شکایت کردے چوں بامداد شدے یک شربت آب زمزم بخوردے وتا شب ہیچ نہ طلبیدے وبسیار بود کہ طعام چاشت برا وعرض می کردم وامی گفت مرا رغبت لطعام نیست۔ روضۃ الاحباب ص ۹۵

اُمّ ایمن کہتی ہیں کہ میں نے کبھی آپ کو بھوک کی اور پیاس کی شکایات کرتے ہوئے نہیں سنا ہر روز کا معمول تھا کہ میں آب زمزم کا شربت تیار کرکے دیدیتی تھی۔ آپ پی لیتے تھے اور پھر شام تک کچھ بھی نہ مانگتے تھے۔ اکثر میں طعام چاشت (ناشتہ) تیار کرکے حاضر کرتی۔ تو ارشاد فرماتے کہ مجھکو بھوک نہیں۔

یہ صبر۔ استغنا۔ قناعت اور زہد وتوکل کا دیباچہ مشق وریاضت تھا۔

نبوت کی قوت ارتقاو نمو جوہر قدسیہ نے آپکی قوت نامیہ میں استقدر ارتقا پیدا کردیا تھا۔ جو نبوت کی خصوصیت کو عام فطرت انسانی کی عمومیت سے بالکل علیحدہ ثابت کرتا ہے۔ زرقانی اپنی شرح میں اس کی مفصلہ ذیل کیفیت وحقیقت بیان کرتے ہیں۔

انہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لما صار ابن شھرین کان یتزحلف الصبیان الی کل جانب وفی ثلاثۃ اشھر کان یقوم علے قدمیہ وفی اربعۃ کان یمسک الجدار ویمشے وفی خمسۃ حصل لہ القدرۃ علی المشی لما تم لہ ستۃ اشھر کان یسرع فی المشی وفی سبعۃ اشھر کان یسعی ویغدوا الی کل جانب فلما مضی لہ ثمانیۃ اشھر شرع یتکلم بکلام الفصیح وفی عشرۃ اشھر یرفی السھام مع الصبیان۔ زرقانی ج ۱ ص ۱۷۹

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو مہینے کے ہوئے۔ تو بچوں کے پیچھے ہر طرف گھٹنیوں چلنے لگے۔ جب تین مہینوں کے ہوئے تو دونوں پاؤں سے زمین پر کھڑے ہونے لگے۔ چار مہینوں کے ہوئے تو دیوار پکڑ کر کھڑے ہونے لگے۔ پانچویں مہینہ آپ کو رفتار کی طاقت آگئی۔ چھٹے مہینے رفتار میں سرعت کی قوت پیدا ہوگئی۔ ساتویں مہینہ آپ اچھی طرح ہر طرف اپنے پاؤں سے چلنے پھرنے لگے۔ اور جب کامل آٹھ مہینے کے ہوگئے تو آپ صفائی سے بولنے لگے اور دسویں مہینے میں آپ بچوں کے ساتھ تیراندازی کرنے لگے۔ زرقانی ج اول ص ۱۷۹

اقامت بنی سعد کے زمانہ کا یہ واقعہ طبقات ابن سعد میں مرقوم ہے۔

انہ کان یخرج ھو واخوہ فیلعب مع الغلمان فیغبتھم علیہ السلام ویلغذ بید اخیہ ویقول انا لم نخلق لھذا

جب آپ کے رضائی بھائی آپ کو ہمراہ لیکر لڑکوں کے ساتھ کھیلنے کے لیئے جاتے تھے۔ اور کھیلنے لگتے تھے۔ تو آپ اپنے رضائی بھائی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے۔ اور ارشاد فرماتے تھے کہ ہم اس کے لیئے نہیں پیدا کیئے گئے ہیں۔

ابھی سے اپنے وجود ذی جود کی ضرورت کی اتنی کامل معرفت تھی۔ ایسا ہی حلیمہ سعدیہ سے یہ فرمانا کہ ہمیں بھی بھائیوں کے ساتھ بھیجدیا کیجیے۔ کیونکہ ہم کو بھی کچھ کام کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ آپ کی سعی و ریاضت کا مقدمہ تھا

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِهٖ ۔ صَلُّوْا عَلَیْهِ وَآلِهٖ ۔

اوپر لکھا گیا ہے۔ کہ بنی سعد کے قبیلہ میں آپکے چار سالہ ایام طفولیت تمام ہو گئے۔ گویا پانچویں برس کے آغاز سے آپ نے اپنے خاص بیت الشرف کی طرف معاودت فرمائی۔ اور پھر چھ برس کے سن تک اپنی والدۂ گرامی قدر کے دامن عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ مگر مصلحت ایزدی نے اس زمانہ پرورش کو زیادہ دیر پا نہ رکھا۔ کل دو ہی برس کے بعد اسکی مدت تمام ہو گئی۔ علیا مکرمہ جناب آمنہ سلام اللہ علیہا نے مدینہ منورہ سے معاودت فرماتے ہوئے مقام ابواء میں انتقال فرمایا۔ ابن ہشام اور ابن سعد نے اسکی تفصیل مفصلۂ ذیل عبارت میں لکھی ہے۔

اِنَّ امّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمنة بنت وھب توفیت ورسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم ابن ست سنین بالابواء بین مکة والمدینة وکانت قد قدمت به علی اخواله من عدی بنی النجار تزیرہ ایاھم فماتت وھی راجعة به الی مکة۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مادر گرامی شان حضرت آمنہ بنت وہب نے۔ جب آنحضرت صلعم کا سن کل چھ برس کا تھا مقام ابواء رحلت فرمائی۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ جناب آمنہ سلام اللہ علیہا اپنے ننہالی عزیزوں سے ملنے کے لیے مدینہ تشریف لے گئی تھیں۔ وہاں سے رخصت ہو کر مراجعت فرماتے وقت انتقال فرما گئیں۔

ابن سعد نے ابن ہشام سے زیادہ تفصیل سے آپکے واقعہ وفات کو لکھا ہے۔ اُن کی اصلی عبارت یہ ہے۔

ثم رجعت به امه الی مکة فلما کانوا بالابواء توفیت امه آمنة بنت وھب فقبرھا ھناك فرجعت به ام ایمن علی البعیرین اللذین قدموا علیهما الی مکة وکانت تحضنه مع امه ثم بعد ان ماتت۔ طبقات ص

آنحضرت صلعم اپنی مادر گرامی کے ساتھ مکہ لوٹے جب مقام ابواء پر پہنچے۔ تو آپ کی والدۂ ماجدہ جناب آمنہ بنت وہب نے انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون کر دی گئیں۔ ام ایمن آپ کو لیکر انھیں دونوں اونٹوں پر مکہ واپس آئیں۔ جن پر سوار ہو کر مکہ سے مدینہ گئی تھیں۔ ام ایمن حیات اور بعد وفات حضرت آمنہ کے بھی آنحضرت صلعم کی کھلائی رہیں۔

ان دونوں عربی مورخین نے حضرت آمنہ کے مدینہ جانے کی وجہ ننہالی اقرباء سے ملاقات بتلائی ہے۔ مگر ہمارے ہندی محقق علامہ شبلی صاحب نے حضرت عبد اللہ کی قبر مطہر کی زیارت کو اس سفر کا خاص مدعا بتلایا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ دونوں توجیہیں قلبی تعلقات کا پورا پتہ دیتی ہیں۔ مگر ہمارے شبلی صاحب کی توجیہ تعلق کی مخصوص اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے ضرور ترجیح کے قابل ہے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ نبوت میں اس سفر کا خود ذکر فرمایا ہے۔ ابن سعد آپکے ارشاد کو

مفصلہ ذیل عبارت میں لکھتے ہیں۔

فکان رسول اللہ صلعم یذکر امورا کانت فی مقامہ ذلک لما نظر الی اطعم بنی عدی بن نجار عرفہ وقال کنت الاعب انیسۃ جاریۃ من الانصار علی ھذا اطعم وکنت مع غلمان من اخوالی تطیر طائرا کان یقع علیہ و نظر الی الدار فقال ھھنا نزلت بی امی و فی ھذہ الدار قبر ابی عبداللہ بن عبدالمطلب واحسنت العوم فی بئر بنی عدی بن النجار۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام باتوں کا جو اس مقام پر پیش آئیں۔ ذکر فرماتے تھے۔ مدینہ میں تشریف آوری کے وقت آپ نے عدی بن النجار کی عمارات کو دیکھکر فوراً پہچان لیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ وہی مقام ہے جہاں میں انیسہ نامی انصار کی ایک لڑکی کیساتھ کھیلا کرتا تھا اور یہی وہ مقام ہے جہاں میں اپنے ننہالی قرابت والے لڑکوں کیساتھ مقیم تھا اور انکے متعلق جیسا آپ نے ارشاد کیا تھا دیسا ہی ہوا۔ اور پھر اس مکان کی طرف ارشاد فرمایا کہ یہ وہی گھر ہے جس میں میں اپنی ماں کے ساتھ ٹھہرا تھا اور اسی گھر میں میرے والد بزرگوار حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؑ کی قبر ہے۔ اور میں نے یہیں بنی عدی بن النجار کے ایک مشہور تالاب میں تیرنا سیکھا تھا۔"

تاریخوں سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ جناب رسالت مآب صلی علیہ وآلہ وسلم اپنی مادر گرامی قدر کے ساتھ مدینہ میں کل ایک مہینہ قیام فرما رہے تھے۔

ماں کی قبر کی زیارت

واقعات مندرجہ بالا کے ساتھ شاہدات تاریخی یہ بھی بتلاتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کے نورانی دل میں اپنی والدہ گرامی شان کی ہمیشہ یاد زندہ تھی اور اُن کی مفارقت کے بعد اشفاق مادری کے آثار ویسے ہی تازہ تھے۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

فلما مر رسول اللہ صلعم فی عمرۃ الحدیبیۃ بالابوا قال ان اللہ قد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہ فاتاہ رسول اللہ صلعم فاصلحہ و بکی عندہ و بکی المسلمون لبکاء رسول اللہ صلعم فقیل لہ ادرکتنی رحمتہا فبکیت ص ۷۳

عمرہ حدیبیہ کے بعد جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ابوا پر پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ گرامی قدر کی قبر کی زیارت کے لیے خدا کی طرف سے مجاز و ماذون کیا گیا ہوں یہ فرماکر آپ انکی قبر مطہر پر تشریف لیگئے۔ اور اُن کو نیکیوں کے ساتھ یاد کیا اور اشکبار ہوئے آپ کو روتا دیکھکر تمام اہل اسلام بھی رونے لگے آپ سے سبب گریہ دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ مجھے اشفاق ومراحم یاد آگئے۔ اور میں بے اختیار ہوکر رو پڑا۔

حضرت عبدالمطلبؑ کی کفالت

اس میں کسکو کلام ہو سکتا ہے کہ اتنے صغیر سنی کے زمانہ میں ماں سے مفارقت آنحضرت صلعم کیلئے سخت ترین مصیبت ثابت ہوئی ہوگی۔ لیکن حضرت عبدالمطلبؑ کی شفقت و دردمندی نے اس ودیعت وخدا وندی کو فوراً اپنے کنارہ عاطفت میں اُٹھالیا اور کیونکر نہ اٹھاتے جناب عبدالمطلبؑ اپنے جوان مرگ

صاحبزادے عبداللہ کے بعد اس درِ یتیم کو اُنکا نعم البدل جانتے تھے اور جناب آمنہ کی حیات تک آپ کی پرورش و آرام رسانی کیطرف سے آپکو ایک گونہ اطمینان حاصل تھا۔ ہاں اُنکے انتقال کر جانیکے بعد باوجود اسکے کہ آپکی عمر اسّی برس کی ہو چکی تھی اعضا و جوارح جواب دے چکے تھے۔ متعدد جوان بیٹے اور اُن کے جوان بال بچے بھی موجود تھے۔ تمام گھر بھرا پڑا تھا۔ ممکن تھا کہ پیرانہ سالی کے عذر معقول کے باعث سے حضرت عبدالمطلب۔ یتیم عبداللہ روحی فداہ کی پرورش و پرداخت اُنکے کسی چچا سے متعلق کر دیتے اور آپ آرام کرتے۔ مگر نہیں اس ضعف و نقاہت کے عالم میں بھی۔ آنحضرت صلعم کی تمام خدمات اپنے ذمہ لی گئیں جناب عبدالمطلب کو اُن کی پرورش و پرداخت میں بڑی آسانی اور سہولیت مادرِ حضرت حمزہؓ کی جہت خاص سے حاصل ہوئی۔ جو حضرت آمنہؓ کی اپنی چچا زاد بہن تھیں۔ اور ان دونوں خواتین باتمکین کی بیک وقت شادی ہوئی تھی جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے

ان تمام قرائن و ذرائع پر غور کرنے کے بعد یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ پرورش و حفاظت جان رسولؐ کی ایسی مہتم بالشان خدمت ان تعلقات ظاہری سے زیادہ مشیت کے نظام حقیقی سے تعلق تھی۔

یہ مسلم ہے کہ حضرت عبدالمطلبؓ کو حضرت عبداللہ سے بمقابلہ اور فرزندوں کے مفرط درجہ کی محبت تھی کیونکہ خصر اولاد تھے اور فطرت انسانی کے اعتبار سے باپ کے سب سے زیادہ محبوب پھر ایسے محبوب ترین فرزند کا چشم و چراغ۔ ایسے پارہ جگر کا نام و نشان کیونکر تمام گھر سے زیادہ عزیز نہیں ہو سکتا ہے۔ اور پھر وہ بھی نہ ایسا کہ اسکا دوسرا نعم البدل ممکن نہیں۔ باپ ولادت کے پہلے اُٹھ چکا۔ ماں بچھڑ گئی تھی۔ وہ کل چھ برس کا چھوڑ کر گذر گئی حقیقتاً یہ مصائب ایسے تھے۔ جو بیواسطہ اور غیر سروکاری اشخاص کو بھی ایسے یتیم۔ بے ماں باپ کے بچہ کے ساتھ دلسوزی اور ہمدردی کی توجہ دلاتے ہیں نہ یہ کہ صرف اُس بزرگوار کو جو اپنی جان اور اپنے تمام خاندان سے اسکو زیادہ عزیز رکھتا ہو۔ ابن سعد نے اپنے ایک جملہ میں ان تمام مدعا کو تمام کر دیا ہے وہ یہ ہے۔

فلمّا توفیت قبضتہ الیہ جدہ عبد المطلّب و ضمّہ ورق علیہ رقّۃ لم یرق علیہا علی ولدہ وکان یقرّبہ منہ و یدینہ و یدخل علیہ اذا خلا و اذا نام

جناب آمنہؓ نے وفات پائی تو جناب سالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش و پرداخت کے تمام اُمور حضرت عبدالمطلبؓ سے متعلق ہوئے اور حضرت عبدالمطلبؓ نے اپنے محاسن اشفاق کے وہ مسالک آپ کے ساتھ اختیار فرمائے جو اپنی کسی اولاد کے ساتھ بھی نہیں ظاہر فرمائے تھے تمام گھر والوں میں اسوقت قریب ترین و عزیز ترین یہی تھے خلوت و جلوت میں آپ کو برابر ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اور آپکے ساتھ سویا کرتے تھے۔ طبقات ص ۵۹

عرب کی یہ قدیم تہذیب تھی کہ وہ کسی بزرگ خاندان کے برابر تعظیماً کسی عام یا خاص مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے۔ اس قدیم آداب معاشرت کی خلاف ورزی کے اظہار پر اُسکے عامل کو عام اس سے کہ وہ کسی مایہ یا پایہ کا کیوں نہ ہو۔ نہایت حقارت و نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اس قومی دستور و آداب کے وہ اس قدر پابند تھے کہ غیر ممیز اطفال تک کو بھی ان اقدام کی جرأت کرتے ہوئے دیکھکر چشم پوشی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس کو آداب مجلس اور طریقہ نشست و برخاست بتا دینے کی ضرورت سے فوراً متنبہ اور آگاہ کر دیتے تھے چنانچہ یہ قدیم دستور اُنکا یہ قومی آداب و اخلاق عالم میں کم و بیش تمام قوموں کی تہذیب معاشرت میں آجتک داخل ہے

قدیم آئین تعظیم سے رسولِ خدا کا استثنا

جناب عبد المطلبؑ نے اپنے جگر گوشہ یتیم عبد اللہ کو اس قیود سے بالکل مستثنیٰ فرما دیا ذیل کا واقعہ اس کا شاہد ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے

كان رسول الله صلعم مع جده عبد المطلب ابن هاشم وكان يوضع لعبد المطلب فراش في ظل الكعبة فكان بنوه يجلسون حول فراشه ذلك حتى يخرج اليه لا يجلس عليه احد من بنيه اجلالاً له قال فكان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يأتي وهو غلام حفر حتى يجلس عليه فيأخذ اعمامه ليؤخروه عنه فيقول عبد المطلب اذا رأى ذلك منهم دعوا ابني فوالله ان له لشأنا ثم يجلسه معه عليه ويمسح ظهره بيده ويسره ما يراه يصنع - ابن هشام مطبوعہ مصر ص ۵۵

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جد بزرگوار حضرت عبد المطلبؑ کی کفالت میں تھے ایک بار ایک قومی مجلس کی ترتیب دی گئی تھی اور زیر کعبہ حضرت عبد المطلبؑ کے لیئے جو اُس زمانہ میں امیر مکہ اور متولی خانہ کعبہ تھے ایک فرش خاص بچھایا گیا تھا۔ اور آپکی تمام اولاد و فرزندان اپنے اعزازی مراتب و مناصب کے لحاظ سے اُس فرش کے دور میں چاروں طرف بیٹھے تھے اور صدر میں حضرت عبد المطلبؑ کیلئے خاص جگہ چھوٹی تھی اور اُنکی ذاتی عظمت کے اعتبار سے آپکے خاص فرزندوں میں سے بھی کوئی صاحب اس مقام خاص پر بیٹھنے کے مجاز نہیں تھے حُسن اتفاق ہی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اُسوقت تک کم سن بچے تھے تشریف لاتے ہی سیدھے اپنے جد بزرگوار کے مقام پر جا بیٹھے آپکے چچاؤں نے اُٹھکر آپ کو تھام لیا۔ اور پائین میں اپنے پاس بٹھلا لینا چاہا۔ اس اثنا میں حضرت عبد المطلبؑ آگئے اور یہ کیفیت دیکھکر اپنے بیٹوں سے کہنے لگے۔ کہ میرے فرزند کو کیوں روکتے ہو۔ چھوڑ دو خدا کی قسم اس کے لیئے ایک شان خاص ہے یہ کہکر آپ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر اپنے مقام پر بیٹھ گئے۔ اور اُن کی پشتِ مبارک پر اپنا دست شفقت پھیرنے لگے۔ اور جو دلشکنی آپکی ہوئی تھی اسکی نسبت تشفی اور دلجوئی فرمائی

ظاہر میں تو اس واقعہ سے حضرت عبد المطلب کے انتہائی اشفاق ظاہر ہوتے ہیں۔ موجودہ سلسلہ بیان کا اصلی مُدعا ہی مگر حقیقت میں یہ واقعہ نظام قدرت کی طرف سے مراتب رسالت کی معرفت کا مقدمہ ہے۔

دُعائے استسقا میں رسول صلعم کی شرکت

ہم اپنے سلسلۂ بیان میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بالترتیب وتفصیل وہ تمام واقعات لکھیں گے۔ جو حضرت عبد المطلبؑ کے زمانۂ حیات میں واقع ہوئے اسی سلسلۂ میں دُعائے استسقا کا بھی ایک واقعہ ہے۔ جس میں جناب رسولؐ خدا صلعم کی برکت شرکت معلوم ہوتی ہے۔ ہم اس کو ابن سعد کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

عن رقيقة بنت ابي صيفي بن هاشم بن عبد مناف قالت تتابعت على قريش سنون ذهبن بالاموال واشفين على الانفس قالت فسمعت قائلا يقول في المنام يا معشر قريش ان هذا النبي المبعوث منكم وهذا ابان خروجه وبه ياتيكم الحيا والخصب فانظروا رجلا من اوسطكم

رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم بن عبد مناف کا بیان ہے کہ ایکبار مکہ میں تواتر کئی برسوں تک قحط پڑتا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگوں کے مال واسباب تلف ہوگئے اور بالآخر جانوں کے جانے کی نوبت آئی اُنھیں ایام میں میں نے ایک شخص کو خواب میں یہ کہتے سُنا کہ اے قوم قریش نبی زمانہ تو پیدا ہو چکا۔ اور اُسکے ظہور کا وقت بھی قریب پہونچ گیا جس کی برکت سے تمھیں فراغت وخوشحالی

نسباطوالا حظا ما ابیض مقرون الحاجبین اهدب
الاشفار جعدا سهل الخدین رقیق العرنین فلیخرج
هو وجمیع ولده ولیخرج منکم من کل بطن رجل فتطهروا
وتطیبوا ثم استلموا الرکن ثم ارقوا راس ابی قبیس
ثم یتقدم هذا الرجل فیستسقی وتؤمنون فانکم
ستسقون فاصبحت فقصت رؤیاها علیهم فنظروا
فوجدوا هذه الصفة صفة عبدالمطلب فاجتمعوا علیه
وخرج من کل بطن منهم رجل ففعلوا ما امرتهم به
ثم علوا علی ابو قبیس ومعهم النبی صلعم وهو غلام
فتقدم عبدالمطلب وقال اللهم هؤلاء عبیدک
واماءک وبنات اماتک وقد نزل بنا ما تری وتتابعت
علینا هذه السنون فذهبت بالظلف والخف و
اشفقت علی الانفس فاذهب عنا الجدب واتنا
بالحیاء والخصب فما برحوا حتی سالت الاودیة
برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سقوا ص ۵۲

نصیب ہوگی تم لوگ ایک ایسے آدمی کو تلاش کرو جو تم میں شریف النسل ہو اُسکی
بدن کی ہڈیاں لمبی ہوں۔ جس کی جلد بدن پر دہانے چشم کے پاس جھکدار ہو
جسکے آگے سر کے بال کم ہوگئے ہوں دونوں رخسار ہموار ہوں۔ بھویں
قریباً مُتصل ہوں اور دونوں ابرو تنگ ناک باریک ہو۔ ایسے آدمی سے
کہو کہ اپنی تمام اولاد و احفاد کو ساتھ لیکر باہر نکلے اور تم میں سے بھی ہر قبیلہ
اور ہر عشیرہ کا ایک ایک آدمی اُسکے ساتھ ہو پہلے تم لوگ غسل کرو پاک و
پاکیزہ ہو خوشبو لگاؤ۔ اور رکن کعبہ کا استیلام بجا لاؤ۔ اُسکے بعد کوہ ابوقبیس
کی چوٹی پر چڑھ جاؤ۔ اور اُس شخص کو اپنا پیشوا بناؤ۔ اور اُس سے کہو کہ پانی
برسنے کی دُعا کرے۔ یقین رکھو کہ اسی تدبیر سے تم لوگ ضرور سیراب ہوگے
رقیقہ کا بیان ہے۔ کہ صبح کو اُٹھکر میں نے اپنا خواب بیان کیا سب نے
ملکر اُسپر غور کیا۔ اور پھر تلاش و فکر کے بعد حضرت عبدالمطلبؑ کو ان صفات
سے موصوف پایا۔ تمام قبائل و عشائر کے لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے
صورت حال عرض کی۔ یہ فوراً مُستعد ہوگئے۔ پھر تمام لوگوں نے ملکر مراسم
و لوازم مذکورہ انجام دیئے اور حضرت عبدالمطلبؑ کو اُنکی تمام اولاد
و احفاد کے ساتھ لیکر کوہ ابوقبیس کی سب سے اونچی چوٹی پر چڑھ گئے

اور انہیں بزرگواروں کے ساتھ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تھے۔ اور آپ اُسوقت کمسن تھے۔ جماعت موجودہ کی اقتدا حضرت عبدالمطلبؑ نے کی اور دُعائے استسقا ان الفاظ میں ادا فرمائی۔ الٰہی یہ جماعت تیرے بندے ہیں۔ اور تیرے بندوں کی عیال۔ تیری کنیزیں ہیں۔ اور تیری کنیزوں کی اولاد۔ جو مصیبت ہم لوگوں پر پڑی۔ وہ تجھ پر ظاہر ہے۔ ہم لوگوں پر گذشتہ کئی برسوں سے آفت پر آفت ہے۔ اور تباہی و پریشانی۔ اور اب تو اُن کی جانوں پر آبنی ہے۔ الٰہی اب اس مصیبت کو ہم پر سے اُٹھالے۔ اور ہم کو خوشحالی اور وسعت رزق عطا فرما۔ رقیقہ کا بیان ہے کہ قوم قریش کو کچھ نہیں نصیب ہوا تھا۔ تا وقتیکہ اس تدبیر سے جماعت کی جماعت نے درگاہ رب العزت میں دُعا نہیں کی۔ اور جناب رسالتمآب صلعم کی برکت سے سب کے سب سیراب ہوگئے۔ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۵۲ مطبوعہ جرمن سلہ

اس واقعہ سے جہاں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم کی برکت و سعادت ثابت ہوتی ہے۔

حاشیہ سلہ حضرت عبدالمطلبؑ کی کفالت پر عیسائیوں کا اعتراض۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۲۷ میں لکھتے ہیں۔ عبدالمطلبؑ کا آنحضرت صلعم کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے۔ لیکن مارگولیس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہیں فرماتے ہیں۔ "یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ اور آخر زندگی میں اُن کے چچا حمزہؓ نے نشہ کی حالت میں محمدؐ کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا۔ (مارگولیس لائف آف

وہاں حضرت عبد المطلبؑ کی ذاتی وجاہت وعظمت کا بھی اظہار کامل ہوتا ہے۔ آپکی اس وجاہت و اقتدار کا یہ مرتبہ صرف اسلیئے تھا۔ کہ آپ مکہ کے رئیس تھے اور قریش کے سردار بلکہ اس شہرت عامہ اور اعتبار و اختیار کے باعث آپکے خاص اخلاقی ایثار و آثار تھے۔ جو آپ کی ذات ستودہ صفات کو ممدوح نعذ گار بنائے تھے۔

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

حاشیہ صفحہ دیگر آنحضرت محمد ص ۵۸۔ ۹۹) حضرت حمزہ کے جس قول سے استدلال کیا جاتا ہے۔ مارگولوس خود تسلیم کرتے ہیں۔ وہ نشہ کیحالت تھی۔ اسکی تفصیل جیسا کہ بخاری میں ہے۔ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے بار برداری کے لیئے اونٹ خریدے اسوقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حمزہ شراب میں مخمور اس طرف سے گذرے۔ اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل وجگر کا کباب بنایا۔ آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی۔ تو آپ حضرت حمزہؓ کے پاس آئے۔ اور ان کو ملامت کی" حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے۔ اس حالت میں وہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تھے۔ کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ سیرۃ النبیؐ ج ا ص ۱۲۷

مارگولوس کا یہ اعتراض ابی طالبؑ کی کفالت کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس لیئے عبد المطلبؑ کے زمانہ میں شبلی صاحب کا اسکو مندرج فرمانا اور اس پر تنقید لکھنا قبل از وقت ہے۔ اور ایک بے موقع تقدیم

مولوی شبلی صاحب کا اکثر مقامات پر یہ لکھنا کہ" ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی" یہ بتلاتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اسلام میں شراب کسی وقت حلال بھی تھی۔ اگر تنزیل حرمت کے اعتبار پر یہ قیاس فرمایا جاتا ہے۔ تو اور بھی تعجب انگیز ہے۔ کیونکہ قبل حرمت والی تمام آیات قرآنی اُسکی ذم و قبح کو بتلا رہی ہیں۔ یہ امت اسلام کی بد اخلاقیاں ہیں۔ اور شامت اعمالیاں۔ کہ خدا کے بار بار برا بتلانے پر بھی وہ اُسے برا نہیں جانتے اور پی جاتی ہے۔ اخلاق الٰہی نے تھوڑے دنوں تک اس کے نیک و بد کی تمیز امت کے فیصلہ پر چھوڑ دی لیکن اُمت کے اخلاق ذمیمہ اُنکے خلوص ایمانی اور اعضائے روحانی پر ایسے غالب آگئے تھے۔ کہ وہ اس کو ترک نہ کر سکی تو بالآخر تعذیب الٰہی کی تہدید کے ذریعہ سے یہ ناہنجار عادت چھڑوائی گئی۔ اگر امت رسولؐ کو اتباع کا دعوٰی تھا۔ یا سیرت رسولؐ کی تاسی کو وہ اپنے دینی اور دُنیاوی مقاصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ تو اُسکو اپنے رسولؐ برحق کی عادت پر نظر ڈالنی تھی۔ اور یہی اس ناہنجار عادت کے ترک کیلئے کافی تھی۔ لیکن اسکی توفیق ہی نہیں ہوئی۔ اور تعذیب الٰہی کی آسمان سے تہدید و تاکید بلوائی گئی۔ اس بنا پر تاخیر تنزیل کو کسی مدت تک جواز یا حلتِ خمر کا باعث سمجھنا سخت غلطی ہے۔ خمر۔ زنا۔ چوری۔ وغیرہ وغیرہ ہمیشہ سے اخلاقی اور روحانی جرم قرار دیئے گئے ہیں اور تمام شریعتہائے سابقہ میں یہ افعال ذمیمہ کبائر معاصی بتلائے گئے ہیں۔ شراب شریعت اسلام میں از اوّل تا آخر وقت ویسی ہی حرام مُطلق تھی۔ جیسے حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علی نبینا و آلہ علیہم السّلام کی سابق شریعتوں میں۔ فافہم فتدبر۔

ہم اس ناہنجار عادت کی حضرت حمزہؓ سے نسبت بھی اعتبار کے قابل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ حضرت عبد المطلبؑ کے متعلق تمام حدیثوں کی کتابوں میں بالاتفاق لکھا ہے انہ حرّم الخمر فی حیاتہ (آپ نے اپنی عمر بھر شراب کو حرام کر لیا تھا) تو ہم مشکل سے اُنکے صاحبزادے حضرت حمزہ سے بخلاف سیرت پدری اسکا یقین کر سکتے ہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب یہ واقعہ اُن کے اسلام لانے کے قبل کا بھی نہیں

کان عبد المطلب احسن قریش وجہا وامدّہ جسما واحلمہ حلما واجودہ کفا وابعد الناس من کل موبقۃ تفسد الرجال ولم یرہ ملک قط الا اکرمہ وشفعہ وکان سیّد قریش حتی ہلک فاتاہ نفر من خزاعۃ فقالوا نحن قوم متجاورون فی الدار ہلم فلنحالفک فاجابہم الی ذالک واقبل عبد المطلب فی سبعۃ نفر من بنی عبد المطلب والارقم ابن نضلۃ بن ہاشم والضحاک وعمر ابن صیفی بن ہاشم ولم یحضرہ من بنی عبد شمس ولا نوفل فدخلوا دار الندوۃ فتحالفوا فیہا علی التناصر والمواساۃ وکتبوا بینہم کتابا وعلقوہ فی الکعبۃ ص ۵۱

حضرت عبد المطلب باعتبار ذاتی وجاہت کے تمام قریش میں وجیہ ترین بزرگ تھے۔ اور جسامت کے لحاظ سے سب سے زیادہ جسیم اور طویل حلم و تحمل میں سب سے بڑھکر حلیم جود و سخاوت میں سب سے زیادہ سخی و کریم۔ فتنہ و فساد کے موقع پر سب سے دور رہنے والے جو دیکھتا تھا وہ آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اور آپکی ہدایتوں کو بجالاتا تھا۔ اور سلاطین معاصرین میں قبیلہ قریش کی امارت مادام الحیات آپ سے متعلق رہی۔ ایکبار بنی خزاعہ کے لوگ آپکی خدمت میں آکر کہنے لگے۔ کہ ہم لوگ آپکے ہمسایہ ہیں اسوقت اس استدعا کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں۔ کہ آپ ہم لوگوں کو اپنا حلیف بناکر اپنی پناہ میں لے لیں آپنے فوراً اُن لوگوں کی استدعا کو قبول کرلیا اور بنی عبد المطلبؑ میں سے سات آدمیوں کو لیکر ارقم بن نضلہ بن ہاشم اور ضحاک و عمر پسران ابی صیفی بن ہاشم کو بھی اُن میں شامل کرکے دار الندوہ میں تشریف لائے۔ اس معاہدہ میں بنی عبد الشمس (امیہ) اور بنی نوفل میں سے کوئی فرد واحد شریک نہ ہوا۔ دار الندوہ میں جانبین سے مواسات و حمایت کے باہمی معاہدے لکھے گئے۔ اور دستور قدیم کے مطابق کعبہ میں آویزاں کردیئے گئے۔

بنی ہاشم کے یہ وہ حقیقی معارف ہیں جو قدیم سے اُن کے اخلاقی اعزاز و امتیاز کے خصوصیات میں داخل ہیں۔ اور یہ وہی مفاخر ہیں اور اصلی مفاخر شارف جو تمام قریش کیا تمام قبائل عرب پر اُنکی تفضیل و ترجیح کے سچے معیار ثابت ہوتے ہیں اور یہ تمام صفات و محاسن جس طرح قصیٰ کو اپنے وقت میں۔ ہاشم کو اپنے زمانہ میں حاصل تھے۔ اُسی طرح عبد المطلبؑ کو اپنے عہد میں قدرت کی طرف سے بدرجہ اولیٰ حاصل تھے۔ بدرجہ اولیٰ اسلیئے کہ ان تمام محاسن و صفات سے آراستہ و پیراستہ بزرگوار کے متعلق شہنشاہ رسالت کی کفالت و متمم نبوت کی حفاظت بھی سپرد ہونے والی تھی۔

حاشیہ صفحہ دیگر۔ تبلایا جاتا ہے بلکہ مشرف باسلام ہوجانیکے بعد کا اور پھر ان الفاظ اضافی کے ساتھ کہ رسول اللہ صلعم اس واقعہ کی خبر پاکر بالنفس النفیس اُن کی تادیب کے لیئے تشریف لے جاتے ہیں۔ اور اُن کی دونوں آنکھوں کے سامنے کھڑے ہوکر اُن کو ملامت کرتے ہیں۔ مگر حمزہؓ پر نعوذ باللہ کچھ اثر نہیں ہوتا۔ وہ کچھ نہیں سُنتے۔ اول فول بکتے چلے جاتے ہیں۔ مخالفین اسلام تعجب سے کہیں گے۔ کہ یہ وہی رسولؐ ہے۔ جسکی ایک نگاہ مہر پرور نے فوراً اسواقعہ کے بعد ہی حضرت عمر کے غیر متحمل غصہ کو ایسا ٹھنڈا کردیا۔ کہ اُن سے فوراً قدم رسالت پر سر جھکادیئے اور اسلام لے آنے کے سوا اور کچھ بن نہ آیا لیکن حمزہؓ کے مقابل میں نہ رسولؐ کی روحانی آثار کارگر ہوئے نہ ذاتی اور صفاتی اقتدار۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ہم ان تمام اقسام کے افسانوں کو خاندان رسالت کے عادات و مراتب کے قطعی خلاف سمجھتے ہیں۔ خصوصاً حضرت حمزہؓ وغیرہم ممدوحین بنی ہاشم کے متعلق ان لغویات کو تو قطعی ممنوع و موضوع یقین کرتے ہیں۔ یہ بخاری صاحب کی رکاکت طبعی ہے جو ان لغویات کو مندرج کرکے مساوات فی الامت کی تو ایک طرف بنیاد قائم کرتے ہیں اور دوسری طرف مخالفین اسلام کو اہانت اسلام اور حقارت حضرت خیر الانام علیہ السلام پر آمادہ اور تیار فرماتے ہیں۔ المؤلف عفی عنہ

وفات حضرت عبد المطلبؑ

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اِس کفالت وحفاظت کا زمانہ کُل چار ہی برسوں میں تمام ہو گیا۔ حضرت عبد المطلبؑ بوڑھے تو ہو ہی چکے تھے۔ شیوخیت سے گذر کر کہولیت کا وقت آ ہی گیا تھا۔ بیاسی ۸۲ برس کی عمر ہو چکی تھی۔ بیمار پڑے۔ ضعیف تو تھے ہی ضعف اور علالت دونوں ملکر مرض الموت بن گئے۔ وفات کا وقت قریب ہوا تو باوجودیکہ تمام عرب میں کثیر الاولاد مشہور تھے ابن سعد لکھتے ہیں فلم یکن فی العرب بنواب مثل عبد المطلب عرب میں عبد المطلبؑ کے ایسے کسی باپ کی اولادیں نہیں تھیں۔ اس لیے محض تعلقات قلبی کی بنا پر ایسے بڑے خاندان کے بزرگ کی آنکھوں کے سامنے اُسکے بسترِ مرگ پر اپنی اولاد و احفاد میں سے ایک ایک کی صورت موجود رہنی چاہیئے۔ لیکن اس فطرتی جذبات کے برخلاف وہ بزرگ خاندان اپنی اتنی کثیر اولاد میں سے نہ کسی فرد واحد کو بُلاتا ہے۔ نہ یاد کرتا ہے۔ اور نہ اُنکے متعلق کوئی وصیّت فرماتا ہے۔ ہاں ایک ہشت سالہ بچہ کی یاد و تعلقات اُسکو ایسا بےچین اور مضطرب الحال کئے ہیں۔ کہ وہ جو کچھ کہتا ہے یا وصیّت کرتا ہے۔ وہ صرف اسی کیلئے اور کسی کیلئے بھی نہیں۔ اس طرح کہ اپنے قائم مقام اور اپنے وارث و وصی کو اپنے پاس بُلاتا ہے اور اپنے شرعی وصیت کے الفاظ میں اُس بچے کی کفالت حفاظت حمایت اور اعانت کیلئے اپنے بعد اُسکو ذمہ دار بناتا ہے طبری۔ ابن سعد اور ابن ہشام کے متفقہ مختارے ذیل میں مندرجہ بالا مضامین کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔

فتوفی عبد المطلب بعد الفیل بثمانی ستین وکان عبد المطلب یوصی برسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عمہ اباوان ابا طالب و عبد اللہ ابا رسول اللہ صلعم کان لام فکان ابا طالب ھو الذی یلی امر رسول اللہ بعد جدہ و کان یکون معہ۔ طبری جلد اول ص ۱۱۲۳ جرمن۔

واقعہ فیل سے آٹھ برس بعد حضرت عبد المطلبؑ انتقال فرما گئے۔ اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حضرت ابی طالبؑ کو وصیت فرما گئے کیونکہ حضرت ابی طالبؑ اور حضرت عبد اللہ ماں جائے بھائی تھے۔ اس خصوصیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت کا منصب حضرت ابیطالبؑ کو تفویض ہوا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابیطالبؑ کے ہمراہ رہے طبری جلد اول ص ۱۱۲۳ جرمن

ان شاہد تاریخی سے حضرت عبد المطلبؑ کے اُن دلی جذبات اور قلبی تعلقات کے تمام حالات کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے منصب ولایت وحفاظت کی مخصوص اہمیت بھی ظاہر ہو جاتی ہے اس عہدہ جلیل اور منصب عظیم کیلئے حضرت ابیطالبؑ کی تخصیص کی ظاہری توجیہہ تو مذکورہ بالا تاریخی اسناد سے معلوم ہو چکی۔ مگر غور و تلاش کے بعد یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبد المطلبؑ نے اس ودیعت آلہی کی ولایت کی تجویز و تفویض میں صرف ابیطالبؑ اور عبد اللہ کی صُلبی اور بطنی بھتیجی ہونے پر اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ حکم آلہی کا انتظار اور استشار فرمالیا ہے چنانچہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں

اقترع ابی طالب بینھما فخرجت القرعۃ لابی طالب۔

عبد المطلبؑ نے دونوں کے درمیان قرعہ ڈالا۔ تو قرعہ ابی طالبؑ ہی کے نام نکلا۔ زرقانی ص ۲۲۸)

سلہ زبیر کی تجویز ولایت اُن متکلمین کا خود غرضانہ اضافہ ہے۔ جو مراتب ابی طالبؑ کے استخفاف و استیصال کیلئے آمادہ و تیار ہیں سوائے اُن حضرات کے نہ کسی عربی تاریخ میں اسکا ذکر ہے۔ اور نہ کسی عربی سیرت میں۔ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ قسطلانی میں صرف اِس قیاس کی بنا پر کہ بعض تاریخوں میں

حضرت عبدالمطلبؑ کے انتقال پر آنحضرت صلعم کا حزن و ملال

حضرت عبدالمطلبؑ نے جیسا بیان ہو چکا ہے۔ مکہ میں وفات پائی اور مقام حجون میں مدفون ہوئے۔ سن وفات ۸ عام الفیل مطابق ۵۷۸ء
بعمر آٹھ سالہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جد بزرگوار کی مفارقت کا بیحد ملال ہوا۔ ام ایمن کی اسناد سے ابن سعد نے لکھا ہے
بانہ رسول اللہ صلعم یومئذ یبکی خلف سریر عبدالمطلب۔ | میں نے دیکھا رسول صلعم اسدن عبدالمطلبؑ کے جنازہ کے پیچھے پیچھے روتے جاتے تھے ص ۷۵

حضرت ابیطالبؑ اور رسول اللہ کی کفالت

حضرت عبدالمطلبؑ کے روز وفات سے حضرت ابیطالبؑ کی کفالت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ حضرت ابیطالبؑ اپنے پدر بزرگوار حضرت عبدالمطلبؑ کے وصی تھے۔ جانشین تھے۔ اور قائم مقام۔ اسلئے تمام خاندانی اور قومی اعزاز و امتیاز جو عبدالمطلبؑ کو حاصل تھے وہ ورثتاً انکو تفویض ہوئے۔ اور اُنھیں ظاہری شارف و معارف کے ساتھ کفالت و حفاظت رسول صلعم کے روحانی مفاخر بھی اُنھیں کی سعادت اور خوش نصیبی کا حصہ ٹہرے۔ حالانکہ حارث سے لیکر عباس و حمزہؑ تک حضرت عبدالمطلبؑ کے متعدد بیٹے تھے۔ جن میں اکثر ان سے سن میں بڑے تھے۔ اور گھر میں موجود تھے۔ مگر عبدالمطلبؑ کو قدرت کی طرف سے اُنھیں کے انتخاب کا اشارہ ہوا۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے۔ کہ یہ انتخاب ایسا لاجواب ہوا کہ تمام قریش کیا تمام عرب میں اسکی مثال مشکل سے ملتی ہے

جناب ابی طالبؑ کی کفالت کا زمانہ آپکے استقلال۔ پایداری۔ ہمت۔ صبر اور استقامت کی آماجگاہ تھا۔ زمانہ کی ناساعدت۔ قوم کی مخالفت۔ دشمنوں کی یورش۔ اپنی کثیر العیالی اور تنگ حالی ہمہ وقت دامنگیر رہتی تھی۔ مگر ان تمام تعلقات و ترددات سے قطع نظر کرکے۔ جگر گوشہ عبدالمطلب یتیم عبداللہ کی حفاظت و حمایت کے خیال ہر وقت دل سے لگے تھے۔ اور کیونکر نہ لگے رہتے۔ گھر بھر میں خدا کی ودیعت تھا۔ تو یہی تھا۔ باپ کی وصیت تھا۔ تو یہی تھا۔ اور ماںجائے بھائی کی نشانی اور مٹی ہوئی صورت تھا تو یہی تھا
اتنی خصوصیات کے مقابلہ میں آنحضرت صلعم کو اپنی تمام اولاد پر کیونکر ترجیح نہ دیتے۔ اُنھیں روحانی تعلقات اور قلبی

بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر

زبیر کو بھی عبداللہ و ابیطالبؑ کا ماںجایا لکھا ہے۔ کفالت و ولایت کو بھی ضم کر دیا ہے۔ حالانکہ جس خلاف قیاس اور مخالف واقعہ دعوی کا ذکر کیا ہے اُس کی اُسی کتاب میں بعیر تردید و تکذیب کر دی ہے اُنکو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسے بیجا اور محض بےبنیاد دعوے کے اظہار کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ زرقانی کی محض نادانی ہے۔ چنانچہ ہم اسکی نسبت خود اُنھیں کی تحریر ذیل میں لکھتے ہیں۔

فلا یرد ان الزبیر شقیقہ ایضاً وقد قیل شارکہ فی کفالتہ وخص ابی طالب بذکرہ لامتداد حیاتہ فان الزبیر لم یدرک الاسلام وقیل اقرع عبدالمطلب بینہما فخرجت القرعۃ لابی طالب فی اسد الغابۃ للحافظ عزالدین ابن الاثیر کفل ابی طالب لانہ شقیق ابیہ وکذالک الزبیر لکن کفلہ ابی طالب وانما

جذبات نے اِن کے دل پر سوائے یتیم عبداللہ کے اپنی کسی صُلبی اولاد کی محبت و اُلفت کے نقش نہ جمنے دیئے۔ اور حقیقت میں ایسی ہمت و استقلال۔ استحکام۔ خلوص اور محبت پر جو بزرگوار فائز ہوگا۔ وہی ودیعت الٰہی کی حفاظت وحمایت کا خاص محافظ اور تنہا ذمہ دار بن سکتا ہے۔ اور یہی صفات کمالیہ حضرت ابی طالبؑ کی ذات میں مخصوص طور پر ثابت ہوتے ہیں۔ جو مدبرین قدرت کی بارگاہ میں اُنکے منتخب کیے جانیکے باعث ہوئے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کفالت کا ایک ایک واقعہ حضرت ابیطالب کے عدیم المثال اور بے نظیر ہمت و استقامت کا کامل دفتر ہے جو ڈیڑھ ہزار برس کی مدت مدید کے بعد بھی آجتک عرب کے کارناموں میں ویسے ہی زندہ اور محفوظ ہے۔ اور ابد الآباد تک قایم رہے گا۔ ذیل کے تاریخی شاہدات جن کو ہم نے زمانہ وقوع کی ترتیب سے اپنے سلسلہ بیان میں لکھا ہے۔ اِن واقعات کا پورا انکشاف کرتے ہیں۔ ابن سعد طبقات میں رقم طراز ہیں۔

محبت رسول اللہ صلعم ابیطالبؑ کے دل میں

کان ابی طالب یحبُّه شدیدا لا یحبّه ولده وکان لا ینام الا الی جنبه ویخرج فیخرج معه وبصب به ابی طالب صبابة بصب بها بشیٔ قط ج ا ص ۷۶ ۔

ابیطالبؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی شدید محبت تھی کہ ویسی اپنے کسی خاص بیٹے سے بھی نہیں تھی۔ راتوں کو ہمیشہ اپنے پہلو میں لے کر سُلایا کرتے تھے۔ اور جہاں کہیں باہر جاتے آپ کو اپنے ہمراہ لے کر جاتے۔ اور جس چیز سے آپ کو رنج ہوتا۔ اُس سے ابیطالبؑ کو بھی ضرور رنج پہونچا کرتا تھا۔

حقیقتاً ابیطالبؑ کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا تعلق اور تعشق تھا کہ ویسا دُنیا میں کسی کے ساتھ نہیں تھا اس ودیعت الٰہی کے ساتھ غایت درجہ کی محبت و اُلفت کے شامل خلوص وعقیدت کا اقرار واظہار بھی کیا جاتا تھا ابن سعد لکھتے ہیں

ابیطالب اور رسولؐ کی عقیدت

وکان یخصّه بالطعام وکان اذا اکل عیال ابی طالب جمیعا او فرادی لم یشبعوا واذا اکل معهم رسول اللہ صلعم شبعوا فکان اذا اراد ان یّغذ بهم قال کما انتم حتّی یحضر ابنیّ فیاتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم فیاکل معهم فکانوا یفضلون من طعامهم وان لم یکن معهم لم یشبعوا فیقول ابی طالب انك مبارك وکان الصبیان یصبحون شعثا رمصا

آنحضرت صلعم کے کھانے اور کھلانیکا خاص طور پر انتظام مدنظر رکھا جاتا تھا اور یہ امر تجربتاً پایا جاتا تھا کہ ابیطالبؑ کے بچے عام اس سے کہ مجتمع ہو کر یا منفرد ہو کر کھائیں۔ آسودہ نہیں ہوتے تھے۔ اور جب آنحضرت صلعم کے ساتھ کھاتے تھے تو سیر ہو جاتے تھے۔ اس لیے جناب ابی طالبؑ نے یہ انتظام فرمایا تھا کہ جب بچے کھانا کھانے کے لیے بیٹھتے۔ تو آپ اُن سے فرماتے کہ تا وقتیکہ میرا فرزند (آنحضرت صلعم) نہ آئے۔ کوئی کھانا نہ کھائے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ لیتے تھے تو بچے ملکر سب ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے اور ابی طالبؑ اپنے بچوں سے برابر کہا کرتے تھے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ کھانے

بقیہ صفحہ دیگر۔ لوصیّة عبد المطلب امّا ان الزّبیر کفله حتّی مات ثم کفله ابی طالب هذا غلط لان الزّبیر شهد حلف الفضول وللمصطفٰی نیف وعشرون سنة واجمع العلماء علی انه شخص مع ابی طالب الی الشام بعد موت عبد المطلب

ويصبح رسول الله دهينا كحيلا ص ۷۶

سے تمہارے کھانوں میں برکت ہوا کرتی ہے۔ نہیں تو تم سب کے سب بھوکے رہ جاؤ۔ اور کبھی نہ آسودہ ہو۔ اگر کسی دن اتفاقاً آنحضرت صلعم ساتھ نہ ہوتے تھے۔ تو حقیقتاً بچے آسودہ نہیں ہوتے تھے۔ عام طور سے صبح کو بچے سو کر اُٹھتے۔ تو پریشان دل اور آلودہ چشم اُٹھتے۔ لیکن بخلاف اِن کے آنحضرت صلعم صاف ستھرے اور مسرور الحال اُٹھا کرتے تھے۔

اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابیطالبؑ کے دل میں اپنے فرزند عزیز کی طرف صرف محبت مربیانہ ہی نہیں تھی بلکہ عقیدت مخلصانہ بھی تھی اور عظمت عقیدتمندانہ بھی۔ اور یہ اُن کی معرفت رسالت کا بیّن ثبوت ہے۔

عظمت رسول اللہ صلعم ہم اُوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابی طالبؑ اپنے والد بزرگوار حضرت عبد المطلبؑ کے وصی تھے۔ اور قائم مقام۔ اسی خصوصیت کی بناء پر آنحضرت صلعم کی کفالت وحفاظت میں اُنکے بھی وہی طرز عمل ثابت ہوتے ہیں جو عبد المطلبؑ کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مفصلۂ ذیل واقعات ہمارے بیان کے شاہد ہیں۔

كان ابو طالب تلقى له وسادة يقعد عليها فجاء النبي صلے الله عليه وآله وسلم وهو غلام فقعد عليها فقال ابي طالب واله ربيعه ان ابن اخي ليحش بنعيم ص ۷۶

جناب ابی طالبؑ کے بیٹھنے کے لیئے ایکبار (دار الندوہ میں) فرش بچھایا گیا تھا۔ اِس اثنا میں جناب رسالتمآب صلعم جو اُسوقت تک کمسن تھے تشریف لائے اور اپنے چچا کے مقام پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ابیطالبؑ آ گئے۔ اور آنحضرت صلعم کو اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا دیکھکر کہنے لگے کہ ربیعہ کے خدا کی قسم میرے بھتیجے کے لیئے ایک نعمت خاص کی نسبت ہے۔

یہ واقعہ بالکل ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ ہم حضرت مطلبؑ کے احوال میں لکھ آئے ہیں۔ اور اس سے یہ امر کما حقہٗ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جس طرح حضرت عبد المطلبؑ نے آنحضرت صلعم کی اِس شان عمل کو آپ کی علو مرتبت کا مقدمہ سمجھا تھا۔ اور اُسکا اعلان واعتراف فرمایا تھا۔ اُسی طرح حضرت ابی طالبؑ نے آپ کی رُوحانی عظمت وجلالت کی تصدیق وتوثیق فرمائی۔ اُسی کے ایسا یہ واقعہ ہے۔ زرقانی۔ شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔

با قل من خمس سنين فهذا يدلُّ علٰے اِنّ ابي طالب هو الّذي كفّله زرقانی ص ۲۲۸ ج ۱۔ زبیر کا شقیق عبد اللہ ہونا خلاف نہیں ہوسکتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ زبیر کفالت رسولؐ میں ابیطالبؑ کے شریک تھے۔ مگر اس کیلیے حضرت ابی طالبؑ خصوصیت کیساتھ ذکر کئے گئے ہیں اسوجہ سے کہ حضرت ابیطالبؑ زیادہ دنوں تک زندہ رہے اور زبیر قبل اسلام زندہ رہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ حضرت عبد المطلبؑ نے اسمیں قرعہ اندازی کی۔ مگر قرعہ ابیطالب ہی کے نام نکلا۔ اور اسد الغابہ میں حافظ عز الدین ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ ابی طالبؑ نے آنحضرت صلعم کی پرورش کی کیونکہ وہ عبد اللہ کے ماںجائے بھائی تھے اور ایسے ہی زبیر بھی مگر کفالت ابی طالبؑ ہی نے کی اسکی وجہ عبد المطلبؑ کی خاص وصیت تھی اب رہا یہ قول کہ زبیر اپنی حیات تک کفیل رہے۔ جب وہ مر گئے تو ابی طالبؑ نے کفالت کی بالکل غلط ہے کیونکہ زبیر حلف الفضول تک زندہ تھے اور آنحضرت صلعم اس وقت سات بیس برس تک کے ہو چکے تھے اور تمام علماء کا اسپر اتفاق ہو چکا ہے کہ عبد المطلبؑ کے تقریباً پانچ برس بعد ابی طالبؑ نے آنحضرت کو لیکر شام کا سفر کیا تھا اور یہ اس امر کی قوی دلیل ہے کہ آنحضرت صلعم کی کفالت ہمیشہ ابی طالبؑ ہی کے ساتھ مخصوص رہی۔ المؤلف عفی عنہ

عن جلهمة ابن عرفطة قال قدمت مكة وهى فى قحط فقالت قريش بعد ان تشاوروا فلفظ الحديث عند ابن عساكر قدمت مكة وقريش فى قحط فقال منهم يقول اعمدوا للّات والعزّیٰ قال منهم اعمدوا مناة الثالثة الاخرى فقال شيخ وسيم حسن الوجه جيد الرّاى انى تؤفكون وفيكم باقية ابراهيم وسلالة اسمٰعيل قالوا كانك عنيت ابا طالب قال ايها فقاموا اجمعهم فقمت فدققنا عليه الباب فخرج الينا فنادوا اليه يا ابا طالب قحط الوادى واجدب العيال فهلمّ فاستسق فخرج ابا طالب ومعه غلام وهو النبى صلى الله عليه وآله وسلم كانّه شمس دجّن وحولها غيلمة فاخذه فالصق ظهره بالكعبة ولاذ الغلام باصبعه وما فى السماء قزعه فاقبل السحاب من ههنا وههنا واغدق واغدق وانفجر الوادى واخصب للنادى والبادى ـ ص ۲۲۹

ابن عساکر اپنی تاریخ میں جلہمہ ابن عرفطہ کا یہ مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ جہلمہ کا بیان ہے کہ میں ایک بار عین قحط کے موسم میں یہیں مکّہ میں گیا۔ ابن عساکر کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ ابن عرفطہ کا بیان ہے کہ قریش سخت مصیبت قحط سے پریشان تھے۔ ان میں سے ایک نے صلاح دی کہ لات وعزیٰ سے استغاثہ وفریاد کیجاوے دوسرے نے کہا کہ منات سے، جو ثالثۃ اخریٰ ہے چارہ جوئی کی جائے۔ ان میں سے ایک معزز ذی وجاہت اور صاحب الرائے بزرگ بول اٹھا کہ مجھے اس امر کا کامل یقین ہے کہ ابھی تم لوگوں میں ایک ایسا بزرگ قوم موجود ہے جو سلسلۂ ابراہیمی کا بقیہ اور نسل اسمٰعیلی کا خلاصہ ہے۔ اُسکی طرف کیوں نہ رجوع کی جاوے۔ سب نے کہا کیا تمہارا اشارہ ابیطالبؑ کی طرف ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ ہاں اُنھیں کی طرف ہے۔ جہلمہ کا بیان ہے کہ یہ سن کر سب کے سب کھڑے ہو گئے۔ اور میں بھی اُن کے ساتھ ہو لیا۔ ہم سب ملکر ابیطالبؑ کے مکان پر آئے۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت ابیطالبؑ نکل آئے۔ سب لوگوں نے عرض کی۔ اے ابیطالبؑ ہر طرف سے قحط عظیم آ گیا۔ اور اہل و عیال کی بربادی کا وقت پہونچ گیا۔ سب کو سیراب کیجئے۔ یہ سُنتے ہی ابیطالبؑ باہر نکل آئے۔ آپ کے ساتھ ایک کم سن بچہ تھا۔ اور وہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اُنکا روئے منوّر آفتاب تاباں کی طرح روشن تھا ابیطالبؑ اُس صاحبزادے کو اُنگلی پکڑائے اُن کے اور لڑکے اُس بچہ کو گھیرے ہوئے، خانہ کعبہ میں آئے۔ اور رکن کعبہ سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے۔ اور اُس بچہ کی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف بلند کر دیا۔ اور طلب باراں کی دُعا کی۔ پارہ ہائے ابر سطح آسمان پر نمایاں ہوئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد پانی برسا اور پھر تو ایسا برسا کہ تمام پانی بہہ نکلا۔ اور تمام صحرا و بیابان سبز و شاداب ہو گئے۔

جناب ابی طالبؑ نے صرف اعلان شان نبوت کی ضرورت سے۔ نہ اپنے اظہار مفاخر و معارف کی غرض سے اس واقعہ کی یادگار میں ایک طویل قصیدہ نظم فرمایا ہے۔ جو بالتمامہ سیرت ابن ہشام وغیرہم تمام عربی تواریخ و ادب کی کتابوں میں مذکور ہے۔ جس شعر خاص میں آنحضرت صلعم کے یمن و برکت سے حصول باراں کا اشارہ فرمایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

وابيض يستسقى الغمام بوجهه[1]	محمد صلعم ایسے خوشجمال شخص ہیں۔ جن کی برکت سے ابر پانی برساتا ہے
ثمال اليتامى عصمة للارامل	یتیموں کے لیے سجائے پناہ ہیں۔ اور بیوؤں کے پردہ دار۔

[1] اس قصیدہ اور خصوصًا اس شعر کی قبولیت ایسی کامل اور پر اثر تھی کہ عہد رسالت میں اُسکی یاد ہمیشہ بنی رہی۔ زرقانی۔ بیہقی کے اسناد سے لکھتے ہیں جاء اعرابى الى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال يا رسول الله اتيناك ومالنا صبى يغط ولا

گھر کی ڈنبیوں کی گلہ بانی

حضرت عبدالمطلبؑ کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ برس کے ہو چکے تھے نفس قدسیہ کے رُوحانی اثر سے آپ کے تمام قوائے مدرکہ آٹھ برس والے عام بچوں سے بدرجہ اولیٰ قوی تر اور کامل تر تھے۔ دو برس آنحضرتؐ ابیطالبؑ کی کفالت وحفاظت میں رہ کر آنحضرت صلعم کامل دس برس کے ہو گئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بعیر ئبط وانشدا بیاتا فقام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یجر ردائہ حتی صعد المنبر فرفع یدیہ الی السماء ودعا فاردیدیہ حتی التقت السماء بابراقھا وجاوا یضجون الغرق فضحک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتی بدن نواجذہ ثم قال للہ در ابی طالب لوکان حیا لقرت عیناہ من ینشد نا قولہ فقال علیؑ یارسول اللہ کانک ترید قولہ ؎ وابیض یستسقی۔ وذکرابیاتا فقال صلعم اجل۔ زرقانی ص ۲۳۱۔ یعنی ایک اعرابی جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہ میں اپنی جانب سے حاضر ہو کر عرض کرتا ہوں۔ کہ قحط زدگی کے باعث سے میرے بال بچے زمین پر پڑے ہوئے ہیں میرے اُونٹ بھوک سے چلا رہے ہیں۔ یہ سُنتے ہی آنحضرت صلعم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ردائے مُبارک کے گوشے زمین پر مس ہوتے جاتے تھے۔ آپ اسی حالت میں منبر پر تشریف لائے۔ اور دستہائے مبارک آسمان کی طرف بلند فرمائے۔ اور درگاہ رب العزت میں نزول باران رحمت کی دُعا مانگی۔ دستہائے مطہر بارگاہ قدرت کے سامنے سے نہیں ہٹے تھے۔ کہ صدور رحمت کے آثار ہویدا ہوئے۔ اور بکثرت مینہ برسا کیا۔ یہ تماشہ دیکھ کر آپ اس قدر شاداں وفرحاں ہوئے۔ کہ دندان مُبارک خندیدگی کے باعث نمایاں ہو گئے۔ اور ارشاد فرمانے لگے کہ کیا خوب ابیطالبؑ نے کہا ہے۔ اگر وہ اسوقت زندہ ہوتے تو اس واقعہ سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتے۔ اور بہت ہی خوش ہوتے۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اس ارشاد سے آپ کا اُن کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے۔ پھر شعر مذکور پڑھا۔ جو اُوپر لکھا گیا ہے) آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہاں یہی۔“ اس عبارت نے حضرت ابیطالبؑ کے اس شعر کی اعلیٰ قبولیت کے ساتھ بہت بڑا ضروری امر یہ بھی ثابت کر دیا۔ کہ ملک وقوم کی ایسی ناگزیر حالتوں کے وقت خاندان بنی ہاشم ہی مرجع خلائق قرار دیا جاتا تھا۔ اور جب سب امکانی قوتیں بیکار ہو جاتی تھیں۔ تو سلسلہ ابراہیمیؑ اور خانوادہ اسمٰعیلؑ کے اُنھیں باقیات الصالحات اور چیدہ وبرگزیدہ حضرات سے رجوع حاجات کی جاتی تھی۔ اور یہ ذوات عالیہ بھی ایسے موقعوں پر اُنکی کشودکاری اور مطلب برآری کو اپنے فرائض منصبی یقین فرما کر اُن کی حمایت واعانت پر فوراً آمادہ اور مستعد ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ ہم حضرت عبدالمطلبؑ کے زمانہ سے لیکر جناب رسالتمآب صلعم کے عہد مسلسل لکھکر دکھلاتے آئے ہیں۔ حالات وواقعات کو استیعاب کی نگاہوں سے دیکھنے والے حضرات ان واقعات کو تسلسل اور تواتر کے معیار تحقیق پر کامل پائیں گے۔ یہ وہی اوصاف مخصوصہ ہیں۔ جو بارگاہ احدیت سے ان حضرات کے لیے مخصوص ومحفوظ فرما دیئے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ مرتبت وعظمت خاندان ہاشم اور دودمان رسالت کے ساتھ بطور خصُوصیت اتنا مستقل اور مستمر رہا کہ ان حضرات سے انتزاع امارت وحکومت کے بعد بھی ملک وقوم کو جب کبھی ان مصائب سے سامنا ہو جاتا تھا۔ اور اُن کے دفاع کے لیے کوئی تدبیر عملی کارگر نہیں ہوتی تھی۔ تو بالآخر فرمانروایان ملک کے یہ اقتدار اور سرداران قومی کے پنجۂ اختیار نہیں دادرسان ملک اور فریادرسان قوم کے دستگیر حمایت واعانت ہوتے تھے۔ اپنے اس بیان کے ثبوت میں ہم ذیل کا واقعہ صواعق محرقہ کی اصلی عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

وفی تاریخ دمشق الناس کرّروا الاستسقاء عام الزیادۃ سنۃ تسع عشرۃ فی الھجرۃ فلم یسقوا فقال عمر ابن الخطاب

اور اب وہ وقت آگیا کہ اس جہان بان عالم وعالمیان کو فضائے قدرت کے اسباب و سامان شاہدہ کرائے جائیں۔ جن سے وہ صانع قدرت کے عجائب و غرائب کی حقیقت کا کامل ادراک کر سکے اُن کی انتہائی علت کو سمجھے اور حقیقی اصلیت کو معلوم کرے۔ معرفت آلٰہی کی ابتدائی تحصیل میں خوض و غور کی مشق و ریاضت شروع کی جائے۔ اور ان ریاضتوں کی تیاریوں کے لیئے خلوت۔ محویت۔ تنہائی اور ترک علایق کے سامان فراہم اور مرتب کر دیئے جائیں۔ سیرت انبیاء علیہم السلام کے سیر کرنے والے حضرات جانتے ہیں۔ کہ سبق آموزان معرفت اور مبتدیان حقیقت کی تعلیم کے لیئے ہر زمانہ اور ہر مقام میں قدرت کو یہی انتظام کرنے ہوتے ہیں۔ اسی عادت اور دستور الٰہی کے مُطابق مہتمم قدرت نے ختم رسالت کی تعلیم دہی کے لیئے وہی قدیم انتظام جاری فرمائے۔ اور دس برس کے سن میں آپ نے اپنے گھر کی دُنبیوں کی گلہ بانی آغاز کی۔ ظاہر میں تو یہ معمولی گلہ بانی تھی۔ مگر حقیقت میں یہ کافۃ النّاس کی پاسبانی کا دیباچہ تھا۔ اور اُن کی حفاظت ونگرانی کا مقدمہ۔ تبلیغ رسالت کی سلسلہ جنبانی تھی۔ اور تعظیم سیاست کی حکمرانی۔ قدرت ہی اس نفس قدسیہ کی صانع تھی اور قدرت ہی اس انتظام کی ناظم۔ اس لیئے تعلیم آلٰہی کے یہ تمام ابواب و اسباب طبع رسالت کے مطابق اُترے۔ اور چونکہ رواقر معرفت اور غوامض حقیقت کے باعث انکشاف پہلے یہی ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیئے یہ سادہ پاک وصاف اور محض آزاد حصہ عمر اور اُسکے مشاغل کی یاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب نورانی میں ہمیشہ زندہ اور قایم رہی اور زمان رسالت میں بھی عند التذکرہ اس کا اکثر ذکر فرمایا جاتا تھا۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں

قال رسول اللّٰہ صلعم ما بعث اللّٰہ نبیًا الا راعی الغنم قال لہ اصحابہ وانت یا رسول اللّٰہؐ قال وانا رعیتہا لاھل مکۃ بالقراریط۔

جناب رسالتمآب صلعم نے ارشاد فرمایا کہ تمام انبیاء علیہم السّلام نے گوسفندوں کی گلہ بانیاں کی ہیں۔ اصحاب حاضرین نے پوچھا۔ اور آپ نے یا رسول اللّٰہؐ؟ ارشاد فرمایا ہاں میں نے بھی اہل مکہ کی دُنبیاں قراریط پر چرائی ہیں

اصحاب کا یہ متعجبانہ استفسار شان رسالت کی موجودہ جلالت و اقتدار کے باعث تھا۔ اس کے بعد ابن سعد ایک دوسرا قول ذیل کی عبارت میں لکھتے ہیں۔

مرّوا النبیؐ صلعم بثمر الاراک فقال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ آلہٖ وسلم علیکم بما اسودّ منہ قال

ایک دفعہ آپ اصحاب کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے۔ صحابہ جھڑبریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ جو سیاہ ہیں وہ

حاشیہ صفحہ گذشتہ لاستسقینّ غدًا بمن یسقی اللّٰہ بہ فلمّا اصبح غدا ذھب عمر حتی العبّاس فقال لہ اخرج بنا حتے نستسقے اللّٰہ بک قال العبّاس یا عمر اقعد فی بیتی فارسل الیٰ بنی ھاشم ان تطھّروا وتلبّسوا من صالح ثیابھم فاتوہ فاخرج طیبا تطیبھم ثم خرج العباسؓ وعلیؑ امامہ والحسنؑ عن یمیناہ والحسینؑ عن یسارہ وبنو ھاشم خلف ظھرہ وقال یا عمر لا تخلط بنا غیرنا ثم اتوا المصلے فوقفوا ثم العبّاس حمد اللّٰہ واثنیٰ علیہ فقال اللّٰھم انک خلقتنا وعلمت ما نحن عاملون بہ قبل ان تخلقنا فلم یمنعک علمک بحالنا عن ان ... اللّٰھم کما ... علینا فاسلہ

کنت اجتنیہ اذا نا راعی الغنم قالوا یا رسول اللہ و رعیتھا قال نعم وما من نبی الا قد رعاھا۔

زیادہ خوش ذائقہ ہیں۔ میں اسکو اُس وقت سے جانتا ہوں جب میں بچپن میں دُنبیاں چرایا کرتا تھا۔ صحابہ نے عرض کی آپ نے بھی دُنبیاں چرائی ہیں۔ فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں ہے۔ جس نے دُنبیاں نہ چرائی ہوں۔

صحابہ کا یہ استعجاب بھی اُسی بنا پر مبنی ہے۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبیؐ میں اس مقام پر لکھتے ہیں۔ کہ فرانس کے ایک مورخ نے لکھا ہے۔ کہ ابوطالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے۔ اسلئے اُن سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا۔ بڑے بڑے شرفا اور امراء کے بچے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ خود قرآن مجید میں ہے۔ ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون۔

شبلی صاحب کا یہ جواب الفاظ قرآنی سے ستنبط ایک فرانسیسی عیسائی کیلئے کیسے قابل تسلیم ہوسکتا ہے۔ اسکو آپ کی خوش فہمی کے سوا اور کیا کہا جاوے۔ اُسکے ساکت کرنے کیلئے آپ کا اتنا ہی لکھدینا کافی تھا کہ اگر یہاں دُنبیاں چرانے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ تو آپکے یہاں گدھے چرانے کے لیئے کیا کہا جاوے گا۔

حقیقت میں نہ دُنبیاں چرانا عیب ہے۔ اور نہ گدھے چرانا یا پالنا بُری بات ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم اپنے زمانہ اپنے ملک اور اپنے ادب معاشرت کے مطابق چار ہزار اور دو ہزار برس کے گذشتہ تمدن و معاشرت کا مقابلہ اور موازنہ کرنے بیٹھے ہیں۔ اس مدت میں انقلاب زمانہ اور اختلاف خیالات و مذاق کے مطابق بہت سی ایسی باتیں ہیں جو کسی وقت اچھی تھیں۔ بُری قرار پاگئی ہیں۔ اسی وجہ سے موجودہ زمانہ طبقہ اعلیٰ کی نسبت اُن باتوں کا اگر ذرا سا بھی تعلق یا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو عموماً معمول پسند طبیعتیں اعتراض پر فوراً تیار ہوجاتی ہیں۔ لیکن تاہم ان میں جو مائل اعتدال ہیں۔ اور واقف حال۔ وہ اُس کی حقیقت کو سمجھ کر خاموش رہ جاتی ہیں۔ مگر عیسائیوں کے تعصب سے نہ ہم کو اعتدال ہی کی اُمید ہے نہ تلاش حقیقت۔ اور نہ تفحص احوال کی توقع۔ پھر اُن کے اعتراض کو اُن کے تعصب

حاشیہ صفحہ دیگر فیفضل علینا فی اٰخرہ قال جابر فما تم دعائہ یستجب علینا سحاب فما وصلنا الی منازلنا الا یبللنا من المطر فقال العباس انا المستقی ابن المستقی خمس مرات اشار الی ان اباہ عبدالمطلب استسقی خمس مرۃ فیسقی اللہ الناس صواعق محرقہ بحوالہ ینابیع المودۃ امام قندوزی مطبوعہ مصری ص ۲۵۶ دو برس ستو آڑے مدینے تمام لوگ ۱۸ھ ہجری میں جو عام الرمادۃ کے نام سے تمام تاریخوں میں مشہور ہے۔ دو بار طلب باراں کے لیئے نماز استسقاء پڑھ چکے تھے خدا سے دُعائیں مانگ چکے تھے۔ لیکن نہ پانی برسا۔ اور نہ وہ سیراب ہوئے۔ یہ حال دیکھکر حضرت عمر نے کہا کہ کل خداوند عالم تم سب کو سیراب فرمائیگا۔ غرض کہ صبح ہوئی۔ تو حضرت عمر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ کہ آپ ہم لوگوں کے ساتھ چلیئے۔ کہ خداوند عالم آپ کی وجہ سے ہم لوگوں کو سیراب فرمائے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا۔ کہ اے عمر تم میرے گھر پر توقف کرو۔ اور بنو ہاشم سے کہلا بھیجو۔ کہ وہ غسل و طہارت کرکے لباسہائے فاخرہ سے آراستہ ہوں۔ چنانچہ وہ تمام حضرات یہ پیغام سن کر حضرت عمر کے پاس آئے۔ اور حضرت عمر نے

ونفسانیت کا خاص الخاص نتیجہ سمجھنا ہوگا۔

مولوی شبلی صاحب نے طبقات ابن سعد کے حوالہ سے ان دونوں مذکورۂ بالا واقعات کو تحریر فرمایا ہے۔ اور بکریاں چرانے کے مضمون پر نمبرا کا نشان لگا کر سیرۃ النبیؐ کے زیر حاشیہ صفحہ ۱۲۹ میں یہ عبارت لکھی ہے۔

بخاری نے کتاب الاجارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا ہے۔ کہ میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا،" قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید ابن عبید کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے۔ اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اسی بنا پر اُن کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُجرت پر مکہ والوں کی بکریاں چراتے تھے۔ اور اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارہ میں نقل کیا ہے۔ لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے۔ کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے۔ جو اجیاد کے قریب ہے ابن جوزی اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے (عینی جلد ۶ ص ۶۳۱) نور النبراس میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے۔ اور اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ جلد اوّل ص ۱۲۹ حاشیہ

اس سے قبل کی عبارت میں شبلی صاحب کا یہاں تک لکھنا بالکل صحیح اور برواقع ہے۔ کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہیں تھا۔ بڑے بڑے امرا و شرفا کے لڑکے بکریاں چراتے تھے۔ مگر اب اُن کی اس مابعد کی عبارت سے حقیقت حال کا پُورا انکشاف ہوگیا۔ اور مخالفین کے اس تعریض او طعن وتشنیع کا اصلی باعث معلوم ہوگیا کہ حقیقت میں

حاشیہ صفحہ دیگر:۔ عطر لگا کر اُنکے لباس کو معطر فرمایا۔ پھر حضرت عباس نکلے۔ اور اُنکے آگے آگے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام تھے۔ داہنے جانب حضرت حسنؑ مجتبیٰ تھے۔ اور بائیں طرف حضرت حسینؑ شہید کربلا۔ اُنکے پیچھے تمام بنو ہاشم تھے۔ حضرت عباس نے ارشاد کیا کہ اے عمر ہم لوگوں کے ساتھ کسی غیر کو نہ ملنے دو۔ یہ کہکر وہ تمام حضرات مقام نماز پر تشریف لائے۔ حضرت عباس ٹھہر گئے۔ نماز پڑھی اور خدا کی حمد وثنا کی اور دُعا کی اے پروردگار تونے ہم لوگوں کو پیدا کیا۔ اور تجھ کو ہمارے افعال واعمال کا ہماری حفاظت سے پہلے علم ہے کوئی شے تیرے لیے مانع نہیں ہوسکتی۔ اے پروردگار جس طرح تونے ہم لوگوں پر اس سے قبل تفضّل وعنایت فرمائی ہے۔ ویسے ہی اس آخر زمانہ میں بھی لطف وکرم فرما۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ یہ دُعا ابھی تمام نہیں ہوئی تھی۔ کہ چاروں طرف سے ابر گھر آیا۔ اور اس طرح مُوسلوں دھار پانی برسا کہ گھر تک آتے آتے ہم لوگوں کے تمام کپڑے شرابور ہوگئے۔ یہ حال مشاہدہ فرما کر حضرت عباس فرمانے لگے۔ کہ میں مُسقی (پانی پلانیوالا) کا بیٹا ہوں۔ اور اپنے مُسقی کا بیٹا ہوں کہ جس کی وجہ سے پانچ مرتبہ پانی برسا ہے۔ اور حضرت عباس کا یہ قول اُس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ نے اپنے زمانہ حیات میں دُعائے استسقا کے ذریعہ سے پانچ مرتبہ پانی برسایا ہے"۔ اس واقعہ نے ہمارے مذکورہ بالا بیان کی پوری تصدیق کردی۔ اور بتلا دیا۔ کہ بنی ہاشم ضعف اور تنگی کی حالتوں میں بھی اپنی رُوحانی عظمت واقتدار پر قایم تھے۔ بلا مصیبت کے ان مالاینحل عقدوں کی کشود کاری کے لیے ملک وقوم کے تمام طبقات رعایا سے لے کر

عیسائی مورخ فرانسیسی کے اس اعتراض کی باعث شیخین بخاری اور ابن ماجہ کی عقلمندی ہے جسکی تصدیق و اقرار خود شبلی صاحب کو بھی کرنا ہوا۔ اور لکھنا ہوا کہ حقیقت میں ان دونوں محدثین نے قراریط کے غلط معنی لگائے۔ اصل میں قراریط کو ایک مقام خاص کا نام تو نہ سمجھے۔ بلکہ قیراط کی جمع سمجھے جس کے معنی درہم و دینار کے لیئے۔ اور یہی غلط فہمی ان تمام فسادات کا باعث ہوئی۔ یہ کچھ ایسی مشکل آ پڑی۔ کہ آخر شبلی صاحب کو شیخین بخاری و ابن ماجہ کے ایسے معتمد ترین محدثین کی تنقید و تردید فرمائی ہوئی۔ اور اپنے اُن تمام اُصول تالیفی کو جو اپنے مقدمہ کتاب کے طومار میں مورخین محدثین کو ترجیح دیئے جانے کے متعلق لکھے ہیں۔ چھوڑنا پڑا۔ اور بخاری صاحب کے ایسے اُستاد فن کی تکذیب کرنی ہوئی جنکی کتاب کو اصح الکتاب بعد الکتاب باری یقین کرنا آپ کا ایمان ہے۔ اور ایسے سراپا اعتماد اُستاد و نقاد وحدیث کے قول کی تردید ابن حربی اور علامہ عینی کے ایسے نو آموزان فن کی تحقیقات سے کرنی ہوئی تو گویا مقدمہ کتاب میں نقد روایت اور تحقیق واقعات کے متعلق جن اصول کی پابندی کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ اور اُن اصول کی ترتیب و تدوین کی تفصیل میں تاریخوں کے مندرجات پر پہلے صحاح کی مرویات اور پھر صحاح میں سب سے پہلے انھیں بخاری صاحب کی مرویات کو مرجح بتلایا گیا تھا۔ آپ کے موجودہ استدلال کے وقت وہ سب یاد رہوا ہو گئے۔ گویا وہ قرار دادہ اُصول نا قابل توجہ تھے۔ نہ لائق اعتنا۔ اور نہ اُن کے متعلق آپ کی پابندی اور مطابقت کے وعدہ لائق ایفا۔ اب بھی شبلی صاحب کو ایسے

حاشیہ صفحہ دیگر فرمانروا تک۔ اُنہیں حضرت سے اُمید لگاتے تھے۔ اور انہیں کے توسل سے اپنی کامیابی کی یقین کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تمام لوگوں سے حتماً کہدیا تھا کہ کل تم ضرور سیراب کیئے جاوگے۔ انکا یہ قول ثابت کر رہا ہے۔ کہ ان حضرات کے ذریعہ سے اُن کو اپنی عملی تدبیر میں کامیابی کا پورا یقین تھا۔

اس خاندان جلیل الشان کے اور بزرگواروں کے بھی ایسے حالات اسی سلسلہ میں قلم بند کرتے۔ مگر ضرورت سے زائد اور طوالت کا باعث سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں۔ اس واقعہ نے یہ بھی بتلادیا کہ ایسی ناگزیر ضرورتوں کے وقت یہ حضرات بلا عذر و کلام رفاہ و فلاح عام کے کاموں کے لیئے آمادہ اور مستعد ہو جاتے تھے۔ کیونکہ وہ عامۃ الناس اور کافۃ الخلائق کے انجاح مطالب کو اپنا فرض منصبی خیال فرماتے تھے حضرت عباس کی اس تخصیصی تاکید سے کہ ہمارے ساتھ کوئی غیر نہ شامل کیا جاوے۔ صاف صاف ثابت ہے کہ یہ منصب اور عہدہ اسی خانوادہ کے ساتھ مخصوص و محدود ہے ~ درین بزم رہ نیست بیگانہ را۔ اور اس تخصیص میں حضرت عباس نے اپنے باپ عبد المطلبؑ اور اپنے بھائی ابیطالبؑ کی پوری تاسی فرمائی ہے۔ جس طرح عبد المطلبؑ اور ابیطالبؑ نے اپنے اپنے زمانے میں خاص آداب و ترکیب سے دُعائے استسقا فرمائی تھی۔ بالکل اُسی طرح عباس نے بھی تکمیل کی۔ رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم زبانی جو واقعہ حضرت عبد المطلبؑ کے زمانہ کا اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ اگر اس سے اس واقعہ کا مقابلہ کیا جاوے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ جس احتیاط و آداب سے عبد المطلبؑ نے بمعیت تمام بنی ہاشم دعائے استسقا فرمائی تھی۔ اُسی طرح حضرت ابیطالبؑ نے اپنے وقت میں اور خاص جناب رسولخدا صلعم نے اپنے عہد معدلت مہد میں اور پھر حضرت عباس نے اپنے زمانہ میں ادا فرمائی اور

مقدمہ کتاب کے طمطراق اور طومار اور اُسکے لیئے بیکار خامہ فرسائی کا اب بھی اعتبار ہوا یا نہیں۔
اب سنیئے۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ کہ قراریط ایک جنگل یا غیر آباد قطعۂ زمین کا خاص نام ہے۔ جو حوالئے مکہ میں مقام اجیاد سے قریب ہے۔ آپ کے شیخین ابن ماجہ و بخاری صاحبان سے حقیقت میں بڑی غلطی ہوگئی۔ کہ اُنہوں نے درہم و دینار کے معنی لگاکر اُس سے اُجرت کے مطلب نکالے۔ اب آپ ہی انصاف سے فرمائیں۔ کہ اُس عیسائی فرانسیسی مورخ کا کیا قصور یہ نہ اُس کا اپنا قول ہے۔ اور نہ اُسکا اپنا مختار بلکہ یہ تو آپ ہی کا اقرار ہے۔ جسکو وہ آپکے ایسے مستند اور معتبر ماخذوں سے مستنبط کرتا ہے۔ جو صداقت میں آپ کے نزدیک قرآن کے بعد ہے۔ تو اُسکا اعتراض بے دلیل کیسے کہا جاسکتا ہے۔ آپ اُسکی تردید میں جو دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں اُسکی تردید نہیں۔ بلکہ آپ ہی کے معتبر اور مستند محدثین کی تکذیب ہے۔ جس کے لیئے وہ فرانسیسی مورخ نہ جوابدہ ہے۔ نہ ذمہ دار۔ اس مخالف اسلام کی تعریض کی ساری ذمہ داریاں ابن ماجہ اور بخاری کے سر جاتی ہیں۔ جو قراریط کے ایسے معمولی لفظ کے اصلی معنی نہ سمجھ سکے تو اسی سے سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ شان رسالت کی اصل حقیقت کو کب سمجھے ہونگے۔

حاشیہ صفحہ دیگر یہ وہ مخصوص طریقے اور محفوظ آداب ہیں۔ جن پر سوائے ان حضرات کے دوسروں کو کم علم و اطلاع ہوتی ہے۔ اس واقعہ کو بخاری صاحب نے بھی باب المناقب عباس میں لکھا ہے۔ لیکن اپنی کوتہ قلمی کے خاص انداز سے صورت واقعہ کو ایسا بدل کر پڑھنے والے کو اصل واقعہ کی کوئی تفصیل معلوم ہی نہیں ہوسکتی ہے۔ عبارت یہ ہے۔ ان عمر ابن الخطاب کان اذا قحطوا استسقے بالعباس رضی اللہ عنہما فقال اللھمّ انّا کنّا نتوسل الیک نبیّنا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا قحطنا فسقینا وانا نتوسل الیک بعمّ نبیّنا فاسقنا فیسقون جب لوگوں میں قحط پڑا تو حضرت عمر ابن الخطاب نے بہمراہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ دُعائے استسقا فرمائی اور یوں دُعا کی۔ کہ پروردگار جب قحط پڑا تھا تو ہم رسول صلعم کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔ اور وہ ہم کو سیراب فرماتے تھے اب ہم اُسوقت تیرے نبی صلعم کے چچا کے توسلؐ سے تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ تو ہمکو سیراب فرما۔ پس ہم سب سیراب ہوئے۔
اس حدیث کے بیان کی شان اختصار اور عنوان حقیقت پر جب نگاہ کی جاتی ہے۔ اور اُسکی عبارت مذکورۂ بالا عبارت تاریخ دمشق کو ملائی جاتی ہے۔ تو اصل واقعہ کی صورت ہی تبدیل معلوم ہوتی ہے۔ اور ایسی کہ اوّل با آخر نسبتے ندارد۔ کا صاف صاف مضمون جھلکتا ہے۔ ہم کو بخاری صاحب کی اس تحریج حدیث کی نسبت نہ تنقید منظور ہے۔ اور نہ تردید۔ ہم کو تو آپ کی حقیقت نگاری اور واقعہ نویسی کی صرف شان دکھلاتی ہے۔ یہ تو ہم کیا ساری دنیا جانتی ہے کہ بنو ہاشم اور خصوصاً بنی فاطمہ کے اختیار و آثار اور کسی قسم کے ذکر واذکار آپ کی طبع نازک پر ازحد ناگوار گذرتے ہیں۔ اس لیے اس واقعہ کی اصل حقیقت لکھکر دنیا کو تبلادینے کی آپ جرأت نہ کرسکے۔ لیکن اصل حقیقت وہی تھی جو تاریخ دمشق کی تفصیلی عبارت سے اُوپر لکھی گئی۔ مگر چونکہ اُس کے الفاظ میں جناب علی مرتضیٰ اور حسنین علیہم السلام کی رُوحانی عظمت و اقتدار کا اظہار و اقرار ہوا جاتا تھا اس بنا پر اصل حقیقت کا انکشاف غیر مفید اور بیکار سمجھکر صورت واقعہ ہی تبدیل کردی گئی۔ تمناً اور تبرکاً حضرت عباس کی بزرگی کا خیال بھی کیا گیا اور عظمت بھی قائم رکھی گئی۔ تو وہ بھی ایسی کہ حضرت عمر کے ایک طفیلی کی شان سے آگے نہ بڑھ سکی۔

ابن ماجہ نے تو صرف ایک غلطی کی کہ اپنے شیخ کے قول کے مطابق۔ قراریط کے معنی درہم و دینار کے لیئے۔ بخاری صاحب نے تو دو غلطیاں کیں پہلے تو قراریط کے معنی درہم و دینار کے لیئے۔ دوسری قیامت یہ کی کہ اس حدیث کے لیئے اپنی کتاب میں ایک خاص باب باندھا۔ اور اُسکو باب الاجارۃ کے خاص نام سے موسوم کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عام و خاص آپ کے باب الاجارۃ کا عنوان دیکھکر رسول عربیؐ کی ابتدائی شان و شوکت۔ شخصیت و حیثیت اور معاشرت و مشغلت کو مکہ کے معمولی مزدوری کرنیوالے چھوکروں میں شمار کرینگے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

ہمکو حضرت ابیطالبؑ کی ناتوجہی اور ناقدری کی بیجا شکایت پر اس عیسائی مصنف سے رنج و ملال پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ جب ہم اسلامی محدثین معتبرین کے خاص قلم و زبان سے۔ ذات اعلائے رسالت اور پیکر والائے نبوت کی یہ توہین و حقارت تیار اور مرتب دیکھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اگر اسلامی محدثین۔ تدوین احادیث کے غیر متحمل شوق و شغف کے ساتھ ساتھ مرویات میں۔ واقعات اور حشویات کی اصل مقاصد اور زوائد کی بھی تفریق و تمیز کرتے جاتے تو پھر ان کے مرویات پر نہ کسی اسلامی محقق کو تحقیق و تنقید کی ضرورت ہوتی۔ اور نہ کسی غیر اسلامی معترض کو تعریض و تردید کی جرأت۔

اس بحث کے ضمن میں ہم کو شبلی صاحب کے وہ اُصول تحقیق و تنقید روایات یاد دلاتے ہیں۔ جو وہ اپنے مقدمہ کتاب میں نہایت شد و مد سے قلم بند فرما چکے ہیں۔ اُن کی طولانی عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

حاشیہ صفحہ دیگر | **موضوعیت اشعار ابی طالبؑ** مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ کے حاشیہ پائین صفحہ ۱۴۳ میں لکھا ہے۔ ابوطالب کے نام سے جو قصیدہ لامیہ ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہے (ابن ہشام از صفحہ ۹۳-۹۴) سرتاپا موضوع ہے۔ اسکے خاتمہ کے اشعار یہ ہیں ؎

فینا احمد فی ارومۃ ÷ یقصر عنہ صورۃ المتطاول ÷ فایّدہ رب العباد بنصرہ ÷ واظہر دینا حقہ غیر باطل ÷

کچھ حضرت ابی طالب ہی کی کلام قدیم ہونیکی نسبت وضعی ہونے کی تعریض نہیں فرمائی گئی ہے۔ بلکہ حضرت خدیجہؑ۔ حضرت ابوبکرؓ اور اُمیہ بن الصلت کے اشعار وغیرہ بھی ایسے ہی موضوع قرار دیئے گئے ہیں۔ اس کے موضوع ہونے کے ثبوت میں شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مطبوعہ مصر ص ۹۶ میں خطیب بغدادی سے روایت کی ہے۔ کہ محمد ابن اسحاق شعرائے وقت کو مغازی کے واقعات دیدیا کرتے تھے۔ کہ اُنکے بارے میں اشعار کہدو۔ ان اشعار کو وہ اپنی کتاب میں شامل کر دیتے تھے۔ سیرۃ النبیؐ زیرین حاشیہ ص ۱۴۲"۔ اس تعریض و تکذیب کی جو وجوہ و مجبوری شبلی صاحب کو لاحق ہوئی ہے۔ وہ اُنکی خاص عبارت سے ذیل میں لکھی جاتی ہے" اکثر لوگ یہ کرتے تھے۔ کہ قرآن مجید میں توحید و معاد کی جو باتیں ہیں اُنکے مطابق اشعار تصنیف کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے۔ کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی۔ اُمیہ ابن الصلت کے نام سے جو جو اشعار مشہور ہیں۔ اُنکو دیکھکر صاف یقین ہو جاتا ہے کہ کسی نے قرآن کو دیکھکر یہ اشعار کہے ہیں مثلاً فقلت لہ یغفرون فادعوا ÷ الی الفرعون الذی کان طاغیا ÷ وقولا لہ انت رفعت ہذہ ÷ بلا عمد ارفق اذا بک بانیا ÷ وقولا لہ انت استویت وسطہا ÷ منیرا اذا ماجنہ اللیل ہادیا ÷ ایک عجیب بات یہ ہے کہ مستشرقین مارگولس نے بھی ایک موقع پر اس کی تصدیق کی

مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں موجود ہوتی ہیں۔ وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار تک نہیں پہونچیں اس لیئے ارباب سیرت کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے۔ اس بنا پر سیرت و تاریخ و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا۔ جس طرح امام بخاری اور مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کرینگے اسی طرح سیرت کی تصانیف میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا۔ آج بیسوں کتابیں قدماء سے لیکر متاخرین تک کی موجود ہیں۔ مثلاً سیرت ابن اسحاق۔ سیرت ابن ہشام۔ سیرۃ ابن سید النّاس۔ سیرۃ دمیاطی۔ حلبی۔ مواہب لدنیہ۔ قسطلانی۔ کسی میں تو یہ التزام نہیں۔ سیرۃ النبیؐ حاشیہ زیر صفحہ ۷۔

پھر اس سے قبل صفحہ ۵ میں رقم طراز ہیں۔

حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں۔ جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں۔ مثلاً بخاری اور مسلم کی صحیح"۔

حاشیہ صفحہ دیگر ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ قدیم شاعری کا اکثر حصّہ قرآن کے اسلوب پر موزوں کیا گیا ہے (از صفحہ ۲ تا صفحہ ۳۳) ان لوگوں نے اپنی دانست میں اسلام کی خیرخواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا۔ آج یورپ والے اس سے یہ کام لیتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم پیغمبر نہ تھے۔ بلکہ جاہلیت کے خطبا اور شعرا معتقدات اور خیالات بلکہ طرز ادہ تک اخذ کرتے تھے۔ لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام خطبے اور اشعار مصنوعی ہیں۔ سیرۃ النبیؐ حصہ اوّل حاشیہ زیر صفحہ ۱۴۳۔ ہم کو اور لوگوں کے اشعار کی تکذیب سے کوئی بحث نہیں ہمکو صرف ابیطالبؑ کے اُن اشعار کی توثیق منظور ہے۔ جن کی اصلیت ہم پر ثابت ہو چکی ہے۔ اور اسی بنا پر ہم اُس کو اپنے سلسلہ بیان میں اُوپر لکھ چکے ہیں۔ الغرض مندرجہ بالا شعر حضرت ابی طالبؑ اُس قصیدہ لامیہ میں داخل ہے۔ جس کی موضوعیت شبلی صاحب کی عبارت سے معلوم ہو چکی ہے۔ مولوی شبلی صاحب کو اس کی تکذیب کی جو ضرورت لاحق ہوئی۔ وہ بھی اُنھیں کی عبارت سے ظاہر ہو چکی۔ خلاصہ یہ ہے کہ عیسائی متعصبین کے اعتراض علی المضامین القرآن کے خوف سے جیسا کہ شبلی صاحب کی توجیہہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کی اصلیت سے انکار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مولوی صاحب نے اُن کی تعریض کا خود ہی معقول جواب دے دیا ہے۔ اور شعرائے قدیم کے انداز کلام اور قرآن مجید کی زبان اور طرز بیان کا مقابلہ کرکے۔ عیسائیوں کے اس فضول۔ نامعقول۔ بے اصل وہم و خیال کی کامل تردید کردی ہے اور وہی کافی ہے۔ اور یہ تو شبلی صاحب ان اشعار کی موضوعیت ثابت کرنے کے بغیر بھی کرسکتے تھے۔ لیکن جیسا کہ ہم اُوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ مولوی صاحب کو عیسائیوں کے اس لکھدینے نے کہ کپکپا دینے والا خوف دلا رکھا تھا۔ کہ قرآن مجید کا طرز بیان۔ معتقدات اور اکثر خیالات عام شعرائے عرب کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں۔ جسکی وجہ سے (نعوذ باللہ) اُسکی کلام الٰہی ہونے کی حقیقت میں احتمال ہے۔ اوّل تو یہ امر ایک بار نہیں سو بار تجربات اور مشاہدات سے تمام مخالفین اسلام پر بخوبی ثابت ہو چکا ہے۔ اور ان سے پہلے کفار قریش پر بھی ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کی زبان نہ کسی طریق و عنوان سے زبان بشری ہے۔ اور نہ اُس کا طرز بیان۔ بیان انسانی ہے جس کا وہ اعتراف خود لیس کلام البشر کہہ کر اپنی زبانوں سے آپ کر چکے ہیں۔ تو ایسی صورت میں ایسے بوسیدہ اور پائمال اعتراض سے شبلی صاحب کے لیئے بےاعتنائی بہتر تھا۔ اب رہا یہ امر کہ قرآن مجید میں عام معتقدات و خیالات پائے جاتے ہیں۔ تو اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔

شبلی صاحب کی یہ عبارت۔ اور صحت بخاری کی نسبت اُن کا یہ دعویٰ۔ اور پھر اُن کا یہ اُصول کہ حدیث کے مقابلہ میں سیرت کی کتابیں مستند نہیں۔ غرض کہ اُنکا یہ خیالی التزام۔ اور قیاسی طومار۔ اُنکی خاص تردید و تنقید بخاری کی مرقومہ بالا عبارت سے الغط ہوگیا۔ اور بالکل بے کار۔ اور بالآخر اُن کی خاص اعتراف سے ثابت ہوگیا۔ کہ جس کتاب کی نسبت آپ کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ اُس میں کوئی ضعیف روایت بھی نہیں۔ اُسی کی ایک ایسی غلط حدیث میں ایسا غلط بیان نکل آیا جس کی نسبت تنہا آپ کو اعتراف ہی کرنا نہیں ہوا۔ بلکہ تنقید بھی اور تردید بھی۔ اب آپ کے کس مختار کا

حاشیہ صفحہ دیگر۔ قرآن پر کیا منحصر ہے۔ توریت اور انجیل بھی خیالات و معتقدات انسانی کا مجموعہ ہے۔ اور ان دونوں کتب آسمانی میں بھی اُس وقت کے قومی اور ملکی خیالات و معتقدات کی تفصیل موجود ہے۔ اور کیونکر نہ ہو؟ آخر یہ کتب مقدسہ اسی غرض و مقصد سے تو نازل ہی فرمائی گئی تھیں۔ کہ انسان کے دینی اخلاقی۔ ملکی اور قومی تہذیب معاشرت تمدن میں عام طور سے رفاہ و اصلاح ہو۔ تو پھر ان کتب آسمانی کو خیالات و معتقدات انسانی سے خالی سمجھنا محض نادانی ہے۔ یہانتک تو ہم نے خاص عیسائیوں کی اُس تعریض کا جواب دیا ہے۔ جس نے شبلی صاحب کو ڈرا کر اور خوف دلا کر قدیم شعرائے اسلام کے اشعار پر اُن سے موضوعیت کا قلم پھروا دیا ہے۔ شعرائے عرب کے کلام قدیم پر موضوعیت کا الزام یا اُن کے بعد مورخین و محققین عرب پر وضاعی کا اتہام شبلی صاحب کے ضعف استدلال کی قوی دلیل ہے۔ یہ آپ کی کمزوری ہے جس نے مخالف کے جواب میں آپ کو آسانی اور سہولیت کی غرض سے اصلیت کلام کے انکار کی ترکیب بتلائی۔ اور آپ نے بھی آسان اور سہل تدبیر اختیار فرمائی۔ حالانکہ ان میں سے اکثر اشعار عموماً اور یہ شعر اور اس کے ایسے ابیطالب کے اکثر اشعار خصوصاً روایت و درایت دونوں طریقوں سے ثابت ہو چکے ہیں۔ اور اصل واقعہ کے زمانہ سے آجتک مفسرین۔ محدثین۔ مورخین۔ اور محققین اسلامی کی تصنیفات و تالیفات میں نقل ہوتے آئے ہیں۔ پھر آج ان پر موضوعیت کا الزام لگانا اور مخالفین اسلام کے سامنے اپنے محققین اسلامی کو وضاع و کذاب ٹھہرانا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ اُن زباں درازوں سے اسلامی اخبار و آثار کا مضحکہ اُڑوانا ہے۔ دیکھئے شبلی صاحب نے خطیب بغدادی کے قول منفرد پر اعتبار کرکے امام سبکی۔ قرطبی۔ شعرانی۔ عسقلانی۔ بیہقی۔ احمد بن الحسین الموصلی المعروف بہ ابن وحشی۔ علامہ ابن سلامۃ القضاعی علامہ علی الاجہوری۔ امام کمالی۔ علامہ ابو طاہر۔ علامہ برزنجی۔ اور امام الحرمین اسفرئینی وغیر امثالہم ایسے محدثین و ناقدین حدیث اور اسی طرح ابن ہشام۔ طبری۔ ابن اثیر۔ علامہ حسین دیار بکری۔ صاحب تاریخ الخمیس۔ اور ابو الفدا وغیرہم کے ایسے مورخین و معتبرین کو جھوٹا بتلایا۔" اگر ان بزرگوں کی تصنیفیں تحریر کتاب کے وقت آپ کے پاس موجود نہ تھیں۔ تو صرف شرح زرقانی میں اس شعر اور اس کے ساتھ اور چند اشعار کی خاص تصنیف ابیطالبؑ ہونے کی تحقیق اور تفصیلی بحث ملاحظہ فرمائی ہوتی۔ تو حقیقت کا انکشاف ہوگیا ہوتا۔ دیکھئے علامہ دمیری نے حضرت عبد المطلبؑ کی طرف اس شعر کی نسبت کی تھی۔ آپ کی طرح نہ اُس کی بے اصلیت نقل کی تھی۔ اور نہ موضوعیت۔ مگر زرقانی نے دمیری کی اس غلط فہمی کی جن لفظوں میں تردید کی ہے وہ یہ ہیں۔ وھذا البیت من ابیات فی قصیدۃ لابی طالب وعلی الصواب قول الدمیری وتبعہ جماعۃ انہ بعبد المطلب غلط۔ یہ قول کہ یہ شعر ابیطالب کے قصیدے کا ہے۔ صحیح ہے۔ اور علامہ دمیری اور اُنکے گروہِ متبعیں کا یہ قول کہ یہ عبد المطلبؑ کا شعر ہے بالکل غلط ہے۔ شرح زرقانی جلد اول ص ۲۳۱-۲-

اعتبار کیا جاوے۔ آیا اس دعوے کا کہ بخاری میں ایک ضعیف روایت بھی نہیں۔ یا اس معترفانہ تنقید و تردید کا جو اوپر ابھی ابھی لکھی گئی۔ آپ کے وہ اصول کہ حدیث کے مقابلہ میں سیرت کے واقعات قابل اعتماد نہیں۔ ایسی حالت میں مانے جائیں گے۔ یا اس واقعہ میں آپ کی رقم زدہ اور اقرار کردہ صورت حال پر اعتبار کیا جاوے گا۔

صورت حال تو یہ بتلا رہی ہے۔ کہ صحیحین بخاری اور ابن ماجہ نے اپنی غلط فہمی سے۔ یا عربی کی عدم لغت دانی سے یا یوں کہئے۔ کہ محض نادانی سے اس حدیث کو ایک غلط صورت میں دکھلایا۔ مگر اُنھیں نا معتمد علیہ سیرت نگاروں نے تو قراریط کے بالکل صحیح معنوں میں اُسی طرح سمجھا ہے۔ جسطرح شبلی صاحب خود بھی سمجھے ہیں اور دنیا کو سمجھا رہے ہیں۔

طبقات ابن سعد، حدیث کی کتاب نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ من حیث التاریخ۔ ایک سیرۃ یا تذکرہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اور نہایت معتبر اور اپنے اُستاد۔ واقدی کی کتاب سے بھی معتبر تر۔ ہم اپنے مرقومہ بالا سلسلہ بیان میں اُسکی اصل عبارت سے لکھ چکے ہیں۔ اور پھر اس واقعہ کی نسبت اُسی کے لفظ لکھے دیتے ہیں۔ انا ادعیتھا لاھل المکۃ بالقراریط میں قراریط پر اہل مکہ کی دُنبیاں چراتا تھا۔ اس سیرت نگار نے بالکل اپنے سیدھے سادے اور معمولی اصول کے

حاشیہ صفحہ دیگر اس کے بعد زرقانی اسکے ثبوت میں۔ امام بیہقی کے اسناد سے وہ واقعہ لکھتے ہیں۔ جس میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابیطالبؑ کے اس شعر کی خود تصدیق فرمائی ہے۔ اور اُن کا خاص تصنیف کردہ بتلایا ہے۔ جسکو ہم پوری تفصیل سے اُوپر لکھ آئے ہیں۔ پھر جب اس شعر اور اُسکے اکثر اشعار کی اصلیت نقادان فن کی تنقید و تحقیق کامل سے۔ شبلی صاحب سے صدہا برس قبل ثابت ہو چکی ہو تو پھر اُسکی موضوعیت پر بحث کرنا ایک فضول کوشش ہے۔ اب ہر شخص بلا تکلف عینی صاحب کی تنہا رائے کو زرقانی کے تفصیلی استدلال سے مقابلہ کرکے شبلی صاحب کی غلط فہمی کو خود سمجھ لیگا۔ خصوصاً بیہقی کے اسناد سے تو اسکی روایت و درایت کے پایہ امتیاز تک پہونچی ہوئی ثابت ہوتی ہے۔ ہم نہیں جانتے۔ کہ مخبر صادق علیہ السلام کی تصدیق کے بعد پھر کس مسلمان کو اسکی تکذیب و موضوعیت کا گمان ہو سکتا ہے۔

اب اس امر کے متعلق ایک امر کی تحقیق اور باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب شعرائے قدیم کے ان اشعار کی موضوعیت کی نسبت لکھتے ہیں۔ لطیف تر بات یہ ہے کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کرکے اکثر موقعوں پر لکھدیتے ہیں۔ کہ فن شعر کے ماہرین ان اشعار کی نسبت انکار کرتے ہیں۔ مثلاً سریہ ابو عبیدہ بن الحرث میں (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۳ مطبوعہ مصر) حضرت ابوبکر کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔

اکثر اھل العلم والشعر ینکر ھذہ القصیدۃ لابی بکرؓ اہل علم و شعراس ابیات کے منکر ہیں کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکر کا ہے۔

ہم کو نہ حضرت ابوبکر کے قصیدہ کے تحقیق سے واسطہ ہے۔ اور نہ اُمیہ بن الصلت کے خطبہ اور اشعار کی تفتیش سے سروکار ہے اور نہ اس سے غرض ہے کہ ابن اسحاق نے حضرت ابوبکر کے قصیدہ کی موضوعیت کا کہاں تک اعتراف کیا ہے۔ ہمکو تو جو کچھ تحقیق کرنا ہے۔ یا لکھنا ہے وہ صرف حضرت ابیطالبؑ کے اس قصیدہ اسکے اشعار اور خاص کر مذکورہ بالا شعر کی نسبت جو ہماری موجودہ بحث کا اصلی موضوع ہے۔ اب ہمکو یہ دیکھنا ہے۔ اور دکھلا دینا ہے کہ اس کے متعلق محمد ابن اسحاق نے نقل کرنے کے بعد اپنا کیا مختار قایم کیا ہے۔ حسن اتفاق سے ابن ہشام کی جس جلد اور مطبع کا شبلی صاحب حوالہ دیتے ہیں۔ وہی میرے پاس بھی موجود ہے۔ میں اُس میں جب اس قصیدہ کو تلاش کرتا ہوں تو صفحہ ۹ سے لیکر صفحہ ۱۴ تک کی

سطابق اسواقعہ کو آنحضرت صلعم دس برس کی عمر کی حالات میں اُسی طرح مندرج کیا ہے۔ جس طرح شبلی صاحب نے اپنی سیرت میں۔ نہ بخاری صاحب کی طرح اسواقعہ کے لیئے کوئی عنوان قایم کیا ہے۔ اور نہ کوئی خاص باب باندھا ہے۔ نہ اسکو رسول کی ابتدائی سعیشت کے اسباب و ذرایع ٹھرائے ہیں۔ نہ اسکو مزدوری اور اجارہ تبلایا ہے۔ جو لکھا ہے۔ وہ اتنا ہے ذکر رعیہ رسول اللہ صلعم الغنم بمکۃ۔ یعنی مکہ میں رسول صلعم کا دنبیاں چرانا۔
ایک لطیف بات تو یہ ہے کہ اسوقت قراریط کے متعلق جو صحیحین بخاری اور ابن ماجہ سے شبلی صاحب اختلاف و اجتناب اختیار فرمائے ہیں۔ اور مجبور ہو کر اُنھیں غیر مستند نامعتمد اور غیر مفید سیرت نگاروں پر اعتبار کرتے ہیں جب ایک محقق کے آگے آپ کے یہ اُصول موضوعہ اور اہل صحاح کی ناانصافانہ جنبہ داری اور اہل سیرت کی بے اعتباری پیش کی جاوے گی۔ جو آپ مقدمہ کتاب میں لکھ چکے ہیں۔ تو وہ آپ کی جامعیت و صلاحیت پر حسرت و افسوس کرکے اتنا ضرور کہدے گا ؎ برین عقل و دانش بباید گریست۔

اصل واقعہ کی حقیقت کا انکشاف

اس بحث کے متعلق تمام مرقومہ بالا جزوی اور کلی ضروریات کو لکھ کر ہم اصلی واقعہ کی حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ عرب کی قدیم دستور کے مطابق جیسا کہ شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ اور عرب کی تمام قدیم سیرت۔ تاریخ اور اشعار سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ایام طفولیت میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی دُنبیاں چرائی ہیں۔ اور اُسوقت کے مُلکی اور قومی تمدن معاشرت اور تہذیب کے اعتبار سے آپکا یہ ابتدائی شغل معیوب نہیں کہا جا سکتا۔ اسلیئے۔ اسکی وجہ سے نہ آپ کے خاندانی اعزاز و اقتدار میں کوئی کمی ہو سکتی ہے اور نہ آپ کی روحانی عظمت پر اور شان رسالت پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ خاندانی اعزاز کے لیئے

حاشیہ صفحہ دیگر تین ثمنث صفحوں تک اس تمام قصیدے کو لکھا ہوا پاتا ہوں۔ اس میں کل ۹۴ شعر ہیں۔ جن میں سے شعر زیر بحث ۷۴ نمبر کا شعر ہے پورے قصیدے کے خاتمہ پر یہ رائے لکھی ہے قال ابن ھشام ھذا ما صح لی من ھذہ القصیدۃ و بعض اھل العلم بالشعر ینکر اکثرھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس قصیدے کے اتنے شعر جو لکھے گئے ہیں۔ میرے نزدیک صحیح ہیں۔ لیکن بعض علمائے شعر ان میں سے اکثر اشعار کا انکار کرتے ہیں۔ ابن ہشام مولف سیرت کی تحقیق سے تو اس قصیدہ کے جتنے شعر اُنہوں نے لکھے ہیں۔ وہ سب کے سب اُن کے نزدیک صحیح ہیں۔ مگر بعض علماء شعر ان میں سے اکثر اشعار کا انکار کرتے ہیں۔ مولوی شبلی کا ابن اسحاق یا ابن ہشام کے اُس انکار سے جو اُنہوں نے حضرت ابوبکر کے قصیدے کی نسبت تحریر کیا ہے۔ ابیطالبؑ کے قصیدہ کی موضوعیت کیسے ثابت ہوتی ہے۔ نتیجہ تو آپکے مدعا کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ تمام ۹۴ شعر صحیح ہیں یعنی ابیطالبؑ کے خاص طبعزاد ہیں۔ لیکن بعض شعراان میں سے اکثر اشعار کو ابیطالبؑ کی تصنیف نہیں سمجھتے۔ نہ سمجھیں اُتنے شعر نہیں سہی بقول حزیں ؎ دو صد شعر دیوان من رفت رفت۔ ابن ہشام کی اس تحریر سے آپ کے اس دعوے کی کہ ابیطالبؑ کا یہ قصیدۂ لامیہ سرتاپا موضوع ہے۔ کیسے ثابت ہوا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ چند شعر اس میں ابیطالبؑ کی تصنیف نہ ہوں۔ اسکو ہم بھی مانتے ہیں۔ اور ہمارے متاخرین اسلامی مورخ نے بھی لکھدیا ہے۔ شبلی صاحب کی یہ تحقیق احتیاط

اسوجہ سے معیوب نہیں ہو سکتا کہ عرب کے تمام اُمرا۔ رؤسا اور شرفا کے عام طبقات میں جاری تھا۔ مرتبۂ رسالت اور درجۂ رُوحانیت کے لحاظ سے بھی اس لیئے قابل الزام نہیں، کہ تمام کتب انبیاء سے حضرات انبیاؑ و مرسلین کا دُنبیاں چرانا ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کی جلد اوّل میں ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و آلہ وعلیہ السّلام کے حالات و واقعات میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے۔

اصلیت اور حقیقت یہ ہے کہ دُنبیوں کی یہ گلہ بانی بھی حقیقتاً تخصیصی تھی تعمیمی نہیں تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اپنے گھر کی دُنبیوں کی گلہ بانی اور نگرانی فرماتے تھے۔ عام طور سے اہل مکہ کی نہیں محدثین نے غلط سمجھا ہے۔ اور اسی غلط فہمی کے باعث اتنا فساد برپا ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں، کہ اہل مکہ کا لفظ سیرت کی کتابوں میں بھی ویسے ہی ہے۔ جیسے حدیثوں کی کتابوں میں۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اہل مکہ سے اپنا گھر اور اپنا قبیلہ مراد ہے۔ کیونکہ بنی عبدالمطلبؑ یا بنی ہاشم قریشی بھی تھے۔ اور مکی بھی، حدیث کی کتابیں اس تخصیص کو کہیں ظاہر نہیں کرتیں۔ سیرت نے جناب رسولخداؐ صلعم کے خاص ارشاد سے اس تخصیص کا اظہار ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ اُسی طبقات ابن سعد میں یہ واقعہ درج ہے۔ جس سے حقیقت حال کا پُورا انکشاف ہو جاتا ہے عبارت یہ ہے

ان النّبی صلعم قال بعث موسیٰؑ وھو راعی غنم و بعث داؤد وھو راعی غنم و بعثت وانا ارعی غنم اھلی باجیاد۔
طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۸۰

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے۔ وہ بھی دُنبیوں کے چرواہے تھے۔ انکے بعد حضرت داؤدؑ مبعوث ہوئے۔ وہ بھی دُنبیوں کے چرواہے تھے اُن کے بعد میں مبعوث کیا گیا۔ میں نے بھی اپنے گھر کی دُنبیاں اجیاد (پہاڑ کا نام ہے جو قراریط کے پاس ہے۔ پر چرائی ہیں۔ طبقات ج ۱ ص ۸۰۔

شبلی صاحب نے اس مسئلہ میں تنقید و تردید سب کچھ تو تمام کر دیا مگر اُسکی تخصیص کیطرف ذرا توجہ نہ فرمائی۔ گویا آپکی تحقیق میں پیغمبر عربؐ کا اُجرت و معاوضہ پر تمام اقوام مکہ کی دُنبیاں چرانا ثابت ہے، اور یہ امر آپ کے نزدیک نہ بنی ہاشم کی عظمت و اقتدار کا مخالف ہے اور نہ شان رسالت کا مناقض، حالانکہ اصول تعمیم سے بھی اُسوقت کی قدیم معاشرت۔ تہذیب و تمدن کے سراسر خلاف ہے اور اسوقت بھی کوئی شخص نہیں مان سکتا، کہ شرفا۔ رؤسا اور اُمرائے مکہ کے بچے اپنے سے کم درجہ قبائل اور رذال اقوام کی دُنبیاں چرانا گوارا کرتے ہونگے۔ بخلاف اسکے ہر شخص بلا تکلف مان لیگا۔ کہ اُسوقت کے شرفا۔ رؤسا اور اُمرائے مکہ کے بچے اپنے گھر یا اپنے قبیلے کی دُنبیاں شہر کے بیرونی مقامات میں چرایا کرتے تھے۔ جیسا کہ خود آنحضرت صلعم کی زبانی ابن سعد کی عبارت سے ثابت ہے۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب کی محققانہ نگاہ طبقات ابن سعد کے اس آخری واقعہ مندرجہ پر نہ پہونچ سکی اگر پہونچ سکی ہوتی، تو ہمکو جیسا یقین ہے۔ وہ تخصیص کے مسئلہ کو بھی صاف فرما دیتے یہ تو مولف کی کوتہ قلمی ہے یا قصور النظری۔

حاشیہ صفحہ دیگر و حقیقت واقعات کیا تبلائے گی۔ اور تاریکی اور عدم واقعیت میں اُلجھادے۔ المؤلف عفی عنہ۔

سفر شام اور راہب بحیرا کا مشہور واقعہ

بارہ برس کے سن میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عم محترم حضرت ابیطالبؑ کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ ابن سعد۔ طبقات میں اس سفر میں اس سفر کی کیفیت یوں لکھتے ہیں

لما بلغ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اثنی عشر سنۃ خرج بہ ابی طالب الی الشام فی العیر التی خرج فیہا للتجارۃ ونزلوا بالراھب بحیرا فقال لابی طالب فی النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ما قال وامرہ ان یحتفظ بہ فردہ ابو طالب معہ الی مکۃ وشب رسول اللہ صلعم مع ابی طالب ۔ طبقات ص ۷۶

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ برس کی عمر کے ہوئے تو جناب ابیطالبؑ اُن کو ہمراہ لیکر قریش کے قافلہ تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اور بحیرا نامی راہب عیسائی کے مسکن پر منزل گزیں ہوئے۔ راہب بحیرا نے حضرت ابیطالبؑ سے جناب رسولخدا صلعم کی نسبت وہ سب باتیں کہدیں۔ جو اسکو آپ سے کہنی تھیں اور آپکی حفاظت و نگرانی کے متعلق تاکید کردی۔ چنانچہ حضرت ابیطالب آپ کو وہیں سے اپنے ہمراہ مکہ واپس لائے طبقات ص ۷۶

اس عربی کی مستند ترین سیرت میں تو یہ واقعہ اتنا ہی ہے۔ جو لکھا گیا۔ سیرۃ النبیؐ میں شبلی صاحب نے حق ناحق اسکو ایک معرکۃ الآراء مسئلہ تاریخی بنا دیا ہے۔ اور حدیث و سیرت کی تحقیق و تنقید کے باہمانہ امتزاج سے وہ خلط مبحث تیار کیا ہے۔ کہ صاف طبعان زمانہ کی عام بدمزگی اور ناگواری کا باعث ہوتا ہے۔ شبلی صاحب کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

ابو طالبؑ تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا۔ سال میں ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے آنحضرت صلعم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی۔ کہ ابو طالبؑ نے سفر شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور خیال سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن۔ آنحضرت صلعم کو ابیطالبؑ سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابیطالبؑ چلنے لگے۔ تو آپ اُن سے لپٹ گئے۔ ابوطالبؑ نے ابعمؐ کی دلشکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے۔ کہ جب ابوطالبؑ بصرے میں پہونچے۔ تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اُترے۔ جس کا نام بحیرا تھا۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھکر کہا۔ کہ یہ ختم المرسلین ہیں۔ لوگوں نے پوچھا۔ تم نے کیسے جانا۔ تو اُس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے نیچے اُترے۔ تو جس قدر درخت اور پتھر تھے۔ سب سجدہ کے لیے جھک گئے۔ طبری نے مختلف طریقوں سے اس واقعہ کو لکھا ہے۔

طبری کے مختلف طریقوں میں سے صرف ایک طریقہ کا خلاصہ اور ماحصل شبلی صاحب نے لیا ہے۔ اور اُسپر ذیل کی تنقید لکھی ہے۔ یہ روایت مختلف طریقوں میں بیان کی گئی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اس روایت سے جس قدر تمام مسلمانوں کو شغف ہے اُس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے۔ سر ولیم میور۔ ڈریپر۔ اور مارگیولوس وغیرہ سب اسے عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں۔ اور اس

بات کے مدعی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہب کے حقائق واسرار اسی راہب سے سیکھے۔ اور جو نکتے اس نے بتا دیئے تھے۔ اُنھیں پر آنحضرت صلعم نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے تمام عمدہ اصول انہیں نکتوں کے شرح اور حواشی ہیں۔ عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں۔ تو اسی طرح ماننا چاہیئے۔ جس طرح روایت میں مذکور ہے۔ اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں۔ قیاس میں بھی نہیں آسکتا۔ کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام حقائق سکھا دیئے جاویں۔ اگر یہ کوئی خرق عادات تھا۔ تو راہب بحیراؒ کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی

مولوی شبلی اپنی جبلی عادت سے مجبور ہیں۔ آپ ایک حد تک معقول اور کافی جواب دے چکے۔ اب اس سے زیادہ انکشاف تو پھر وہی اپنا ہی پردہ فاش کرنا ہے۔" اب ان الفاظ میں اس روایت کی تنقید یا تکذیب فرمائی جاتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اس روایت کے جتنے طریقے ہیں۔ سب مرسل ہیں۔ یعنی راوی اول واقعہ کے وقت موجود تھا۔ اور اس راوی کا نام بھی نہیں بیان کرتا۔ جو شریک واقعہ تھا۔ اس کا سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہے جو ترمذی میں مذکور ہے۔ اس کے متعلق تین باتیں قابل لحاظ ہیں (۱) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ حسن اور غریب ہے۔ اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ سے نہیں جانتے ہیں۔ (۲) حسن کا مرتبہ حدیث صحیح سے کم ہوتا ہے۔ اور جب غریب ہو۔ تو اس کا رتبہ اور بھی گھٹ جاتا ہے (۳) اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمٰن ابن غزوان ہے۔ اس کو بہت سے لوگوں نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے۔ لیکن اکثر اہل فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔ کہ عبدالرحمٰن منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔ جن میں سب سے منکر وہ حدیث ہے۔ جس میں راہب بحیرا کا واقعہ مذکور ہے (۴) حاکم نے مستدرک میں اس روایت کی نسبت لکھا ہے۔ کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔ علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے۔ کہ میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں (۵) اس روایت میں مذکور ہے۔ کہ حضرت بلال اور ابو بکر بھی اس سفر میں شریک تھے۔ حالانکہ بلال کا اس وقت تک وجود بھی نہیں تھا۔ اور حضرت ابو بکر بچے تھے۔ (۶) حدیث کے آخر راوی ابو موسیٰ اشعری ہیں۔ جو خود شریک واقعہ نہیں تھے۔ اور اوپر کے راوی کا نام بھی نہیں بتاتے (۷) ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد اور مستدرک وغیرہ میں جو سلسلۂ سند مذکور ہے سب مرسل ہیں۔ یعنی بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔ (۸) حافظ ابن حجر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت ابوبکر اور بلال کی شکایت بداہتہ غلط ہے۔ اس لیئے مجبوراً اقرار کرتے ہیں۔ کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہیں۔ کہ اس روایت کے تمام رُواۃ قابل سند ہیں۔ عبدالرحمٰن ابن غزوان کی نسبت خود انھیں حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔ کہ وہ خطا کرتا تھا۔ اسکی طرف اسوجہ سے شبہہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے۔ ممالیک کی ایک روایت ہے۔ جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں۔

سیرۃ النبیؐ ۔ ۱۳۰ و ۱۳۱ ص۔

چونکہ شبلی صاحب نے اپنی تنقیدی عبارت پائین صفحہ نہیں لکھی ہے۔ بلکہ اصلی کتاب کی عبارت میں داخل کر دی ہے۔ اسلئے اسکی نسبت مجکو جو کچھ عرض کرنا ہے۔ وہ میں بھی حاشیہ زیرین کی عبارت میں نہیں۔ بلکہ اپنے اصلی سلسلۂ بیان میں منضم کرتا ہوں

شبلی صاحب کے ایسے محقق زمانہ کی مرقومہ بالا تنقید جو خاصکر عیسائیوں کے اعتراض کی تردید میں لکھی گئی ہے جس وقت حقیقت کی نظر سے دیکھی جاوے گی۔ تو جیسا ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں۔ اسوقت بھی پھر وہی عرض کریں گے۔ کہ آپ کے اس ناگوار اور غیر استوار طریقہ تنقید و استدلال سے نہ معترضین کی تردید ممکن ہو سکتی ہے۔ اور نہ تسکین۔ بلکہ آپکی موجودہ تنقید تو آپکے محدثین و محققین کی کوتہ رقمی۔ کوتہ نظری اور کوتہ عقلی کی حقیقت مخالفین و معترضین اسلام پر واضح اور روشن کرتی ہے۔ اور یہ آپ کی جدت پسندی کا وہ طریقہ ہے۔ جو معترضین کے ارادہ تعریض اور حوصلہ تکذیب کو اور وسیع کر دیتا ہے۔ ہر شخص آپ کے مرقومہ بالا تنقید کو پڑھکر بلا تکلف سمجھ لے گا۔ کہ اسلامی مؤلفین اور مصنفین محدثین سے لیکر مورخین تک سب کے سب غلط نگار تھے۔ اور کورانہ نقل کرنے کے عادی۔ بدقسمتی سے اس سلسلہ میں مورخین کا کیا ذکر محدثین صحاح۔ امام بخاری۔ امام ترمذی۔ امام مسلم۔ امام مالک وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔

آپکی تنقید کی صورت حال کا ایک رُخ تو یہ قایم ہوتا ہے۔ اُسکا دوسرا رُخ یوں نمایاں ہوتا ہے۔ کہ ترمذی صاحب اپنی صحیح میں اسواقعہ کو لکھتے بھی ہیں۔ اور پھر اس کی صداقت میں عیب بھی لگا دیتے ہیں۔ پھر صحیح میں ایسے مشکوک یا ساقط از اعتبار مرویات کے اندراج کی ضرورت ہی کیا تھی، حاکم صاحب بڑے شد و مد سے بخاری صاحب اور مسلم صاحب کے شروط پر اس کی صداقت و صحت کا چیلنج دیتے ہیں۔ لیکن ذہبی صاحب حاکم صاحب کی انتہاپسندی کو اعتدال کے درجہ تک گھٹالاتے ہیں۔ اور چونکہ اما میں بخاری و مسلم کی شرط صحت لگی ہے۔ اس بنا پر اُسکو بالتمامہ غلط ٹھہرانے کی جرأت کرتے نہیں فرماتے ہیں کے میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔

اگر غور سے موجودہ صورت حال پر نظر ڈالی جائے۔ تو شبلی صاحب کی اس تنقید میں مرقومہ بالا دونوں رُخوں کے علاوہ ایک تیسرا پہلو بھی نظر آتا ہے۔ وہ حافظ ابن حجر۔ شارح صحیح بخاری کا خاص طرز بیان ہے۔ اِن بزرگ پر آخر شبلی صاحب کو غصہ آہی گیا۔ اور اُنپر رواۃ پرستی کا الزام لگا ہی دیا گیا۔ آپ کے نزدیک ابن حجر نے نہایت نازیبا اور بدنما پہلو بدلا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس روایت کی صحت کو بھی تسلیم کیا ہے۔ لیکن چونکہ حضرت ابوبکر اور بلال کی شرکت بداہتہً غلط ہے۔ اس لیئے مجبوراً اقرار بھی کر لیا ہے۔ کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے یہاں تو ابن حجر نے اس حدیث کی صحت کی تصدیق کی۔ وہاں کتاب تہذیب التہذیب میں عبدالرحمن ابن غزوان کو حدیث میں خطا کرنے والا بھی لکھدیا ہے۔ ابن حجر کی اسی دو رُخی رائے پر شبلی صاحب کو طیش آگیا۔

مگر ہم شبلی صاحب سے عرض کرتے ہیں۔ کہ آپ کا یہ عتاب بے جا ہے۔ اور طیش بیکار۔ جب آپ صاف صاف ابن حجر کا یہ قول خود لکھ رہے ہیں۔ کہ روایت میں اُس حصہ واقعہ کے داخل ہو جانے سے جو بدیہی غلط ہے۔ اُن کو اس کے کل

صحیح ہونے میں کلام ہے۔ تو وجہ پا کر آپ کو بے وجہ برافروختہ ہونے کا کیا حق ہے۔ اب رہا یہ امر کہ ابن حجرؒ بھی۔ آپ اور آپ کے چیدہ ہمخیال مؤلفین و مؤرخین کی طرح اس روایت کے سراپا موضوع اور بالکل غلط ہونیکے کیوں قائل نہوئے تو آپکا یہ تحکم آپ کے حسن و تعقل کا بیجا اور نازیبا کا پورا مزہ دیتا ہے۔ اسکی وجہ بالکل صاف ہے۔ اور روشن۔ ابن حجر معمولی پایہ کے بزرگ نہیں تھے۔ صحیح بخاری کے شارح شروح بخاری میں اُن کی شرح کا سب سے پہلا نمبر ہے۔ وہ اپنے اصول اور مختار مقررہ کے بڑے پابند تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ صحیحین کے شروط کے مطابق ہے۔ جن میں بقول آپ کے ایک ضعیف سے ضعیف روایت بھی نہیں درج کی گئی۔ پھر وہ اُن کی مرویات کو سراپا غلط اور موضوع تبلاتے اور ایسی معتبر اور مستند اصح الکتاب کی عظمت گھٹاتے۔ اُنکی شرح آپ کی سیرۃ النبیؐ کا مقدمہ تو تھی ہی نہیں جس میں ابتداءً تو کتب صحاح کو عموماً اور صحیحین بخاری و مسلم کو خصوصاً صحت و صداقت میں گویا قرآن مجید کا مترادف تبلایا جاتا ہے مگر بالآخر تمام سلسلۂ بیان اور مباحث تالیفی میں اُن کو موضوعات کا انبار اور افتریات کا دفتر ٹہرایا جاتا ہے۔ اب فرمایا جاوے۔ کہ آپ کا یہ طریق موجودہ صورت حال میں آپکے لیئے کون رخ تیار کریگا۔ اور آپ اپنی ایسی روشِ انحراف کے مقابلہ میں ابن حجرؒ کے اختلاف کے لیئے اُنپر رواۃ پرستی کا کیسے الزام لگا سکتے ہیں حقیقت یہ ہے۔ کہ بخاری ہوں۔ یا مسلم ہوں یا ترمذی۔ مالک ہوں۔ یا ابن حجرؒ ہوں۔ یا مولوی شبلی اصلیت سے سب جُدا اور حقیقت سے سب علیحدہ ؎

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ یہ واقعہ روایت اور درایت دونوں طریقوں سے صحیح ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کی شرکت کے غلط اضافہ نے یہ سارے بکھیڑے پیدا کر دیئے۔ جو حقیقتاً ایسا سفید جھوٹ ہے۔ جو کسی طرح نہیں چھپ سکتا۔ ایسی کوری بے عقلی ہے۔ جسکی تاویل ممکن نہیں ؎ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے۔ حقیقتاً ابن حجرؒ سے کوئی بات نہیں بن سکتی تھی۔ اُنہوں نے صرف اس حصۂ حدیث کے غلطی سے اصل حدیث میں مخلوط ہوجانے کا اعتراف کر دیا۔ تو کیا بُرا کیا۔ یہ تو اُسکا ضعف تدین نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اُسکا عین تدین۔ اور اپنے اصول کی کمال پابندی قرار دیجاوے گی۔ شبلی صاحب اپنے مولفانہ تلون پر ذرا بھی خیال نہیں فرماتے۔ میری دانست میں ابن حجرؒ نے ذہبی سے زیادہ قصور نہیں کیا ہے۔ آپ خود تلخیص مستدرک سے ذہبی کا یہ قول اُوپر نقل فرما چکے ہیں کہ میں اس حدیث کو موضوع جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔ اب اس بیان کو ابن حجرؒ کے کلام سے ملایا جاوے تو مدعا دونوں کا ایک ہی پایا جاوے گا۔ فرق یہ ہے۔ کہ ذہبی نے بڑے حزم و احتیاط سے اُس غلط حصہ روایت یا واقعہ کا نام نہیں تبلایا۔ اور ابن حجرؒ نے اپنے کمال تدین سے اُس غلط حصہ روایت یا اضافہ حدیث کو تبلایا۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اب آپ کو یہ کون تبلائے۔ کہ کن لوگوں نے کس غرض و غایت سے یہ بے جوڑ جوڑ لگایا ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں ؛ بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد۔

صحیحین کے استحفاظ مراتب کا یہ مستحسن طریقہ تھا۔ کہ یہ بحث یہیں تک رہنے دی جاتی۔ اور اس اضافہ کی وجہ اور اضافہ

کرنیوالے کی تلاش نہ کی جاتی۔ ہمکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ یہ حدیث جو صحاح کے معتبر کتابوں میں سے لیکر حدیث کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں اُسوقت سے لیکر اسوقت تک نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ صرف اپنے ایک حصہ کی غلطی کی وجہ سے بالکلیہ غلط ہوجائے گی۔ یہ اصول آئین تنقید کے مطابق ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ قواعد کلام کے موافق عبدالرحمن ابن غزوان کی جرح و قدح بھی اصولاً ایسی مستحکم اور ناقابل التاویل نہیں معلوم ہوتی۔ اسی روایت کی نسبت آپ خود تحریر فرما چکے ہیں۔ کہ اسکو بہت سے لوگوں نے ثقہ بھی لکھاہے۔ اور بعض نے منکر بھی۔ اِس بناپر اس کے قطعی کاذب اور وضاع ہونیکی بھی دلیل قایم نہیں ہوسکتی۔ صرف ذہبی نے اسکو منکر لکھا ہے۔ اور اُسکے مرویات سے خصوصاً واقعہ راہب بحیرا کو موضوع بتلایا ہے۔ تو گویا اس کی تنقید میں وہ منفرد ہیں۔ اب اُنکی منفردہ رائے کو کثیرالتعداد محدثین کے مختارے مقابلہ فرمائیں۔ جو اُسکی توثیق و صحت کے قائل ہیں۔ تو ذہبی کے مختار منفردہ کا کیا وزن رہجاتا ہے۔ اس لیئے شبلی صاحب کی یہ تمام کد و کاوش بے کار اور غیر مفید کوشش ہے۔

اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ عبدالرحمن نے حضرت ابوبکر وغیرہ کی شرکت کے قبل تک اِس واقعہ کو پوری اصلیت کے ساتھ بیان کیا۔ اور بقیہ حصہ کو اُس موضوعیت کے ساتھ بیان کیا۔ جیسا کہ اُسنے غیروں سے غلط سُنا تھا اب رہا یہ امر کہ اس روایت کے تمام طریقہ مرسل ہیں۔ تو اولاً اُصول نقد حدیث کے مطابق مراسیل صحابہ قطعاً درست ہیں۔ یہ اعتراض بے جا ہے۔ ثانیاً اِس کے لیئے صاحبان شیخین جوابدہ ہیں جنہوں نے نقل و نقد حدیث کے اصول اقسام اور ابواب بھی قایم کیئے۔ اور اپنی اپنی تالیفات کو اِن اُصول موضوعہ کا نظاہر سخت پابند بھی بتلایا۔ پھر اِن موضوعات اور لغویات کی بھرتی بھی اُنھیں کتابوں میں بھر دی۔ اسکا جواب شیخین صحیحین دیسکتے ہیں۔ یا خود شبلی صاحب جو اپنے مقدمہ کتاب میں اتنے طمطراق سے اِن بزرگوں کی مدح سرائی کرچکے ہیں۔

حقیقت میں شبلی صاحب کی یہ تنقید عیسائیوں کی فتح عظیم کی تردید تو کیا کرے گی۔ تائید البتہ کرتی ہے۔ کیونکہ یہ خانہ جنگی باہمانہ تکذیب و تردید۔ تغلیط۔ بعد تصحیح جو اسلامی دائرے میں۔ اکابرین صحاح سے لیکر عام محدثین و شارحین تک میں پھیلی ہوئی دکھلائی گئی ہے۔ جس وقت مخالفین کی نگاہ سے گذرے گی۔ اُنکی تعریض و تردید کے حوصلوں کو اور بھی کُشادہ کردے گی۔ اور سمجھ لیں گے۔ کہ بس یہ حضرات ایسے تھے اور اتنے۔ اپنے خیال میں شبلی صاحب نے عیسائیوں کو اس تنقید سے اپنی صفائی دکھلائی ہے۔ مگر اس سے بھی اُنکی قیاسی فتح عظیم کی بیخ کنی نہیں ہوئی۔ اور اُسی کے دفعیہ کا کوئی پہلو بھی اس تحریر سے نہیں نکلا۔

سچ تو یہ ہے کہ شبلی صاحب کو وہ پہلو معلوم ہی نہیں۔ اور اُسکی وجہ یہی ہے۔ کہ عیسائیوں کی ذراسی تعریض پر آپ اسقدر مضطرب الحواس ہوجاتے ہیں۔ کہ حقیقی واقعات کو چھوڑ کر زوائد اور دور از قیاس ذرایع سے جواب دینا چاہتے ہیں اور اپنے علمار کی تغلیط کے ثبوت دیکر اُنکی تردید پیش کرتے ہیں۔ جو گویا جواب تسلیمی ہوجاتا ہے۔ دیکھئے شبلی صاحب اس روایت

کو عیسائیت کی فتح عظیم سمجھے ہیں وہ حقیقتاً اُن کی شکست فاش ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جیسا آپ کو خوف ہے عیسائی اس روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راہب بحیرا سے رموز نبوت اور اُصول شریعت کی تعلیم حاصل کرنا ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اُن کا یہ دعوے محض افترا اور قطعی بے دلیل ہے۔ یہ مسلم ہے۔ کہ یہی دلیل اُنکا اصلی ماخذ ہے۔ مگر اسکی بالتمامہ عبارت سے اُنکے دعوے کا ایک حرف بھی ثابت نہیں ہوتا۔ روایت موجود ہے عبارت حاضر ہے۔ الفاظ پیش نگاہ ہیں۔ کوئی عیسائی تبلادے۔ کہ اس کے کس جملہ کس حرف اور کس لفظ کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ راہب بحیرا نے محمدؐ کو نبوت کے رموز اور شریعت کے اُصول تبلائے۔ جب ایسے معنی نہیں نکلتے۔ تو وہ ضرور جھوٹے ہیں۔ اور اُنکا دعوے سراسر جھوٹا ہے۔ اور اُنکی فتح عظیم خالی ہوائیں قلعہ بندی ہے۔

یہ تو سرسری طور پر اُن کی موہوم فتح عظیم کی حقیقت بیان کی گئی۔ جو شبلی صاحب کو اتنا مخوف اور مضطرب بنائے ہوئے تھی۔ ہم نے اُسکو اُنکی شکست فاش قرار دیا ہے۔ ہم اب اسکو ثابت کرتے ہیں۔ دیکھیے تاریخ طبری کے الفاظ روایت یہ ہیں

ان ابا طالب خرج فی رکب من قریش الی الشام تاجرًا نهيًا الرّحيل واجمع السير صب به رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فيما يزعمون فرق له ابا طالب فقال والله لاخرجنّ به معی ولا یفارقنی ولا افارقه ابدًا او کما قال فخرج به معه فلما نزل الرکب بصری من ارض الشام وبها راهب الیه بصیر علمهم عن کتاب فیما یزعمون یتوارثونه کابرًا عن کابر فلما نزلوا ذلك العام بحیرا صنع لهم طعامًا کثیرًا وذلك انه رای رسول الله صلعم وهو فی صومعته علیه غمامة تظله من بین القوم ثم اقبلوا حتے نزلوا فی ظل الشجرة قریبا منه فنظر الی الغمامة حین اظلت الشجرة وهصرت اغصان الشجرة علی رسول الله صلعم حتے استظل تحتها فلما رای ذلك بحیرا نزل صومعته ثم ارسل الیهم فدعاهم جمیعا فلما رای بحیرا رسول الله صلعم بلحیظة لحظا شدیدا وینظر الی اشیاء من جسده قد کان یجدها عنده من صفته فلما فرغ القوم من الطعام وتفرقوا سئل رسول الله صلعم عن اشیاء فی حاله فی یقظته

جناب ابیطالبؑ قریش کے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کے قصد سے جانے لگے۔ جب اسباب سفر اور سواری کا سامان درست ہوگیا۔ تو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملول ہوئے اسوجہ سے کہ مشہور تھا کہ آپکے عم محترم آپکو اپنے ہمراہ اس سفر میں نہیں لیجائینگے۔ حضرت ابی طالبؑ نے آپ کو ملول دیکھکر اور ملال کا باعث اس غلط خبر کو پاکر فرمایا کہ میں اپنے جگر گوشہ کو لیئے بغیر کہیں باہر نہیں جاسکتا اور نہ کسی حالت میں کسی وقت اپنے جگر پارہ کو جدا کرسکتا ہوں۔ چنانچہ ابی طالبؑ نے آنحضرت صلعم کو اپنے ہمراہ لیا جب قافلہ شہر بصری میں جو علاقہ شام کے نواحات سے ہے۔ پہونچا۔ تو وہاں ایک راہب نصرانی رہا کرتا تھا جس کا نام بحیرا تھا اُسکا وہاں خاص صومعہ تھا (خانقاہ) اور وہ اُس زمانے کے تمام نصرانیوں میں باعتبار علم کتب سماویہ اعلم الناس تھا اور یہ کمالات علمی اُسکو وراثتاً اُنکے سلسلہ میں ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے ملے تھے۔ اب کی بار یہ قافلہ تجار قریش وہاں منزل گزیں ہوا تو بحیرا نے اُنکی ضیافت کے لیئے بافراط کھانا تیار کیا۔ اور یہ اس باعث سے تھا کہ اُسنے جناب رسولخدا کو اس حالت میں دیکھ لیا اور پہچان لیا تھا۔ کہ بخلاف اور اہالیان قافلہ کے آپکے فرق مبارک پر ایک ٹکڑا ابر

وفی نومہ فجعل رسول اللہ صلعم یخبرہ فیجدھا بحیرا موافقہ لما عندہ من صفتہ ثم نظر الی ظہرہ خاتم النبوۃ بین کتفہ قال بحیرا العمہ ابا طالب ما ھذا الغلام منک قال ابنی فقال لہ بحیرا ما ھو ابنک لھذا الغلام ان یکون ابوہ حیا قال انہ ابن اخی قال فما فعل ابوہ قال مات وامہ حبلی بہ قال صدقت ارجع بہ بلدک واحذر علیہ یھود فواللہ لئن راوہ وعرفوا منہ ما عرفت لیبغنہ شرا فانہ کان شان عظیم فاسرع بہ الی بلدہ فخرج بہ عمہ سریعا حتی اقدمہ مکۃ ۔ طبری صہ ۱۱۲۵ مطبوعہ جرمن

سایہ فگن تھا۔ اس اثنا میں قافلہ کے لوگ آئے اور اُسکے صومعہ کے پاس ایک درخت کے سایہ میں فروکش ہوئے۔ راہب بحیرا اس ابر سایہ فگن کو برابر دیکھ رہا تھا کہ اُس درخت کی ڈالیاں بھی رسول اللہ صلعم کی طرف سایہ کردینے کی غرض سے جھکنے لگیں۔ تاآنکہ اُنہوں نے آپکے فرق مبارک پر پورا سایہ کرلیا۔ یہ دیکھکر راہب بحیرا اپنے صومعہ سے نیچے اُتر آیا۔ اور تمام مجمع قریش کو اپنے پاس بلایا۔ جب بحیرا کی نظر آپکے روئے منور کی طرف پڑی۔ تو بڑی دیر تک آپکے جمال مبارک کی زیارت کرتا رہا۔ اور آپکے جسم مطہر میں اُن اشیاء کا مشاہدہ کرتا رہا جو آپکی صفات کے متعلق اُسکی کتابوں میں لکھے تھے اور اُسنے پڑھے تھے تمام لوگوں نے جب کھانے سے فراغت کی۔ تو بحیرا نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے خواب وبیداری کے حالات استفسار کیے۔ آپ نے اُسے بتلائے۔ تو اُس نے آپ کے جوابات کو بھی اُن صفات مخصوصہ کے مطابق پایا۔ جو اُسکی کتابوں میں لکھی تھیں۔ اُسکے بعد اُس نے آپ کی پُشت مبارک پر غور کیا تو مہر نبوت کو دوش مطہر کے مابین پایا۔ پھر آپ کے عم محترم ابیطالبؑ کی طرف مخاطب ہوا۔ اور کہنے لگا۔ یہ لڑکا تمہارا کون ہے حضرت ابیطالبؑ نے کہا میرا بیٹا ہے۔ راہب بحیرا نے کہا۔ کہ یہ بیٹا آپ کا ہو نہیں سکتا۔ اس لیئے کہ میرے علم میں اسکے باپ کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ حضرت ابیطالبؑ نے جواب دیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ بحیرا نے کہا کہ اسکا باپ کیا ہوا۔ ابیطالبؑ نے کہا کہ وہ مرگیا اور اُس کی ماں بھی گذر گئی۔ بحیرا نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ اچھا تو آپ اسکو اپنے ہمراہ اپنے شہر کی طرف یہاں سے واپس لے جائیں۔ اور اُسکے متعلق یہودیوں سے ہمیشہ خائف رہا کریں۔ قسم خدا کی اگر وہ اسے دیکھ پائیں گے۔ اور اُسی معرفت کے ساتھ جیسا کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے۔ وہ بھی پہچان لیں گے۔ تو پھر اس کے ساتھ شر و فساد برپا کریں گے۔ کیونکہ اس کے لیئے ایک شان عظیم ودیعت ہوئی ہے۔ یہ سُنکر آپ کے عم محترم آپ کو اپنے ہمراہ لے کر وہاں سے واپس ہوئے۔ اور داخل مکہ ہوگئے۔

دوسری روایت طبری کی یہ ہے۔

خرج ابو طالب الی الشام وخرج منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی اشیاخ من قریش فلما اشرفوا علی الراھب ھبطوا فحلوا رحالھم فخرج الیھم الراھب وکانوا قبل ذالک یمرون بہ فلا یخرج الیھم ولا یلتفت

حضرت ابوطالبؑ نے شام کا سفر کیا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اور تمام اکابرین قریش بھی قافلہ میں شامل تھے جب یہ لوگ دیر راہب کے پاس پہونچے تو اُتر پڑے اور اپنے سامان بھی قیام کرنیکے قصد سے اُتار دیئے۔ وہ راہب اپنے صومعہ سے باہر نکلا۔ حالانکہ اس سے قبل قریش کا

قال فهم يحلون رحالهم فجعل يتخللهم حتى جاء فاخذ بيد رسول الله صلعم فقال هذا رسول رب العلمين هذا يبعثه الله تعالیٰ رحمة للعلمين فقال له اشياخ قريش ما علمك قال انكم حين اشرفتم من العقبة لم يبق شجر ولا حجر الا خر ساجدا ولا يسجدون الا للنبي وانی اعرفه بخاتم النبوة اسفل من غضروف كتفه مثل التفاحة ثم رجع فصنع لهم طعاما فلما اتاهم به كان فی رعية الابل قالوا ارسلوا اليه فاقبل عليه غمامة فقال انظروا اليه عليه غمامة تظله فلما دنى من القوم وجدهم قد سبقوه فيها الی حی فلما جلس مال الشجرة عليه فقال انظروا الی فی الشجرة مال عليه مال فبينا هو قائم عليهم وهو ينشدهم الا يذهبوا به الی الروم فان الروم ان راوه عرفوه بالصفة فقتلوه فالتفت فاذا هو بسبعة نفر قد اقبلوا من الروم فاستقبلهم فقال ما جاء بكم قالوا جئنا ان هذا النبی خارج فی هذا الشهر فلم يبق طريق الا بعث اليها ناس انا اخبرنا بخبره بعثنا الی طريقك هذا قال لهم هل خلفتم خلفكم احد هو خير منكم قالوا لا انما اخترنا خيرة لطريقك هذا قال افرأيتم امرا اراده الله ان يقضيه هل يستطيع احد من الناس رده قالوا لا فتابعوه واقاموا معه قال فاتاهم فقال انشدكم الله ايكم وليه قالوا ابو طالب فلم يزل يناشده حتى رده وبعث معه ابو بكر رض و بلالاً وزوده الراهب من الكعك والزيت۔

طبری ص ۱۱۲۶ جرمن

قافلہ تجارتی چند بار آچکا تھا۔ اور وہیں قیام کرچکا تھا۔ مگر وہ راہب نہ کبھی ان کے پاس آیا تھا۔ اور نہ ان لوگوں سے ملتفت ہوا تھا۔ راہب کی اس صورت حال اور طرز سلوک سے سامان اُتارنے والوں کو ایک حیرت انگیز فکر دامن گیر ہوئی۔ یہاں تک کہ اس راہب نے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک تھام لیا۔ اور کہا کہ سید العالمین اور رسول رب العالمین ہیں۔ اور یہ وہی ہیں۔ جن کو خدائے سبحانہ تعالیٰ نے دونوں جہان کی رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ یہ سن کر اکابر قریش نے پوچھا کہ یہ تم نے کیسے جانا۔ راہب نے جواب دیا۔ کہ جسوقت تم لوگ یہاں آئے اور اپنا راحلہ اور سامان سفر وغیرہ اُتارنے لگے۔ تو میں نے دیکھا کہ کوئی شجر اور کوئی حجر ایسا باقی نہیں رہا۔ جو اُنکے سجدہ تعظیمی کے لیے نہ جھک گیا ہو اور سوائے نبی کے اور کسی کے لیے سجدہ تعظیمی نہیں کیا جاتا۔ اور میں نے اُن کو مہر نبوت سے بھی پہچان لیا۔ جو اُنکے دوش مُبارک کے حصہ زیرین کیطرف نمایاں ہے۔ یہ کہکر وہ چلا گیا۔ اور اُن لوگوں کی دعوت کیلئے کھانے پکوا کر اپنے ہمراہ لایا۔ تو آنحضرتؐ اُونٹوں کو چرا رہے تھے۔ راہب نے کہا کہ انکو بلا بھیجو جب آپ آئے تو فرق مبارک پر پارہ ابر سایہ گستر تھا۔ بحیرا نے قریش سے خطاب کرکے کہا۔ کہ اس پارہ ابر کو دیکھتے جاؤ جو انکے سر پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ پھر جب آپ قوم سے قریب آگئے۔ تو اُس شجر سے بھی وہی کیفیت ظاہر ہوئی۔ جو پہلی روایت میں بیان ہو چکی ہے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ تو وہ درخت آپکے اُوپر جھک گیا۔ بحیرا نے پھر مجمع قریش سے کہا۔ کہ اس درخت کے جھکنے کو دیکھو۔ پھر وہ راہب مجمع قریش میں کھڑے ہو کر مناشدہ کے طریقہ میں کہنے لگا کہ میں تم پر تاکید کرتا ہوں۔ کہ تم ان کو (آنحضرت صلعم) کو روم میں (علاقہ شام اسوقت روم کا ماتحت تھا) نہ لیجاؤ۔ کیونکہ اہل روم اگر ان کو ان صفات کے ساتھ پہچان لینگے۔ تو قتل کر ڈالیں گے۔ چنانچہ وہ سات آدمی جو روم سے ہو آئے تھے۔ بحیرا پہلے اُنھیں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ کہ کہو ان شاہدات کا تم پر کیا انکشاف ہوا۔ اُن لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ یہ خدا کے

و ستادہ بیج ہیں۔ اور کوئی طریقہ مذہب ایسا نہیں ہے۔ جس میں ایک بنی نہ مبعوث کیا گیا ہو۔ اور ہم لوگ بھی اس طریق کو بہتر سمجھتے ہیں اور جو اس طریقہ میں بنی مبعوث ہوا ہے۔ اُسی کو اختیار کرتے ہیں بحیرا نے کہا۔ کیا تم ایسے شخص کو چھوڑ دوگے۔ جسکو تم اپنے اخلاف میں سب سے بہتر سمجھتے ہو۔ سب نے کہا نہیں۔ کیونکہ ہم اسکو اُسکے طریق میں نیکوکار سمجھکر اختیار کر چکے ہیں۔ بحیرا نے کہا کیا تم ان اقرار و اعتراف کے بعد خدائے سبحانہ تعالےٰ کو جھٹلا سکتے ہو۔ کیا کوئی تم میں سے اُسکی مشیت کو روک سکتا ہے۔ سب نے کہا کوئی نہیں۔ ہم سب اُس کی بیعت کریں گے۔ اور اُس کے ساتھ رہیں گے۔ بحیرا اُنکے پاس گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں تم کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں۔ کہ تم میں سے اس شخص کا ولی کون ہے۔ سب نے کہا ابوطالبؑ اسکے ولی ہیں۔ پھر بحیرا نے ابوطالبؑ کے ساتھ اپنے مناشدہ کو تمام کیا۔ جب تک کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کو وہاں سے لیکر واپس ہوئے۔ اور ابوبکر اور بلالؓ بھی آپکے ہمراہ واپس آئے۔ اور بحیرا نے کعک اور زیت کے تحائف آپکے ہمراہ کر دیئے۔"

تاریخ طبری میں انھیں دونوں مرقومہ بالا طریقوں سے یہ روایت مندرج ہے۔ جن کی اصل عبارت نقل کر دی گئی۔ آخر روایت کے کچھ حصہ کا غیر مسلسل طور پر مولوی شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبیؐ میں ترجمہ فرمایا ہے۔ اس لیئے یقین ہے کہ شبلی صاحب نے تالیف کتاب کے وقت طبری کی دونوں روایتیں اور اُن کی عبارتیں ایک بار نہیں۔ کئی بار ملاحظہ فرمائی ہونگی۔ شبلی صاحب عیسائیوں کے اس متعصبانہ اور مغویانہ دعوے کی اہمیت اور اصلیت کو خود تحقیق فرما کر عربی ماخذوں کو سیرۃ النبیؐ میں نقل فرما دیتے اور معترضین کو دکھلا دیتے کہ تم جن عربی ماخذوں پر صرف اتہام لگا کر اپنی فتح عظیم کے ہوائی قلعہ باندھ رہے ہو۔ وہ تو ان اصلی ماخذوں کے ایک لفظ سے کیا ایک حرف سے بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ بس یہیں سے عیسائیوں کے غلط اتہام و الزام کی حقیقت کھل جاتی اور آپ کی خاطر مبارک سے بھی عیسائیوں کے اس اعتراض کا خوف و اندیشہ نکل جاتا۔ جس کی وجہ سے سخت اضطراب کے ساتھ اسقدر خامہ فرسائی کی بیکار زحمت اُٹھائی گئی۔ میں نے اس واقعہ کو حدیث و تاریخ کے معتبر ماخذوں میں دیکھا ہے۔ سب سے زیادہ مفصّل اور مسلسل طور پر ابن ہشام نے اس واقعہ کی پوری کیفیت قلم بند کی ہے۔ ہم اُن کی اصل عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

اِن ابا طالب خرج فی رکب تاجراً الی الشام فلما تھیّأ للرحیل و اجمع المسیر صب بہٖ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ و آلہٖ و سلم فیما یزعمون فرق لہٗ قال واللّٰہ لا اخرجنّ بہٖ معی و لا یُفارقنی و لا افارقہ ابداً اوکما قال فخرج بہٖ معہ فلما نزل الرکب لبصریٰ من ارض الشام وبھا راھب یقال لہ بحیرا فی صومعۃ لہ و کان الیہ علم اھل نصرانیۃ و لم یزل فی تلک الصومعۃ منذ قط راھب الیہ بصیر اعلمہم عن کتاب فیھا یزعمون یتوارثونہ کابراً

حضرت ابی طالبؑ نے بغرض تجارت سفر شام کا قصد کیا اور سامان سفر وغیرہ جمع ہو گیا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ملول خاطر ہوئے جیسا کہ مشہور تھا۔ کہ ابیطالبؑ اس سفر میں آپکو ہمراہ نہ لیجائینگے۔ یہ معلوم کرکے حضرت ابیطالبؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے بغیر کہیں باہر نہیں جاسکتا اور میں کبھی تم کو اپنے ساتھ سے جدا نہیں کر سکتا یہ فرما کر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ساتھ لیکر ہمراہی قافلہ تجار قریش روانہ ہوئے یہ قافلہ شہر بصریٰ میں جو متعلقات شام ہے پہونچا۔ تو وہاں ایک راہب رہتا تھا جسکو بحیرا کہتے تھے اور اُسکا ایک صومعہ خاص رہنے کیلئے تھا۔ اور وہ نصرانیت کا عالم

عن کابرٍ فلمّا نزلوا ذالك العام بحیرا وکانوا کثیرا ما یمرّون
به قبل ذٰلك فلا یکلّمهم ولا یعرض لهم حتّی کان ذٰلك
العام فلمّا نزلوا به قریبا من صومعة صنع لهم طعاما
کثیرا وذالك فیما یزعمون عن شیءٍ راٰه وهو فی صومعته
ویزعمون انه راٰی رسول الله صلعم وهو فی صومعته
فی الرکب حین قبلوا وغمامة تظله من بین القوم
قال ثم اقبلوا فنزلوا فی ظل شجرة قریبا منه فنظر الی
الغمامة حین اظلت الشّجرة وتهصّرت اغصان
الشجرة علی رسول الله صلعم حتّی استظل تحتها
فلمّا راٰی ذالك بحیرا نزل من صومعته وقد امر بذالك الطعام
فصنع ثم ارسل الیهم فقال انی اصنعت لکم طعاما
یا معشر قریش فانا احبّ ان تحتروا کلکم صغیرکم وکبیرکم
وعبدکم وحرّکم قال له رجل منهم والله یا بحیرا ان لك
لشأن الیوم ما کنت تصنع هذا بنا وقد کنا نمر بك کثیرا
فما شانك الیوم قال له بحیرا صدقت قد کان ما
تقول ولکنکم ضیف وقد احببت ان اکرمکم واصنع
لکم طعاما فتاکلون منه کلّکم فاجتمعوا الیه وتخلف عنه
رسول الله صلعم من بین القوم لحداثة سنه فی رحال
القوم تحت الشجرة فلما نظر بحیرا فی القوم ولم یر الصفة
التی یعرف ویجد عنده فقال یا معشر قریش لا یتخلفن احد منکم
عن طعامی قالوا له یا بحیرا ما تخلف عنك احد ینبغی له ان یاتیك
الا غلاما وهو احدث القوم سنا فتخلف فی رحالهم فقال لا تفعلوا
ادعوه فلیحضر الطعام منکم قال فقال رجل من قریش واللات والعزّی
ان کان للؤم بنا ان یتخلف ابن عبد الله بن عبد المطلب عن طعام
من بیننا ثم قام الیه فاحتضنه واجلسه مع القوم فقال

مشہور تھا۔ اور اُس صومعہ میں اس سے بڑھکر کوئی عالم ترین راہب نہیں گذرا تھا۔ اور اُسکی نسبت یہ مشہور تھا۔ کہ اُسکا علم وکمال وراثتاً ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے سینہ بسینہ پہونچا تھا۔ اب کی بار یہ قریشیوں کا تجارتی قافلہ بخلاف اِسکے کہ قبل میں وہیں اکثر بار اُتر چکا تھا۔ مگر نہ اُس راہب نے ان لوگوں سے گفتگو کی تھی اور نہ اُن سے کسی قسم کا تعرض کیا تھا۔ اب کی بار جب یہ لوگ اُسکے صومعہ کے قریب اُترے۔ تو بحیرا نے ان لوگوں کی ضیافت کے لیے افراط سے کھانے پکوائے اُسکی نسبت ان لوگوں نے خیال کیا کہ آنحضرت صلعم کو دیکھکر اُس نے یہ نوعیت کی ہے۔ کیونکہ جب یہ لوگ اُترتے تھے تو وہ اپنے صومعہ سے دیکھ رہا تھا۔ کہ اہل قافلہ کے درمیان آپکے سر مبارک پر ایک پارۂ ابر سایہ افگن ہے۔ تا اینکہ اسی حالت سے قافلہ کے سب لوگ ایک درخت کے نیچے جو وہاں سے بالکل قریب تھا فروکش ہوئے تو پھر اہل قافلہ نے اُس پارۂ ابر کی طرف نظر کی تو اُس کو اُس درخت پر پلیٹ کر دیکھا۔ اور درخت کی شاخوں کو بھی جناب رسول خدا صلعم پر سایہ افگنی کی غرض سے سرنگوں پایا جب بحیرا نے یہ مشاہدہ کیا۔ تو وہ اپنے صومعہ سے نیچے اُترا۔ تب اُن لوگوں کی دعوت کا انتظام کیا۔ اور جب کھانے پک چکے تو اُن لوگوں کے پاس کہلا بھیجا۔ کہ حضرات قریش میں نے آپ کی مہمانی کیلئے کھانے پکوائے ہیں۔ اور میری استدعا ہے کہ آپ سب لوگ چہ بزرگ چہ اطفال چہ غلام چہ آزاد تشریف لاکر ماحضر تناول فرمائیں۔ قریشیوں سے ایک صاحب کہنے لگے کہ اے بحیرا شاید آج کے دن کیلئے کوئی مخصوص شان ہے۔ کیونکہ تم نے ہمارے ساتھ اس سے قبل کبھی ایسے محاسن سلوک ظاہر نہیں کیے تھے۔ آج کی کیا شان ہے؟ بحیرا نے جواب دیا آپ لوگ سچ فرماتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ آپ لوگ مہمان ہیں۔ آج میری یہ خواہش ہوئی کہ میں آپ حضرات کا اکرام و تواضع کروں۔ اور آپ کے لئے کھانے تیار کراؤں کہ آپ سب لوگ ملکر کھائیں۔ چنانچہ سب لوگ خوان دعوت پر جمع ہوئے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صغر سنی اور نیز سامان کی

راٰہ بحیرا جعل یلحظہ لحظا شدیدا و ینظر الی اشیاء من جسدہ وقد کان یجدہا عندہ عن صفتہ حتی اذا فرغ القوم من طعامہم وتصرفوا قام الیہ بحیرا فقال یا غلام اسئلک بحق اللات والعزی الا ما اخبرتنی عما اسئلک عنہ وانما قال لہ بحیرا ذلک لانہ سمع قومہ یحلفون بہما فزعموا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا تسألنی باللات والعزی شیئا فواللہ ما ابغضت شیئا قط بغضہما فقال لہ بحیرا فاللہ الا ما اخبرتنی عما اسئلک عنہ فقال لہ سلنی عما بدا لک فجعل یسألہ عن اشیاء من حالہ من نومہ وہیئتہ وامورہ فجعل رسول اللہ صلعم یخبرہ فیوافق ذلک ما عند بحیرا من صفتہ ثم نظر الی ظہرہ فرای خاتم النبوۃ بین کتفیہ علی موضعہ من صفۃ النبی عندہ (قال ابن ہشام وکان مثل اثر المحجم) قال ابن اسحق فلما فرغ اقبل علی عمہ ابی طالب فقال لہ ما ہذا الغلام منک قال ابنی قال لہ بحیرا ما ہو بابنک وما ینبغی لہذا الغلام ان یکون ابوہ حیا قال فانہ ابن اخی قال فما فعل ابوہ قال مات وامہ حبلی بہ قال صدقت فارجع بابن اخیک الی بلدہ واحذر علیہ یہود فواللہ لئن راوہ وعرفوا منہ ما عرفت لہ لیبغنہ شرا فانہ کائن لابن اخیک ہذا شان عظیم فاسرع بہ الی بلادہ فخرج بہ عمہ ابو طالب سریعا حتی اقدمہ مکۃ حین فرغ من تجارۃ بالشام فزعموا فیما روی الناس ان زریرا وتماما ودریسا وہم نفر من اہل الکتاب قد کانوا اراؤا من رسول اللہ صلعم مثل ما راٰہ بحیرا فی ذلک السفر الذی کان فیہ مع عمہ ابی طالب

نگرانی کی وجہ سے اُسی درخت کے نیچے چھوڑ دیا۔ جب بحیرا نے تمام لوگوں کے مجمع پر نظر کی اور کسی کو بھی اُن میں سے اس صفت کا نہیں دیکھا جسکو وہ پہچان چکا تھا۔ کہنے لگا کہ حضرات قریش کیا آپ نے کسی آدمی کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اور اُسکو دعوت میں شریک نہیں کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اُن تمام لوگوں میں سے جنکو تم نے دیکھا ہے۔ کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ مگر ہاں ایک لڑکے کو البتہ اپنے سامان کی نگرانی کے لیئے چھوڑ آئے ہیں۔ بحیرا نے کہا نہیں ایسا نہ کیجیے اُن کو بھی بلا لیجیے۔ اور دعوت میں شریک کر لیجیے۔ اسی اثنا میں مجمع میں سے ایک صاحب بول اُٹھے کہ لات وعزیٰ کی قسم یہ ہماری لئیم الطبعی ہے۔ کہ اگر ہم اس دعوت میں حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؑ کے یتیم فرزند کو چھوڑ دیں اور اُسکو کھانے میں اپنا شریک نہ کریں یہ کہکر وہ اُٹھے۔ اور آنحضرت صلعم کو لا کر تمام قوم کے ساتھ توان دعوت پر بٹھلا دیا۔ جب بحیرا نے آپ کو دیکھا تو لحاظ خاص سے دیر تک خوب غور کرتا رہا اور پھر آپکے جسم مبارک پر کچھ اشیاء کو دیکھا اور تلاش کرتا رہا۔ تا اینکہ اُن تمام اشیاء کو پا گیا جنکو وہ آپکی صفات خاص کے متعلق خاص طور پر جانتا تھا۔ جب تمام لوگ کھانے سے فراغت پا چکے اور ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ تو بحیرا نے آپ سے کہا۔ کہ اے نوجوان۔ تجھکو لات وعزیٰ کی میں قسم دیتا ہوں۔ کہ میں تم سے اسوقت جو پوچھتا ہوں۔ تم اُسکا پورا جواب دو۔ بحیرا نے اسوجہ سے آپ کو لات وعزیٰ کی قسم دی تھی۔ کیونکہ وہ آپکے اہل قافلہ کو اُن کی قسم کھاتے ہوئے سُن چکا تھا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحیرا کا یہ سوال سُنکر ارشاد کیا۔ کہ مجھے لات وعزیٰ کی قسم دے کر کوئی شے نہ پوچھو۔ مجھے کسی شے سے اتنی نفرت اور اتنا بغض نہیں ہے جتنا اِن دونوں سے یہ سُنکر بحیرا نے کہا۔ کہ اچھا تو آپ کو اب خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ میں جو کچھ آپ سے ابھی پوچھتا ہوں آپ مجھے اُسکا پورا جواب دیں آپنے فرمایا

فاراد وهم فردهم عنه بحيرا وذكرهم الله وما يجدون في الكتاب من ذكره وصفته و انهم ان اجمعوا لما ارادوا به لم يخلصوا اليه ولم يزل هم حتى عرفوا ما قال لهم وصدقوه بما قال فتركوه وانصرفوا عنه۔

ابن هشام جلد اول ص ٦٢ مطبوعه مصر

ہاں اب جو پوچھنا ہو وہ پوچھو۔ یہ سنکر بحیرا نے آپ سے آپکی خواب وبیداری اور دیگر حالات وغیرہ کے متعلق سوال کئے۔ اور آپنے اُسکے استفسرات کے جواب اُس کی معلومات کے مطابق دیئے تھے۔ جو اُسکو آپ کی صفات مخصوصہ کی نسبت پہلے سے حاصل تھے۔ اُس کے بعد اُس نے آپ کے دوش مُبارک کے درمیان مہر نبوت کا مشاہدہ کیا اور یہ بھی اُن علامات میں داخل تھی جو اُسکو آپ کی صفات کے متعلق پہلے سے معلوم تھی۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ مہر نبوت نشان حجامت یعنی پچھنے کے ایسے نشان تھے۔ جب بحیرا آپ کی تلاش حالات اور مشاہدہ صفات وغیرہ سے فراغت کر چکا۔ تو جناب ابیطالبؑ سے مخاطب ہوا اور پوچھنے لگا۔ کہ یہ نوجوان آپکا کون ہوتا ہے۔ ابیطالبؑ نے کہا میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا یہ آپ کا بیٹا تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ مجھے جہاں تک اس کے متعلق علم و اطلاع ہے اُسکا باپ زندہ نہ ہوگا۔ ابیطالبؑ نے کہا میرا بھتیجا ہے۔ بحیرا نے کہا اس کے باپ کیا ہوئے۔ ابیطالبؑ بولے اُنہوں نے قضا کی۔ اور اِنکی ماں بھی گذر گئیں۔ بحیرا نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ آپ اپنے بھتیجے کو اپنے ہمراہ لیکر اپنے شہر کی طرف جلد واپس جائیے۔ اور اِن کی نسبت یہودیوں سے ہمیشہ خائف رہا کیجئے۔ کیونکہ وہ لوگ اگر انہیں دیکھ پائیں گے۔ اور اسی معرفت سے جس معرفت سے میں نے اِنہیں پہچان لیا ہے۔ پہچان لینگے۔ تو اِن کے لیے بہت سے مفاسد پیدا کرینگے۔ کیونکہ آپکے اس بھتیجے کے لیے مرتبہ عظیم حاصل ہونے والا ہے۔ اس لیے آپ جلد انہیں لیکر یہاں سے چلے جائیں۔ بحیرا کے یہ کلام سُنکر حضرت ابیطالبؑ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر بسرعت تمام وہاں سے روانہ ہوگئے اور داخل مکہ ہوگئے۔ جب اس قافلہ تجار کو شام میں تجارت سے فراغت ہوئی۔ جیسا بقول مشہور اہالیان قافلہ سے۔ زریر۔ تمامہ اور دریس نامی یہودیوں نے آنحضرت صلعم کو ہمراہی ابی طالبؑ اس سفر میں دیکھ لیا تھا۔ اور اُنھیں صفات مخصوصہ سے پہچان لیا تھا۔ تو آنحضرت صلعم کی نسبت اُسی وقت سے ارادہ بد کر لیا تھا۔ لیکن بحیرا نے اُن پر سخت اعتراض کیا۔ اور کہا خدا کی قسم کیا تم نے اپنی کتاب میں اِنکی یہ صفات اور حالات نہیں پائے ہیں۔ اور اس خیال سے کہ وہ بدبخت آپ کے ساتھ ارادہ بد کر چکے ہیں اس لیے بحیرا نے اُن کو اُسوقت تک نہ چھوڑا۔ جب تک کہ اُن لوگوں نے بحیرا کے اقوالِ معرفت آنحضرت صلعم کی صداقت نہ کرلی۔ اس کے بعد وہ لوگ اپنے مفسدوں کی نیت سے باز آئے۔ اور وہاں سے چلے گئے۔

ہم نے مضمون زیر بحث کے متعلق عربی ماخذوں کی متعدد عبارتیں نقل کر دیں۔ صرف اس لیے کہ دُنیا دیکھکر اور پڑھ کر بتلا دے۔ کہ ان طویل اور پُرتفصیل عبارتوں کے کس جملہ اور کس فقرے سے عیسائی مولفین آنحضرت صلعم کی راہب بحیرا سے تعلیم پانے کے معنی لیتے ہیں۔ اور اس بنا پر شبلی صاحب کو عیسائیت کی فتح عظیم کا خوف دلاتے ہیں۔ واقعات تو صاف صاف بتلاتے ہیں۔ کہ بحیرا نے عادت انبیاؑ اور سیرت مرسلین کے مطابق آپسے آپ کے ذاتی حالات وصفات کے متعلق چند استفسار پیش کئے۔ اور آپ نے اُسکے تمام سوالوں کے کافی جواب دیئے۔ جنکو سُنکر بحیرا نے آپکو موصوف بصفات جملہ انبیاؑ ہونا لطوہ

کامل یقین کر لیا۔ اور بس۔

اتنی قلیل مکالمت اور مخاطبت سے کون بے عقل آنحضرت صلعم کی نسبت تعلیم و تلقین یا تدریس پانے کے معنی لگائے گا۔ ہاں اگر اس قلیل مکالمت کے علاوہ بحیرا کے ساتھ آپکی صحبت۔ خلوت اور مشورت کسی کتاب میں منقول ہوتی تو عیسائیوں کی ان بدگمانیوں کے لئے کسی قدر گنجائش ہو سکتی تھی۔ مگر یہاں تو سرے سے اس خیال کا وجود ہی نہیں۔ پھر ایسے بے وجود اور لااصل خیال کی فکر کیسی اور خوف ہی کیا۔ یہ سب توہمات متعصبانہ ہیں جو مختلف قسم کے مہیب صورتوں میں پیدا ہو ہو کر اقطاع عالم میں عالمفریبی کے خاص عالم دکھلا رہے ہیں۔ حقیقت شناس تو اس فتح عظیم کے وسواس کے پاس بھی نہیں جاتا۔ بلکہ حقیقت کی نگاہوں سے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ انکی اس قیاسی فتح عظیم کو شکست کامل بتلاتا ہے۔ کیونکہ صورت واقعہ ثابت کر رہی ہے۔ کہ عیسائیت کے اتنے بڑے عالم متبحر نے جو علم و کمال کے اعتبار سے اُس زمانہ کی عیسائی دُنیا میں اپنی مثال اور اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی نبوت کی کامل طور پر تصدیق کر لی پھر تصدیق بھی کیسی عامیانہ اور کورانہ نہیں بلکہ محققانہ اور معرفانہ علاوہ بریں۔ یہ تصدیق اور یہ توثیق بھی کیسے کی اور کیونکر کی۔ اس طرح کہ کتب سماویہ کے صفات مندرجہ سے مطابق کرنیکے بعد اپنی تصدیق و تحقیق معرفت کا اظہار و اقرار کیا۔ اس تحقیق و تصدیق پر بھی اکتفا نہیں کی گئی۔ مشاہدہ کے بعد تجربہ بھی کر لیا گیا۔ جسطرح ابھی ابھی ابن ہشام کی عبارت سے ثابت ہوا۔ کہ اوّل راہب نے اِن صفات کو آپ میں مشاہدہ کرکے تمام قریش کی دعوت کا سامان کیا۔ لیکن مہمان جب کھانے کو بیٹھے۔ تو بحیرا کی واقف کار اور محو انتظار آنکھوں نے اس صفت کا تمام مجمع میں کسی ایک کو بھی نہ پایا۔ جس کے خیر مقدم میں اس ضیافت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا اور حقیقت حال یہ تھی کہ اِن صفات سے موصوف اور اِن خصوصیات سے مخصوص جو ذات مقدس تھی۔ وہ اس مجمع میں بحیرا کے پیش نظر نہیں تھی۔ تا اینکہ آنحضرت صلعم خاص طور پر بلوائے گئے جب تشریف لائے۔ تو بحیرا کو پھر وہ تمام اوصاف و خصائص نظر آنے لگے۔ اس کے بعد طبری کے الفاظ میں راہب بحیرا کا کہنا ھذا سید المرسلین بعثہ رحمۃ للعٰلمین انکی تصدیق رسالت اور اقرار نبوت کا کامل ثبوت ہے۔

بحیرا کی یہ تصدیق نبوت ایسی کامل اور جامع تھی۔ جسکی توثیق و تطبیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ تو گویا راہب بحیرا کی معرفت تمام کتب سماویہ کے مطابق تھی۔ پھر اُس کے کمال میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر اکثر علمائے اسلام نے اُسکے سابق الایمان ہونیکی تصدیق فرمائی ہے۔ دیکھو زرقانی جلد اوّل تذکرہ راہب بحیرا۔ علاوہ بریں۔ امام المتکلمین فخر الدین رازی کی معرفت نبوت کے قرارداد اُصول کے مطابق اگرچہ ایسے شخص نے اقرار شہادتین بھی نہ کیا ہو۔ تاہم ایسے شخص کا ایمان بھی خاص ثابت ہوتا ہے۔ اور اسلام بھی کامل (دیکھو الکلام شمس العلما مولوی شبلی مطبوعہ حیدر آباد)

بحیرا کے اقرار نبوت کے بعد اور اُسکا اعلان بھی مرقومہ بالا مشاہدہ تاریخی سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابیطالب کو آنحضرت کی شان عظیم سے آگاہ کرنا۔ اور بصرے سے فوراً ہی مکہ واپس لیجانے کی تاکید شدید کرنا۔ اشرار یہود کا جو بظاہر میں احبار یہود کہلاتے

تھے۔ مگر حقیقت میں خونخوار تھے۔ اور سفاک۔ آنحضرت صلعم کے متعلق ارادۂ بد کرنا۔ بحیرا کا اُن کے مفسدوں پر اُن کو سرزنش کرنا۔ اور اُنھیں کی کتابوں سے اُنکو معقول کرنا۔ یہ سب کیا تھا۔ نبوّت کی سچی پہچان تھی اور رسالت کا نمایاں اعلان۔ موجودہ صورت حال کو دیکھکر اور پڑھکر ہر شخص بلاتکلف سمجھ لیگا کہ اس عالم نصرانی کے موجودہ طرز عمل نے نصرانیت کی حقانیت پر محویت کا قلم پھیر دیا۔ اور عیسائیت کو شکست کامل پہونچا کر صداقت اسلام کی فتح عظیم کا اعلان عام کردیا۔

مسیحی مصنفین کی خاص عادت ہے۔ اور عیسائی معترضین کا قدیم طرز تحریر کہ وہ اسلام کی نقل واقعات میں طرح طرح کی قلم کاریوں سے کام لیتے ہیں۔ اور اپنے مغویانہ اغراض ومقاصد سے اُنکے غلط معانی لگانے اور خلاف مطلب تبلانے میں ذرا بھی شرم نہیں کرتے۔ جیساکہ راہب بحیرا کی حقیقت حال سے منکشف ہوا۔

اس بحث طولانی کے خاتمہ میں ہم کو اتنا اور تبلا دینا ضروری ہے۔ کہ شبلی صاحب ہوں۔ یا سرسید احمد خان۔ ان حضرات کا اس واقعہ کے وجود ہی سے انکار کرنا ایک بیکار کوشش ہے۔ کیونکہ ایسے صریح انکار سے موّرخین اور محدثین اسلام پر کیا منحصر ہے۔ موضوعیت اور کذب وافترا کا الزام صحیحین تک پہونچ جاتا ہے۔ اور معترضین کی نگاہوں میں اسلام کے ایسے مستند اور معتبرین علماء ومحدثین کی بے اعتباری اور غلط نگاری ثابت کرتا ہے۔ جنکی تالیفات اور تصنیفات کے اعتبار پر اُصول اسلام کے دفتر کی شیرازہ بندی منحصر ہے۔ ایسی حالت میں یہ تردید انکاری تمام کتب حدیث وصحاح کی کسادبازاری کردے گی۔ حالانکہ اُن کی خطا ذرا بھی ثابت نہیں۔ واقعہ صحیح ہے۔ جیساکہ ہم اُوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر خوش قسمتی سے عقیدت مندوں نے جو جوڑ لگایا ہے۔ وہ ایسا بے موقع اور بے تکا ہے۔ کہ اصل وپیوند کا فرق صاف نظر آتا ہے۔ یہ اہل صحاح کی سادہ لوحی ہے۔ یا اپنے اُصول اور طریقہ کی پابندی۔ کہ اس عیب کو آج تک نکال نہ سکے۔

اب رہا یہ امر کہ اس واقعہ کے سراپا موضوع ہونے کے متعلق شبلی صاحب نے صحیح ترمذی کا قول۔ یا تاریخ طبری کے رواۃ کی جرح وقدح تعلیل وتعدیل قائم کی ہے۔ وہ سب دوراز کار اور بے کار کا طومار ہے۔ خود شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ کے جلد اوّل اور جلد دوم بہت سی ایسی حدیثیں مندرج کی ہیں۔ جو مراسیل کیا غریب۔ احاد اور ضعاف میں داخل ہیں اور اُن کتابوں سے برابر حوالے دیئے ہیں۔ جو تمام اقسام کی حدیثوں پر حاوی ہیں۔ ہم تو شبلی صاحب کے اس محققانہ اور مقتدانہ احتیاط کے اُسوقت قائل ہوتے۔ جب ہم دیکھتے۔ کہ آپنے ایسی کتابوں کو اپنا ماخذ نہ بنایا ہوتا۔ شبلی صاحب کو سمجھنا چاہیئے کہ ان کتابوں پر منحصر نہیں۔ ایک ترمذی کیا تمام کتب صحاح احادیث مراسل سے پُر ہیں شبلی صاحب اگر صحاح صرف مصدوق ومرفوع کی تنہا شرط قایم کردیں گے۔ تو اس معیار پر نہ بخاری بخاری رہے گی۔ اور نہ مسلم مسلم۔ چونکہ ہم اس بحث کو کسی قدر اُوپر لکھ آئے ہیں۔ اس لیئے اس میں زیادہ طوالت بے کار ہے۔

باقی رہا شبلی صاحب کا یہ کہنا کہ ابوموسیٰ الاشعری طبری کے ایک طریقہ کا آخر راوی ابوموسی الاشعری چونکہ شریک واقعہ نہیں تھا

اسلیئے اسکا قول قابل قبول نہیں۔ یہ آپکا وہم ہے۔ جو سرسید کی طویل حُسنِ خدمت سے عارض ہوا ہے۔ اُن کو بھی خطبات کے
اکثر مقامات میں ایسے ہی توہمات پیش آچکے ہیں۔ اعتراض پہلے دونوں حضرات کو اپنی تعریض کی حقیقت اور مطابقت
قائم کرلینی تھی۔ اور وہ کسی طرح قائم نہیں ہوسکتی۔ ظہور رسالت کے واقعات جو صحابہ کی زبانی مرقوم ہیں۔ اُن میں آپ حضرات
اُنکی ذاتی شرکت کی تلاش کیونکر کرسکتے ہیں اور اُنکی شرکت کو کیسے پاسکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے ایسے قدیم صحابہ کی شرکت کو
ابھی ابھی آپ خود موضوع ومجہول ثابت کرچکے ہیں۔ اور حقیقتاً ہے بھی ایسا ہی۔ تو پھر ابو موسیٰ الاشعری اور دیگر متاخرین صحابہ
کی شرکت کی تلاش تو ایک کھولی ہوئی عقل والے کا کام ہوگا۔ حضرت ابوبکر مذکورۂ بالا واقعہ میں اگر شریک نہیں تھے تو پیدا
تو ضرور ہوچکے تھے۔ اسلیئے اُنکا اس واقعہ کا ذکر کرنا اگرچہ عقلاً مستبعد ہوگا۔ مگر محال وناممکن نہیں ہوسکتا۔ لیکن اُن کے ذکر شرکت
پر ایسا شدید انکار کیا گیا۔ تو پھر اس واقعہ میں ابو موسیٰ الاشعری کے ایسے متاخرین صحابہ کی تلاش شرکت تو اپنے معیار سے
خود انکار کرنا ہے۔ اس لیئے شرکت واقعہ کی دلیل قائم نہیں ہوسکتی۔ ہاں آپکو اس کے پوچھنے کا حق ضرور حاصل ہے۔ کہ
ابو موسیٰ نے کس سے سُنا؟ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عالمان احادیث اور امامان مرویات نے قول صحابہ کو اتنی اہمیت اور عظمت
دیکر نقد احادیث کے اُصول میں صاف صاف لکھدیا ہے کہ مراسیل صحابہ صحیح ہیں اور معتبر تو ایسی حالت میں اس استفسار کا حق
بھی آپکو مشکل سے حاصل ہوسکتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم اس بحث کو اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتے اور اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

راہب بحیرہ کا واقعہ اسلام کی صداقت اور آنحضرت صلعم کی رسالت ونبوت کا معیار عظیم ہے۔ رحمۃ العالمین کے
صفات قدسیہ اور سید المرسلین کے کمالات نبویہ کے متعلق اس عالم نصرانی کا اقرار۔ اعتراف اُسکی تصدیق وتوثیق حقیقت میں اُصول
اسلام کی بنیاد کو ایسی مستحکم اور استوار کرتی ہے۔ جو نصرانیت اور رہبانیت کے بڑی بڑی زور آزما پہلوانوں کے ہلائے نہ ہل سکتی ہے نہ گرائے
گر سکتی ہے۔ عیسائیوں کو دراصل یہ کمزوری ہے اور اُنکے اُصول کا حقیقی ضعف۔ جو اسلام کی ایسی عظیم الشان فتح کو صرف علم
فریبی کی غرض سے عیسائیت کی کامیابی تبلاتے ہیں۔ یہ اُنکا ایسا غلط دعویٰ ہے جو نہ عقل سے ثابت ہوتا ہے نہ نقل سے۔

ہم کو آخر میں یہ بھی تبلادینا ضروری ہے کہ مؤلفین اسلامی سے اس واقعہ کی نقل واندراج میں غلطی بھی واقع ہوئی ہے
اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ محدثین سے زیادہ مورخین کا طبقہ اس کے لیئے زیادہ جواب دہ ہے۔ وہ غلطی یہ ہے کہ بحیرا کے
واقعہ کو تمام مورخین اسلامی نے عموماً واقعات تاریخی کے سلسلہ میں بیان کیا ہے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ اُنکے نزدیک یہ واقعہ اُس زمانہ میں
پیش آیا جب سن مبارک بارہ تیرہ برس کا ہوچکا تھا۔ اس بنا پر تمام تاریخوں نے ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارھویں
سال کے تفصیلی حالات میں اس واقعہ کو قلم بند کیا ہے۔ مورخین کو اس کے نقل سے پہلے اسکی اصلیت اور مناسبت پر لحاظ کرنا چاہیئے
تھا۔ ہم کو اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ واقعہ آپ کی عمر کے بارھویں سال میں واقع ہوا۔ لیکن سوائے اس تعلق اور مناسبت کے
اس واقعہ کو آپ کے ذاتی حالات سے جو سیرت کا نہ اصل موضوع ہے۔ اور نہ مقصود۔ کوئی علاقہ اور واسطہ نہیں۔ اس واقعہ میں
جس قدر حالات ہیں۔ وہ آپ کے صفات وعلامات نبوت وغیرہ کے انکشاف کرتے ہیں۔ اس لیئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے۔

کہ اس واقعہ کے نقل و ذکر کا یہ مقام نہیں تھا۔ بلکہ اس کو اعلان نبوت اور اظہار رسالت کے قریب جگہ دینی چاہیئے تھی اور نبوت کی پیشین گوئیوں اور سلسلۂ بشارت میں انکو قلم بند کرنا بہتر تھا۔ لیکن باایں ہمہ یہ مقامی نامناسبت اس واقعہ کی موضوعیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ مورخین نے چونکہ عام طور سے آپ کی بشارت کو وقوعات قبل از ولادت سمجھکر اپنی اپنی تالیفات میں بہت کم بیان کیا ہے۔ اور اپنی موضوع تالیفی سے زائد سمجھا ہے۔ اور ایک حد تک صحیح سمجھا ہے۔ اس لیئے اس واقعہ کو آپکی صغر سنی کے حالات میں نقل کر دیا ہے۔ مگر وہ نقل بھی اسی حد تک ہے جس حد تک اُس کی اصلیت ہے اور وہ اتنی ہی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات میں بحیرا کی نبوت و رسالت کے وہ تمام وصفات و علامات جو اپنی کتب و صحائف میں اُنہے پڑھے تھے۔ تمام و کمال مشاہدہ کیئے۔ خود اُنکی تصدیق کی اور دوسروں سے کرائی۔

مورخین اسلام کا اس واقعہ کے نقل و ذکر سے صرف اسی قدر مدعا تھا۔ اور اُس کی حقیقت اور اصلیت بھی اتنی ہی تھی۔ عیسائی مصنفین کی دیانت داری اور حقیقت نگاری کا مقتضا یہی تھا کہ اس واقعہ کو وہیں تک محدود رکھتے جہانتک انھوں نے اصل ماخذوں میں پایا تھا جیسا کہ مولوی شبلی صاحب تبلا آئے ہیں۔ اور منشاء دیانت و عدالت یہی تھا کہ اُس کے مقاصد و مطالب میں مغویانہ قلم کاریوں سے کام نہ لیتے۔ تو اہل اسلام کو اُن کے ان تحریفانہ طرز عمل کی تنقید و تردید کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن مقتضائے طبیعتش انیست کہ مطابق اُنکے تعصب اور نفسانیت نے اس موقع کو اپنی عالم فریب قلم کاریوں کے لیئے غنیمت سمجھا۔ اور اس سے وہ لایعنی اور مہمل معنی و مطالب نکالے۔ جنکو نہ حقیقت سے واسطہ ہے۔ اور نہ اصلیت سے سروکار۔

مرقومۂ بالا واقعات سے معلوم ہو چکا ہے۔ کہ حضرت ابی طالبؑ آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم کو لیکر اُس مقام سے واپس چلے آئے۔ اور اپنے جگر گوشہ کی حفاظت جان کے مقابلہ میں مال تجارت کے نقصان یا اصل سرمایہ کے تاوان کا کوئی خیال اور کوئی پرواہ نہیں کی۔ قریش کا یہ سالانہ تجارتی قافلہ تھا۔ اور اُس میں اُنکے قدیم دستور کے مطابق تمام قبائل عشائر کے اکابر و عمائد میں شامل تھے۔ یہانتک کہ ابی طالب کے سوا عبدالمطلب کے اور صاحبزادے بھی شامل تھے۔ بحیرا نے جناب رسالتمآب صلعم کی حفاظت و نگرانی کے متعلق جو کچھ کہا تھا۔ اور تائید کی تھی۔ وہ ان سب کے سامنے کی تھی۔ اور نیز آپ کی ذات میں نبوت و رسالت کے جو صفات و علامات پائے تھے۔ اُنکا اعلان کیا تھا۔ وہ سب کے مقابلہ میں کیا تھا۔ لیکن بحیرا کی اس صلاح و تاکید کا جو کچھ اثر ہوا۔ وہ صرف حضرت ابیطالبؑ کے قلب پر اور کسی پر نہیں۔ یہانتک کہ عبدالمطلبؑ کے اور بیٹوں میں سے کوئی صاحب اتنا بھی متاثر نہوئے۔ کہ تجارت کے کاروبار میں چند دنوں بھائی بھتیجے کو بصرے سے مکہ تک پہونچا دیں۔ ابی طالبؑ اسکی اصلیت کو خوب سمجھتے تھے۔ اسلیئے اسکی نسبت نہ بھائیوں سے اصرار کیا اور نہ التماس کس لیئے؟ اس لیئے کہ وہ اپنے موجودہ منصب کی ذمہ داریوں سے خوب واقف تھے اور سمجھتے تھے۔ کہ حضرت عبدالمطلبؑ نے اس منصب کی تفویض میں تعمیم نہیں اختیار کی۔ اور اس ودیعت الٰہی کی حفاظت و نگرانی کیلیئے تخصیص جاری فرمائی۔ جو حقیقتاً نظام مشیت کا

اصلی منشاء و مدعا تھا۔ تو پھر اس میں دوسروں کی امداد و امانت کا خواستگار ہونا نظام قدرت میں خلل ڈالتا ہے حضرت ابیطالبؑ کی یہ احتیاط یہ استقلال اور یہ پائداری اُنکے اُن ذاتی خصوصیات و صفات کا پُورا ثبوت دیتی ہے۔ جنکی بناء پر حفاظت رسول صلعم کے منصب اعلےٰ کے لیئے مدبرین قدرت نے انکا انتخاب فرمایا تھا۔ اور جن کے موجودہ اور نیز آئندہ طرز عمل اور حُسن خدمات نے اسکے لیئے اُسکو پُورا موزوں اور مناسب ثابت کر دیا۔

محاسن اطوار قبل از بلوغ

اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک اُسوقت بارہ برس کا ہو چکا تھا۔ وہ زمانہ تھا کہ طفولیت تمام ہو رہی تھی اور شباب آغاز ہو رہا تھا۔ اِس سفر کے بعد پھر کامل جوان ہونیکے زمانہ تک آپکا سفر کرنا صحیح طور پر ثابت نہیں۔ بعض حدیثوں کی کتابوں سے پھر ایک حضرت ابیطالبؑ آپکا شام کی طرف دوبارہ جانا معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ مرویات اصلاً و نقلاً وہی ہیں۔ جو حضرت ابوبکر کی شارکت کی معتقدانہ تاویلات ہیں۔ اور صحت سے بالکل خالی۔ بعض مورخین نے محدثین کے زیر اثر اسکو جا بجا نقل بھی کر دیا ہے۔ مگر وہ اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اِس سفر کے بعد پھر آپنے کامل جوان ہونیکے زمانہ تک کہیں کا سفر نہیں کیا۔ اور نہ ابیطالبؑ آپکو پھر کسی سفر میں اپنے ہمراہ لیگئے اُسوقت سے لیکر جوان ہونیکے زمانہ تک آپکی ذات بابرکات اُن محاسن صفات سے تمام اعلیٰ اور کیمیا جوہر ظاہر و آشکار ہونیلگے۔ جو عام فطرت انسانی میں نہایت کم بلکہ نہیں پائے جاتے تھے۔ آپ کے تمام قوائے مدرکہ اُسی وقت فضل و کمال کے اُس حدود انتہائی تک پہونچے ہوئے تھے جن سے انسان کا دسترس دشوار تھا۔ قوائے علمی۔ نظری اور حسی کے کمالات سے آپکے تمام محاسن اعمال اور مکارم اخلاق واضح اور لائح تھے۔ نیک نفسی۔ سلامت روی۔ پاکیزہ طبعی۔ ہر طرز عمل سے پیدا تھے۔ شرم وحیا۔ کرم وعطا۔ زہد و اتقا۔ صبر و تحمل اور عدل و انصاف آپ کے خاص شعار۔ صلہ رحم۔ ادائے حقوق جار اور اعانت مظلوم آپ کے صفات ذاتی کے اصلی معیار تھے۔ حلم و وقار۔ تواضع۔ راست گوئی اور امانتداری آپکی فطرت صالحہ کے حقیقی جوہر۔ غور و فکر۔ ترک علائق اور استحقاق فی الحقائق۔ ترکیب طبع قدسیہ کے اصلی عنصر تھے۔ مقدس طبیعت اچھی باتوں پر جبلطرح ہمیشہ راغب اور مائل رہا کرتی تھی۔ اُسی طرح بُری باتوں سے کنارہ اور متنفر رہتی تھی۔ ایماندار۔ دیانتدار اور صداقت شعار لوگوں سے ملنے جُلنے کیلیئے جتنا سیلان طبیعت تھا۔ اُتنا ہی مغرور۔ ظالم۔ درشت خو۔ کینہ پرور کج خلق اور خود غرض لوگوں کی صحبت سے احتراز و استحفاظ اختیار کیا جاتا تھا۔ اِن محاسن صفات کا اُسیوقت مکہ کے تمام قبائل و اقوام پر اتنا اثر تھا کہ ہر فرد بشر آپکو ایک بڑی عظمت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ خلوت و جلوت کی صحبتوں میں آپکا سکوت کم سخنی اور اکثر خاموشی۔ حاضرین کے قلوب پر خاص اثر کرتی تھی۔ مجمع میں تکلم کے وقت لفظ لفظ سے صحت و صداقت۔ فصاحت و بلاغت کی اس کثرت سے گہر ریزی ہوتی تھی۔ کہ کسی کو مجال سخن نہیں ہوتی تھی۔ ابن سعد نے طبقات میں ان تمام صفات کو ذیل کی عبارت میں نقل کیا ہے۔ طبری اور ابن ہشام میں بھی قریب قریب یہی عبارت درج ہے۔

وشب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مع ابی طالب

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عم محترم حضرت ابیطالبؑ کی

يوكّل الله ويحفظه ويحوّطه من امور الجاهلية ومعائبها لما يريد من كرامته وهو على دين قومه حتّى بلغ ان كان رجلاً افضل قومه مودة واحسنهم خُلقاً واكرمهم مخالطة واحسنهم جواراً واعظمهم حلماً وامانة واصدقهم حديثاً وابعدهم من الفحش والاذى ما رأى ملاحياً ولا ممارياً احداً حتّى سمّاه قومه الامين لما جمع الله له من الامور الصالحة فيه فلقد كان الغالب عليه بمكة الامين وكان ابو طالب يحفظه ويعضده وينصره الى ان مات ص ۷۷

حفاظت ونگرانی میں جوان ہوئے۔ پروردگار عالم نے ہر طریقے سے آپکی تائید کی۔ اور مراسم جہالت کے تمام معائب و مناقص سے محفوظ و مصون رکھا کیونکہ ان کراستوں سے ارادہ مشیت میں آپکی قوم کو دینداری کے طریقہ پر لانا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ان تمام محاسن صفات سے آراستہ ہوکر سن بلوغ تک پہونچے تو تمام قبائل و اقوام میں باعتبار خلق و مروت کے افضل ترین حسن اخلاق میں نیکوترین۔ باہمانہ مراسم و اتحاد میں اکرم ترین۔ حلم و امانت میں اعظم ترین۔ اور تقریر و بیاں میں صادق ترین مردم تھے۔ ایذا رسانی فحش زبانی اور دیگر افعال ضیمہ رکھنے والے لوگوں سے زیادہ علیحدہ رہنے والے اور ہمیشہ پرہیز و احتیاط اختیار کرنے والے تھے کسی شخص نے آپ کو تند مزاج اور تلخ کلام نہیں دیکھا یہاں تک کہ تمام قوم قریش اور باشندگان مکہ نے اُسی وقت سے آنحضرت صلعم کو الامین کا خطاب دیا۔ اور حضرت ابوطالبؑ برابر آپ کی حفاظت ونگرانی۔ اعانت اور نصرت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔

حربُ الفجار میں شرکت

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بیس برس کی ہوئی۔ تو عرب کی یہ مشہور و معروف لڑائی موقوف ہوئی۔ جو ایام جہالت کا آخر معرکہ تھا۔ یہ جنگ بھی اہل عرب کے نامحدود سلسلہ جنگ کی ایک کڑی تھی۔ اور ایام جہالت میں مردم آزاری اور خون خواری کی ایک زندہ مثال۔ یہ لڑائی قبیلہ قریش اور قبیلہ قیس کے مابین ہوئی تھی سبب جنگ ابن سعد ان الفاظ میں بتلاتے ہیں۔

كان سبب حرب الفجار انّ النعمان ابن منذر بعث بلطيمة له الى سوق عكاظ للتجارة واجارها له الرحال عروة ابن عتبة ابن جابر ابن كلاب فنزل على الماء يقال له اوارة فوثب البراض بن قيس احد بني بكر بن عبد مناة بن كنانة وكان خليعاً على عروة فقتله وهرب الى خيبر فاستخفى بها ص ۸۰

حرب الفجار کا سبب یہ تھا۔ کہ نعمان ابن منذر اپنے جانوران باربرداری پر سامان تجارت لیکر عکاظ کے میلے میں تجارت کی غرض سے آیا تھا۔ اُن جانوران باربرداری کو عروہ ابن عتبہ نامی شخص نے جو بنی کلاب کے قبیلے سے تھا کرایہ لیا اور اُن کو لیکر ایک پانی کے چشمے پر جو اُوارہ کے نام سے مشہور تھا۔ اُترا براض ابن قیس نے جو قبیلہ بنی بکر کا ایک آدمی تھا۔ اور قوم و قبیلے سے نکالا ہوا تھا عروہ کو غافل پاکر مار ڈالا۔ اور بھاگ کر خیبر میں جا چھپا۔

جنگ کا سبب تو یہ تھا۔ اثر یہ ہوا کہ قریب قریب تمام قبائل و عشائر جہالت کے قدیم دستور کے مطابق آپس میں گتھ گئے۔ قتل و قصاص کا معاملہ تھا۔ اسلیئے طرفین سے تحمل اور واگذاشت قطعی ناممکن تھی۔ عروہ کے قتل کی خبر جب عکاظ کے میلہ میں پہونچی جو اُسوقت تمام قبائل و عشائر کا مرکز تھا۔ تو اس خبر کے سنتے ہی قریش اور اُنکے حلیف اور طرفدار قبائل نے بنی کنانہ کا ساتھ دیا۔ اور بنی قیس سے عروہ کا قصاص طلب کیا۔ قریش نے بنی قیس پر صرف یہی الزام نہیں لگایا تھا بلکہ ایام حرم میں

خونریزی کرنے سے ان کو قومی مجرم بھی قرار دیا تھا۔ قریش بنی کنانہ اور اُن کے معاون قبائل عروہ کے خون ناحق سے اسقدر متاثر ہوئے کہ وہ سب کے سب عکاظ کے میلے سے اپنا اپنا مال تجارت واپس لیکر مکہ چلے آئے۔ اور بنی قیس سے مقابلہ و مقاتلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ بنی قیس بھی عرب تھے۔ وہ کیوں دبنے لگے۔ بالآخر جانبین سے مقابلہ ہو ہی گیا۔ اور سخت معرکہ پڑا اور بڑی خونریزی ہوئی۔ چونکہ اس میں تمام قریش کے قبائل داخل تھے۔ اس لیئے بنی ہاشم بھی شریک تھے۔ اور اپنے اعمام کے ساتھ جناب خیر الانام علیہ وآلہ السلام بھی۔ میدان کارزار میں بنی قیس کو قریشیوں پر دوپہر تک غلبہ حاصل رہا مگر دوپہر کے بعد قریش نے بنی قیس کو زیر کر لیا۔ اور آخر کار لڑائی جانبین سے صلح پر تمام کر دی گئی۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معرکہ میں اپنی شرکت کا خود ذکر فرمایا ہے۔ قال رسول اللہ صلعم ذکر الفجار فقال قد حضرتہ مع عمومتی۔ میں اس معرکہ میں اپنے اعمام کے ساتھ شریک تھا۔ اس معرکہ میں آپکی شرکت کا سبب اول تو یہ تھا کہ قریش حق پر تھے۔ اور ایک خون ناحق کے طالب قصاص۔ اس سبب سے انکا یہ طرز عمل ہر منصف مزاج اور عدالت پسند شخص کے نزدیک پسندیدہ تھا اور مناسب۔ دوم یہ کہ اپنے قبیلہ کی عظمت و اقتدار اور امر حق میں اپنے بزرگوں کی حمایت و نصرت بھی ضروری تھی۔ وقت اور موقع کی ان ناگزیر ضرورتوں نے آپ کو اس معرکہ میں شریک ہونیکے لیئے تیار کر دیا تھا۔ اور آپ کی یہ شرکت اپنے اعمام کی حمایت و نصرت تک محدود تھی۔ جیسا کہ ابن ہشام قول رسول صلعم سے صاف طور سے ان الفاظ کی تصریح کر دی ہے کنت انبل علیٰ اعمامی ای اردّ عنہم نبل عدوھم اذا رموھم بھا۔ میں اپنے اعمام کی طرف سے تیر چلاتا تھا۔ یعنی اُن تیروں کو رد کرتا تھا۔ جو میرے اعمام پر اُن کے دشمن چلاتے تھے اس قول مُبارک کی بنا پر اس جنگ میں آنحضرت صلعم کا طرز عمل بالکل مدافعانہ ثابت ہوتا ہے۔ نہ مخاصمانہ۔ اور حقیقت میں جس طرح جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض اپنے اعمام کی نصرت و حمایت کی ضرورت سے اس لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ اسی طرح بنی ہاشم بھی۔ قریش کی قرابت اور باخود باہمی مراسم کے لحاظ سے شریک جنگ ہوئے تھے۔ ورنہ اصل مخاصمت بنی کنانہ اور بنی قیس کی تھی۔

امام سہیلی نے ابن ہشام سے زیادہ تفصیل کے ساتھ تصریح کر دی ہے۔

وانما لم یقاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اعمامھم فی الفجار وقد بلغ من القتال لانہا کانت حرب فجار وکانوا ایضاً کلھم کفاراً ولم یؤذن اللہ لمؤمن ان یقاتل الا یکون کلمۃ اللہ ھی العلیا	جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اعمام کا ساتھ دیکر اس جنگ میں شرکت نہیں کی۔ باوجودیکہ آپ مقابلہ اور مقاتلہ کے سن تک پہونچ چکے تھے۔ اس کا باعث یہ تھا کہ یہ جنگ ایام حرام میں واقع ہوئی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ جانبین کفار تھے۔ اور اہل ایمان

کے لیئے تو صرف اعلائے کلمۃ اللہ کی تنہا غرض سے دست بقبضہ ہونے کا حکم ہے۔

حرب الفجار کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ یہ جنگ ایام حرام میں واقع ہوئی۔ اور یہ وہ ایام مخصوصہ

تھے کہ جن میں جہالت اور اسلام دونوں زمانوں میں عام طور سے جدال و قتال۔ فوج کشی اور خونریزی وغیرہ قطعی ممنوع تھی۔ اسی بنا پر اس جنگ کا نام حرب الفجّار رکھا گیا۔ ؎

حلف الفضول کے معاہدے میں شرکت

حربُ الفجّار کا فیصلہ طرفین کی مصالحت سے ہوگیا۔ مگر کوئی زمانہ ہو نیک و بد۔ بیدرد و ہمدرد طبیعت والوں سے خالی نہیں رہتا۔ اس لیے حربُ الفجّار سے اہل مکہ کی دردمند اور انصاف پسند طبیعت والے بے حد متاثر ہوئے۔ اور ان میں سب سے زیادہ اثر لینے والے بنی ہاشم تھے۔ ابن سعدؔ نے انکی تخصیص کی کامل تصریح کر دی ہے اُنکے الفاظ یہ ہیں لا نعلم احدا سبق بنی هاشم بهذا الحلف میری تحقیق میں بنی ہاشم پر کبھی فردِ واحد کی سبقت اس معاہدے میں ثابت نہیں ہوتی۔ طبقات ج ۱ ص ۸۲۔

اس معاہدے کا خیال بنی ہاشم میں سب سے پہلے زبیر بن عبد المطلبؑ نے پیدا کیا۔ اور اُسکی وجہ یہ ہوئی۔ کہ حرب فجّار میں بنی قیس اور بنی کنانہ کے قتل و خونریزی کو دیکھ کر ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ کم سے کم مکہ سے ایسے مرکزی مقام کو عرب کی سفاک اور بیدادگر قوم کے حملات سے محفوظ رکھنا ضرور ہے۔ لیکن یہ استحفاظ باہمانہ اتحاد کے معاہدے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس غرض سے زبیر ابن عبد المطلبؑ نے دیگر اکابر و عمائد قریش کو اس تجویز میں اپنا ہم خیال اور ہم کلام بنایا طبقات میں انکی تجویز و تدبیر کی عملی صورت ان الفاظ کیساتھ دکھلائی گئی ہے

كان حرب الفجّار فى شوال وهذا الحلف فى ذى القعدة وكان اشرف حلف كان قط و اول من دعا اليه الزبير بن

جنگ فجار شوال میں واقع ہوئی۔ اور حلف الفضول ذی قعدہ میں۔ اور یہ معاہدہ تمام سابق معاہدوں سے اشرف و افضل تھا۔ سب سے پہلے اس

؎ شبلی صاحب نے بڑی خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے کہ حرب الفجّار میں آل ہاشم کے علمبردار زبیر بن عبد المطلبؑ تھے۔ قریش کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب ابن اُمیّہ جو ابو سفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا۔ سپہ سالار اعظم کے خطابی الفاظ موٹے قلم سے لکھے گئے ہیں زبیر بن عبد المطلبؑ کی کوئی معرفت نہیں کرائی گئی ہے۔ اور حقیقتاً کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ لیکن قریش کے سپہ سالار اعظم حرب ابن اُمیّہ کی کامل تفصیل و تخصیص سے معرفت کرائی گئی۔ کہ آپ ابو سفیان کے والد ماجد اور امیر معاویہ صاحب کے جد امجد۔ اس مخصوص تفصیل سے جو آپ کی اصلی غرض تھی وہ ہم سمجھ گئے۔ آپکی اتنی خامہ فرسائی وہی بنی اُمیّہ کی خیر خواہی ہے۔ اور وہ اس غرض سے ہے۔ کہ آپ اُسی وقت سے بنی ہاشم پر بنی اُمیّہ کی ایک گونہ حکومت و امارت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ کے اس مصنوعی اقتدار کی حقیقت کا انکشاف تو عنقریب ہم اپنے مقام پر کریں گے۔ لیکن یہاں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ آپکے ممدوح ذی اقتدار حرب الفجّار کے سپہ سالار تھے۔ اُن کی ذی اقتداری کی شان تو یہیں سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اب رہی بنی ہاشم کی امارت۔ وہ شرکت رسول صلعم کی وجہ سے نعوذ باللہ جس طرح ذات سرور کائنات پر لازم آتی ہے۔ ویسے ہی سارے بنی ہاشم اور جمیع قریش پر۔ اگر اس توضیح سے آپکا یہی مقصود ہے۔ تو خدا آپ کو مبارک کرے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس تصریح و توضیح سے یا اس معرفت سے بنی اُمیّہ کی کونسی عظمت ثابت ہوئی۔ جب خود شبلی صاحب امام سہیلی کی اس عبارت سے کانت حرب فجّار و کانوا ایضا کلهم كفّاراً یہ حرب فجار تھی۔ کیونکہ جانبین سے کفار تھے۔ اسکی حقیقت کو دکھلا چکے ہیں۔ شبلی صاحب کے حرب صاحب اگر کسی کفار کے سپہ سالار اعظم بنیگے۔ یا کسی کافر سلطنت اور مشرک حکومت کے شہریار اعظم ہو گئے۔ تو اس سے اہل اسلام یا ارباب ایمان کیسے مرعوب بنائے جائینگے۔ المؤلف سید اولاد حیدر عفی عنہ

عبد المطلب فاجتمعوا بنو هاشم وزهرة وتيم في دار عبد الله بن جدعان فصنع لهم طعاما فتعاقدوا وتعاهدوا بالله القاتل لنكونن مع المظلوم حتى يودي اليه حقه ۔ طبقات ص ۸۲

معاہدے کی زبیر بن عبد المطلبؓ نے ابتدا کی اور لوگوں کو اسکی دعوت کی ۔ بنی ہاشم زہرہ اور تیم اس معاہدے کی غرض عبد اللہ ابن جدعان کے مکان میں جمع ہوئے ۔ پہلے حاضرین کی ضیافت کی گئی ۔ پھر سب نے مجلس مجوزہ کا انعقاد کیا ۔ اور خدا کو درمیان دیکر فیمابین معاہدہ کیا ۔ کہ وہ لوگ مظلومین کی طرف سے ظالمین کے ساتھ اسوقت تک مقابلہ کریں گے جب تک کہ ظالم اپنے مظالم کی دیت و معاوضہ مظلوم کو نہ دے دے ۔

اس معاہدے میں بنی ہاشم کے فرد واحد ۔ بلکہ اُن سب کے مایۂ افتخار ہونے کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے ۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں ۔

ما احب ان لي بحلف حضرته في دار عبد الله بن جدعان حمر النعم واني اغدته هاشم وزهرة وتيم وتحلفوا ان يكونوا مع المظلوم ولو دعيت به لاجبت وهو حلف الفضول ۔ طبقات ۸۲

اس معاہدے کے عوض میں جو دار عبد اللہ بن جدعان میں منعقد ہوا تھا اور جس میں بنو ہاشم ۔ بنو زہرہ اور بنو تیم نے اس امر پر قسم کھائی تھی حلف اُٹھایا تھا کہ وہ مظلومین کی اعانت و حمایت کیا کریں گے ۔ مجھے سرخ رنگ والے اُونٹ بھی دیے جائیں ۔ تو میں نہ لوں ۔ اور آج بھی اگر ایسے معاہدے کے لیے مجھے کوئی بلائے ۔ تو میں حاضر ہوں ۔ وہ معاہدہ حلف الفضول تھا ۔

یہ امر بھی ضرور تبلا دینے کے قابل ہے ۔ کہ حمایت مظلوم کے اس معاہدے میں صرف بنو ہاشم ۔ بنو زہرہ اور بنو تیم بھی شامل تھے ۔ بنو امیہ کا نام کسی تاریخ سیرت یا حدیث کی کتاب میں نہیں پایا جاتا اس سے ہر شخص بلا تامل سمجھ لیگا کہ شبلی صاحب کا ابھی ابھی تبلایا ہوا اتنا بڑا ذی اثر اور مقتدر قبیلہ اخلاق میں کتنا کمزور اور مظالم کا کیسا خوگر تھا ۔ جو باوجود اسکے کہ اس معرکہ میں فوج قریش کا سپہ سالار اعظم تھا لیکن اس سے نہ کچھ متاثر ہوا ۔ اور نہ بعد اُسکے قوم کے اس معاہدے میں شریک ہوا ۔ بلکہ اپنی جہالت پسند فطرت اور جفا جو طبیعت کے زیر اثر ہو کر استیصال مظالم اور قاتل ظلہ وقت کے جو انتظام عدالت پسندان و دردمندان قوم نے تجویز کئے تھے ۔ اُس سے اغماض و روگردانی کر گیا ۔ اور شریک نہوا ۔ افسوس شبلی صاحب نے ۔ جس قبیلہ کی قدامت اور عظمت ثابت کرنیکی بنیاد قائم کرنا چاہی ہے ۔ وہ آغاز ہی سے شقاوت شعار اور مظلومین کو چھوڑ کر ظالمین کا مددگار ثابت ہوتا ہے ۔

جہاں تک تحقیق کیا گیا ہے ۔ اس معاہدے میں سوائے مرقومہ بالا تین قبائل قریش کے کوئی دوسرا قبیلہ داخل نہیں تھا بلکہ قبائل دیگر ساکنان مکہ کی جگہ بیرونی قرب و جوار کے اکثر نفوس شامل تھے ۔ یہ کس لیئے تھا ؟ اس لیئے کہ اس معاہدے میں نہ شریک ہونے والے قبائل اپنی جنگ جو طبیعت سے مجبور تھے ۔ اور جہالت کے اثر سے سفاکی اور خونریزی اور ہر قسم کے مظالم کو ہمیشہ کا پیشہ اور اپنی معیشت کا مستقل ذریعہ سمجھتے تھے ۔ اس سبب خاص سے وہ اس معاہدہ میں شریک ہونے پر راضی نہوئے جو اُن کے اکتساب معیشت کے طریقوں میں سدّ باب ہوتا تھا ۔

شبلی صاحب کی اُس تحریر سے جو اُنہوں نے اس حلف الفضول کی وجہ تسمیہ میں قلم بند فرمائی ہے ۔ ہمارے مندرجہ بالا بیان

کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔" اس معاہدہ کو حلف الفضول اس لئے کہتے ہیں۔ کہ اوّل اوّل اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو ہوا۔ اُن کے نام میں فضیلت کا مادّہ داخل ہے۔ یعنی فضل بن حرث۔ فضل بن دواعد اور مفضل۔ یہ لوگ بنی جرہم اور قطورا کے قبیلے کے لوگ تھے۔" یہ تحریر بتلا رہی ہے۔ کہ دیگر قبائل کے لوگ تو اس معاہدہ میں شریک ہوئے۔ لیکن قریش میں سوائے تین قبائل کے اور کسی کو اس میں شرکت کی توفیق نہ ہوئی۔ جسکی وجہ صرف وہی ہو سکتی ہے۔ جو اُوپر لکھی گئی۔

لیکن شبلی صاحب نے اپنی اس تحریر میں اپنے سابق مختارے انحراف فرمایا ہے۔ آپ کے سہو و ذہول کا یہ طریقہ آپکی تالیفات میں اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔ اس واقعہ کی ابتدا میں تحریر فرمایا گیا ہے "جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے۔ تو زبیر ابن عبدالمطلب نے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے۔ یہ تجویز پیش کی" غرضیکہ بنی ہاشم کے ساتھ اس خیال کی اوّلیت کا خود اعتراف فرمایا گیا ہے۔ اور اپنا یہ اقرار و اعتراف بھی طبقات ابن سعد کے حوالہ پر محول کیا ہے جسکی اصل عبارت ہم اُوپر نقل کر آئے ہیں۔ اور جس میں آل ہاشم کا اِس خیال و تجویز میں سب سے پہلے سبقت کرنا بالتصریح منج ہے۔ پھر باوجود اس اقرار و اعتراف کے مندرجہ بالا عبارت میں کیونکر اور کس بنا پر لکھا جاتا ہے۔ کہ اوّل اوّل اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو آیا۔ اُن کے نام میں لفظ فضیلت کا مادہ داخل تھا۔ یعنی فضل ابن حرث۔ فضل بن وداعۃ اور مفضل۔ یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلے سے تھے" تو گویا معلوم ہوا۔ کہ اس کی اولیت بنی ہاشم سے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ بنی جرہم اور بنی قطورا اسکے موجد اوّل ہیں۔ شبلی صاحب کے ان اعتراف و اختلاف کو غور سے دیکھکر اہل بینش آپ کی تلوّن مزاجی اور تغیر طبعی کا خود اندازہ کریں گے۔ وجہ تسمیہ جو مادہ فضل کی رعایت سے بتلائی گئی ہے اُسکے اصل ماخذ کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ اور عبارت زیرین حاشیہ میں امام سہیلی کے اسناد سے جو وجہ تسمیہ بتلائی گئی ہے۔ وہ امام سہیلی کی خاص رائے ہے۔ اس بنا پر۔ آپ کی دوسری توجیہ سے پہلی توجیہ زیادہ قریب الفہم ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ طبقات وغیرہ میں اسکی وجہ تسمیہ خاص طور پر نہیں لکھی گئی۔ متاخرین نے اپنی جدت طبعی سے قیاسی توجیہیں قایم کی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی صحیح ہو۔ لیکن ان پر قطعی اعتبار دشوار ہے۔

تزویج باحضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ میں واقعہ تجویز کو بنائے کعبہ کے واقعہ کے بعد لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۲۷۔ آپ کی یہ ترکیب آپکی ذاتی تجدید ہے۔ اور ابن ہشام۔ طبری۔ اور ابن سعد وغیرہم۔ قدیم عربی ماخذوں کی ترتیب سے بالکل خلاف ہے۔ میری نزدیک ڈیڑھ ہزار برس بعد والے مؤلف کو ان اُمور میں مجدد بننے کے شوق سے مقلد رہنا ہی بہتر ہے۔ اسلئے ہم سیرۃ النبیؐ کی ترتیب کے خلاف اسوۃ الرسولؐ میں تزویج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ کو تعمیر کعبہ کے واقعہ سے پہلے بیان کرتے ہیں۔

حلف الفضول کے معاہدہ کے وقت آپ کا سن بیسؐ برس کا ثابت ہو چکا ہے۔ اور آپ کی تجویز کو تمام مورخین و محدثین آپکی پچیس۲۵ برس کی عمر میں بتلاتے ہیں۔ اس مختار متفقہ کی رو سے واقعہ تزویج معاہدہ حلف الفضول کے پانچ برس بعد واقع ہوا۔

اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ حضرت ابیطالب کی ہمراہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے قافلہ تجارتی کے ساتھ سفر کیا تھا اُسوقت سنِ مبارک بارہ یا تیرہ برس سے زائد کا نہیں تھا۔ اس بنا پر ثابت ہے کہ آپ نے بارہ برس کی عمر ہی سے شغلہ تجارت کیطرف اپنی مقدس طبیعت کا سیلان ظاہر فرمایا تھا۔ طبیعت ہمایونی کی یہ قدرتی اور موروثی موزونیت تھی۔ قدرت کا منشا تو بالکل کھُلا ہُوا ہے۔ وہ یوں کہ اتنی کمسنی میں اس شغلہ کاروبار کیطرف طبع مقدسہ کا سیلان اور رجحان نمایاں ہونے لگا۔ جس زمانہ میں عام فطرت والے بچے سوائے کھیلنے کُودنے کے۔ ترتیب معاشرت اور تحصیل معیشت کی کسی فکر و تلاش کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ موروثی یوں کہ ولادت باسعادت سے ہزارہا سال بیشتر سے آپ کا خاندان اعلیٰ اور دودمان والا جو اوّلاً بنو اسمٰعیل اور آخراً قریش کے مخصوص نام ولقب سے تمام اقطاع عالم میں مشہور و معروف تھا۔ ہمیشہ اور برابر تجارت پیشہ رہا۔

اس مشہور عالم سلسلہ میں قصی کے وقت سے کاروبار تجارت کے فروغ یابی کی عملی تدبیریں جاری کی گئیں اور یکے بادیگرے آپ کے جد بزرگوار ہاشم ابن عبد مناف کے زمانہ میں وہ تدبیریں کامیابی کے نقطۂ کمال تک پہونچیں۔ یہاں تک کہ سلاطین غیر ممالک اور اقوام غیر نے بھی تجار قریش کے راہداری اور آسانی کاروبار کیلئے معاہدے لکھے۔ اور پروانۂ راہداری دیئے۔ اور اپنے قلمرو میں اطلاع عام کی ضرورت سے اسکے اعلان جاری کئے۔ جیسا کہ ہاشم ابن عبد المطلبؑ کے حالات میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اسی طرح سلسل طور پر ہاشم کے بعد مطلب۔ مطلب کے بعد عبد المطلبؑ۔ اور عبد المطلبؑ کے بعد ابیطالب۔ اس سلسلہ کے تمام بزرگوار کاروبار تجارت فرماتے رہے۔ اور معیشت کا وہ طریقہ اور عام ذریعہ جو مدتہائے دراز سے اس سلسلہ میں چلا آتا تھا۔ وہی اسوقت تک قائم اور مستقل رہا۔ اس بنا پر مولوی شبلی صاحب کا یہ لکھنا بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ سنِ رشد کو پہونچنے کے ساتھ ہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب فکر معاش ہوئی۔ تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہیں آیا۔"

آپنے اپنے اس موروثی شغلہ کی ابتدا اپنے خاص اور تنہا سرمایہ سے نہیں کی۔ بلکہ مشترکہ سرمایہ سے۔ اسکی خاص وجہ خاص سرمایہ کی کمی تھی۔ اور یہ بالکل ظاہر تھی۔ اس لیئے کہ نہ حضرت عبد اللہ کوئی ایسا سرمایہ چھوڑ گئے تھے۔ اور نہ حضرت ابیطالبؑ اپنی کثیر العیالی اور خرچ عیالداری کی مجبوریوں سے کسی علیحدہ اور کافی رقم کا اُسپر اضافہ کر سکتے تھے۔ ان دقتوں کی وجہ سے مشترکہ سرمایہ سے آغاز تجارت کا طریقہ اختیار فرمایا گیا۔ اور یہ نہایت آسانی سے قایم ہوگیا۔ اس لیئے کہ اُسوقت یہ دستور جاری تھا۔ کہ سہولیت کی غرض سے اکثر لوگ اپنا سرمایہ کسی امانتدار اور ہوشیار شخص کو تجویز کرکے سپرد کر دیتے تھے۔ منافع میں اُسکو اپنا ہاسہیم بنا لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کے شغلہ کو اسی طریقہ سے شروع کیا۔ اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ معاملت کو بطیب خاطر قبول کر لیا۔ کیونکہ ہر شخص آپ کی دیانت امانت اور صداقت کا تجربہ کر چکا تھا۔

شبلی صاحب نے آنحضرت صلعم کے حسن معاملت کی چند مثالیں سیرۃ النبیؐ میں نقل کی ہیں۔ ہم بھی اُن کو اپنے بیان کی تصدیق کے لیئے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن ابی الحمسا ایک صحابی بیان کرتے ہیں۔ کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت صلعم سے خرید و فروخت کا معاملہ

کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ باقی تھا میں نے کہا پھر آونگا۔ اتفاق سے مجھکو تین دن تک اپنا وعدہ یاد نہ آیا۔ تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہونچا۔ تو آنحضرت صلعم کو اُسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن اس خلاف وعدگی سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اسقدر فرمایا۔ کہ تم نے مجھے زحمت دی میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔

سائب نام ایک صاحب جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو لوگوں نے اُنکی تعریف کی۔ آپنے فرمایا میں انکو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائب نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ میرے شریک تجارت تھے۔ لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا فکنت لاتداری ولاتماری نہ میرا آپ کے ذمہ نہ آپ کا میرے ذمہ کچھ باقی ہے۔

قیس ابن سائب مخزومی ایک اور صحابی تھے آپ کے شریک تجارت تھے۔ وہ بھی انھیں الفاظ کے ساتھ آپ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل ص ۱۳۶۔

سب کے ساتھ کاروبار میں آپ کی صفائی۔ معاملت تجارت میں اور شرائط مشارکت میں شرکا کے ساتھ آپ کی سچائی۔ چاروں طرف مشہور ہوگئی تھی۔ امانت و دیانت کا یہ عالم تھا کہ عموماً تمام تجّار اور اہل کاروبار آپ کی خوش معاملگی اور صفائی کے گرویدہ تھے۔ تجارت کی غرض سے آپ نے بصرے اور شام کا سفر کیا تھا اور پہلے انھیں دونوں مقاموں میں اسباب تجارت فروخت کر کے اپنے حسن تدبیر اور خوش نظمی سے کافی نفع اُٹھایا تھا۔ پھر جیوں جیوں سرمایہ میں ترقی ہوتی گئی۔ سلسلۂ تجارت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ شام و بصرے کے علاوہ اور مقامات میں بھی جو تجارت کے مرکزی مقام تھے تشریف لیگئے۔ حباشہ کا بازار عرب میں سالانہ ملکی کاروبار اور خرید و فروخت کے لئے بہت مشہور و معروف تھا۔ تجارت کی غرض خاص سے یہاں بھی آپ کا تشریف لانا تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ واقعات تبلا رہے ہیں۔ کہ کاروبار تجارت میں آپکی صفائی اور سچائی تمام تجارت پیشہ قوم و قبائل پر کامل طور سے اثر پذیر ہو چکی تھی۔ اور ہر شخص اپنے مقام پر آپ کو اپنا کاروبار تجارت سپرد کرنے کا متمنّی تھا۔ انھیں لوگوں میں جناب خدیجہؑ بھی تھیں۔

یہ خوش قسمت اور عالی منزلت خاتون شرفائے قریش کے ایک ممتاز خاندان سے تھی۔ پانچویں پشت میں اس خاتون محترمہ کا سلسلہ نسب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ تجارت اور کاروبار کے اعتبار سے تجّار کہیں کوئی ان کا مقابل نہیں تھا۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے۔ کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا۔ تو اکیلا حضرت خدیجہؑ کا مال تجارت تمام قریش کے مال کے برابر ہوتا تھا۔ شبلی صاحب اس عبارت کو ابن سعد کی عبارت تبلاتے ہیں۔ حالانکہ یہ عبارت طبقات ابن سعد کی نہیں ہے۔ بلکہ شرح زرقانی جلد اوّل صفحہ ۲۳۹ میں واقدی اور دیگر مورخین سے نقل کی گئی ہے۔

شبلی صاحب اسی صفحہ کے زیر حاشیہ لکھتے ہیں۔ یکجا تمام حالات دیکھنے ہوں۔ تو زرقانی جلد اوّل ص ۲۳۴ سے ۲۴۶ تک

دیکھنا چاہیئے۔ حالانکہ حالات تزویج جناب خدیجہؑ شرح زرقانی میں صفحہ ۲۳۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۴۵ میں تمام ہوئے

ہیں شبلی صاحب کی یہ سہو ہے۔ اِن چھوٹی چھوٹی فروگذاشتوں کے لیے اہل تالیف قطعی مجبور ہیں۔ اور بالکل معفو۔ کیونکہ اُن کی بنا بالکل اُن لوگوں کی کثیر الشغلی اور سہو النظری پر مبنی ہے۔ جس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

ثروت و اقتدار کے اعتبار سے حضرت خدیجہؑ تمام تجار میں عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ مکہ اور قرب وجوار کے تمام تجارت پیشہ قوم و قبائل کے لوگ اُن کے زیر اثر تھے۔ اور دست نگر عادات و اوصاف کے لحاظ سے حضرت خدیجہؑ کی پاک نفسی حسن اخلاق اور عام ہمدردی شہرہ آفاق تھی۔ انھیں محاسن ذاتی کے خصوصیات سے ایام جاہلیت ہی میں آپکا لقب طاہرہ مشہور ہو گیا تھا۔ آپ کے ذاتی اوصاف کے متعلق ابن سعد یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔

وهی یومئذٍ اوسط قریشٍ نسبًا واعظمهم شرفًا

یہ خاتون اُس وقت تمام قریش میں عالی نسب اور صاحب شرافت تھیں

ابن ہشام اور طبری کے یہ الفاظ ہیں

وكانت خديجة تاجرة ذات شرف ومال كثير وتجارة تبعث بها الى الشام فيكون عيرها كعامة عير قريش وكانت تستاجر الرجال وتدفع اليهم المال مضاربة

جناب خدیجہ الکبریٰؑ تاجرہ تھیں۔ صاحب شرافت اور اہل دولت اِنکی تجارت کا یہ حال تھا۔ کہ جب قافلہ تجار شام کو جاتا تھا۔ تو اس میں اکیلا اُن کا مال تمام لوگوں کے مال کے برابر ہوتا تھا۔ تجار آپ سے مال لے کر تجارت کے لیے جاتے تھے۔ اور منافع لیکر اصل سرمایہ واپس دیتے تھے"

شبلی صاحب نے بھی اس مضمون کو سیرۃ النبی صفحہ ۱۳۶ میں لکھا ہے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہی حسن معاملات اور مکارم عادات حضرت خدیجہؑ کے میلان خاطر کے باعث ہوئے۔ اور حقیقت میں منشائے قدرت کا یہ مقدمہ تھا۔ ابن ہشام اور طبری اسکی حقیقت ذیل کے الفاظ میں لکھتے ہیں۔

فلما بلغها عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ما بلغها من صدق حدیثه وعظم امانته وكرم اخلاقه بعثت اليه فعرضت عليه ان يخرج فی مال لها الى الشام تاجرا وتعطيه افضل ما كانت تعطی غيره مع غلام لها يقال له ميسرة۔

جناب خدیجہؑ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت بیانی اعلےٰ درجہ کی امانت داری اور اعظم ترین اخلاق کی خبریں پہونچیں تو اُنہوں نے خود اپنی طرف سے اس تصریح کے ساتھ پیام بھیجا۔ اور درخواست کی کہ آپ میرا اسباب تجارت لیکر میرے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف جائیں۔ تو میں آپ کو اس کے معاوضہ میں اُس سے کہیں زیادہ دونگی جو دوسرے تاجر آپ کو دیتے ہیں۔ ابن ہشام ۷۶ (مصر) طبری ۱۱۲۷ (جرمن)

طبقات اور مواہب لدنیہ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؑ کے ساتھ تعلقات تجارت قائم کرنیکی مشورت ابیطالبؑ نے دی تھی۔ اور جب اس امر میں آنحضرت صلعم کا استمزاج لیا تو حضرت خدیجہؑ سے اسکی خود تحریک فرمائی طبقات ص۸۲ زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص ۲۴۳۔ اگرچہ مندرجہ بالا عبارت سے آنحضرت صلعم کی ترتیب و درستی معیشت کی نسبت حضرت ابیطالبؑ کے خاص مربیانہ طرز عمل ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن جب اسکے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ اور ابیطالبؑ کی حیا و ہمت صبر و

قناعت پر جو بنی ہاشم کا تمغائے شرافت تھی، خیال کیا جاتا ہے۔ تو ابن ہشام اور طبری کے بیانات و مندرجات صحت و واقعیت سے قریب تر ثابت ہوتے ہیں۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؑ کے اس پیام اور مجوزہ انتظام کو سن کر منظور فرمالیا۔ اور اُنکے غلام میسرہ نامی کے ہمراہ سامان تجارت لیکر شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس سفر میں آپ کی حسن تدبیر اور سلیقہ شعاری سے حضرت خدیجہؑ کی تجارت میں اُمید سے زائد نفع ہوا۔ میسرہ ایک زمانہ سے اپنی مخدومہ کے کل کاروبار کا مختار تھا۔ وہ بھی آنحضرت صلعم کے خوش نظمی اور لین دین خرید و فروخت میں خوش سلیقگی دیکھکر دنگ ہوگیا۔ حالات تجارت میں میسرہ نے آپ کی ایسی خوبیاں مشاہدہ کیں۔ جو اُسنے دیکھیں کیا کبھی سُنی بھی نہیں تھیں۔ کاروبار تجارت سے فراغت پاکر جب قافلہ مکہ میں لوٹ آیا۔ تو میسرہ نے اپنے تمام مشاہدات جناب خدیجہؑ سے دُھرا دیئے۔

تمام اہل تاریخ و سیرت نے اِسی واقعہ کو حضرت خدیجہؑ کے میلان خاطر کا باعث بتلایا ہے۔ اور اُنکے ساتھ تعلقات تجارت کے سلسلہ میں صرف اِسی ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر شبلی صاحب نے صحت کے ساتھ محققانہ طور پر ثابت فرمایا ہے۔ کہ اس سے پہلے بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؑ کے کاروبار میں اپنی غایت درجہ کی خوش سلیقگی حسن معاملت اور دیانت و امانت ثابت فرمائی ہے۔ اُن کی مفصلہ ذیل عبارت سے پُورا انکشاف حال ہوجاتا ہے

حضرت خدیجہؑ نے جہاں جہاں آپکو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا۔ ان میں جرش[1] بھی تھے۔ جو یمن میں ہے۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے۔ اور ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے۔ کہ جرش میں آپ دو دفعہ تشریف لے گئے۔ اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؑ نے معاوضہ میں ایک اُونٹ دیا۔ سیرۃ النبیؐ ص ۱۳۸۔

ابن ہشام اور ابن سعد کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت خدیجہؑ کی طرف سے تزویج کی سلسلہ جنبانی شروع کیگئی۔ اور نفیسہ بنت منبہ شادی کا پیام لیکر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ابن سعد ان الفاظ میں حقیقت حال کو بیان کرتے ہیں۔

عن نفیسۃ بنت منیۃ قلت کانت خدیجۃ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی امراۃ حازمۃ جلدۃ شریفۃ مع ما اراد اللہ بہا من الکرامۃ والخیر وھی یومئذ اوسط قریش نسباً واعظمھم شرفا واکثرھم مالا وکل قومھا کان حریصا علی نکاحھا لو قدر علی ذالک قد طلبوھا

نفیسہ بنت منبہ کا بیان ہے کہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بڑی ہوشیار اور شریف ترین خاتون تھیں۔ اور باایں ہمہ خدائے سبحانہ تعالےٰ کا ارادہ توفیق خیر و برکت کے ساتھ اُنکا رفیق تھا۔ وہ اس زمانہ میں باعتبار حسب و نسب کے اعلیٰ ترین قریش تھیں۔ فضل و شرف کے لحاظ سے بھی اُن میں اعظم ترین اور مال و دولت کے شمار سے تمام قریش سے زیادہ مُتموّل تھیں۔ خوشحال قوم و قبیلے کے تمام لوگ اِن سے نکاح کرنے کے متمنی تھے حتی کہ پیغام

---

[1] جرش بالضم و فتح الرائے۔ یمن میں ایک شہر ہے۔ یہاں کا چمڑا اور اُونٹ مشہور ہے۔ تمیم ابن جراشہ صحابی و صاعد بن عبد اللہ یہیں کے رہنے والے تھے۔ قاموس اللغات۔

وبذلوا بها الاموال فارسلتني دسيسا الى محمد صلعم بعد ان ارجع في عير من الشام فقلت يا محمد ما يمنعك ان تزوج فقال ما بيدي ما اتزوج به قلت فان كفيت ذلك ودعيت الى الجمال والمال والشرف والكفاءة الا تجيب قال فمن هي قلت خديجة وقال كيف لي بذلك قالت قلت علي قال فانا افعل فذهبت فاخبرتها فارسلت اليه ان ائت الساعة كذا وكذا وارسلت الى عمها عمرو بن اسد لتزوجها فحضر وادخل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في عمومته فزوجه احدهم - طبقات ابن سعد

رکھنے کے لیئے ساعی تھے۔ اگرچہ اس کے لیئے جناب خدیجہ اُنکے تمام اموال بھی طلب کرتیں تو وہ نذر کرنے کے لیئے حاضر تھے۔ نفیسہ کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے شام سے قافلہ تجارت کے واپس آنیکے بعد مجھکو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیام نکاح لیکر بھیجا۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی۔ اے محمد صلعم آپ کو اب اپنا بیاہ کرلینے کے لیئے کون شے مانع ہے۔ ارشاد ہوا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ جس سے میں اپنے بیاہ کا قصد کروں۔ میں نے کہا کہ اگر میں اس امر میں آپ کی کفالت کروں۔ اور ایک ایسی جگہ آپ کی نسبت لگادوں جو صاحب شرف و وجاہت اور صاحب مال و دولت بھی ہو اور آپ کی کفالت بھی کرسکے۔ تو کیا ایسی حالت میں آپ اُسے قبول فرمائیں گے آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ کون ہے۔ میں نے کہا وہ خاتون معظمہ خدیجہؓ ہیں۔ ارشاد ہوا۔ وہ کیسے اس امر پر راضی ہونگی۔ میں نے کہا کہ اُس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ ارشاد فرمایا۔ کہ اچھا میں بیاہ کرونگا۔ نفیسہ کا بیان ہے۔ کہ میں آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد سُن کر رخصت ہوئی۔ اور جناب خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کردیا۔ حضرت خدیجہ نے آنحضرت صلعم کے پاس اُسی روز نکاح مقرر فرماکر کہلا بھیجا۔ اور اپنے چچا عمرو ابن اسد کو بھی اُسکی خبر کردی اور صیغۂ تزویج پڑھ دینے کے لیئے کہلا بھیجا۔ وقت مقررہ پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اعمام کے ساتھ حضرت خدیجہ کی عصمت سرا میں تشریف لے گئے۔ اور آپ کے اعمام میں سے ایک صاحب نے آپکا خطبہ نکاح پڑھا۔

مولوی شبلی صاحب تزویج کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ واپس آنے کے تین مہینے بعد (سفر شام سے) حضرت خدیجہؓ نے آپکے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ اُنکے والد کا انتقال ہوچکا تھا لیکن آپکے چچا عمرو ابن اسد زندہ تھے۔ عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی۔ کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کرسکتی تھیں۔ اور اس میں بالغہ یا نابالغہ کی قید نہ تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کیئے۔ تاریخ معیّن پر ابوطالبؑ اور تمام رؤسا رِخاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے۔ ابوطالبؑ نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ پانچسو درہم طلائی مہر مقرر پایا۔ سیرۃ النبیؐ ص ۱۳۷۔

بالغہ کے لیئے تو عرب پر موقوف نہیں۔ تمام ممالک اسلام اور غیر اسلام میں بھی یہی حکم و دستور قایم ہے۔ لیکن نابالغہ کے لیئے شبلی صاحب کی یہ تعمیم نہ شرعی طریقہ سے ماذون ہے۔ اور نہ عقلی قرینہ سے موزوں۔ کیونکہ نابالغہ میں جبتک سن رشد نہیں پایا جائے گا۔ اُسکا کسی قسم کا اقرار یا اعتراف قابل اعتبار نہو گا۔ اس لیئے احکام شریعت اور قانون حکومت دونوں نے نابالغہ کے عقد نکاح میں ولایت کی ضرورت کو مشروط کردیا ہے۔ اور یہ ایسا عام دستور ہے۔ کہ زیادہ تصریح کا محتاج نہیں اس بنا پر بالغہ اور نابالغہ کا ایک حکم خیال کرنا۔ عام اس سے کہ قبل اسلام ہو۔ یا بعد اسلام شبلی صاحب کی عجلت رقمی ہے۔

ابوطالبؑ کا خطبۂ نکاح شبلی صاحب نے ابی طالبؑ کا خطبۂ نکاح پڑھنا تو تحریر فرمایا ہے۔ مگر اُس خطبہ کی عبارت

نہیں نقل فرمائی، ہم جانتے ہیں۔ یہ آپکی کوتہ علمی اور اختصار پسندی کا خاص مقام ہے۔ لیکن واقعات کو کامل تفصیل کے ساتھ خاصکر جب وہ بغیر تلاش موجود ہے۔ اور تمام کتابوں میں منقول۔ لکھنا اور بیان کرنا بھی مولف کا خاص کام ہے۔ بہر حال امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں، علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں، امام الحرمین برزنجی۔ السنی المطالب اور امام دولابی نے اس خطبہ کو بیک لفظ تحریر فرمایا ہے۔ ہم زرقانی سے ذیل میں اس خطبہ کو نقل کرتے ہیں۔

الحمد لله الذی جعلنا من ذریة ابراهیم وزرع اسمٰعیل وضئضعی معدّ وعنصر مضرّ وجعلنا حضنة بیته وسوّاس حرمه وجعل لنا بیتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحکام علی الناس ثم ان ابن اخی هذا محمّدؐ بن عبدالله لایوزن برجل الّا رجح به شرفا ونبلاً وفضلاً وعقلاً فان کان فی المال قلٌّ فان المال ظلٌّ زائل وامرٌ حائلٌ ومحمّد من قد عرفتم قرابته وقد خطب خدیجة بنت خویلد وبذل لها ما آجله وعاجله من مالی کذا وهو والله بعد هذا له نبأٌ عظیم وخطر جسیم۔

تمام تعریف اُس خدائے بزرگ و برتر کے لیے سزاوار ہے۔ جس نے ہم کو ذریت ابراہیمؑ و اولاد اسمٰعیلؑ، نسل معد ابن عدنان اور صلب مضر سے پیدا کیا اور ہم کو اپنے بیت کا محافظ اور اپنے حرم محرم کا نگہبان مقرر فرمایا۔ ہمارے لیے ایک ایسا گھر قرار دیا۔ جسکا خلق خدا حج کرتی ہے اور ایسی متبرک زمیں عطا کی کہ جہاں خدا کی مخلوق امن پاتی ہے۔ ماسوا اسکے خدا نے ہمکو لوگوں پر حاکم بنایا۔ اما بعد میرا یہ بھتیجا محمد بن عبداللہؐ ہے جس کا اگر کسی شخص سے موازنہ اور مقابلہ کیا جاوے تو از روئے فضل وکمال و باعتبار شرافت (ذوات) یہی گرامی تر نکلے گا۔ یہ مالداری اور دولت مندی میں کم ہے۔ مگر مال کیا ہے۔ ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ اور متغیر اور متبدل ہوجانیوالا حال ہے۔ محمدؐ وہی شخص ہے۔ جسکی قرابت جو کچھ مجھ سے ہے۔ آپ لوگ اُس کو خوب جانتے ہیں۔ اُس نے خدیجہؓ سے تزویج کا ارادہ کیا ہے۔ اور اس طرح میں نے اپنے مال سے اُسکے (خدیجہ کے) مہر موجل (رقم مقررہ) اور صداق معجل (رقم مہر جو بروقت ادا کی جاوے) ادا کر دیا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ محمدؐ وہ شخص ہے۔ جس کیلئے کوئی خبر عظیم اور کوئی مہتم بالشان بہرہ یا حصہ نصیب ہونے والا ہے۔ زرقانی ۲۴۲-۲۴۳-۲

اس خطبہ کی پوری نقل و شرح کے بعد زرقانی لکھتے ہیں۔

عن الدولابی ان ابی طالب قال وقد خطب الیکم راغبا کریمتکم خدیجة وقد بذل لها من الصّداق ماحکم عاجله اثنا عشرة اوقیة ذهبا۔

دولابی لکھتے ہیں کہ خطبۂ نکاح میں حضرت ابیطالبؑ کے یہ الفاظ بھی داخل تھے۔ معاشر قریش میں آپ لوگوں کے سامنے خاتون کریمہ خدیجہؓ کا خطبۂ نکاح بطیب خاطر پڑھتا ہوں۔ اور اُسکے صداق موجل اور معجل میں بارہ اوقیہ سونا دیتا ہوں۔

حافظ جمال الدین محدث شیرازی۔ روضۃ الاحباب میں ابیطالبؑ کے یہ الفاظ تحریر کرتے ہیں

قد خطب ابو طالب خدیجة بنت خویلد وقال لها الصداق آجلة وعاجلة عشرون بکرة من مالی۔

خدیجہؓ بنت خویلد کا میں (محمد صلعم کی طرف سے) خطبۂ نکاح پڑھتا ہوں اور اُنکے مہر موجل اور معجل میں بیس جوان اونٹ جو میری ملکیت سے

میں ادا کرتا ہوں۔ روضۃ الاحباب ۱۰۶۔ روضۃ الصفا، خاوند شاہ سمرقندی، جلد سوم میں بھی یہی الفاظ مرقوم ہیں۔

ورقہ بن نوفل کا خدیجہؑ کی طرف سے خطبۂ نکاح

علامہ زرقانی واقعہ تزویج کے سلسلہ میں کتاب منتقی کی سند سے لکھتے ہیں

فی المنتقی فلما اتم ابو طالب الخطبۃ تکلم ورقہ بن نوفل فقال الحمد للّٰہ الذی جعلنا کما ذکرت وفضلنا کما علی عددت فنحن سادۃ العرب وقادتہا وانتم اھل ذلک کلہ لا ینکرہ العشیرۃ فضلکم ولا یرد احد من الناس فخرکم وشرفکم وقد رغبنا فی الاتصال بحبلکم وشرفکم فاشھدوا علی معاشر قریش بانی قد زوجت خدیجۃ بنت خویلد من محمدؐ بن عبداللّٰہ علی اربعمائۃ دینار ثم سکت فقال ابو طالب قد احببت ان یشرکک عمھا فقال عمھا یا معاشر قریش انی قد انکحت محمدؐ بن عبداللّٰہ من خدیجۃ بنت خویلد و شھد علی ذلک صنادید قریش۔

منتقی میں مرقوم ہے کہ جب ابیطالبؑ اپنا خطبہ نکاح ختم کر چکے تو ورقہ بن نوفل نے یوں تقریر کی۔ وہ خدا قابل ستائش ہے۔ جس نے ہم لوگوں کو اُن اوصاف سے موصوف کیا۔ جس کا آپ نے (ابوطالبؑ) ذکر کیا اور ہم لوگوں کو وہ فضائل عنایت کیے۔ جس کا شمار وانحصار آپ نے فرمایا ہم لوگ سردار قوم عرب ہیں۔ اور پیشوائے قوم اور آپ حضرات (بنی ہاشم) وہ بزرگوار ہیں۔ جن کے فضائل سے کسی قبیلہ اور عشیرہ کا انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ اور آپکے مفاخر و شارف پر کسی فرد واحد کو حرف گیری کی جرأت ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم لوگوں نے بطیب خاطر آپ حضرات سے پیوند کرنا چاہا اور آپ کے شارف میں شریک ہونا قبول کیا۔ اے معاشر قریش آپ حضرات اسکے گواہ رہیں۔ کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو **محمدؐ بن عبداللہ** کے ساتھ چار سو دینار مہر پر بیاہ دیا۔ یہ کہکر ورقہ خاموش ہو گئے۔ تو حضرت ابیطالبؑ نے اُن سے کہا۔ کہ میری خواہش ہے کہ آپ اس تصدیق و شہادت میں خدیجہ کے چچا کو بھی شریک کریں۔ یہ سُنکر اُن کے چچا اسد اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ اے معاشر قریش آپ حضرات گواہ رہیں۔ کہ میں نے خدیجہؑ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ سے کر دیا۔ تمام صنادید قریش نے اس پر گواہی کر دی ص ۲۶۴

علامہ زرقانی اس کے بعد منتقی کے اسناد سے لکھتے ہیں۔

فرح ابی طالب فرحاً شدیداً وقال الحمد للّٰہ الذی اذھب عنا الکرب ورفع عنا الھموم۔

ابیطالبؑ کو اس تزویج سے بڑی مسرت ہوئی۔ اور فرمایا خدا کا شکر ہے۔ جس نے ہمارے مشکلات و مہمات کو دور فرمایا۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت و نگرانی اور آرام رسانی کے متعلق حضرت ابیطالبؑ کے تعلقات اور جذبات کا اندازہ کرنا اور اُنکو عام واقعات کی طرح پایۂ ثبوت تک پہونچانا۔ اُصول فطرت کے خلاف کوشش کرنا ہے۔ ہر باپ کو اپنے بچہ کی محبت ہونا لازمۂ فطرت ہے۔ اسلئے شاہدات کیا۔ اور بدیہیات پر بحث کیسی حضرت ابیطالبؑ نے اپنے خطبہ میں اپنے اِن جذبات کو جن بلیغ اور پر معنی الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ وہ انکشاف حقیقت کے لیے کافی ہیں۔ وہ یہ ہیں محمدؐ من قد عرفتم قرابتہ محمدؐ سے میری قرابت کو سب جانتے ہیں۔ اسلئے زائد نہ کسی انکشاف کی ضرورت تھی۔ اور نہ کسی تفصیل و تشریح کی احتیاج ابیطالبؑ کا وہ خطبۂ نکاح جو اُوپر نقل ہو چکا ہے۔ ماسوا اسکے کہ زبان عرب کی فصاحت و بلاغت کا بے نظیر و بے مثال نمونہ ہے۔ اور

مفاخر و مشارف بنی ہاشم اور اُن کے خاندانی عظمت و وجاہت کے کمالات کا آئینہ اور حقیقتاً حضرت ابیطالبؑ کے یہ اظہار مفاخرت خود نمائی اور خود ستائی کی غرض سے بے موقع اور ناموزوں نہیں تھے۔ بلکہ مناسبت وقت کے اعتبار سے بالکل مطابق۔ کیونکہ تاریخی شاہد تبلا رہے ہیں۔ کہ جناب خدیجہ کی خواستگاری کیلئے تمام اکابر و عمائد قریش اپنی مرفہ الحالی اور فارغ البالی کے لحاظ سے مدت سے ساعی تھے۔ اُنکی تمنا کے خلاف ابیطالبؑ کے ایسے متوسط الحال شخص کے گھر میں حضرت خدیجہؑ کا بیاہا جانا۔ اور اس نسبت پر اس خاتون ذی اقتدار کا بلا عذر و تامل راضی ہو جانا عموماً حیرت خیز اور تعجب انگیز تھا خصوصاً عمائدین و اکابرین قریش کے اُسی طبقہ میں اسکے باعث اور وجہ کی تلاش دامنگیر تھی۔ جو حصول مدعا سے محروم و ناکام رہ گئے۔ اس بنا پر حضرت ابیطالبؑ کو یہ تبلا دینا نہایت ضروری تھا۔ کہ مال و دولت کی کثرت حسبی عظمت اور نسبی شرافت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ باعتبار قومیت کے تمام قریش یکساں ہیں لیکن تاہم بنی ہاشم کا قبیلہ اپنے اخلاقی و روحانی اوصاف سے اُن میں خاص طور پر ممتاز ہے اور صاحب اعزاز اور اُنکے بھی مفاخر و مشارف خاص طور پر اس تزویج کے اصلی باعث ہوئے ہیں۔ اور اُنھیں اوصاف مخصوصہ کو حضرت ابیطالبؑ نے نہایت وضاحت سے اپنے خطبۂ تزویج میں اُن الفاظ کے ساتھ یاد دلایا ہے۔ جعلنا حضنة بيته وسوّاس حرمه وجعل لنا بيتا محجوجا وحرما امنا وجعلنا الحكام على الناس خدا نے ہم کو اپنے گھر کا محافظ اور اپنے حرم کا نگہبان بنایا اور ہم کو وہ گھر دیا جسکا لوگ حج کرتے ہیں اور اسکو تمام مخلوق کیلئے جائے امن بنایا۔ اور ہمکو لوگوں پر حاکم بنایا" یہ الفاظ بنی ہاشم کے فضائل و خصائص کو اس اہمیت سے ثابت کر رہے ہیں کہ امرا اور رؤسا قریش کے موجودہ مجمع میں کسی فرد واحد کو عذر و تامل کی مجال نہوئی۔ بلکہ ورقہ بن نوفل نے اپنے خطبہ میں ان تمام مفاخر و خصائص کو معترفانہ طریقہ سے تسلیم کر کے بنی ہاشم کی ترجیح کو تمام قریش کے مقابلہ میں امر مسلّم اور مسئلہ مصدقہ ثابت کر دیا ہے۔ حضرت ابیطالبؑ نے مال و دولت کی ہستی نااستوار اور وجود بے اعتبار کو جن الفاظ میں بیان کیا۔ اُس سے بہتر بیان کے لیئے کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنے مالی ضعف کے اعتراف کے ساتھ اپنے خاص سرمایہ سے حضرت خدیجہؑ کا مہر موجل و معجل طلائی سکوں میں ادا کر دینا اُنکی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے اظہار کے ساتھ صاف صاف تبلا رہی ہے کہ فیاض کا دست فیض کبھی پیچھے نہیں رہ سکتا۔

ولیمہ نکاح تزویج کے متعلق عرب میں قدیم سے ایک خاص اور امتیازی دستور ہے۔ سیرۃ الحلبیہ میں خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے۔ کہ یہ پہلا ولیمہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صرف خاص سے اس تقریب میں تمام قریش کو دیا اُن کی عبارت یہ ہے وهو اوّل وليمة اولمها صلى الله عليه وآله وسلم۔

جناب خدیجہؑ کی طرف سے بھی ولیمہ کا سامان کیا گیا۔ امرت خديجة عمّها ينحر ابكرا من بكرانك واطعم الناس وهلم مع اهلك فاطعم الناس حضرت خدیجہؑ نے اپنے چچا سے کہا۔ کہ آپ اپنے اُونٹوں میں سے ایک اُونٹ ذبح کریں اور معہ اپنے اہل و عیال کے شریک ہو کر تمام لوگوں کو کھانا کھلوائیں۔ چنانچہ تمام لوگوں کو دعوت ولیمہ دی گئی۔

حضرت خدیجہؑ کی دعوت ولیمہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا خوشنما منظر اور اس تقریب میں

جانبین کی قلبی مسرت کا عالم۔ صاحب کتاب منتقی نے اِن الفاظ میں دکھلایا ہے۔

ودخل صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وقال معہا فقرع اللہ تعالیٰ عینیہ وفرح ابو طالب فرحاشدیدا	جب اس دعوت میں آنحضرت صلعم داخل ہوئے۔ تو تمام حاضرین کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ اور حضرت ابیطالب کو بیحد مسرت حاصل ہوئی

واقعہ تزویج میں بھی بعض غلط بیانات داخل ہوگئے ہیں۔ شبلی صاحب اِن واقعات کی صفحہ ۱۳۰ میں اِن الفاظ کے ساتھ تنقید فرماتے ہیں بعض روایتوں میں آیا ہے۔ کہ حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ تھے۔ اور اُنکی موجودگی میں نکاح ہوا لیکن وہ شراب میں مخمور تھے۔ جب ہوش میں آئے تو نکاح کا حال سُن کر برہم ہوئے۔ کہ برابر کا جوڑ نہیں۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔ امام سہیلی نے بتصریح اور بدلیل ثابت کیا ہے۔ کہ حضرت خدیجہؓ کے والد جنگ فجار کے قبل انتقال کر چکے تھے۔ اسکے علاوہ طبقات ابن سعد میں اگرچہ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ مگر پھر اِن الفاظ میں تردید بھی کر دی ہے۔

فھذا کلہ عندنا غلط ولثبت عندنا المحفوظ عن اھل العلم ان اباھا خویلد بنت اسد مات قبل الفجار و ان عمھا عمرو ابن اسد زوجھا رسول اللہ صلعم	یہ تمام واقعات میرے نزدیک بالکل غلط اور محض بے اصل ہیں اور صاحبان علم و اطلاع کے محفوظ طریقہ سے جو میرے نزدیک ثابت ہے وہ یہ ہے۔ کہ اُن کے باپ خویلد بن اسد جنگ فجار کے قبل ہی

مرچکے تھے۔ اور اُن کے چچا عمر ابن اسد نے حضرت خدیجہؓ کو آنحضرت صلعم کے ساتھ بیاہا تھا"

اِسی طرح بعض کتابوں میں ایک اور غلط واقعہ اسکے متعلق پایا جاتا ہے۔ جو شاید شبلی صاحب کی نظر سے نہیں گذرا۔ اور اگر گذرا بھی تو آپنے اُس سے خاصکر چشم پوشی اختیار فرمائی۔ وہ غلط واقعہ آنحضرت صلعم کی محفل عقد میں حضرت ابوبکر کی شرکت کا ہے۔ جسکی حقیقت ہم شرح زرقانی سے ذیل میں لکھتے ہیں۔ مواہب لدنیہ کے اس اصل فقرہ کی شرح میں کہ حضر ابوطالب ورؤسا مضر فخطب ابوطالب زرقانی کے الفاظ شرح یہ ہیں۔ ھذا ھو الصواب لما ذکر فی الروض وغیرہ و ما فی نسبۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ لا اصل لہ ۔ قول صحیح و درست یہی ہے۔ جیسا کہ کتاب روض وغیرہ میں مذکور ہے۔ (ابوطالبؓ اور رئیسان مضر شریک تھے۔ اور ابیطالبؓ نے خطبہ پڑھا) اور کتابوں میں جو حضرت ابوبکر کی شرکت کے متعلق جو لکھا گیا ہے وہ بالکل بے اصل ہے۔ [1]

تعمیر خانہ کعبہ اسوقت تک کعبہ ایک مکعب چار دیواری تھی۔ قد آدم اُونچی۔ اُسپر چھت نہ تھی۔ نہ دروازہ تھا نہ کواڑے۔ اہل عرب اپنے موجودہ تمدن کے مطابق اُس برہنہ دیواروں کی قیمتی پوششوں سے آرائش کیا کرتے تھے۔ اور ہر سال اپنے کمال عقیدت سے سوزن کار ریشمی پردے چڑھایا کرتے۔ اِن دیواروں کی سادگی اور بے قاعدگی اُسکی قدامت اور عظمت کی اصل حقیقت کو بتلاتی تھی۔ ایک بار خوشبو دان میں خوشبو سُلگ رہی تھی۔ لوگوں کی غفلت سے خانہ کعبہ کے پردے میں آگ لگ گئی۔ اور وہ مشتعل ہو کر چاروں طرف پھیل گئی۔ چھت ہوتی۔ تو نقصان ہوتا۔ برہنہ دیواروں کو تو کوئی حرج نہیں پہونچا۔ لیکن اُوپر سے نیچے تک بالکل سیاہ ہوگئیں بعض روایتوں سے بیت الٰہی کی یہ بدنما

[1] شرح زرقانی ص ۲۴۲

سیاہی قریش کیلئے تعمیر کعبہ کی تجدید کا باعث ہوئی۔ مگر عام طور سے محققین نے ایک دوسرے باعث کو اس کی تعمیر کا سبب بتلایا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ خانہ کعبہ نشیب میں واقع تھا۔ شہر کے بالائی حصہ سے ہر سال بکثرت پانی آتا تھا۔ اور عمارت کو نقصان پہونچاتا تھا۔ قریش نے اسکی حفاظت یوں تدبیر کی تھی۔ کہ اکثر مقامات میں پانی رُوکنے کیلئے بڑے بڑے بند باندھ دیئے تھے۔ لیکن سیلاب کی کثرت ان بندوں کو بھی توڑ دیتی تھی۔ اور پانی کی روانی کعبہ کی دیواروں کو نقصان پہونچاتی تھی۔ بالآخر قریش نے اسکی از سرِ نو تعمیر کا مصمم ارادہ کرلیا۔ حسن اتفاق سے ایک جہاز کنارے سے ٹکرا کر بندر جدّہ میں تباہ ہوگیا تھا۔ قریش کو اسکی خبر لگ گئی۔ ولید ابن مغیرہ اس موقع کو غنیمت پاکر جدّہ پہونچگیا۔ جہاز تباہ شدہ کی لکڑیاں خریدلیں۔ لکڑیاں بھی مل گئیں۔ اور لکڑیوں کے ساتھ نجار اور معمار بھی ملگیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُس جہاز پر باقوم نامی ایک نجار تھا۔ اور وہی اُس جہاز کا معمار تھا۔ جہاز کی تباہی کے باعث وہ بالکل آشفتہ حال اور پریشان روزگار ہو رہا تھا۔ باقوم رومی عیسائی تھا۔ بعض اُسکو قبطی الاصل بھی بتلاتے ہیں۔ ولید سے حقیقت اور ضرورت معلوم کرکے باقوم نے تعمیر کعبہ کا وعدہ کردیا۔ ولید اُسکو اپنے ہمراہ مکّہ میں لایا۔ اور اُسی نے کعبہ کی عمارت کو از سرِ نو تعمیر کیا۔ زرقانی خانہ کعبہ میں آتش زدگی کے واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

روی یعقوب بن سفیان باسناد صحیح عن الزهری ان امرأة اجمرة الکعبة فطارت شرارة فی ثیابها فاحرقتها۔

یعقوب بن سفیان نے اسناد صحیح کے ساتھ زہری سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے خانہ کعبہ میں خوشبو سُلگائی اُسکی ایک چنگاری پردہ پر پڑگئی اور پھر تمام جلگیا۔

بقیہ واقعہ تعمیر کے متعلق ابن سعد کے یہ الفاظ ہیں۔

کانت الجرف مطلة علی مکة وکان السیل یدخل من اعلاها حتی یدخل البیت فانصدع فخافوا ان ینهدم وسرق منه حلیة وغزال من ذهب کان علیه درّ و جوهر وکان موضوعا بالارض فاقبلت سفینة فی البحر فیها روم ورأسهم باقوم وکان بانیا فجنحتها الریح الی الشعبة وکانت مرفاء السفن قبل جدة فتحطمت السفینة فخرج الولید بن المغیرة فی نفر من قریش الی السفینة فابتاعوا خشبها وکلّموا الرومی باقوم فقدم معهم قالوا نبنی بیت ربنا فامروا بالحجارة تجمع وتنقّی الضواحی منها فبینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ینقل معهم وهو یومئذ ابن خمس ثلثون سنة ص ۹۳ جز من

شہر مکّہ زمین نشیب میں واقع تھا۔ اور بالائی اقطاع زمین سے شہر میں اکثر سیلاب آیا کرتا تھا۔ اور خانہ کعبہ تک پہونچکر نقصان پہونچایا کرتا تھا۔ لوگوں کو انہدام عمارت کا خوف ہوا۔ اور نیز اسوجہ سے کہ خانہ کعبہ سے غلاف ور دے کی قسم سے کپڑے، طلائی ہرنوں کے وہ دونوں مجسّمے، جنپر موتی و دیگر جواہرات جڑے تھے۔ اور وہ زمین میں مدفون تھے۔ چوری چلے گئے تھے۔ اسی اثنا میں رومی نجار کی ایک کشتی آئی جسکا رئیس باقوم تھا۔ اور وہی اُسکا معمار بھی تھا۔ باد مخالف نے اُس کشتی کو جدّہ سے کچھ دور آگے لاکر ایک کھاڑی میں ڈالدی۔ اور وہیں وہ تباہ ہوگئے۔ یہ خبر پاکر ولید ابن مغیرہ قریش کے اور چند لوگوں کو اپنے ہمراہ لیکر اُس کشتی کے مقام پر پہونچا۔ اور کشتی کی تمام لکڑیاں جمع کرکے خرید لیں۔ اور باقوم رومی سے گفتگو کی۔ اور اسکو اپنے ساتھ مکّہ میں لائے اور تعمیر کعبہ پر اُسکو مقرر کیا۔ اور اسکی ہدایت کے مطابق پتھروں کو مٹی سے صاف کرکے جمع کرلیا۔ انھیں پتھر ڈھونے والوں میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ

وسلم بھی ساتھ ساتھ پتھر ڈھوتے تھے۔ اُسوقت سن مبارک پینتیس[۳۵] سال کا ہو چکا تھا۔
تعمیر کے سب ضروری اسباب فراہم ہو چکے۔ تو عمارت موجودہ کے گرانے کی ضرورت ہوئی۔ خدا کا گھر کون ڈھائے سب کے پائے عقیدت میں لغزش تھی۔ کوئی اس مقدس عمارت کے انہدام پر نہ ہاتھ اُٹھاتا تھا۔ اور نہ پاؤں بڑھاتا تھا سمجھانے والے سمجھاتے تھے۔ کہ یہ گرانا عین اُٹھانا اور یہ انہدام عین قیام و استحکام عمارت ہے۔ الغرض اس شکل کو بھی ولید بن مغیرہ نے دُور کیا اور سب سے پہلے گرانے کے قصد سے کعبہ کی دیوار پر چڑھ گیا۔ تاریخ طبری میں ہے۔

فقال ولید ابن مغیرۃ انا ابدء کم فی ھدمھا فاخذ المعول ثم قام علیھا وھو یقول اللھم لا ترع اللھم لا نرید الا الخیر ثم ھدم من ناحیۃ الرکنین فتربص الناس بہ تلک اللیلۃ وقالوا ننظر فان اصیب لم نھدم منھا شیئا ورددناھا کما کانت وان لم یصبہ شیٔ فقد رضی اللہ ما صنعنا ھدمنا فاصبح الولید بن المغیرۃ من لیلۃ غادیا علی عملہ فھدم والناس معہ حتی انتھی الھدم الی الاساس۔ طبری ۱۱۳۵ جرمن

ولید بن مغیرہ نے کہا کہ میں اسکے انہدام کا کام شروع کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ کدال لیکر دیوار پر چڑھ گیا۔ اور کہنے لگا۔ اے پروردگار تو غضب میں نہ آ میری نیت سوائے خیر کے کچھ اور نہیں ہے۔ یہ کہکر ڈھانا شروع کر دیا اُس دن دونوں رُکن نمک کے سروں تک گرا کر کام ختم کر دیا۔ شام ہو گئی تمام اہل مکہ کو رات بھر عجیب بے چینی تھی۔ اور سب کے سب آپس میں کہتے تھے۔ کہ کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آئے گی کیونکہ خانہ کعبہ کی کوئی شے آجتک ہلائی نہیں گئی تھی۔ کہ پھر اپنے مقام پر نہ پہونچا دی گئی ہو اگر رات بھر میں کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ تو سمجھا جائے گا کہ خداوند عالم ہمارے اس انہدام کے عمل سے رضامند ہو گیا۔ خدا خدا کر کے وہ رات خیریت سے گذر گئی صبح کو ولید بن مغیرہ نے پھر اپنا کام شروع کیا۔ تو اور لوگ بھی اب شریک ہو گئے۔ یہاں تک کہ دیواریں کھُد کر بنیادوں تک پہونچ گئیں۔

انہدام کعبہ کے خوف و عذاب کی طرف سے جب قریش کو اطمینان ہو گیا۔ تو تمام قبیلوں نے آپس میں انہدام کا کام شروع کر دیا۔ اور سب نے مِلکر اسکو انجام دیا۔ اس کے آغاز کے وقت ابو وہب جو روسائے شہر اور شرفائے قریش میں ایک مشہور و معروف بزرگ تھے۔ اور رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں ہوتے تھے۔ مقامی حاضرین کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ ابن ہشام۔ ابن سعد۔ طبری اور زرقانی نے اُن کی تقریر ان الفاظ میں قلم بند کی ہے

یا معشر قریش لا تدخلوا فی بنیانھا من کسبکم الا طیبا لا تدخلوا فیھا مھر بغی ولا بیع ربا ولا مظلمۃ احد۔ ابن ھشام۔

اے گروہ قریش بنیاد کعبہ میں وہی شخص داخل ہو۔ جس کے کسب معاش کے طریقہ ذریعہ حلال سے ہوں۔ وہ شخص نہ اس میں اُترے۔ جسکے ذمہ دین مہر باقی ہو۔ یا جو سود لیتا دیتا ہو۔ یا جس نے کسی پر ظلم کیا ہو۔

اس تحریر و تقریر سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ باوجود عام جہالت کے قریش میں خاص احتیاط کرنیوالے معدودے چند حضرات اُس وقت بھی موجود تھے۔ بہرحال۔ بنیادیں کھُد کر صاف ہو گئیں۔ خدا کا گھر بننے لگا۔ بڑے بڑے مالدار اور صاحب ثروت و اقتدار خدا کے بندے۔ بیچارے اپنے سروں پر پتھر ڈھو ڈھو کر لانے لگے۔ فبینما النبی صلعم یحمل الحجارۃ من اجیاد

اُنہیں لوگوں میں جناب رسولخدا صلعم بھی پہاڑ سے پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے۔ صحیح بخاری میں اس اضافہ کے ساتھ ہے۔ کہ اس محنت و مشقت کی وجہ سے آپکے دونوں شانے چھل گئے تھے۔ یہ حامل الوحی کے خلوص عبودیت کا مقدمہ ہے۔

موجودہ تعمیر میں نوایجاد اضافات

سلسلہ تعمیر اسی طرح جاری رہا۔ عمارت بنتی رہی۔ خدا کے عقیدت مند بندے کمال خلوص وعقیدت سے کام کرتے رہے۔ اُنکے مجموعی خلوص میں کوئی کمی نہیں آئی۔ لیکن عین وقت پر سامان عمارت کم ہوگیا۔ ان سامانوں میں دیواروں کی ضرورت کی چیزیں گھٹ گئیں۔ جو عرب میں وقت پر ملنی دشوار تھیں۔ چھت کی کڑیاں بھی کم ہوگئیں۔ جو کسی طرح فراہم نہ ہو سکیں۔ اسکی وجہ یہ تھی۔ کہ قریش نے قدیم بنیادوں کے طول وعرض پر اپنی موجودہ تعمیر کا کام آغاز کیا تھا۔ اور موجودہ لکڑیوں سے اُسکے مطابق کافی ہوجانے کا اندازہ لگایا تھا۔ مگر جب دیواریں کھنچکر ایک حد تک آگئیں۔ تو اُن کو اپنے غلط اندازہ کی حقیقت معلوم ہوئی۔ ان لوگوں نے طول وعرض میں تو کوئی اضافہ کیا نہیں تھا۔ لیکن سیلاب کے آجانے اور نقصان پہونچانے کے حفظ ماتقدم کے خیال سے عمارت کی بلندی میں پہلے سے دوگونہ اضافہ کردیا تھا۔ بالآخر آپس کی مشورت سے اس مشکل کو یوں طے کرلیا۔ کہ لکڑی کے موجودہ انداز وتعداد کے موافق تیار شدہ عمارت پر چھت بنالی جائے۔ باقی عمارت زمین پر صرف چار دیواری بناکر چھوڑ دی جائے۔ سال آئندہ لکڑی فراہم کرکے بنالی جائے گی۔ اسی صلاح پر اتفاق کیا گیا۔ ایک نئی دیوار کھینچکر بقیہ زمین علیحدہ کرلی گئی۔ صرف چار دیواری کھینچدی گئی۔ جو حطیم کے نام سے مشہور ہے۔ اور بقیہ زمین پر خانہ کعبہ کی عمارت تعمیر کی گئی۔

خانہ کعبہ کی تعمیر ہونے کے حالات کو اس تفصیل کے ساتھ عربی کی تاریخوں میں کسی مورخ نے ایسا نہیں لکھا۔ جیسا کہ علامہ عبدالرزاق صاحب کتاب اخبار مکہ نے۔ ہم اُسکی اصل عبارت ذیل میں درج کرتے ہیں۔

فلما اجتمع لهم ما يريدون من الحجارة والخشب وما يحتاجون اليه هدوا الى هدمها فهابت قريش هدمها وقالوا من يبدء اينهدمه فقال الوليد بن المغيرة انا ابدءكم في هدمها انا شيخ كبير فان اصابني امرًا كان قد دنا اجلي وان كان غير ذلك لم يرزء في فعلاء البيت في يده عتلة لهدمها فهدمت قريش معه بها فهدمت قريش معه حتے بلغوا الاساس الذى رفع عليه ابراهيم واسمعيل القواعد من البيت فلما اجمعوا اخرجوا من النفقة قلت ما النفقة ان تبلغهم عمارة البيت ويتركوا بقية في

جب پتھر اور لکڑی سب جمع ہوگئے۔ تو قریش نے کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کیا مگر سب وہم و وسواس میں گرفتار تھے۔ اور ڈرتے تھے۔ کہ اگر ڈھا دینگے۔ تو خدا جانے کیا آفت آئے گی۔ ولید بن مغیرہ نے اپنا دل کڑا کیا۔ اور کہا کہ میں ڈھانا شروع کرتا ہوں۔ میں بوڑھا تو ہو ہی گیا ہوں۔ اگر کچھ آفت آگئی تو کیا۔ میرے مرنے کے دن تو قریب آ ہی چکے ہیں۔ چنانچہ ولید ابن مغیرہ کعبہ کی دیوار پر چڑھا۔ اور کدال سے ڈھانا شروع کیا۔ پھر سب ملکر ڈھانے لگے۔ اور بنیاد تک جس پر سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے چنائی شروع کی تھی۔ کھود کر برابر کردیا۔ جب سب ڈھا چکے۔ تو معلوم ہوا کہ جو کچھ سامان اُنہوں نے جمع کیا ہے۔ وہ اس سب کے بنانے کو کافی نہیں ہے آخرکار سب نے ملکر مشورہ کیا۔ اور اس امر پر اتفاق کیا گیا۔ کہ بنیاد تعمیر گھٹا دی جائے

الحجر علیہ جدار امدارا یطوف الناس من وراءہ ففعلوا ذلک وبنوا فی بطن الکعبۃ اساسا یبنون علیہ من شق الحجر وترکوا من ورآءہ من بناء البیت فی الحجر ستۃ اذرع شبرا فبنوا علی ذلک فلما وضعوا ایدیھم فی بنآءھا قالوا ارفعوا بابھا من الارض واکسوھا حتی لاتدخلھا السیول ولا ترقا الا بسلم ولا یدخلھا الا من اردتم ان کرھتم احد ادفعتموہ ففعلوا ذلک ۔ ص ۱۰۹ اخبار مکہ للعبد الرزاق

اور جس قدر امکان اور سامان کے مطابق ہو اُسی قدر عمارت بنائی جائے اور بقیہ بنیاد چھوڑ دی جائے۔ اور اُس پر صرف چار دیواری کھینچدی جائے۔ لوگ پشت سے اُسکا طواف بجالایا کریں۔ اس مجبوری کی وجہ سے اُنکو اصل عمارت کے اندر سے ایک نئی دیوار بنانی پڑی۔ اور یہی دیوار عمارت مجوزہ کی آخری دیوار قرار پائی۔ جس قدر کہ اصل کعبہ سے زمین (حطیم) علیحدہ کردی گئی وہ چھ گز اور چھ بالشت۔ ان لوگوں نے کعبہ کو چار گز اور ایک بالشت کی کرسی دی اور اس قدر اُونچی کرسی پر دروازہ رکھا۔ تاکہ سیلاب کا پانی پھر اندر نہ گھسے۔ اور کوئی شخص بغیر سیڑھی کے نہ چڑھ سکے اور اس ترکیب سے جسکو چاہیں نہ جانے دیں۔

محمد الامین

الغرض خانہ کعبہ کی موجودہ عمارت طول میں گھٹاکر اور ارتفاع میں بڑھاکر تکمیل کے قریب پہونچگئی۔ اور حجر الاسود کے نصب کا وقت آگیا۔ تو اس قدیم اور قابل التعظیم پتھر کو اُسکے مقام پر رکھنے کے لیے قریش میں چشمکیں چلنے لگیں ہر شخص اس شرفیابی کے لیے خواہشمند ہوا۔ اور اس اعزاز کے حصول کیلئے آپس کا اصرار بڑھتے بڑھتے پہلے تکرار پھر جنگ وپیکار کے درجہ تک پہونچگیا۔ قریشیوں میں سب سے زیادہ قبیلہ بنی عبدالدار کُشت وخون پر تیار ہوگیا۔ طبری میں اسکی حسب ذیل تفصیل لکھی ہے۔

حتی اذا بلغ البنیان موضع الرکن اختصموا فیہ کل قبیلۃ ترید ان ترفعہ الی موضعہ دون الاخری حتی تحاوزوا وتحالفوا واعدوا للقتال فقربت بنو عبد الدار جفنۃ مملوءۃ دما ثم تعاقدوا ھم وبنو عدی ابن کعب علی الموت وادخلوا ایدیھم فی ذلک الدم فی الجفنۃ

یعنی جب حجرالاسود کو اپنے مقام پر نصب کرنیکا وقت آگیا۔ تو ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ میں اسکو اسکے مقام پر رکھوں۔ اس بنا پر سب کے سب آپس میں حد تحمل سے متجاوز ہوگئے۔ اور قسم کھاکھا کر جنگ وجدال کیلئے مستعد ہوگئے بنی عبدالدار تو یہاں تک پرجوش ہوگئے جیسا کہ عرب میں سخت سے سخت قسمیں کھانے کا دستور تھا۔ کہ اُنہوں نے خون تازہ سے ایک پیالہ بھر لیا۔ اور دستور جہالت کے مطابق اپنے اور بنی عدی بن کعب کے قبیلہ والوں کے ہاتھ اُس خون سے بھرے ہوئے پیالہ میں ڈبوئے گویا کہ کُشت وخون پر نہایت استقلال سے اپنی آمادگی کا اعلان کیا

خیریت تھی۔ کہ تمام قریش کے قبیلے نہ اتنے پرجوش تھے۔ اور نہ اتنے برسر پرخاش۔ لیکن تاہم اُنکی انانیت اور مخالفت کیا کم تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کامل چار دن گذر گئے۔ اور وہ باوجود باہم مشورت سے اس امر کو تصفیہ نہ کرسکے۔ خدا کے بندے خدا کا گھر تو بنانے تھے۔ لیکن اپنا گھر بگاڑ رہے تھے۔ حقیقی بندہ پرور کو یہ کب منظور ہوسکتا تھا۔ اسلیئے اُسنے اپنے نظام کبریائی کی خاموش تدبیر سے ایک ایسی تدبیر نکالدی کہ اُسکا گھر بھی بن گیا اور قریش کی بات بھی بن گئی۔ ولید ابن مغیرہ نے اُنکو یہ کہکر راضی کرلیا کہ اس امر کو

قدرت کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جاوے۔ ذاتی انتخاب وتعین موقوف کیا جاوے۔ جو شخص کل صبح کو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو وہی اس منصب جلیل کو انجام دے۔ خدا کو بات بنانی تھی۔ سب لوگوں نے یہ شرط مان لی جس اشتیاق و اضطراب میں قریش نے یہ رات کاٹی ہوگی۔ واقعہ کی اہمیت تبلارہی ہے۔ خدا کی قدرت کی کس کو خبر۔ اُسکی مشیت کا کس کو علم۔ صبح کو خدا کے گھر میں جو شخص سب سے پہلے داخل ہُوا۔ وہ قریشیوں کا **الامین** تھا اور رسول **ربّ العالمین** عرب جس قدر جہالت میں پکے تھے۔ اُسی قدر قول و قرار میں سچے۔ اوّل تو نقص اقرار اور خلاف معاہدہ ہونیکی وجہ سے اب اُنکو تامل کی کوئی وجہ باقی نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ اس عہدہ جلیلہ کی نسبت جناب رسولخدا صلعم کی ہر طریقہ و عنوان سے موزونیت اور صلاحیت اُنکے تامل و عذر کے لیئے کوئی گوشہ پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیئے جمال جہاں آرا پر نظر پڑتے ہی ہر شخص کی زبان سے اہلًا وسہلًا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابن ہشام نے ذیل کی عبارت میں اسکی تفصیل کی ہے

فمكث قريش على ذلك اربع ليال او خمسين ثم انهم اجتمعوا فى المسجد فتشاوروا وتناصفوا فزعم بعض اهل الرواية ان ابا امية ابن المغيرة وكان يومئذ اسن قريش كلها فقال يا معشر قريش اجعلوا بينكم فيما تختلفون فيه اول من يدخل من باب هذا المسجد يقضى بينكم فيه ففعلوا فكان اول من دخل رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فلما رأوه قالوا هذا **الامين** رضينا هذا **محمدؐ** صلعم ص ۶۷ مطبوعہ مصر

انہیں اُمور کے تصفیہ میں قریش کو چار یا پانچ راتیں گذر گئیں۔ آخر کار سب مسجد میں جمع ہوئے۔ اور اس امر کے تصفیہ کی نسبت مشورت کرنے لگے بعض راویوں کا بیان ہے۔ کہ آیا اُمیہ (ولید) بن مغیرہ جو قریش میں اُسوقت سب سے زیادہ معمر تھا کہنے لگا۔ کہ اے قریش تم لوگ ان باتوں کا یوں تصفیہ کرلو کہ کل صبح کو جو شخص اس مسجد کے دروازے سے پہلے داخل ہو۔ وہی اس خدمت کو انجام دے۔ سب نے اسی پر اتفاق کر لیا۔ صبح کو سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ وہ جناب رسولخدا صلعم تھے۔ جب لوگوں نے آپکو دیکھا تو چلا اُٹھے یہ تو ہمارے امین ہیں یہ تو محمدؐ صلعم ہیں ہم لوگ انھیں پر راضی ہیں۔

قریش تو راضی ہوگئے۔ مگر امین الٰہی کی عدالت تنہا اپنی شرفیابی اور اُمید دارین کی محرومی پر راضی نہ ہوسکی۔ اُس خلق مجسّم نے اُنکے شرفیاب و شاد کام ہونیکی نہایت آسان اور سہل ترکیب نکال لی۔ اپنی ردائے مُبارک بچھادی۔ سنگ اسود کو اُسمیں رکھکر قریش کے قبائل اربعہ کے چار ممتاز ترین اشخاص کو بلایا۔ اور ردائے مُبارک کا ایک ایک گوشہ اُنکے ہاتھوں میں دیدیا اور اِس طرح اس ردا کو اُٹھاکر حجرالاسود کے مقام پر لے آئے۔ یہ لوگ اُس ردا کو اُٹھائے رہے۔ آپنے دست مُبارک سے حجرالاسود کو اُسکے مقام پر نصب کر دیا۔ ابن ہشام ان الفاظ میں اسواقعہ کو لکھتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم هلم الى ثوبا فاتى به فاخذ الركن فوضعه فيه بيده ثم قال لتاخذ كل قبيلة بناحية من الثوب ثم ارفعوه جميعا ففعلوا حتى بلغوا به موضعه فوضعه هو بيده ثم بنى عليه ص ۶۷

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک کپڑا لاؤ۔ سب لائے۔ آپنے دست مُبارک سے حجرالاسود کو اُس میں رکھا۔ پھر فرمایا ہر قبیلہ اس کپڑے کے گوشہ کو پکڑلے اور اُو نچا کرے۔ سب نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ اُسکو اصلی مقام تک لے آئے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مطہر سے اُسکو اُٹھاکر نصب کر دیا

حقیقتاً یہ ذات رسالت کی برکت تھی جس نے اس آسانی اور سہولیت سے قریش کی مخاصمت کو رفع دفع کر دیا۔ نہیں تو آپس کی کُشت وخون سے خانہ کعبہ نہا جاتا۔ اور پانی کی جگہ خون کا سیلاب حرم محترم میں چاروں طرف آجاتا۔ ظاہر میں تو عمارت کی ابتدائے تعمیر کا یہ پتھر نصب کیا گیا تھا۔ لیکن حقیقت میں خانہ خدا کی یہ تکمیل عظمت کا یہ سنگ آخری تھا، جو ختم رسالت اور خاتم نبوت کے دست مطہر سے اسوقت رکھا گیا۔ مولوی شبلی صاحب نے بھی اس خصوصیت کی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔ سیرۃ النبی صفحہ ۱۴۳ کے زیر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں "یہ ایک حدیث کی طرف تلمیح ہے۔ جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں" لیکن میرے نزدیک یہ صرف تلمیح نہیں ہے۔ بلکہ اس واقعہ کی تصریح۔ اور کرشمۂ قدرت کی کامل توجیہہ۔

رسالت کی برکت سے قریش کی جہالت کا ایک بہت بڑا فساد عظیم جو ایک دن برپا ہونے والا تھا رُک گیا۔ اور وہ نزاع باہمی سے علیٰحدہ ہو کر بڑی سرگرمی سے عمارت کی تکمیل پر متفق ہوگئے۔ اور پھر جبتک کہ اُسکی عمارت کا کام ختم نہ ہو لیا۔ ان میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہوا۔ یہ رسالت کے فیصلہ کامل کا اثر تھا۔

بالآخر۔ عمارت کعبہ بن گئی۔ مگر کیسی بنی؟ عمارت ابراہیمیؑ سے طول وارتفاع میں جو کچھ فرق پیدا ہوا تھا۔ اُسکو ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ اور اختلاف جو واقع ہوئے۔ اُنکو ہم اخبار مکہ کی اصلی عبارت سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

فبنوا حتے ارفعوا اربعة اذرع وشبر ثم كبسوا ملو وضعوا ابوابها مرتفعا على هذه الذرع فقال لهم باقوم الرومي اتحبون ان تجعلون سقفها مكبسا او مسطحا فقالوا ابن بيته ربنا مسطحا قال فبنوه مسطحا وجعلوا ست دعائم في صفين في كل صف ثلاث دعائم واجعلوا ارتفاعها من خارجها من الارض الى اعلاها ثمانية عشر ذراعها وكانت قبل ذلك تسعة اذرع فزادت قريش ارتفاعها في السماء تسعة ذرع اخر وجعلوا ميزابها سكمت في الحجر وجعلوا درجة من خشب في بطنها في الركن الشامي يصعد منها الى ظهرها ص ۱۱۰

جب یہ تنازع رفع ہوگئی۔ تو تعمیر شروع ہوئی۔ جتنا کہ کعبہ پہلے زمین سے اُونچا تھا۔ قریش نے اُس سے دوگونہ بلند کیا۔ یعنی زمین سے اٹھارہ گز اُونچا اور پہلے صرف نو ہی گز تھا۔ جب دیواریں بن چکیں۔ تو باقوم نے پوچھا۔ کہ اسکی چھت کیسی بنائی جائے۔ بنگلہ نما یا چورس۔ سب نے کہا کہ ہمارے خدا کے گھر کی چھت چورس بناؤ۔ تب باقوم نے اُسکے عرض سے چھ ستون دو قطار میں اس غرض سے بنائے۔ کہ ہر قطار میں تین ستون پڑ گئے اور ان پر چورس چھت بنادی (غالباً اسقدر لمبی لکڑی نہیں تھی۔ کہ پورا شہتیر پڑ جاتا۔ اس سبب سے بیچ میں ستون بنانے کی ضرورت ہوئی) اور شاید اس وجہ سے باقوم نے بنگلہ نما چھت بنانی چاہی ہوگی۔ تاکہ قینچی پڑ جائے اور بیچ میں ستون بنانے نہ پڑیں۔ چھت کا پرنالہ اُس جگہ میں ڈالا۔ جو چھوڑ دی گئی تھی (حطیم میں) اور کعبہ کے اندر ایک کاٹھ کی سیڑھی چھت تک بنائی اور چھت میں ایک روشن دان رکھا جس سے کعبہ کے اندر اجالا بھی رہے۔ اور اس میں سے جب ضرورت ہو کعبہ کی چھت پر چڑھ جاویں۔ ترجمہ منقول از خطبات سر سید احمد خاں صفحہ ۵۲۹

مفصلۂ ذیل تفصیل قدیم اور موجودہ پیمائش تم کو پورے طور سے معلوم ہوجائیگی حضرت ابراہیمؑ کی عمارت

بلندی:۔ زمین سے چھت تک۔	۹ گز
طول:۔ حجر اسود سے رکن شامی تک۔	۳۲ گز
عرض:۔ رکن شامی سے رکن غربی تک۔	۲۲ گز
طول:۔ رکن غربی سے رکن یمانی تک۔	۳۱ گز
عرض:۔ رکن اسود سے رکن یمانی تک۔	۲۰ گز

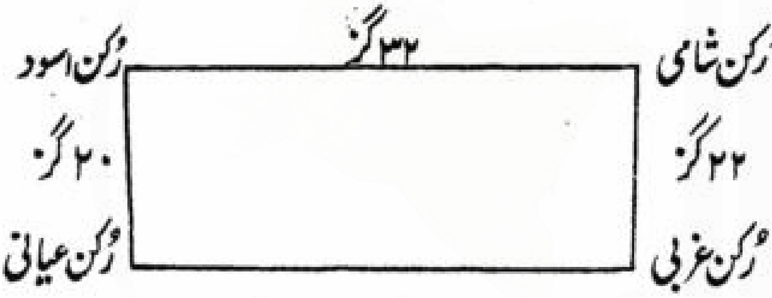

افسوس ہے۔ کہ شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۱۲ میں علامہ ارزقی کی تحریر سے عمارت ابراہیمیؑ کی جو پیمائش لکھی ہے۔ وہ صرف ایک ہی جانب کے طول وعرض کی تصریح لکھکر ختم کردی گئی ہے۔ بقیہ دو طرف کی پیمائش کو یہ خیال کر کے پڑھنے والے دو طرف کی پیمائش کو بحساب مساوی خود سمجھ لیں گے نہیں لکھا ہے۔ آپ کی اس کوتہ قلمی سے بہت بڑی غلط فہمی کی بنا ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہر شخص اس حساب پیمائش سے عمارت کعبہ کو مربع سمجھے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کعبہ کی عمارت ایک شکل مکعب ہے نہ مربع۔ اور اسی رعایت سے اس عمارت مقدسہ کا نام کعبہ رکھا گیا تعجب ہے کہ شبلی صاحبنے علامہ ارزقی کی جس عبارت سے اس پیمائش کو لکھا ہے۔ اسکو پورا پڑھا بھی نہیں لیا جس میں دونوں طرف کی پیمائش میں اختلاف صاف صاف درج ہیں۔ اور جسکو ہم نے اُوپر کا نقشہ کھینچکر پوری تفصیل سے دکھلا دیا ہے۔ شبلی صاحب کے ایسے محقق کی یہ کوتہ قلمی کہی جائے۔ یا عجلت رقمی۔ سرسید نے شبلی صاحب سے زیادہ صحیح اور صاف طور پر دونوں عمارتوں کا اختلاف پیمائش دکھلایا ہے۔ حالانکہ ماخذ دونوں کا وہی علامہ ارزقی کی کتاب تاریخ اخبار مکہ ہے۔

ترتیت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

خدا کے گھر بننے سے پہلے رسولؐ کا گھر بس چکا تھا جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پینتیس[۳۵] برس کے ہوچکے تھے۔ مولوی شبلی صاحب نے اس زمانہ میں آپکے صرف مشاغل تجارت کا ذکر کیا ہے اور آپکے کسی اور خاندانی تعلقات اور ذاتی واقعات پر جن سے آپ کے محاسن اخلاق اور صلہ رحم کی رعائت ثابت ہوتی ہے کوئی توجہ نہیں فرمائی ہے۔ حالانکہ ذرا سی زحمت گوارا فرمانے کے بعد یہ واقعات چھوٹی بڑی کتابوں میں سیرت وتاریخ کی موجود

بھی ممکن ہو کہ آپ نے مدعائے تالیفی سے زائد سمجھکر قلمزد فرمادیا ہو۔ یا اس کے مخفی رکھنے چاہنے میں آپکی کوئی غرض خاص حائل ہو گئی ہو بہر حال اسی زمانہ میں حضرت علی مرتضیٰ کی تربیت و پرورش. تعلیم و پرداخت. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذمہ لی۔ اور اسی وقت سے شہر علوم ظاہری و باطنی کے دروازے اس کمسن صاحبزادے پر کھلنے لگے حضرت علیؑ کا سن مبارک اس وقت دس برس کا محقق ہوتا ہے۔ ہشام طبری اور ابن سعد نے صورت واقعہ یوں لکھی ہے۔

وکان ابا طالب ذا عیال کثیر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للعباس عمہ وکان من الیسر بنی ہاشم یا عباس ان اخاک ابا طالب کثیر العیال وقد اصاب الناس ما تری من ہذہ الازمۃ فانطلق بنا فلنخفف عنہ من عیالہ اخذ من بنیہ رجلا وتاخذ من بنیہ رجلا فنکفہما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا ابا طالب فقالا انا نرید ان نخفف عنک من عیالک حتی ینکشف عن الناس ما ہم فیہ فقال لہما ابا طالب اذا ترکتما لی عقیلا فاصنعا ما شئتما فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیا فضمہ الیہ واخذ العباس جعفرا فضمہ الیہ فلم یزل علی ابن ابی طالب مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتی بعثہ اللہ نبیا فاتبعہ علیؑ فامن بہ وصدقہ ولم یزل جعفر عند العباسؑ حتی اسلم واستغنی عنہ۔ طبری ص ۱۱۶۴

حضرت ابیطالب کثیر العیال تھے. جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس سے جو اسوقت تمام قبیلہ بنی ہاشم میں سب سے زیادہ فارغ البال اور خوشحال تھے۔ ارشاد فرمایا کہ آپ دیکھتے ہیں آپکے بھائی کثیر العیال ہیں۔ (ابوطالبؑ) اور اسوجہ سے تنگ حال. ہم لوگوں کیلئے مناسب ہے کہ انکی عیالداری کے بار کو ہلکا کردیں۔ اسطرح سے کہ انکے بیٹوں میں سے ایک ایک بیٹے کو ہم آپ اپنے اپنے ذمہ لیں۔ حضرت عباس نے اس مشورت کو قبول فرمایا۔ یہ دونوں حضرات حضرت ابیطالبؑ کے پاس تشریف لائے اور اپنی مشورت سے انکو مطلع فرمایا۔ یہ سنکر ابوطالبؑ نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو. باقی دو بچوں کے لئے جو آپ دونوں صاحب چاہیں انتظام کریں۔ یہ سنکر جناب رسولخدا صلعم نے علی مرتضیٰ کو لیکر اپنے عیال میں ملالیا اور پھر اسوقت تک کہ جناب رسولخدا صلعم درجۂ نبوت پر فائز نہ ہوئے۔ اور علیؑ نے آپکی تصدیق نہ فرمائی۔ اور آپ پر ایمان نہ لائے۔ آپ سے علیحدہ نہوئے اسی طرح عباس نے جعفر کو لیکر اپنے عیال میں شامل کرلیا۔ اور جعفر بھی اسوقت کہ آنحضرت پر ایمان نہ لائے۔ اور اپنی معیشت کے کاروبار خود دیکھنے لگے حضرت عباس سے جدا نہ ہوئے۔ طبری ص ۱۱۶۴۔

اس واقعہ نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان قلبی تعلقات اور دلی جذبات کو پورے طور سے ثابت کردیا جو آپکو اپنے خاندان کے ساتھ عموماً اور حضرت ابیطالبؑ کے ساتھ خصوصاً ہمیشہ دل سے لگے رہتے تھے۔ یہ رعایت صلہ رحم کے تعلیمی مقدمات تھے۔ ابوطالبؑ کے ساتھ خصوصیت تو صرف اسی سے ظاہر ہے۔ کہ بجائے اسکے کہ پہلے عباسؑ کو اپنے بھائی کی غربت اور عسرت اور خرچ عیالداری کی کثرت کا فطرتاً خیال ہونا چاہتا تھا۔ مگر اس کے خلاف جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا۔ اور اپنے عم محترم کے رفع تکلیف کا انتظام فرمایا۔

اس کا سبب بالکل صاف ہے۔ اور باعث بالکل ظاہر اور وہ یہ ہے کہ اخلاق الٰہی کا وہ پیکر مجسم اور حقیقی رحمت عالم۔ پانچ

برس کے سن سے لیکر پچیس ۲۵ برس کے سن تک حضرت ابی طالبؑ کے اشفاق و احسان کے مختلف طریقوں اور ذریعوں کو مشاہدہ فرما چکا تھا۔ اور والدین احسانا کے تبلائے ہوئے اصول اخلاق کے بموجب ان محاسن سلوک سے سبکدوش و بیک بار ہونے کے مناسب اور مستحسن طریقہ پر اور موقع ہمیشہ زیر نظر رکھا کرتا تھا صرف مناسبت وقت اور مصلحت کا انتظار تھا چونکہ موجودہ زمانہ مناسبت اور مصلحت دونوں کے اعتبار سے موزوں تھا۔ اس لیے اُن رعایات کی ادا کاری کا یہ مستحسن طریقہ اختیار فرمایا گیا۔ اور غالباً اس صلۂ رحم نبویہ کی ادا کاری کا یہ پہلا موقع ہے۔ انتخاب و الحاق جناب علی مرتضےٰؑ کی تو یہ ظاہری صورت قایم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت پر کامل نظر رکھنے والے تو صاف صاف بتلا دینگے کہ خدا نے جسطرح تمام قریش اور تمام بنی ہاشم میں جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب فرمالیا تھا۔ اسیطرح اُس کے رسولؐ نے حکم خدا سے تمام بنی ہاشم اور بنی عبد المطلبؑ میں حضرت علی مرتضیٰؑ کو چن لیا۔ اور وہ اپنے اس دعوئے کو کہ اَنْفُسَنَا کی نص صریح اور انا و علی من نور واحد (جمع الفوائد۔ مناقب المغازلی۔ فردوس الاخبار دیلمی۔ ینابیع المودۃ قندوزی ص ۹ مطبوعہ بمبئی) سے مستنبط اور مستخرج بتلائیں گے۔

افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس واقعہ کو جو ابن ہشام۔ طبری۔ اور زرقانی وغیرہ تمام کتابوں میں درج ہے) بالکل قلم زد فرمایا ہے۔ آپ کے اس تجاہل عارفانہ کی وجہ اور مجبوری کو ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ لیکن باوجود اسکے مولوی صاحب کو اسکی اصلیت کا اقرار کرنا پڑا۔ اور اسی سے ایک حقیقت شناس پر اس واقعہ کی حقیقت اور صداقت ظاہر ہو گئی۔ چنانچہ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل ص ۱۵۰ میں۔ سابق الاسلام حضرات کے تذکرہ میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ کہ حضرت علیؑ تھے۔ جو آپکی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ اگرچہ استخفاف ہی کے انداز میں یہ مبہم الفاظ لکھے گئے ہیں۔ مگر ہم آپکے اس اختصار کے بھی منت گذار ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ مولوی شبلی صاحب کی تحریر کا یہ خاص انداز ہے۔ کہ ایک مقام پر جس شئے سے انکار ہوتا ہے۔ دوسرے مقام پر اُسکا اظہار و اقرار بھی کر دیا جاتا ہے۔ آپکا یہ تلون بھی ایک خاص لطف رکھتا ہے

قبل نبوّت بیرو نجات میں تجارت کی غرض سے سفر

سیرۃ النبیؐ ص ۱۳۸ جلد اوّل میں مرقوم ہے۔ مورخین یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہیں۔ اور ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپکے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں۔ قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرے کو اور وسعت دی ہے۔ ایک مورّخ (مارگیولس) اپنی تاریخ کے صفحہ ۔ ۷ میں لکھتا ہے۔ کہ آپ نے بحری سفر بھی کیا تھا جسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہازوں کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے۔ جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربے کی بو آتی ہے۔ مورّخ مذکور کا یہ بھی دعوئے ہے۔ کہ آپ مصر بھی تشریف لیگئے تھے۔ اور ڈیڈ سی (بحر میّت) کا بھی معائنہ کیا تھا۔ لیکن تاریخی دفتر ان سے خالی ہیں سیرۃ النبیؐ کے جامع مولوی سید سلیمان صاحب ندوی اپنے اُستاد کی مرقومۂ بالا عبارت پر حاشیہ زیر صفحہ میں یہ نوٹ دیتے ہیں۔

یوروپین مورخین۔ جنکی بنیاد صرف قیاس ورائے پر ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں۔ تو کوئی تعجب نہیں لیکن اگر بحرین تشریف لے جانے کی روایت صحیح ہے۔ تو خلیج فارس آپ نے دیکھا ہوگا۔ بحریت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے۔ کیونکہ اسکا موقع عرب اور شام کے درمیان میں ہے۔ جہاں سے کئی بار مال تجارت کے ساتھ گذرے ہونگے۔ زیر حاشیہ ص ۱۳۸ ا سیرۃ النبیؐ اُستاد اور شاگرد کے اس اختلاف رائے کو دیکھکر ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے۔ مولوی شبلی صاحب مخالفین اسلام کے خوف و اعتراض کی وجہ سے جو اُنکی خاص عادت ہے۔ قیاس ورائے کی نا اعتباری۔ اور کتب تاریخ میں اُن واقعات کی عدم موجودگی کی بنا پر۔ اُنکی اصلیت سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن مولوی سلیمان صاحب واقعہ بحرین سے جس کو شبلی صاحب خود اوپر لکھ چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر بحری کے اُسخیال و قیاس کی تائید کرتے ہیں جنکی بنا پر مخالفین اسلام کو اپنے قیاسی مفتریات اور فسادات کے طوفان اُٹھانیکا پورا موقع مل جاتا ہے۔ افسوس ہے مولوی سلیمان صاحب نے پہلے تو یوروپین مصنفین کے قیاس پر عیب لگایا ہے۔ پھر واقعہ بحرین سے آنحضرت صلعم کے خلیج فارس کا معائنہ اور بحریت کے مشاہدات کا پتہ بتایا ہے۔ یہ بھی تو سلیمان صاحب کا صرف قیاس ہی قیاس ہے۔ کسی کتاب سے مستنبط تو نہیں۔ تو پھر عرض خدمت یہ ہے۔ کہ اگر آپ کے اُستاد نے اِن واقعات سے تاریخی دفتر خالی پاکر۔ اِس زائد از ضرورت بحث کو تمام کر دیا تھا۔ تو کیا بُرا کیا تھا۔ آپ اپنے خاص مختار پر نظر ڈالیے۔ آپ اور آپکے اُستاد دونوں قیاس کو معیوب ٹھہراتے ہیں لیکن صرف مخالفین اسلام ہی کا قیاس بُرا اور قابل الزام ہے یا اہل اسلام کا بھی۔ انصاف کا مقتضیٰ تو یہ ہے اور اصول اخلاق کی تعلیم تو یہ ہے۔ کہ عیب یا نقص کسی قسم کا ہو۔ وہ تمام اقوام و مذاہب میں یکساں اور مساوی بُرا اور قابل اعتراض سمجھا جاوے۔ اس لیئے یہ کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ کہ اسلامی مولفین کے قیاس و آرا صحیح ہوں۔ اور مخالفین اسلام کے قیاس غلط۔ قیاس ورائے کسی کی بھی ہو۔ اگر صحیح ہے۔ تو ضرور ماننے کے قابل ہوگی۔ اور اگر غلط ہے۔ تو چاہے کتنے ہی بڑے اسلامی یا غیر اسلامی عالم کی ہو۔ کوئی بھی نہ مانے گا۔

اس اُصول کے مطابق تحقیق کا متلاشی جب تلاش کرنے لگتا ہے۔ تو قیاس ورائے کی اہمیت اور اتباع کو مخالفین اسلام سے زیادہ متبعین اسلام کے دائرے میں اور خصوصاً اُس کثیر التعداد طبقہ میں کثرت سے پاتا ہے۔ جو امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کو فی کی تقلید و اقتدا کا شرف حاصل کیئے ہوئے ہیں۔ افسوس ہے کہ حیائے ایمانی اور غیرت اسلامی مجھکو اس سے زیادہ انکشاف حقیقت کی اجازت نہیں دیتی۔ اور میں نے اتنی ہی اشارت کو صاحبان بصیرت کے سمجھ لینے کے لیئے کافی سمجھتا ہوں۔

مولوی شبلی صاحب نے مارگیولوس کی غلط فہمی کی تردید تو کر دی۔ مگر صرف قیاس کی کمزور دلیل سے۔ اس کمزوری کی وجہ بھی مخالفین کے اعتراض کا خوف ہے۔ یہ بھی آپکا کمزور قیاس ہے۔ جو وہم کے یقینی درجہ تک پہونچا ہوا ہے۔ ہم بار بار مخالفین اسلام کے ان لغو یا نہ تعریضات کے متعلق لکھ چکے ہیں۔ کہ جس سختی سے وہ مفسدانہ اعتراض کرتے ہیں۔ اُسی شدت کے ساتھ معقولانہ جواب بھی اُن کو دینا چاہیئے۔

اچھا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلعم نے سفر بحری کیا۔ اور اپنے اس مختار کو آپکے اقرار کردہ سفر بحرین سے مستنبط بتلاتے ہیں اور مولوی سلیمان صاحب بھی اس بنا پر اُنکے اِس قیاس کی تردید قطعی کو جو آپنے قلم بند فرمائی ہے۔ پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کے اِس قیاسی مختار کی تائید کرتے ہیں۔ تو اُنکے (یوروپین مورخین) اس قول کی تردید میں ہم صاف صاف اور کھلے الفاظ کے ساتھ لکھدینگے۔ کہ بحرین تک آپکا سفر کرنا۔ اور راستہ میں خلیج فارس کے مناظر کا معائنہ فرمانا۔ اور پھر اسی طرح بقول سلیمان صاحب بحریت کا جو عرب وشام کے درمیان میں واقع ہے۔ ملاحظہ فرمانا بھی یہ صحیح ہے۔ اور تھوڑی دیر کیلئے یہ بھی مان لیا جاوے۔ کہ مارگیولوس کا وہ غلط قیاس جو اُس نے محض عالم فریبی کی غرض سے قایم کیا ہے۔ اور آپ کے بحری سفر کرنے کو لکھا ہے۔ وہ بھی درست ہے۔ اور پھر اس سفر سے اُسکا یہ مراد لینا بھی کہ اُنھیں مشاہدات بحری کے خیالات وجذبات مختلف طریقوں سے قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ صحیح ہیں۔ اِن تمام فرضی اعتراضات کے بعد بھی تو ان مغویانہ ترکیب وترغیب سے مخالفین کا نہ دعوے ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ مدعا حاصل۔ نہ خدا کے سچے رسولؐ (صلعم) کی تکذیب ہوتی ہے۔ نہ اُسکی سچی کتاب کی تردید۔ مخالفین کا یہ قیاس در قیاس اور یہ وہم بالائے وہم البتہ اُسوقت اعتبار کے قابل سمجھا جاتا۔ جب (نعوذ باللہ) قرآن مجید کو بھی۔ انجیل مقدس کی طرح۔ پولوس۔ متی۔ شمعون۔ اور یوحنا کی تالیفات بتلایا جاتا۔ اُسوقت یہ کہا جاسکتا تھا کہ عبارات والفاظ قرآنیہ میں اسکے مولف (نعوذ باللہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تجارت تاجرانہ اور مشاہدات سفر وغیرہ کے اقتباسات داخل ہیں۔ قرآن مجید کو ہم بخلاف انجیل کے۔ انسانی تالیف وتصنیف نہیں سمجھتے۔ بلکہ اُس کو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً کلام الٰہی سمجھتے ہیں۔ اور اُس کی تمام وکمال عبارت میں بقدر ایک شوشہ کے بھی کلام انسانی کی مداخلت کو صحیح نہیں جانتے۔ ایسی حالت میں پھر ہم ان مفسدانہ قیاسات کو عام اس سے کہ وہ ہمارے کیسے ہی صحیح ماخذوں سے نہ مستنبط تبلائے جائیں۔ جب معارض شان قرآن ہوتے ہیں۔ تو کیسے صحیح مان سکتے ہیں۔

طرفہ تر تو یہ ہے۔ کہ ہمارے ماخذوں پر بھی یہ جھوٹا الزام ہے۔ اور ناحق اتہام۔ وہ صرف بحرین اور شام کے علاقوں میں بغرض تجارت آپکا تشریف لیجانا بیان کرتے ہیں۔ اور ان علاقوں سے آپکی پوری واقفیت ثابت کرتے ہیں۔ نہ ان میں آپکے کسی سفر بحری کا۔ نہ آپ کے کسی مشاہدہ کا کہیں کوئی ذکر ہے۔ نہ مذکورہ۔ پھر ان ماخذوں سے ایسے مغویانہ اور مفسدانہ نتیجہ نکالنا۔ یوروپین مورخین کی صاف اور بالکل کھلی ہوئی عالم فریبی ہے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ ہمکو اپنے معترض کی حیثیت اور شخصیت پر بھی تو نظر رکھنا چاہیئے۔ پہلے سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ معترض کون ہے۔ ایک عیسائی ہے جس کی آسمانی کتاب نہ خدا کی بھیجی ہوئی۔ اور نہ رسولؐ کی پہنچائی ہوئی ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کے پیغمبر کے وہ اقوال ہیں۔ جو اُسکے چار مختلف صحابیوں کے لکھائے ہوئے ہیں۔ اور پھر وہ بھی آپس میں مختلف۔ اِس لیئے نہ وہ خدا کی کتاب کہلاتی ہے۔ اور نہ اُسکے رسولؐ خاص کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ بلکہ کہی جاتی ہے۔ متی کی کتاب۔ لوقا کی کتاب۔ پولوس کی کتاب وغیرہ وغیرہ اِس بنا پر یہ بالکل یقینی ہے۔ کہ ان کتب اربعہ میں۔ جنھیں برائے نام انجیل مقدس کہا جاتا ہے

انسانی خیالات وجذبات کا مجموعہ ہے۔ مارگیولوس کے نزدیک چونکہ اُس کی کتب مقدسہ کی عظمت واہمیت اتنی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اسلیئے وہ قرآن مجید کو بھی اسی پیمانہ پر خیال کرتا ہے۔

مارگیولوس کے ان لغویات کی تردید نہایت آسانی سے اسطرح کرنی تھی۔ کہ پہلے اُسکو عہد عتیق وجدید کی وہ عبارتیں دکھلائی جاتیں جن سے انسانی خیالات واقتباسات کا پورا پورا اثر ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ بالکل آسان تھا۔ عہد جدید سے زیادہ تو عہد عتیق میں اسکی کثیر التعداد مثالیں موجود ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ یہ بحث ہماری موجودہ تالیف کا اصلی موضوع نہیں ہے۔ اسلیے ہم اسکی مفصل انکشاف حقیقت سے مجبور ہیں۔ ورنہ ہم کتب قدیمہ توریت وانجیل سے نکال کر۔ ایک مارگیولوس کیا تمام عیسائی مصنفین اور یوروپین مورخین کے آگے پیش کر دیتے۔ اور دکھلادیتے۔ اور پھر اُن سے پوچھتے۔ کہ تبلاؤ یہ خدا کے الہامی مضامین ہیں یا تمہارے انبیاء ومرسلین کے سفرناموں اور روزنامچوں کے مضامین۔ اس سوال کا وہ جواب جو دیتے۔ وہی ہمارا اور تمام اہل اسلام کا جواب اُن کے قائل اور ساکت کرنے کے لیئے کافی تھا۔

ایک اور طریقہ اُن کے ساکت کرنیکا نہایت قوی اور مستحکم یہ بھی تھا۔ کہ مناظر بحرین کی تفصیل کے لیئے تو عبارت قرآنی پر خیالات انسانی کے اظہار کا قیاس کیا جاتا ہے۔ اور یہ مفتریانہ نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ کہ حامل قرآن روحی فداہ نے ان عبارات میں اپنے ذاتی اقتباسات ظاہر فرمائے ہیں۔ اس لیئے کہ یہ مناظر آپ کے مشاہدہ میں پہلے آ چکے تھے۔ لیکن اور حقائق اشیاء عالم کی نسبت جو قرآن مجید میں متعدد اور متفرق مقامات میں بیان کئے گئے ہیں۔ اُن کے لیئے کیا توجیہہ پیش کی جائے گی مثلاً ابر وباد کی خلقت۔ نباتات کی پیدائش۔ انسان کی ترکیب، خلقت اور اُسکے مراتب۔ دریا۔ پہاڑ۔ نباتات۔ جمادات یہاں تک کہ شہد کی مکھی تک کی ضرورت خلقت بالکل اُسی طرح تبلائی گئی ہے۔ جس طرح آجکل بڑے بڑے کالجوں میں مشہور ومعروف علم کائنات کے عالم اور پروفیسر تبلاتے ہیں۔ تو کیا مارگیولوس اور اُسکے ہم طریق اور ہم خیال عیسائی مورخین ہم کو کسی ایسے معلم یا کسی ایسی تعلیم گاہ کا پتا تبلا سکتے ہیں۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ علم واطلاعات حاصل کی ہوں۔ یا کسی موزیم یا لائبریری میں کم سے کم آپ کا تشریف لے جانا۔ اور وہاں خلقت اشیاء کی ان ترکیبوں کا مشاہدہ فرمانا ثابت کر سکتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں کر سکتے۔ تو ان مفتریانہ عالمفریبیوں سے نہ قرآن کی حقانیت میں کوئی کمی آسکتی ہے۔ اور نہ اُس حامل وحی اور عالم علم لدنیہ کی صداقت میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے۔

اب حقیقت حال کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ آپنے بحرین اور علاقہ شام تک سفر کیئے اور ضرور کیئے۔ وہ محض تجارت کی غرض سے اب اس سفر میں آپنے نظام قدرت کے عجائب وغرائب جس حد تک مشاہدہ فرمائے۔ اُس سے ازدیاد معارف الٰہی اور حصول حقائق مخلوقات مقصود تھے۔ اور کچھ نہیں۔ باقی رہا جملہ اشیاء عالم کی ترکیب اُنکے طبایع خواص اور عمل کے انکشافات کا علم تو وہ علم لدنیہ اور کمال نبویہ کے متعلق تھا جو آپ کو نبوت کے ساتھ ودیعت کیا گیا تھا

تعجب ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے عام طور سے یہ کیونکر لکھدیا۔ کہ یوروپین مصنفین عیب کے قائل نہیں دُہریوں

سے بحث نہیں۔ ان کے علاوہ اور جتنے یوروپین مصنفین اور مؤلفین ہیں۔ وہ ضرور غیب کے قائل ہیں۔ اگر وہ قائل نہوں تو وہ عیسائی نہیں رہ سکتے۔ غیب کا انکار کیا۔ تو حضرت عیسیٰؑ کی رسالت ہی غائب ہوگئی۔ اس بنا پر یہ ضرور مان لینا پڑے گا۔ کہ وہ کٹے عیسائی بنکر۔ اپنے صرف حسد و نفسانیت کی غرض سے صرف اسلام اور بانئے اسلام علیہ السلام کی تصدیق و معرفت میں عالم فریبی کی خاص غرض و نیت کے ساتھ قدم قدم پر ایسی مسلسل دشواریاں پیدا کرتے ہیں۔ جو کسی طرح قابل توجہ نہیں ہوسکتیں۔

مراسم شرک سے اجتناب حکما و علما کا خاص مسلمہ ہے۔ اور عقل و حکمت کا عام کلیہ کہ طبیعت انسانی فطرت خالصہ پر مخلوق ہوئی ہے۔ ایسی طبیعت والوں سے اچھے برے دونوں اقسام کے اعمال صادر ہوسکتے ہیں۔ لیکن طبیعت انسانی میں مخصوص وہ طبایع ہوتے ہیں۔ جو انوار ہدایت سے معمور اور آثار نبوت کے جوہروں سے مالامال پائے جاتے ہیں۔ اُن کی خلقت ابتدا ہی سے فطرت صالحہ پر قایم ہوتی ہے۔ اور ایسی پاک طبیعت کے بزرگوں سے اچھے کاموں کے سوا برے کاموں کا صدور و ارتکاب ناممکن ہوتا ہے۔ فطرت صالحہ کے اصول پر مخلوق کئے جانے والے بزرگوار اس سے قبل کہ وہ مدارج نبوت اور مناصب ارشاد و ہدایت پر فائز فرمائے جائیں۔ اپنی فطرت صالحہ کے اس فیضان سے اچھے کاموں کی طرف ہمیشہ رغبت رکھتے ہیں۔ اور برے کاموں سے نفرت ابتدا ہی سے اچھے کاموں کا اختیار کرنا۔ اور برے کاموں سے اجتناب کرنا گویا اُنکی تعلیم و ارشادِ تمثیلی کا پہلا زینہ ہے۔ وہ اپنے ہم جنسوں اور ہمعصروں کو اپنے طریقہ اور اطوار دکھلا کر اچھے برے کاموں میں تمیز کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

اسی اصول پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قبل از نبوت تمام حالات و معاملات پر غور کرنے سے صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ آپ کبھی اُن امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ جو خدا کی طرف سے برے بتلائے گئے تھے۔ اور اُن امور کو اختیار فرماتے تھے۔ جو قدرت کی جانب سے جائز اور مستحسن ٹہرائے گئے تھے۔ یہ مسلم ہے کہ کل محاسن اور ذمائم کی حقیقت آپ پر قبل نبوت بھی اسی طرح ظاہر تھی۔ جس طرح بعد نبوت۔ لیکن اُس وقت اختیار و اجتناب اپنی ذات تک محدود تھا۔ کیونکہ امر بالمعروف۔ اور نہی عن المنکر کا اعلان فریضہ نبوت تھا۔ جو اُس وقت تک تفویض نہیں ہوا تھا۔ اور یہ اُسی کا فیض اور اُسی کا تقاضا تھا کہ بچپن سے شباب اور شیب کے زمانوں تک (حالانکہ چالیس برس کے ہو چکے تھے۔ اور نبوت نہیں پائی تھی) آپ نے کبھی معبود حقیقی کو چھوڑ کر کسی غیر معبود کا اعتراف نہیں کیا۔ جس کعبہ کی تعمیر میں اس محنت اور جانفشانی سے اینٹ پتھر ڈھوئے تھے۔ اُس میں ایک معبود کی جگہ تین سو ساٹھ بت شب و روز پوجے جاتے تھے۔ اُسی مقام اور مکان میں آپ کی روزانہ آمد و رفت تھی۔ بیشمار اور ہزاروں ہزار آدمی مکہ اور بیرونجات سے آآ کر اُن غیر حقیقی اور مصنوعی معبودوں کے آگے سر جھکاتے تھے۔ ٹکر لگاتے تھے۔ یہ کافرانہ اور مشرکانہ مشاہدات روزانہ نظر اقدس سے ملاحظہ فرمائے جاتے تھے۔ مگر چاہے اس سے کسی اثر یا دلچسپی کی کوئی کیفیت آپ کے قلب نورانی پر مستولی

ہوتی ہو قطعی نہیں۔ اور بالکل نہیں۔ اِن کیفیتوں کے خلاف جو ان مشاہدات سے قلب مُبارک پر جو اثر ہوتا تھا۔ وہ اُن کی کافرانہ غفلت کا۔ اور شرکانہ جہالت کا۔ انوار نبوت سے پُر اور مملو دل ابتدا ہی سے دردمند ہوتے ہیں۔ اور یہ عالم وکیفیت اُسی فطرتی دردمندی کے خواص سے تھے۔

ان اُمور کفر و شرک میں نعوذ باللہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا از مہد الی اللحد کسی زمانہ یا کسی وقت میں انہماک و استعمال منافی اخلاق، معارض فطرت صالحہ کیا مناقض شان رسالت ثابت ہوتا ہے۔ اُن اُمور سے بھی جو صرف نامشروع۔ منسوب الی الکفر یا مشتبہ بالشرک ہوتے تھے۔ بالکل ویسا ہی احتراز و اجتناب اختیار کیا جاتا تھا۔ جیسے خاص اُن افعال ذمیمہ کے ارتکاب و انہماک سے۔

تعجب ہے کہ شبلی صاحب نبوت کے اِن اوصاف مخصوصہ کے اظہار و اقرار ان الفاظ میں فرماکر کہ "یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جبکہ منصب پیغمبری سے ممتاز بھی نہیں ہوئے تھے۔ مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے"۔ (سیرۃ النبی جلد اوّل ص ۱۳۹) پھر اپنے اس اعتراف سے اختلاف کرتے ہیں اور گویا جمہور کی اِس کُلیہ مسلّمہ اور مسئلہ متفقہ کو مشتبہ قرار دیتے ہیں۔ اور اپنی دانست میں عیسائیوں کے اس استدلال کی تنقید و تردید فرماتے ہیں۔ جو آنحضرت صلعم کی عصمت کو عہد نبوت اور تفویض منصب رسالت کے وقت سے قرار دیتے ہیں۔

حقیقت ہے کہ شبلی صاحب نبوّت و رسالت کی اصلی شان و حقیقت ہی کو نہیں سمجھے ہیں۔ اسلیئے اُنکا خاص لکھا ہوا۔ مصرع اُنکے حسب حال ہے ع ہمہ ورق کہ سیہ گشت و مدعا و نجاست۔ اوّل تو سیرۃ و تاریخ کے موضوع تالیف میں عقائد کی بحث پیش کرنا خلاف سیاق ہے۔ خصوصاً اپنے اعتقادات کے متعلق غیروں کے اعتراضات کو بیان کرنا مخالف اور معارض استدلال ہے۔ اگر مناسب مقام کی رعایت سے یہ خیال کرے کہ مخالفین کے بے بنیاد اور بے سروپا اعتراضات انہیں مقامات سے شروع ہوتے ہیں۔ اس خارج از بحث بیان کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ تاہم سمجھ لینا چاہیئے کہ آپ کی تنقید و تردید سے عیسائی مخالفین کی تعریضیں بے اصل ثابت نہیں ہوتیں۔ بلکہ بخلاف اسکے صحیح بخاری کی متعدد روایات مسند امام حنبل وغیرہم کے موضوعات و مہملات کے کافی ثبوت ملجاتے ہیں اس مضمون کے متعلق شبلی صاحب کی اصل و حاشیہ کی مفصلہ ذیل عبارت استدلال ملاحظہ ہو (الف) ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا۔ وہ کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کردیا" اس روایت پر زیر صفحہ یہ حاشیہ چڑھایا گیا ہے۔

صحیح بخاری باب المناقب۔ ذکر زید بن عمر بن نفیل یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے۔ اُن کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے۔ جو اس روایت میں صاف ہوگیا ہے۔ مسند امام حنبل (جلد اوّل ص ۱۸۹) میں ایک روایت ہے۔ جس میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کو اِس کھانے پر بلایا۔ اور زید نے انکار کیا۔ اور پھر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا‘‘ لیکن اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا۔ اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا حقیقت ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۳۹۔

آپ کی اس تنقید سے معلوم ہوگیا۔ کہ عیسائیوں کے مندرجہ بیانات اُنکے خاص مخترعات و مصنوعات نہیں ہیں۔ بلکہ آپ کی مشہور اور معتبر کتابوں سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جن الفاظ و معانی میں معترضین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ وہ متواتر ابواب میں امام بخاری صاحب نقل فرما چکے ہیں۔ اور تنہا بخاری صاحب نے نہیں۔ بلکہ اُنکے اُستاد اور شیخ الشیوخ امام احمد ابن حنبل صاحب نے بھی اپنی مسند کی جلد اول صفحہ ۱۸۹ میں تحریر فرمایا ہے آپ معترفانہ طور پر خود بھی اسکا اعتراف فرماتے ہیں۔ تو اتنے اور ایسے اعترافات کے بعد آپ ہی بتلائیں۔ کہ آپ کی تنقید و تردید کا کیا وزن رہ جائے گا۔ اب اپنی موجودہ تنقید کی تفصیلی کیفیت بھی ملاحظہ ہو۔

آپکے پاس صحیح بخاری کی کل ایک روایت اُن متعدد روایات کی نقیض موجود ہے۔ جلکو آپ نے اُسکی اصل عبارت کے ساتھ لکھا ہے۔ اور اُسکو ہم اُوپر نقل کر آئے ہیں۔ اُس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اصل میں واقعہ یہ ہے۔ کہ قریش نے ایک دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بتوں پر چڑھائے ہوئے جانور کا گوشت رکھکر کھلانا چاہا تھا آپنے انکار کر دیا اور نہ کھایا۔ شبلی صاحب غالباً معترضین کے اعتراضات سے بچنے کے لیئے اس روایت پر اعتبار فرماتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔ کہ امام بخاری نے یہ حدیث اور ابواب میں بھی لکھی ہے۔ اُسکے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے۔ جو اِس روایت میں صاف ہو گیا ہے‘‘۔ اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ وہ حدیثیں جو بخاری کے اور ابواب میں مذکور ہیں۔ وہ معترضین کی علی الاکثر موافق اور موید ہیں۔ جن کے اتفاق و تائید کو آپ صرف اجمال رہ جانے کے معنوں میں لیتے ہیں۔ مگر یہی ایک روایت ہے۔ جس سے معترضین کی تائید نہیں ہوتی‘‘۔

اب آپ مندرجہ بالا تفصیل سے اپنی تنقید و تردید کی شان و انداز کو دیکھ لیں۔ کہ آپ کا یہ عذر کیسا ضعیف ہے۔ کہ میرے چار دعوں یا باتوں میں تین جھوٹی ہیں۔ اور ایک سچی۔ اب شبلی صاحب اپنے امام بخاری صاحب سے پوچھنے کا پورا موقع اور اطمینان رکھتے ہیں۔ اور دریافت کر سکتے ہیں۔ کہ ایک امر کو متعدد اور متواتر مقامات پر بطور اجمال لکھنا۔ اور آخر میں مفصل طور پر لکھدیتے ہیں! آپ نے کیا خوبی رکھی ہے۔ اور اس سے کیا فائدہ سمجھا ہے‘‘۔ دو باتیں تھیں۔ اول یہ کہ اگر امام بخاری کو یہ اُمور منافی شان نبوت حقیقتاً معلوم ہو چکے تھے۔ تو ان مرویات کو کتاب میں درج ہی نہ فرمایا ہوتا۔ اور اسی آخر والی روایت کے نقل پر اکتفا فرمائی ہوتی۔ اور اگر منافی نبوت نہیں معلوم ہوئے تھے۔ تو پھر آخر روایت کو لکھنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ اجتماع ضدین کی موجودہ ترکیب و ترتیب تو ضرور فساد کا باعث ہوگی۔ معتقدین بخاری سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ خواہ سمجھیں بھی تو سمجھکر رہ جائیں۔ لیکن مخالفین تو چپ رہنے کے نہیں۔ وہ تو آپ کی اس غلط ترکیب سے ضرور فائدہ اُٹھائیں گے۔ اور رائی کو پربت کر دکھلائیں گے۔

اب صورت حال کا دوسرا رُخ مشاہدہ فرمایا جاوے۔ اب آپ مسند امام حنبل سے اِس واقعہ کی بدنما صورت دکھلاتے ہیں بعترضین بیان کرتے ہیں۔ تو گویا بخاری سے پہلے بھی واقعہ کی یہی بدنما صورت آپ کی کتابوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ جس کا آپ خود لکھکر اقرار کر چکے ہیں۔ تو اِس بنا پر یہ واقعہ متواتر بھی ہوگیا۔ اور قدیم بھی۔ اس تواتر اور قدامت کے جواب میں۔ آپ صرف یہ تحکمانہ فیصلہ کرتے ہیں۔ کہ "کہ اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا۔ اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے۔"

آپ کی تنقیدی جواب کا پہلا حصہ کہ اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا۔ صریح دفع الوقتی ہے۔ کیونکہ مسند احمد بن حنبل میں سلسلہ روایت موجود ہے۔ رجال کی ایک نہیں متعدد کتابیں خدا کے فضل سے آپ کے پیش نظر ہیں۔ ایک ایک راوی کی تصدیق وتکذیب اور جرح وتعدیل کیوں نہ فرمائی گئی۔ مگر آپ کو تو ایک گونہ خود اسکا یقین ہے کہ اسکے راوی صحیح ہیں۔ تب تو لکھا جاتا ہے۔ کہ یوں بھی بخاری کے سامنے اسکی کیا وقعت ہے؟ شبلی صاحب یہ یوں بھی کیا؟ اس کے معنی تو یہ ہوئے۔ کہ اگر روایت امام حنبل کے رواۃ تمام تر صحیح بھی ہوں۔ تو بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے۔ اب راویوں کی صحت کا معاملہ نہیں رہا۔ امام بخاری وحنبل کی ترجیح وفضیلت کا مسئلہ پیش ہوگیا۔ ہم تو کہدینگے کہ یہ آپ کی خودغرضی ہے۔ اور محض بخاری پرستی۔" اگر تھوڑی دیر کے لیئے آپ کے اس غلط اُصول کو مانیں گے بھی تو وہی جنہوں نے تمام حدیث کی کتابوں میں سے صحاح کو منتخب کیا۔ اور پھر صحاح میں صحیح بخاری کو سب پر ترجیح دی مخالف کو آپ کی اس ترکیب کی پابندی کیوں ہونے لگی اور مسند امام حنبل کے مقابلہ میں صحیح بخاری کی اس تصدیق وتوثیق کی نسبت آپ کے اس چیلنج کو وہ کیوں ماننے لگے۔ اور آپ خود بھی غور کریں۔ اور سمجھ لیں۔ کہ اگر سواد اعظم میں کوئی شخص ایسے اعتراض پیش کرتا۔ تو اُس کے مقابلہ میں آپ کو اس چیلنج دینے کا حق حاصل تھا۔ کیونکہ وہ صحیح بخاری اور مسند حنبل کی اہمیت کو جانتا تھا۔ لیکن ایسی قوم وگروہ کے مقابلہ میں جو بخاری اور امام حنبل کی مرّویات سے اپنے مدّعا کو دکھلاتا ہے۔ اور اُن کے فرق مابہ الامتیاز کو اور اُن کی جرح وتعدیل کو نہیں جانتا۔ آپ کو اس چیلنج کے پیش کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ اور دُنیا کی انصاف پسند طبیعتیں آپ کے اس طریقہ استدلال کو کب مان سکتی ہیں۔

صاف تو یہ ہے۔ کہ آپ اس چیلنج کی نمائشی لفاظیوں سے عیسائیوں کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ نہ ہمیں نے رسول اللہ صلعم کی اصل شان پہچانی اور نہ ہمارے امام بخاری صاحب نے۔ نہ امام حنبل صاحب نے علمائے متقدمین نے عقائد کی درستی اور معرفت خدا ورسولؐ کے صفات ومدارج کی ترتیب وترمیم کی۔ تو اُسوقت ضرورت محسوس فرمائی ہے۔ جب اُنکو حکمائے معتزلہ سے مقابلہ کرنا ہوا ہے۔ ورنہ اس سے ڈیڑھ سو (۱۵۰) برس پہلے بے دیکھے سُنے بے سمجھے بُوجھے ہر طرح کی حدیثیں۔ ہر قسم کی روایتیں اِس کثرت سے جمع ہو چکی تھیں کہ بقول آپکے۔ ایک امام زہری کی تصنیفات اُونٹوں پر لاد کر لائی گئی تھیں۔" تو پھر اب تبلایئے۔ اِن جامعین حدیث کا اُسوقت مدّعا کیا تھا جمع حدیث یا ترتیب عقائد کتابیں

دیکھئے۔ حالات دیکھئے۔ واقعات پڑھیئے۔ معلوم ہو جائے گا۔ کہ اسوقت ان جامعین حدیث کی نظر صرف تجمیع حدیث پر تھی۔ اور وہ ترتیب عقائد کو نہ دیکھتے تھے۔ اور نہ اُنکا یہ کام تھا۔ اُنھیں امام احمد حنبل صاحب کی مرویات فی العقائد کو موجودہ اُصول عقائد سے مقابلہ فرمائیے۔ جو اُصولیتین عقائد نے قایم کیے ہیں۔ تو آپ آسمان زمین کا فرق پائیں گے۔

اس بنا پر عیسائیوں کے جواب میں آپ کو بخاری صاحب۔ یا ابن حنبل صاحب کی اہمیت سے ذرا بھی بحث کرنی نہیں ہوگی۔ بلکہ اِن تمام مرویات خلاف عقائد کی نسبت۔ عام اس سے کہ وہ بخاری میں ہوں۔ یا سند امام حنبل میں یا کسی اور کتاب میں۔ آپکو یہ کہدینا پڑے گا۔ کہ اسلامی اُصول وعقائد کے مخالف جو بالکل قرآن مجید اور قول صحیح رسولؐ سے منضبط ہیں۔ کوئی روایت عام اِس سے کہ اسلام کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی کتاب میں کیسی ہی معتبر اور مستند ذریعہ واسناد سے نہ درج ہو نہ قابل قبول ہے نہ قابل عمل۔ ایک یہی طریقہ استدلال معترضین کے مقابلہ میں چلسکتا ہے۔ دوسرا نہیں۔ کیونکہ ہمارے معترضین اُس عقیدے کے لوگ ہیں جنکا خدا نہ منزہ بالذات ہے اور نہ رسول مبرا عن الخطیات۔ اس لئے وہ تو ضرور آپ کے ماخذوں سے اُن غیر مقید اور غیر مستند مرویات کو ڈھونڈھ نکالیں گے۔ جن سے اُن کے عقائد فاسد کی تائید وتطبیق ہوتی ہو۔ ایسی حالت میں ابتدا ہی سے تفریق عقائد کے معقول اُصول پر استدلال قایم کرنا چاہیئے۔ نہ بخاری صاحب کی علو شان پر اور نہ ابن حنبل صاحب کے غلط بیان پر شبلی صاحب یا تو اُصول عقائد کے استحفاظ فرمالیں۔ یا تقلید اسلاف کا لحاظ کریں۔ اور اگر وہ یہ چاہیں کہ استحفاظ عقائد بھی ہو اور اسلاف کی تقلید کی صحت بھی تو یہ غیر ممکن ہے۔ دو جہتی کا یہ طریقہ استدلال تو اسلام کی خانہ جنگیوں کے عنوان اور شبلی صاحب کی خاص جنبہ داری کی داستان شروع کردیگا۔ جو اور بھی اسلام کی تضحیک وتضعیف کا باعث ہوگا۔

(ب) شبلی صاحب کی دوسری روایت ہے کہ نصاریٰ نے دعوے کیا ہے کہ آپ (آنحضرتؐ) کے اعتقادات میں جو تغیر ہوا ہے۔ وہ عہد نبوت سے ہوا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے آپکا طرز عمل وہی تھا۔ جو آپکے خاندان اور اہل شہر کا تھا چنانچہ آپنے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبدالعزیٰ رکھا تھا۔ یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے۔ لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو۔ تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ اُنہوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ اور اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ روایت فی نفسہ ثابت بھی نہیں اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح سلسلہ وہ ہے۔ جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے۔ اسکا اول راوی اسمٰعیل بن ابی اویس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔ لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے۔

(۱) معاویہ ابن صالح۔	اسمٰعیل اور اُسکا باپ دونوں ضعیف ہیں۔
(۲) یحییٰ بن مخلط۔	وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اور محض ہیچ ہے۔
(۳) امام نسائی۔	ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔
(۴) نصر بن سلمہ مزوری	وہ کذاب ہے
(۵) دار قطنی	میں اسکو صحیح حدیث کیلئے پسند نہیں کرتا۔
(۶) سیف بن محمد	وہ جھوٹ حدیثیں بناتا ہے
(۷) سلمہ بن شبیب	اُس نے مجھ سے خود اقرار کیا۔ کہ جب کبھی کسی بات میں

اختلاف ہوتا تھا۔ تو میں ایک حدیث بنا لیتا تھا۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ ۴۰۔

شبلی صاحب کے اس استدلال کا انداز تو پہلے سے بھی زیادہ خراب ہے۔ پہلے طریقہ استدلال میں اگر زیادہ نقیض روایتیں تھیں اور گو ایک ہی سہی، مگر موافق اور موید حدیث بھی موجود تھی، جسکو آپ نے بڑی شان سے چیلنج دے کر دکھلایا۔ لیکن یہاں تو بخاری صاحب کا اقرار ہے۔ اور وہ خود لکھکر اقرار کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبد العزیٰ رکھا تھا (نعوذ باللہ) اس سے ثابت ہوا کہ معاذ اللہ آپ کو اُس زمانہ یا اُس وقت تک عزیٰ کی معبودیت کا اُسی طرح اعتراف و اقرار تھا۔ جس طرح اور قریش کو۔ تب تو اپنے لڑکے کا نام عبد العزیٰ رکھ کر اُس کو احتراماً عزیٰ کی عبدیت کی طرف منسوب کیا۔ (العیاذ باللہ)

شبلی صاحب۔ اب یہیں سے سمجھ لیں۔ کہ آپ بخاری کی ایسی نامقید اور مجہول السند کتاب سے اپنے مخالفین خصوصاً یورو پین محققین کو کیا چیلنج دیتے ہیں۔ لطف تو یہ ہے۔ کہ پہلے واقعہ میں تو اِس کتاب کی تصدیق و توثیق کا چیلنج دیا جاتا ہے۔ اور پھر دوسرے واقعہ میں۔ جب کسی تاویل سے کوئی کام نہیں نکلتا۔ تو مصداق۔ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ اُسی چیلنج دادہ اصح الکتاب کی خود تنقید و تردید فرمائی جاتی ہے۔ اور اُسکے راویوں کو دروغ گو۔ فریبی۔ چور سب کچھ لکھکر ثابت کیا جاتا ہے۔ آپ ہی فرمائیں۔ کہ آپ کا یہ انداز استدلال دیکھکر مخالفین مضحکہ نہ کریں تو اور کیا کریں۔

اب یہ تو فرمائیں کہ سلسلہ رواۃ میں ایک راوی (اسمٰعیل ابن ابی اویس) کو جسے آپ جھوٹا اور چوٹا بتلاتے ہیں، تھوڑی دیر کے لئے وہ ویسا ہی مان بھی لیا جاوے۔ جیسا کہ آپ لکھتے ہیں۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ بخاری صاحب کیسے بزرگ تھے۔ جنہوں نے جھوٹے سچے۔ ایماندار۔ بدکار کی کوئی تمیز نہیں کی۔ اور آنکھ بند کرکے ایسے جھوٹے راویوں کے غلط مفتریات کو اپنی کتاب میں بھر دیا۔

یہ تو بخاری صاحب کی محدثانہ شان تھی۔ اب اپنی شان محققانہ ملاحظہ فرمائی جاوے۔ وہی سلف کی قدیم اُصول تقلید کے مطابق آپنے پہلے تو حمایت بخاری کی غرض سے تاویل کرنی چاہیئے۔ اور چونکہ موضوع بحث رسول اللہ صلعم کی برات

ہے۔ اس لیے شبلی صاحب کو بڑی مشکل پیش آئی۔ رسول اللہ صلعم کی عصمت بھی قایم رکھنی۔ اور امام بخاری کی عزت بھی۔ اس مشکل سے نکلنے کا آپنے ایسا شرمناک طریقہ اختیار کیا۔ جس سے بخاری صاحب کی تو خیر عزت سنبھل گئی۔ لیکن رسول اللہ کی حرمت پہ دھبہ آگیا۔ یہ سب آپکی ناحق پرستی کا نتیجہ ہے۔ آپ بخاری صاحب کی حمایت میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ روایت صحیح بھی ہو۔ تو اس سے آنحضرت صلعم کی نسبت کیونکر استدلال ہوسکتا ہے۔ اسکی تاویل یوں کی جاتی ہے حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ اُنہوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اسلیے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ آپ ہی کہیئے۔ یہ کیسا ضعیف جواب اور کیسی شرمناک تاویل ہے"۔

افسوس ہے۔ کہ آپنے پہلے یہ نہ لکھا۔ جیسا کہ اس تاویل کے بعد آخر آپکو لکھنا پڑا۔ کہ اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں۔ مگر آپ اسے کیسے پہلے لکھدیتے۔ آپ کو تو بخاری صاحب کی بھی عزت سنبھالنی تھی۔ اس ضرورت سے آپ نے اِس کفر شعاری کو صدیقہ کبریٰ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے سر لگایا۔ آپنے ناموس رسولؐ کی کفر شعاری کا اقرار تو کرلیا۔ مگر بخاری صاحب کی بدنامی اور بے احتیاطی کو نہ گوارا فرماسکے۔ واقعی آپکی یہ دلیری تمام اہل اسلام کی حیرت اور عبرت کا باعث ہے۔ شبلی صاحب ہم آپکو باور کراتے ہیں۔ کہ آپ کی اس شرمناک اور دلیر تاویل نے تمام مخالفین کو خوب ہنسوایا۔ مگر بلا امتیاز تمام اہل اسلام کو آٹھ آٹھ آنسو رلوایا۔

ہم پھر کہتے ہیں۔ کہ آپ رسول اللہ صلعم کی شان کو سمجھے ہی نہیں۔ یہ مان لیا کہ رسول اللہ اُسوقت تک منصب رشاد پر فائز نہیں ہوئے تھے۔ لیکن عزیٰ کی حقیقت کو تو جانتے تھے۔ اور اگر آپ اس سے انکار کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم اُس وقت تک عزیٰ کی حقیقت کو نہیں جانتے تھے۔ تو پھر (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم بھی اور قریش کی طرح عزیٰ کا احترام اور اُسکی پرستش کیوں نہ کرتے تھے۔ اس دلیل سے ماننا پڑیگا۔ کہ عزیٰ کی حقیقت واصلیت آپ پر کماحقہ ثابت تھی۔ تو شبلی صاحب کا یہ احتمال جیسا کہ وہ اپنی تاویل میں لکھتے ہیں۔ کہ اس لئے آپ نے تعرض نفرمایا۔ کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہار حقیقت کو چھپایا۔ اور یہ امر تو اخلاق نبوت اور شان رسالتؐ کو اور پست کردیتا ہے۔ اسلیے آپکی یہ تاویل منافی شان رسالت ہونیکی باعث قطعی غلط ہے۔ اور محض حمایت بخاری میں وضع کی گئی ہے۔ یہ تاویل خلاف واقع ہونے کے علاوہ خلاف نقل وعقل بھی ہے۔ خلاف نقل تو اس طرح کہ سوائے آپکے (کے آمدی وکے پیر شدی) زرقانی۔ عسقلانی۔ قسطلانی۔ عینی اور کرمانی۔ کسی شارح بخاری نے اِسواقعہ کے متعلق رسولؐ اور ناموس رسول صلعم کی خلاف شان ایسی دلیرانہ اور بے ادبانہ تاویل کرنے پر جرأت نہیں کی لطف تو یہ ہے۔ کہ یہ تاویل بھی کی جاتی ہے۔ اور پھر اپنی اِس تاویل کی فوراً تکذیب بھی فرمادی جاتی ہے۔ جیسا کہ اس تاویل کے بعد لکھدیا گیا ہے۔ اور اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں۔ اب آپ ہی بتلائیں۔ کہ جب یہ واقعہ ثابت ہی نہیں ہے۔ تو تاویل کیسی؟ شبلی صاحب کی عجیب منطق ہے۔ مقصد مفقود۔ تاویل موجود۔ یہ تو مخالف نقل ہونیکی حالت تھی۔ اب خلاف عقل ہونیکی حالت بھی ملاحظہ ہو

بخاری صاحب کے راوی کی کامل تنقید و تکذیب فرما کر شبلی صاحب آخر میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں "یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی۔ اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا۔ ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔ سیرۃ النبیؐ صفحہ ۱۴۰۔

شبلی صاحب اپنی اس رائے پر غور فرمائیں۔ اور بتلائیں۔ کہ جب قائز رسالت ہونے سے پہلے آنحضرت صلعم بت پرستی کی ممانعت فرماتے تھے۔ تو جناب خدیجہؑ کو نعوذ باللہ اس صریح بت پرستی اور کفر شعاری سے کہ اپنے بیٹے کو عزیٰ بت کا غلام بنائیں اور بندہ قرار دیں کیوں نہ منع فرمایا؟ اسکا کوئی جواب شبلی صاحب سے نہیں ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ فرمائیں حضرت خدیجہؑ کو نعوذ باللہ آپکے ان معتمدین میں نہیں تھیں۔ جنکو اس امر سے منع فرماتے تھے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ کہ جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا۔ ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔ اب آنحضرت صلعم کے نزدیک جناب خدیجہ صدیقہ کبریٰ کی نا اعتباری یا عموماً میاں بی بی کی باہمی بے اعتمادی کی شرمناک اور نفرت انگیز تفصیل شبلی صاحب کی حیاداری کریگی۔ کسی مسلمان کی دینداری تو سوائے حسرت و عبرت کے ایک حرف بھی منہ سے نہیں نکالے گی۔

(ف) سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۴۰ کی اصل عبارت تمام فرما کر زیرین حاشیہ یہ عبارت تحریر فرمائی گئی ہے۔

مسٹر مارگیولوس نے اس کے برخلاف (ممانعت بت پرستی) ایک حیرت انگیز دعوےٰ کیا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں دعویٰ سے زیادہ تر حیرت انگیز فریب کاری کی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور حضرت خدیجہ (سلام اللہ علیہا) دونوں سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کر لیا کرتے تھے۔ جس کا نام عزیٰ تھا۔ مصنف نے اس کی سند میں امام احمد بن حنبل کی روایت (جلد ۴ صفحہ ۲۲۲) پیش کی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حدثنی جار لخدیجة بنت خویلد انہ سمع النبی صلعم وھو یقول لخدیجة واللہ لا اعبد اللات والعزّٰی واللہ لا اعبد ابداً قال فتقول خدیجة خل اللات خل العزّیٰ قال کانت صنمھم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون	مجھ سے خدیجہؑ بنت خویلد کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبر صلعم کو حضرت خدیجہؑ سے یہ فرماتے ہوئے سنا۔ کہ اے خدیجہؑ خدا میں کبھی لات و عزّٰی کی پرستش نہ کرونگا۔ خدیجہؑ کہتی بھی رہتی تھیں۔ کہ لات کو جانے دیجئے عزّٰی کو جانے دیجئے (یعنی انکار ذکر بھی نہ کیجئے)

اس راوی نے کہا کہ لات و عزّیٰ وہ بت تھے جنکی پرستش اہل عرب سونے سے پیشتر کیا کرتے تھے

ایک معمولی عربی داں بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ عبارت مذکور میں کانوا کا لفظ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اہل عرب لات و عزّیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہؑ کی طرف اشارہ ہوتا۔ تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا۔ نہ کہ جمع کا۔ اسکے علاوہ خود اس روایت میں لات و عزّیٰ کی پرستش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار مذکور ہے۔ ص ۱۴۰

شبلی صاحب کا لکھنا بالکل صحیح ہے اور مارگیولوس کا سمجھنا اور سمجھانا دونوں غلط۔ اسکو حقیقت سمجھکر اگر مارگیولوس نے لکھا ہے۔ تو اس میں کوئی کلام نہیں۔ کہ اس یوروپین محقق نے پوری فریب کاری سے کام لیا ہے۔

اتنا اور عرض کر دینا ہے۔ کہ آپ کی تنقید میں بھی تھوڑا سا اجمال رہ گیا ہے۔ وہ یوں صاف کر دینا چاہیے تھا۔ عربی لفظ کانوا۔ کا ترجمہ وہ لوگ۔ ہونا چاہیے تھا۔ آپ کا ترجمہ اہل عرب۔ لفظی ترجمہ نہیں۔ بلکہ مرادی ترجمہ ہوا۔ اسلیئے عبارت ترجمہ میں وہ لوگ اصلی الفاظ عبارت اور اہل عرب خطوط معکوسی کے اندر ہونا چاہیئے۔

پھر تنقید کی عبارت میں بھی کانوا کا ترجمہ اہل عرب ہی لکھدیا گیا ہے۔ اسکو بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے۔ پھر تشریح تنقید میں بتلایا گیا ہے۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہؑ کی طرف اشارہ ہوتا۔ تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا فی الحال اہل اسلام میں بھی زبان عربی کی جتنی کمی ہوجاتی ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ اسلیئے تثنیہ اور جمع کا باہمی فرق اور انکے جداگانہ صیغوں کی تمیز۔ عام اُردو دانوں کے لیے مشکل ہوجائے گی اس ضرورت سے اُن کو ان الفاظ میں سمجھا دینا ضروری ہے۔ کہ اگر آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہؑ انھیں حضرات خاص سے راوی کی مراد ہوتی۔ تو زبان عربی کے قاعدے کے مطابق راوی تثنیہ کا صیغہ لاتا۔ اور کانوا کی جگہ کانتین کہتا۔ مگر جب اُس نے ایسا نہیں کیا۔ اور عام جمع کا صیغہ کانوا لایا۔ تو اُس سے تمام لوگ یعنی کل اہل عرب مراد ہوئے۔

اس کے علاوہ حضرت خدیجہ کی نسبت اجتناب کُفر کی تفصیل شبلی صاحب نے خدا جانے کس مصلحت سے چھوڑ دی۔ وہ یہ ہے عربی کی عبارت سے صاف طور پر ثابت ہے۔ اصلی روایت حضرت خدیجہؑ کے اس جواب پر تمام ہوگئی۔ فتقول خدیجة خل اللات خل العُزّٰی خدیجہ نے کہالات کو جانے دیجئے عزّیٰ کو جانے دیجئے) یہ تو اب روایت کا راوی اپنے سامعین کو لات وعزّیٰ کی اصلیت وماہیت بتلاتا ہے۔ کہ لات وعزّیٰ اصل میں کیا شے تھے۔ لات وعزّیٰ دو بت تھے۔ جنکی پرستش وہ لوگ (اہلعرب) سونے سے پیشتر کرلیا کرتے تھے۔ یعنی عرب میں یہ دستور تھا۔ کہ سونے سے پہلے ان دونوں بتوں کی پوجا کرلیا کرتے تھے۔ اب اس تفصیل کی تشریح ملاحظہ ہو۔

راوی کو اس روایت کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ راوی (خدیجہؑ کا ہمسایہ) خود اہل عرب تھا اور اس قدیم دستور کا جاننے والا۔ اُسکو ان دونوں حضرات (آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہؑ) کے مکالمات سُنکر جو ملک قوم کے دستور قدیم کے صریح مخالف تھے۔ بالکل نیا اور ان لوگوں کا تنہا طریقہ معلوم ہوا۔ اسلیئے اِس واقعہ کی ندرت اور ان دونوں حضرات کی کفر پرستی سے نفرت اور تمام قوم کے اِس دستور قدیم سے مخالفت کی بنا پر راوی نے اِس واقعہ کو اس مسئلہ خاص کے ثبوت میں کہ یہ دونوں بزرگوار بت پرستی کے قدیم دستور اور رسم ورواج سے بالکل علیحدہ تھے۔ اور تمام اہلعرب میں اس ناہنجار اور کیفر کردار عادات سے بالکل مستثنٰی تھے۔ اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے۔ اور ثابت کردیا ہے۔ کہ جس طرح جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لات وعزّیٰ کی پرستش سے متنفر تھے۔ اُسیطرح حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بھی اس سے محترز رہیں مارگیولوس صاحب کی سمجھ کا کیا کہنا۔ خوب سیدھے کا اُلٹا سمجھے۔ افسوس ہے اُن کے اِس مورخانہ بیان پر اور حسرت ہے۔ انکی محققانہ شان پر۔ بقول شبلی صاحب اس روایت کے غلط معنی لگاکر تمام دنیا سے اپنی عربی دانی کی داد لیتے

ہیں۔ اور ساری دُنیا کو اپنی غلط فہمی سے فریب دیتے ہیں۔ لیکن اپنی توریت مقدس میں حضرت یعقوبؑ کی بی بی کا جسکا نام راحل (راحیل) تھا۔ جو بذات خاص ایک جلیل القدر پیغمبر کی بی بی اور تمام انبیائے بنی اسرائیل کی ماں تھیں۔ اپنے باپ لابن کے بتوں کو چُرانا۔ اور اُونٹوں کے کجاوے میں اُن کو چھپا کر اُنپر آپ بیٹھ جانا۔ اور اس شکل وصورت سے پکڑا جانا اور حیض کا بہانہ کرکے اُس مقام سے نہ اُٹھنا۔ اور اس حیلہ وترکیب سے اُن بتوں کو اپنے پاس رکھ لینا اور باپ کو واپس نہ دینا پوری تفصیل سے درج ہے (سفر تکوین باب ۳۱۔ آیت ۵۔ ۲۵) دیکھکر ذرا بھی نہیں شرماتے۔

مارگیولوس کے ہاں نبوت یا ناموس نبوت کی کوئی خصوصیت نہیں وہ اس تخصیص کو بھی تعمیم میں لیتے ہیں۔ اور جب حضرت یعقوبؑ کے خاندان نبوت اور اُن کے خاص ناموس کے اِن اتہامات صریح کو واقعات صحیح سمجھتے ہیں۔ تو پیغمبر عرب اور اُنکے پاک ومقدس ناموس کی نسبت مارگیولوس کو اس مغویانہ اور گمراہانہ فریب کاری کرتے ہوئے کب شرم وحجاب آسکتا ہے۔"

مارگیولوس کی غلط فہمی اور عالمفریبی کی کامل تردید کرکے ہم شبلی صاحب نعمانی کی خدمت میں پھر یاددہانی کرتے ہیں۔ کہ آپنے عبدالعزیٰ کے تسمیہ کی تاویل میں نہایت بے باکی سے لکھدیا ہے۔ کہ حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ آپ کا یہ لکھدینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ واقعہ کی اصل عبارت تو یہ بتلا رہی ہے۔ کہ حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بھی بت پرستی سے کارہ اور متنفر تھیں۔ تب تو فرماتی ہیں۔ خل اللات خل العزّیٰ جسکا ترجمہ آپ خود ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ لات کو جانے دیجیے عزّیٰ کو جانے دیجئے۔ (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے)" شبلی صاحب خود اپنے اِن مختلف مختار و آراء پر غور فرمالیں۔ جب آپ خود اعترافاً لکھتے ہیں۔ کہ حضرت خدیجہؓ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود بقول آپکے اِن بتوں کے ذکر سے بھی منع فرماتی تھیں۔ تو وہ پھر کیسے بت پرستی کرسکتی تھیں۔ اور اُنکو کون بت پرست کہہ سکتا ہے۔

(ث) پھر زیر حاشیہ یہ روایت مرقوم ہے۔

مارگیولوس نے یہ روایت بھی بیان کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزّیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی۔ صاحب موصوف نے اسکی سند میں کوئی عربی ماخذ نہیں پیش کیا۔ بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیدیا ہے (دیکھو مارگیولوس کی کتاب ص ۶۸۔ ۷۰) معجم البلدان (جغرافیہ کی ایک کتاب) میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے۔ اول تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے۔ ثانیاً یہ روایت کلبی سے ہے۔ جو مشہور دروغ گو ہے۔ شبلی صاحب کا پہلا اعتراض کہ مارگیولوس نے عربی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ بالکل صحیح ہے۔ اور مارگیولوس کا ثبوت میں اپنا ماخذ پیش کرنا بالکل خلاف استدلال ہے۔ جب معجم البلدان میں یہ روایت دیکھ لی گئی۔ تو مارگیولوس کے سر سے وضع حدیث کا الزام جاتا رہا۔ باقی رہا شبلی صاحب کا یہ فرمانا کہ معجم البلدان جغرافیہ کی کتاب ہے۔ اور صنف حدیث میں موضوع نہیں ہوئی ہے۔ مخالفین کیلئے تشفی بخش نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ وہاں تو دیوانہ را ہوئے بس است کا عالم ہے۔ اُنھیں حدیث وجغرافیہ کی تفریق وتمیز سے کام نہیں اُنکا تعصب اُنکی خودغرضی اُنھیں تمیز کب کرنے دیگی۔ اب اُنہوں نے ایک مسلمان مصنف کو دیکھ پایا۔ اور اُسی کے قول سے لگے استدلال کرنے

انکی تنقید و تردید کے لیے ہم پھر شبلی صاحب کی خدمت میں عرض کرینگے۔ کہ اِن سے استدلال میں وہی اصول قائم رکھے جائیں جو ہم اُوپر لکھکر بتلا آئے ہیں۔ یاقوت حموی کی جغرافیہ دانی یا حدیث سے ناواقف کاری یا کلبی کی موضوعیت اور غلط کاری دکھلانے سے کام نہیں نکلے گا۔ صاف صاف لکھنا اور اقرار کرنا ہو گا۔ کہ خلاف اصول عقائد۔ کوئی صاحب ہوں محدث۔ یا مورخ یا کوئی اور ہوں۔ جب کوئی روایت کوئی واقعہ مخالف عقائد بیان فرمائنگے۔ وہ مسلمانوں کیلئے نہ قابل قبول ہو گا۔ نہ لائق تسلیم۔ اسلیئے یہ تمام واقعات و روایات جو اُوپر بیان کی گئی ہیں اور تاریخ بخاری اور مسند امام ابن حنبل وغیرہم کو انکا ماخذ بتلایا گیا ہے۔ سب کے سب محض لغویات ہیں۔ اور صریح مفتریات۔ مخالف۔ اسلام کسی وقت اور کسی زمانہ میں نہ ہمارے رسول صلعم کے طریقہ اور عمل ثابت ہوئے ہیں۔ نہ اُسکے اہل بیت کرام علیہم السلام کے رسولؐ نے نہ اُسکے بی بی نے کبھی بت پرستی کی۔ اور نہ کبھی اپنی کسی اولاد کا نام بتوں کے نام پر رکھا۔ حقیقتاً عبد العزیٰ نام آپکا کوئی بڑا بیٹا ہی نہیں تھا۔ آپکے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔ جن کی خصوصیت کی وجہ سے عرب کے قدیم قومی دستور کے مطابق آپکی کنیت **ابو القاسم** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشہور ہوئی۔ لیکن قضائے الٰہی سے وہ بھی قبل بعثت انتقال فرماگئے۔ یہ تمام مرویات اُس زمانہ اور اُس زمانہ کے لوگوں کی موضوعات ہیں۔ جن لوگوں نے اوروں کے عیب چھپانے اور برابر بنانے کے لیئے شان رسالت کی تخصیص بیا خواہ مخواہ تسیم کو داخل کر دیا۔ اِن لغویات کے لیئے نہ اسلام جوابدہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ بانئی اسلام علیہ السلام

موحدین سے ملاقات

محض بے ضرورت سرخی ہے۔ شبلی صاحب اور تمام اہل اسلام کے نزدیک یہ مسلّم ہے۔ کہ رسالت کے تمام طریقہ وہبی ہوتے ہیں۔ تعلیم ربانی اور توفیق یزدانی ابتداء سے لے کر انتہا تک رسولؐ کے شامل حال ہوتی ہے۔ تو پھر اُسکی کوئی ضرورت و احتیاج نہیں۔ کہ موحدین سے ملاقات ہو یا نہ ہو۔ موحدین سے ملاقات اور مجالست منصب رسالت میں تعلیم و اکتساب کے شبہہ پیدا کر دیگی۔ جو قطعاً منافی رسالت ہے۔ جن موحدین کا ذکر کیا گیا ہے۔ یا جنکے نام لیئے گئے ہیں۔ اُن کے اعتقادات فی الوحدۃ کی تفصیل و صورت بھی نہیں بتلائی گئی ہے۔ کہ وہ کس قسم کی وحدانیت کے قائل تھے۔ ان میں سے شبلی صاحب نے ایک ورقہ بن نوفل کا حال خود لکھا ہے۔ کہ وہ آخر میں عیسائی ہو گئے تھے تو آپ ہی فرمایئے۔ کہ اُن کی عقیدت فی الوحدت کس کام کی رہی۔ جب اُنہوں نے ذات الٰہی کو قابل تناسل و توالد یقین کر لیا۔ پھر توحید کا ایسا غلط اور سراسر منافی اعتقاد رکھنے والے شخص کی ملاقات سے اُس بزرگ کو کیا لطف اور کیا فائدہ حاصل ہونے والا تھا۔ جو خالص اور کامل توحید کی تبلیغ و تعلیم کے لیئے بھیجا گیا ہو۔ اور جو خاص طور پر توحید کے راستوں سے اُن خار و خاشاک کو پاک صاف فرمادینے کیلیئے اُتارا گیا ہو۔ جو سالکان وحدت کے دامنوں میں اُلجھ اُلجھ کر اُنکو قرب الٰہی کے حصول سے رُوک رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ خود اُسوقت کے موحدین میں۔ قس ابن ساعدہ۔ ورقہ بن نوفل۔ عبد اللہ ابن حجش۔ عثمان بن الحوارث۔ اور زید ابن عمر بن نفیل (غرض خاص تو اُن کے نام کے شمول سے بھی) کے نام گنا کر خود لکھتے ہیں۔ کہ ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید سے ملاقات کی تھی۔ جسکا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے۔ ص الم ۱۸؍ اس سے معلوم ہوا کہ بقیہ

لوگوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تو پھر آپ ہی کی، س خاص تحریر سے آپکی یہ سُرخی کہ موحدین سے ملاقات غلط اور محض بےضرورت ثابت ہوگئی۔ مگر آپنے آگے چلکر اپنے اس اعتراف و اقرار پر بھی اعتبار نہیں کیا۔ اور زید سے بھی ملاقات ہونے کی یہ صورت نکالی تھی کہ ورقہ عیسائی ہوگئے تھے۔ اور چونکہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے۔ اور مکہ ہی میں رہتے تھے۔ اس لیئے قیاس ہوتا ہے۔ کہ آپ ان سے ملے ہونگے۔ بعض روایتوں میں ہے۔ کہ ان سے آپ کی دوستی تھی۔ ص ۱۴۱۔

میں کہتا ہوں۔ کہ آپ کا یہ قیاس صحیح ہے۔ اور بالکل فی الواقع۔ آپ کو خود اسکی واقعیت یاد نہیں رہی۔ اس لیئے قیاس کرنے کی ضرورت ہوئی۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل سے ضرور ملاقات ہوئی۔ آپ خود لکھ چکے ہیں۔ اپنی سیرۃ النبیؐ جلد اول کے صفحہ ۱۴۸ میں اپنی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

آپنے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ کے پاس لوگئیں۔ جو عبری زبان جانتے تھے۔ اور توریت و انجیل کے ماہر تھے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سُنی۔ تو کہا یہ وہی ناموس ہے۔ جو موسیٰؑ پر اُترا تھا۔ لیجئے ملاقات ہوگئی۔ لیکن اس ملاقات سے وہ ملاقات جو آپ کی اصلی مراد ہے۔ ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ بالکل غلط ٹھہری موحدین سے ملاقات کی خاص سُرخی قایم کرنے سے جو آپ کا مدّعا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن لوگوں میں مراسم تھے۔ آپ ان کے پاس آتے جاتے تھے۔ ممکن ہے۔ کہ یہ لوگ بھی آپ کے پاس آتے جاتے ہوں۔ مگر ورقہ والے مندرجہ بالا واقعہ نے صاف صاف تبلادیا۔ کہ آنحضرت صلعم اور ورقہ میں اس واقعہ سے پہلے شناسائی اور مراسم نہیں تھے۔ کیونکہ اگر فیمابین آمدورفت ہوتی۔ تو حضرت خدیجہؓ کو لیجانے اور معرفت کرانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اگر قبل سے آپس میں روابط ہوتے۔ تو آپ بالنفس النفیس براہِ راست اُن سے اپنی تسکین و تشفی فرمالیتے۔ جناب خدیجہؓ کی معرفی کی ضرورت نہیں تھی اس سے ثابت ہوا۔ کہ فی مابین صرف شناسائی تھی۔ مجالست یا مکالمت اور صلاح و مشورت ثابت نہیں۔

ورقہ بن نوفل ہوچکے۔ قس بن ساعدہ کی نسبت لکھا جاتا ہے۔ ادب و محاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض تاریخوں میں بھی مذکور ہے۔ کہ قس ابن ساعدہ نے عکاظ میں جو مشہور خطبہ دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس خطبہ میں شریک تھے شبلی صاحب نہ اپنے کسی اقرار پر قایم رہتے ہیں اور نہ اپنے کسی مختار پر۔ ذرا اپنے دیباچہ میں نقل روایات کے متعلق اپنے مقرر کردہ حدود و نصاب یاد فرمائے جائیں۔ پھر اپنے ادب و محاضرات کے حوالجات پر غور کیا جاوے۔ تو آپکو معلوم ہوجائے گا۔ کہ یہ واقعہ آپ کے نصاب مقررہ کے مطابق ہرگز قابل اندراج نہیں تھا۔ پھر آپ نے محض بے ضرورت اسکو کیوں لکھا۔ اور پھر لکھکر آئندہ عبارت میں قوی دلائل سے اسکی تردید فرمادی۔ تو گویا تمام تر یہ آپکی سعی حاصل بھی اور کچھ بھی نہیں۔ لیکن آپ نے ان واقعات کو خاصکر اسوجہ سے لکھا اور حتیّ الامکان اسکی تردید بھی کردی۔ اس باعث سے کہ عیسائی مصنفین انھیں غیر مقید اور نا مستند مرویات کو اپنی عالمفریبی کا ماخذ بنالیتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ان لوگوں کی تعلیم۔ ہدایت۔ مشورت۔ اور صحبت کا نتیجہ تبلاتے ہیں۔

ہم کو بھی اقرار ہے۔ کہ یہ غرض آپ کی صحیح ہے۔ اور یہ سعی آپ کی حفظ ماتقدم کے اعتبار سے ایک حد تک مفید ہے۔ لیکن آپ نے قس ابن ساعدہ کی روایت کے متعلق اپنی تنقید و تردید کو تمام کر دیا ہے۔ ورقہ بن نوفل اور نصوصاً زید بن عمر بن نفیل کی نسبت مجالست۔ مکالمت اور برابر صحبت کو صحیح یقین کر لیا ہے۔ کیونکہ زید کی نسبت تو صحیح بخاری کے اسناد موجود ہیں۔ اسلیئے ان مرویات کی تردید پر آپ کا قلم نہ اُٹھ سکا۔ اور تردید نہ ہو سکی۔ تو آپ کے مخالف کو ان ماخذوں سے اپنے عالمفوی کے نتیجے نکالنے کا تو ویسا ہی موقع حاصل رہ گیا۔ اگر قس بن ساعدہ سے نہیں۔ تو ورقہ اور زید بن عمر سے استفادہ اور مشورہ فی علم الرسالت کا قیاس تو اپنی حالت پر قایم رہ گیا۔ حالانکہ یقینیات رسالت کو ان ظنیات اور قیاسات سے کیا واسطہ اور کیا سروکار۔ اور ان مشتبہین فی المعرفت اور مشکوکین فی الوحدت کو سکینۂ رسالت کے آگے کیا مقدار اور کیا اعتبار۔ یہ گم کردگان حقیقت اپنے خیالات و جذبات میں بغیر کسی راہبر کے شاہد حقیقی کی تلاش میں اگر تھوڑا بہت سمجھ سمجھ کر بگڑ رہے تھے۔ یا بگڑ بگڑ کر سمجھ رہے تھے۔ وہ حقیقتاً اصل خدا شناسی اور معرفت سے کوسوں دور تھے۔ پھر تبلیغ رسالت اور متمم نبوت کو ان سے صحبت رکھنے کی نہ کوئی ضرورت تھی۔ اور نہ مشورت کرنے کی حاجت اس بنا پر ان لوگوں کی ملاقات یا مجالسات کا ذکر کرنا۔ اور پھر اس اہتمام سے۔ کہ اسکے لیئے ایک جدا گانہ عنوان قایم کرنا معترضین کو اعتراض کا اور موقع دلاتا ہے۔ اور ستوہمین کے توہمات کو اور قوی بناتا ہے۔ دیکھیئے آپ خود۔ اپنی کتاب میں چار صفحوں کے بعد ان لوگوں کے نتیجے کو جن کو آپ موحدین بتلاتے ہیں۔ اور اُن سے رسول صلعم کی ملاقات کو ایک خاص باب میں بیان فرماتے ہیں۔ ان الفاظ مفصلۂ ذیل میں لکھکر دکھلاتے ہیں۔

یہ فطرت سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا۔ لیکن ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس۔ ایک مذہب کامل کی تشئید اور رہنمائی کونین کے منصب عظیم کے لیئے کچھ اور درکار تھا۔ اس زمانہ کے قرب میں تین اور حق پرستوں (ورقہ۔ زید۔ عثمان بن حویرث) کے دل میں خیال آیا کہ جماد لایعقل کے آگے سر جھکانا حماقت ہے۔ چنانچہ سب مذہب حق کی تلاش میں نکلے۔ لیکن ناکامی کی دیوار سے سر ٹکرا کر رہ گئے۔ ورقہ اور عثمان عیسائی ہو گئے۔ اور زید یہ کہتے کہتے مر گئے۔ کہ اے خدا اگر مجھکو معلوم ہوتا کہ تجھکو کس طریقہ سے پوجنا چاہیئے۔ تو میں اُس طریقہ سے تجھے پوجتا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۴۶۔

جب آپ خود ان لوگوں کی ایسی حالت لکھکر اقرار کرتے ہیں۔ کہ سب کے سب دیوار سے سر ٹکرا کر رہ گئے۔ یعنی کوئی بھی راہ معرفت یا منزل وحدت تک نہیں پہونچا۔ تو پھر آپ نے اُن کو موحدین کیسے تسلیم کر لیا۔ اگر بتوں کی پرستش نہ کرنے سے آپ کو ان پر قائل توحید ہونے کا گمان ہوا ہے۔ تو جین۔ بدھ۔ اور نانک شاہی تمام فرقوں کو موحد مان لیجئے۔ اور ان کے عالموں اور موحدوں سے ملاقات کرنے کو (اگر واقعات ملجائیں) ایک رسول کیلئے ضروری اور قابل الذکر یقین کیجئے۔ اور اگر ورقہ وغیرہ کے عیسائی ہو جانے سے آپ نے موحد سمجھ لیا تو جیسا ہم اُوپر لکھ آئے ہیں۔ آپ کو بھی مسئلہ تثلیث کو عین توحید یقین کر لینا ہوگا۔ افسوس تو یہ ہے۔ کہ آپ خود غرضانہ تقلید اسلاف کے ساتھ داد تحقیق و انصاف لینا چاہتے ہیں۔ اور اجماع ضدین محال ہے۔

اس لیئے وہ اسکا بھی قائل تھا کہ روحانی کرائسٹ عیسیٰؑ کے پیکر انسانی میں متحد ہو کر اسواسطے نازل کیا گیا تھا کہ غاصب ذیمرج کی حکومت کو برباد کر دے۔ انکا یہی عقیدہ تھا کہ وہ افعی جس نے آدمؑ و حواؑ کو بہشت میں فریب دیا یا تو بذاتہ خود کرائسٹ تھا یا صوفیا جو ضرور تاً سانپ کی صورت میں متشکل ہو گیا تھا جس زمانہ میں مادیئین کے یہ مختلف فرقے یکے بادیگرے کالدی فیلسفی کے اثر سے وجود میں آتے چلے جاتے تھے۔ عین اسی زمانہ میں یونانیوں نے بال کی باپ بیٹے اور روح القدس والی تعلیم تثلیث میں اور نیز وجود عیسیٰؑ میں۔ دو جداگانہ جنسوں کے باہمی اتحاد کے دلائل اور نظام عالم کے متعلق اپنے فلسفیانہ عقائد کے فیمابین اتفاق و مطابقت کی کوشش شروع کی۔

فرقہ پیراکوس اس فرقہ کا بانی پیراکوس[1] (فراقوس) (PATRAXEUS) تھا۔ عیسائیت میں وہم پرستی کی تعلیم پھیلانے والا پہلا یہی شخص تھا اور وہ صرف اس حیلہ و تدبیر سے اپنے رواج تعلیم میں سب سے آگے بازی لے گیا۔ اس نے عیسائیوں کے اس عقیدے کو تسلیم کر لیا کہ باپ بیٹے اور روح القدس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان لوگوں نے یہانتک تسلیم کر لیا کہ باپ اپنے مخلوق بیٹے عیسیٰؑ کے ساتھ اس طرح متحد فی الوجود تھا کہ باپ نے بھی بیٹے کے سب مصائب بمقدار مساوی برداشت کئے۔ اور اسی طرح آپ بھی شرمناک موت برداشت کر گیا

فرقہ مانیٹوس[2] موشیم (MOSHCIM) کا بیان ہے۔ کہ یہ تمام فرقے علوم فلسفی کی ذریات تھے۔ ان سے زیادہ خرابی اور بربادی کی بلاء دین مسیحی پر ایک شخص مانیٹوس (مانیطوس) (MONTANUS) نامی باشندہ فرغنہ کے ہاتھوں آئی اس شخص نے تمام علوم اور انکی جامعیت کو بالکل بے ضرورت بتلا دیا اور اپنے آپکو مسیحؑ کا فرقلیط موعود (PATAEELEFE) ٹھہرایا۔ مانیطوس نے بہت جلد کثیر التعداد معتقد پیدا کر دیئے۔ جن میں سے دو عورتیں پرسکلا (PRKCALLA) اور میکسملا (MAXMILLA) مدعیان نبوتؑ تھیں۔ اور نہایت مشہور و معروف تھیں۔ یہ دونوں عورتیں جسقدر اپنے حسن و جمال کے لیے مشہور تھیں۔ اسی قدر نیک طریق اور نیک اعمال نہیں تھیں۔ ان دونوں نے فلکر ایشیائے شمالی کو مذبح عام بنا دیا اور اپنے مجنونانہ مظالم سے تمام قوم انسانی پر خوفناک مصائب وارد کیئے۔

---

[1] پیراکوس۔ فراقوس (PMAXCUS) دوسری صدی کا ایک عالم جس نے مسیحی فرقے مارنینسٹ (MONTANIST) کو نہایت مستعدی سے مغلوب کر کے اصول تثلیث میں اپنے مخترعات و موضوعات کی تعلیم شروع کی۔ اسکے بعد سبیلین (SABELLIAN) فرقے کی پیدائش ہوئی۔ ترتولین (TURTULLIAN) نے اس کی تعلیم کی دھجی اڑائی ہے۔ یہ شخص دوسری صدی تک زندہ رہا۔ (BEETENS HIST P.606

[2] مارنتوس یا مانیطوس (MONTANUS) فرقہ عیسائی کا بانی شہر فرغانہ کا رہنے والا عالم تھا۔ اس نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ مجھ پر روح القدس کا نزول ہوا ہے۔ اور اسی کی طرح اسکی دو شاگردہ عورتوں پرسکلا (PAKCULLA) اور میکسملا (MAXMULLA) نامی پر بھی نزول روح القدس ہوا کر مانیطوس مسئلہ تثلیث کا قطعی منکر تھا۔ اور دوسری شادی کرنے کو زنا محض سمجھتا تھا۔ اس کے کثیر التعداد معتقدین ہوئے۔ اور ان لوگوں نے عیسائی امت میں بڑی پراگندگی اور بدنظمی پھیلائی۔ اسنے اپنی نسبت نزول وحی ہونے کا دعویٰ کیا پھر تو بڑے بڑے عیسائی علماء اور حکماء اس کی تقلید میں آگئے سب سے بڑھکر حیرت انگیز امر تو یہ ہوا کہ طرطولین کے سا عیسائی عالم متبحر بھی اسکا معتقد ہو گیا۔ لیکن یہ عالم اپنے زمانہ میں اسکے حلقہ تقلید سے علیحدہ ہو گیا۔ مانیطوس دوسری صدی تک زندہ تھا۔ پھر فوت ہو گیا BEETONS HIST P.353

المولف عفی عنہٗ

فرقہ مانویہ عین اُسی زمانہ میں جب مارکونائیٹس۔ والنٹین۔ اور ہائیٹنٹ اور فرقہ ہائے مادیتین ممالک روم میں اپنی تعلیمات دینی پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ فارس میں ایک شخص پیدا ہوا جسکی شخصیت اور حیثیت نے دونوں براعظم ایشیا و یورپ کی حکومت و فلسفہ پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ مانی طریقہ اور قرینے سے تعلیمی کمال و جامعیت کا تیار اور کامل بیکر خاص تھا۔ اعلیٰ درجہ کا نجومی۔ اعلیٰ درجہ کا علم کیمیا و طبیعات کا ماہر۔ اعلیٰ درجہ کا منطقی اور اعلیٰ درجہ کا مُصوّر تھا۔ فنِ نقاشی میں اُسکے کمال ضرب المثل ہیں۔ اور ہر شخص آج تک ارژنگ مانی سے پورے طور پر واقف ہے۔ وہ یہودیوں کے علوم و رموز اسفار سے بھی کامل طور پر واقف تھا۔ عالمان مادیتین کی تعلیمات سے بھی کماحقہ ماہر تھا۔ اور شرقی فلسفہ اور تصوف کی حکمت پر بھی عبور کامل رکھتا۔ بذات خاص بزرگان مُغ کے خاندان سے تھا۔ اور شریعت عیسوی کی بھی کامل تعلیم پا چکا تھا۔ ان تمام کمالات و اوصاف میں کامل ہو کر اُس نے موجودہ مذہبی اختلافات سے جو اُسکے گرد و پیش ہر طرف پھیلے ہوئے تھے سخت نفرت ظاہر کی اور اُس نے ان مختلف مذاہب و طرائق کے مجموعہ سے ایک شریعت خاص کی بنا ڈالی۔ جو تمام اغراض انسانی و نفسانی کو بھی پوری کر سکتی تھی۔ اور مقاصد قلبی و روحانی کو بھی مانی نے اپنی اُس جرأت بے جا سے جو اُسنے تمام مروّجہ مذہب کی موجودہ ریل روال کو ایک بالکل نئے اور خارجی طریقہ عقیدہ سے روک دیا۔ اور اپنے اس طریقہ میں وہ اُس عام تنقید و تردید کے الزام میں خواہ مخواہ داخل ہو گیا جس نے تمام مذہب کی تعلیم و تلقین اور ہدایت و ارشاد کے کام بند کر دیئے۔ مانی نے اپنے طریقہ خاص کی تعلیم و ہدایت کو بڑی رازداری سے مخفی رکھا۔ فرقہ اسماعیلیہ نے ایک زمانہ بعید کے بعد مانی کا یہ طریقہ اختیار کیا۔ اور پھر فرقہ باطنیہ نے بھی اپنے زمانہ میں دیگر رسوز مذاہب کی تنقید و تردید سے بچنے کیلئے یہ مخفی انداز پیدا کیا۔ اسی باعث سے ہر فرقہ اور طریقہ مانی کا مخالف ہو گیا۔ پھر تو حقیقت میں یہ نوبت پہونچی کہ جہاں کہیں مانی یا اُسکے شاگرد اور مبلغین طریقہ پہونچے۔ وہاں اُنکا نہایت بے باکانہ مظالم کے ساتھ تعاقب کیا گیا۔ حقیقتاً مانی کی شریعت۔ ملت عیسائی کے متعلق قدیم ایرانی اور کالدی فلسفہ کا معجونہ مجموعہ تھا۔ اُسکے عقیدہ کے مطابق۔ مادہ اور رُوح ہمیشہ معرکہ آرائے مخالفت تھے۔ اِن دونوں ضدین کی مخالفت سے ترکیب انسانی کی ایجاد خلقت ہوئی۔ انسان کا اصل جوہر دو قسموں پر تقسیم ہوا ایک مادّی ایک روحانی۔ روحانی جوہر وہ تھا جو براہ راست آسمان سے انسان میں ودیعت کیا گیا تھا۔ اور مادّی وہ جو خلقت کے امتزاج عناصر سے وجود میں خود بخود آیا۔ ان دونوں متضد جوہروں کے اختلاف و ضرر دور کرنے کے لیئے اور جوہر رُوح کو قفس جسمانی (مادّی) سے نجات و مخلصی دلوانے کیلئے۔ جس میں وہ (جوہر روحانی) مقید تھا۔ خدائے تعالےٰ نے فضائے آسمانی سے ایک ازلیت کے مجسّمہ کو اپنے خاص جوہروں کے ساتھ نازل فرمایا۔ جو دُنیا میں کرائسٹ کہلایا کرائسٹ اُمت یہود کے درمیان ایک ظاہری پیکر انسان کے ساتھ نُمایاں ہوا۔ اور اُس نے اپنے دوران رسالت میں فانی ہستیوں کو صورت جسمانی کی ظاہری بدکاریوں سے ارواح نورانی کی مخلصی حاصل کرنے کی تعلیم دی اور اس طریق سے اپنے خراب اور ضرر رساں جوہر پر کامل فتحیابی حاصل کی۔ عالم ظلمت کے بادشاہ نے یہودیوں کو اُس کے

مار ڈالنے کی اشتعال دی۔ چنانچہ وہ صرف ظاہر طور پر نہ حقیقت میں مصلوب کر دیئے گئے۔ حالانکہ بخلاف اسکے وہ تبلیغ رسالت کے مناصب تمام فرما کر اپنے مسکن اعلیٰ کی طرف جو فضائے شمسی میں واقع ہے۔ واپس گئے۔

اِن دلائل کے مطابق مانی کا اقرار وادہ کرائسٹ نہ کہا سکتا ہے۔ نہ پی سکتا ہے۔ نہ مصائب و تکالیف برداشت کر سکتا ہے۔ اور نہ کبھی مر سکتا ہے۔ وہ اس طریق سے خدا کا آخر مماثل بنا کر بھی نازل نہیں کیا جا سکتا۔ غرضیکہ وہ آخر میں وہ ایک ہوائی ہیولا قایم ہوتا ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ وہ پیکر نورانی جو تمام اشیا میں نورانیت دے سکتا۔ مگر خود مادہ میں مقید بتلایا جاتا ہے۔ لیکن بغیر صورت مخلوق اختیار کرنے کے وہ صورت مادی سے علیحدہ ہو جانے کے لیے کوشاں کہا جاتا ہے۔ یہ کیسے؟

بہر حال۔ مانی کے یہ عقائد اور اُسکے دلائل۔ عام اس سے کہ کیسے ہی صریح کفر آمیز اور خلاف عقل نہ ہوں۔ لیکن ظاہری طور پر یہ اس قدر عقل سے بعید نہیں معلوم ہوتے جسقدر عیسائیوں کا موجودہ مسئلہ تحیل (TRANS. SUBTANTNFION) کی عقیدت جسکو آج تک اتنی کثیر التعداد قوم عیسائی تسلیم کر رہی ہے۔ یعنی طعام نذر مسیح کا خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خون ولحم میں پہونچکر تحیل ہو جانا۔

مانی نے اپنے مقلدین کے دو گروہ قرار دیئے۔ اور اُن میں سے پہلے منتخب شدہ لوگ نہایت سختی سے زاہدانہ اور مجردانہ معاشرت اختیار کرنے کے لیے مجبور رکھے گئے تھے۔ یہ لوگ ہر قسم کے گوشت وغیرہ کی خوراک کھانے اور شراب وغیرہ اشیائے نشی کے پینے سے سخت منع کئے گئے تھے۔ ازدواج اور دیگر لذات نفسانی کے اختیار کرنے سے بھی محروم رکھے گئے تھے۔ دوسرے قسم کے لوگ مقلدین سماعی کہلاتے تھے۔ اُن کی تکلیف نرم و آسان رکھی گئی تھی۔ وہ گھر بنانے زمین رکھنے اور مال ومتاع حاصل کرنیکے لیئے ماذون تھے۔ وہ گوشت بھی کھا سکتے تھے۔ شادی بیاہ بھی کر سکتے تھے۔ لیکن تاہم اُنکی یہ آزادی بھی اُن کو بہت سے حدود و قیود کے اندر اور اِن میں سخت سے سخت درجہ اعتدال قایم رکھنے کے شرائط کے ساتھ دی جاتی تھی۔ مانی کو بہرام گور نے قتل کر ڈالا۔ لیکن تاہم اُسکی تعلیم شریعت عیسوی میں اثر کر گئی۔ اور اُن تمام اختلافات ومناقشات میں جو آئندہ مختلف عیسائی طریقوں میں واقع ہوئی۔ وہ پُورے طور پر نمایاں تھی

تیسری صدی میں عیسائیت کا حال
سبلین فرقہ کا آغاز (۲۵۰ء)

تیسری صدی کے اوسط میں سبلین[1] فرقہ نمودار ہوا۔ اُسنے ایک نئے قسم کا اختلاف مذہب مسیحی میں پیدا کیا۔ سبلین SABALIAN نے بتلایا کہ حضرت عیسیٰؑ انسان محض تھے۔ اور اُنکا عقیدہ تھا۔ کہ ایک قوت خاص مبداء اعلیٰ کی طرف سے نازل ہو کر عیسیٰؑ کے پیکر انسانی میں ملحق و متحد ہو گئی تھی۔ اور اس بنا پر وہ ابن اللہ قرار پائے۔ یہ خاص طور

[1] سبلین SABALIAN تیسری صدی کا عالم یونانی جسنے وجود عیسیٰؑ کی الوہیت کے خلاف بہت سے موضوعات مخترع کئے بالآخر فلیطوس کے حکم سے ملک رُوم سے خارج البلد کیا گیا۔

CHAMBERS P.830

کی تعلیم جو بقول گبن (GIBBAN) کے موحدین کی اصلی راہ قریب تھی۔ عیسائیت کے مختلف فرقوں میں سخت بدنظمی کا باعث
چنانچہ چوتھی صدی کے ابتدا میں۔ اِس بنا پر اوریجن (OREGEN) نے اس عقیدہ کی تعلیم پھیلائی۔ کہ الوہیت تین خلاگانہ
جنسوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ مذہب تثلیث قدیم لامذہبی کی تلخیص ہے۔ جو اُمت مسیحی کے لوگوں نے ایجاد کرلی کثیر الّٰہی کے
ظنیات سے اُن کی فطرت اصولاً سراپا رنگی ہوئی تھی۔ عقیدہ تثلیث حقیقتاً عیسائیوں کی ایک قسم کی مدبرانہ مصلحت
(پولیسی) تھی۔ جو اُنہوں نے شریعت عیسوی اور مذہب کثیر الّٰہی کے درمیان اختیار کرلی۔ بعد از انقضائے ایام تعلیم
تثلیث کامل طور سے شریعت تثلیث بنکر ضروریات دینی میں داخل ہوگئی۔ مگر قبل اِسکے اِسکے باعث سے بہت سے فلسفانہ
طریق و دلائل عیسائیت میں داخل ہو چکے تھے اسپرٹ آف اسلام بحوالہ MOSHEIM P.411

چوتھی صدی میں عیسائیت کا حال فرقہ ایرین کا ظہور:-

فرقہ ایرین کا ظہور۔ عیسائیت کی خلاف عقل تعلیم سے عام انسانوں کے قوائے ذہنی کی معرکہ آرائی کا نتیجہ ہے۔ شہر اسکندریہ میں جو مجنونانہ طریقے
عیسائیوں کا بڑا مرکزی مقام تھا۔ اریوس (ARIUS)[1] نامی ایک شخص نے اپنے عالم مجتہد کے ارشاد کے بالکل خلاف
نہایت دلیرانہ اور بے باکانہ طور پر عموماً تمام ملک و قوم میں یہ صدائے احتجاج بلند کی کہ کرائسٹ ہرگز ذات الٰہی کے جوہر کے
ساتھ شریک نہیں ہیں۔ اریوس کی تعلیم بہت جلد ممالک مصر اور شمالی افریقہ میں پھیل گئی۔ اور برخلاف اُن تمام حملات تعاقبات
کے جو اُسکی امتناع اور سدباب کے لیئے انواع و اقسام کی صورتوں میں پیدا کئے گئے۔ اس طریقہ کی تعلیم ان ممالک میں
نہایت استحکام سے پھیلکر قایم ہوگئی۔ بلکہ ممالک اسپین (SPAIN) تک پہونچ گئی۔ اور اُسکے قیام و استحکام کی یہ حالت اس
وقت تک ایسی ہی رہی جب تک کہ اس عقیدے والوں نے مذہب اسلام نہ قبول کرلیا۔ اریوس کے اس طریقہ تعلیم نے
جو عیسائیت میں تفریق کثیر پیدا کردی اور اُس تفریق نے شاہ قسطنطین کو ۳۲۵ء میں بمقام بیتھینیا (BYTHYNIA) کو
کونسل نائس منعقد کرنیکے لیئے مجبور کردیا۔ اِس مجلس مشورت میں طرفین سے سخت ردّ و کد کے بعد اریوس کی تعلیم قطعاً ممنوع

---

[1] اریوس (ARUS) اُمت مسیحی میں فرقہ ایرین کا موجد اور اصول تعلیم علمائے مسیحیہ اسکندریہ کا سخت مخالف اُس نے ذات مسیح میں وجود الوہیت کے متعلق ایسے
ایسے اختلافات و اعتراض قایم کئے کہ بالآخر بادشاہ قسطنطین کو ۳۲۵ء میں کونسل نائس منعقد کرنیکی ضرورت ہوئی۔ اس کونسل نائس کے فیصلے سے اقوال اریوس ممنوع
و مردود کردیئے گئے اور جو اصول عقائد فی التثلیث اس کاونسل میں وضع کئے گئے وہی جاری کئے گئے اسکے بعد اریوس جلاوطن کردیا گیا لیکن دو برس بعد پھر قسطنطنیہ میں واپس بلا
لیا گیا۔ اور اپنے عقائد سے تائب ہوا اور گروہ مخلصین میں داخل ہوگیا۔ لیکن جب یہاں سے پھر وہ شہر اسکندریہ میں واپس گیا۔ تو اتھانسیوس نے (ATHANASUS) اُسکو
شہر میں آنے نہ دیا۔ اُسنے ہرچند شہر میں جانے کی کوشش کی مگر اہالیان شہر نے سختی سے روکدیا مجبور ہوکر وہ مصر میں چلا گیا اور وہاں پہونچکر پھر اُس نے اپنے اختلاف رائے سے عام طبقات
میں شورش پیدا کردی یہ خبر پاکر پھر قسطنطین نے اُسے دربار میں پکڑ بلایا۔ اور حکم دیا کہ وہ کونسل نائس کے فیصلے سے اتفاق کرنے کا اقرار کرے ورنہ وہ دیکھے گا جو اُسے دیکھنا پڑیگا
اریوس نے حلف لیکر اقرار کیا تو بادشاہ نے پھر اُسکو مذہب عیسائی میں لے لیئے جانیکا حکم دیا۔ لیکن اُسی دن جب وہ بڑے معبد عیسائی میں جا رہا تھا راستہ ہی میں مرگیا لیکن
اُسکی تعلیم شریعت اُسکے ساتھ ختم نہوئی۔ بلکہ نسلاً بعد نسلاً عیسائیت میں مفسدے پیدا کرتی رہی ۲۸۰ء میں پیدا ہوا اور ۳۳۶ء میں فوت ہوا P.154

کردی گئی اور گویا جرم قانونی قرار دیدی گئی اور کرائسٹ پدر سے علیٰحدہ جوہر تسلیم کر لیے گئے۔ اسپرٹ آف اسلام بحوالہ

GIBBON VOL IV P.305

اس انتظام سے مذہب عیسوی کی جو حالت ہوئی ہو۔ اس سے قطع نظر کرکے آپ اُسوقت سے اس مذہب کی تاریخ ستم وجود اندرونی جنگ وجدال خوفناک اور ظالمانہ حملات۔ باہمانہ نفرت اور قتل وغارت سے آپس کی روز افزوں مشاجرت عام قلوب انسانی سے عقل و انصاف زائل کر دینے کے تفصیلی دفتر پیش کرتی ہے۔ ان۔ تمام واقعات وحالات میں عالمان شریعت کی بدکاریاں جزو غالب بنکر داخل ہیں۔ ان عالمان شریعت کی سرفانہ تعیش بے جا دعوے اور بدکاریاں چاروں طرف سے عام شکایتوں کا باعث ہوئیں۔ زمانہ قدیم کے طریقہ تجرّد نے فرقہ مانک (MONK) کو اپنا قایم مقام بنایا۔ اور اُن صاحبان تجرّد کی بدکاریاں ضرب المثل بن گئیں۔ مانک فرقہائے عیسائیت کے مرتب اور تیار فوجی رسالے تھے جو ہمیشہ انواع واقسام کے فساد شکراں اور مخالف سلطنت پر جوشیاں رومۃ الکبرای سے اسکندریہ اور قسطنطنیہ کے ایسے مسیحی حکومت مرکزے شہروں کی عام شاہراہوں اور سڑکوں پر واقع کیا کرتے تھے۔ اِن کے اِن مفسدہ انگیزی اور شرارت طبعی کے نتیجے ہمیشہ سخت خونریزیوں میں نمایاں ہوا کرتے تھے۔

نسطوریوس[1] اور سینٹ سائرل[2] (NESTERWS & ST GYRELL) قاتلان ہپتیا (HYPTIA) دو مسیحی علماء کی باہمانہ جنگ وجدال نے عیسائیت کی تاریخ میں ایک قابل الذکر باب کا اضافہ کر دیا ہے۔

مختلف مذہبی کونسلیں دوسری مذہبی مجلس شورت۔ جو کونسل لوسیفس[3] کے نام سے مشہور ہے۔ انھیں اختلاف مذہب دور کرنے کے لیے جو شریعت میں واقع ہوگئے تھے۔ منعقد ہوئی تھی۔ مگر جیسا کہ مورخ گبن کا بیان ہے۔ اِس مجلس شورت

---

[1] نسطوریس (NESTORIUS) شاہ تھیوڈویس کے زمانہ میں قسطنطنیہ کا بشپ مقرر ہوا۔ اُس نے شہر انطاکیہ سے سند اجتہاد حاصل کی اور تبلیغ دین مسیحی کے خدمات انجام دینے میں اُس نے بہت بڑی ناموری حاصل کی ۴۲۸ء میں فرمان شاہی کے مطابق وہ قسطنطنیہ کا مجتہد اعظم مقرر ہوا۔ لیکن سنہ ۴۳۱ء میں وہ مسئلہ حلول یا ذات عیسیٰ میں دو جوہروں کے انکاری جرم میں معزول کر دیا گیا۔ اور چار سال تک قسطنطنیہ میں مقید رہا۔ پھر ملک مصر میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کے بعد بہت سے دوسرے مقامات میں بحکم سلطنت رہا۔ مقیدرہ کر بالآخر قیدی کی حالت میں مرگیا۔ اُس کی تعلیم وہدایت تمام شرقی ممالک میں پھیل گئی۔ اور ابھی تک اُس اطراف میں اُسکے متبعین بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اُس نے ۴۳۹ء میں وفات پائی۔

[2] سینٹ سائرل (ST CYRELL) اسکندریہ کا بہت بڑا مسیحی عالم اُس نے فرقہ اریوس کے عقائد کی تردید وتکذیب میں اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ صرف کر دیا۔ وہ مسند اجتہاد سے ۴۳۵ء میں اُتار دیا گیا۔ اس لیے کہ وہ گرجا کے بیت المال کو بجائے فقراء و مساکین کو کھانا یا تقسیما تھا۔ اُسنے مجلس علماء میں اپنی اس سزا کی اپیل کی اور وہ پھر اپنے قدیم عہدہ پر بحال کر دیا گیا۔ لیکن بار دیگر ۴۳۶ء میں معزول کیا گیا۔ اور پھر ایک بار اپنے قدیم عہدہ پر ممتاز کیا گیا۔ لیکن شاہ ویلین (VELEN) نے پانچ برس کے بعد اُسکو جلاوطن کر دیا۔ اور پھر بادشاہ کے زمانہ حیات تک واپس نہ آیا۔ اس کی موت کے بعد آیا بھی تو فوراً مرگیا۔ ۳۱۵ء میں پیدا ہوا ۳۸۶ء میں مرگیا۔ (BEELOIS HIO t P.533)

[3] ایپیفینوس (EPIPHINUS) جزیرہ قبرس (GYPRUS) کا عالم شریعت شاہ قسطنطین کا خاص مقرر کردہ تھا۔ اس نے اریجن شارح کتب مقدسہ کی رد لکھی ہے۔ لیکن اسکی اصل کتاب سے اس کے اقتباسات جو اس نے دیگر علماء وحکماء کی تصنیفات سے مستنبط

میں عالم اسکندریہ کی خودرائی نے بحث وکلام کی آزادی کو بالکل رُوک دیا۔

دوجنس غیر کی تعلیم وعقیدت جسیہ بہ حکم عام دیکر بالکل حرام کردی گئی، کہ جو لوگ ذات عیسیٰؑ کو دو جُداگانہ حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں وہ تلواروں سے خود حصّوں میں تقسیم کردیئے جائیں۔ وہ خود پارہ پارہ بنا دیئے جائیں۔ اور جلتی آگ میں جلا دیئے جائیں ایک عیسائی مجلس مشورت کے مخیرانہ مقاصد ثابت ہوتے ہیں۔

پانچویں صدی کے حالات اس کے بعد شہر چالکیڈون[۱] (CHALEADON) میں ایک تیسری مجلس شورت قایم ہوئی۔ یہ مجلس روم کے بشپ کے استصواب رائے سے قایم ہوئی تھی۔ اس مجلس میں ذات واحد میں عیسیٰؑ کا عین ظہور خدا کے لیکن دو جداگانہ عناصر کی ترکیب کے ساتھ بانٹے جانے کا عقیدہ بالوضاحت عام طور سے تسلیم کر لیا گیا۔ فرقہ مینو فیسا یئٹ (MONOPHYSITES) اور نسطورین (NESTORIAN) نے فیصلہ چالکیڈون کے سدراہ ہونے کی کوشش کی لیکن اس عقیدت کے متعصبین کے ہاتھوں سے جو اپنے زعم خاص میں کرائسٹ کے وجود اور ذات خاص کے راز کی تحقیق کامل کر چکے تھے۔ ان لوگوں کا قتل عام کرکے استیصال کامل کر دیا گیا۔ شہر بیت المقدس عیسائی راہبوں کے قبضہ خاص میں آگیا۔ اور ان لوگوں نے عقیدہ ظہور ذات واحد کی صدائے احتجاج بلند کرکے تمام شہر کو غارت کر دیا جلا دیا۔ اور قتل کر ڈالا۔ یہاں تک کہ مزار عیسیٰؑ بھی خون انسانی سے ناپاک و آلودہ کر دیا گیا۔ اسکندریہ کے عیسائی جو ایک عورت کو قتل کر چکے تھے اپنے اعظم ترین پیشوائے مذہبی کو بیت المقدس میں عین اصطباغ دیتے وقت اسی مقام مقدس میں قتل کر دینے سے باز نہ آئے۔ یہاں تک کہ اس کی صاف اور ستھری لاش کو آگ میں جلا دیا۔ اور اس کی خاک کو دریا میں بہا دیا۔

چھٹی صدی کے حالات اور فرقہ مینو فیسا یئٹ[۲] چھٹی صدی کے اوسط میں مینو فیسائیٹ فرقہ کا طالع واژوں پھر ایک بار یعقوب (JACEOB) نامی شہر اڈیسہ کے بشپ کے زیر ہدایت ہوکر راستی پر آیا تھا۔ یعقوب اور اُسکے جانشین اور قائم مقاموں کے زمانے میں پھر اس فرقہ نے مشرقی حکومتوں میں بہت بڑی شہرت اور عزت پیدا کی فرقہائے

بقیہ صفحہ گذشتہ مذہب کے ہیں بدرجہ بہتر اور مقید ہیں ۳۳۱ء میں ولادت اور ۳۹۰ء میں وفات ہے BEETONS HIST 641

[۱] چالکیڈون (CHALCADON) دریائے پونٹس (PONTOS) کے دہانے پر موجودہ شہر یاطوم (قسطنطنیہ) کے دوسرے جانب واقع یہاں قوم میگیز (MEGGIES) کے لوگ پہلے آباد تھے۔ اس شہر کو سیتھنس (SYTNIANS) (قوم سیتان) نے بادشاہ غیلینوس (GALINWUS) کے عہد میں تیسری صدی عیسوی میں غارت کر ڈالا۔ پھر شاہ جسٹنین (JASTINIANS) نے چھٹی صدی میں آباد کیا۔ پھر اس کو ترکوں نے اپنے زمانہ عروج میں برباد کرکے اینٹ و عمارت کو شہر قسطنطنیہ (استنبول) میں ڈھوکر اپنی عمارت میں صرف کیا۔ یہ شہر حکیم زینا قریطوس (ZENACRATUS) کا مولد تھا BEETONS HIST P-425

[۲] مینو فیسائیٹ (MONOPHYSETES) عیسائیوں کا وہ فرقہ جو ذات مسیح کو صرف ایک جوہر سے مخلوق سمجھتا ہے۔ بخلاف عیسائیوں کے عام عقائد کے جو عیسیٰؑ کی ذات کو الوہیت اور انسانیت دونوں جوہروں سے مرکب جانتے ہیں۔ BEETONS HIST 585

نسطوریہ و متعصبین عیسائیت اور اہالیان چالکیڈون پر اپنے متواتر حملات کرکے اِن لوگوں (فرقہ یعقوبی) نے تمام دُنیائے عیسائیت میں تباہ و برباد کردینے والی لڑائیاں اور خونریزیاں چاروں طرف واقع کر رکھی تھیں۔ غیر عیسائی طریق کے لوگوں کے نزدیک مانیو فیسائیٹ کی یہ تعلیم کہ مسیحؑ کی صفات روحانی و انسانی باہم متحد ہو کر ایک جنس خاص تیار ہوگئی ہے اور اس اتحاد ضدین سے کوئی تغیر یا تفریق دو اشیاء مختلفہ میں نہ کسی صورت سے نمایاں ہوتی ہے۔ اور نہ پیدا ہوتی ہے اصول مقرر کردہ کونسل چالکیڈون سے کسی طرح علیحدہ اور مختلف نہیں ہوتے۔ لیکن تاہم یہ اختلافی خصوصیت بھی کثیر التعداد قوم انسانی کی مصیبتوں کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ آخرکار ۶۳۰ء میں شاہ ہرقیلوس (ہرقل) (HARCULWS) نے اِن مذہبی بے قاعدیوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت سے ایک خاص عقیدہ کو جاری کیا۔ اور اُس کا نام مالو تھیالیٹس (MONOTHYLITES) رکھا۔

ساتویں صدی کے حالات فرقہ مالوتھیالیٹس کی ابتدا

اس فرقہ کی تعلیم نہ اتنی جابرانہ تھی اور نہ مجنونانہ۔ مالوتھیالیٹس کے عقیدہ میں عیسیٰؑ خدائے کامل تھے۔ اور نہ انسان کامل۔ لیکن ان کی ترکیب خلقت اُلوہیت اور انسانیت کے دونوں جوہروں سے بقدر مشترک مرکب تھی۔ اور ایسی کہ اُنکی ذات نہ مرکب معلوم ہوتی تھی۔ اور نہ اِس ترکیب میں کوئی تغیر یا بدترتیبی تمیز کی جاتی تھی۔ بلکہ اس باہمی توحد و توصل سے صرف ایک ہی ذات یقین کی جاتی ہے۔

بخلاف اس کے یہ صلح کن طریقہ تعلیم قلوب مختلفہ عیسائیت میں سکون و آرام اتفاق و اتحاد پیدا کرے۔ اسکے شیوخ نے تو عیسائیوں کے مختلف فیہ فرقوں کے درمیان خرابیوں کو اور گہرا کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایشیائے مغربی۔ افریقہ شمالی اور ممالک یورپ کے اکثر حصوں میں حضرت عیسیٰؑ کی منسوب الیہ قربان گاہوں میں قتل عام وغیرہ کے وہی منظر اور وہی عالم ہمیشہ پیش آتے رہے۔

آمد آمد اسلام سے ماقبل کی صدیوں میں ممالک مسیحی کے مذہب و ملت کی یہ کیفیت تھی جو اُوپر بیان کی گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ قسطنطین کے مذہب عیسائی اختیار کرنے سے مذہب عیسوی نے سلطنت روستہ الکبریٰ میں نمایاں قوت پکڑی۔ لامذہبی کی راہ تو بند ہوگئی۔ لیکن اسکے (لامذہبی کے) زوال کے وقت بڑے بڑے عظیم الشان اور خالص رومی سلاطین نے اسکو قایم رکھنا چاہا۔ لیکن اسکا زوال و انہدام لاعلاج ہوچکا تھا۔ مورخ گبن کا بیان ہے کہ لامذہبی اور کفر پرستی کے قطعی موقوف ہوجانے کے بعد یہ اُمید تھی کہ قوم عیسائی امن و امان اور سلامت روی کی حالتوں میں تنہا ہوکر اپنی کامیابی سے آرام و سکون پائے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اصول مذہب کا باہمانہ نفاق اُنکے سینوں میں ابھی تک زندہ تھا۔ اور بجائے اسکے کہ وہ پیغمبر کے اُصول و قواعد کی عملی طور پر مشق و پابندی کریں۔ اُن لوگوں نے ذات عیسیٰؑ کی تحقیقات و تفہیمات کا محققانہ انداز اختیار کیا۔ تمام مسیحی یورپ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور شریعت عیسوی انواع و اقسام کے اختلافات و موضوعات سے بھری پڑی تھی۔ مُردوں کی روحیں اُسی طرح کثرت سے پوجی جاتی تھیں۔ اور معززین قوم و ملک کے مجسّمے اسی طرح قابل تعظیم و پرستش تسلیم کیے جاتے تھے۔ قبور پرستی اور شیوخ پرستی دونوں عالمگیر ہو رہی تھی۔ اور اسیطرح عیسائیت کفر پرستی

بنادی گئی تھی۔ عیسائیت کی ماتحتی کی وجہ سے قوم کی ملکی اور معاشرتی حالتیں بھی بالکل افسوسناک ہو رہی تھیں۔

عیسائیت کے حیوانی مظالم انسان سے خیالات و فیصلہ جات کی آزادی صلب کر لی گئی تھی۔ اور عیسیٰؑ کی حکومت لامذہبوں اور کافروں کی بیرحمانہ قربانیوں اور جانشانیوں تک محدود کر دی گئی تھی۔ جو عقائد مروجہ ملک سے بال بھر بھی اختلاف کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ شہر اسکندریہ کی کھلی سڑک پر اور مہذب دُنیا کی کھلی آنکھوں کے سامنے۔ زمانہ قدامت کی شریف ترین عورت ناقابل الذکر مظالم کے ساتھ۔ ایک عالم عیسائی کے ہاتھ سے۔ جسکا نام دفتر عیسائیت میں شہید کے لقب مقدس سے برابر تحریر کیا جاتا ہے۔ اور جسکے لیے موجودہ روشنی کے زمانہ میں ایک عذر خواہ (ڈریپر) (DRAPER) بھی پیدا ہو گیا ہے۔ ذبح کر ڈالی گئی۔ ڈریپر کے خوش بیان صفحات میں اُن خونخوارانہ جرائم کے پورے واقعات موجود ہیں۔ جو ابدالآباد تک عیسائیت کے دامن پر بہت بڑا داغ لگائے رہیں گے۔

قتل ہیتیا ایک خوش جمال عقیلہ اور نہایت پارسا خاتون پر جسکی درسگاہ شہر اسکندریہ میں صاحبان ذوق و اہل معاشرت مروجہ کی کثرت سے ہمیشہ بھری رہتی تھی مبلغین اور معلمین عیسائیت کے ایک گروہ نے عین اُسوقت حملہ کر دیا جب وہ اپنی تعلیم گاہ سے باہر آ رہی تھی۔ اِن سویدین مذہب کے شور و غل میں وہ اپنی گاڑی پر سے کھینچ لی گئی۔ اور کھلی سڑک پر بالکل ننگی کر دی گئی وہ تو خوف کی شدت سے بے حواس ہو رہی تھی۔ اُسے اُسی شکل سے کھینچکر ایک قریب کے گرجے میں لے گئے۔ اور وہاں امام مذہب کے چھرے سے قتل کر ڈالی گئی۔ اُس کی غریب لاش کے ساتھ بدکاری کی گئی۔ اُسکے بعد اُسکی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ اِس پر بھی یہ خونخوارانہ مظالم اُسوقت تک تمام نہیں کئے گئے۔ جب تک کہ سیپیوں سے اُسکا گوشت ہڈیوں سے بالکل کھرچ نہ لیا گیا۔ پھر بقیہ اجزائے لاش کو آگ میں ڈالدیا گیا۔ اور باوجود ان تمام مظالم کے دُنیائے عیسائیت نے اس ظالم (قاتل ہیتیا سینٹ ساریل) کو مذہبی امام و پیشوا کا خطاب دیا جس نے ایسی خوفناک اور انقلاب انگیز خونخواری دکھلائی۔ غریب ہیتیا[1] کا خون بہا سوائے عمرو ابن العاص کی تلوار کے اور کوئی دوسرا نہ لے سکا۔

---

[1] ہیتیا (HYPTIA) تھیون (THEON) کی لڑکی تھی۔ اور شہر اسکندریہ کی بہت بڑی ریاضی داں حکیمہ۔ باپ کے مرنے کے بعد اُس نے حکمت افلاطون کی سند اُس شہر میں حاصل کی۔ اور کثیر التعداد طلباء اور شاگردوں کو ریاضی اور فلسفہ کی تعلیم دینے لگی۔ یہاں تک کہ یونان اور اسکندریہ میں تعلیم حکمت ارسطو اور افلاطون میں اُسکی شہرت تمام پھیل گئی۔ سنیاسوس جس نے آخر میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اُسکا بڑا مداح تھا۔ اسی طرح ارسطیطوس جو حاکم اسکندریہ تھا۔ ہیتیا کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ اور ہر امر ضروری میں اُس سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ حاکم اسکندریہ اور ساریل (قاتل ہیتیا) کے درمیان سخت عداوت تھی۔ جو آخر میں فیما بین جنگ و جدال کی صورت میں مبدل ہو گئی تھی۔ اور جیا لونان (MONKS) کی وارستہ جماعت نے ساریل کی طرف ہو کر ارسطیطوس پر حملہ کر دیا۔ اور ارسطیطوس کو بالآخر شہر سے بھاگنا پڑا۔ اس کے بعد اُن لوگوں نے ہیتیا کو پکڑا۔ اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اُس کے اعضاء کو جلا ڈالا۔ ہیتیا نے دفناطوس (DIOPPNATWS) کی تالیف اور دیگر کتابوں کی شرحیں لکھیں۔ مادر مقدس زمانہ ریورنڈ۔ چارلس کنگسلے (KINGSBYREV CHARLSE) نے ایک خاص کتاب میں اُسکے واقعہ کو لکھا ہے BEETONS HIST P.935

عیسائیت کے مظالم اور عالمگیر بدکاریاں

حکومت قسطنطنیہ کی حالت خصوصاً شاہ جسٹینین (JASTINIAN) کے ایسے نامور اور سوید عیسائیت کے ایام حکومت میں، تمام عیسائی حکومتوں کی ملکی اور قومی بدکاریوں اور بد اخلاقیوں کی مرتب فہرست ہے۔ اقاصرہ روم کے تخت شاہی پر ملکہ تھیوڈرا (THEODRA) کے قدم آئے اور وہ سلطنت کے تمام نظام میں بادشاہ کی شریک۔ بلکہ شریک غالب بن گئیں۔ تھیوڈرا نے شہر قسطنطنیہ میں اپنی (بدکاری کی) علانیہ تجارت شروع کر دی۔ اور وہاں کے آوارہ مزاج باشندوں میں اُن کا نام ضرب المثل ہوگیا۔ لیکن باایں ہمہ اُس شہر میں کامل تعظیم وتکریم کے ساتھ یہ سلطانہ تسلیم کرلی گئیں۔ اور بڑے بڑے حاکمان قتل وقصاص مجتہدان عصر فقیہ اور قلعہ کش سپہ سالاران افواج اُن کی تعظیم واحترام کرنے لگے۔ تھیوڈرا کے جور ومظالم سے سلطنت روم دُنیا کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہوگئی جن مظالم کو نہ کوئی نصاب مذہبی روک سکتا تھا۔ اور نہ حدود قومی یہ شورش انگیز مفسدے۔ خونریز ہنگامے میں علمائے مذہب کی ہمیشہ نمایاں شرکت رہتی تھی، اُس زمانہ خاص کے آئین تھے۔ اِن سوقعوں پر تمام احکام نظام۔ عام اِس سے کہ نظام انسانی ہوں۔ یا احکام روحانی سب پامال کر دیئے جاتے تھے۔ معابد اور مذابح (قربان گاہیں) خونخواریوں سے ناپاک بنے ہوئے تھے۔ کوئی مقام نہ امن وآرام کے قابل تھا۔ اور نہ طہارت واحترام کے لائق۔ قومی قوانین بالکُل متروک کر دیئے گئے تھے۔ اور باغیانہ بدکاریاں دن دہاڑے ہمیشہ جاری رکھی جاتی تھیں۔ کوئی واقعہ ایسا خوفناک اس ناپاک شہر میں اُس وقت تک ظاہر نہیں ہوا تھا جیسا کہ نیکا کے عام بلوے کی صورت وطریقہ میں شاہ جسٹینین کے پانچویں سال جلوس میں واقع ہوا۔ طبقہ رعایا کی عام طوائف الملوکی اپنی تمام خونریزیوں اور بدکاریوں کے ساتھ شاہی افواج متعصبین کی حمایت کی وجہ خاص سے ترقی ووسعت پاکر بالکل وحشیانہ انداز وصورت میں اِس حد تک پہونچ گئی تھیں کہ سلطنت کُفار میں بھی اُن کی نظیر نہیں ملتی۔

شاہ مارقیوس کا خون ناحق

جب ہم قسطنطنیہ کی اِن حالتوں کا مقابلہ کرنے لگتے ہیں۔ تو حکومت فارس کی حالت کو اُس زمانہ میں اِس سے کہیں بہتر سمجھتے ہیں۔ عام جذبات انسانیت۔ اِن مظالم وجرائم کو دیکھکر جنہوں نے مسیحی قسطنطنیہ کے کارناموں کو سراپا داغدار بنادیا ہے۔ بالکل علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ جس زمانہ میں کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام بالکل کمسن تھے عین اُس وقت ایک نہایت نیک اور پرہیزگار عیسائی حکمراں قسطنطنیہ[۱] جس کا شل آج تک تخت بازنطوم دسائق نام قسطنطنیہ

[۱] اس بادشاہ کا نام مراقس رومی تھا (MAURICEUS) یہ شخص نہایت قدیم خاندان روس کا ممبر تھا۔ ۵۷۷ء میں شاہ طبریوس نے اُسے سالار فوج بناکر محاصرہ فارس میں بھیجا تھا۔ وہاں اُس نے فتح عظیم حاصل کی ۵۸۲ء میں وہ شاہ طبریوس کا قایم مقام ہوا۔ اور اُس کی لڑکی سے شادی کرلی۔ اہل فارس نے روم پر چڑھائی کر دی جانبین سے صف آرائی ہوئی۔ اور کامل آٹھ برس تک قایم رہی۔ اور بالآخر خسرو ثانی کے حکومت سے منتزع کیے جانے پر ختم کردی گئی۔ تخت سے منتزع ہو کر خسرو نے مراقس سے کمک مانگی۔ اور مراقس نے مدد فوجی دیکر اُسکو اُسکا موروثی تخت دلوا دیا۔ اُسکے معاوضہ میں چند قلعہ جات فارس مراقس کو دیدیئے۔ اُس کے بعد اہل عرب اور رومیوں میں جنگ واقع ہوئی جنمیں اہل عرب نے بارہ ہزار رومیوں کو قید کرلیا

پر نہیں بیٹھا تھا۔ ایک عیسائی بادشاہ کے اشارے سے قتل کر دیا گیا۔ وہ مظلوم بادشاہ اپنے قصر شاہی کے عبادت خانہ سے باہر کھینچکر لایا گیا۔ اور اُس کے پانچوں بیٹے ایک ایک کرکے اُسکی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیئے گئے۔ اور حسرتناک منظر بادشاہ کے خاص تمام کر دیئے جانے پر ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد اُسکی بیوہ سُلطانہ پر۔ اور اُسکی لڑکیوں پر خوفناک مظالم ڈھائے گئے۔ اُن کو بھی اُسی مقام پر قتل کر دیا گیا۔ جو مقام اُن سے پہلے شاہِ مراقس کے خون سے رنگین ہو چُکا تھا۔

اِس کے بعد کے واقعات مظالم۔ جو مقتول بادشاہ کے احباب و رفقاء کے ساتھ عمل میں لائے گئے وہ عیسائیانِ قسطنطنیہ کے اخلاق کی بالکل فہرست ہیں۔ اُن کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔ تالوسے زبانیں کھینچ لی گئیں۔ شل حیوانات کے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے۔ اُن میں سے اکثر تازیانوں کے نیچے مرگئے۔ اکثر آگ کے شعلوں میں جلکر خاک ہو گئے۔ اکثر کے کام تیر مار مار کر تمام کر دیئے گئے۔ اور جلدی سے مار ڈالنا۔ تو بقول گبن۔ ایک قسم کا بہت بڑا رحم تھا۔ جو اُن بدنصیبوں کو مشکل سے نصیب ہوا۔

سلطنت قسطنطنیہ خون تھوک تھوک کر قریب المرگ ہو رہی تھی۔ اور ملکی اور مذہبی تفرق و منافقات سے صدپارہ ہو کر اور عقلی مجادلوں سے بیدل ہو کر۔ مذہبی عقائد میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوششوں سے بالکل کمزور ہو چکی تھی۔ اور ہمیشہ کُشت و خون۔ بدکاریوں اور خونخواریوں کے مناظر پیش کرتی رہی۔

عیسائیوں کا بہت بڑا مشہور و معروف مورخ ملمین (MILMEN) قسطنطنیہ میں اُس زمانہ کی مجنونانہ عیسائیت کی یہ حالت بیان کرتا ہے۔

قسطنطنیہ کا بشپ (مجتہد اعظم) سلاطین قسطنطنیہ کا دھن بستہ شکار۔ ادنیٰ غلام اور جوش مذاق والا مصاحب تھا۔ اور کبھی اپنا کامل اخلاقی اثر حاکم سلطنت کے مزاج پر نہ پہونچا سکا۔ اس سے طبقہ زیرین کے ماتحتی علماء و پیشوایان مذہب عیسوی قطع نظر آسکے۔ کہ اُنہوں نے اپنے دوسرے احسان و اشفاق قوم پر مبذول کرکے قوت دولت اور مراتب حاصل کرلئے ہوں جن سے وہ قوم کی حریص اور دیگر خواہشات نفسانی کو روک سکیں۔ مگر باوجود اسکے اُن کی یہ تمام قوتیں اتنی کافی نہیں تھیں۔ کہ وہ تمام قوم کے قلوب پر کبھی نظام امن قائم رکھنے کے لیئے تحکم کر سکیں یا قدیم زمانہ کی بداخلاقیوں کو موقوف کر سکیں یا ہمانہ منافقات و اختلافات میں سکون پیدا کر سکیں۔ اور دو گری ہوئی قوموں کو یکجا کر دیں۔ بظاہر تو وہ قلوب پر حکمرانی کرتے تھے۔ اور اُس سے قبل زبانوں میں بھی وہ حکمرانی کر چکے ہیں۔ لیکن قلوب عامہ پر یہ حکمرانی کسی اقتدار و عظمت یا احسان و خلوص کے ذریعہ سے نہیں کی جاتی تھیں۔ بلکہ جاہل متبعین کو وہم پرستی کے خوف دلانے۔ ڈرانے اور دھمکانے سے حقیقتاً اُس طبقہ کے

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ اگرچہ مراقس نے فدیہ دے کر اُن کو چھوٹا لینا چاہا۔ مگر بونوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ اور سب کو قتل کر ڈالا۔ اس جرم میں فوج نے مراقس کے ساتھ غدر کر دیا۔ اور فوکس (PHOCOX) کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اور قسطنطنیہ پر حملہ کرکے مراقس اور اُس کے تمام خاندان کو قتل کر ڈالا۔ ۵۳۹ء میں پیدا ہوا۔ اور ۶۰۲ء میں قتل ہوا۔ BEETONS 2970

لوگ (علمائے عیسائیت) بذات خود جہالت کے غار میں گرپڑے تھے۔ اور جہالت وحیوانیت کے آگے سرنگوں ہو گئے تھے۔ اور یہ ایک نہایت ذلیل درجہ کی تہذیب تھی۔ رہبانیت نے قوم کے کثیر التعداد افراد کو جو محض زاہدانہ اور دینی مشاغل میں نہایت مستعد اور کارآمد لوگ ثابت ہوتے ہیں۔ اپنی طرف کھینچ لیا۔ لیکن ان رہبانوں نے۔ جب سے ملک کے خونخوارانہ اور مخالفانہ معاملات ملکی میں اپنے حصے اور فرقے بنا بنا کر شرکت کی۔ اسی وقت سے انکی نگاہوں میں ان کی وقعت اور انکے اثر بالکل کم ہو گئے۔ وہ کہنے کے لیئے تو دنیا سے بالکل علیحدہ تھے۔ تارک الدنیا والعلائق تھے۔ حیرت و تنہائی کے وادی میں ساکن تھے۔ اور انہیں لوگوں میں وہ راہبین جو مانک (MONK) کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ اپنے اپنے صومعات میں تو بجائے خود نہایت مستحکم اور پُرامن تھے۔ اور ایسا ہی وہ اپنی نجات کی نسبت بھی یقین کامل رکھتے تھے۔ لیکن اپنے فرقہ کے سوائے تمام نوع انسانی کو ایک لاعلاج فنا و نیستی کے لیے چھوڑے بیٹھے تھے۔ اسپرٹ آف اسلام ص ۳۶

بحوالہ۔ MULMANS LATIN CHIRISTIANTY VST INTRODUCKON P.84

جو قطعات ملکی۔ ایشیائی ترکستان میں۔ دریائے فرات سے مغرب کی طرف واقع تھے۔ وہ پارتھین[1] (PARTHAN) اور رومن قوموں کے ہاتھوں یکے بادیگرے برباد ہو چکے تھے۔ پھر ان دونوں تباہ کن قوموں کے بعد ان ممالک کو ایران اور رومیوں نے پامال کرکے تباہی و بربادی کے آخر درجوں تک پہونچا دیا تھا۔ وہاں کی رعایا کی بدکاریاں انکی قومی تباہی سے بڑھی ہوئی تھیں۔ متبعین عیسائیت نے اُن کی قومی حالتوں میں ترقی پیدا کرنے کی جگہ انکی خرابیوں کو اور دوبالا کر دیا تھا ان ممالک میں مذہب زردشتی ذلیل ترین عیسائیت سے ایک طرف اُلجھا ہوا تھا۔ اور فرقہ نسطوریہ (NESTRIAN) اپنے متعصبین مذہب کے گروہ سے دوسری طرف دست و گریبان تھا۔ اور یہ وہی قدیم جنگ تھی۔ جو فیمابین۔ ماثینوس اور دو پیغمبر ہائے آسمان کے درمیان ایک زمانہ دراز سے جاری تھی۔ الغرض ان مفسدات نے مغربی ایشیا کو بربادی اور ناامیدی کا ناپیدا کنار ویرانہ بنا رکھا تھا۔

وہ گرد باد فتوحات جو افریقہ ہو کر گذر گیا۔ وہ قتل عام کشت وخون۔ معلمین و مبلغین مذہب عیسائیت کی زیادتی اور بدعنوانی سے بالکل پُر اور مملو تھا۔ اُسنے نور اخلاق کے ایک ایک ذرے کو چن چن کر ملک مصر اور دیگر ممالک افریقہ کے حصوں سے جو قریب قریب زوال و نیستی کے پہونچے ہوئے تھے۔ نکال پھینکا۔ قوم کی حالت اس سے بھی زیادہ مصیبت ناک ہو رہی

---

[1] پارتھین (PARTHIAN) ایشیائے مغربی کے ایک علاقہ خاص کا قدیم نام ہے۔ جو کیسپین کے جنوب و مشرق کی جانب ایک جنوبی خاکنائے ہرکانہ (HYRCANIA) سے ملا ہوا ہے اب وہ علاقہ خراسان کے شمالی حصہ میں داخل ہے۔ یہ قدیم سے ملک فارس کا علاقہ تھا۔ اسکو سکندر اعظم نے فتح کر لیا تھا اور بعد فتح ملک شام سے ملا دیا تھا لیکن یہاں کی رعایا نے بغاوت کرکے اپنے ملک کو آزاد کر لیا۔ اگرچہ رومیوں نے اُن کو مفتوح کرنے کی متواتر کوشش کی۔ پھر وہ کبھی کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اُن کا خاص حاکم اربا ٹینوس چہارم (ARBATINIOS IV) نے فارس والوں کے ساتھ جنگ کی۔ اور عین معرکہ جنگ میں مارا گیا۔ اسی وقت سے یہ علاقہ ممالک فارس کے ساتھ ہمیشہ کیلئے ملحق ہو گیا (BEETONS HIST 285)

تھی۔ روزِ روشن میں حاکمانِ شریعت اور قوم کے لوگوں کی دونوں آنکھوں کے سامنے نارسیئز[1] (NARSES) کے ایسا ایک محسن قوم و ملک شہر قسطنطنیہ کے بازار میں زندہ جلا دیا گیا۔ ایسے ہی تخت گاہِ روم میں اگزآرچ (EXARCH) نائب السلطنت کے آنکھوں کے سامنے فریق مخالف بشپ کے طرفداروں نے اعلان جنگ دیدیا۔ اور تمام گرجاؤں کو عیسائیوں کے خون سے بھر دیا۔

ملک اسپین (اندلس) نے اِن سے بھی زیادہ خوفناک بربادی اور طائف الملوکی کے واقعات پیش کئے۔ دولتمند طبقۂ قوم اور وہ چند صاحبانِ اقتدار و حقوق۔ جو حکومت کی طرف سے عمّالانِ ملکی کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ یا حاکمانِ وقت ہونے کے خطابات اور القاب رکھتے تھے۔ وہ لوگ تمام دینی اور دُنیاوی تکالیف سے البتہ سبکدوش تھے۔ وہ انتہا درجہ کی عیش و عشرت کے ساتھ اپنے اپنے خوشنما محلات میں رہتے تھے۔ غلام و کنیز خدمت کیلئے ہمیشہ اُنھیں گھیرے رہتی تھیں۔ وہ لوگ اپنے اوقات زیادہ تر حمام کی صحبتوں میں صرف کرتے تھے۔ جو اُنکی بدکاریوں کے اظہار کی اصلی شکارگاہ تھی۔ یا قماربازی کی سیر پر اپنا وقت گذارتے تھے۔ اِس سے جو وقت بچتا تھا۔ وہ کھانے اور پینے میں صرف ہوتا تھا۔ اُنکی یہ کثیر عیش و عشرت اور اُن میں اِن لوگوں کی بے حد زیادتیاں۔ عام طبقہ رعایا کی لاانتہا ناداری اور تکلیف کے ساتھ ایک خوفناک مقابلہ کا موقع دیتی تھیں۔ اب رہی متوسطین طبقاتِ قوم۔ جن کو شہروں اور قصبوں کی آزاد رعایا کہا جاتا تھا۔ وہ رومن بادشاہوں کے مظالم سے روزانہ پیسے جا رہے تھے۔ زمیندارانہ غلامی موقوف ہو گئی تھی۔ اُسکے قائم مقام آبادانہ غلامی قائم ہو گئی تھی۔ اور اُس نے آزادی اور غلامی کے درمیان کی صورت اختیار کی تھی۔ بعض حالتوں میں وہ غلاموں سے زیادہ آسودہ اور خوشحال تھے۔ وہ جائز طریقہ میں شادی بیاہ بھی کر سکتے تھے۔ اور اپنی کاشت کے محاصل میں قدرے حصہ پانے کے بھی مستحق ہو جاتے تھے۔ اور اُن کے مالک اُن سے مال و مویشی نہیں لے سکتے تھے۔ باستثنا اِن کے وہ اور حالتوں میں ملک کے غلام تھے۔ اور اُن کی ذاتی خدمات بالکلیۃ حکومت سے وابستہ تھیں۔ اُن کو سزائے جسمانی اُسی طرح دیجاتی تھی۔ جس طرح گھر لونڈی غلاموں کو دیجاتی تھی۔ رعایا کچھ ایک ہی شخص کی غلام نہیں تھی۔ بلکہ ملک بھر کی۔ اُنکی خدمات کے تعلقات موروثی اور ناقابل انفکاک طریقہ سے اُن کی زمین کاشت سے متعلق تھے۔ جسے وہ جوتتے بوتے تھے۔ اِن غلامانِ حکومت کے حالات جو خاصکر تمام حکومت کی رعایا پر مشتمل تھے۔ ناقابل بیان تھے۔ اُن پر حیوانوں سے بھی زیادہ ظلم و بیرحمیاں کی جاتی تھیں۔ جہالت ملکی کے بار تانی حملات ان بدقسمت قطعات زمین پر اس سے بھی زائد خوفناک بلاؤ

---

[1] نارسیس یا نارسیز (NARSIS) اصل میں یہ ایک خواجہ سرا تھا جو شاہانِ قسطنطنیہ کے حرم سرا میں معمولی عہدہ پر مامور تھا۔ رفتہ رفتہ شاہ جسٹینین کا مشیر خاص ہو گیا اور بالآخر رومیوں کی تمام افواج کا نہایت اعلیٰ اور کارگذار سپہ سالار بن گیا۔ یہ قوم گاتھ (GATH) کے محاصرے میں رومیوں کی طرف سے سپہ سالار افواج مقرر کرکے بھیجا گیا۔ اور سنہ ۵۵۲ء میں وہ فتحیاب ہوا۔ اور شاہ طاطلہ (TOLTOLA) اُسی جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بعد وہ شاہ رُوم کی طرف سے ممالک اٹلی میں وائسرائے بنا کر بھیجا گیا۔ اُس نے اپنی حسن تدبیر سے تمام ملک اطالیہ میں بہت خوب انتظام کئے لیکن آخر میں اُس پر حرص و طمع کا الزام لگایا گیا۔ اور شاہ جسٹینین کے بعد وہ اس جرم میں اس عہدے سے معزول کر دیا گیا۔ وہ پچانوے برس کا ہو کر شہر رُوم قسطنطنیہ میں سنہ ۵۶۸ء میں زندہ جلا دیا گیا۔ BEETONS HIST P.401

مصیبت لائے۔ لیکن جب ان میں بیداری آئی تو وہ از خود رفتہ خوفناک اور کامل الارادہ ہوگئے۔ اور انہوں نے ان طبقات آرامی کو لوٹا، قتل کیا۔ اور باقیماندہ (لڑکوں عورتوں اور بیادری لوگوں کو اپنا غلام بنایا۔ کثیر التعداد قومیں اس جزیرہ نما یورپ) میں آباد تھیں۔ مقلدین حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں جیسے جیسے خوفناک مظالم ان کے ساتھ ہوئے۔ اور جس بے رحمی سے انکا تعاقب کیا گیا۔ وہ دلشکن ہیں۔ ان لوگوں کا تعاقب عالمان شریعت عیسوی کے ہاتھوں اور انکے حکم خاص سے بزیر حکم شاہ ویسگوتھ سبت (VISEGOTTISISBED) ۶۱۶ء سے شروع ہوکر اسوقت تک نہیں تمام کیا گیا۔ جب تک کہ اسلام ان مظلومین جہالت دجنون کے لیئے پروانہ نجات نہ لایا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے یورپ کے یہودیوں کو اس قابل بنا دیا کہ میمونائدس (MESEZMAMENIDS) یا ابن جبرئیلؒ کے ایسے قابل افراد پیدا کرسکے۔ اسپرٹ آف اسلام از حق دیباچہ[۳۲۱۹] رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی۔ سی۔ آئی۔ اے۔ بالقابہ نے سند رجہ بالا عبارت تفصیلی میں صفحات عالم پر الکفر ملۃ واحدۃ کی ایسی اچھی تصویر کھینچی ہے۔ کہ پھر اس کی دوسری مثال یا عکس ثانی پیدا کرنا دشوار ہے۔ اس تفصیل سے ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا۔ کہ ظہور اسلام اور بعثت حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ الکرام کے وقت کفر وشرک اور ضلالت وجہالت کی عام تاریکی دُنیا کے اِس سرے سے لیکر اُس سرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور عادت الٰہی کے مطابق یہی وقت اور یہی موقع انوار رسالت کی ضیا افشانی کا خاص تھا۔ اس تفصیلی عبارت کے متعلق مجھکو کسی اضافہ کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن چونکہ موجودہ زمانہ میں تمام یورپ کا زمانہ ہے۔ اور اس کتاب میں تمام یوروپین مصنفین کی تعریضات سے مقابلہ ہے۔ اس لیئے ضرور ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت ممالک یورپ کی جہالت و ضلالت جیسی تاریکیوں سے ثابت ہوتی ہو۔ وہ بھی تفصیل کیساتھ پیش کردی جائے۔ کیونکہ سندرجہ بالا عبارت تفصیلی میں اس تشریح کی کمی رہ گئی ہے اس غرض سے ہم مفصلہ ذیل عبارت میں آنحضرت صلعم کے مبعوث برسالت ہونے کے وقت یوروپین ممالک کے علیحدہ علیحدہ حالات قلمبند کرتے ہیں۔

ممالک یورپ میں عیسائیوں کی دینی اور دنیاوی بدنظمی

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام یورپ میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ انگلستان میں برٹن (BIRTON) اور سکس (SAXON) قومیں آباد تھیں۔ نارتھمبرلینڈ۔ مڈلینڈ۔ کونٹیز۔ نارفاک۔ سفاک۔ اور سکس (قریب قریب تمام اضلاع انگلستان میں) ہیں۔

ف ابن جبرئیل یہود کا بہت بڑا عالم شریعت اسپین کا باشندہ تھا۔ عام طور سے موسیٰ مصری کہلاتا تھا۔ کیونکہ وہ حاکم مصر کا حکیم خاص تھا۔ اُسنے قبل میں اپنے کو مسلمان بتلایا تھا۔ اسلیئے کہ اُسوقت کے اسلامی سلاطین یہودیوں کے سخت مخالف تھے۔ وہ مختلف زبان وعلوم سے واقف تھا۔ اور خاصکر علم فلسفہ اور علم الالٰہیہ کا بہت بڑا کامل تھا۔ وہ علم شریعت کی حقیقت کا بھی ماہر تھا۔ اور مدراس و تالمود (تفاسیر وحدیث یہود) پر اُسنے بڑی بڑی شرحیں لکھیں۔ اور دلائل عقلیہ سے اُنکے مطالب کے مکاشفات کیے۔ اُسکی تصانیف بڑی ضخیم ہیں۔ اور اُسکی قدر ومنزلت یہود و نصاریٰ میں اتنی ہے کہ ویسی کسی دوسرے عالم کی نہیں۔ یہود تو اُسکو موسیٰ ثانی کہتے ہیں۔ اُسکی شرح توریت اُصول فقہ عبرانیاں وغیرہ مشاہیر تصانیف ہیں۔ بمقام قرطبہ ۱۱۳۵ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۲۰۴ء میں فوت ہوا۔ BEETONS HIST صفحہ 59

ووڈن (WODDEN) کی پرستش ہوتی تھی۔

فرانس اور اسکے اضلاع۔ برن بلڈ۔ سگ برٹ۔ فری دی گونڈ دی۔ بلمارک پرُ افسانہ و قصص کی حالت میں گرفتار تھا۔ اور ان علاقوں میں پادریوں کے ایماء سے بہت سی بدکاریاں روا رکھی جاتی تھیں۔ فرانس ہمیشہ سیکسن قوموں سے دریائے الب (R-ELBE) پر معرکہ آرا رہا تھا۔ یہ لڑائی ۷۸۲ء کے بعد تک جاری رہی جس میں ساڑھے چار ہزار سیکسن قیدی نہایت بیرحمی سے شہر وارڈن (WARDEN) میں ہلاک کیئے گئے۔

ہینگری۔ ان دنوں انتہا درجہ کی وحشی ونائیت اور آوارہ قوم کے ہاتھوں میں تھا جن کو وحشیانہ اور ظالمانہ وسائل سے اپنے مذہب میں لایا گیا تھا۔ دسول اور ملٹری گزٹ مورخہ ۲۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء اڈیٹوریل نوٹ۔

ہندوستان میں پرُانوں کا زمانہ شروع ہو گیا تھا۔ اور بام مارگی فرقہ قابو یافتہ تھا۔ وہ اپنے گندے اُصولوں کیطرف بندگان خدا کی راہبری کرتا تھا۔ مندروں میں زن و مرد کی برہنگی کی تمثالیں بنا کر رکھی جاتی تھیں۔ اور انھیں کی پرستش کی جاتی تھی عبادت خانوں کے در و دیوار پر ایسی سراپا فحش تصویریں کندہ کی جاتی تھیں۔ جن کے تصور سے ایک مہذب شخص کو نفرت آنی چاہیئے R.C. DUT CIVILIZATION OF MABOY. 937

چین اور مشرق بعید کے باشندوں نے اپنے ملک کو آسمانی فرزند کی بادشاہت سمجھ کر خدا سے منہ موڑ لیا تھا۔ ہر کام کے لیئے جُدا جُدا بت مقرر کر لیئے تھے۔ کوئی بارش کا۔ کوئی اولاد کا۔ کوئی جنگ کا۔ کوئی امن کا۔

قبل بعثت عرب کے خاص حالات

یہاں تک ہم معمورۂ عالم کے گوشہ گوشہ کی بت پرستی اور کفر ستی کے مفصل اور مسلسل حالات قلم بند کر چکے۔ اور دکھلا چکے۔ کہ ایک کفر شعاری کی بدولت۔ اُنکے اخلاق۔ آداب معاشرت اور ملکی و قومی نظام کیسے تباہ و برباد ہو رہے تھے۔ اب ہم ان اقطاع عالم کے مندرجہ بالا حالات کو بالتفصیل بیان کرکے حسب الوعدہ اخیر میں جزیرہ نمائے عرب کی موجودہ تباہی و بربادی کا نقشہ ذیل کے مضامین میں کھینچتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس عام تاریکی کے زمانہ اور اس دائمی ظلمت کے عین عالم میں اس قطعہ عالم کی جس کی نسبت وہاں کے باشندے قلب عالم ہونے کا دعوے اور اپنی سرزمین وطن کو ایک نامحدود و غیر معدود زمانے سے تقدیس کا مرکز رسالت کی تبلیغ کا مخزن۔ ابراہیمؑ کا معبد۔ اور اسمٰعیلؑ کا مسکن قرار دیتے آئے ہیں۔ ان خصوصیات و اوصاف سے تو یہ چاہتا تھا۔ کہ وہ اور اُسکے باشندے بمقابلہ اور مقامات کے اپنے اطوار و کردار میں خدا پرستی اور صلاحیت کے مسلک قدیم پر قائم ہوں۔ لیکن واقعات اس کے برعکس یہ بتلاتے ہیں۔ کہ اُنھوں نے اپنی قدیم عظمت کے تمام خصوصیات کو بالائے طاق رکھ کر ایک مدت سے کعبہ میں بت پرستی اختیار کر لی تھی۔ تفصیل یہ ہے۔

کئی صدیاں گذر گئیں تھیں۔ سیکڑوں نسلیں ختم ہو گئیں تھیں۔ کہ جزیرہ نمائے عرب میں اُسوقت سے لیکر اسوقت تک کسی فرمانروا کا پورے ملک پر نہ تسلط ہوا تھا۔ اور نہ کسی بادشاہ کی حکومت۔ ایک زمانہ دراز سے ملک کا ملک شتر بے مہار تھا۔ نہ کسی حاکم

سے واسطہ۔ نہ کسی حکومت سے سروکار حضرت شعیبؑ کے بعد سے جسے تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے۔ آجتک اِس قطعہ زمین پر نہ کوئی ہادی اُمت نازل ہوا تھا۔ نہ کوئی راہبر۔ اور نہ پیغمبر اُترا تھا۔ اسوجہ سے یہ مُلک کا ملک قوم کی قوم خدا کے اُصول ہدایت سے واقف تھی۔ اور نہ قانون سیاست سے آشنا۔ ایک خالص آزاد قوم تھی۔ اور کامل جاہل ملک جن کی آزادی محض حیوانی تھی۔ نہ انسانی۔ لیکن وہ آزادی بھی انواع اقسام کی کیفر کرداریوں میں گرفتار تھی۔ اور ملی نام و نمود بھی ہزار طرحوں کی جاہلیت میں نیست و نابود۔

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب حقیقتاً کسی الہامی مذہب کو نہیں مانتے تھے۔ اُن کو خدا کے وجود ہی سے انکار تھا۔ اور حشر کے منکر تھے۔ اور چونکہ وہ گناہ کے قائل نہ تھے۔ اس لیے عقبیٰ میں روح کی جزا و سزا کے بھی قائل نہ تھے۔ وہ اپنے آپ کو جملہ قیود قانونی خواہ حدود ہی سے بالکل مبرا اور منزہ تصور کرتے تھے۔ اور اپنی ہی آزاد مرضی کے موافق کاربند ہوتے تھے اُنکا عقیدہ تھا کہ انسان کا وجود دُنیا میں ایک درخت یا جانور کے مانند ہے۔ وہ پیدا ہوتا ہے۔ اور پختگی پر پہونچکر تنزل پکڑتا ہے۔ اور مرجاتا ہے۔ اور جانوروں ہی کے مانند بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اکثر اِن میں معتدل خیال والے بھی تھے۔ اور وہ رُوح کو غیر فانی سمجھتے تھے۔ اور اُس کی جزا و سزا کو آدمیوں کے نیک و بد اعمال پر منحصر کرتے تھے۔ اِس لیے ضرور تھا۔ کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں۔ جس سے اُنکو دائمی خوشی حاصل ہو۔ اور اُن کو ابدی تکلیف اور خرابی سے محفوظ رکھے۔ لیکن خود اُن کے پاس کوئی ایسا اُصول جس کے وہ کاربند ہوں موجود نہ تھا۔ اسلیے اُنہوں نے اُن قواعد کی طرف توجہ کی جن کو ہمسایہ قومیں مانتی تھیں۔ اور اپنی سمجھ کے موافق ہر قوم سے اِن لوگوں نے کچھ کچھ باتیں اخذ کرلیں۔

عرب میں بت پرستی کیسے آئی یہی اسباب تھے۔ جن اسباب سے عرب نے شام کے بت پرستوں سے بت پرستی سیکھی اور عمر ابن الحبیہ۔ ہبل نامی بت کو شام سے لاکر اور خانۂ کعبہ میں نصب کر کے عرب کی بت پرستی کا بانی اور داعی مشہور ہوا ان لوگوں نے بہت سے معتقدات اپنے ہی اصلی وطن کے الہامی مذہبوں سے اور بہت سے غیر ملکوں کے خیالات سے اخذ کرلیے تھے۔ اور پھر ان سب کو اپنے توہمات سے خلط ملط کر کے اپنے معبودوں کو دین و دُنیا کے اختیارات دے رکھے تھے۔ لیکن اتنا فرق تھا۔ کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے۔ کہ دنیوی اختیارات بالکل اِن معبودوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور عقبیٰ کے اختیارات کی نسبت اُنکا یہ اعتقاد تھا کہ اُنکے بُت یعنی وہ جنکی پرستش کیلئے وہ بت بنائے گئے تھے۔ اُن کے گناہوں کی معافی کے لیے خدائے تعالےٰ سے شفاعت کریں گے۔ غرضکہ ظہور اسلام سے پہلے ملک عرب میں بت پرستی کی یہی کیفیت تھی۔ تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا۔ اور جن بتوں کو وہ پرستش کرتے تھے۔ اُن کی تفصیل یہ ہے۔

عرب کے بُتوں کے نام اور مقام ہبل (۱) ہُبل۔ ایک بہت بڑا بت تھا۔ جو خانہ کعبہ کے اندر داہنی طرف۔ جو خزانہ کا کنُواں تین گز گہرا حضرت ابراہیم نے کھودا تھا۔ اُسپر کھڑا کیا گیا تھا۔ عمر ابن الحبیہ اس کو ارض جزیرہ سے لایا تھا۔ اُحد کی لڑائی میں ابوسفیان نے اسی سے مدد چاہی تھی۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے فتح مکّہ کے

روز حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اُسکو توڑ ڈالا توریت کے قدیم بت بعل کی یہ غالباً تصحیف ہے۔

(۲) وُدّ۔ قبیلہ بنی کعب کا یہ بت اور وہ لوگ اُس کی پرستش کرتے تھے۔ عرب کا رستم دستان مشہور پہلوان عمر بن عبد وُد کا نام اسی بت کے نام سے خاص نسبت رکھتا ہے۔

(۳) سوآع۔ یہ بت قبیلہ مذحج کا تھا۔ اور وہ اُس کی پرستش کرتا تھا۔

(۴) یغوث۔ قبیلہ بنی مراد کا بت تھا۔ اور وہ اس کی عبادت کرتے تھے۔

(۵) یعُوق۔ بنی ہمدان کے قبیلہ کا بت تھا۔ اور وہ اُسکو معبود سمجھتے تھے۔ اور عبادت کرتے تھے۔

(۶) نسر۔ یہ بھی بنی ہمدان کے قبیلہ کا بُت تھا۔ اور یمن کے لوگ اُس کی پرستش کرتے تھے۔

(۷) عزّیٰ۔ قبیلہ بنی غطفان کا بت تھا۔ اور وہ قبیلہ اسکی پرستش کرتا تھا۔ اصل میں عُزّیٰ۔ تین درختوں کا مجموعہ تھا۔ جس میں ذات باری عزّ و اسمہٗ کا حلول سمجھکر پُوجتے تھے۔ عُزّیٰ لفظ عزیز کا مؤنث ہے۔

(۸) لات۔ یہ ایک بن گرھا پتھر تھا۔ جس میں لوگ خیال کرتے تھے۔ کہ شان باری تعالےٰ کے کرشمے نے حلول کیا ہے لات کو عورت یعنی دیوی سمجھتے تھے۔ اسی رعایت سے لفظ اِلٰہ کا مؤنث اللّات ہوا۔

(۹) منات۔ یہ ایک عظیم الشان بت تھا۔ اور سمندر کے کنارے پر قدید کے پاس عمر بن الحیۃ نے نصب کیا تھا۔ لات و منات کے بُت کسی خاص قبیلے سے علاقہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ عرب کی تمام قومیں اُن کی پرستش کیا کرتی تھیں۔

(۱۰) دوآر۔ یہ بت نوجوان عورتوں کی دیوی تھی۔ وہ چند دفعہ اسکا طواف کرتی تھیں۔ پھر اسکو پوجتی تھیں۔

(۱۱) اُصاف۔ صفا پر نصب تھا

(۱۲) نائلہ۔ مروہ پر تھا۔ اِن دونوں بتوں پر ہر قسم کی قربانی ہوتی تھی۔ اور سفر میں جانے اور سفر سے آنے کے وقت اِن کو بوسہ دیتے تھے۔ حقیقت اِن کی یہ ہے۔ کہ بنی جرہم کے زمانہ میں صفا و مروہ پر اِن دونوں بُت نصب کئے گئے تھے صفا پر جو بت تھا۔ وہ مرد کی شکل تھا۔ اُسکو اصاف کہتے تھے۔ دوسرا بت جو مروہ پر تھا۔ وہ عورت کی شکل تھا۔ اُسکو نائلہ کہتے تھے۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دونوں انسان تھے۔ اور بنی جرہم اِن کو اپنا دیوتا سمجھتے تھے۔ اُنکے مرنے کے بعد اُنکے دو بت بنا دیئے گئے۔ اور پرستش ہونے لگی۔

(۱۳) نہیک (۱۴) مُطعم۔ یہ بھی عرب کے دو قدیم بت تھے۔ نہیک کو صفا پر نصب کیا گیا تھا۔ اور مُطعم مروہ پر۔

(۱۵) ذات الانواط۔ یہ ایک بہت بڑا سبز و شاداب درخت مقام حنین میں تھا جسکو لوگ پوجتے تھے۔

(۱۶) ذُو الکفین۔ یہ بھی ایک بت تھا۔ جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلوا دیا۔

(۱۷) عَبْعَب۔ ایک بڑا پتھر تھا۔ جس پر اُونٹوں کی قربانی کی جاتی تھی۔ اور عرب ذبیحہ کے خون کا بہنا اُس پر نہایت ناموری کی بات سمجھتے تھے۔

اِن کے علاوہ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ کی صورت بنی ہوئی تھی۔ اور اُن کے ہاتھ میں قرعہ اندازی کے تیر تھے۔ جو ازلام کہلاتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تصویریں دیواروں پر کھنچی ہوئی تھیں۔ حضرت مریمؑ کی بھی ایک صورت تھی۔ اس طرح کہ حضرت عیسیٰؑ اُن کی گود میں ہیں۔

عرب کی ملکی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وُدّ۔ یغوث۔ یعوق۔ اور نسر۔ مشہور لوگوں کے نام ہیں۔ جو ایام جاہلیت میں گذرے ہیں۔ اُنکی تصویریں پتھروں پر نقش کر کے بطور یادگار کے خانۂ کعبہ کے اندر کھڑی تھیں۔ ایک مدت کے بعد اُنکو تبہ معبودیت دیکر پرستش کرنے لگے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ عرب کے نیم وحشی باشندے اِن صورتوں پر خدا ہونے کا پورا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ اُن لوگوں کو جنکی یہ صورتیں تھیں۔ معبود سمجھتے تھے۔ بلکہ اُن کو مقدس سمجھنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں۔

عرب جاہلیت ان صورتوں کو اُن شخصوں کی روحوں کی یادگار سمجھتے تھے۔ اور اُنکی تعظیم وتکریم اس سبب سے نہیں کرتے تھے۔ کہ اِن صورتوں میں کوئی شان اُلوہیت موجود ہے۔ بلکہ محض اسوجہ سے اُن کی عزت وتعظیم کرتے تھے۔ کہ وہ اُن مشہور اور نامور اشخاص کی یادگار ہیں۔ جن میں اُنکے اعتقاد کے موافق جملہ صفات اُلوہیت یا کسی قسم کی شان اُلوہیت موجود تھی۔ اُن کے نزدیک اِن صورتوں کی پرستش سے اُن لوگوں کی روحیں خوش ہوتی ہیں۔ جنکی وہ یادگاریں تھیں۔ اُنکا یہ اعتقاد تھا کہ خدائے تعالےٰ کی جملہ قدرتیں۔ بیماروں کو شفا بخشنا۔ بیٹا۔ بیٹی عطا کرنا۔ قحط وبا ودیگر آفات ارضی وسماوی کا دور کرنا۔ اُن کے مشہور ومعروف لوگوں کے اختیار میں بھی تھا۔ کہ جن کی طرف اُنہوں نے صفات اُلوہیت کو منسوب کر رکھا تھا۔ اور وہ خیال کرتے تھے۔ کہ اُن صورتوں کی تعظیم وپرستش کی جائے گی۔ تو اُن کی دُعائیں اور منتیں قبول کی جائیں گی۔ اُنکا یہ بھی مستحکم عقیدہ تھا۔ کہ یہ اشخاص خدا کے محبوب خاص تھے۔ اور اِنہی صورتوں کی پرستش سے خوش کر پرستش کرنیوالوں کو خدا تعالیٰ کے قرب حاصل ہونیکا ذریعہ ہونگے۔ اور اُن کو تمام روحانی خوشی عطا کریں گے۔ اور اُن کی مغفرت کی شفاعت کرینگے۔

بتوں کی پرستش کے لیئے اُنکا یہ قاعدہ تھا۔ کہ بتوں کو سجدے کرتے تھے۔ اُن کے گرد طواف کرتے تھے۔ اور اُن کو نہایت ادب اور تعظیم سے بوسہ دیتے تھے۔ اُنپر اُونٹوں کی قربانیاں کرتے تھے۔ مویشیوں کا پہلا بچہ بطور نذر کے چڑھاتے تھے۔ اپنے کھیتوں کی سالانہ پیداوار اور مویشی کے انتفاع میں سے ایک حصہ معین خدا کے واسطے۔ اور دوسرا حصہ بتوں کے واسطے مقرر کرتے تھے۔ اگر بتوں کا حصہ کسی طرح کم ہوجاتا تھا۔ تو خدا کے حصہ میں سے اُسکو کر دیتے تھے۔ اور اگر خدا کا حصہ کسی طرح ضایع ہوجاتا تھا۔ تو بتوں کے حصہ میں سے اُسکو پورا نہیں کرتے تھے۔

عرب کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں یہ تو ملک عرب کی قوموں کے دینیات کی خرابی تھی۔ اب اُنکی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں مفصلۂ ذیل مضامین ملاحظہ ہوں۔

عورتیں حقیقت میں۔ ہر قوم وملک کی معاشرت کی زیور ہیں۔ عرب جاہلیت اِن کو سب سے زیادہ خراب حالت میں رکھتے تھے۔ مردوں کو اختیار تھا جتنی چاہیں عورتیں کریں۔ لیکن عورت شوہر کے بعد بھی اس سے مجبور تھی۔ اگرچہ اس باب

کے تعین کرنے کے لیے کوئی قانون منضبط نہیں تھا۔ کہ مرد کو کونسی قرابت مند عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے۔ اور کونسی ناجائز۔ مگر باہیں ہمہ یہ رسم شایع تھی۔ کہ اُس عورت جو قریب تر رشتہ رکھتی ہو۔ ازدواج نہیں کرتے تھے اور یہ اعتقاد خاص رکھتے تھے۔ کہ ایسی عورت کی اولاد عموماً ضعیف اور کمزور ہوتی ہے عرب کی جاہلانہ رسموں میں سے سب سے زیادہ خراب رسم اور اُن سب سے زیادہ بے رحم رسم لڑکیوں کا مار ڈالنا یا اُنکو زندہ دفن کر دینا تھا۔ لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کرنے کے مجاز تھے۔ لیکن باپ اپنے بیٹے کی یا متبنٰی کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنیکا مجاز نہ تھا۔ اور اُس کے علاوہ عمل کرنا نہایت معصیت اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔ شوہر کے بعد اُسکا سوتیلا بیٹا۔ اگر وہ نہ ہو تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیتا تھا۔ اور جو شخص اس طرح چادر ڈال دیتا تھا۔ اُس سے شادی کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ عورتیں اپنے متوفی شوہر کا ماتم ایک سال کامل تک کیا کرتی تھیں۔ اور میعاد معینہ کے بعد بیوہ اُونٹ کی چند مینگنیاں یا تو کسی کتے پر یا خود اپنے کندھے پر سے اپنی پیٹھ پر پھینکدیتی تھی۔ جس سے یہ مراد تھی۔ کہ اب بیوہ عورت کو اپنے متوفی شوہر کا کچھ خیال نہیں رہا۔ عورتوں میں اپنے گھر سے بےحجاب نکلنے اور عام مجمعوں میں بدون پردہ اور بے حجاب آنے کا دستور تھا۔ اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات نہیں تھی زناکاری بھی عام تھی۔ اور ایسی کہ زنان فاحشہ پہچان کے لیے اپنے اپنے گھروں اور خیموں کے آگے ایک نشان کھڑا کر دیتی۔ اور اس رعایت سے وہ صاحب رایات کہی جاتی تھیں۔ اصطلاح عام میں اِن صاحب رایات زنان فاحشہ کو کائنات کہتے تھے۔ ملک کے بڑے بڑے میلوں اور دنگلوں میں یہ عمایداور اکابر قوم روسا اور اُمرا کی خاص دلچسپی کا باعث ہوا کرتی تھیں۔ اُن کے خیمے ڈیرے اور رہنے کے مکانات و مقامات اُمرا اور روسا تعیش پسند کے عشرت کدے اور تفریح گاہیں بنے رہتے تھے۔ اور ہر شخص نہایت آزادی سے بلا تامل اُن بازاری عورتوں کے ساتھ ارتباط اور روزانہ آمدرفت رکھتا تھا۔ مے خانوں اور شراب کی عام دوکانوں پر اِن کی بڑی ضرورت تھی۔ گویا ان کی موجودگی ترکیب مے کے جزو اعظم تھی۔ اس رعائت سے میفروشان عرب بڑی بڑی رقمیں اُجرت میں دے اُنہیں سے متعدد افراد کو اپنی اپنی دوکانوں پر مقرر کر لیا کرتے تھے۔ اور اپنے محاورے میں اُن کو شواہد کہتے تھے۔ عمر عاص اور زیاد ابن سمیہ کی ماں انہیں عورتوں میں تھیں۔

سفاکی۔ خونریزی۔ رہزنی گویا اُن کی فطرت تھی۔ اور قتل و قصاص اُن کی عادت تھی۔ خون کا عوض خون ہی ہوتا تھا۔ جو لوگ خون کی دیت لیتے تھے۔ اُنکو اُن کے ہمجنس حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُنکا اعتقاد تھا۔ کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض خون سے نہ لیا جاوے۔ تو ایک چھوٹا سا پردار کیڑا مقتول کے سر سے نکلکر آسمان پر اِسْقُوْانِیْ اِسْقُوْانِیْ کہتا ہوا چلاتا پھرتا ہے۔ اور بعض کا خیال تھا کہ مقتول کی رُوح ایک چھوٹی چڑے کی صورت میں متشکل ہو کر اُس کی قبر کے گرد گھوما کرتی ہے اور اِسْقُوْانِیْ اِسْقُوْانِیْ (مجھکو پانی) پلاؤ۔ (مجھکو پلاؤ) چلاتی رہتی ہے۔ اس کیڑے کو ھامّۃ اور چڑے کو صدیٰ کہتے تھے۔ لبید شاعر ایک شعر میں کہتا ہے۔

فلیس الناس بعدک فی نقیر وما ھم غیر اصدآءٍ وھام

ترجمہ: تو کیا بکس ہے کہ تیرے بعد سوائے صدائی اور ہامہ کے کوئی بھی تجہیز و تکفین و زاری کرنیوالا نہیں ہے

اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا۔ کہ انسان کی رُوح اُسکی سانس کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ رُوح محض ایک ہوا ہے۔ جو انسان کے جسم کے اندر ہے۔ لیکن جو اُن میں زیادہ تعلیمیافتہ تھے۔ یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ رُوح ایک نہایت چھوٹا سا جانور ہے۔ جو انسان کے پیدا ہونیکے وقت اُس کے جسم میں گھس جاتا ہے۔ اور ہمیشہ اپنے آپ کو بڑھاتا ہے۔ اُس کے مرنے کے بعد وہ جانور جسم کو چھوڑ کر قبر کے گرد پھرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک اُلو کے برابر ہو جاتا ہے۔

زمانہ جاہلیت کے عرب دیوؤں اور خبیث ارواحوں کو مانتے تھے۔ تمام خیالی، وہمی اور فرضی صورتیں جو بیابانوں یا پُرانی عمارتوں اور مسمار اور منہدم کھنڈروں اُن کو نظر آتی تھیں۔ اور جنکی تنہا آدمی کے خیال میں اکثر ایک خاص صورت بن جاتی ہے۔ اُن سب کو مختلف قسم کی خبیث ارواحیں تصور کرتے تھے۔ بعض لوگ ان مغالطات نظری کو مختلف روح کی تاثیرات کی طرف سے منسوب کرتے تھے۔ اور اُن کی رائے اوروں کی رائے کے مقابلہ میں افضل تر معلوم ہوتی تھی۔

ٹوٹکوں اور شگون لینے میں اُنکا مضبوط اعتقاد تھا جب کوئی مصیبت یا تباہی اُن پر نازل ہوتی تھی۔ تو پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں لے کر کچھ اُن پر پڑھ کر پھونکتے تھے۔ اور اُن کو پھینکتے تھے۔ اور ایسا کرنے سے اُس مصیبت کے دور ہونے کی توقع رکھتے تھے۔ جانوروں کے اُڑنے اور بولنے سے بھی نیک و بد شگون کیا کرتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی شخص بیٹھا ہے۔ اور کوئی جانور اُسکے داہنے طرف سے بائیں طرف راستہ کاٹ گیا۔ تو اُسے شگون نیک سمجھتے تھے۔ اور سانح کہتے تھے۔ اور اگر وہ بائیں طرف سے داہنی طرف راستہ کاٹ گیا۔ تو شگون بد جانتے تھے اور جارح کہتے تھے۔ یہ لوگ نیک و بد جنات میں بھی عقیدہ رکھتے تھے۔ اُن کی مختلف شکلیں اور صورتیں قائم کر رکھی تھیں۔ اور اُن کے مختلف نام رکھے ہوئے تھے۔ اُن کے نزدیک بعض جنات نصف جسم انسان کے ایسا اور نصف جسم رُوحانی رکھتے تھے۔ یہ لوگ علاوہ جنات کے اور وجودوں میں اور دیگر اقسام کی روحوں میں بھی اعتقاد رکھتے تھے۔ جو انسان کی نظر سے غائب رہتی تھیں۔ لیکن آئندہ کی خبروں کو باآواز بلند ظاہر کر دیتے تھے۔ اور خود ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے۔ وہ فرشتوں کو اور ارواحوں کو بھی جو دکھائی نہیں دیتی تھیں مانتے تھے۔ اور مختلف شکلیں اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ (ملخص از خطبات احمدیہ لاہور ص ۱۵۸ - ۱۹۰)

عرب کے الہامی مذہب

عرب کے ظہور اسلام کے وقت چار الہامی مذہب بھی ایک حد و مقدار تک رائج تھے۔ اِن میں قدیم ترین مذہب صابئی تھا۔

مذہب صابئی

مذہب صابئی کو عرب میں۔ قوم سامیہ نے رواج دیا تھا۔ چونکہ ہمیشہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو قدیم مذہب کا پیرو سمجھتے تھے وہ حضرت شیث یا اخنوخ یعنی ادریس علیہ السّلام کو اپنا نبی کہتے تھے۔ اور اپنے مذہب کو اُنھیں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اُن کے پاس ایک کتاب بھی تھی۔ جسکو وہ صحیفہ شیث کہتے تھے۔ صابیوں کے ہاں سات وقت کی نمازیں تھیں۔ اور وہ

اُنکو اسیطرح ادا کرتے تھے جس طرح مسلمان اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں مردُوں کے بھی نماز پڑھاتے تھے۔ اور وہ مسلمان کیطرح کامل ایک مہینہ قمری کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ لیکن بااین ہمہ جو برائیاں اور خرابیاں آہستہ آہستہ اُن کے مذہب میں پھیلتی گئیں۔ وہ یہ تھیں۔ کہ وہ ستاروں کی پرستش کرنے لگے۔ حرّان کے معبد میں یہ لوگ بہ نیت حج جمع ہوتے۔ انھوں نے سات ہیکلیں یعنی معبد سبع سیاروں کے نام پر بنائی تھیں۔ اور جس ستارے کا جو معبد تھا۔ اُس میں اُس ستارے کی پرستش کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کی بھی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اُن کا سب سے بڑا تیوہار اُس روز ہوا کرتا تھا جبکہ آفتاب برج حمل میں جو موسم بہار کا اوّل برج ہے۔ داخل ہوتا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے تیوہار اُسوقت ہوتے تھے۔ جب پانچ ستارے زحل۔ مشتری۔ مریخ زہرہ۔ اور عطارد بعض برجوں میں یکے بادیگرے داخل ہوا کرتے تھے۔ اُنکا اعتقاد تھا کہ ان ستاروں کے سعد و نحس اثر انسان کی قسمتوں پر اور دُنیا کے تمام اُمور پر پڑتے ہیں۔ وہ یقین کرتے تھے۔ کہ بارش یا مینہ کی کشش اُنھیں ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے۔ یہ خیال اور اس قسم کے اور خیالات و عقائد صابیوں کے سوا عرب کے اور لوگوں میں بھی رائج ہوگئے تھے۔ اِن لوگوں میں اعتکاف کرنیکا بھی رواج تھا۔ غاروں اور پہاڑوں میں چند روز تک مراقبہ اور سکوت میں بسر کرتے تھے۔

مذہب ابراہیمیؑ اسلام سے پہلے پانچ انبیا عرب میں مبعوث ہوچکے تھے (۱) حضرت ہودؑ (۲) حضرت صالحؑ (۳) حضرت ابراہیمؑ (۴) حضرت اسمٰعیلؑ (۵) حضرت شعیب علیٰ نبینا و آلہ وعلیہما السلام۔ یہ سب انبیا علیہما السلام حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل پر احکام عشرہ نازل ہونے سے بیشتر گذرے ہیں۔ اصل اُصول ان جمیع انبیاؑ کی شریعت کا خدائے واحد کی عبادت تھی۔ اور دیگر احکام و مسائل جن کو انبیائے مذکورہ نے بتلائے تھے۔ باستثنا احکام و مسائل حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ اہل عرب کو سب فراموش ہوگئے تھے۔ اور کوئی مقامی روایت ایسی موجود نہیں ہے جو ہمکو اسوقت اس بات سے واقف کرے۔ کہ وہ احکام کیا تھے۔ اور کیسے تھے۔ اِن قوموں کی نسبت فاضل معاصر مولوی محمد سلیمان صاحب نے رحمۃ اللعٰلمین میں نہایت مختصر لیکن خوب جامع طور پر یہ عبارت لکھدی ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو مذہب سے درست کرنے کے بجائے۔ مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کردیا تھا۔ اگر موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ شعیب اور صالح علیہم السلام پیغمبروں کو اُن کے دیکھنے کا موقع ملتا۔ تو وہ ہرگز نہ پہچان سکتے۔ کہ یہ ہمارے ہی اُصول پر چلنے والے لوگ ہیں۔ رحمۃ اللعٰلمین دیباچہ ص ۸۔

حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کے مذہب کے احکام و مسائل کی نسبت بھی اسی طرح کوئی ایسی سند کافی نہیں ہے جس سے کہ ہم اُن کو تفصیل وار بیان کرسکیں۔ اور ایسے بہت کم مسائل ہیں جنہوں نے باستعانت روایت مذہبی اور روایت مقامی کے ایسا تاریخی رتبہ حاصل کیا ہو۔ کہ ہم اُنکے حوالہ دینے کے لائق ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا سب سے پہلا کام بت پرستی کا ترک کرنا۔ اپنے باپ کے بتوں کا توڑنا۔ اور خدائے برحق پر یقین کرکے صدق دل سے

اسکی پرستش کرنا تھا۔ ختنہ کرنا۔ اور ڈاڑھی کا رکھنا رسوم مذہبی ہیں۔ جن کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہ رسمیں حضرت ابراہیم نے مروّج اور معیّن کی تھیں۔ خدائے تعالےٰ کے نام پر قربانی کرنا بھی حضرت ابراہیم نے مقرر کیا تھا۔ اور یہ رسم آجتک اُن کی اولاد میں۔ اور اُن کی اولاد کے پیروں میں بجنسہٖ مروّج ہے خدائے تعالےٰ کی عبادت کے واسطے خانہ کعبہ کی تعمیر کی نسبت عرب کی تمام مقامی روایتیں اور تمام مورّخ اِس امر پر متفق ہیں۔ کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام نے ملکر بنایا تھا سینٹ پال PAUL نے حواری نے جو گلیشیا والوں کے نام خط لکھا ہے۔ ہماری رائے میں اُس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ کہ خانہ کعبہ کو جو بیت المقدس کا ہمپایہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے بنایا تھا۔ خانہ کعبہ میں اوّل خدا کی عبادت اُس کے اندر باہر کیا کرتے تھے۔ اور اُس کے طواف کے وقت ساری جماعت پکار پکار کر خدا کا نام لیتی تھی۔ اور بوسہ دیتی جاتی تھی۔ تمام آدمیوں کا میدان عرفات میں جمع ہونا جہاں کہ حضرت ابراہیمؑ کا حجر اسود ہے۔ نہ حضرت یعقوبؑ کا سنگ عبادت۔ یعنی قربان گاہ۔ اور نہ حضرت اسمٰعیلؑ کا معبد۔ بلکہ محض ایک وسیع میدان ہے۔ اِن لوگوں کا ایک ساتھ شامل ہوکر خدا کا نام لیکر پکارنا اور اپنے گناہوں کی معافی چاہنا خاص خدا کی عبادت ہے۔ جسکا نام مسلمانوں نے[ل] حج رکھا ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل اسی طرح پر عبادت خدا کے بانی ہوئے تھے۔ پس کون شبہہ کرسکتا ہے۔ کہ حج اُس واجب الوجود لاشریک لہ کی خاص الخاص عبادت نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں بت پرستی کا عام رواج ہوگیا تھا۔ اور بایں‌ہمہ ہم کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت سے ایسے اشخاص تھے جو اِن مذاہب الہامی میں سے کسی نہ کسی مذہب الہامی کے متبع تھے۔ اور خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے۔ اُنھیں لوگوں میں سے متعدد لوگوں نے مجدّد مذہب ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے معبود حقیقی ہونے کا مجمع میں عام وعظ کہا ہے۔ اور لوگوں کو بت پرستی چھوڑ دینے پر ترغیب دی ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی نسبت مجدد ہونے کی شہادت دے رکھی تھی۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ حنظلہ ابن صفوان۔ خالد ابن سنان۔ اسد ابوکرب قیس ابن صیداہ وغیرہم اور بعضوں نے حضرت عبد المطّلبؓ کو بھی ایک مجدّد مذہب قرار دیا ہے۔

لیکن یہ کیسا ہی حیرت انگیز امر کیوں نہ معلوم ہو کہ اُس شخص کی اولاد جتنے اپنے باپ کے بتوں کو توڑا۔ اور اُن کی پرستش سے منہ موڑا۔ اور خدائے واحد کی پرستش کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا کہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حنیفاً وما انا من المشرکین رفتہ رفتہ بت پرستی کی حالت میں ڈوب جائے۔ لیکن

[ل] سید صاحب اکثر انگریزوں کی غلط تقلید میں اُن کی منویانہ افواہ کو واقعہ سمجھ کر بلا تامل نقل کردیتے ہیں۔ مسلمانوں نے حج کا نام نہیں رکھا ہے بلکہ خدا نے اسی نام سے اپنی عبادت کے اس طریقہ کو مخصوص و موسوم کیا ہے۔ آیہ واذان من اللّٰہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر سورۂ توبہ وللّٰہ علی الناس حج البیت (آل عمران) اس پر شاہد ہے

اس سے زیادہ تعجب انگیز تو یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ اسی کی اولاد میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے پھر اپنے بتوں کو بلکہ تمام عرب کے بتوں کو غارت کر دیا۔ اور جس نے خدائے اعظم اور علام الغیوب کی عبادت کو جو تمام چیزوں کا مبدا اور مرجع ہے رواج دیا۔ اور اعلیٰ ترین درجے پر پہونچا دیا۔ اور جس نے جہالت اور کفر کی اُس گہری تاریکی کو جس میں اُس کے تمام ہم وطن مبتلا تھے دین حق کے پاک و شفاف نور سے منور کر دیا۔

مذہب یہود یہودی مذہب کو شام کے یہودیوں نے عرب میں پھیلایا تھا۔ جو عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اصل یہ ہے۔ کہ یہودی مذہب عرب میں اُن یہودیوں کے ساتھ آیا تھا جو پانچویں صدی قبل مسیح علیہ السلام بخت نصر کے ظلم و جور سے جو اُن کے ملک و قوم کی تخریب کا باعث ہوا تھا۔ بھاگ گئے تھے۔ اور شمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے۔ تھوڑے زمانے کے بعد جب اُن کی ضعف کی حالت نے کسی قدر سکون و قرار پکڑا۔ تو اُنہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیا۔ اور قبیلہ کنانہ حارث ابن کعب۔ اور کندہ کے بعض لوگوں کو اپنے مذہب میں ملا لیا۔ سنہ ۳۵۲ ق۔ میں یمن کے بادشاہ ذونواس حمیری نے مذہب یہود اختیار کیا۔ تب اُس نے اور لوگوں کو بھی بالجبر اسی مذہب میں داخل کر کے اُس کو بڑی ترقی دی۔ اُس زمانہ میں یہودیوں کو عرب میں بڑا اقتدار حاصل تھا۔ اور اکثر شہر اور قلعے اُن کے قبضہ میں تھے۔ لیکن باایں ہمہ وہ اپنی عادت سے مجبور تھے۔ جہاں وہ جاتے تھے۔ اُن کی جنگ جو اور مفسدہ انگیز طبیعت اور اطوار ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ اور اُن کے زیر اثر ہو کر قوموں میں اختلاف۔ فرقوں میں تکرار۔ اور ہمسایہ قبائل و عشائر میں فساد پیدا کرتے تھے۔ خونخواری کے ساتھ عرب میں سودخواری کے بہت بڑے حامی اور معاون یہی لوگ ثابت ہوتے ہیں۔ اگر شاہراہوں اور عام گذرگاہوں پر دلیرانہ حملہ کر کے ملک و قوم کو یہ لوٹ نہ سکتے تھے۔ تو گھر بیٹھ کر سودخواری کے ذریعہ سے اُنہوں نے خاندان کے خاندان اور قبائل کے قبائل کو لوٹ کر خاک سیاہ کر ڈالا۔

عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اُنہوں نے بھی حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ تسلیم کر لیا۔ صرف اسوجہ سے کہ اُنہوں نے تین سو ۳۰۰ برسوں کے بعد توریت کو از سر نو لکھوا دیا تھا۔ دولت مندی کی کثرت سے سُودخواری کی ایسی قماربازی کی تعلیم و شغلہ بھی اُنھیں لوگوں نے پھیلایا۔ فاقہ مست عرب کے قبائل کو روپیہ قرض دیکر اُن سے مفت خدمت لینا۔ اور ادائے رقم قرض تک اُن کو ایک طرح کی غلامی کی حیثیت میں بسر کرنے کی قدیم جاہلیت کا رواج بھی اُنھیں نے جاری کیا۔ بالآخر اُن کا وجود ملک و قوم کے لیئے فائدہ اور رفاہ کی جگہ ہر قرینہ سے نقصان دہ اور تباہ کن ثابت ہوا۔

مذہب عیسوی تحقیق سے یہ امر مسلّم ہو چکا ہے۔ کہ عرب میں عیسائیت نے ۳ صدی عیسوی میں دخل پایا تھا۔ وجہ یہ ہوئی۔ کہ کلیسائے شرقی کی خرابیوں اور بدعتوں کی وجہ سے مغربی فرمانرویان مسیحی نے اِن کلیسا کے متبعین عیسائیوں کو گمراہ سمجھکر اُن ممالک سے نکالدیا تھا۔ اور وہ ترک وطن پر مجبور ہو کر عرب میں آکر بس گئے تھے۔ اس سے یہ صحیح نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جو مصیبت اور مجبوری یہودیوں کو شام سے عرب میں لائی۔ قریب قریب وہی بلا و آفت عیسائیوں کو بھی عرب کی سرزمین

پر کھینچ لائی۔ اور عرب کی سرزمین نے جہاں خدا کا گھر تمام مخلوقات کا مامن قایم تھا۔ اِن مصیبت زدوں کو پناہ دی عیسائی مصنفین نے بیان کیا ہے۔ کہ مذہب عیسوی نے اہل عرب میں بہت ترقی حاصل کی۔ مگر ہم اس امر میں اُن سے اتفاق نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ باستثنائے صوبہ نجران کے جس کے اکثر باشندوں نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا قبائل حمیر، غسان، ربیعہ، تغلب، طے اور حیرہ میں سے معدودے چند اشخاص نے اِن کی تقلید کی تھی۔ اور کوئی جماعت کثیر یا قوم کی قوم عیسوی مذہب میں نہیں آئی تھی۔ اغلب ہے۔ کہ اِن متفرق اعراب منتصرہ کی وساطت سے حضرت مریمؑ کی تصویر خواہ سورت حضرت عیسےٰؑ کو گود میں لیے ہوئے خانہ کعبہ کے اندرونی دیواروں پر کھینچی گئی ہو۔ یا اُسکے اندر رکھی گئی ہو۔ سر ولیم میور خود لکھکر اقرار کرتے ہیں۔ کہ نہایت قلیل تعداد میں مذہب عیسوی سرزمین عرب میں یہاں وہاں پایا جاتا ہے۔ علاقہ نجران میں بنو حارث۔ اور علاقہ یمامہ میں بنو حنیف۔ چند افراد قبائل طے پر عیسائیت محدود تھی عرب کے اکثر حصوں پر شاہان روم و اصفہان کی صف آرائیوں سے خاص طور پر منتفع ہو کر عرب کے دو ملکی خاندان ملوک غسان اور حیرہ نے خسرو اور قیصر کی متابعت کو نی مابین اس طرح تقسیم کر لیا تھا۔ کہ سلاطین حیرہ ملوک فارس کے مطیع تھے۔ اور فرمانروایان غسان اقاصرہ روم کے ماتحت تھے۔ اکاسرہ عجم اور اقاصرہ روم کی باہمی جنگ وجدال نے حقیقتاً تمام ملک وقوم کے مجسمہ سے خون چوس لیا تھا۔ حالانکہ اسباب جنگ میں بمقابلہ عیسائیوں کے ایرانیوں کے مطالبات حق بجانب ثابت ہوتے ہیں۔ انھیں کے زیر اثر ہو کر عرب میں حیرہ اور غسان کی ماتحتی حکومتیں بھی باہمی کشت وخون اور دائمی جنگ وجدال میں مصروف رہتی تھیں۔

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ عیسائیت کس اصول کے ساتھ عرب میں مروج تھی۔ اسکی تحقیق جہاں تک کی جاتی ہے۔ صاف طور سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سرزمین عرب پر عیسائیت کے مختلف طریقے اپنی مختلف فیہ اقسام کی تعلیم وتبلیغ پھیلا رہے تھے۔ طرفہ تر تو یہ ہے۔ کہ یہ لوگ ایک طرف تو دوسروں کو اپنے دینیات کی تعلیم دیتے تھے۔ اور دوسری طرف خود آپس میں لڑے مرتے تھے۔ فرقہ نسطوریہ۔ اور فرقہ یعقوبی باہمدگر معرکہ آرا تھے۔ بخلاف یہود کے یہ عیسائی فرقے اپنے غلط عقائد کی تائید میں انتہا درجہ کے ضدی اور ہٹ دھرم بنے ہوئے تھے۔ اور حضرت عیسےٰؑ کے وجود ذات کی نسبت ذات الٰہی کا خاص مماثل۔ یا کم سے کم اس کا فرزند حقیقی یا اُسکا کلام خاص یقین کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش کو وہ کنار ازلیت سے مختص سمجھتے تھے۔ اور آپکے ظہور ذات کو اُلوہیت کا مماثل یا پیکر انسانی میں اُلوہیت کا مبدل جسکی ترکیب خلقت خاص کر عالم نور سے ہوئی ہے قرار دیتے تھے۔ اس عقائد کی بنا پر عیسےٰؑ کی ایسی منزہ اور مقدس ذات نہ فنا کی جا سکتی تھی۔ اور نہ خود فنا ہوئی۔ وہ کلمات استغاثہ جنکو متعصبین عیسائیوں نے خاص حضرت عیسےٰؑ کی زبانی ادا کیے جانے کی شہرت دے رکھی ہے حقیقت میں وہ نہ اُنکی زبان سے نکلے تھے۔ اور نہ کبھی نکل سکتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ وہ شخص جو مصلوب ہوا۔ وہ غیر عیسےٰؑ شخص تھا۔ اور اصل عیسےٰؑ دشمنوں کے ہاتھ سے سراپا محفوظ رہ کر اُنھیں عالم نورانیت کی طرف واپس تشریف لیگئے جہاں سے وہ نازل ہوئے تھے

یہ دلیل اگرچہ کیسی ہی ستو ہمانہ سمجھی جاوے۔ لیکن ابنیت حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بمقابلہ اور دلیلوں سے زیادہ چسپاں
معلوم ہوتی ہے۔ اور بظاہر قریب الامکان خیال کی جاتی ہے۔ پالیٹ پانٹیوس[۱] (PILATE PONTIUS) کی
حضرت عیسیٰؑ کی جان بچانے کیلئے۔ ازحد خواہش جسکو طرطولین[۲] (ظاہراً تو یہودی لیکن) باطناً عیسائی قرار دیتا ہے خاص ہیرودیاس
[۳] (HERODIUS) کا بھی قتل عیسیٰؑ کے الزام کو گوارا کرنے سے انکار۔ اُن چند ساعات تک جنمیں وہ قوم بنی انسان کا
محسن اور مصلح۔ اُن خوفناک ستاظر کے انجام دہی کے لیئے کھینچ لایا گیا۔ عام تاریکی کا پھیل پھیل کر تمام رات تک اسیطرح
قائم رہنا۔ اور صلیب دیئے جانے کے وقت خاص کر ایک قدرتی ظلمت کا تمام روئے زمین پر محیط ہوجانا۔ یہ سب قرآن مجید
و متفق ہو کر اس امر کے قریب الامکان ہونیکا یقین دلاتے ہیں۔ کہ بے خطا و قصور بالکل محفوظ رہ گیا۔ اور ملزم و مجرم مصلوب کر دیا گیا۔

مندرجہ بالا عبارت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ عرب میں عیسائیوں کے مختلف فرقے جو آکر آباد ہوگئے تھے۔ وہ مذہب
میں اختلاف آراء کی بنا پر آپس میں لڑا کرتے تھے۔ اسکی تفصیل کے لیئے مختصراً اتنا لکھکر بتلا دینا کافی ہوگا۔ کہ عموماً تمام عیسائی
تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ابن اللہ تسلیم کرتے ہی تھے۔ لیکن عرب میں یعقوبی فرقہ کے عیسائی حضرت مریمؑ کو (نعوذ باللہ)
خدا کی بی بی اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اس بنا پر فرقہ نسطوریہ سے جو زیادہ تر عراق عرب میں آباد تھے
اور یعقوبی فرقہ سے جو شام سے آکر حجاز و یمن میں آباد ہوا تھا۔ بڑے بڑے مقابلے اور مقاتلے پیش آرہے تھے۔

ظہور اسلام کے وقت خاص عرب کے۔ دینی اخلاقی۔ ملکی اور قومی خرابیوں اور بربادیوں کا یہ مرقع تھا۔ جو ہم نے
نہایت وضاحت سے کھینچکر دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ سرزمین عرب پر موقوف و محدود نہیں ہے۔ اس سے پہلے ہم تمام
اقطاع عالم کے دینی اور دنیوی حالات۔ جو آنحضرت صلعم کے بعثت کے وقت۔ ثابت ہوتے ہیں۔ پوری تفصیل سے

حاشیہ صفحہ گذشتہ: ۱ پلیٹ پانٹیوس شخص ۲۶ء میں یہود کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰؑ کو پہلے تمام الزامات سے بے قصور تسلیم کر لیا تھا لیکن آخر
میں صلیب دیئے جانیکا فتویٰ اور حکم شاہی کا اعلان بھی اسکی زبان سے برآمد ہوا۔ یہودیہ کا گورنر ہو کر اسنے قوم سامری کے یہودیوں کیساتھ
بہت سخت ظلم کئے۔ اس لیئے شاہ طبروس نے اسے شہر یہودیہ واپس بلا لیا۔ اور اسکو عہدۂ امارت سے معزول کر کے علاقہ گال کی طرف
خارج البلد کر دیا۔ جہاں اسنے خودکشی کر لی۔ اور اس طرح ۳۹ء میں مرگیا۔

۲ طرطولین کتب اربعہ اناجیل کا نہایت قدیم اور مشہور و معروف یونانی مترجم اور مفسر تھا۔

۳ ہیرو ڈانٹیپاس یا ہیرودس شہر خلیلہ (گلیلی) میں اپنے باپ کا قائم مقام ہوا۔ اسنے شاہ ارطاس سلطان عرب کی لڑکی کو جو اسکی بیوی تھی۔
طلاق دیدی۔ اور اپنے بھائی فلپ کی بیوی سے عقد کر لیا۔ ارطاس شاہ عرب نے اس باعث سے ہیرودس کیساتھ جنگ کی۔ اس بدبخت نے حضرت یحییٰؑ کو
اپنی دوسری شادی کے ناجائز بتلانے پر جرم میں قتل کروا دیا۔ اس بنا پر یہودیوں نے اس کے خلاف میں بغاوت کر دی۔ وہ بھاگ کر رومۃ الکبریٰ میں چلا گیا۔
اس امید پر کہ شاہ روم اسکو یہودیوں کی شاہنشاہی کا منصب عطا کر دیگا لیکن وہ وہاں بھی حصول مدعا میں ناکامیاب رہا۔ اور وہ آخر جلاوطنی کی حالت
میں مرگیا۔ یہ ہیرودس ہی تھا جسکے پاس حضرت مسیح کو پیلیٹ پانٹیوس نے بھیجا تھا۔ بیٹنس ہسٹری ص ۳۸۳ (BEETONS HIST 885)

دکھلا چکے ہیں۔ ہمارے مرقومۂ بالا تفصیل حالات کو پڑھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا۔ اور یقین کرے گا۔ کہ عام گمراہی و ضلالت اور سراپا تاریکی و ظلمت کے ایسے شدید و سخت زمانہ و وقت میں۔ پیدا کنندۂ زمین و آسمان اور خدائے رحیم و رحمان کی رحمت کو اپنے بندوں کی نجات و مخلصی اور صلح و آشتی کی تعلیم و ہدایت۔ اور کفر و الحاد سے ترک تعلق کرنے۔ اور اُس ذات واحد کی پرستش و عبادت بجالانے کی خاص غرض و غایت سے ایک ایسے رہبر کامل کو نازل فرمانے کی ضرورت ہوئی جو اپنے انوار تعلیم و ارشاد سے کفر پرستی کی تاریکیوں کو دور کرکے معمورۂ عالم کو پُر نور کردیتا۔ جن لوگوں نے اُمم سابقہ کے ازمنہ خاصہ میں بالاستیعاب حالات و واقعات پڑھے ہیں۔ اور انبیائے سابقین کے اسباب رسالت اور اُمم ماضین کی دینی اور دنیوی ضرورتوں کو کامل طور سے سمجھ لیا ہے۔ وہ موجودہ عالمگیر جہالت و ضلالت میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت رسالت کو پورے طور سے سمجھتے ہیں۔ اُنکو یقینی طور پر علم ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کو دُنیا سے اُٹھے ہوئے۔ دو ہزار سال اور حضرت سلیمانؑ کو ڈیڑھ ہزار سال۔ اور جناب عیسیٰؑ بن مریمؑ کو آسمان پر صعود فرمائے ہوئے چھ سو برس ہو چکے تھے۔ اس زمانہ میں اِن حضرات کی تعلیم و تبلیغ نے جسقدر دُنیا کو اور اہل دُنیا کو بُرائی سے بچایا۔ اور اُن کی بگڑی ہوئی حالتوں کو بنایا تھا۔ اتنی مدت میں اُنہوں نے اپنی غفلت اور جہالت سے اُسی قدر اپنی دینی اور دُنیاوی حالتوں کو بگاڑا تھا۔ اِن مقدس رہبران روحانی اور پیغمبران ربانی نے سب سے پہلے جس چیز کی تعلیم اُنہیں پہونچائی تھی۔ وہ معرفت اور وحدت الٰہی تھی۔ اور اسوقت سب سے پہلے جس چیز کو ان لوگوں نے بگاڑا تھا۔ وہ یہی تعلیم تھی۔ اور اسی وحدت الٰہی کی خراب و برباد حالت تھی۔ جو ہر فرقے۔ ہر قوم۔ ہر ملک کے مندرجہ بالا حالات و واقعات سے پورے طور پر معلوم ہو چکی ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ اُن کے عقائد میں وجود الٰہی ہی قائم نہیں تھا۔ توحید کا کیا ذکر۔ نام کو تو یہ سب لوگ اپنے آپ کو مذہب الہام کا تبع بتلاتے تھے۔ مگر حقیقتاً اُن میں نہ مذہب الہامی کے کوئی آثار پائے جاتے تھے۔ اور نہ اخبار دینیات کی خرابی کی وجہ سے اُن کے اخلاق۔ تمدن۔ معاشرت۔ اور آداب ایسے خراب و خستہ ہو رہے تھے۔ کہ حیوانیت اور انسانیت میں کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا۔ جن اصول عقائد کو وہ اپنے خیال میں حق پرستی سمجھتے تھے۔ وہ حقیقت میں بت پرستی سے بھی بدتر تھی۔ جن تہذیب۔ اخلاق اور آداب کو وہ اپنے زعم میں معیار انسانیت خیال کرتے تھے۔ وہ اپنی اصلیت کے اعتبار سے شعار حیوانیت تھے۔ اور اظہار نفسانیت۔

دُنیا کے محققین جانتے ہیں۔ کہ شیرازہ عالم کی ایسی ہی تنگی اور ابتری کے خاص عالم میں۔ اور زمانہ کی ایسی ہی عالمگیر تاریکی اور سیاہی کے خاص وقتوں میں اور بندگان الٰہی کی ایسی ہی سیاہ کاریوں اور کافرداریوں کے موقع پر اُس راحم برحق اور ناظم مطلق کو اپنی رحمت کی فیض رسانیوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مدبر قدرت نے اصلاح عالم کے لیئے اُسوقت بھی وہی انتظام جاری فرمائے۔ جو ہمیشہ سے عادت الٰہی قرار پاچکے تھے۔ لیکن اپنے اِس نظم میں اب کی بار یہ خصوصیت البتہ قایم کردی۔ کہ اِس دفعہ رہنمائی عالم کے اِس انتظام کو ایسا مفصل اور مکمل بنایا۔ اور اِس نظم کے ناظم اور مجدد کو سلسلۂ

ہدایت ورہبری کا ایسا خاتم اور متمم قرار دیا۔ کہ سے پھر زمانہ کو پیمبری کی ضرورت نہ رہی۔

وہ خاتم سلسلۂ رہبری۔ متمم جریدۂ پیغمبری۔ خاتم النبیین۔ سید المرسلین حضرت محمد ابن عبداللہ روحنا فداہ تھے۔ جو چالیس برس کے سن میں خاص معبد ابراہیمی اور موطن اسماعیلی کے شہر مکۂ معظمہ میں بقول عموم اٹھارویں رمضان یوم دوشنبہ ۴۱ عام الفیل مطابق ۱۲ فروری سنہ ۶۱۰ء اور بقول مشہور وجمہور ستائیسویں رجب کو مبعوث برسالت ہوئے

خاص عرب میں مبعوث برسالت ہونے کی مخصوص ضرورت

خاص کر جزیرہ نمائے عرب میں حضرت خاتم النبیین حبیب خدا محمد مصطفےٰ علیہ وآلہ التحیۃ والثنا کے مبعوث برسالت فرمائے جانے کی وجہ خاص نہایت کھلی اور صاف ہے۔ ذیل کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

اگر ہم ملک عرب کو کرۂ ارض پر دیکھیں۔ تو اُسکے محل وقوع سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا نے جزیرہ نمائے عرب کو۔ ایشیاء یوروپ۔ اور افریقہ کے براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے۔ اور وہ خشکی وتری (دونوں راستوں سے) دُنیا کو اپنے داہنے اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔ اس لیئے ایسے ملک میں دنیا کے جملہ مذاہب کا پہونچ جانا اور رجالت کی حکومت اعلیٰ کے زیر اثر ہو کر سب ہی کا گھر جانا بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ اگر تمام دُنیا کے ہدایت کیلئے ایک مرکز واحد قائم کرنیکے لیئے ہم جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں۔ تو عرب ہی اسکے لیئے موزوں ہے۔ خصوصاً اُس زمانہ پر نظر کرکے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ جب افریقہ۔ یورپ۔ اور ایشیا کی تین بڑی قطعات ارض (سلطنتوں) کا عرب سے تعلق تھا تو عرب کے اوارانِ براعظموں میں بہت جلد پہونچ جانے کے ذرایع بخوبی موجود تھے۔ ربّ العالمین نے اسی لیئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب میں پیدا کیا۔ اور انکو بتدریج پہلے اپنی قوم اپنے ملک پھر تمام عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔ رحمۃ للعلمین ص ۹

کرہ ارض پر آباد دُنیا کو دیکھو کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ ۴۰ درجہ عرض البلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ اسّی درجہ تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ اور نصف ۶۰ ہوا جب ۶۰ کو ۸۰ درجہ شمال سے تفریق کریں تب ۲۰ درجہ رہجاتے ہیں۔ اور جب ۶۰ سے ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کریں تب بھی ۲۰ (درجہ شمالی) رہجاتے ہیں۔ اور مکہ ۲۱½ درجہ پر آباد ہے۔ اسلیئے کُلّی کرۂ ارض میں بھی وسط ہونیکا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مکہ کا نام لُغات عرب کی کتابوں میں ناف زمین ہے۔ انسان کے جسم میں ناف بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی۔ بلکہ قریباً وسط میں ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ عرض بلد میں مکہ بھی وسط حقیقی کے قریب تر واقع ہے۔ اور ان ہی خطوط کے اندر دُنیا کی تمام نسلیں اسطرح مقیم ہیں۔ کہ مشرق میں قوم آریا (ارین) اور منگول (مغول) مغرب میں حبشی وہامائٹ (حام) اور ریڈ انڈینز (امریکہ کے باشندے) پھر جب کل قوموں میں تبلیغ کا پہونچانا مدنظر ہو۔ تو عرب ہی اسکا مرکز آخر قرار دیا جاسکتا ہے۔ غالباً اسی لیئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ ہم نے تم کو درمیانی اُمّت (درمیان عالم کی رہنے والی) بنایا اس لیئے کہ تم تمام قوموں کے سامنے خدا کی شہادت ادا کرو۔ حاشیہ رحمۃ العلمین ص ۹۔

تبلیغ دینیات کے علاوہ اگر سیاسی ضروریات کی نظر سے بھی دیکھا جاوے۔ تو ایسے رہبر آخر الزمان اور پیغمبر کامل کی تبلیغ دینی اور تعلیم و اجرائے احکام سیاسی کی ضرورت سے۔ جو جریدہ عالم میں بندگان الٰہی کی دینی اور دُنیاوی اُمور کی شیرازہ بندی کے لیئے خاص کر مبعوث فرمایا گیا ہے۔ معمورہ عالم کے وسط مقام کو اپنی تعلیم و تبلیغ کا مرکز بنانا کس قدر ضروری اور لازمی تھا۔ اور اِسی سے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم المرسلین والنبیین ہونے کے خاص ثبوت ملتے ہیں۔ کیونکہ اِن سے پہلے جتنی رسالتیں گذر چکی ہیں۔ وہ سب ایک ہی کام اور ایک ہی مقام کیلئے معین ہوئی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ قوم بنی اسرائیل کو مصر سے مخلصی دلوا کر اپنے وطن اصلی کی طرف واپس لانے کیلئے مامور فرمائے گئے تھے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ بنی اسرائیل کی قوم و ملک میں احیائے شریعت و دینیات اور اجرائے نظام حکومت و سیاسات کی غرض سے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جناب عیسیٰ ابن مریم باقیماندہ احکام عشرہ تورات کی تعمیل و تکمیل کیلئے نازل فرمائے گئے تھے۔ اِن تمام رہبران مقدسین کے ذمہ ایک ایک خاص مقام اور ایک ایک خاص کام کی درستی۔ اصلاح اور ترمیم متعلق کی گئی تھی۔ لیکن بخلاف اِن حضرات کے ہمارے سرور کائنات۔ مفخر موجودات محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تمام معمورہ عالم کی ہدایت بھی اور رہنمائی۔ وہ تبلیغ دینیات کے بھی ذمہ دار تھے۔ اور تعلیم سیاسات کے بھی جس میں درستی اخلاق۔ تمدُّن اور معاشرت غرض تمام انسانی ضرورتیں جو ہر قوم و ملک کو ابتدائے عمر سے لیکر انتہا تک لاحق ہوتی ہیں۔ شامل ہیں۔

تاریخیں شاہد ہیں۔ اور دُنیا کے کارنامے ایک سے لیکر ہزار تک گواہ ہیں۔ کہ اس نبی اُمّی خطاب نے علوم دینیات و سیاسات کی اِس بخوبی اور خوش سلیقگی سے ایسی کامل تعلیم دی۔ کہ پھر اُس وقت سے لیکر ابدالآباد تک کسی رہنمائے عالم کو ہدایت و رہنمائی کیلئے تشریف لانے اور تکلیف فرمانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔

اِن ضروریات اور اُن کی تعمیل کے ذرائع و وسائل پر خیال کرکے ہر سطحیُّ الذہن اور عامی العقل شخص بھی فوراً سمجھ جائے گا۔ کہ ایسی کامل رسالت کی انجام دہی اور نیز دین و دُنیا دونوں طریقوں میں بندگان الٰہی کی رہبری کے لیئے مقام وسطی تبلیغ و تعلیم کا مرکز اگر کسی زاویہ یا گوشہ ملک میں قرار دیا جاتا۔ تو ممکن نہیں تھا کہ دین الٰہی کی تعلیم اور دستور و آئین ملکی و قومی کی ترمیم اس وسعت اور استقرار و استقامت کے ساتھ کامل ہوجاتی

ہم اُوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ شبلی صاحب واقعات تاریخ و سیر کو پہیلیوں کی طرح اُنگلیوں پر سمجھانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُنھیں معلوم تھا کہ خاتم رسالت اور مختتم نبوّت کی سیرت نگاری کے لیئے خاص کر اِن اُمور کو لکھکر ثابت کر دینا اور بتلا دینا جس سے آپکے خاتم النبیین اور سید المرسلین ہونے کے شہود و ثبوت قائم ہوتے ہیں۔ کسقدر ضروری تھا۔ لیکن شبلی صاحب نے اپنے انداز تالیف میں عجلت رقمی کے ساتھ کوتہ قلمی بھی اختیار فرمائی ہے۔ جس سے مقصود تالیف مفقود ہوجاتا ہے۔ اور اصل مُدّعا ستمابن کر رہجاتا ہے۔ بالآخر ہم کو مجبور ہوکر اتنے اوراق میں آپکی کمی کو پُورا کرنا ہوا۔ جو ناظرین کتاب کے پیش نظر ہے۔

شبلی صاحب کا خاندان

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سنِ مبارک چالیس برس کا ہوچکا تھا

رسولؐ پر غلط الزام فطرت صالحہ کے اثر سے قلب مبارک کا رجحان اور طبع مقدس کا میلان جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ آغاز عمر سے اسوقت تک ہمیشہ اُمور خیر کی طرف متوجہ اور منعطف تھا۔ اگرچہ تمام ملک و قوم میں گمراہی کے شعار جہالت وضلالت کے اطوار جاری تھے۔ چاروں طرف انواع و اقسام کی بدکاریاں اور کیفر کرداریاں قائم تھیں۔ لیکن آپ ایک ذرہ بھر بھی کبھی اِن سے اثر پذیر ہونا تو درکنار کبھی اِن کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوئے۔ اور جب کبھی ایسا موقع آپڑا۔ تو آپ نے اِن تمام افعال ذمیمہ سے قوم وملک کے لوگوں کو متنبہ فرمایا۔ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

مکہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا۔ خود خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا تمغائے شرافت اسی قدر تھا۔ کہ اِس صنم کدے کے متولی تھے۔ اور کلید بردار۔ بااین ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اِن بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں فرمائی۔ قریش نے اس بنا پر کہ ہر بات ممتاز رہنا چاہیئے۔ یہ قاعدہ قرار دیا تھا۔ کہ ایام حج میں قریش کیلئے عرفات میں جانا ضرور نہیں۔ اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں۔ وہ قریش کا لباس اختیار کریں۔ ورنہ اُنکو عریاں ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر طواف عریاں کا رواج عام ہو گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اِن باتوں میں اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ سیرۃ النبی جلد (۱)۔

بالکل صحیح ہے۔ جناب رسولخدا صلعم نے کبھی جہالت وضلالت کے افعال ذمیمہ اور مراسم قبیحہ میں کبھی اپنی قوم اور اپنے اہل وطن کا ساتھ نہ دیا۔ اور نہ اُن میں شرکت فرمائی۔ لیکن مشکل تو یہ ہے۔ کہ شبلی صاحب کی نظر توجہ ہمیشہ خاندان رسولؐ پر مبذول رہتی ہے۔ اور شروع سے لیکر کفار قریش اور مشرکین کعبہ کے افعال ذمیمہ کی تصدیق و شہادت میں خاندان رسولؐ ہی کے ہی کے رویہ اور اطوار کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ شبلی صاحب اپنے اس انداز بیان میں سخت مغالطہ دہی سے کام لے رہے ہیں۔ اور سخت نفرت انگیز اور مغویانہ طریقے سے قوم اور خاندان کو ایک ہی معنی میں بتلا رہے ہیں۔ حالانکہ معمولی علم و اطلاع والا شخص بھی دونوں لفظوں کے فرق بالمعنی کو پورے طور سے جانتا ہے۔ قومیت ایک علیحدہ شے ہے۔ اور خاندان ایک جداگانہ شے ہے۔ یہ ضرور نہیں ہے۔ کہ قوم کے تمام لوگ اُسکے خاندان میں داخل شمار کئے جائیں۔ لیکن شبلی صاحب کو تو اِس عام فریبانہ اور مغویانہ ترکیب سے تعمیم اور مساوات فی المدارج کے غلط اصول قائم کرنے کی ضرورت خاص لاحق ہے۔ جس پر اُنکے عقائد کے اعتبار سے اُنکے تمام موضوع تالیف کی ترکیب و ترتیب کا انحصار ہے۔ اسلیئے اگر وہ ابتداہی سے قوم کو خاندان اور خاندان کو قوم نہ بتلائیں۔ تو تعمیم و مساوات کی ترکیب قدیم کیسے ثابت ہو۔ یہ ضرورت تھی جس نے شبلی صاحب کے قلم سے خاندان رسولؐ کے اکابر افراد کو صنم کدہ کا متولی لکھکر بتلائے جانے پر جرأت دلائی۔ اور پھر کفار مکہ اور مشرکین کے اُن جاہلانہ مراسم حج بجالاتے وقت ننگے ہو کر طواف کرنے میں بھی اُن کا شامل ہونا شہادت کے طور پر پیش کیا۔

اس میں کوئی کلام نہیں۔ کہ کفار قریش میں یہ جاہلانہ رسم ضروری جاری تھی۔ جاہل عرب برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے۔ آپ کے حوالے کے مطابق ابن ہشام نے اُن کے اس وحشیانہ کردار کو پوری تفصیل سے جلد اول صفحہ ۷۶ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے

اور ہم نے اُن کی تمام عبارت کو غور سے پڑھا ہے۔ لیکن اُن کی عبارت میں آپ کی طرح خاص خاندان رسولؐ کی تو کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ بلکہ عام لفظ قریش سے واقعہ کی تفصیل آغاز کی ہے۔ اُنکی ابتدائی عبارت یہ ہے قال ابن اسحٰق و قد کانت قریش (لا ادری) قبل الفیل او بعدہ ابتدعت رای الحمس الخ ابن اسحاق کہتے کہ قریش نے قبل واقعہ فیل یا بعد اُسکے قاعدہ حمس کی بدعت کو آغاز کیا۔ قریش میں خاندان رسولؐ بھی اسی طرح شامل ہے۔ جس طرح خاندان ابوجہل۔ اور خاندان ابوسفیان۔ پھر اس میں خاندان رسولؐ کو اس خصوصیت سے لکھنے کا آپ کو کونسا حق حاصل تھا۔ اور ابن ہشام کی مرقومہ بالا عبارت میں آپ نے کس لفظ سے اس تخصیص و خصوصیت کے معنی پیدا کئے۔ اور یہ مطلب نکال لیئے۔ ہاں۔ اگر اس عبارت میں بنی ھاشم یا بنو عبدالمطلب من قریش کے الفاظ تصریح و تخصیص ابن ہشام نے لکھے ہوتے۔ تو آپ خاندان رسولؐ کی تصریح و تخصیص فرمانے کے ضرور مستحق تھے۔ جب صورت حال ایسی نہیں ہے۔ تو آپ نے صریح فریب دہی کی نیت خاص سے خاندان رسولؐ کی تخصیص فرمائی ہے۔

شبلی صاحب ہر واقعہ کو دیکھکر لکھیے۔ دیکھئے تو قوم قریش میں سے بھی جس قبیلہ اور عشیرہ نے اس رسم جاہلیت پر اصرار و فتخار کیا ہے۔ اور دوسرے قبیلوں والوں سے امتناع و انکار کے موقع پر تکرار کی ہے۔ اُنکی تفصیل اشعار عرب کی شہادتوں سے ابن ہشام نے پوری تصریح کے ساتھ جلد اوّل ص ۶۸ میں قلم بند کر دی ہے۔ لیکن آپ نے نہ اُسکو پڑھا۔ اور نہ اُس پر غور کیا۔ اسی لیئے اپنی کتاب میں صفحہ ۶۸ کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ آپ کا خاص سوفسطائی طریقہ استخفاف و اسقاط حالات ہے۔ ہم اُس کی تفصیل صفحہ ۶۸ سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) کفار قریش کے اس معاہدے میں سب سے پہلے بنی عامر جو قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھا۔ داخل ہوا۔ اور اُنہوں نے عمرابن معدی کرب کو اس کے متعلق فخریہ اشعار لکھکر بھیجے۔

(۲) بنی عامر کے ایک قایم مقام عباس بن مرداس السلمی نے۔ جنگ جبلہ کے موقع پر اس رسم جاہلانہ کو اپنی مفاخرت کے اشعار میں منظوم کیا۔ اس لڑائی میں بنی عامر اپنے مخالف قبیلہ بنی حنظلہ پر غالب آئے۔ اسی معرکہ میں لقیط بن زرارہ بن عدس قتل ہوا۔ اور عمرو بن عمرو بن عدس بن زید بن عبداللہ بن دارم بن مالک بن حنظلہ بھاگ گیا۔ پھر اسی جنگ قبائل کے اخیر سلسلہ میں بنی حنظلہ نے اپنے حریف کو شکست دی۔ یہ جنگ ذی نجب کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں حسان بن معویۃ الکندی جس کی کنیت ابوکبشہ تھی۔ بنی عامر کی طرف سے قتل ہوا۔ یزید ابن الصعق الکلابی اسیر ہوا۔ اور طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب ابوعامر بن الطفیل بھاگ گیا۔

اب شبلی صاحب فرمائیں۔ کہ ان دعویداران اور مددگاران رسم حمس میں رسول صلعم کے خاندان کے کسی ایک فرد واحد کا بھی نام پایا جاتا ہے۔ یا کسی نوع و طریقے سے ان معرکوں اور اُنکے اسباب میں ان حضرات کی سازش و شرکت کا کہیں برائے نام بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ پھر شبلی صاحب نے کس رعایت نسبت اور خصوصیت کے اعتبار پر خاندان رسولؐ

کو اس جاہلانہ اور وحشیانہ مراسم کے ساتھ خاص طور پر منسوب کیا۔ اور یہ ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مراسم جاہلانہ میں اپنے خاندان کے شریک نہ ہوئے۔ کیا ابن ہشام کی کسی عبارت سے شبلی صاحب نے یہ ثابت فرمایا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے خاندان والے۔ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلبؑ بھی کفار قریش کی طرح ننگے ہو کر طواف کرتے تھے؟ یا ابن ہشام۔ ابن اثیر طبری وغیرہم کسی عربی مؤرخ کی سند سے یہ واقعہ تحریر فرمایا ہوتا۔ کہ عبدالمطلب یا اُن کے کسی صاحبزادے کو۔ کسی شخص نے ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر کوئی ایسا واقعہ ابن ہشام وغیرہ سے نقل کیا جاتا۔ تو ہم آپکے اس دعوے کی صحت اور اس بیان کی اصلیت پر اعتبار کرتے۔ افسوس ہے۔ آپ کی اس خود غرضی پر اور ایسی مغویانہ دلیری پر آپ اپنے قلم سے جاہلانہ اور بے پس و پیش وہ باتیں لکھدیتے ہیں جنکا نشان آپکے اصلی ماخذوں میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ اور اسپر یہ سخت دلیری کہ ماخذ کا حوالہ بھی دیدیتے ہیں۔ صرف یہ سمجھکر کہ مصر کی چھپی ہوئی ابن ہشام ہندوستان میں کہاں ملتی ہے۔ اور کون دیکھتا ہے۔ استغفر اللہ ربی۔

اب دیکھئے اُسی ابن ہشام سے خاندان رسولؐ کے اس شمول کی حقیقت کہاں تک صحیح معلوم ہوتی ہے۔

قال ابن اسحٰق حدثنی عبد اللہ بن ابی بکرؓ بن محمد بن عمر بن حزم عن عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم عن عمہ نافع بن جبیر عن ابیہ جبیر بن مطعم قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل ان ینزل علیہ الوحی وانہ لواقف علی بعیر لہ بعرفات مع الناس من بین قومہ حتی یدفع معھم منھا توفیقا من اللہ ورسولہ صلعم ص ۷۹۔

ابن اسحاق عبداللہ بن ابی بکر سے بن محمد بن عمر بن حزم سے وہ عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم سے وہ اپنے چچا نافع ابن جبیر سے وہ اپنے باپ جبیر بن مطعم سے ناقل ہیں۔ جبیر کا بیان ہے۔ کہ ہم نے قبل نزول وحی جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام عرفات میں قوم کے لوگوں میں سے اپنے خاص اُونٹ پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ میرے سامنے اُنھیں لوگوں کے ساتھ توفیق الٰہی جو اسوقت آپکے شامل حال تھی۔ تشریف لے گئے۔ ص ۷۹

اس روایت سے ثابت ہو گیا۔ کہ مقام عرفات میں جانا۔ اس رسم خمس کے رو سے بالکل ترک کر دیا گیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند لوگوں کے ساتھ قبل بعثت عرفات میں موجود تھے۔ اور راوی کے مطابق۔ وہاں توقف فرما کر اُسکے سامنے ہی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اب فرمایئے۔ قوم کی قوم۔ خاندان کا خاندان تو آپکے بیان کے مطابق تو اس رسم قبیحہ میں شریک و شامل تھا۔ تو پھر آپ کے ساتھ یہ کون حضرات تھے جنکو جبیر ابن مطعم نے دیکھا۔ شبلی صاحب کی دیانت و ذہانت جو کہے۔ لیکن دُنیا کی عدالت اور امانت تو یہی شہادت دے گی۔ کہ وہ حضرات ممتازین بنی ہاشم تھے۔ اور معززین بنو عبدالمطلبؑ۔ توفیقات الٰہی اُسی وقت سے جنکے شامل حال تھی۔ اور اسی وقت سے وہ رسول اللہ صلعم کے اسوۂ حسنہ کی اقتدار کو اپنا منتہائے شرافت اور مدعائے قرابت سمجھے تھے۔

واقعات مناقض شان رسالت

شبلی صاحب مرقومۂ بالا عبارات میں جس رسولؐ کے ایسے خصوصیات

اُنکے فائز برسالت ہونے سے پہلے اس اہتمام و شان سے دکھلا چکے ہیں۔ اور آئندہ عبارت میں اُنکے اطوار و رفتار کو محض عامیانہ طور پر معمولات کے معدار تک خود لکھکر تبلاتے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

(۱) عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے۔ ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا۔ داستان شروع کرتا تھا۔ لوگ بڑے ذوق و شوق سے رات رات بھر سُنتے تھے بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا چاہا۔ لیکن راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا۔ دیکھنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ وہیں نیند آگئی۔ اُٹھے تو صبح ہو چکی تھی۔

(۲) ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہُوا۔ اُسدن بھی یہی اتفاق پیش آیا۔ چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا۔ لیکن ان دونوں دفعہ توفیق الٰہی نے بچا لیا۔ کہ تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے۔

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے جلسوں میں جن پر لعو ولعب اور افعال و اشغال عبث کی تعریف پوری مطابق ہوتی ہے۔ دلچسپی رکھتے تھے۔ اور اُن میں شرکت فرمانے کی اکثر کوشش کرتے تھے۔ لیکن توفیق الٰہی ہر بار آپ کو اس کی شرکت سے بچا لیتی تھی۔ اس بنا پر ثابت ہوگیا۔ کہ وہ عمل جس میں آپ شریک ہونا چاہتے تھے۔ حقیقتاً مذموم و معیوب اور شان رسالت کے خلاف تھا۔ اور جو امتناع شرکت کی قدرت عملی ترکیب نکال لیتی تھی۔ وہ مستحسن اور جائز تھی۔ مگر شبلی صاحب کے تحریر کردہ واقعات اسکے خلاف تبلاتے ہیں۔ جس مجمع میں آپ شریک ہونا چاہتے تھے۔ وہ عربوں کی داستان گوئی کی صحبت تھی جس میں وہ غالباً اپنے اسلاف قدیم کے معرکہ آرائیاں نمود اریاں۔ شجاعت۔ دلیری۔ داد و دہش۔ اور دیگر صفات و خصوصیات کے ذکر بیان کرتے ہونگے۔ اور اس میں بھی کلام نہیں۔ کہ اُن میں مبالغہ آمیزیوں سے کام لیتے ہونگے۔ لیکن بایں ہمہ ان میں بظاہر حرام غیر شروع اور باعث معصیت ہونے کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی۔ تاوقتیکہ اُن صحبتوں کے بجنسہ و بلفظہ تقریر لکھکر اُن کے حرام اور غیر شروع ہونے کے ثبوت کامل نہ بہم پہنچائے جائیں۔ اس بنا پر اگر یہ مجمع ایسا ہی داستانیں اور واقعات سُننے کے خاص موقعے اور مقامات تھے۔ تو پھر یہ مذموم کیونکر کہے جائیں گے۔ اور ان میں کسی کی شرکت معیوب کیسے کہی جائیگی۔ اس کے زائد تو شبلی صاحب کی استحفاظ شرکت کی جو تدبیر لکھتے ہیں۔ وہ مذموم اور مقبوح معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ خود لکھتے ہیں

لیکن اتفاق سے راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا۔ دیکھنے کیلئے کھڑے ہوگئے۔ نیند آگئی۔ اُٹھے تو صبح تھی۔

بقول آپ کے توفیق الٰہی نے ایک شغل سے بچانے کے لیے جس دوسرے شغل کی طرف متوجہ کر دیا۔ وہ شادی کا جلسہ تھا۔ اگرچہ اس جلسہ شادی کے بھی کوئی تفصیلی حالات نہیں لکھے گئے۔ لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ جلسہ داستان گوئی کے مجمع سے زیادہ پر لطف اور دلچسپ ہوگا۔ تب تو شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ (نعوذ باللہ) آپ دیکھنے کے لئے کھڑے ہوگئے اور نیند آگئی۔ اُٹھے تو صبح تھی۔ گویا رات بھر اُسی جلسہ میں کٹ گئی۔ گرچہ اس جلسہ شادی کی کوئی تفصیلی حالات نہیں لکھی

گئی۔ تو شبلی صاحب اپنے شادی کے جلسوں کی مثالوں پر اندازہ کر کے خود تصفیہ فرمالیں۔ کہ آیا آپ کی عقیدت رسولؐ کی معرفت۔ ایسے جلسوں مجمعوں اور صحبتوں میں، رسولؐ تو درکنار غلامان رسولؐ تک کی شرکت کو ایسی محویت و مصروفیت کے ساتھ کہ شام سے صبح کر دی۔ ایک منٹ کے لیے بھی گوارا کرے گی۔

شبلی صاحب اپنی جا و بے جا پر جوشیوں میں جا و بے جا اور مناسب و غیر مناسب طریق و انداز بیان کا اپنی تحریر و بیان میں مطلق خیال نہیں کرتے۔ آپ نے عیسائیوں کے اس اعتراض کے جواب میں کہ آنحضرت صلعم کے خیالات وجذبات میں جو کچھ تغیر آیا ہے۔ وہ ادعائے رسالت کے بعد۔ ورنہ آپ کے طرز و اطوار سب آپ کی قوم کے لوگوں کی طرح تھے آپ کس قدر چراغ پا ہوئے۔ اور اپنی گذشتہ بحث بیان میں کتنی کد و کاوش اور سعی و کوشش سے اُن کی تعریض کی تنقید فرمائی۔ یہاں تک کہ صحیح بخاری کی بھی تغلیط کی نوبت پہونچائی۔ اب اگر وہی عیسائی آپ ہی کی اس تحریر کردہ اطوار رسولؐ کو اپنے دعوے اعتراض کا شاہد بتائیں۔ تو آپ کے پاس انکا کیا جواب ہوگا۔ مشکل تو یہ ہے جیسا کہ ہم اکثر مقامات پر دکھلاتے آئے ہیں۔ کہ آپ ایک مقام پر ایک واقعہ کا اقرار کرتے ہیں۔ اور دوسرے مقام پر اُسی سے انکار فرماتے ہیں۔ اس تلون طبعی کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں واقعات جو لکھے گئے ہیں۔ اُن کے ماخذوں کا بھی کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ کہ حقیقت حال کی کچھ اور تحقیق کی جاتی۔ لیکن ہم کو اس بات کا خود یقین ہے۔ کہ آپ نے اِن کو بے ماخذ کے نہیں لکھا ہوگا۔ جو غالباً اصحاب حدیث ہی ہونگے۔ نہ ارباب تاریخ۔ سب سے زیادہ مضحکہ انگیز طریقہ تو آپ نے یہ اختیار فرمایا ہے۔ کہ حاشیہ زیر صفحہ میں اُنکے اسناد و حوالہ کی جگہ سر ولیم میور صاحب کی یہ عبارت ترجمہ نقل فرمادی ہے

سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ہماری تمام تصنیفات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اُن کے چال چلن کی عصمت اور اُن کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ میں کمیاب تھی۔ متفق ہیں۔

بیچے تک جاتے ہیں۔ کہ یہ شہادت کیسی ہے۔ اس شہادت کے اندراج سے تو خود شبلی صاحب پر یہ اعتراض قائم ہو جاتا ہے۔ کہ سر ولیم میور اور تمام عیسائی مصنفین تک آپ کے اطوار کی پاکیزگی کو اتنے اعلیٰ درجہ تک تبلاتے ہیں بخلاف اُنکے آپ مسلمان ہو کر اُن کو ایسے عامیانہ معمولانہ اور بیازارانہ گپ اور لہو ولعب کے جلسوں میں اور صحبتوں میں شام سے صبح تک محو و آلودہ دکھلاتے ہیں۔ فافہم فتدبر۔

ہم ایسے غلط فہم نہیں کہ آپ کے اس مضمون کو ملا نہ سمجھیں۔ ہم کو یقین ہے۔ کہ آپ نے اسکو اپنے اسلاف کے کسی ماخذ اصلی سے نقل کیا ہوگا۔ لیکن نقل کرتے وقت آپنے اسکے نتیجہ پر غور نہیں کیا۔ کہ ع ای راہ کہ میروی بترکستان است آپ جن حالات و واقعات سے ذات رسولؐ کی عصمت اور پاکیزگی قبل از نبوت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ وہی واقعات معمولی اور عامیانہ جلسوں اور مجمعوں میں آپ کے رسولؐ کی شرکت اور مجالست ثابت کرتے ہیں۔ اور پھر اتنی محویت کیساتھ کہ شام سے صبح ہو گئی۔ رہبر توفیق بھی استحفاظ رسولؐ کی نسبت ایک سوئی تدبیر عمل میں لاتا ہے۔ اور اُن مکروہ و ناشروع

جلسوں کے مشاہدے سے باز رکھنے کیلئے صرف رسولؐ کو وہیں سلا دیتا ہے۔ اس سے اتنا نہیں بن پڑتا۔ کہ رسولؐ کو گھر پہونچا دیتا کہ مشاہدۂ معصیت کے ساتھ شرکت لہو ولعب کے الزام سے بھی پورا استحفاظ ہوجاتا۔ نہ ایسے ایسے سراپا غلط واقعات اسلامی کتابوں میں مندرج کئے جاتے۔ نہ اُن کی بنا پر آج اِن گمراہانہ اعتراضات کا مخالفین کو موقع ہاتھ آتا۔ یہ دلائل صاف بتلا رہے ہیں۔ کہ یہ واقعات وحالات ہی بالکل غلط ہیں۔ نہ اُن کی کوئی اصل ہے۔ نہ حقیقت طبقہ اسلام میں سادات اور سلسلہ اُمت حضرت سیدالانام میں تعمیم وطریقہ عام پیدا کرنے کی غرض سے۔ پہلے خاندان رسولؐ۔ اُنکے بعد شان رسول صلعم کی یہ نوبت پہونچائی گئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ تو قبل بعثت کے حالات تھے۔ عین زمانۂ رسالت میں اور خاص صحن مسجد میں۔ جب رسول اللہؐ کی طرف (معاذ اللہ) حبشیوں کے ناچ دیکھنا۔ اور دکھلانا منسوب ومشہور کیا جاتا ہے۔ تو قبل بعثت اِن لہو ولعب کے مشاغل کی کیا شکایت ہوسکے وائے گر از پس امروز بود فردائے۔ افسوس تو یہ ہے۔ کہ دوسروں کی پردہ پوشی کیلئے رسولؐ کی اتنی اور ایسی پردہ داری کیجاتی ہے ہم بار بار لکھتے چلے آتے ہیں۔ کہ شبلی صاحب اور اُنکے اسلاف متقدمین نے حقیقتاً شان رسولؐ ہی کو نہ سمجھا۔ اور نہ آجتک سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے یہ حضرات شان رسولؐ کی حقیقی معرفت کا سلیقہ پیدا کرلیں۔ ہم پھر سمجھائے دیتے ہیں۔ کہ قبل وبعد رسالت کی شرط بے کار ہے۔ جب ہم نے ذات رسول صلعم کو از اول تا آخر۔ فطرۃ صالحہ لدنیہ پر قائم ومستراب تسلیم کرلیا۔ تو پھر عام اس سے کہ صحاح والے ایسے مناقص شان رسالت واقعات لکھنے والے ثابت ہوتے ہوں۔ یا مسانید وسنن والے۔ ہم اُن کے پابند نہیں۔

نزولِ وحی اور حصولِ رسالت

شبلی صاحب۔ نزول وحی اور حصول رسالت کی تفصیل کی ابتدا اس عبارت سے فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سے دُنیاوی تعلقات تھے۔ تجارت کا کاروبار تھا۔ متعدد اولادیں تھیں۔ تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا۔ لیکن دست قدرت کو جو کام لینا تھا۔ وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا۔ دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو ہیچ نظر آتے تھے۔ تاہم مطلوب حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا

بالکل صحیح ہے۔ تفویض رسالت اور تعیین نبوت کے وقت یہ تمام تعلقات معاشرت آپ کے گردوپیش تھے۔ جو خدا کی طرف سے اُسوۂ حسنہ بنا کر دُنیا اور اہل دُنیا کی تربیت وہدایت کی غرض سے دکھلائے جانے والے تھے۔ اور احصار و تجرّد اور رُہبانیت کے ہزار سالہ طلسم ہمیشہ کیلئے توڑے جانیوالے تھے۔ اور اُن کے خلاف اہل عالم کو یہ تعلیم دینی منظور الٰہی تھی۔ کہ دُنیا کے تمام جائز اور مستحسن تعلقات کے ساتھ رہ کر بھی۔ الٰہیات ودینیات کا مبلغ۔ اخلاقیات وسیاسات کا معلم معرفت الٰہی کی کافی تعلیم دے سکتا ہے۔ اور رہنمائی کونین کے تمام خدمات ادا کرسکتا ہے۔ اُسی کی تعلیم کامل نے تمام بنی انسان

کے قلوب پر یہ زریں اُصول کالحجر کر دیئے۔کہ دُنیا اگر اُصول دین اور حدود شریعت کے اندر ہے۔ تو عین دین ہے۔
یہانتک تو شبلی صاحب کی عبارت شان رسالت اور اوصاف نبوّت کے مطابق ہے۔ لیکن آپ کا اخیر فقرہ کہ تاہم مطلوب حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا۔ قابل قبولیت نہیں۔ اس لیئے کہ آپ کے اُسی قدیم اُصول تعمیم کی طرف راجع ہے۔ اور پھر اس فقرہ پر بھی وہی عیسائیوں کا گمراہانہ قیاس کہ جو کچھ آپ کی ذات میں تغیر آیا۔ وہ وقت رسالت سے "صادق آجاتا ہے لاحول ولاقوۃ حالانکہ یہ مظنہ فاسد ہے۔ رسولؐ کی جیسی عصمت ذاتی قدیم سے ہے۔ ویسی اُسکی معرفت الٰہی بھی قدیم ہے اُسکی فطرت نبویہ ابتدا ہی سے علم لدنیہ کے فیوض وماثر پر فائز ہے۔ وہ ہدایت وارشاد کیلئے صرف ایک مدّت خاص تک جس کی مناسبت اور مصلحت کا علم خاص ذات باری تعالےٰ کے متعلق ہے۔ وماذون ومامور نہیں کیا جاتا۔ ورنہ اُسمیں تمامی اوصاف وعلامات نبوّت۔ تفویض رسالت کے قبل سے پائے جاتے ہیں۔ ہمارے رسول برحق کے متعلق کتابوں میں کثیر التعداد واقعات ایسے موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اکابر وعمائد عرب نے قبل از نبوّت آپ کو دیکھکر اُنھیں محاسن اوصاف ومکارم اطوار کے اعتبار پر آپ کو نبی اللہ ہونے کی صحیح بشارت پہونچائی تھی۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ایسی خبر وواقعات کو ایک علیحدہ باب میں جمع کر دیا ہے۔
اس بنا پر یہ لکھدینا کہ ہمارے رسولؐ کو چالیس برس تک خدا کا پتا نہ لگا۔ اور چالیس برسوں کے بعد بعثت کے وقت سے وہ خدا کا شناسا ہُوا عقائد مسلمہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ نعوذ باللہ اگر بفرض محال ایسا ہی ہے۔ تو پھر چالیس برس تک وہ کس وجود کا قائل اور کس مسلک کا سالک تھا؟ اور پھر اُس میں اور ورقہ بن نوفل۔ اور عثمان بن حویرث وغیرہ کی ذات وصفات میں کیا فرق مابہ الامتیاز باقی رہا۔
پھر ہم وہی کہیں گے۔ کہ شبلی صاحب شان رسولؐ کو سمجھے ہی نہیں۔ پہلے آپ سمجھ لیں۔ کہ قبل از بعثت انبیا ومرسلین کے قلوب نورانی پر کونسے احوال مخصوصہ مستولی ہوتے ہیں۔ وہ ابتدا ہی سے خدا کے وجود کو یکتا اور اُسکے ازلی وابدی ہونیکا یقین کامل رکھتے ہیں۔ اور اُسی طرح اُن کو خدا کی تمام ذات وصفات کا علم راسخ اور یقین واثق ہوتا ہے۔ وہ رسالت ونبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے۔ عالم کائنات کے تمام اشیاء اور اُن کے تمام افراد واجزاء سے اُس صانع برحق اور قادر مطلق کی قدرت کا مشاہدہ اور ثبوت قایم کیا کرتے ہیں۔ اور حقیقتاً اس عالم اور اس زمانہ میں وہ اپنی واقفیت علم کو یقین اور پھر یقین کو سکینۂ الٰہی کے انتہائی حدود تک پہونچاتے ہیں۔ اور یہیں سے حدود انسانی کی انتہا اور فضائے ملکوتی کی ابتدا ہوتی ہے۔ جسکا پہلا زینہ رسالت ہے۔ اُن کے اس غور وتحقق اور فکر وتجسس فی ذات کو خاص کر تلاش وجود معبود سے تعبیر کرنا محض غلط فہمی ہے۔ اور یہی غلط فہمی شبلی صاحب کو بھی یہاں لاحق ہوئی ہے۔ حقیقت میں یہ مطلوب حقیقی کی تلاش نہیں تھی۔ بلکہ اُس غیر مرئی وجود کا ثبوت اُسکے ظاہری مخلوقات ومصنوعات کے مشاہدات سے حاصل کرنے کا ریاض تھا۔ اور اس تلاش وجستجو سے معاذ اللہ تشکیۂ قلب کا وہم وگمان نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ تسلیۂ قلب کا

یقین ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے خداوند عالم کے اس سوال (اَوَلَمْ تُؤْمِنْ) کیا تم مجھ پر ایمان نہیں رکھتے ؟ کے جواب میں فوراً ارشاد فرمایا۔ کہ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ہاں میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں۔ لیکن یہ استفسار صرف اطمینان قلب کی غرض خاص سے کر رہا ہوں۔ اِس واقعہ اور اسی کے ایسے خاص حضرت ابراہیمؑ اور مشاہدہ اجرام فلکی۔ حضرت خضر و موسیٰ۔ اور حضرت داؤد و سلیمان علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السّلام کے حالات و مستفسرات سے۔ مندرجہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ ان حضرات مقدسین کو قبل و بعد رسالت ان مستفسرات سے وجود الٰہی کی خاص تلاش منظور نہیں تھی۔ بلکہ اُس کے ثبوت قدرت کی جو عین ثبوت وجود تھے۔ کیونکہ ذات الٰہی عین صفات ہے۔ اور صفات عین ذات اُس غور و تفحص اور تلاش و تجسس میں وجود قدرت کی جلوہ آرائی مطلوب تھی۔ اور اُسکے مشاہدے اور معائنے درکار تھے۔ جنکے ذریعہ سے اُنکی معرفت اور تبلیغ رسالت کی ضروریات میں اور استحکام و تقویت سے دلائل و براہین بیان کرنے اور دُنیا کے آگے بدیہات کی صورت میں مثال پیش کرنے میں آسانی اور سہولیت حاصل ہو۔

اب شبلی صاحب سمجھ لیں۔ شان رسولؐ یہ ہے۔ اور اُسکی تلاش اور جستجو محض مشاہدات قدرت کی طرف تھی نہ اصلی وجود قادر مطلق کیجانب۔ اس بنا پر آپکا آخر فقرہ آپ کی صریح غلط فہمی پر مبنی تھا جسکی الحمدللہ کامل اور کافی اصلاح کر دی گئی شبلی صاحب کسی مضمون کو سلسلے سے کبھی نہیں لکھتے۔ نزول وحی کی ابتدا از آخر مراتب وحی سے کی گئی ہے۔ اور اسکا آغاز واقعہ حرا اور نزول اقراء سے کیا گیا ہے۔ اس سے دینیات کا مبتدی۔ اس بیان کو پڑھ کر حقیقت وحی کو یہیں تک محدود کر دے گا۔ اور سمجھ لیگا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایک بارگی یونہیں وحی آسمان سے اُتر پڑی۔ شبلی صاحب۔ آپکے کتاب خاص و عام۔ سب کی واقفیت و اطلاع کے لیئے لکھتی ہے۔ ہر مضمون کی تفصیل کو خاص طبقات کے علم و اطلاع پر منحصر کر کے قلم انداز کر دینا عوام کو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ اس بنا پر آپ کو نزول وحی کے مدارج و مراتب سلسلہ وار (بالاختصار ہی سہی) لکھکر بتلا دینا نہایت ضروری تھا کہ اُن کی سمجھ میں آجاتا۔ کہ مدبرین قدرت نے اپنے رسولؐ کے پیکر انسانی پر مدارج روحانی کے بار۔ بتدریج اور رفتہ رفتہ نازل فرمائے ہیں۔ کہ وہ پیکر مطہر اُسکے جلال قدرت کو اپنی امکانی قوت کے مطابق سنبھال سکے۔ طرفہ تو یہ ہے۔ کہ حواشی زیرین میں کہیں کہیں حسب العادت اُنکا اشارہ بھی کر دیا گیا ہے۔ پھر معلوم نہیں۔ کس مصلحت سے وہ مضامین و عبارت داخل کتاب نہیں کی گئی۔

شبلی صاحب سے بات بات پر کون اُلجھا کرے۔ ہم شبلی صاحب کی اِن تمام فروگذاشتوں سے قطع نظر کر کے جن کو ہم اُن کے مقام پر تفصیل سے بیان کریں گے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے استغراق فی اللہ۔ اور تجسس فی اثبات الوجود المعبود کے عوالم و کوائف کو جنمیں مدارج وحی کی حقیقت بھی ضمناً داخل ہے۔ ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ اور باتفاق جمہور یہ ثابت ہے۔ کہ معارف ربانی اور مکاشف روحانی کے یہ عوالم و مآثر قبل از بعثت آپکے قلب نورانی پر مستولی رہا کرتے تھے۔

اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلعم کے حسن معاشرت اور اُسکے جائز اور ضروری مشاغل میں آپ کا

انہماک دُنیا کیلئے اُسوۂ حسنہ تھے۔ لیکن جیسا کہ شبلی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ بااین ہمہ دست قدرت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کام لینا۔ وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا۔ اس لئے اُس کام کے مقابلہ میں جو منجانب اللہ آپکی فطرت صالحہ کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا تھا۔ آپ دوسرے کاموں کو بے مقدار اور بے وجود سمجھتے تھے۔ اور زیادہ تر اسی فرض مخصوص کی طرف متوجہ رہا کرتے تھے۔ وہ فرض مخصوص کیا تھا پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ وہ ذات واجب الوجود کا ادراک اور عالم کائنات کے ہر ہر جزو سے اُسکے ظہور قدرت کا ثبوت۔ اور اشیائے مخلوق میں انوار خالق کا مشاہدۂ قدرت کا اشتیاق تھا۔ اگرچہ یہ عالم آپ کی فطرت صالحہ کے ساتھ مخلوق ہوا تھا لیکن خلقت انسانی کے اُصول نمود ارتقا کے مطابق جوں جوں سن مبارک میں ترقی ہوتی گئی۔ اِن جذبات رُوحانیت میں بھی افزائش ہوتی گئی۔ تا اینکہ وقت بعثت سن مبارک چالیس برس کا ہو گیا تھا۔ اسی مقدار سے آپ کے اِن قلبی اور روحانی انوار معارف میں بھی کامل اضافہ پیدا ہو کر یہ کمال بھی تکمیل کے درجہ منتہی تک پہونچ گئے۔

اِن ہی جذبات روحانی کے اثر سے جیسا کہ تمام تاریخ وسیر کے اتفاق، اور کتب تفسیر وحدیث کی تفصیل وبیان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ بسا اوقات گھر سے باہر میدانوں۔ بیابانوں، اور کوہستانوں میں نکل جایا کرتے تھے۔ ہفتوں اور مہینوں کی خوراک اور اُتنے دنوں کا پانی اپنے ہمراہ لے لیا کرتے تھے۔ اور مہینوں۔ بیابانوں اور کوہستانوں میں قدرت الٰہی کے عجائب وغرائب اور اُس کی صنعت لامتناہی کے مدارج ومناصب کا براۃ العین مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ اور ان مشاہدات سے اس قادر مطلق اور صانع برحق کے وجود کا ثبوت حاصل فرمایا کرتے تھے۔ تا وقتیکہ ایک شے کی حقیقت کامل طور سے نہ معلوم ہو لیتی تھی۔ دوسری شے کی ماہیت کی تلاش کا سلسلہ نہ اُٹھایا جاتا تھا۔ اگر اس درمیان میں کھانے پینے کی چیزیں تمام ہو جاتی تھیں۔ تو گھر واپس تشریف لا کر بقدر ضرورت پھر وہ چیزیں ہمراہ لے لی جاتی تھیں اور پھر اُنھیں مقامات میں واپس آجاتے تھے۔

بسا اوقات اِن تحقیقات کا مشاہدہ انوار الہیات کے ذریعہ سے عالم رویا میں ہو جایا کرتا تھا۔ بعض اوقات۔ الہام۔ القا اور ندا کے طریقہ سے مسئلہ تحقیق طلب کا فیصلہ آخری آپ کو بتلا دیا جاتا تھا۔ ندا وغیرہ کی حالتوں میں آپ صرف کلمات ندا کو سُن لیا کرتے تھے۔ اور ندا کنندہ کو باوجود تفحص وتلاش کے اپنے گرد وپیش کہیں بھی نہیں پاتے تھے۔ درہائے جبل کے خلوت کدوں میں کبھی اپنے وجود فانی سے اُسکے وجود باقی اور ازلی کے ثبوت فراہم کئے جاتے تھے۔ یہی آپکی ابتدائی عبادت تھی۔ جسکو علمائے تاریخ وحدیث نے تحنث کی خاص اصطلاح سے تمام کتابوں میں لکھا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اسوقت بھی تفکر اور تجسس فی اثبات الوجود۔ آپ کی عین عبادت تھی۔ جن لوگوں نے انبیائے سابقین کے حالات اور خصوصاً حضرت ابراہیمؑ کی تحصیل معرفت کے واقعات کم سے کم اسوۃ الرسولؐ جلد اول میں پڑھے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِن مجاہدانہ تجسس ذات کو حضرت ابراہیمؑ کی تلاش وجود سے بالکل مطابق پائینگے

ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں آپ کی اس عبادت کے حالات لکھتے ہیں۔ مکّہ کے کوہستانی مقامات میں آپ نے جس مقام کو اپنی عبادت کے لیے تجویز فرمایا تھا۔ وہ غارِ حرا تھا۔ یہ غار مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلہ پر اُس کوہستانی سلسلہ میں واقع تھا جسکو جبل فاران کہتے تھے۔ یہ غار طول میں چار گز اور عرض میں پونے دو ۱/۲ ہے۔ بعثت سے سات برس پہلے انوار الٰہی کی تجلیات اسی غار میں آپ پر ظاہر ہونے لگیں تھیں۔ علامہ مجدالدین فیروز آبادی سفر السعادت میں لکھتے ہیں۔ کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان انوار الٰہی کی ضوفشانیوں کو دیکھ کر بیحد مسرور ہوتے تھے۔ مگر ان تجلیات میں کوئی صورت یا اس سے کوئی آواز نہیں پیدا ہوتی تھی۔ رحمۃ العالمین ص ۲۹

بعثت کا زمانہ جتنا قریب ہوتا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی طبع مُبارک میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی ان ایام میں آپ اکثر پانی اور ستوے کر شہر سے کئی کوس دور غار حرا میں جاکر بیٹھ رہا کرتے تھے۔ اور شبانہ روز عبادت الٰہی کیا کرتے تھے۔ اس عبادت میں تحمید و تقدیس الٰہی کے علاوہ قدرت الٰہیہ پر تدبّر و تفکّر بھی داخل تھا۔ اور یہی آپ کی قدیم عبادت تھی۔ جسکو تحنّث سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غار حرا میں آپ تحنُّث یعنی عبادت کیا کرتے تھے۔ عینی شرح بخاری میں ہے۔

قیل ما کان صفۃ تعبدہ اجیبت بان ذٰلک بالتفکر والاعتبار۔	سوال کیا گیا ہے۔ کہ اسوقت آپ کی عبادت کیا تھی۔ جواب کہ غور و فکر اور عبرت پذیری۔

یہ وہی عبادت ہے۔ جو آپکے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی۔ ستاروں کو دیکھا۔ تو چونکہ تجلّی کی جھلک تھی۔ دھوکا ہوا۔ چاند نکلا تو اور شبہہ ہوا۔ آفتاب پر اس سے زیادہ۔ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہوگئے۔ تو بے ساختہ پکار اُٹھے اِنِّیْ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ میں فانی چیزوں کو نہیں پسند کرتا۔ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ میں اپنا منہ اُسی کی طرف کرتا ہوں۔ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔

ایک مغربی مورخ[۱] نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے۔

سفر و حضر میں ہر جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل میں ہزار سوال پیدا ہوتے تھے۔ میں کیا ہوں؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوّت کیا شے ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتبار کروں؟ میں کیا کام کروں؟ کیا کوہ حرا کی چٹانوں۔ کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں کھنڈر اور میدان کسی نے بھی ان سوالوں کا جواب دیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ گنبد گرداں گردش لیل و نہار چمکتے ہوئے ستارے۔ برستے ہوئے بادل ان سوالوں کا جواب نہ دے سکے۔ سیرۃ النبی ص ۱۴۷ بحوالہ کارلائل ہیروز

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس عالم خاص کو دیباچہ نبوت سمجھنا چاہیے۔ اس عالم کی تکمیل کے بعد آپ پر رویائے صادقہ ہونے لگے۔ اور اُن ذریعے سے انکشاف حقائق ہونگے۔ اس عالم سے نبوت و رسالت

[۱] اس عیسائی باخدا کی عبارت کو پڑھکر اسپر واقعات کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ ان حالات کو من عرف نفسہ عرف ربہ رحمہ

کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ صحیح بخاری کے شروع میں ہے۔ اول ما بدء بہ رسول اللہ صلعم من الوحی الرؤیاء الصالحۃ فی النوم جس چیز سے پہلے آنحضرت صلعم پر وحی الٰہی نازل ہوئی۔ وہ سچے خواب ہوتے تھے اور خواب ہی کے ذریعہ سے آپ پر اسرار منکشف ہونے لگے۔ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے۔ بعینہ وہی پیش آتا تھا۔ سیرۃ النبیؐ حاشیہ زرین) اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ رویائے صادقہ بھی وحی الٰہی کا ایک شعبۂ خاص ہے۔ شاہد ہے اِسکے ثبوت میں یا بُنَیَّ اَرٰی فی المنام جسمیں ذبح اسمٰعیلؑ کی پوری خبر حضرت ابراہیمؑ کو عالم خواب میں دکھلا دی گئی تھی لیکن یہی یقین کر لینا چاہیے۔ کہ یہ خواب انبیاء و مرسلین کے مقدس دائرے تک محدود تھے۔ ہمارے آپکے خواب کو اسے مناسبت نہیں [لہ]

ابن سعد اسکے متعلق خود آنحضرت صلعم کے یہ اقوال نقل کرتے ہیں انّا معشر الانبیاء تنام اعیننا ولا تنام قلوبنا ہم لوگوں (انبیاء علیہم السلام) کی آنکھیں سو جاتی ہیں۔ قلوب نہیں سوتے۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں تنام عینائی ولا تنام قلوبنا میری دونوں آنکھیں سو جاتی ہیں۔ لیکن میرا قلب نہیں سوتا۔ یہ حقیقت ہے انبیاء علیہم السلام کے خواب کی۔ خواب کی حالت خاص میں انبیاء کے قلوب نورانی انکشاف حقیقت کے لیے بیدار اور کشادہ رہتے ہیں۔ اس بنا پر اکثر حکمائے اسلام نے انبیاء کے خواب کو بھی یقظان یعنی بیداری میں شامل کیا ہے۔ قبل بعثت ایک معتدبہ زمانہ تک اسرار الٰہیات کے انکشافات رویائے صادقہ کے ذریعہ سے ہوتے رہے۔ اس کے بعد ندا و الہام کے مدارج وحی آغاز ہوئے۔ طبری نے نہایت تفصیل سے اسکی کیفیت لکھی ہے۔ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

عن ابن ابی کثیر قال سئلت ابا سلمۃ ای القرآن انزل اول فقال یا ایّھا المدثر فقلت یقولون اقرأ باسم ربک فقال ابا سلمۃ سألت جابر بن عبد اللہ ای القرآن انزل اوّل فقال یا ایھا المدثر فقلت اقرأ باسم ربک الذی خلق فقال لا الا ما حدثنا النبی صلعم قال جاورت فی حراء فلما قضیت جواری ہبطت فاستبطنت الوادی فنودیت فنظرت عن یمینی وعن شمالی وخلفی وقدامی فلم ار شیئاً

ابی ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو سلمہ سے پوچھا کہ قرآن مجید میں کونسی آیت پہلے نازل ہوئی ہے۔ ابو سلمہ نے کہا یا ایہا المدثر۔ میں نے کہا لوگ تو کہتے ہیں۔ اقرا باسم ربک۔ سب سے پہلے نازل ہوا۔ ابو سلمہ نے جواب دیا کہ میں نے بھی یہی سوال جابر ابن عبد اللہ انصاری سے کیا تھا۔ اور انہوں نے مجھے بتلایا تھا۔ کہ قرآن میں سب سے پہلے یا ایہا المدثر نازل ہوا ہے میں نے بھی یہی ان سے کہا تھا۔ جابر بولے میں تمھیں وہی بتلاتا ہوں جو میں نے خود جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ نے مجھ کو فرمایا کہ میں حسب المعمول غار حرا میں خلوت گزیں تھا کہ خدا کا فرشتہ مجھ پر نازل

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے۔ نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ اُسنے اپنے پروردگار کو پہچان لیا) کے مطابق اور الانسان بصیرۃ علی نفسہ (انسان اپنے نفس کا خود بیناہے) کے حکم کے موافق ایسے ہی سوالات وجذبات قلب مبارک میں پیدا ہوکر آپ کو وجود باری تعالےٰ کے کافی ثبوت بہم پہنچاتے تھے۔

[لہ] عیسائیوں نے اس شعبہ وحی یعنی ذریعہ خواب بہت وسیع اور محض عام کر دیا ہے۔ انکے نزدیک ہر شخص اس خواب (وژن) کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس شعبہ وحی پر کیا موقوف ہے۔ خصوصاً آجکل علماء یورپ تو ہر شاعر کے کمال کو کمال نبوت سے مساوی اور مشتق بتلاتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ المؤلف سید اولاد حیدر عفی عنہ۔

فنظرت فوق راسی فاذا ھو جالس علی عرش بین السماء والارض فخشیت منہ فاتیت خدیجۃؓ فقلت دثرونی وصبوا علی ماء قال فدثرونی وصبو علی ماء باردًا فنزلت یا ایھا المدثر۔

ہوا۔ اور مجھے ندا کی میں نے دائیں۔ بائیں۔ اور آگے پیچھے۔ ہر چند اُس ندا کرنے والے کی تلاش کی۔ لیکن کسی کو بھی نہ دیکھا۔ پھر میں نے سر اُٹھا کر اُوپر دیکھا تو اُس ناگفتہ کو آسمان و زمین کے درمیان معائنہ کیا۔ یہ دیکھ کر مجھ پر جلال الٰہی کا رعب طاری ہوگیا۔ میں فوراً گھر لوٹ آیا۔ اور خدیجہؓ سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ میرے منہ پر پانی چھڑک دو۔ یہ سنکر انہوں نے مجھ پر کپڑا ڈال دیا۔ اور ٹھنڈا پانی میرے منہ پر ڈالا۔ تو وہ کیفیت زائل ہوگئی اُس کے بعد آیۂ یاایہا المدثر نازل ہوا۔ طبری ص ۱۱۵۴ مطبوعہ جرمن۔

صاحب رحمۃ العالمین نے مشکوٰۃ باسناد صحیحین اور تاریخ طبری کے متفقہ مرویات سے ماخوذ فرما کر اس واقعہ کو یوں لکھا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر چالیس سال قمری پر ایک دن اُوپر ہوا۔ تو نویں ربیع الاول ۴۱ میلادی مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو بروز دوشنبہ۔ روح الامین۔ خدا کا حکم نبوت لے کر آنحضرت صلعم کے پاس آیا۔ اُس وقت آنحضرتؐ غار حرا میں تھے۔ روح نے کہا۔ اے محمد بشارت قبول فرمائیے۔ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں۔

سفر السعادت مجد الدین فیروز آبادی

اسکے بعد نبی صلعم فوراً گھر میں آئے۔ اور لیٹ گئے۔ بی بی سے کہا۔ کہ مجھ پر کپڑا ڈالدو (دثرونی) جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بی بی سے فرمایا۔ کہ میں یہ واقعات دیکھتا ہوں۔ کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہوگیا ہے۔ مشکوٰۃ ص ۵۱۴۔

نزول اقرا حسب المعمول ایک دن (باسناد طبری ۱۸ رمضان ۴۱ عام الفیل مطابق ۶۱۰ء) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غار حرا میں تشریف فرما تھے۔ کہ فرشتہ غیب (روح الامین) نے آکر آپ کو ان الفاظ ربانیہ میں بشارت دی۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔

پڑھ (دعوت دی) اُس خدا کے نام کو۔ جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اُس خدا کے بزرگ نام کو۔ یعنی اُس خدائے بزرگ کے نام پر تمام لوگوں کو دعوت دے۔ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھلائیں۔ کہ جن کو وہ نہیں جانتا تھا

شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

آپ اس واقعہ کے بعد۔ اُسی وقت گھر واپس تشریف لائے۔ تو جلال الٰہی سے لبریز تھے۔ آپ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ اور جو عبری زبان جانتے تھے۔ اور توریت و انجیل کے ماہر تھے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلعم سے واقعہ کی کیفیت سُنی۔ تو کہا یہ وہی ناموس اکبر ہے۔ جو موسیٰؑ پر اُترا تھا۔ روایت

میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو ڈر پیدا ہوا حضرت خدیجہ نے کہا۔ کہ آپ متردد نہوں۔ خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑیگا۔ پھر وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ تو انہوں نے آپکی تصدیق کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان سے بلاشبہ یہ الفاظ نکلے ہونگے "مجھکو ڈر ہے" لیکن یہ تردد ہیبت۔ یہ اضطراب جلال الٰہی کا تاثر (اور نبوت کے بارگراں کی عظمت کا تخیل تھا) آپنے کیا دیکھا؟ ناموس اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا شاہدات ہوئے؟ یہ وہ نازک باتیں ہیں۔ جو الفاظ کا تحمّل نہیں کر سکتیں۔

صحیح بخاری باب التعبیر میں ہے۔ کہ چند روز تک وحی رک گئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے کہ اپنے آپ کو گرا دیں۔ دفعتًہ حضرت جبرئیل نظر آجاتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ اے محمدؐ تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو اُس سے آپکو اسوقت تسکین ہوجاتی تھی لیکن جب پھر وحی کچھ دنوں تک رُک جاتی تھی۔ تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے۔ اور پھر حضرت جبرئیلؑ نمایاں ہوکر تسکین دیتے۔ کہ آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصّہ اوّل کی شرح میں معترضین کا اعتراض نقل کیا ہے۔ کہ ایک پیغمبر کو نبوّت میں کیونکر شک ہوسکتا ہے۔ اور ہو تو کسی عیسائی (ورقہ) کے کہدینے سے کیا۔ تسکین ہوسکتی تھی۔ پھر ایک مشہور محدّث کا یہ جواب نقل کیا ہے۔ کہ نبوت ایک امر عظیم ہے۔ اسکا تحمّل دفعتًہ نہیں ہوسکتا۔ پہلے آنحضرت صلعم کو خواب کے ذریعے اِس سے مانوس کیا گیا۔ پھر جب دفعتًہ فرشتہ نظر آیا۔ تو آپ بمقتضائے بشریت خوف زدہ ہوگئے۔ حضرت خدیجہ نے آپکو تسکین دی۔ پھر جب ورقہ نے آپ کی تصدیق کی۔ تو آپ کو پورا یقین ہوگیا۔ محدّث مذکور کے الفاظ یہ ہیں فلمّا سمع کلامہ ایقن بالحق واعترف بہ جب آپنے ورقہ کا کلام سُنا۔ تو آپ کو حق کا یقین آگیا۔ اور آپنے اس کا اعتراف کرلیا۔ محدّث مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ وحی بار بار اس لیے رُک جاتی تھی۔ کہ آپ رفتہ رفتہ اسکی برداشت کرنے کے قابل ہوجائیں فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التعبیر جلد ۲ ص ۳۱۷ مطبوعہ مصر۔

لیکن جبکہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ نبوت سے پہلے جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے۔ اُس کی تمام شاخیں آپ پر جھک آئیں۔ جس سے راہب بحیرہ نے آپ کے نبی ہونے کا یقین کرلیا۔ جبکہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میں اُس پتھر کو پہچانتا ہوں۔ جو نبوت سے پہلے مجھکو سلام کیا کرتا تھا۔ جبکہ صحاح میں موجود ہے۔ کہ نبوّت سے پہلے فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا۔ اور جسمانی آلائش نکال کر پھینکدی تو خود اِن روایتوں کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا۔ کہ جس سے آپ اس قدر خوف زدہ ہوجاتے تھے۔ کہ ایک دفعہ تسکین ہوکر بھی بار بار اضطراب ہورہا تھا۔ اور اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے۔ اور بار بار حضرت جبرئیلؑ کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ کیا کسی اور پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی میں کبھی شک ہُوا تھا۔ حضرت موسٰیؑ نے درخت سے آواز سُنی۔ کہ میں خدا ہوں۔ تو کیا اُنکو کوئی شبہ پیدا ہوا تھا؟

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں۔ ہمکو پہلے یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ خود اصل روایت بہ سند

مرفوع متصل ہے۔ یا نہیں۔ یہ روایت امام زہری کے بلاغات سے ہے۔ یعنی سند کا سلسلہ زہری تک تمام ہوجاتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کر دی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کیلئے سند مقطوع کافی نہیں۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل ص ۱۴۸ ۱۵۰۔

الحمدللہ شبلی صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور وہ بہت جلد اپنے اسلاف کی غلط فہمیوں کو سمجھ گئے۔ اور اس بنا پر کہ تقلید اسلاف کی کچھ حد بھی ہے۔ آخر کہاں تک؟ آپ کو بزرگان سلف پر طیش آہی گیا۔ اور پھر و فور طیش میں آپ نے بلا تامل اور بلا خیال پس و پیش۔ کتب صحاح سے کہ ابن حجر اور امام زہری تک۔ ایک ایک کی پوری خبر لے لی نہ بخاری صاحب کا ادب کیا۔ نہ مسلم صاحب کا لحاظ۔ اور نہ خود اسوقت کی پرجوشی میں اپنے اعترافات و مسلمات کا کوئی خیال رہا۔ جسکو آپ اپنے دست و قلم سے بایں الفاظ دیباچہ سیرۃ النبیؐ میں لکھ چکے تھے۔ کہ صحیح بخاری اور مسلم نے ایک غلط کیسی ضعیف تک روایت اپنی کتابوں میں نہیں لکھی۔ اب انھیں شبلی صاحب نے اِن حضرات کی اتنی مرویات پر سرے سے قلم پھیر دیا۔ اب شبلی صاحب خود فرمائیں کہ آپکا دیباچہ والا یہ اُصول کہ حدیثوں کی کتابوں کو تاریخ و سیرت کی کتابوں پر ضرور ترجیح ہے۔ اس لیے کہ اُن میں ایک حدیث بھی غلط اور ضعیف نہیں۔ آپ ہی کے اس تنقید و تردید سے صحیح ثابت ہوا یا غلط۔ لاحول ولا قوۃ۔ اس عبارت تنقیدی کو تمام کرکے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ چونکہ مرقومہ بالا روایت امام زہری کے بلاغات سے ہے۔ اسلئے نہ قابل اعتبار ہے۔ نہ لائق استناد۔

اسوقت اپنی ضرورت سے آپ جو چاہیں۔ کہہ لیں۔ لیکن سب سے پہلے تو سوال بخاری و مسلم صاحبان سے ہے۔ کہ یہ حضرات نقادان فن اور اُستادان احادیث کیسے تھے۔ جو روایات میں بلاغات اور متصلات کی بھی تمیز نہیں رکھتے تھے۔ شبلی صاحب امام زہری کو ضرورت وقتی سے مجبور ہو کر جیسا کچھ نہ کہدیں۔ مگر خدا کیلئے۔ آگے پیچھے کا بھی خیال رکھیں۔ انہیں امام زہری کی مدح و ثنا میں (دیباچہ ص ۱۵) کتنی خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ ذرا اُسکا بھی خیال رہے۔ اور اگر اور نہیں خیال کیا جاتا۔ تو اُصول عقائد کے مطابق تو ادب اسلاف تو ضرور واجب ہے۔ دیکھئے امام زہری کون ہیں؟ تابعین ہیں اور خیر التابعین کے القاب اضافی سے ہمیشہ کتابوں میں ذکر کئے جاتے ہیں پھر تابعین کی مرویات کو آپکے علماء نے اتنا مرتبہ دے رکھا ہے۔ کہ مرویات صحابہ اُن سے فروتر ہیں۔ اور تابعین کے مرویات میں یہ ایسی خصوصیت ہے۔ جسکو آپ مجھسے بہتر جانتے ہیں۔ ایسی حالت میں بلاغات و مرسلات تابعین کی نسبت آپ نہ زبان ہلا سکتے ہیں۔ اور نہ ایک حرف مُنہ سے نکال سکتے ہیں۔ تاوقتیکہ تقلید اسلاف کا کلاوہ گردن سے نہ اُتار لیجئے اور اُن تمام غلط اُصول عقائد صحابہ و تابعین کو اپنے ہاتھوں سے نہ ہٹا لیجئے۔ فافہم فتدبر۔

شبلی صاحب کی غلط فہمی کی اصلاح

شبلی صاحب کی اتنی صفائی اور خامہ فرسائی کی کوششوں کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ معترضین کے اعتراض اپنی جگہ پر ویسے کے ویسے ہی قائم ہیں۔ اور آپ ہوں یا آپکے

کے اسلاف۔ کسی صاحب سے حقیقتاً اصل مدعائے اعتراض کا جواب نہ ہو سکا۔ آپ نے اپنے قدیم طریقہ تکذیب وتضعیف روایات ومرویات کا خانگی جھگڑا پیش کرکے جواب تو خاک دیا۔ صریح دفع الوقتی کر دی۔ آپ کو بار بار لکھکر بتلا دیا گیا کہ مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے مقابلہ میں اپنے رواۃ ومرویا کی تکذیب وتضعیف کی ترکیب مفید کار نہو گے۔ وہ ہرگز جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ کہ آپ کا فلاں راوی قابل وثوق ہے یا نہیں۔ یا اُسکی فلاں روایت قابل اعتماد واستناد ہے۔ یا نہیں۔ اگر وہ راوی اور اُن کی روایتیں جھوٹی ہیں۔ یا سچی تو وہ آپ ہی کی ہیں۔ اور آپ ہی تنہا اسکے جوابدہ اس بنا پر یہ آپ کی مرقومہ بالا عبارت تنقیدی معترضین کے لیئے قابل تشفی واطمینان نہیں۔ باوجود آپ کی اتنی طولانی صفائی کے بھی معترضین کا یہ اعتراض۔ کہ پیغمبر عرب کو (نعوذ باللہ) نزول وحی ہونے پر بھی اپنی نبوت کا یقین نہ آیا۔ یہاں تک کہ جبرئیلؑ کے بار بار یقین دلانے پر بھی پورا تیقن نہوا۔ لیکن ایک مرد عیسائی مذہب ورقہ بن نوفل کے کہدینے سے آپ کو اپنی نبوت پر اعتماد واعتبار کلی حاصل ہو گیا۔ ابھی آپکے ذمہ باقی ہے

قیامت کی۔ کہ آپ نے سند میں ایک لاسلوم الاسم محدث کا یہ قول لکھدیا۔ فلما سمع کلامہ ایقن الحق واعترف جب آپ نے اُسکا (ورقہ بن نوفل کا) کلام سُنا۔ تو آپ کو حق کی پہچان ہوئی۔ اس نے معترضین کی تعریض کی پوری قوت پہنچا دی۔ خوف الٰہی طاری ہونے تک کا جواب۔ آپ کے گمنام محدث نے جسکا نام اور جس کی کتاب کا نام خدا جانے۔ کس مصلحت سے آپ تبلانا نہیں چاہتے۔ تو مناسب اور فی الواقع ہے۔ لیکن ورقہ سے دریافت کرکے اعتراف نبوت حاصل کرنے کو لکھکر اس نے تو ایسی فاش غلطی کی ہے۔ کہ حقیقتاً شان مخصوصہ نبوت اور صفات منصوصہ رسالت ہی پر قلم پھیر دیا۔ اور تعجب تو یہ ہے۔ کہ شبلی صاحب نے بھی باوجود دعوئے دقیق النظری اسپر کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ لیکن دُنیا حقیقت شناسو سے خالی نہیں۔ اگر ایک آپ کی نظر اصلیت اور حقیقت تک نہ پہونچ سکی۔ تو کیا مولوی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری۔ صاحب رحمۃ العالمین کسی قدر اس کی حقیقت تک پہونچ گئے۔ اور اُنہوں نے مفصلۂ ذیل عبارت میں معترضیں کا ایک حد تک اطمینان دہ جواب دیا ہے۔

اس واقعہ (نزول وحی) کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً گھر میں آئے۔ اور لیٹ گئے۔ بیوی سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈالدو جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا۔ تو بیوی سے فرمایا۔ کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں۔ کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ اس فقرے سے حضور کا مطلب مشکلات نبوت کا بیان تھا۔ خدیجۃ الکبریٰ نے کہا۔ نہیں آپ کو ڈر کاہے کا ہے۔ میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقربا پر شفقت فرماتے۔ سچ بولتے۔ رانڈوں۔ یتیموں اور بیکسوں کی دست گیری کرتے ہیں۔ اور مہمان نوازی فرماتے ہیں اہل مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ خدا آپکو کبھی اندوھگیں نہ فرمائے گا (بحوالہ مشکوٰۃ باسناد صحیحین)۔

اب خدیجۃ الکبریٰ کو خود بھی اپنے اطمینان قلب کی ضرورت ہوئی۔ اسلیئے وہ نبی صلعم کو ساتھ لے کر اپنے رشتہ کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ورقہ بن نوفل کے

سامنے. جبریلؑ کے آنے. بات کرنے کا واقعہ بیان کیا. ورقہ فوراً بول اٹھا. یہی وہ ناموس ہے. جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا. کاش میں جوان ہوتا. کاش میں اُسوقت تک زندہ ہوتا. جب آپکو آپ کی قوم نکالدے گی. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا. کیا قوم مجھے نکالدیگی. ورقہ بولا. ہاں اِس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی. اُس سے شروع میں عداوت ہی ہوتی رہی ہے. کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور کی نمایاں خدمت کروں. مشکوٰۃ باسناد صحیحین ص ۵۱۲ اھ.

عبارت مرقومۂ بالا کے اُن الفاظ سے. جن پر خط کھینچ دیا گیا ہے. کسی قدر حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہے. حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بعثت اور حصول منصب رسالت کے متعلق نزول ملک اور حصول وحی کے وقت ہی سے ایسا یقین واثق ہو گیا تھا. کہ کسی سے استفسار و افادہ کی مطلق ضرورت نہیں تھی. جو شان رسالت ومنصب نبوّت سے عقلاً اور نقلاً مستبعد ہے. اور درحقیقت یہ تیقن یہ استغنا رسالت کا عین مدعا اور نبوّت کا خاص مقتضا تھا. حضرت خدیجہؑ نے (اگر مرویات صحیحین صحیح ہیں) غالباً اپنے اطمینان قلب اور مزید تشفی کے لیئے ورقہ بن نوفل کے پاس آپ کو لیجا کر اسوجہ سے آپ کے بیان کی تصدیق وتوثیق کرانی ہو گی. کہ وہ علی الاکثر کہا کرتے تھے. کہ عنقریب ایک رسول ظاہر ہونے والا ہے. جو ابلیس اور اُسکے لشکر پر غالب آئے گا. اس عبارت سے صاف ظاہر ہے. کہ حضرت خدیجہؑ تصدیق رسالت کی غرض سے اپنے برادر عم زاد ورقہ کے پاس خود آپکو لیکر تشریف لیگئیں تھیں. جناب رسول مقبول صلعم نہ خود ورقہ کے پاس تصدیق رسالت کی غرض سے گئے تھے. اور نہ آپ نے خود خدیجہؑ کو بھیجا تھا.

شبلی صاحب تقلید سلاف کے ایسے والا و شیدا ہیں. کہ واقعہ کی حقیقت و اصلیت بھی اصل ماخذوں میں تلاش کرلینا پسند نہیں فرماتے. اسواقعہ کی نسبت چونکہ غلط طور پر عموماً مشکوٰۃ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں یہ نقل ہوتا چلا آیا ہے. کہ جناب رسولخدا صلعم خود یا حضرت خدیجہؑ آنحضرت کو لیکر ورقہ کے پاس آئیں. اور جب ورقہ نے آپکے بیان سے کر آپکے دعوے رسالت کی تصدیق کرلی. تب آنحضرت صلعم کو اپنی رسالت کا یقین ہوا. جیسا کہ ابھی ابھی صحیحین کے حوالہ اور مشکوٰۃ کی عبارت سے تحریر ہو چکا. شبلی صاحب نے بھی بے دیکھے بھالے اسی کو حرف بحرف نقل فرما دیا. کم سے کم آپ نے تاریخ طبری اُٹھا کر اسواقعہ کو اُس میں دیکھ لیا ہوتا. تو آپ کو فوراً حقیقت کا پتہ لگ جاتا. اور کتب تاریخ پر کتب حدیث کو ہر مقام و موقع پر ترجیح دیئے جانے کا غلط معیار جو آپنے دیباچہ کتاب میں قائم کیا ہے. ثابت ہو جاتا. امام المورخین ابن جریر طبری مفصلۂ ذیل عبارت میں اسواقعہ کی حقیقت یوں لکھتے ہیں.

فقالت خدیجة ابشر یا ابن عم واثبت فوالذی نفس خدیجة بیدہ انی لارجوا ان تکون نبی ھذہ الامة ثم قامت فجمعت علیھا ثیابھا ثم انطلقت الی ورقة بن نوفل بن اسد وھو ابن عمھا وکان ورقة قد تنصر وقرءا

بیان نزول وحی کو آنحضرت صلعم سے سُنکر حضرت خدیجہؓ بولیں کہا. یا ابن عم آپکو بشارت ہو. آپنے جو کچھ کہا. وہ سب صحیح وثابت ہے. اور اُس خدا کی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں خدیجہؑ کی جان ہے. مجھکو یقین ہے. کہ آپ اس امت کے نبی ہیں. یہ کہکر حضرت خدیجہؓ اٹھ کھڑی ہوئیں. اپنے کپڑے پہنے اور اپنے برادر

الکتٰب واسمع من اھل التوراۃ والانجیل فاخبرتہ بما اخبرھا بہ رسول اللّٰہ صلعم انہ ای وسمع فقال ورقہ قدوس قدوس والذی نفس ورقہ بیدہ لئن کنت صدقتنی یا خدیجۃ لقد جاءہ الناموس الاکبر یعنی بالناس جبریل علیہ السلام الذی کان یاتی موسیٰؑ وانہ لنبی ھذہ الامۃ فقولی لہ فلیثبت فرجعت خدیجۃ الی رسول اللّٰہ صلعم فاخبرتہ بقول ورقۃ طبری ص ۱۱۵۱ مطبوعہ جرمن۔

عم زاد ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس آئیں۔ ورقہ عیسائی طریق کے آدمی تھے۔ عیسائی علماء سے علم توریت و انجیل حاصل کر چکے تھے جب خدیجہؓ نے ورقہ سے وہ خبریں بیان کیں۔ جو رسول اللہ صلعم سے سُنکر آئی تھیں اور ورقہ نے اُن کو سُن لیا۔ اور اُن پر غور کیا۔ تو پکار اُٹھا قدوسؐ۔ قدوسؐ۔ اُسکی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں ورقہ کی جان ہے اگر یہ سچ ہے جو کچھ تم نے بیان کیا ہے۔ تو اے خدیجہؓ وہ ناموس اکبر یعنی جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ یہ وہی ہے۔ جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ اور تحقیق کہ وہ آنحضرت (صلعم) اس اُمت کے نبی ہیں۔ میری طرف سے جاکر اُن سے کہدو۔ کہ وہ اپنے مُدعا پر ثابت قدم رہیں۔ یہ سُنکر جناب خدیجہؓ وہاں سے واپس آئیں۔ اور جو کچھ ورقہ نے کہا تھا سب آکر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔

کہئے تاریخ طبری کے مرقومۂ بالا عبارت سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جناب رسولخدا صلعم خود بغرض تصدیق رسالت ورقہ بن نوفل کے پاس گئے۔ یا جناب خدیجہؓ اس غرض سے آپ کو لوا گئیں۔ جیسا کہ صاحب مشکوۃ نے صحیحین کے اسناد سے لکھکر بتلایا ہے۔ تو ایسی حالت میں معترضین کے اعتراض کی تائید آپ ہی کی کتب حدیث سے ہوئی نہ کہ تاریخ سے۔ تو پھر اُن کی تردید و تنقید کی آپ کیسے ہمت کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ خاص سے تو آپ کے گمنام محدث صاحب نے بھی مرویات صحیحین ہونے پر اعتبار کرکے اسکو قبول کر لیا ہے اور لکھدیا۔ ایقن بالحق واعترفہ اور آپ نے بھی تقلیداً اُسے تسلیم کر لیا۔ شبلی صاحب حالت موجودہ سے خود سمجھ لیں۔ کہ معترضین کے اعتراض کا جواب کہاں ہوا۔ یہ روئداد تو عین اقبال و ایجاب تبلاتی ہے۔ اب فرمایا جائے۔ کہ ایسا سراپا غلط واقعہ جو سراسر منافی رسالت ہے۔ آپ کی حدیث کی کتابوں میں نقل ہے۔ یا تاریخ کی کتابوں میں۔ خود ملاحظہ فرمالیا جائے۔ تاریخ میں جو واقعہ نقل ہے۔ اُوپر لکھدیا گیا ہے۔ اُس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ معیار رسالت اور اقتدار نبوت کے بالکل مطابق ہے۔ بخلاف اسکے جو کچھ آپ کی حدیث کی کتابوں میں لکھا گیا ہے۔ وہ شان رسالت اور نبوت کے سراسر مخالف اور منافی ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی معترضین کے تمام اعتراض کی بنا ہے۔ جب صورت حال ایسی قایم ہوتی ہے۔ تو آپ ناحق موقع بےموقع تاریخ کی کتابوں پر حدیث کی کتابوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

نہ شبلی صاحب کو خبر ہے۔ اور نہ اُنکے ائمہ حدیث کو کہ ورقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب ملے۔ وہی تاریخ ثابت کرتی ہے۔ کہ نزول وحی۔ اور حصول رسالت کے بعد جب اس نعمت کے ادائے شکریہ کے لیے آپ خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے۔ تو وہاں ورقہ سے ملاقات ہوئی۔ اور جس تقدیس وعظمت سے ورقہ نے آپ کی تعظیم و تکریم کی۔ وہ تاریخ

طبری کے مفصلۂ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

فانصرف صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الکعبۃ فطاف بہا فلقیہ ورقۃ بن نوفل وھو یطوف بالبیت فقال یا ابن اخی اخبرنی بما رأیت او سمعت فاخبرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال لہ ورقۃ والذی نفس ورقۃ بیدہ انک لنبی ھذہ الامۃ ولقد جاءک الناموس الاکبر الذی جاء الی موسی ولتکذبنہ ولتوذینہ ولتخرجنہ ولتقاتلنہ ولئن انا ادرکت ذلک لانصرن اللہ نصرا یعلمہ ثم ادنی راسہ فقبل یافوخہ

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں طواف کرنے کی غرض سے تشریف لیگئے۔ ورقہ آپکو طواف میں مشغول دیکھکر آپکے پاس ہی چلے آئے اور کہنے لگے۔ اے میرے بھتیجے تمنے کیا چیزیں مشاہدہ کی ہیں۔ یا سُنی ہیں۔ مجھسے کہو تو۔ جناب رسولخدا نے تمام باتیں اُنسے کہدیں۔ ورقہ سُنکر کہنے لگے قسم ہے اُسکی جس کے قبضہ قدرت میں ورقہ کی جان ہے۔ کہ تم اس اُمت کے نبی ہو۔ اور بیشک تمپر وہی ناموس اکبر نازل ہوا ہے۔ جو حضرت موسیٰ پر نازل ہُوا ہے۔ لوگ تمہاری تکذیب کرینگے تمھیں ایذا دینگے تمھیں خارج البلد کریں گے۔ اور تمہارے ساتھ جنگ و قتال کرینگے۔ اگر میں اُس زمانہ تک زندہ رہا۔ تو میں تمہاری نصرت کرتا۔ اور خدا تمہاری نصرت کریگا۔ پھر اپنا سر قریب لاکر آپ کی پیشانی انور کا بوسہ لیا۔ ص ۱۱۵۲ جز ثانی

یہ مشاہدہ تاریخی صاف صاف تبلا رہا ہے۔ کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خود ورقہ کے پاس گئے۔ اور آپ کو کوئی اُن کے پاس لے گیا۔ بلکہ نزول جبرئیلؑ اور وصول اقرار سعادت دولت سرا اور تصدیق و ایجاب حضرت خدیجۃ الکبریٰ۔ غرض ان تمام واقعات کے بعد جب آپ حسب معمول خانہ کعبہ کے طواف کے لیے تشریف لے گئے۔ تو آپ کو ورقہ ملے۔ اور جو کچھ فی مابین گفتگو ہوئی۔ وہ طبری کی زبانی اوپر نقل کردی گئی۔ قریب قریب تمام تاریخوں کا اسی پر اتفاق ہے۔ اور حقیقتاً واقعہ بھی یہی ہے۔ اور اتنا ہی ہے۔ باقی سب کتابلی کا طومار ہے۔ اور زیادہ تر انھیں طوماروں سے عیسائی معترضین نے اپنے گمراہانہ اور مغویانہ دفتر سیاہ کیے ہیں تعجب ہے کہ متعصبین یورپ تاریخ طبری میں اُسکی حقیقت حال کو دیکھکر جسے خود دشمنوں نے اپنے چھاپکر شایع کیا ہے۔ ذرا بھی شرماتے نہیں حدیثوں کے اسی طومار بیکار کے سلسلہ میں التوائے وحی کی حالتوں میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتشار و اضطراب کے متعلق اُنکا یہ بیان کہ نعوذ باللہ آپ پہاڑ کی چوٹیوں پر سے اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے۔ اور اس اضطراب و التہاب کی خاص اور انتہائی حالتوں میں خدانخواستہ آپ اپنی جان عزیز دیدینا چاہتے تھے۔ بالکل لغویات اور مہملات ہیں جسکی تردید و تکذیب خود شبلی صاحب بھی فرماتے ہیں۔ لیکن ہم کو بھی اتنا لکھکر تبلادینا ضروری ہے۔ کہ خدا کا سچا رسولؐ جو خاصکر جائز اور ناجائز اُمور حلال اور حرام کا سب سے بہتر جاننے والا اور ان اُمور کے متعلق صحیح طریقہ عمل تبلانیوالا ہے۔ بالنفس النفیس خودکشی کے ایسے اخلاقی۔ مذہبی اور سیاسی جرم پر اقدام کرنے اور نعوذ باللہ حرام موت مرنے پر آمادہ ہوگا۔ ان ہذا البعد الابعاد۔ کیا جاہل سے جاہل بھی کوئی مسلمان اسکو مانے گا۔

اس میں کلام نہیں۔ کہ کچھ دنوں تک وحی کے رُک جانے سے آپ کو ایک فکر و تعلق لاحق حال ضرور ہو جاتا تھا اور

یہ آپ کے خشیۃ اللہ کا باعث تھا۔ اور پھر جب وحی آنے لگی تھی۔ تو فوراً اطمینان خاطر بھی ہو جاتا تھا۔ بات اتنی تھی کتنی بڑھا دی گئی۔ افسوس ہے کہ بات بڑھانے والوں نے اپنی باتوں کو تو بہت کچھ بڑھا دیا۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی شان رسالت کو بالکل گھٹا دیا۔ ان تمام طومار اور قیاسات دور از کار کا خلاصہ یہ ہے۔ جیسا کہ شہود تاریخی سے کھکر تبلا دیا گیا ہے۔ کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خود ورقہ کے پاس گئے۔ اور نہ کوئی آپ کو انکے پاس لے گیا۔ رسول اللہ صلعم کو علم لدنیہ کے ذریعے سے اپنی رسالت و نبوت کا بالنفس النفیس خود یقین کامل تھا۔ اور کسی کی تصدیق و توثیق کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔

نزول وحی کو تنزیل اقرا سے آغاز سمجھنا۔ دوسری غلط فہمی ہے۔ جو اکثر علمائے حدیث و تاریخ کو پیدا ہو گئی ہے۔ اس سے قبل جیسا کہ ہم اقسام وحی کے بیان میں مختصراً لکھ چکے ہیں۔ انوار تجلیات کے مشاہدات رویائے صادقہ کے واقعات۔ ندا و صدائے غیب کے خطابات اور القار و الہام کے خاص حالات مختلف صورتوں۔ قبل از نزول وحی روح القدس جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف ہوا کرتے تھے۔ اور یہی مدارج وحی الٰہی میں جنکی علماء و حکمائے اسلام نے نشر قسمیں تبلائی ہیں۔ زرقانی شارح مواہب لدنیہ نے منجملہ نشر اقسام وحی کے چھ صورتوں کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب کی جلد اول صفحہ ۲۷۲-۲۷۸ تک میں بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ نزول وحی کی ابتدا اس واقعہ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ نزول قرآن اور رسالت و نبوت کا اعلان آج ہی کے دن ہوا۔ آج تک خدا کا رسول تبلیغ و تعلیم دین الٰہی کے لیئے ماذون و مامور نہیں فرمایا گیا تھا۔ گویا آج سے وہ منصب تبلیغ رسالت اور عہدۂ ارشاد و ہدایت پر من جانب اللہ ماذون فرمایا گیا حقیقت اتنی تھی۔ قیاسات و ظنیات کا اتنا طومار لگا دیا گیا کہ اللہ کی پناہ۔

تبلیغ رسالت

نبوت کا پہلا سوال

شبلی صاحب رقم طراز ہیں۔

خاتم الانبیا علیہ وآلہ التحیۃ والثنا کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا۔ اسلیئے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا۔ کہ یہ پُرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جاوے۔ اس غرض کیلیے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جاتے تھے۔ جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا۔ جو پہلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق دعوی کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے۔ یہ لوگ حضرت خدیجہؑ آپکی حرم محترم تھیں حضرت علیؑ تھے۔ جو آپ کی آغوش تربیت میں

پہلے تھے۔ زیدؓ تھے۔ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندہ خاص تھے۔ حضرت ابوبکر تھے۔ جو برسوں سے فیضیاب خدمت تھے۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؑ کو یہ پیغام سُنایا۔ وہ سُننے سے پہلے مومن تھیں۔ پھر اور بزرگوں کی باری آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے۔" سیرۃ النبیؐ۔

یہ تدریج وتدبیر بھی رسول صلعم کی ذاتی تجویز نہیں تھی۔ بلکہ قدرت کی تدبیر تھی۔ اور مشیت کی ترتیب۔ اس میں کوئی کلام نہیں۔ کہ یہ بہت بڑا راز تھا۔ ہم شبلی صاحب کی طرح اس کو پرخطر تو کہہ نہیں سکتے۔ پُراثر البتہ کہہ سکتے ہیں۔ اور کیونکر نہوتا۔ خداوندعالم اسی راز کو نبأ العظیم کے خاص الفاظ سے تعبیر فرماچکا ہے۔ اور یہ امر بھی بالکل مطابق فطرت ہے۔ کہ انسان اپنے تمام راز کا بالعموم آغاز انکشاف اپنے معتبر ترین محرم راز سے کرتا ہے۔ اور اس صفت خاص میں جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے بڑھکر ممتاز اور کون ہوسکتا ہے۔ خدا کے محرم راز نے۔ خدا کے اس راز کو سب سے پہلے اپنے محرم راز سے کہا۔ صدیقہ کبریٰ نے فوراً تصدیق کرلی۔ شبلی صاحب کا یہ لکھنا کہ آپ نے حضرت خدیجہؑ کو یہ پیغام سُنایا۔ وہ سُننے سے پہلے ہی مومن تھیں۔ بالکل واقعہ ہے۔ نہ کوئی قلم آرائی ہے۔ نہ طبع آزمائی۔ اب اس کی حقیقت اور واقعیت طبری کے خاص الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمۃ عن ابن اسحاق وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ای ما جاءک من اللہ من نعمۃ وکرامۃ من النبوۃ فحدث ای ذکرھا وادع الیھا قال فجعل رسول اللہ صلعم یذکر ما انعم اللہ علیہ وعلی العباد ۃ من النبوۃ سرًّا الی من یطمئن الیہ من اہلہ فکان اول من صدّقہ وآمن بہ واتبعہ من خلق اللہ فیما ذکر زوجۃ خدیجۃ بنت خویلد رحمہا اللہ طبری ص ۱۱۵۶۔

ابن حمید سلمہ سے اور سلمہ ابن اسحاق سے آیہ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ کی تفسیر میں، روایت کرتے ہیں۔ کہ مراد یہ ہے کہ یا رسول صلعم جو نعمت کہ خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے۔ تم لوگوں سے اُسکو بیان کردینی اُمور نبوّت جو تم پر مبذول ہوئے ہیں۔ اُن کو بندگانِ الٰہی سے بیان کرو اور اُسکی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس آیہ کے نزول کے بعد سے آنحضرت صلعم نعمہائے نبوّت اور کرامتہائے رسالت کو جو آپ پر تبلیغ عبادت کی غرض سے نازل فرمائی گئی تھیں۔ بیان کرنے پر مستعد ہوگئے۔ لیکن آپ نے اُسکو بالکل بطور راز پہلے اپنے لوگوں سے ظاہر کیا۔ جن لوگوں پر آپ کو پُورا اطمینان تھا۔ اور اُن میں سب سے پہلے یہ راز جس سے بیان کیا گیا۔ وہ آپکی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں جو تمام بندگان الٰہی میں سب سے پہلے آپکی نبوّت کی تصدیق کرنے والی۔ آپ پر ایمان لانیوالی۔ اور آپ کی اطاعت واتباع فرمانے والی ہوئیں۔ خدا اُنپر رحم فرمائے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوگیا۔ کہ ادھر مخبر صادق کی زبان سے دعوۃ اسلام کے الفاظ نکلے۔ اُدھر صدیقہ کے لبہائے مطہرہ سے لبیک کے جواب تصدیقی برآمد ہوئے۔ اس واقعہ سے تو حضرت خدیجہؑ کا استعجال فی الایجاب ثابت ہوا اب شبلی صاحب کے اس لکھنے کا بھی کہ حضرت خدیجہؑ اس پیام کے سُننے سے مومن تھیں۔ ثبوت بھی ملاحظہ ہو۔

فقالت خدیجۃ یا ابن عم لعلك رایت شیئا قال فقلت لها نعم ثم حدثتها بالذی رأت فقالت ابشر یا ابن عم واثبت فوالذی نفس خدیجۃ بیدہ انی لارجو ان تکون ھذہ الامۃ۔

جب آپ نزول وحی مشرف اور جلال الٰہی سے سراپا متوثر ہو کر دولت سرایں تشریف لائے تو آپ کے اس غیر معمولی اندعوحال کو دیکھکر جناب خدیجہؑ نے پوچھا کہ کیا آپ نے آج کچھ (نیا مشاہدہ) دیکھا ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ پھر جو کچھ نزول فرشتہ اور وصول وحی الٰہی کے متعلق مشاہدہ فرمایا گیا تھا جناب خدیجہؑ سے ارشاد فرمایا گیا۔ یہ سنکر جناب خدیجہؑ نے فرمایا۔ اے ابن عم آپ کو بشارت ہو۔ آپ اپنے ارادہ پر ثابت قدم رہیئے۔ اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں خدیجہ کی جان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس امت کے پیغمبر ہیں۔ طبری ج ۲ ص ۱۵۱

اس واقعہ سے ثابت ہوگیا۔ کہ جناب رسولخدا صلعم نزول وحی کے مشاہدات کا صرف دو محرم راز تھا۔ کہ جناب خدیجہؑ نے اُسکی تصدیق فرمائی۔ حالانکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُسوقت کے بیان سے تبلیغ و دعوت منظور نہیں تھی۔ بلکہ صرف اظہار حالت۔ کیونکہ حضرت خدیجہؑ نے آپ پر ایک نئی حالت طاری دیکھکر استعجاباً استفسار کیا تھا۔ اُسکے جواب میں جو حالت خاص تھی۔ بیان کر دی گئی۔ یہ سنتے ہی جناب خدیجہؑ نے جس استقلال و استقامت سے تصدیق رسالت فرمائی ہے۔ وہ الفاظ مندرجہ بالا سے ثابت ہے۔

یہ ملحوظ رہے۔ کہ اُسوقت تک آنحضرت صلعم نے دعوت کے قصد سے جناب خدیجہؑ سے نہ ارشاد رسالت کیا تھا۔ اور نہ خود خدیجۂ کبریٰ نے اُسوقت تک ورقہ کے پاس جاکر رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اپنا اطمینان کیا تھا۔ ان تمام صورتوں میں یہ تاریخی واقعہ جناب خدیجہؑ کی تصدیق صاف الفاظ میں قبل از اجرائے دعوت نبوت ثابت کرتا ہے۔ اس لیے شبلی صاحب کا یہ لکھنا کہ سُننے سے پہلے جنابہ خدیجہ مومن تھیں۔ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے

عالم تاریخ کے علاوہ دُنیائے حدیث میں صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کی تصدیق رسالت میں سبقت ملاحظہ فرمائی جائے۔ امام قسطلانی تحریر فرماتے ہیں۔

وکان اول من اٰمن باللہ وصدق صدیقۃ النساء خدیجۃ | سب سے پہلے جو خدا پر ایمان لایا۔ اور تصدیق رسالت کی۔ وہ صدیقۃ النساء خدیجہؑ ہیں

علامہ عبدالباقی زرقانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قال ابن اسحاق وموسیٰ ابن عقبۃ والواقدی والاموی وغیرھم وقال النووی وھو الصواب عند جماعۃ من المحققین وحکی الثعلبی وابن عبداللہ والسھیلی علی الاتفاق وقال ابن الاثیر لم یتقدمھا رجل ولا امرأۃ باجماع المسلمین زرقانی جلد اول ص ۲۸۷

ابن اسحاق۔ موسیٰ ابن عقبہ۔ واقدی اور اموی وغیرہم کا بھی یہی قول ہے اور امام نووی کہتے ہیں۔ کہ جماعت محققین کا بھی یہی مختار ہے۔ متفق علیہ امام ثعلبی۔ علامہ ابن عبدالبر۔ اور امام سہیلی بھی اسی پر اتفاق کرتے ہیں ابن اثیر لکھتے ہیں۔ کہ تمام جماعت مسلمین میں کوئی مرد یا کوئی عورت حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے پہلے اسلام نہیں لائی۔

امام قبل از دعوت حضرت خدیجہؑ کی تصدیق رسالت کے واقعہ کو جسکو ہم کسی قدر اوپر لکھ آئے ہیں باین الفاظ تحریر فرماتے ہیں

فقال لها علیه الصلوٰة والسلام خشیت علی نفسی فقلت له ابشر فوالله لا یحزنك الله ابدا ثم استدلت بما فیه من الصفات والاخلاق والشیم علی ان من کان کذٰلك لا یجزی ابدا۔ مواہب لدنیہؒ

واقعہ نزول وحی بیان فرما کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھکو اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کہ آپ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم۔ خدا تمہارے ساتھ کوئی مواخذہ نہیں کریگا اور اپنے اس قول پر آنحضرت صلعم کے محاسن عادات اور مکارم اخلاق کے تمام صفات موجودہ کو بیان فرما کر ارشاد کیا کہ جو شخص ان صفات حسنہ سے موصوف ہو۔ اُسکے ساتھ کبھی کوئی مواخذہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس کی شرح میں علامہ زرقانی رقمطراز ہیں۔

وهو من بدیع علمها وقوة عارضتها۔ یہ استدلال حضرت خدیجہؓ کے کمالات علم ویقین کے عجائبات اور آپ کی قوت کاملیہ واستدلالیہ کے نوادرات سے ہے۔ زرقانی جلد ۱ ص ۲۸۷۔

حضرت علی مرتضیٰؑ کی سبقت فی الاسلام

جناب تصدیقہ کبریٰ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بعد حضرت صدیقؑ الاکبر۔ فاروقؑ الامۃ۔ اسد اللہ الغالب جناب علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰة والسلام تصدیق رسالت فرما کر شرف با یمان ہوئے۔ ابن ہشام اور طبری میں ہے

قال ابن اسحٰق کان اول ذکر من الناس من برسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وصلی وصدق بما جاء من الله تعالیٰ علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن هاشم وهو ابن عشر سنین یومئذ وکان مما انعم الله علی علی بن ابی طالب رضی الله انه کان فی حجر رسول الله صلعم

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ کہ مردوں میں سب سے پہلے جو شخص جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ اور اُن تمام اُمور پر جو جناب اللہ آپ کے اوپر نازل کئے گئے تھے ایمان لایا۔ اور تصدیق کی۔ وہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ بن عبد المطلب بن ہاشم تھے۔ اُسوقت ان کا سن دس برس کا تھا۔ اور خدا نے تمام لوگوں سے بڑھ کر جو نعمت اُن کے شامل حال فرمائی تھی۔ وہ یہ تھی۔ کہ آپ بچپن سے آغوش رسول میں پرورش پا رہے تھے۔

(۱) طبری لکھتے ہیں۔

عن زید بن ارقم قال اول من اسلم مع رسول الله صلعم علی ابن ابی طالب

(۲) عن جابر بعث النبی صلی الله علیه وآله وسلم یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلثاء۔

جو شخص جناب رسول خدا صلی علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا۔ وہ علی ابن ابی طالب علیہم السلام ہیں۔ منقول از زید بن ارقم۔

جابر بن عبد اللہ الانصاری سے منقول ہے۔ کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو شنبہ کے دن مبعوث برسالت ہوئے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ

لہ امام احمد بن حنبل نے مناقب میں۔ امام نسائی نے خصائص میں۔ امام حاکم نے مستدرک میں۔ حافظ ابو زید عثمان ابن ابی شیبہ نے اپنی سُنن میں

(۳)

عن عباد بن عبد اللہ قال سمعت علیاً یقول انا عبد اللہ واخو رسولہ وانا الصدیق الاکبر لا یقولہا بعدی الا کاذب ومفتر صلیت مع رسول اللہ صلعم قبل الناس بسبع سنین۔

علیہ السلام نے منگل کے دن آپ کے پیچھے نماز پڑھی

عباد ابن عبد اللہ سے منقول ہے۔ کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ اور صدیق اکبر۔ اور میرے بعد جو کوئی صدیق اکبر ہونیکا دعوے کریگا۔ وہ جھوٹا ہوگا۔ اور مفتری کیونکہ میں رسول اللہ صلعم کیساتھ تمام لوگوں سے سات برس قبل نماز پڑھا کرتا تھا۔

اس دعوے بیان کی شہادت عینی بھی ملاحظہ ہو۔ طبری لکھتے ہیں۔

عن عفیف قال جئت فی الجاہلیۃ الی مکۃ فنزلت علی العباس بن عبد المطلب قال فلما طلعت الشمس وحلقت فی السماء وانا انظر الی الکعبۃ اقبل شاب فرمی ببصرہ الی السماء ثم استقبل الکعبۃ فقام مستقبلہا فلم یلبث حتی جاء غلام فقام عن یمینہ قال فلم یلبث حتی جاءت امرأۃ فقامت خلفہما فرکع الشاب فرکع الغلام والمرأۃ فرفع الشاب فرفع الغلام والمرأۃ فخر الشاب ساجداً فسجدا معہ فقلت یا عباس امر عظیم فقال امر عظیم اتدری من ہذا فقلت لا قال ہذا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب

عفیف سے منقول ہے۔ کہ وہ ایام جہالت میں مکہ گیا۔ اور عباس ابن عبد المطلب کے پاس مقیم ہوا جب آفتاب طلوع ہوکر آسمان پر چاروں طرف پھیل گیا۔ تو میں کعبہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس اثنا میں ایک جوان شخص کعبہ میں آیا۔ اور اُس نے اپنا سر بلند کرکے آسمان کی طرف دیکھا پھر کعبہ کا بوسہ لیا۔ پھر کعبہ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہوگیا۔ کچھ عرصہ نہ ہوا تھا۔ کہ ایک نوجوان لڑکا آیا۔ اور آکر اس جوان شخص کے داہنے طرف کھڑا ہوگیا پھر کچھ دیر نہ لگی تھی۔ کہ ایک عورت آئی۔ اور وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ اس اثنا میں وہ جوان شخص رکوع میں گیا۔ تو وہ نوجوان اور وہ عورت بھی رکوع میں گئی۔ پھر وہ جوان کھڑا ہو گیا

بقیہ صفحہ گذشتہ ۔ ابن عاصم نے اپنی سنن میں حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں۔ امام عقیلی نے اور علامہ محب طبری نے ریاض النضرہ میں لکھا ہے عن عباد بن عبد اللہ قال علیؓ انا عبد اللہ واخو رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانا الصدیق الاکبر لا یقولہا ذلک غیری الا کاذب صلیت قبل الناس سبع سنین ۔ عباد بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب علی مرتضیٰ نے کہ میں بندہ خدا ہوں اور اُنکے رسول صلعم کا بھائی۔ میں صدیق اکبر ہوں۔ میرے سوا کوئی ایسا قول و دعویٰ نہیں کرسکتا۔ سوائے اس کے کہ وہ جھوٹا ہوگا۔ میں نے سات برس پہلے سب لوگوں سے نماز پڑھی۔ امام قتیبہ معارف میں لکھتے ہیں عن معاذۃ العدویۃ قالت سمعت علیاً یقول علی المنبر البصرۃ انا الصدیق الاکبر اسلمت قبل ان یسلم ابو بکر معاذۃ العدویہ کہتی ہیں۔ کہ میں نے حضرت علیؑ کو بصرہ کے منبر پر کہتے ہوئے سُنا ہے۔ کہ میں صدیق اکبر ہوں۔ اور میں ابوبکر سے پہلے اسلام لایا ہوں۔ امام بخاری حضرت ابن عباس اور احمد بن حنبل ابی لیلیٰ کے اسناد سے لکھتے ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الصدیقون ثلاثۃ حبیب النجار من آل یاسین الذی قال یقوم اتبعوا المرسلین وحزقیل مؤمن آل فرعون الذی تقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ وعلی ابن ابی طالب وہو افضلہم فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ صدیق تین ہیں۔ حبیب النجار جو آل یٰسین کا صدیق ہے۔ جس نے کہا تھا کہ اے قوم پیغمبروں کی متابعت کرو۔ دوسرا حزقیل جو مومن آل فرعون ہے

ابن اخی الذی من هذا معہ قلت لا قال هذا علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب ابن اخی الذی عنہ قلت هذہ الامرأۃ التی خلفہما قلت لا قال هذہ خدیجۃ بنت خویلد زوجۃ ابن اخی هذا حدثنی ان ربک رب السماء امرہم بهذا الذی تراہم علیہ وایم اللہ ما اعلم علی ظهر الارض کلها احدا علی هذا الدین غیر هؤلاء الثلاثۃ ۔ طبری ص ۱۱۶۱ جرمن

اور انکے ساتھ ہی وہ نوجوان اور وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ پھر وہ نوجوان شخص سجدے میں گیا۔ اور انکے ہمراہ یہ دونوں بھی سجدے میں گئے۔ عفیف کا بیان ہے کہ یہ دیکھکر میں نے کہا۔ کہ یہ تو امر عظیم ہے۔ یہ سنکر عباس نے کہا کہ البتہ امر عظیم ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ عباس نے کہا کہ جوان شخص محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب میرے بھائی کے بیٹے ہیں۔ عباس نے کہا جانتے ہو۔ یہ نوجوان کون ہے۔ میں نے کہا نہیں عباس نے کہا۔ یہ علیؑ بن ابی طالب بن عبد المطلب میرے بھائی کے بیٹے ہیں

پھر عباس نے پوچھا جانتے ہو یہ عورت کون ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ عباس نے کہا یہ خدیجہؑ بنت خویلد میرے بھتیجے محمدؐ کی زوجہ ہیں (دونوں) (محمد صلعم) نے مجھسے کہا ہے۔ کہ اُن کا خدا پیدا کنندۂ زمین و آسمان ہے۔ اور اسی نے اس امر کے کرنے کا اُن کو حکم دیا ہے جو تم دیکھتے ہو۔ اور قسم خدا کی اسوقت تک میرے علم میں سوائے اِن تین آدمیوں کے روئے زمین پر کوئی دوسرا ایک بھی اس دین پر نہیں ہے۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ:- جس نے کہا تھا۔ ایسے شخص کو قتل کرتے ہو۔ جو کہتا ہے خدا میرا پروردگار ہے۔ تیسرے علیؑ بن ابی طالبؑ اور یہ سب سے افضل ہے

۵۲ فاروق الامۃ۔ امام دیلمی و طبرانی لکھتے ہیں۔ عن سلمان الفارسی قال قال رسول اللہ صلعم لعلی هذا اول امن بی وهذا اول من یصافحنی یوم القیمۃ وهذا صدیق الاکبر وهذا فاروق الاعظم یفرق بین الحق والباطل وهذا یعسوب المؤمنین والمال یعسوب المنافقین حضرت سلمان فارسی سے منقول ہے۔ کہ حضرت رسولخدا صلعم حضرت علیؑ کی نسبت فرمایا۔ کہ علیؑ وہ ہے۔ جو سب سے پہلے مجھپر ایمان لایا۔ اور سب سے پہلے مجھسے قیامت کے دن مصافحہ کریگا۔ اور یہی صدیق اکبر ہے۔ اور یہی فاروق اعظم ہے کہ حق اور باطل میں فیصلہ کریگا۔ اور یہی مومنین کا امیر ہے۔ خوارزمی۔ دیلمی۔ اور عبد البرکی۔ استیعاب میں لکھتے ہیں عن ابی لیلیٰ قال قال رسول اللہ صلعم سیکون من بعدی فتنۃ فاذا کان ذلک فالزموا علیا فانہ الفاروق بین الحق والباطل۔ ابی لیلیٰ سے روایت ہے۔ کہ فرمایا جناب رسولخدا صلعم نے کہ عنقریب میرے بعد میری اُمت میں فتنہ برپا ہوگا۔ جب ایسا ہو۔ تو تم علیؑ کی ملازمت اختیار کرو بتحقیق کہ وہ حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔

۵۳ ابن ہشام نے حضرت علیؑ کا سن مبارک دس برس کا لکھا تھا۔ حالانکہ آپ کا سن پندرہ ۱۵ برس سے لیکر سولہ ۱۶ برس تک کا تبلایا گیا ہے۔ چنانچہ شرح زرقانی میں ہے۔ قال عبد الرزاق عن معمر فی جامعہ عن قتادۃ عن الحسن وغیرہ قالوا اول من اسلم بعد خدیجۃ علی وهو ابن خمس عشر سنۃ او ست عشر سنۃ ۔ استیعاب جلد دوم ص ۴۷۱

عبد الرزاق معمر سے اپنے جامع میں۔ اور وہ قتادہ سے قتادہ حسن بصری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت خدیجہؑ کے بعد۔ جناب علیؑ مرتضیٰ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اُسوقت آپ کا سن پندرہ برس کا تھا۔ یا سولہ برس کا۔

ابن ہشام نے انہیں محدثین کی روایتوں پر اعتبار کیا۔ جو حضرت علیؑ کی سبقت فی الاسلام کے مسئلہ کو جب کسی طرح روپوش نہ کرسکے۔ تو آپکے شرف سبقت کو کم وقعت کرنے کی غرض سے صغر سنی کے عالم میں تبلانا کرنا قابل اعتبار قیاس کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے۔ کہ ماں کی گود اور گہواروں کے اندر والے

شبلی صاحب خود رقم طراز ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت علیؑ ہیں جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے (تربیت پانے کا شرف اوپر بیان ہو چکا ہے) شبلی صاحب نے چونکہ اپنی مندرجہ بالا عبارت میں حضرت علیؑ کی سبقت فی الاسلام کو تسلیم کر لیا ہے۔ اسلئے مجھکو اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل و تشریح کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ کی سیرۃ النبیؐ میرے پیش نظر ہے۔ ہمارا موضوع تالیف زیادہ تر آپ کی کے اختلاف۔ استخفاف اور دیگر معائب و مناقص کے انکشافات و اصلاحات تک منحصر ہے۔ سبقت اسلام کے مسئلہ کو محدثین متاخرین نے جیسی جیسی قیاسی رنگ آمیزیوں سے چمکایا ہے۔ وہ ہر شخص جانتا ہے لیکن شبلی صاحب نے خیریت سے اس کی حقیقت اور واقفیت کو مانکر میرے لیے اسکی زائد تفصیل و تشریح کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی۔

حضرت زید کا اسلام۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں حضرت علیؑ کے بعد زید تھے۔ جو آپ کے آزاد کردہ غلام و بندۂ خاص تھے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

قال ابن اسحاق ثم اسلم زید بن حارثۃ بن شرحبیل بن کعب بن عبد العزی بن امرء القیس الکلبی مولی رسول اللہ صلعم وکان اول ذکر اسلم و صلی بعد علی ابن ابیطالب علیہ السلام ص ۵۰ مصر

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ کہ زید بن حارثہ شرحبیل بن کعب بن عبد العزی بن امرء القیس کلبی۔ غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بعد اسلام لائے۔ اور نماز پڑھی۔

ابن ہشام کے اسی قول کو طبری نے بھی اپنی تاریخ میں بلفظہ نقل کر دیا ہے۔ ص ۱۱۶۸۔

حضرت ابو بکر کا اسلام۔ طبری میں لکھا ہے۔

ثم اسلم ابو بکر بن ابو قحافۃ الصدیق۔

پھر حضرت ابو بکر بن ابو قحافہ الصدیق اسلام لائے۔ ابن ہشام ص ۷۶ میں بھی عبارت درج ہے۔ اور شبلی صاحب نے بھی یہی ترتیب نقل کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں (زید کے بعد) حضرت ابو بکر تھے۔ جو برسوں سے فیضیاب خدمت تھے۔

لیکن طبری نے آپکے اسلام لانے کے متعلق تمام روایتوں کو لکھکر آخر میں یہ روایت لکھدی ہے۔

عن محمد بن سعید قال قلت لابی اکان ابو بکر رض اولکم اسلاما فقال لا و لقد اسلم قبلہ اکثر من

محمد ابن سعید ناقل ہیں۔ کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں میں حضرت ابو بکر سب سے پہلے اسلام لائے۔ انہوں نے کہا نہیں ان

حاشیہ صفحہ گذشتہ: بچوں تک کی کامل الایمانی قرآن میں موجود ہے۔ ومن سعد سعد فی بطن امہ۔ سعید ماں کے پیٹ سے سعید ہوتا ہے اور بزرگی بعقلست نہ بسال کا مسئلہ اس پر مستزاد ہے۔ اس کے علاوہ پندرہ (۱۵) برس اور سولہ (۱۶) برس کے نوجوان کو بچہ کہنا انھیں ہیر نابالغان کا کام ہوگا جو ایسی صریح غلطیوں کے بعد بھی اپنے آپ کو دنیا سے علامہ کہلانا چاہتے ہیں۔ المولف عفی عنہ۔

خمسين ولكن كان افضلنا اسلاماً۔ | سے قبل پچاس آدمیوں سے زیادہ اسلام لاچکے تھے لیکن اُن کا اسلام ہم لوگوں کے اسلام سے افضل تھا۔

یہاں تک تو شبلی صاحب نے سابقین اسلام کی ترتیب سلسلہ وار قایم کی ہے اس کے بعد سلسلہ بیان کو پریشان کر دیا ہے حالانکہ تاریخ وحدیث کی کتابیں ابھی صحابہ اوّلین کی قبولیت اسلام اور مشرف بایمان ہونے کے متعلق ترتیب وار سلسلہ ثابت کر رہی ہیں۔

بہرحال۔ اگر حضرت ابوبکر کے پچاس آدمیوں کے بعد اسلام لانے والی روایت کو جسکو امام طبری نے اپنی مرویات کے اخیر میں لکھا ہے۔ قابل اعتبار نہ سمجھا جاوے۔ اور ترتیب مشہورہ کے مطابق آپکو چوتھے نمبر میں شمار کیا جاوے۔ تو پانچویں ابوذر چھٹے خالد ابن سعید ابن العاص۔ ساتویں عمر ابن عبسۃ السلمی[1] ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن تاریخ وحدیث کی کتابوں میں ان بزرگواروں کے باب میں اس قدر اختلاف کثیر ہے۔ کہ بالآخر کوئی صاحب اسکا تصفیہ نہ کرسکے۔ کہ آخر ان تینوں حضرات میں۔ کون بزرگ پہلے ایمان لائے۔ طبری میں مرقوم ہے۔

قال الواقدی اسلم معهم خالد بن سعيد بن العاص خامساً و اسلم ابو ذر قالوا الرابعه او خامسا واسلم عمر ابن عبسة السلمی فيقال ابعا او خامسا انما اختلف عندنا فی هؤلاء النفر ايهم اسلم ولذالك روايات كثيرة قال فيختلف فی الثلاثة المتقدمين وفى ذلك هؤلاء الذين كتبنا بعده۔ طبری

واقدی کا قول ہے کہ ان کے ساتھ خالد ابن سعید بن العاص اسلام لائے وہ شمار میں پانچویں مسلمان تھے۔ پھر ابوذرؓ اسلام لائے۔ وہ چوتھے تھے یا پانچویں۔ (آخر طبری گھبرا کر لکھتے ہیں) ہمارے نزدیک اس میں اختلاف کثیر ہے کہ ان تینوں بزرگواروں (خالد، ابوذر اور عمر ابن عبسہ) میں کون بزرگ پہلے اسلام لائے ان تینوں متقدمین اسلام اور انکے بعد کے ایمان لانیوالے مسلمانوں کے باب میں جنکا ہم نے ذکر کیا ہے بہت سی روایات مختلف ہیں

[1] عمر ابن عبسۃ السلمی۔ یہ ہے اسلامی حدیثوں کی شان۔ اور اسلامی تاریخوں کا بیان۔ کہ آجتک معلوم نہیں۔ کہ ان تینوں بزرگوں میں کون صاحب پہلے اسلام لائے۔ ایک حضرت ابوبکر کی سبقت فی الاسلام ثابت کرنیکی کوششوں نے خاصکر حدیثوں کے دفتر اور تاریخوں کے کارنامے سب مہمل اور معطل کردیئے کہ صاف صاف پتہ نہ لگے۔ حالانکہ عمر ابن عبسۃ السلمی کے بارے میں خود امام عبدالبر نے استیعاب جلد دوم ص ۴۹۴ میں لکھا ہے۔ کہ عمر ابن عبسۃ السلمی کو ایک شخص نے اہل کتاب میں سے بشارت دی تھی کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوگا کہ جو افضل ترین دین لائے گا۔ جب اسکی خبر سننا تو تم اسکی پیروی کرنا۔ یہ شخص مکہ کے قریب آیا کرتا تھا۔ اور آپ کے متعلق برابر لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا جب کچھ خبر نہیں معلوم ہوتی تھی تو واپس جایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک بار کچھ لوگوں سے ان کو معلوم ہوا کہ ایک شخص مکہ میں پیدا ہوا ہے۔ جس نے دین آبائی کو بالکل ترک کردیا ہے۔ یہ سنکر عمر ابن عبسۃ السلمی مکہ میں آئے۔ فسئلته عنه فوجدته مستخفياً ووجدت قريشا اليا عليه لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت صلعم مخفی ہیں۔ اور تمام قریش نے آپکی مخالفت کی ہے۔ یہ واقعہ صاف صاف بتلا رہا ہے۔ کہ بہت پیچھے کا ہے۔ پھر سابقیت کا دعوے کیسا؟ اس سنجتام اور طبری کے رابعاً اور خامساً کی حقیقت پر پانی پھیر دیا۔ المولف اولاد حیدر عفی عنہ۔

اس میں کلام نہیں۔ کہ واقدی ہوں یا طبری۔ ایسے مقام میں مورخ اور محقق کی مجبوری ظاہر ہے۔ لیکن اس مسئلہ کے حل کی صرف یہی صورت باقی ہے۔ کہ ان تینوں حضرات کا اسلام بانذک تفاوت ایک ہی روز میں تسلیم کیا جاوے۔

اس بحث قدیم میں طبری۔ ابن ہشام اور دیگر کتب احادیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کچھ اور حضرات نے حضرت ابوبکر کے اسلام لانیکے بعد انہیں کی تحریک و ترغیب سے اسلام کو قبول کیا تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ طلحہؓ۔ اور زبیر وغیرہم آٹھ حضرات تھے۔ ان حضرات کو بھی متقدمین میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن تعجب ہے۔ کہ اُن کو شمار تو کر لیا ہے۔ لیکن نمبر شمار نہیں تبلایا ہے لطف تو یہ بالاتر ہے۔ کہ ان لوگوں کے بعد جو حضرات شرف باسلام ہوئے۔ خالد بن سعیدؓ ابو ذرؓ اور عمرو ابن عبسہ۔ اُنکو شمار بھی کیا ہے اور اُنکا نمبر شمار بھی تبلایا ہے۔ چنانچہ ابن ہشام اور طبری سے ترجمہ۔ اور خلاصہ کر کے شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر۔ دولتمند، ماہر نصاب۔ اصحاب الرائے اور فیاض تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے۔ کہ جب وہ ایمان لائے۔ تو اُنکے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ غرض کہ ان اوصاف کیوجہ سے مکہ میں اُنکا عام اثر تھا۔ اور معزز بن شہر انسے ہر باب میں مشورہ لیتے تھے ارباب روایت کا بیان ہے۔ کہ صحابہ کبار میں سے حضرت عثمانؓ۔ حضرت زبیرؓ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف۔ حضرت سعد بن ابی وقاص۔ حضرت طلحہ۔ سب اُنھیں کی ترتیب و ہدایت سے اسلام لائے۔ بحوالہ اصابہ فی احوال الصحابہ

اس تفصیل و بیان سے ان حضرات کی حقیقت قبول اسلام تو ضرور معلوم ہوئی۔ لیکن نہ اُنکے قبول اسلام کا وقت و زمانہ معلوم ہوا اور نہ نمبر شمار و تعداد۔ بخلاف انکے۔ حضرت ابو ذرؓ۔ خالد بن سعید وغیرہ کے شرف باسلام ہونے کی کیفیت اگرچہ ان لوگوں کے بعد لکھی گئی ہے۔ لیکن صاف صاف لکھکر تبلا دیا گیا ہے۔ کہ یہ حضرات چوتھے یا پانچویں نمبر کے بزرگوار تھے۔ اس لیئے مورخین و محدثین کا ان حضرات کیلئے شمار اور عدد خاص قایم کرنا تبلا رہا ہے۔ کہ یہ حضرات اُن لوگوں کے اسلام لانے سے ضرور پہلے اسلام لا چکے تھے۔ اس بنا پر ابو ذرؓ خالد بن سعید وغیرہ حضرت عثمان۔ طلحہ۔ اور زبیر وغیرہم سے سبقت اسلام میں مقدم تھے۔

ہم ان سعادتمندان ازلی میں سے چند بزرگواروں کے تفصیلی حالات ذیل میں قلم بند کرتے ہیں۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ کا اسلام لانا۔ امام عبد البر استیعاب جلد اوّل میں لکھتے ہیں۔

عن ابی حمزة عن ابن عباس لما بلغ اباذر مبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمکة قال لاخیه انیس ارکب الی هذا الوادی واعلم لی هذا الرجل الذی یزعم انه یاتیه الخبر من السماء واسمع قوله ثم ائتنی وانطلق الاخ حتی قدم مکة وسمع من قوله ثم رجع الی ابوذر فقال رأیته یامر بمکارم الاخلاق وسمعت منه کلاما ما هو بالشعر فقال ما شفیتنی فیما اردت فتزود وحمل شنة له فیها

ابی حمزہ ابن عباس کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ میں مبعوث ہونیکی خبر ابو ذر غفاری کو معلوم ہوئی۔ تو ابو ذر نے اپنے بھائی انیس سے کہا کہ اُس وادی میں جا کر اُس آدمی کی خبر لاؤ جسکو یہ زعم ہے کہ آسمان سے اُس کے پاس خبر آتی ہے تم اُسکے قول کو سُن آؤ۔ اور واپس آکر مجھ سے بیان کرو۔ اُنکے بھائی انیس وہاں سے چلے۔ مکہ میں آئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو سُنا اور حضرت ابو ذر کے پاس واپس آکر کہنے لگے کہ میں نے اُس بزرگ کے اقوال و ارشاد کو بالکل مکارم اخلاق کے اصول پر مبنی پایا اور اُنکے

ماءً حتى قدم مكة فاتى المسجد فالتمس النبي صلعم
فلم يعرفه وكره ان يسأل عنه حتى ادركه الليل فاضطجع
فرآه علي بن ابي طالب فقال كان الرجل غريب قال نعم
قال انطلق الى المنزل فانطلقت معه لا يسألني عن
شئ ولا اسأله قال فلما اصبحت من الغد رجعت الى
المسجد فبقيت يومي حتى امسيت وسرت الى مضجعي
فمر بي علي فقال ان للرجل ان يعرف منزله فاقامه وذهب به
وما يسأل واحد منهما صاحبه عن شئ حتى اذا كان يوم
الثالث فعل مثل ذلك فاقامه علي معه ثم قال له الا
تحدثني ما الذي اقدمك هذا البلد قال ان اعطيتني
عهدا وميثاقا لترشدني فعلت ففعل فاخبره علي رضي الله
عنه انه نبي وان ما جاء به حق وانه رسول الله صلى الله
عليه وسلم فاذا اصبحت فاتبعني فاني رايت شيئا اخاف
عليك قمت كاني اريق الماء فان مضيت فاتبعني حتى
يدخل معي مدخل قال فانطلقت اقفوه حتى دخل على
رسول الله صلعم ودخلت معه وحييت رسول الله صلعم
بتحية الاسلام فقلت السلام عليك يا رسول الله فكنت
اول من حياه بتحية الاسلام فقال عليك السلام من انت
قلت رجل من بني غفار فعرض علي الاسلام فاسلمت وشهدت
ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله فقال رسول الله صلعم
ارجع الى قومك فاخبرهم واكتم امرك من اهل مكة فاني اخشاهم
عليك فقلت والذي نفسي بيده لاصوتن بها بين ظهرانيهم
فخرج حتى اتى المسجد فنادى باعلى صوته اشهد ان لا اله الا الله
واشهد ان محمدا رسول الله فثار القوم عليه فضربوه حتى
اضجعوه واتى العباس فاكب عليه قال ويلكم الستم

کلام میں ایسی شیرینی پائی۔ جو اشعار عرب میں نہیں پائی جاتی۔ یہ سنکر حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ تاوقتیکہ میں خود وہاں نہ جاؤں۔ میری خاطر خواہ تسکین و تشفی نہیں ہوتی۔ پس اسی وقت وہ روانہ ہوئے۔ اور صرف ایک چھوٹی سی بوسیدہ مشک اپنے ساتھ لی۔ جسمیں پانی بھر لیا۔ اور مکہ کے مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ آنحضرت صلعم کی زیارت سے مشرف تو ہوئے۔ مگر آپ کو پہچان نہ سکے اور نہ کسی سے پوچھنے کی جرات ہوئی۔ یہانتک کہ رات ہو گئی۔ یہ وہیں لیٹ رہے انکو اسحالت میں دیکھکر حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے پاس آکر دریافت کیا کہ تم کوئی مرد مسافر ہو۔ بولے ہاں۔ علیؓ نے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ ابوذر کا بیان ہے کہ میں وہاں سے اٹھکر آپکے مکان پر آیا۔ مگر میں نے نہ آپ سے پوچھا۔ اور نہ آپنے مجھ سے کچھ استفسار فرمایا۔ یہانتک کہ صبح ہو گئی۔ اور پھر میں صبح سے مسجد میں آکر تمام دن بیٹھا رہا۔ یہانتک کہ شام ہو گئی۔ تو پھر میں اپنی فرودگاہ کی طرف واپس آیا۔ اور پھر حضرت علیؓ میرے پاس آئے۔ اور کہا کہ اس شخص کی حالت پر تعجب ہے کہ یہ میرے ساتھ تو مقیم ہے۔ اور میرے ہی ساتھ آجاتا ہے لیکن باایں ہمہ آج تک مجھ سے کسی امر کے متعلق نہیں پوچھا۔ خیر تیسرا دن ہوا۔ اور اس دن بھی اور دنوں کے ایسا ہی ہوا۔ تو پھر حضرت علی بن ابی طالبؓ میرے پاس آئے۔ اور مجھ سے پوچھنے لگے۔ آیا تم مجھ سے اس شہر میں اپنے آنیکا کچھ سبب کہہ سکتے ہو۔ ابوذرؓ نے کہا ہاں۔ البتہ۔ مگر آپ مجھ سے یہ عہد و پیمان کر لیجئے۔ کہ آپ مجھے ہدایت پانے کے طریقے بتلا دیجئے۔ کہ میں اُسکے مطابق تعمیل کروں۔ پس حضرت علیؓ نے مجھے بتلایا کہ وہ بزرگ نبی اللہ ہیں اور جو کچھ انپر خدا نے نازل فرمایا ہے سب صحیح و برحق ہے۔ وہ جناب احدیت کی طرف سے عہدۂ رسالت پر مامور فرمائے گئے ہیں۔ جب صبح ہو تو تم ہمارے ساتھ چلنا۔ اگر میں تمہارے لیے کسی شے کا خوف دیکھونگا۔ تو آب افتادہ کی طرح ٹہرا ہونگا۔ اسکے بعد تم میرے ساتھ ساتھ آنا۔ اور جہاں میں جاؤں۔ وہاں جانا۔ ابوذرؓ کہتے ہیں پھر آپ چلے۔ تو میں آپکے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہانتک کہ آپ جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں آئے۔ اور میں بھی آپ کے ہمراہ حاضر خدمت

تعلمون انہ من غفار وان فی طریق تجارتکم الی الشام وانقذہ منھم ثم عاد من الغد مثلھا وثاروا الیہ فضربوہ فاکب علیہ العباس فانقذہ ثم لحق لقومہ فکان ھذا اول اسلام ابوذر الغفاری[۱]۔
استعیاب جلد اول۔

ہوا۔ میں نے بطریقہ اسلام آنحضرت صلعم کو سلام کیا۔ اور کہا السلام علیک یارسولؐ اللہ۔ اور میں پہلا شخص ہوں جسنے طریقہ و آداب اسلام کے مطابق آنحضرت صلعم کو سلام کیا۔ میرے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا تم کون ہو۔ میں نے عرض کی۔ کہ میں قبیلہ غفار کا ایک آدمی ہوں۔ اسکے بعد آپ نے حقیقت اسلام مجھ پر ظاہر کی اور میں اسلام سے مشرف ہوا کلمۂ شہادت پڑھا۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد انّ محمدا الرسول اللہؐ پھر اس کے بعد آنحضرت صلعم نے مجھے فرمایا کہ اب تم اپنے قبیلہ کی طرف واپس جاؤ۔ اور اپنے اسلام لانیکے معاملہ کو اہل مکہ سے پوشیدہ رکھو۔ کیونکہ یہ لوگ سُن لینگے۔ تو تم پر ظلم وستم کریں گے۔ ابوذرؓ نے عرض کی قسم اُسکی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ میں تو سب کے سامنے جاکر اس امر کا باوازِ بلند اعلان کرونگا۔ یہ کہکر وہ آپ کی خدمت سے اُٹھے مسجد میں آئے۔ اور باوازِ بلند فرمانے لگے۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد انّ محمدا الرسول اللہؐ یہ سنتے ہی تمام قریش اِن پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے۔ یہاں تک کہ یہ زخمی ہوگئے۔ اس اثناء میں حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ آگئے۔ اور اُنکے بچالینے کی غرض سے اُن پر گر پڑے۔ اور مشرکین سے کہنے لگے۔ افسوس ہے تم پر۔ کیا تم نہیں جانتے ہو۔ کہ قبیلہ بنی غفار سے ہیں۔ جو قبیلہ تمہارے قافلہ تجارت کی راہ شام پر واقع ہے۔ پھر ان کو اُن لوگوں کے پنجے سے چھڑا دیا۔ پھر دوسرے دن صبح کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ پھر مشرکین قریش ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور اُن کو مارنے لگے۔ حضرت عباسؓ پھر ان پر گر پڑے۔ اور اس ترکیب سے ان کو بچالیا۔ اس کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ اپنے قبیلہ کی طرف چلے گئے۔ یہ حضرت کے اوائل اسلام کے حالات تھے

امام عبدالبر لکھتے ہیں۔

وکان من کبار الصحابۃ قدیم الاسلام یقال اسلم بعد اربعۃ فکان خامسا۔ استعیاب جلد دوم ص ۶۶۴

ابوذرؓ سبقت اسلام کے اعتبار سے اکابرین صحابہ سے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ چار آدمیوں (حضرت خدیجہؓ۔ علیؓ۔ زیدؓ۔ اور ابوبکرؓ) کے بعد اسلام لائے۔ اور پانچویں مسلمان تھے

لیکن شبلی صاحب ہیں۔ کہ خواہ مخواہ ان کو چھٹے ساتویں نمبر میں شمار کرتے ہیں۔

استعیاب کی تفصیلی عبارت سے جو اوپر لکھی گئی ہے۔ ثابت ہوگیا کہ اسلام کی معرفت اور بانئے اسلامؐ کی تصدیق حضرت ابوذرؓ نے اپنی غایت تحقیق سے حاصل کی تھی۔ جو اُنکے کمال فہم اور حسنِ عقل و شعور کا کافی ثبوت ہے۔ مکہ معظمہ میں داخل ہونے پر بھی حقیقت اسلام کے متعلق نہایت احتیاط سے کامل تین دن تک غور فرماتے رہنا۔ اور دربار رسالتمآب تک باریابی کیلئے ایک

[۱] شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبیؐ ص ۵۲ میں انکا ذکر کیا ہے۔ مگر اپنی خاص ترکیب اختصار سے کہ حضرت علیؓ کی اُنکی قبولیت اسلام میں راہنمائی نہ ثابت ہوسکیں۔ شبلی صاحب سے زیادہ مفصل تو صاحب رحمۃ العالمین نے اُنکے واقعہ کو لکھا ہے۔ جس سے ان کے قبول اسلام میں حضرت علیؑ کی راہنمائی پورے طور سے ثابت ہے۔ ہم جانتے ہیں شبلی صاحب کی کوتہ قلمی کے یہ خاص مقامات ہیں۔ لیکن ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ امر مؤرخانہ تدین کے بالکل خلاف ہے آپنے اُن لوگوں کے حال پر جو حضرت ابوبکر کی تحریک و ترغیب سے مسلمان ہوئے تھے۔ کس تفصیل سے لکھے۔ لیکن یہ بزرگ چونکہ حضرت علیؑ کی وساطت سے ایمان لائے تھے۔ اس لیئے اُنکی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ کہ اس ذکر کے ساتھ علیؑ کا بھی ضرور ذکر آجائے گا۔ فافہم فتدبر۔ المولف عفی عنہٗ۔

ایسے بزرگ معتبر کو اپنا راہنما بنانا جو مدینہ رسول کا باب العلم مشہور ہے۔ یہ تمام امور انکی خوش وقتی۔ خوش قسمتی اور خوش نجابی کی دلیل واضح تھے۔ حقیقتاً یہ اسلام کی حقانیت اور روحانیت کے اصلی ثبوت ہیں۔ کہ محض ابتدا ہی سے اس کی عظمت و شہرت اس سرعت و عجلت کے ساتھ دور دور پھیل گئی۔ کہ طالبان ہدایت اور حاجت مندان حقیقت بڑی بڑی مسافتیں طے کرکے آتے تھے۔ اور اسلام سے فیضیاب ہوتے تھے۔

حضرت عمار ابن یاسرؓ اور انکے قبیلہ کا اسلام لانا حضرت عمار یاسر اور انکے قبیلہ کے مشرف باسلام ہونے کے متعلق تحریر ہے۔

وجاء اللہ بالاسلام واسلم یاسر وابنہ عمار وامہ سمیۃ وعبد اللہ اخو عمار بن یاسر وکان اسلامھم قدیم بمانی اول الاسلام وکان رضی اللہ عنھم ممن یعذب فی اللہ وکان رسول اللہ صلعم یمر بھم وھم یعذبون فیقولون صبرا یا آل یاسر قد فعلت ومن حدیث ابن شھاب عن اسمعیل بن عبد اللہ بن جعفر عن ابیہ قال مر رسول اللہ صلعم بیاسر وعمار وام عمار وھم یوذون فی اللہ فقال لھم صبرا یا آل یاسر انی موعدکم الجنۃ۔ استیعاب جلد دوم ص ۶۳۶

جب اسلام کو خدا نے ظاہر فرمایا تو یاسرؓ انکے صاحبزادے۔ عمار۔ عمار کی ماں سمیہ۔ عمار کے بھائی عبد اللہ بن یاسر اسلام لائے۔ ان حضرات کا اسلام ابتدائے اسلام ہی سے قدیم تھا۔ اور یہ وہ بزرگوار تھے جن پر خدا کی راہ میں ظالموں کی طرف سے ظلم و عذاب بے حساب کیا گیا تھا۔ جب ان لوگوں پر ظلم کیا جاتا تھا۔ تو اتفاق سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ادھر سے گذرے۔ ان حضرات کو اس عالم میں دیکھکر ارشاد فرمایا۔ کہ اے آل یاسر صبر کرو۔ اے پروردگار تو آل یاسرؓ کو انکے اعمال کے بدلے میں بخشدے اور ابن شہاب کی روایت کے مطابق اسماعیل ابن عبد اللہ ابن جعفر اپنے باپ کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ کہ جناب رسول خدا صلعم کا گذر آل یاسرؓ عمارؓ ابن عمار وغیرہم پر ایسے وقت میں ہوا۔ کہ ان لوگوں پر ظلم و ستم کیا جارہا تھا۔ یہ دیکھکر آپ نے فرمایا۔ اے آل یاسر صبر کرو۔ تحقیقکہ تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔

طفیل ابن عمر دوسی کا اسلام لانا۔ مولوی محمد سلیمان صاحب۔ سلمان منصور پوری زاد المعاد ابن القیم کے حوالہ سے اپنی کتاب رحمۃ العالمین جلد اول میں طفیل ابن عمر دوسی کے متعلق لکھتے ہیں

انھیں دنوں طفیل ابن عمر دوسی مکہ میں آیا۔ یہ قبیلہ دوس کا سردار تھا۔ اور نواحی یمن میں انکے خاندان کی رئیسانہ حکومت تھی طفیل بذات خود شاعر اور دولت مند شخص تھا۔ اہل مکہ نے آبادی سے باہر جاکر اسکا استقبال کیا اور اعلےٰ پیمانہ پر اسکی خدمت اور تواضع کی۔ طفیل کا اپنا بیان ہے۔ کہ مجھے اہل مکہ نے یہ بھی تبلادیا تھا۔ کہ جو شخص ہم میں سے نکلا ہے۔ ذرا اس سے بچے رہنا۔ اسکو جادو آتا ہے۔ جادو سے باپ بیٹے۔ شوہر و زن اور بھائی بہن میں جدائی ڈالدیتا ہے۔ ہماری جمعیت کو پریشان اور ہمارے کام کو ابتر کر رکھا ہے۔ ہم نہیں چاہتے۔ کہ تمہاری قوم پر بھی کوئی ایسی مصیبت پڑے۔ اس لیئے ہماری زور سے یہ نصیحت ہے۔ کہ تم نہ انکے پاس جانا۔ نہ اسکی بات سننا۔ اور نہ خود بات چیت کرنا۔ یہ باتیں انہوں نے ایسی عمدگی سے میرے ذہن نشین کردیں کہ جب میں کعبہ میں جانا چاہتا تھا۔ تو کانوں کو روئی سے بند کرلیتا تھا۔ تاکہ محمدؐ کی آواز کی بھنک بھی میرے

کان میں نہ پڑے۔ ایک روز میں صبح ہی خانۂ کعبہ میں گیا۔ نبی صلعم نماز پڑھ رہے تھے۔ چونکہ خدا کی مشیت ایسی ہی تھی۔ کہ ان کی آواز میری سماعت تک ضرور پہونچے۔ اسلئے میں نے سُنا کہ وہ ایک نہایت عجیب کلام پڑھ رہے ہیں۔ اُسی وقت میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا۔ کہ میں خود شاعر ہوں۔ باعلم ہوں۔ اچھے بُرے کی تمیز رکھتا ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے اور کونسی روک ہے۔ کہ میں اُنکی بات نہ سنوں۔ اچھی بات ہوگی تو مانوں گا۔ ورنہ نہیں مانوں گا۔ میں یہ ارادہ کرکے ٹھہر گیا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس گھر کو چلے۔ تو میں بھی پیچھے پیچھے ہو گیا۔ اور جب حاضر ہوا۔ تو نبی صلعم کو اپنا واقعہ مکہ میں آنے کا۔ لوگوں کے بہکانے۔ پنبہ در گوش رہنے۔ اور آج حضور کی زبان سے کچھ سُن پانے کا کہہ سُنایا۔ اور عرض کیا کہ مجھے اپنی بات سُنایئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پڑھا۔ بخدا۔ میں نے ایسا پاکیزہ کلام کبھی سنا ہی نہ تھا۔ جو اس قدر نیکی اور انصاف کی ہدایت کرتا ہو۔

الغرض طفیل اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ جیسے قریش بات بات میں مطاع و مخدوم کہتے تھے۔ وہ بات کی بات میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل وجان سے خادم اور مطیع بن گیا۔ قریش کو ایسے شخص کا مسلمان ہونا نہایت شاق اور ناگوار گذرا۔ بحوالہ زاد المعاد جلد اول صفحہ ۹۳ و ۹۴۔

ضماد بن ثعلبہ ازدی کا اسلام لانا۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبیؐ جلد اول میں بذیل تذکرہ ضماد بن ثعلبہ ازدیؓ تحریر فرماتے ہیں۔

ضمادؓ بن ثعلبہ جو ازد کے قبیلہ سے تھے۔ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں تھے نبوت کے زمانہ میں یہ مکہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا۔ کہ راستے میں جا رہے ہیں اور پیچھے لونڈوں کا غول ہے۔ مکہ کے کفار آنحضرت صلعم کو مجنوں کہتے تھے۔ لونڈوں کا غول دیکھکر ضماد نے بھی یہی قیاس کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ اور کہا کہ محمد صلعم میں جنوں کا علاج کرسکتا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے حمد وثنا کے چند موثر جملے ادا کئے۔ ضماد مسلمان ہوگئے۔

اس واقعہ کا مختصراً ذکر امام نسائی اور مسلم نے بھی لکھا ہے۔ لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۰۲ میں مرقوم ہے۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۴۴ بحوالہ اصابہ استعیاب امام عبد البر کی جلد دوم مطبوعہ حیدرآباد۔

خالد بن سعید بن العاص کا اسلام لانا۔ امام عبد البر استعیاب میں بذیل تذکرہ خالد ابن سعید بن العاص لکھتے ہیں

خالد ابن سعید بن العاص یکنی ابا سعید اسلم قدیماً یقال انہ اسلم بعد ابو بکر الصدیق فکان ثالثاً او رابعاً وقیل کان خامساً وقال ضمرۃ ابن ربیعۃ کان اسلم خالد مع ابو بکر الصدیق رضہ۔

خالد ابن سعید بن العاص جنکی کنیت ابا سعید ہے۔ قدیم الاسلام میں کہا گیا ہے۔ کہ وہ ابو بکر الصدیق کے بعد ایمان لائے۔ اسلئے وہ تیسرے مسلمان ہیں۔ یا چوتھے اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ وہ پانچویں مسلمان ہیں ضمرہ ابن ربیعہ کا بیان ہے۔ کہ خالد ابو بکر صدیق کے ہمراہ ایمان لائے

انھیں سابقین اسلام میں۔ مقداد ابن جندب۔ خباب ابن الارث۔ سعید ابن زید ابن ورقہ ابن نوفل۔ عبداللہ ابن مسعود عثمان ابن مظعون۔ عبیدہ۔ بلال۔ ابو فکیہہ اور صہیب رومی بھی داخل ہیں۔

مقداد ابن جندب کا اسلام۔ شبلی صاحب کی کوتہ قلمی بڑی سوء تعجب شناس ہے۔ سابقین اسلام میں آپ فرداً فرداً تمام حضرات کا نام لکھکر بتلا گئے۔ لیکن حضرت مقداد ابن جندب کا بھولے سے بھی کہیں نام نہیں لیا گیا۔ حالانکہ استعیاب میں ابن عبدالبر میں، جو وقت تالیف آپ کے ہمیشہ پیش نظر تھی۔ یہ عبارت صاف صاف لکھی ہوئی ہے۔

اوّل من اظهر الاسلام سبعة رسول الله صلے الله عليه وآله وسلم وابوبكر وعمار وامه سمية وصهيب وبلال والمقداد جلد اول صـ ۵۸ ـ	پہلے سات آدمیوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ابوبکر۔ عمار۔ اور اُن کی ماں سمیہ۔ صہیب۔ بلال اور مقداد

تین برس تک تبلیغ رسالت کے مخفی انتظام۔ پہلے ہم لکھ چکے ہیں۔ کہ اسلام کی تبلیغ نے جس تیزی سے کامیابی حاصل کی۔ اور اُسکی تعلیم نے جیسی جلد جلد ترقی پائی۔ ویسی کسی دوسرے مذہب نے نہیں۔ بعثت سے چند دنوں میں اِن سعادتمندوں نے جنکے نام اوپر لکھکر بتلا دیئے گئے ہیں۔ اسلام کی دولت اور ایمان کی نعمت سے سرفرازی اور بہرہ اندوزی حاصل کی۔ واقعات بتلا رہے ہیں۔ کہ ان میں زیادہ تر وہی حضرات ہیں جنکو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی خاص تعلق اور واسطہ بھی نہیں تھا۔ یہ صرف اسلام کی حقانیت تھی۔ اور جناب سید الانام علیہ السلام کی تعلیم پاک و روحانیت جنہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے روحانی فیوض کا اسقدر اثر پہونچایا۔ کہ تمام بیگانے عقیدت اور محبت میں اپنے اور یگانے نظر آنیلگے اسلام کی یہ کامیابی کچھ اپنے ہی وطن اور اہل وطن تک محدود نہیں رہی بلکہ اُسیوقت سے دور دراز مقامات میں آپکی مقدس تبلیغ اور پاک تعلیم کی شہرت پہنچی وہ لوگ جو عرصہ سے انوار حق کے متلاشی تھے۔ حاضر ہو ہو کر شرفیاب اسلام ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری طفیل ابن عمرو دوسی۔ ضماد ابن ثعلبہ ازدی۔ عمرو ابن عبسۃ السلمی وغیرہم انھیں سعادتمندان ازلی میں سے تھے۔

لیکن بقول شبلی صاحب کے یہ جو کچھ ہوا۔ پوشیدہ طور پر ہوا۔ نہایت احتیاط کی جاتی تھی۔ کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو بھی خبر نہ ہونے پائے۔ تاریخ طبری میں ہے۔

فى السنين الثلث من مبعثه الى ان امر باظهار الدعاء الى الله مستترا مخفيا امره وانزل عليه وانذر عشيرتك الاقربين ـ	بعثت سے تین برس بعد تک حضرت کو حکم تھا کہ اپنے امر کو بطور راز مخفی رکھیں اور پھر اسکے بعد تین برس گذر جانے پر آیہ قرآنی ہدایہ وانذر عشیرتک الاقربین اپنے قریبی رشتہ مندوں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ کے مطابق۔ اظہار امر کا حکم نازل ہوا

حدیث و تاریخ کی متفق مرویات سے ثابت ہے۔ کہ ابتدائے اسلام میں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین الٰہی کی تعلیم و تعمیل کی دونوں صورتوں کو نہایت حزم و احتیاط سے مخفی رکھا کرتے تھے۔ منشائے قدرت بھی یہی تھا۔ اور مقتضائے مصلحت بھی یہی۔ دین الٰہی کی تعلیم و تلقین تو خلوت کی صحبتوں میں ہوتی تھی۔ جن میں وقتاً فوقتاً لوگ حاضر ہو کر شرف باسلام ہوا کرتے تھے

یہ حاضری بھی بڑی حفظ و احتیاط کے ساتھ ہوتی تھی۔ عمر ابن عبسۃ السلمی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو صرف امور تبلیغ ہی کے مخفی رکھے جانے کا حکم نہیں تھا۔ بلکہ ذات مقدس کو نظر عام محفوظ رکھنے کا بھی خاص طور پر فرمان تھا۔ اس لیئے کہ تعلیم ایمان کے تحفظ جان مقدم تھا۔

خلوت کی یہ مخفی تعلیم بعد بعثت۔ وقت نزول آیہ فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین (اپنی رسالت کے امور منصبی کو ظاہر کرو اور مشرکین سے علیحدہ رہو) سے شروع ہوئی اور آیہ وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب سے ڈراؤ) کے وقت نزول تک قایم رہی۔ اس زمانہ میں آنحضرت صلعم ہی کے حزم و احتیاط اور صبر و ثبات کا یہ حوصلہ تھا۔ اور آپ ہی کے عزم و استقلال کی یہ ہمت کہ کفار و مشرکین کے درمیان بتیس دانتوں میں ایک زبان بنکر اپنی ذمہ داری کو ایسی راز داری اور خبرداری کے ساتھ من احسن الوجوہ انجام دیئے گئے۔ اور انھیں مخفیانہ طریقہ اور راز دارانہ ذریعہ سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے سلسلہ کو برابر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ تین برس میں مسلمانوں کی معتدبہ جماعت تیار ہو گئی۔

حدیث و تاریخ کے مشاہدات سے ثابت ہے۔ کہ فرائض اسلام میں پہلے دو رکعت نماز کی تعلیم فرشتہ غیب سے آنحضرت صلعم کو پہونچائی گئی۔ چنانچہ طبری لکھتے ہیں۔

وجوب نماز ان الصلوٰۃ حین افترضت علی رسول اللہ صلعم اتاہ جبریل وھو باعلی مکۃ فھمز لہ بعقبۃ فی ناحیۃ الوادی فانفجرت منہ عین فتوضأ جبرئیل علیہ السلام ورسول اللہ صم ینظر الیہ لیریہ کیف الطھور للصلوٰۃ ثم توضأ رسول اللہ صلعم کما رای جبریلؑ توضأ ثم قام جبریلؑ فصلے بہ وصلے النبی صلعم بصلاتہ ثم انصرف جبریلؑ فجاء رسول اللہ صم خدیجۃ فتوضأ لھا یریھا کیف الطھور للصلوٰۃ اراہ جبریلؑ فتوضأت کما توضأ رسول اللہ ثم صلی بھا رسول اللہ صلعم کما صلی بہ جبرئیلؑ فصلت بصلاتہ ص ۱۱۵۷

جب فریضہ نماز کے وجوب کا حکم ہوا۔ تو حضرت جبرئیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آئے آپ اسوقت مکے کے بالائی حصہ میں تھے حضرت جبرئیلؑ آپ کو اس وادی کے ایک طرف گھاٹی میں لیگئے۔ اور وہاں ایک چشمہ جاری کر کے پہلے جبرئیلؑ نے وضو کیا۔ اور آنحضرت صلعم انکے وضو کے طریقہ و عمل کو دیکھتے رہے۔ کہ وہ نماز کے لیئے طہارت کا کیسے سامان کرتے ہیں۔ پھر انکے بعد آپنے اسی طرح وضو کیا۔ جیسا جبرئیلؑ کو دیکھا تھا پھر جبرئیلؑ نے نماز پڑھی۔ اور آنحضرت صلعم نے بھی ویسی ہی پڑھی۔ پھر وہاں سے آپ واپس ہو کر گھر میں تشریف لائے۔ اور حضرت خدیجہؓ کو ساتھ اسی طریقے سے وضو کیا۔ جس طرح جبرئیلؑ کو وضو کرتے دیکھا تھا۔ پھر حضرت خدیجہؓ نے بھی اسی ترکیب و عمل سے وضو کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اسی طرح نماز پڑھی جس طرح حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ پڑھی گئی تھی۔

یہانتک تو ہمنے مخفی ذریعہ سے دین الٰہی کی تعلیم و تبلیغ کے حالات لکھدیئے۔ اب ہم اس کے فرائض و واجبات کے

حالات لکھتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب رقم طراز ہیں۔

ان ایام (اخفا) میں جب نماز کا وقت آتا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے۔ اور وہاں اپنی نماز ادا کرتے۔ ابن اثیر کا بیان ہے۔ کہ چاشت کی نماز آپ حرم ہی میں ادا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جاری تھی۔ ایک دفعہ آپ حضرت علیؑ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھتے تھے۔ اتفاق سے آپکے چچا ابوطالبؑ آنکلے۔ انکو اس جدید طریقہ عبادت پر تعجب ہوا۔ کھڑے ہو گئے۔ اور بغور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا۔ یہ کون دین ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہمارے دادا حضرت ابراہیمؑ کا یہی دین تھا۔ ابوطالبؑ نے کہا۔ میں اسکو اختیار تو نہیں کرسکتا۔ لیکن تمکو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہوسکیگا۔

پہلے غربائے اُمّت نے دعوت اسلام قبول کی۔ شبلی صاحب اِس مقام پر سابقین اسلام کی غربت و افلاس میں شرف باسلام ہونے کو اسلام کی حقانیت کا کوئی ثبوت ٹھیرایا ہے۔ اور اس سرعت اور عجلت کے ساتھ اس مقدار رو حیثیت کے لوگوں میں تبلیغ اسلام کے ترقی کرنے سے مخالفین اسلام کے اس معویانہ تعریض کا جواب تردیدی نکالا ہے جو عالمگیری کی غرض خاص خاص سے دُنیا کو یہ بتلاتے ہیں۔ کہ معمورۂ عالم میں۔ مذہب اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ ہم اُن کی تحریر کو قابل نقل سمجھ کر ملخصاً ذیل میں قلم بند کرتے ہیں۔

یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے۔ کہ اسلام کیونکر پھیلا؟ مخالفین نے اسکا ذریعہ تلوار بتایا ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی۔ لیکن ایک خاص پہلو پر یہیں نگاہ ڈال لینی چاہیے۔ یعنی یہ کہ اوائل اسلام میں جبکہ اسلام لانا جان ومال سے ہاتھ دھونا تھا۔ کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے۔ یہ امر سب میں مشترک تھا۔ کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اکثر ایسے تھے۔ مثلاً عمار۔ خباب۔ ابوفکیہہ۔ صہیب وغیرہ جنکو دولت وجاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں ملسکتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن لوگوں کو لیکر حرم میں جاتے تو رؤسائے قریش ہنسکر کہتے تھے اھٰؤلاء من اللہ علیھم من بیننا یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑکر احسان کیا ہے۔ کفّار کے نزدیک انکا افلاس انکے تحقر کا باعث تھا۔ لیکن یہی چیز تھی جنکی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے انھیں کے ہاتھ آسکتی تھی۔ دولت ومال اُن کے قلب کو سیاہ نہیں کرچکا تھا۔ فخر وغرور اُن کو انقیاد حق سے روک نہیں سکتا تھا۔ اُنکو یہ ڈر نہ تھا۔ کہ اگر بت پرستی چھوڑدیں گے۔ تو کعبہ کا کوئی منصب عظیم ہاتھ سے جاتا رہےگا۔ غرض کہ اُنکے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے۔ اور حق کی شعاعیں اُن پر دفعتًا پرتو فگن ہوسکتی تھیں۔ یہی سبب ہے۔ کہ انبیا کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوا کرتے تھے۔ عیسائیت کے ارکان اولین ماہی گیر تھے۔ حضرت نوحؑ کے مقربین خاص کی نسبت کفّار کو علانیہ کہنا پڑا۔

ﻠﮧ یہ فقرہ عالم موضوعیت کی خاص ایجاد ہے۔ مؤلف۔

ما نریٰک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای وما نریٰ لکم علینا من فضل بل نظنکم کٰذبین	ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہیں کہ تیری پیروی انہیں لوگوں نے کی جو رذیل ہیں اور ہم تو تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہمارا تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو

اِن نادار ان قوم کی سبقت فی الاسلام کے اسباب وعلل میں جیسا کہ شبلی صاحب کا مختار ہے۔ سوائے انکے خلوص ومحبت کے اور کونسا باعث تبلایا جاسکتا ہے۔ اس بنا پر مخالفین کا یہ سخویانہ خیال کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ کس قدر لغو اور مہمل ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ابھی تو اسلام کی تبلیغ کے لیے ظاہری اعلان کا حکم بھی نہیں ہے۔ بانیٔ اسلام علیہ السلام تعلیم ایمان سے پہلے اپنی حفاظت جان قایم رکھنے کی بنا پر محض خلوت اور مخفی مقامات میں دین الٰہی کی تعلیم اور واجبات مذہبی کی تعلیم کیلئے بڑی تاکیدوں کیساتھ مامور فرمائے گئے ہیں۔ ابھی تو نہ اسلام کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ نہ اُسکی کوئی فوج ہے اور نہ کوئی رسالہ تیار صرف اُسکی اعجاز بیانی اور صدق زُبانی اور محاسن اخلاق کی یہ تاثیر ہے۔ کہ جو سُنتا ہے۔ وہ اُسکا مطیع ومنقاد ہوجاتا ہے۔ ایسی حالت میں معترضین اُن لوگوں کی قبول اسلام کا ذریعہ تلوار کی دھار کو کیسے تبلا سکتے ہیں۔ جو کُل تین برس کے اندر سیکڑوں کے تعداد میں۔ مکہ معظمہ اور اُسکے گرد ونواح سے آآکر شرف باسلام ہوچکے تھے مخالفین اسلام اگر تھوڑی دیر کیلئے تعصب کا حجاب اپنی آنکھوں کے سامنے سے اُٹھادیں۔ تو حقیقت حال کا بنہایت آسانی سے مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ اسلام نہ کوئی نئی شریعت لایا ہے۔ اور نہ اُسنے اپنے نصاب وحکم شرعیہ کی نسبت کسی نوعیت کا دعوےٰ کیا ہے۔ بلکہ وہ تمام انبیا اور مرسلین گذشتہ کی بشارتیں اور شریعتیں ثابت اور کامل کردینے کیلئے نازل کیا گیا ہے۔ اسلیئے ضرور ہے۔ کہ اسکے تمام تعلقات ابتدا سے لیکر انتہا تک قریب قریب تمام شریعتہائے سابقہ سے مطابق ہوں۔ اُمم سابقہ کی گذشتہ مثالوں سے کماحقہٗ ثابت کردیا گیا ہے۔ کہ جس طرح انبیائے سابقین پر پہلے ایمان لانے والے زیادہ تر نادار اور صعلوک الحال افراد ملک وقوم ثابت ہوئے ہیں۔ اُسی طرح اسلام کی ابتدائے تبلیغ وتعلیم کے ایام میں بھی علی الاکثر یہی حضرات دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ہم اس سے زیادہ اس بحث کو اس مقام پر طول دینا قبل از وقت سمجھتے ہیں۔ انشاء اللہ اسکی تفصیل بحث اپنے مقام مناسب پر قلم بند کی جائے گی۔

ابتدا میں اظہار اسلام کی حضرت شبلی صاحب ابن اثیر کے اسناد سے اُوپر لکھ چُکے ہیں۔ کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز چاشت حرم محترم میں جاکر پڑھا کرتے تھے۔ اسلیئے کہ یہ نماز مذہب قریش میں بھی جاری تھی۔ اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ مشرکین قریش کو آنحضرت صلعم کے اُمور سے انکار تو ضرور تھا۔ لیکن یہ اکراہ وانکار مخالفت اور مخاصمت کی سبب صورتوں میں ابھی تک تبدیل نہیں ہوا تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ اپنی جہالت وضلالت کے تقاضہ سے طعن وتشنیع اور تعریض کے کلمات بکتے۔ اور اسلام پر آوازہ کستے رہتے تھے۔ جیسا کہ اھٰؤلاءِ منّ اللہ علیھم بیننا کے الفاظ تعریضی سے صاف ظاہر ہے۔ لیکن وہ خطا پوش وعطا پاش عالم رحمۃ اللعالمین مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہ الاکرام فشور الٰہی واعرض عن المشرکین کے مطابق۔ اُنکی اِن جاہلانہ حرکات پر کوئی توجہ اور اعتنا نہ فرماتا تھا۔ اور بنہایت صبر وسکوت

اور ثبات و استقلال سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اُسکے خاموشانہ انداز و طریق تبلیغ نے آہستہ آہستہ تھوڑے دنوں کے اندر معتقدین کی معتدبہ جماعت قایم کر لی۔ لیکن اتنی زود کامیابی پر بھی اُسکے خموش استقلال نے اپنی طرف سے پُرجوشی کے کسی اظہار کو نہ مصلحت وقت سمجھا۔ اور نہ مناسب مقام اُس کا عزم بالجزم اُسی استقلال و پاداری سے کام کرتا گیا۔ اور اپنی ترقی اور توسیع تبلیغ کا قدم آگے بڑھاتا گیا۔

لیکن پرجوش معتقدین سے اپنی زود کامیابی کے جذبات نہ رُک سکے۔ اور وہ اسلام کے اُمور کو زیادہ مخفی رکھا جانا فطرت عامہ کے اُصول معمول کے مطابق اپنی کمزوری۔ اپنا ضعف اور کسر شان سمجھنے لگے۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تبلیغ اسلام کے اعلان پر اصرار کرنے لگے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ خُدا کی مصلحت کو خدا جانتا ہے۔ یا اُسکا رسولؐ معمولی طبیعتیں رازداں قدرت نہیں ہو سکتیں اسلیئے وہ قدرت کی مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ اُنکے اصرار پر قدرت کا رازدار منصب رسالت کا ذمہ دار برابر انکار فرماتا گیا۔ وہ اُنکے اصرار اور اپنے انکار کی حقیقت و مصلحت کو پورے طور سے جانتا تھا۔ اور اُس پر عمل پیرا ہوتا تھا۔ لیکن عقیدت مندوں کی معمولی طبیعتوں میں حقیقت شناسی کے اتنے جوہر کہاں تھے۔ جو اُسکے منافع اور ضرر کو بخوبی سمجھ سکتے۔ اِسکی مثال حضرت ابوبکر کے مصائب کا مفصلہ ذیل قصہ ہے۔ جو حضرت حمزہؓ کے عین اسلام لانے والے دن واقع ہوا جس کو ہم تاریخ الخمیس کی عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

وفی المنتقی وکان حمزۃ بن عبد المطلب سلم یوم ضرب ابوبکر وذلک ان اصحٰب رسول اللّٰہ صلعم رضی اللّٰہ عنہم لما اجتمعوا وکانو تسعۃ وثلثین رجلاً الحّ ابوبکر علی رسول اللّٰہ صلعم فی الظہور فقال یا ابابکر انا قلیل فلم یزل یلح علیہ حتی ظہر رسول اللّٰہ فی نواحی المسجد قام ابوبکر فی الناس خطیبا ورسول اللّٰہ صلعم جالس کان اول خطیب دعا الی اللّٰہ عزوجل والی رسولہ ثار المشرکون علی ابوبکر وعلی المسلمین یضربوہم فی نواحی المسجد ضربا شدیدا ووطئوا ابوبکر وضرب ضربا شدیدا ودنا منہ الفاسق عتبۃ بن ربیعۃ فجعل یضربوہ بنعلین مخصوفتین ویحرفہما بوجہہ واثر علی وجہہ ابی بکر حتی لا یعرف انفہ من وجہہ وجاءت بنو تیم فاجلوا المشرکین

کتاب منتقی میں مرقوم ہے۔ کہ اسلام حمزہؓ ابن عبد المطلب اُس روز واقع ہوا جسدن حضرت ابوبکر نے مار کھائی۔ وجہ یہ ہوئی کہ جب اصحاب رسولؐ کی تعداد اُنتالیس ہوئی۔ تو حضرت ابوبکر نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اصرار کرنا شروع کیا کہ اب آپ ظہور فرمائیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر ابھی ہم قلیل التعداد ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر نہیں مانے۔ اور اپنا اصرار بڑھاتے رہے یہانتک اُنکا اصرار بڑھا۔ کہ بالآخر حضرتؐ نے نواحی مسجد میں ظہور فرمایا اور حضرت ابوبکر نے خطبہ پڑھنا شروع کیا اور یہ پہلا خطبہ تھا۔ جو خدا و رسولؐ کی دعوت کے متعلق پڑھا گیا۔ جناب رسولخدا خموش بیٹھے ہوئے تھے۔ اسپر گروہ مشرکین میں جو لوگ موقع پر موجود تھے۔ اسقدر ہیجان ہوا کہ وہ بیکے سب حضرت ابوبکر اور دیگر مسلمانوں پر جو موجود تھے ایکبار ٹوٹ پڑے عتبہ بن ربیعہ فاسق نے حضرت ابوبکر کے قریب آکر پاؤں سے جوتے نکالے جو پیوند دار تھے اور اس ترکیب سے مارنا شروع کیا کہ جدھر پیوند ہوتا تھا اُسی کو چہرے کی طرف گھماد یتا تھا جس سے حضرت ابوبکر کا چہرہ ایسا سوج گیا تھا کہ چہرے

عن ابی بکر وحملوا ابا بکر فی ثوب حتے ادخلوہ بیتہ جلد اول ص ۳۳۲ مطبوعہ مصر۔

پر ناک نہیں معلوم ہوتی تھی اس اثنا میں بنو تیم انکے قبیلہ والے آ گئے اور مشرکین سے چھڑا کے ایک چادر میں اٹھا کر ان کو گھر لے گئے۔

حضرت ابوبکر کتمان ایمان کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیئے انہوں نے اس کے اظہار پر اصرار فرمایا۔ حالانکہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخفاء کتمان کی مصلحتوں کو سمجھکر انکو انکے غلط اصرار سے برابر سمجھاتے رہے۔ لیکن چونکہ یہ راز دار قدرت اور واقف کار حقیقت نہیں تھے۔ اسلیئے نہ مانے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ خود بھی مصیبت میں پڑے۔ اور دیگر مسلمانوں کے لیئے مصائب و شدائد کا فتح الباب کر گئے۔

یہ تو تبلیغ اسلام کے جذبات میں معتقدین کی بیجا سیادت قریش کی اشتعال طبعی خصومت اور اذیت اہل اسلام و بانیٔ اسلامؐ کا باعث ثابت ہوئی۔ اسی کے ایسا ایک دوسرا امر نا عاقبت اندیشانہ طریقے سے سعد ابن ابی وقاص کے ہاتھوں اسلام کی تعمیل واجبات کے متعلق سرزد ہوا۔ جو اسی تاریخ کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

وکان اصحاب رسول اللہ صلعم اذا صلوا ذھبوا الی الشعاب فاستخفوا من قومھم فبینما سعد بن ابی وقاص فی نفر من اصحاب النبی صلعم فی شعب من شعاب مکۃ اذا ظھر علیھم نفر من المشرکین وھم یصلون فناکراھم وعابوا علیھم ما یصنعون حتے قاتلوھم فاقتتلوھم فضرب سعد بن ابی وقاص رجلا من المشرکین بلحی من جملھا فشجہ فکان اول دم اھریق فی الاسلام۔

اصحاب رسول خدا صلعم اس زمانہ میں جب نماز پڑھتے تو پہاڑ کے دروں میں جا کر اپنی قوم سے چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سعد بن ابی وقاص صحابہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ ادھر سے کفار قریش کا گذر ہوا۔ ان لوگوں نے ان کی نماز پر استہزا و تمسخر کیا یہاں تک کہ جانبین سے لڑائی کی نوبت پہونچ گئی۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر ایک کافر کو مارا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ یہ پہلا خون ہے جو اسلام میں بہایا گیا۔ جلد دوم ص ۲۱۶۔

عبد اللہ ابن مسعود صحابی نے بھی اوائل اسلام میں ایسے ہی جرأت بیجا کی تھی۔ جس کی مفصل کیفیت ہم تاریخ طبری کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

اجتمع یوما اصحاب رسول اللہ صلعم فقالوا واللہ ما سمعت قریش بھذا القرآن یجھر لھا بہ قط فمن رجل یسمعھموہ فقال عبد اللہ بن مسعود انا قالوا اننا نخشاھم علیک انما نرید رجلا لہ عشیرۃ یمنعونہ من القوم ان ارادوہ فقال دعونی فان اللہ سیمنعنی قال فغدا ابن مسعود حتے

ایکبار اصحاب جناب رسولخدا صلعم جمع ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ابھی تک قریش نے بلند اور واضح آواز سے قرآن نہیں سنا ہے ہم میں کون ایسا شخص ہے جو انکو قرآن بلند آواز سے جا کر سنا دے عبد اللہ ابن مسعود بولے وہ میں ہوں۔ اصحاب نے کہا۔ تمہاری طرف سے ہم کو خوف ہے اسلیئے کہ قریش میں سے کوئی صاحب قبیلہ شخص تمہارے ارادہ میں تمہارا ساتھ مزاحمت کرے اور انکو باز رکھے۔ عبد اللہ بولے۔ آپ حضرات مجھے چھوڑ دیں

آتی المقام فی الضحیٰ وقریش فی انديتها حتے قام عند المقام ثم قال بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رافعاً بها صوته الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان ثم استقبلها يقرأ فيها قالوا تاملوا وجعلوا يقولون مايقول ابن ام عبد ثم قالوا انه ليتلوا بعض ماجاء به محمد فقاموا اليه فجعلوا يضربون فی وجهه وجعل يقرء حتے بلغ منها ماشاء اللہ ان يبلغ ثم انصرف الی اصحابه وقد اثروا بوجهه فقالوا هذا الذی خشينا عليك قال ماكان اعداء اللہ اهون علی منهم الان لئن شئتم لاغاديتهم غداً بمثلها قالوا حسبك فقد اسمعتهم مايكرهون۔ تاریخ طبری مطبوعہ برلن صفحہ ۱۱۸۸

خدا میری اعانت کریگا۔ صبح ہوئی تو حرم محترم میں گئے۔ اور مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے بسم اللہ کہی۔ اور سورۃ رحمان کی تلاوت شروع کی قریش نے سنا تو کہنے لگے۔ کہ ابن ام عبد (عبداللہ ابن مسعود کا لقب ہے) کیا کہتا ہے۔ سنو تو! لوگوں نے کہا یہ تو وہی چیز ہے۔ جو محمد صلعم پر ان لوگوں کے زعم کے مطابق نازل ہوئی ہے۔ یہ سنتے ہی تمام قریش اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عبداللہ ابن مسعود کے منہ پر سب طمانچے مارنے لگے۔ لیکن جہاں تک خدا کو ان سے تلاوت قرآن کرانی منظور تھی۔ یہ تلاوت کر چکے جب تلاوت کر چکے۔ تو اصحاب رسول صلعم کے پاس واپس آئے۔ چہرہ پر مار کا نشان بالکل نمایاں تھا۔ اصحاب اس حالت سے اُنہیں دیکھکر کہنے لگے کہ ہمکو تمہاری نسبت اسی بات کا اندیشہ تھا عبداللہ نے کہا کہ دشمنان خدا کی طرف سے یہ امر مجھے بالکل آسان معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ لوگ چاہیں۔ تو پھر کل میں اسی طرح کر دکھلاؤں۔ اصحاب نے کہا نہیں یہی کافی ہے جس چیز سے وہ کراہیت کرتے تھے۔ وہ تم نے اُنکو سنادی۔

شبلی صاحب نے بھی اس واقعہ کو اسی حوالے سے لکھا ہے۔ لیکن اپنے اختصار کے قدیم پیرایہ میں طبری کا حوالہ بھی غلط دیا ہے صفحہ ۱۱۱۸ کی جگہ ۱۱۸۸ ہونا چاہیئے۔ سیرۃ النبیؐ جلد ا ص ۱۷۱۔

یہ واقعات تبلا رہے ہیں۔ کہ اسلام کے ابتدائی عقیدتمندوں اور معمول پسندوں نے راز دار رسالت کے مصالح وقتی کی قدر و عظمت نہیں کی۔ اسلیئے کہ وہ اسکے حقیقت شناس نہیں تھے۔ اسلامی محدثین و مورخین کے خلوص عقیدت اسوقت ان حضرات کے اِن طرز عمل کو جیسا کچھ مستحسن نہ تبلائیں۔ اور اُن میں سے ایک کو اسلام کا خطبۂ اوّل اور دوسرے کو حملۂ اوّل نہ ظاہر فرمائیں۔ وہ اُنکے حسن عقائد سے متعلق ہے۔ لیکن بخلاف انکے جب ایک عاقبت بیں اور مآل اندیش محقق اِن واقعات پر نگاہِ غور ڈالے گا۔ تو اُسکو صاف طور سے معلوم ہوجائے گا۔ کہ اُن کے یہ محاسن عقائد باعث مفاسد تھے۔ اُنکی یہ مبادرت محض بیجا۔ بیوقت اور بالکل نازیبا تھی۔ یہ ہمت و حوصلہ صریح اشتعال انگیزی تھی۔ اور فتنہ خیزی۔ رسول بار بار ان پرجوشیوں کے اظہار سے منع فرماتا تھا۔ خدا وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ کہکر معاملات کفار سے کنارہ کشی کی تاکید کر رہا تھا۔ لیکن یہ پرجوش عقیدتمند کسی کی بھی نہیں سنتے۔ جلتی آگ کے شعلوں کو اپنے ہاتھوں سے بھڑکاتے ہیں۔ اور اُس میں آپ ہی آپ گرے جاتے ہیں۔ اِن بیجا جراتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ تمام قریش کے غیظ و غضب میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اسلام و بانیٔ اسلام علیہ السلام کی طرف سے جو وہ ابتک خموشانہ اور غیر سروکارانہ روش اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور اُسوقت تک اپنے انکار و اکراہ کو صرف جاہلانہ طعن و تشنیع اور وحشیانہ استہزا و تمسخر تک محدود کئے

تھے۔ان واقعات سے اتنا متاثر ہوئے۔کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی کھُلی کھُلی عداوت اور مخاصمت پر بڑی ستعدی سے آمادہ ہوگئے۔اور گویا اسی وقت سے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام سلمانوں پر بلاؤ مصیبت کے فتح الباب ہوگئے۔

شبلی صاحب نے اِن واقعات کو سرے سے مرفوع القلم فرمادیا ہے۔گویا تاریخی واقعات کی حیثیت ہی نہیں رکھتے حالانکہ اِن حالات کو تاریخوں سے زیادہ حدیثوں نے بیان فرمایا ہے۔چنانچہ صاحب تاریخ الخمیس نے ان کو حدیث کی مشہور و معروف کتاب المنتقی سے نقل کیا ہے۔جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخفا و انزوا کی سہ سالہ مدت جس حزم و احتیاط۔ہوشیاری اور بیداری سے کاٹی۔وہ آپ کے استقلال اور ہمت کے کافی ثبوت ہیں۔ فی الحقیقت یہ رسالت ہی کی ذمہ داری اور نبوت ہی کی قوت و پائداری تھی۔اپنی جان کی حفاظت سلمانوں کے جان و مال کی نگرانی کفار قریش کی مجنونانہ تعریض اور مغرورانہ طعن و تشنیع پر سکوت و خاموشی۔مزید برآں۔پرجوش عقیدتمندوں کی بیجا سیادرت اور نازیبا جراٰت و ہمت کا ضبط و بطانی اہم ضروریات اور مشکلات کو جناب رسول خدا صلعم بالنفس النفیس تنہا رہ کر بن احسن الوجوہ طے فرماتے رہے۔چنانچہ شبلی صاحب بھی اتنا ضرور اعترافاً لکھتے ہیں۔

تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا۔ص ۱۵۳۔

نبوّت کا چوتھا سال دعوت قریش

سہ سالہ رسالت اخفا کے انقضا کے بعد۔مُدبّر قدرت نے وقتی تناسب اور مصالح پر نظر کرکے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اَنذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریب کے رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈرو) کا حکم محکم نازل فرمایا۔جو لوگ تحقیق پسند ہیں اور حقیقت شناس۔وہ قدرت کے اِن نظام بالتدریج کی مصلحت و خوبی کو کافی طور سے سمجھتے ہیں۔حقیقت یہ ہے۔کہ ایسے نازک وقت میں تبلیغ مذہب کی ادا کاری بالکل رازداری تھی۔ہر خاص و عام سے اظہار و اعلان قیام اسلام کیلئے باعث نقصان تھا۔اور بانئے اسلام کے لئے خطرہ جان اس بنا پر ابتدا ہی سے اسکے اظہار تبلیغ اور اقرار و تصدیق کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں اُن ذوات مقدسہ سے آغاز کیا گیا۔جو آپ سے اقرب ترین تھے اور جن کے خلوص ایمان اور وثوق عہد و پیمان پر خدا اور رسول کو یقین تھا۔وہ بزرگوار حضرت خدیجہؓ آپکی بی بی تھیں۔آپ کے برابر کے بھائی حضرت علی مرتضیٰ تھے گھر کے پروردہ خاص زید ابن حارثہ تھے۔انھیں حضرات سے باتفاق جمہور تبلیغ اسلام کی ابتدا فرمائی گئی۔اِن بزرگواروں نے فوراً تصدیق رسول کرلی۔اور سب لوگوں سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔

مشیت خداوندی نے وہی نظام مصلحت جو ابتدائے تبلیغ میں جاری فرمائے تھے۔اُسوقت بھی نافذ فرمائے۔اگرچہ اظہار تبلیغ اور اعلان دعوت اسلام کا (انذر عشیرتک الاقربین) حکم صادر ہوچکا تھا۔لیکن تاہم اسکے نفاذ کا آغاز بھی اپنے

خاص اعزّہ واقارب سے کئے جانے کا خاص طور پر فرمان دیا اس لیئے کہ یگانوں پر بیگانوں سے زیادہ اعتماد ہوتا ہے۔
جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس حکم خداوندی کی جس مستعدی اور سرگرمی سے تعمیل فرمائی اُسکو ضرور تاہم پہلے شبلی صاحب کی عبارت میں حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔ اور پھر اُس کے بعد منقدانہ طریقے سے اصل واقعہ کا انکشاف حقیقت کرتے ہیں۔ صحیح بخاری ص ۷۰۰ کے حوالہ سے لکھا ہے۔
آنحضرت صلعم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش لوگ جمع ہوئے۔ تو آپنے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی جانب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا ہاں کیونکہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔ یہ سُن کر سب لوگ جن میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا۔ سخت برہم ہو کر چلے گئے۔
چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ درحقیقت اسلام کی تبلیغ کا پہلا موقع تھا۔ تمام خاندان عبدالمطلبؑ مدعو کیا گیا حمزہؑ۔ ابوطالبؑ اور عباسؑ سب شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا۔ کہ میں وہ چیز لیکر آیا ہوں جو تمہارے دین و دُنیا دونوں کو کفیل ہے۔ اس بار گراں کے اُٹھانے میں کون میرا ساتھ دیگا۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعتاً حضرت علی علیہ السلام نے اُٹھ کر کہا گو مجھکو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں۔ اور گو میں سب سے نوعمر ہوں۔ تاہم میں آپکا ساتھ دونگا۔ قریش کیلئے ایک حیرت انگیز منظر تھا۔ کہ دو شخص جن میں ایک سیزدہ سالہ جوان ہے۔ دُنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بیساختہ ہنسی آگئی۔ لیکن آگے چلکر زمانہ نے بتلادیا۔ کہ یہ سراپا سچ تھا۔ جلد ۱ ص ۱۴۵۔

ا۔ چونکہ صحت بخاری کا طلسم شبلی صاحب نے دیباچہ کتاب ہی سے اس غرض وغایت سے باندھا تھا۔ کہ ان عظیم الشان واقعات فضائل ومناقب حضرت علی مرتضیٰؑ اور جناب رسولِ خدا کے ساتھ آپکی افضل ترین قربت۔ رفاقت اور نصرت وحمایت اور نیز اسلام کے ساتھ آپکی مربیانہ اور محسنانہ شفقت اور خدمت پر پورے طور سے نقاب افگنی کیجائے۔ جس سے دُنیائے صحابیت میں مساوات اور تعمیم کے غلط اُصول قایم و ثابت ہوں۔ اس بنا پر اس واقعہ کو اور اُسکے ایسے تمام واقعات اسلامی کو انواع واقسام کی صنعت وحرفت اور مختلف وضع وقماش کی قلمکاری سے حتی الامکان مٹایا ہے۔ گھٹایا ہے اور چھپایا ہے جیسا کہ اس واقعہ اور آئندہ تمام واقعات کے متعلق ہماری تنقیدی عبارت زیر حاشیہ سے پورے طور پر ظاہر ہوگا۔ ہم نے بخاری کے استخفاف اور اختصار واقعہ کے خلاف جن علمائے کبار کی تصنیفات سے اسکے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ اگرچہ ان حضرات کی شہرت اور اعلمیت کسی توثیق کی محتاج نہیں ہے۔ لیکن تاہم اُصول کلام اور مزید اطمینان کی غرض سے ہم اُن کی توثیق مفصلۂ ذیل عبارت حاشیہ میں قلمبند کرتے ہیں۔ ہم نے امام نسائی کے خصائص کی عبارت سب سے پہلے لکھی ہے۔ اس بنا پر پہلے اُن کی توثیق ملاحظہ ہو۔
توثیق امام نسائی۔ امام سبکی طبقات الشافعیہ میں لکھتے ہیں۔ قال ابن الطاہر المقدسی سألت سعد بن علی الزنجانی عن رجل فوثقہ فقلت ضعفہ النسائی فقال یا بنی ان لابی عبدالرحمٰن شرطا فی الرجال اشد من شرط البخاری ابن طاہر مقدسی نے سعد بن علی بن زنجانی سے ایک راوی حدیث کا حال پوچھا۔ اُنہوں نے اُسکی توثیق کی میں نے کہا۔ نسائی نے تو اُسکو ضعیف کہا ہے۔ تو سعد نے کہا اے میرے بیٹے عبدالرحمٰن نسائی کے شرائط رجال بخاری سے زیادہ سخت ہیں اسی طرح طبقات الحفاظ امام سیوطی میں ہے قال الذہبی ھو احفظ من مسلم ابن حجاج

ظاہر ہے کہ شبلی صاحب نے اس واقعہ کو صرف صحیح بخاری سے نقل کیا ہے۔ اور کسی تفسیر، حدیث اور تاریخ کی کتاب سے نہیں۔ اس لیے کہ آپ کے اصول موضوعہ کے مطابق جسکا عنوان حفظ ماتقدم کے لحاظ سے آپنے دیباچہ ہی سے اُٹھایا ہے۔ بخاری سے بڑھکر کوئی دوسری کتاب معتبر نہیں تھی۔ اسکے مقابلہ میں سیرت و تاریخ تو سرے سے فروتر ہیں۔ تو اُنکا ذکر ہی بیکار ہے ایسے ہی تفسیر، حدیث یہانتک کہ بقیہ خمسہ صحاح بھی اُنکے مقابل نہیں ہیں۔ گو آپ کے اس طلسم بخاری کی حقیقت ہم آپ کے دیباچہ کے تبصرہ میں پُورے طور سے دکھلا چکے ہیں۔ لیکن خاص اس روایت بخاری کی حقیقت حاشیہ زیرین صفحہ کی عبارت میں پوری تفصیل سے لکھتے ہیں۔

شبلی صاحب اور اُنکے اسلاف۔ بخاری وغیرہم کی اصلی غرض و مُدعا۔ ان ترکیبوں سے کیا تھی؟ وہی حضرت علیؑ کے فضائل ومناقب کا استخفاف۔ اگرچہ سواد اعظم میں یہ سواد عالمگیر ہے۔ لیکن امام بخاری صاحب اس مرض میں آغاز ہی سے مبتلا ہیں اور اسکے ساتھ آپ کو شغف خاص ہے۔ ہم دعوت قریش کے واقعہ کو۔ صحاح۔ مسند۔ سنن۔ تفسیر اور تاریخ کی اصلی عبارتوں کے ساتھ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو جاوے گا۔ کہ واقعہ کیا ہے۔ اور بخاری صاحب لکھتے ہیں کیا سب سے پہلے ہم امام نسائی کے خصائص سے جو اُن کی صحیح میں داخل ہے۔ اسکی حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔

عن ربیعة بن ناجیة ان رجلا قال لعلیّ ابن ابی طالب یا امیرالمؤمنین لم ورثت ابن عمك دون عمك قال جمع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و اٰله وسلم بنی عبدالمطلب فصنع لهم مُدّا من الطعام قال فاکلوا حتی شبعوا فبقی الطعام کما هو کان لم یمس ثم دعا بغمر فشربوا حتی تروّوا وبقی الشراب کان لم یمس ولم یشرب فقال یا بنی عبدالمطلب انی بعثت الیکم خاصة والی الناس عامة وقد رأیتم ایکم بایعنی علی ان یکون اخی و صاحبی و وارثی فلم یقم الیه احد فقمت الیه وکنت اصغر القوم قال اجلس ثم قال ثلاث مرات کل ذلك اقوم فیقول اجلس حتی

ربیعہ بن ناجیہ سے مروی ہے کہ کسی نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ہی کیوں وارث رسولؐ ہوئے۔ اور آپکے چچا وارث رسول نہوئے تو آپنے جواباً ارشاد فرمایا کہ رسولؐ اللہ نے خاندان عبدالمطلبؑ کو بلاکر دعوت دی۔ ایک مُد طعام اور ایک پیالہ پانی سے سب کو سیر کر دیا۔ اور کھانا پانی اُسی طرح بچ رہا۔ پھر فرمایا اے بنی عبدالمطلبؑ ہم تمہاری طرف خاص طور پر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور لوگوں کیلئے عام طور سے۔ تو کون شخص تم میں سے ہماری بیعت کرتا ہے اس شرط پر کہ وہ ہمارا وارث ہوا۔ اور ہمارا صاحب ہو اور ہمارا بھائی ہو۔ ارشاد سُنکر کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا۔ ہم ہر بار کھڑے ہوئے حالانکہ ہم سب کے چھوٹے تھے حضرت نے تین بار اس کلام کا اعادہ کیا۔ لیکن کوئی شخص بجز میرے نہ کھڑا ہوا۔ ہم ہی ہر بار کھڑے ہوئے تو حضرت صلعم نے اپنا دست مبارک

باقی عبارت حاشیہ:۔ ذہبی کہتے ہیں کہ وہ نسائی (مسلم بن الحجاج صاحب صحیح مسلم) سے زیادہ حافظ حدیث تھے۔ علامہ عبدالباقی زرقانی اپنی شرح میں لکھتے ہیں النسائی ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب الخراسانی ثم المصری الحافظ احد ائمة المبرزین والعلماء الطوافین والحفاظ المتقنین حتی قال الذهبی هو احفظ من مسلم ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب خراسانی بعدہ مصری یکے از ائمہ معتبرین علمائے کرمین اور حفاظ متبحرین میں تھے۔ اور بقول ذہبی مسلم سے زیادہ حافظ حدیث ہیں۔ علامہ سیوطی تدریب الراوی میں جسکو اکثر حوالے شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبی میں دیئے ہیں۔ لکھتے ہیں

کان فی الثالثۃ ضرب بیدہ علی یدی ثم قال فینا اللہ ورثت ابن عمی دون عمی ۔ خصائص مطبوعہ مصر جلد صفحہ ۶

میرے ہاتھ پر مارا حضرت علیؑ بیان فرماتے ہیں کہ ہم اس وجہ سے اپنے ابن عم کے وارث ہوئے ۔ نہ ہمارے عم بزرگوار ۔ خصائص مطبوعہ مصر

صحیح بخاری کی عبارت مندرجہ بالا سے خصائص نسائی کی موجودہ عبارت کو ملایا جاوے تو معلوم ہو جائے گا کہ بخاری صاحب نے اپنی خود غرضی سے اس واقعہ کو کیسے مبہم اور مہمل طریقے سے بیان فرمایا ہے اور اصل واقعہ کو جس سے حضرت علیؑ کی رفاقت نبوی کے حقیقی قول و قرار اور جناب مخبر صادق کی زبانی انکے مراتب و مدارج کے اظہار ہوتے تھے ۔ بالکل مرتفع العلم کر دیا ۔ گویا اُن کا وقوع ہوا ہی نہیں تھا ۔

باقی عبارت حاشیہ قال ابن طاہر المقدسی شرط البخاری و مسلم ان یخرج الحدیث المجمع علی ثقۃ رجالہ الی الصحابی المشہور قال العراقی ولیس ما قالہ بجید لان النسائی ضعف جماعۃ اخرج لھم الشیخان او احدھما ص ۲۸ ۔ ابن طاہر کہتے ہیں کہ شرط بخاری و مسلم یہ ہے کہ وہ ایسی حدیثیں روایت کرتے جنکے رجال موثق ہوں یا صحابہ کا اجماع ہو عراقی کہتے ہیں یہ درست نہیں کیونکہ نسائی نے بہت سے ایسے راویوں کو ضعیف کر دیا ہے جن سے بخاری مسلم نے روایت کیا یا صرف بخاری نے یا صرف مسلم نے روایت کی ہے اب سوال یہ ہوتا ہے کہ ہم نے یہ روایت خصائص نسائی سے نقل کی ہے نہ صحیح نسائی سے اس بنا پر ہمارا فرض ہے کہ ہم ثابت کر دیں کہ خصائص بھی داخل صحیح ہے اور یہ کہ خصائص اُسی صحیح کا ایک جزو خاص ہے اور ایک ہی نسخہ ہے اسکے ثبوت میں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ابن حجر کی مفصلہ ذیل عبارت وکاد لم یقف علیھا واللہ الموفق (المزی) وافرد عمل یوم و لیلۃ للنسائی عن السنن وھو من جملۃ کتاب السنن فی روایۃ ابن الاحمر و ابن السیار وکذلک افرد خصائص علیؑ وھو من جملۃ المناقب فی روایۃ ابن السیار ولم یفرد التفسیر وھو فی روایۃ حمزۃ وحدہ ولا کتاب الملائکۃ والاستعاذۃ والطب وغیر ذلک وقد تفرد بذلک راو دون راو فما تبین لی وجہ افرادہ للخصائص وعمل یوم واللیلۃ مزی مصنف تہذیب نے نسائی کی کتاب عمل یوم و لیلہ کو علیحدہ کیا حالانکہ بروایت ابن احمر و ابن سیار وہ بھی کتاب السنن ہی کی ہے اسیطرح خصائص جناب علی مرتضیٰؑ کو بھی علیحدہ کیا حالانکہ وہ منجملہ جزو مناقب ہے ۔ اور نہ علیحدہ کیا تفسیر کو نہ کتاب الملائکہ کو ۔ نہ کتاب الاستعاذہ کو اور نہ کتاب الطب کو جس کے متعلق ایک ایک راوی منفرد ہوا ۔ نسائی سے تو ہم کو اسکی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوئی کہ کتاب الخصائص اور عمل یوم و اللیلہ کو کیوں اصل کتاب سے علیحدہ کیا گیا ۔ تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۶ ۔

اب اسکے بعد یہ بھی سن لیا جاوے کہ فضائل علیؑ کا اظہار ان کے وقت میں اتنا بڑا جرم عظیم تھا کہ سوائے قتل کے اس کی دوسری سزا ہی نہیں تھی چنانچہ نسائی غریب بھی اسی جمعیت میں آ گئے اور اسی خصائص کے لکھنے کی وجہ سے اُنکی جان گئی ۔ اسکا پورا قصہ ابن حجر کی زبانی ذیل میں ملاحظہ ہو

قال ابن عباس سمعت المنصور الفقیہ واحمد بن محمدؐ بن سلامۃ الطحاوی یقولان ابو عبد الرحمن امام من ائمۃ المسلمین قال محمد بن سعید البادردی ذکرت النسائی لقاسم المطرز فقال ھو امام او یستحق ان یکون اماما وقال ابو علی النیشاپوری سئلت النسائی الامام بلا مدافعۃ وقال فی موضع رات من ائمۃ الحدیث اربعۃ فی زمان واسفاری اثنان نیشاپوری محمد بن اسحٰق وابراھیم بن ابی طالب والنسائی بمصر و عبدان فی الاھواز وقال ابن من

اب مسند امام حنبل کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

حدثنا عبد اللہ ثنا ابی سود بن عامر ثنا شریک عن الاعمش عن المنہال عن عباد عن عبد اللہ الاسدی عن علیؑ قال لما انزلت ھذہ الاٰیۃ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ قال جمع النبیؐ من اھلبیتہ فاجتمع ثلثون فاکلوا واشربوا قال فقال لھم من یضمن عنی دینی و مواعیدی یکون معی فی الجنۃ ویکون خلیفتی فی اھلی فقال رجل لم یسمہ شریک یارسول اللہ صلعم ان کنت بحرا من یقوم بھذا ثم قال الاٰخر قال فعرض ذلک علی اھلبیتہ فقال علیؑ انا جاہ

عبد اللہ ابی اسود سے۔ ابی اسود عامر سے۔ عامر شریک سے۔ شریک اعمش سے۔ اعمش منہال سے منہال عباد سے۔ عباد عبد اللہ اسدی سے عبد اللہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا تو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر کے لوگوں کو جمع کیا وہ لوگ تیس آدمی تھے۔ ان لوگوں کی ضیافت کی گئی اور تمام لوگوں نے ملکر کھایا پیا۔ پھر آپ نے ان لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ تم میں سے کوئی شخص ضامن ہوتا ہے کہ میرے قرض کو ادا کرے۔ میرے وعدوں کو پورا کرے اور میرے ساتھ بہشت میں رہے۔ اور میرا خلیفہ ہو۔ حاضرین میں سے ایک شخص جس کا نام راوی نے نہیں لیا۔ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ کیا ضروری ہے کہ ایک ایسا شخص ضامن کھڑا کیا جائے آپنے فرمایا ہاں۔ پھر آپ نے اسی ارشاد کو اپنے گھر والوں پر پیش کیا۔ بالآخر حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا کہ وہ میں ہوں۔

اگرچہ اس حدیث میں بھی حقیقت واقعہ پوری تفصیل سے نہیں ہے۔ لیکن وہ الفاظ موجود ہیں جنکے پڑھنے لکھنے اور سننے سے امام بخاری اور اُن کے معتقدین کو وحشت ہوتی ہے۔ کیونکہ اُس میں خلافت علیؑ کا اظہار و اقرار ہے

بقیہ حاشیہ۔ المصری خرجنا الی طرطوس فاجتمع من الحفاظ عبد اللہ بن احمد و محمد بن ابراہیم و ابو الاذان وکلیجۃ وغیرہم فکتبوا کلھم انتخاب النسائی وقال ابو الحسین بن المظفر سمعت مشائخنا بمصر یعترفون لابی عبد الرحمٰن النسائی بالتقدم والامامۃ ویصفون من اجتہادہ فی العبادۃ باللیل والنہار ومواظبتہ علی الحج والجہاد واقامۃ السنن الماثورۃ و احترازہ عن مجالس السلطان وان ذلک لم یزل الی ان استشہد وقال الحاکم سمعت علی بن عمر الحافظ غیر مرۃ یقول النسائی افقہ مشائخ مصر فی عصرہ واعرفہم بالصحیح والسقیم واعلمہم بالرجال فلما بلغ ھذا المبلغ حسدوہ فخرج الی الرملۃ فسئل عن فضائل المعویۃ فامسک عنہ فضربوہ فی الجامع فقال اخرجونی الی مکۃ فاخرجوہ وھو علیل وتوفی مقتولا شہیدا فقال ابو بکرؓ المامونی سألت عن تصنیفہ کتاب الخصائص فقال دخلت دمشق والمنحرف بھا عن علی کثیر فصنف کتاب الخصائص رجاءان یھدیھم اللہ صنف بعد ذلک کتاب فضائل الصحابۃ وقرءھا علی الناس وقیل لہ وانا حاضر الا تخرج فضائل معویۃ فقال ای شیء اخرج اللھم لا تشبع بطنہ فسکت السائل قوتی

مقدمہ خلاصہ ترجمہ یہ کہ ابو علی نیشاپوری کہتے ہیں کہ نسائی آئمۃ المسلمین سے تھے۔ پھر کہتے ہیں کہ نسائی امام ہیں۔ بلا مدافعت دوسرے مقام پر کہا کہ ہمنے چار آدمیوں کو آئمہ حدیث سے دیکھا ہے محمد بن اسحاق۔ ابراہیم بن ابیطالب۔ نسائی مصر میں۔ عبدان اہواز میں۔ مامون مصری کہتے ہیں ہم حفاظ حدیث سے عبد اللہ ابن احمد۔ ابو الاذان۔ کلیجہ وغیرہ جمع ہوئے۔ سبھی کہا نسائی سے انتخاب لکھا کرو۔ ابو الحسین بن منظفر کہتے ہیں ہمارے

کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال جلد ۶ ص ۳۹۷ میں اسکی صورت واقعہ یوں تحریر ہے۔

عن علیؑ قال لما نزلت هذه الآية وَاَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ علی رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم فقال یا علیؑ ان الله امرنی ان انذر عشیرتی الاقربین فضقت بذلك ذرعا وعرفت انی متی اباديهم بهذا الامر اری منه ما اكره فصمت عليها حتى جاءنی جبرئیل فقال یا محمدؐ ان لم تفعل ما تؤمر يعذبك ربك فاصنع لی صاعا من طعام واجعل عليه رجل شاة واملأ لنا عسا من لبن ثم اجمع لی بنی عبد المطلب حتى اكلمهم وابلغ ما امرت به ففعلت ما امرنی به ثم دعوتهم وهم يومئذ اربعون رجلا او ينقصونه فيهم اعمامه ابو طالب وحمزة والعباس وابو لهب فلما اجتمعوا اليه دعانی بالطعام الذی صنعت لهم فجئت به فلما وضعته تناول النبی

حضرت علی مرتضیٰؑ سے مروی ہے کہ جب آیہ اَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تو آپ نے مجھسے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤں۔ لیکن میں نے اسمیں چند روز توقف کیا اسوجہ سے کہ مجھکو گمان ہوا کہ وہ میری ہدایت سے اکراہ کرینگے۔ اور میری بات نہ مانینگے اس بنا پر میں خاموش رہا۔ تا اینکہ پھر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہنے لگے۔ کہ خدا فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تم نے ایسا نہیں کیا جیسا ہم نے تمکو حکم دیا ہے تو تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب کیا جاوے گا۔ پس تم (اے علیؑ) بقدر ایک صاع (پونے تین سیر پختہ) طعام (روٹیاں) تیار کرو۔ ایک بکری کا گوشت پکالو۔ اور ایک کاسہ شیر مہیا کر لو۔ اور تمام بنی عبد المطلب کو ضیافت میں بلاؤ۔ تاکہ میں اسی مجلس ضیافت میں اُنسے کلام کروں۔ اور جو مجھے اُن کے متعلق حکم ہوا ہے۔ اُسکو بجالاؤں۔ اور اُن تک پہونچادوں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں

بقیہ عبارت حاشیہ: مشائخ بر بسبب امامت اور تقدم نسائی کے قائل تھے۔ اور اُن کی عبادت وحج واجتہاد کی تعریف کیا کرتے تھے۔ اور یہ کہ سُنن ماثورہ کی اتباع کرتے تھے۔ اور مجالس سلاطین سے پرہیز کرتے تھے۔ یہی اُنکے طریقہ آداب ومعاشرت قائم رہے۔ یہانتک کہ شہید ہوئے۔

امام حاکم کہتے ہیں کہ میں نے حافظ علی ابن عمر کو چند بار کہتے سنا ہے کہ نسائی فقیہ ترین ہیں۔ اپنے زمانہ کے مشایخ میں اور سب سے زیادہ اعلم ہیں صحیح وسقیم اقوال رجال کے۔ یہ جب اسدرجہ ومراتب پر فائز ہوئے تو لوگوں نے اُنسے حسد کیا جس سے وہ رملہ کیطرف چلے گئے۔ وہاں لوگوں نے ان سے حسد کیا۔ اور فضائل معویہ کو ان سے پوچھا تو اُنھوں نے سکوت اختیار کیا جس سبب سے مسجد جامع میں ملکر اُنکو خوب مارا۔ اُنہوں نے کہا کہ مجھکو مکے لے چلیے۔ وہیں اُنہوں نے مقتول وشہید ہوکر وفات کی۔ ابوبکر مامون کہتے ہیں کہ ہم نے نسائی سے کتاب خصائص کی وجہ تالیف پوچھی تو کہا کہ جب ہم دمشق میں پہونچے۔ تو وہاں کے لوگوں کو حضرت علیؑ سے منحرف پایا۔ لہٰذا اس امید پر کتاب لکھی کہ شاید اُنکی ہدایت ہو۔ اس کے بعد فضائل صحابہ لکھے اور سب کے سامنے اُسکو پڑھا تو کسی نے پوچھا کہ معاویہ کے فضائل نہیں لکھے تو میں نے اُس سے کہا کہ اُنکی فضیلت کیا لکھی جاوے کیا اَللّٰھُمَّ لَا تُشْبِعْ بَطْنَہٗ (خدا کبھی اُسکا پیٹ نہ بھرے) لکھدیا جاوے۔ یہ سن کر وہ سائل خموش ہوگیا۔ اور میں بھی چپ ہوگیا۔ نسائی نے سنہ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

فضائل علیؑ کو لکھنا۔ اور معاویہ کے فضائل کو نہ لکھنا۔ انکے قتل کا باعث ہوا۔ محققین غور کریں۔ کہ جب فضائل علیؑ کے استخفاف واسقاط کے انتظام اتنے مُدت الایام سے چلے آتے ہیں۔ تو چودہ سو برس کے بعد آج اصلیت اور حقیقت کا صحیح پتا لگانا کتنا دشوار ہے۔ لیکن یہی حضرت علیؑ کی حقیت کی دلیل واضح ہے کہ اتنے اہتمام اور اتنی مدت ایام کے بعد مصنفین کی کتابوں سے اصل حقیقت کا انکشاف ہوجاتا ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خسبت حزیۃ من اللحم فشقہا
باسنانہ ثم القاہا فی نواحی الصفحۃ ثم قال کلوا
بسم اللہ الرحمن الرحیم فاکل القوم حتی نہلوا عنہ
ما تریٰ الا اثار اصابعھم واللہ ان کان الرجل الواحد
منھم لیاکل مثل ما قدمت لجمیعھم ثم قال اسق القوم
یا علی فجئتھم بذالک العس فشربوا منہ حتی رووا منہ
جمیعا وایم اللہ ان کان الرجل الواحد منھم لیشرب مثلہ
فلما اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یکلمھم بدرہ
ابولہب الی الکلام لقد سحرکم صاحبکم فتفرق القوم
ولم یتکلم بھم رسول اللہ فقال الغد یا علی ان ھذا الرجل
سبقنی الی ما قد سمعت من القول فتفرق القوم قبل ان اکلمھم

کریں نے حضرت رسولخدا صلعم کے مطابق سب سامان مہیا کردیا۔ اور تمام بنی عبدالمطلب کو بلا لایا۔ وہ لوگ شمار میں کم وبیش چالیس آدمی تھے اور ان میں آنحضرت صلعم کے چچا۔ ابوطالب۔ حمزہ۔ عباس۔ ابولہب سب ہی موجود تھے جب یہ سب لوگ جمع ہوگئے۔ تو آنحضرت صلعم نے مجھے وہ کھانا لانے کیلئے حکم دیا۔ جو ان لوگوں کے لیئے تیار ہوا تھا۔ میں جب ان کھانوں کو حضرت کے سامنے لایا تو آپ نے ایک پارچہ گوشت اٹھایا۔ اور اپنے دندان مبارک سے کاٹ کر طشت میں رکھدیا۔ اور حاضرین سے کہا۔ بسم اللہ آپ لوگ تناول فرمائیں پس تمام لوگوں نے کھایا اور سیر ہوگئے۔ اور کھانا ویسا ہی کا ویسا بچ رہا۔ اس میں انکے ہاتھوں کے نشان تک نہیں معلوم ہوتے تھے حضرت علی فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ وہ کھانا جو سب نے ملکر کھایا تھا مقدار میں اتنا کم تھا۔ کہ اکیلا

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ دوسری روایت امام احمد بن حنبل کی ہے۔ علامہ سبکی کی کتاب طبقات الشافعیہ کے صفحات ۱۹۹ سے لیکر صفحہ ۲۲۱ تک امام احمد بن حنبل کی توثیق میں لکھے گئے ہیں۔ بخوف طوالت ہم پوری عبارت نہیں لکھ سکتے۔ اور نہ تمام ترجمہ کی نقل کر سکتے ہیں صرف اسکے خلاصہ کو اپنی ضرورت کیلئے مناسب اور کافی سمجھ کر قلم بند کرتے ہیں۔ کتاب کچھ ایسی نادر نہیں ہے۔ حوالہ موجود ہے۔ ہر شخص پوری عبارت دیکھ سکتا ہے امام سبکی لکھتے ہیں۔ (۱) یہ کتاب (مسند امام احمد بن حنبل) ایک اصل ہے اصول سے اس امت کے (۲) یہ اصل کبیر ہے (۳) مرجع وثیق ہے (۴) بہت سی احادیث سے اسکی حدیثیں منتخب کی گئی ہیں۔ (۵) یہ مسند امام قرار دی گئی ہے (۶) یہ کتاب معتمد علیہ ہے (۷) ملجائے (۸) مستند ہے (۹) امام احمد نے کہا ہے۔ کہ میں نے سات لاکھ حدیثوں سے اسکو منتخب کیا ہے۔ (۱۰) امام احمد نے کہا کہ جس چیز میں لوگ اختلاف کریں وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں (۱۱) امام احمد نے کہا۔ جو حدیث اسمیں نہو۔ وہ حجت نہیں ہو سکتی (۱۲) اسکی تمام حدیثیں سند حجت ہیں (۱۳) امام احمد نے کہا ہے۔ کہ ہم نے اس کتاب کو امام بنایا ہے (۱۴) جب کسی حدیث میں اختلاف ہو تو اسی کی طرف رجوع کرو۔ (۱۵) اس میں انھیں لوگوں سے روایت لی گئی ہے جنکی صداقت و دیانت ثابت ہے۔ نہ ایسے شخص سے جس میں کوئی طعن ہو۔ (۱۶) سند اور متن میں پوری احتیاط کی گئی ہے (۱۷) اسی روایت کو وارد کیا ہے۔ جنکی سندیں صحیح تھیں۔ آخر میں امام سبکی نے امام ابوموسیٰ کا یہ قول لکھا ہے قال الامام ابوموسی ومن الدلیل علی ما اودعہ الامام مسندہ قد احتاط فیہ اسنادا ومتنا لم یورد فیہ الا ما صح سندہ۔ طبقات الشافعی، امام سبکی ص ۲۰۲۔ ترجمہ یعنی امام ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ امام احمد نے اسناد و متن میں بڑی احتیاط کی اور اسی روایت و حدیث کو وارد کیا ہے۔ جنکی سند صحیح ہے۔

حجۃ الہند شاہ ولی اللہ صاحب رسالہ انصاف میں لکھتے ہیں وجعل ای احمد مسندہ میزانا یعرف بہ حدیث رسول اللہ صلعم فما

فعند لنا من الطعام مثل ما صنعت ثم اجمعهم الی قال ففعلت ثم جمعتهم ثم دعانی بالطعام فقربته لهم ففعل کما فعل بالامس فاکلوا حتی ما لهم بشیء حاجة ثم قال اسقهم فجئتهم بذلک العس فشربوا حتی رووا منه جمیعا ثم تکلم رسول الله صلعم فقال یا بنی عبد المطلب انی والله لا اعلم شابا فی العرب جاء قومه بافضل مما قد جئتکم به انی قد جئتکم بخیر الدنیا والآخرة وقد امرنی الله تعالی ان ادعوکم الیه فایکم یوازرنی علی هذا الامر علی ان یکون اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاحجم القوم عنها جمیعا وقلت وانی لاحدثهم سنا وارمضهم عینا واعظمهم بطنا واحمشهم ساقا انا یا نبی الله صلی الله علیه وآله وسلم اکون وزیرک علیه فاخذ برقبتی فقال ان هذا اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا فقام القوم یضحکون ویقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع وتطیع لعلیؑ

آدمی اُسے کھا جاتا۔ اُس کے بعد آپ نے مجھے حکم دیا۔ اُنھیں سیراب کردو میں نے اُنھیں وہی دودھ کا شربت پلایا اور وہ سب کے سب سیر ہو گئے۔ اور قسم خدا کی وہ ایک آدمی کے پینے کی مقدار تھا۔ اسکے بعد رسول اللہ صلعم نے کلام کرنیکا قصد کیا۔ اس اثنا میں ابولہب نے اُٹھ کر آپکا قطع کلام کیا اور قوم سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ تمہارے صاحب نے تم پر جادو کیا یہ سنا تھا کہ تمام قوم کے لوگ متفرق ہو گئے۔ دوسرے دن پھر آپ نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ یا علیؑ اس شخص نے میرے کلام پر سبقت کی اور قبل اسکے کہ میں کچھ کہوں۔ قوم کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ پھر آج تم ویسا ہی کھانا تیار کرو۔ اور پھر سب لوگوں کو بلاؤ۔ میں نے آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق آج بھی ویسے ہی سامان کئے جو کل کئے تھے اور پھر اُن لوگوں کو جا کر بلا لایا۔ جب میں کھانا لیکر آنحضرت کے پاس آیا تو آپ نے پھر وہی عمل کیا جو کل کیا تھا۔ پس تمام لوگوں نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہو گئے۔ شربت پیا اور سیراب ہو گئے۔ کھانے سے فراغت ہو چکی تو آنحضرت صلعم نے ارشاد کیا کہ اے اولادِ عبد المطلب خدا کی قسم میں جوانانِ عرب میں کسی شخص کو ایسا نہیں جانتا جو میری طرح تمہارے لیئے دین و دنیا کی خبر لایا ہو۔ خدا نے

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ وجد فیه ولو بطریق واحد من طرقه فله اصل وما لا فلا اصل له ص ۱۵ امام احمد نے اپنی مسند کو میزان بنایا ہے جس سے حدیث رسولؐ پہچانی جاتی ہے۔ تو جو طریق حدیث ایک طریق سے بھی اسمیں ہے۔ اُسکی تو اصل ہے اور جو نہیں ہے اُسکی کوئی اصل نہیں۔

ہندوستان کے امام المتکلمین شاہ عبد العزیز صاحب عجالۂ نافعہ میں لکھتے ہیں۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ میفرمانید کہ مسند امام احمد نزد فقیر ازیں طبقۂ ثانیہ است وے واصل است در معرفت صحیح وسقیم بوئے شناختہ می شود۔ حدیثے را کہ آنرا اصل است ازانجہ کہ در او اصل نیست صفحہ ۴ تیسری روایت کنز العمال ملا علی متقی کی ہے جسکا اکثر حوالہ شبلی صاحب نے بھی دیا ہے اور جس کے مصنف کی اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ حجت الہند شاہ ولی اللہ صاحب و نیز شاہ عبد العزیز صاحب نے ان کو اپنے شیوخ میں شمار کیا ہے۔ ہم ان کی توثیق میں مزید اطمینان کیلئے کتاب کشف الظنون سے جس میں جمع الجوامع سیوطی کے بعد اس کتاب کا طولانی ذکر کیا گیا ہے صرف اُسکی عبارت کو ذیل میں لکھتے ہیں۔ ان الشیخ العلامة علاء الدین علی بن حسام الدین الهندی الشهیر بالمتقی رتب هذا الکتاب الکبیر کالجامع الصغیر وسماه کنز العمال فی سنن الاقوال والاحوال ذکر فیه انه وقف علی کثیر مما دونه الائمة من کتب الحدیث فلم یر فیها اکثر جمعا منه حیث جمع فیه بین الاصول والسنة واجاد مع کثرة الجدوی وحسن الافادة شیخ علامہ علاء الدین علی ابن حسام الدین ہندی المشہور متقی نے

مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اُس کی طرف بلاؤں۔ پس تم لوگوں میں سے اس امر خاص میں میری وزارت کون شخص کرتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں اُس مجمع میں کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گو میں ان لوگوں میں سب سے کم سن ہوں۔ گو میری آنکھیں پر آشوب ہیں۔ گو میرا پیٹ بڑا ہے میری ساق پاتلی ہیں۔ لیکن باایں ہمہ میں اس امر میں آپ کا وزیر بننے کو مستعد ہوں۔ یہ سُنکر آنحضرت صلعم نے میرے شانے پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ کہ لوگو۔ دیکھ لو۔ تم لوگوں میں یہ میرا بھائی ہے۔ یہ میرا وصی ہے۔ اور یہ میرا خلیفہ ہے۔ اس کی باتوں کو سُنو۔ اور اُس کی اطاعت کرو۔ یہ سُن کر تمام لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور حضرت ابی طالب علیہ السلام کو مخاطب کر کے بطور تمسخر کہنے لگے۔ آج سے تم اپنے بیٹے علیؑ کے مطیع و منقاد بنائے گئے۔

سلسل اور مفصل حقیقت حال تو یہ ہے جو کنز العمال کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوئی۔ دیکھنے والے خود دیکھ لینگے اور

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ اس کتاب عظیم کو اُسی طرح مرتب کیا ہے جیسی کتاب جامع الصغیر سیوطی مرتب کی گئی ہے۔ اور اسکا نام کنز العمال فی سُنن الاقوال والاحوال رکھا گیا ہے۔ اس میں بہت سی ایسی حدیثوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو ائمہ حدیث کی نظر سے چھوٹ گئی تھیں۔ اور جو فن حدیث کے اصول ستہ کے مطابق قابل نقل تھیں۔ اور اس بارے میں مصنف نے بڑی سعی کی ہے اور اُس سے بڑا فائدہ ہوا ہے۔

ملا علی متقی کی توثیق تو ہو چکی۔ مگر ملا متقی نے اس حدیث کو اصلاً علامہ ضیاء مقدسی کی کتاب مختارہ سے ماخوذ کیا ہے۔ اس لیئے ضرور ہے کہ اُن کی توثیق بھی ذیل میں نقل کی جاوے۔ کشف الظنون میں ہے۔ المختارہ فی الحدیث للحافظ ضیاءالدین محمد بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی المتوفی سنہ ۶۴۳ھ ثلاث واربعین وستمائۃ التزم فیہ الصحۃ فصحح فیہا احادیث لم یسبق الی تصحیحہا قال ابن کثیر وھذا الکتاب لم یتم وکان بعض مشائخنا یرجحہ علی مستدرک الحاکم کتاب مختارہ حدیث میں حافظ ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی المتوفی ۶۴۳ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں التزام کیا گیا ہے صحت کا۔ جس میں ان حدیثوں کی ایسی صحت کی ہے جسکے قبل کوئی سابق نہ ہوا۔ ابن کثیر کہتے ہیں۔ کہ یہ کتاب ناتمام رہی۔ ہمارے بعض مشائخ اسکو امام حاکم کی مستدرک پر ترجیح دیتے ہیں۔ تدریب الراوی میں ہے۔ ومنہم الحافظ ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد المقدسی جمع کتاباً اسمہ المختارۃ التزم فیہ الصحۃ وذکر فیہا احادیث لم یسبق الی تصحیحہا منجملہ اُن کے حافظ ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی ہیں جنہوں نے ایک کتاب جمع کی ہے جس کا نام مختارہ رکھا ہے۔ اس میں صحت کا ایسا التزام کیا ہے۔ کہ ان سے پہلے کسی نے ایسا التزام نہیں کیا تھا۔

یہی مضمون کتاب التنقید والایضاح۔ زین الدین عراقی۔ اور ضوء لامع سخاوی اور شرح مشکوٰۃ شاہ عبد الحق دہلوی اور اتحاف النبلاء نواب صدیق حسن خان اور قول مستحسن مولوی حسن الزمان صاحب میں بھی موجود ہے۔ جنمیں سب نے تصریح کی ہے کہ کتاب مختارہ کی کُل حدیثیں صحیح ہیں جو تھی حدیث امام بغوی کی تفسیر معالم التنزیل کی ہے۔ ان کی توثیق بھی ملاحظہ ہو۔ امام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں بذیل تذکرہ ثعلبی لکھتے ہیں۔ وتفسیرہ وان کان غالب الاحادیث التی فیہ صحیحۃ ففیہ ما ھو کذب وموضوع باتفاق اہل العلم ولہذا لما اختصرہ ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی کان اعلم بالحدیث والسنۃ والفقہ منہ الثعلبی علم باقوال

پڑھنے والے خود سمجھ لیں گے کہ ایسے مفصل واقعہ کو محض خود غرضی اور تعصب کی بنا پر خواہ مخواہ قطع و برید کرکے کیسا مہمل، مبہم اور مختل بنا دیا گیا ہے

تفسیر معالم التنزیل میں محی السنۃ امام بغوی صاحب مشکواۃ المصابیح۔ بیک الفاظ۔ اس تمام واقعہ کو ویسا ہی لکھتے ہیں جیسا کہ کنز العمال سے ابھی ابھی نقل ہو چکا ہے۔ ذیل میں صرف اُنکے سلسلہ رواۃ نقل کئے دیتے ہیں۔

روی محمد بن اسحاق عن عبد الغفار بن القسم عن المنہال عن عمرو عن عبد اللّٰہ بن الحارث بن عبد المطلب بن عبد اللّٰہ ابن عباس عن علی بن ابی طالب۔

محمد بن اسحاق عبد الغفار بن قسم سے۔ وہ منہال سے وہ عمرو سے۔ وہ عبد اللہ بن حارث بن عبد المطلبؓ بن عبد اللہ بن عباس سے اور وہ علی بن ابی طالبؓ سے۔ معالم التنزیل ص ۶۶۳ بمبئی۔

صحاح، مسند، سُنن اور تفسیر کے اسناد ہو چکے اب ایک تاریخ باقی رہی، اگرچہ تفسیر معالم التنزیل میں سیرت ابن اسحاق ہی سے یہ روایت لیگئی ہے اور ہمارے ثبوت کیلئے یہی کافی تھا لیکن جس سلسلہ سے ہمنے اپنے سلسلہ بیان کو شروع کیا ہے اُسمیں ہم کسی اختصار نویسی یا کوتہ قلمی کو پسند نہیں کرتے اسلیئے اپنے سلسلہ بیان کے آخر میں تاریخ طبری کی پوری عبارت ذیل میں قلمبند کرتے ہیں

قال حدثنی محمد بن اسحٰق عن عبد الغفار بن القاسم بن المنہال بن عمرو عن عبد اللّٰہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب

محمد بن اسحاق عبد الغفار بن قاسم بن منہال بن عمرو سے اور وہ عبد اللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلبؓ سے اور وہ عبد اللہ بن عباس سے

بقیہ عبارت حاشیہ: المفسرین والنجاۃ وقصص الانبیاء فھذہ الامور نقلھا البغوی من الثعلبی واما الحدیث فلم یذکرہ شیئا من الموضوعات التی رواھا الثعلبی بل یذکر الصحیح منھا ویعزوہ الی البخاری وغیرہ فانہ صنف کتاب الشرح السنۃ وکتاب المصابیح وذکرما فی الصحیحین والسنن ولم یذکر الاحادیث التی یظھر العلماء الحدیث انھا موضوع کما یفعلہ غیرہ من المفسرین

تفسیر ثعلبی میں اگرچہ غالب احادیث صحیح ہیں، لیکن بعض حدیثیں موضوع بھی اسمیں داخل ہیں۔ اسلیئے جب ابومحمد حسین بن مسعود بغوی نے اسکو مختصر کیا تو ثعلبی سے صرف اقوال مفسرین و نجاۃ اور قصص الانبیاء کو نقل کیا کیونکہ بغوی علم حدیث، سُنت، و فقہ میں عالم تھے بہ نسبت ثعلبی کے کہ وہ اقوال مفسرین کے البتہ عالم تھے۔ بغوی نے اُن حدیثوں کو البتہ نہ لکھا جو موضوعات سے تھیں، اور ثعلبی نے اُن کو روایت کیا تھا بغوی اُسی کو لکھتے ہیں جو بخاری وغیرہ سے کیونکہ یہ مصنف ہیں کتاب شرح سنۃ اور کتاب مشکواۃ مصابیح کے اور ذکر کیا اُسی کو جو صحیح و سُنن میں ہے۔ اور نہ لکھا اُن حدیثوں کو جن کی موضوعیت ظاہر ہوئی علمائے حدیث کو جیسا کہ اور مفسرین کرتے ہیں۔

آخر میں ہمنے اسکو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے طبری کی بھی توثیق ملاحظہ ہو۔ علامہ داؤدی طبقات المفسرین میں لکھتے ہیں۔ محمد بن جریر بن یزید بن غالب الطبری ابوجعفر راس المفسرین علی الاطلاق احد الائمۃ جمع من العلوم مالم یشارکہ فیہا احد من اھل عصرہ وکان حافظ الکتب بصیرا بالمعانی فقیہا فی احکام القرآن عالما بالسنن و طرقھا صحیحھا وسقیمھا وناسخھا ومنسوخھا ولہ تصانیف العظیمۃ منھا تفسیر القرآن وھو اجل التفاسیر لم یوقف مثلہ کما ذکرہ العلماء قاطبۃ وذلک لانہ جمع فیھا بین الروایۃ والدرایۃ ولم یشارکہ فی ذلک احد لا قبلہ ولا بعدہ مولدہ بآمل سنۃ ۲۲۴ و مات یوم الاحد سنۃ ۳۱۰ھ محمد ابن جریر

عن عبد اللہ بن عباس عن علی بن ابی طالب قال لما نزلت ہذہ الآیۃ علی رسول اللہ صلعم و انذر عشیرتک الاقربین دعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فقال لی یا علی ان اللہ امرنی ان انذر عشیرتی الاقربین. توقفت بذلک ذرعا و عرفت انی متی اباد یہم بہذا الامر اری منہم ما اکرہ فصمت علیہ حتی جاءنی جبریل فقال یا محمدؐ انک الا تفعل ما تومر بہ یعذبک ربک فاصنع لنا صاعا من طعام و اجعل علیہ رجل شاۃ و املاء لنا عسا من لبن ثم اجمع لی بنی عبد المطلب حتی اکلمہم و ابلغہم ما امرت بہ ففعلت ما امرنی بہ ثم دعوتہم لہ وہم یومئذ اربعون رجلا یزیدون رجلا او ینقصونہ فیہم اعمامہ ابو طالب و حمزۃ و العباس و ابو لہب فلما اجتمعوا الیہ دعانی بالطعام

اور وہ علی بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں، کہ جب آیہ و انذر عشیرتک الاقربین حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوا، تو آپ نے مجھے بلاکر ارشاد کیا کہ اے علی خدائے تعالٰی نے مجھے حکم دیا ہے، کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤں۔ میں نے اسکی تعمیل میں بایں خیال چندے توقف کیا، کہ وہ لوگ میری ہدایت کو مکروہ جانیں گے، تا اینکہ پھر جبرئیل آئے اور مجھ سے کہا کہ اے محمدؐ اگر تم نے ایسا نہیں کیا، تو تمہارا پروردگار تم پر عذاب نازل فرمائیگا پس تم اے علی بقدر ایک صاع کے کھانا تیار کرو (صاع ۲ پختہ سیر یعنی روٹیاں پکواؤ، ایک بکرے کا گوشت تیار کراؤ، اور ایک کاسہ شیر تیار کرو۔ اور تمام بنی عبد المطلب کو ضیافت میں بلاؤ۔ تاکہ میں ان سے کلام کروں اور جو کچھ کہ خدائے تعالٰی نے انکے متعلق مجھے حکم دیا ہے وہ اُن تک پہونچادوں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق سب فراہم کیا اور تمام بنی عبد المطلب کے لوگوں کو بلالایا۔ اسدن وہ لوگ تعداد میں کم و بیش چالیس آدمی تھے۔ اور انمیں آپکے چچا ابو طالب حمزہ، عباس اور ابو لہب بھی شامل تھے، پس جب یہ تمام لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے کھانے کے لیے مجھ سے کہا، اور میں جو کچھ کھانا پکا تھا لے آیا

بقیہ حاشیہ: بن یزید بن غالب الطبری جنکی کنیت ابو جعفر ہے۔ علی الاطلاق راس المفسرین ہیں۔ منجملہ اماموں کے ایک امام ہیں۔ وہ علوم اُن میں جمع تھے۔ جن میں انکا کوئی شریک نہیں تھا۔ حافظ کتاب اللہ تھے۔ صحیح سقیم ناسخ اور منسوخ سے خوب واقف تھے۔ تفسیر تو ایسی لکھی ہے کہ آج تک اُسکے مثل کوئی تفسیر لکھی ہی نہیں گئی، کیونکہ اُنہوں نے اس میں روایت و درایت دونوں کو جمع کیا ہے۔ جس میں نہ انکا کوئی شریک نہ اُن کے قبل ہوا، اور نہ اُن کے پیچھے۔ ولادت مقام آمل ۲۲۴ھ میں ہوئی اور وفات ۳۱۰ھ میں۔

علامہ یافعی، مراۃ الجنان میں لکھتے ہیں لہ مصنفات ملیحۃ فی فنون عدیدۃ یدل علی سعۃ علمہ و غزارۃ فضلہ وکان ثقۃ فی نقلہ و تاریخہ و قیل تاریخہ اصح التاریخ و اثبتہا فنون عدیدہ میں انکی نہایت عمدہ تصنیفیں ہیں، جن سے انکی وسعت علم اور جامعیت فضل و کمال ظاہر ہے۔ نقل احادیث میں معتمد ہیں ان کی تاریخ کو صحیح و ثابت ترین تاریخ کہا جاتا ہے

مصر کے اہل مطابع کی ایک حیرت خیز حرفت۔ تاریخ طبری کی اس روایت کے متعلق اخفاء حقیقت کی ایک حیرت انگیز حرفت مصر کے اہل مطابع عمل میں لائے ہیں، وہ یہ ہے کہ یہ کتاب پہلے جرمن میں چھاپی گئی جسکے مضمون روایت میں حضرت علی کی نسبت آنحضرت صلعم کے خاص الفاظ وصیی و خلیفتی موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو طبری مطبوعہ جرمن ص ۱۱۷۳ جبرا ہی مطبوعہ جرمن کی نقل

الذی صنعت لهم فجئت به فلما وضعته تناول
رسول الله صلعم جذیة من اللحم فشقها باسنانه
ثم القاها فی نواحی الصحفة ثم قال خذوا بسم الله
فاکل القوم حتی ما لهم بشئ حاجة وما
اری الا موضع ایدیهم وایم الله الذی نفس
علی بیده وان کان الرجل الواحد منهم لیاکل
ما قدمت لجمیعهم ثم قال اسق القوم
فجئتهم بذلک العس فشربوا منه حتی
رووا منه جمیعا وایم الله ان کان
الرجل الواحد منهم لیشرب مثله فلما
اراد رسول الله صلعم ان یکلمهم بدره
القوم الی الکلام لقد سحرکم صاحبکم فتفرق
القوم فلم یکلم رسول الله صلے الله علیه وآله
وسلم فقال الغد یا علی ان هذا الرجل سبقنی

اور جناب رسول خدا صلعم کے آگے رکھدیا آپ نے اس میں سے ایک پارہ گوشت اٹھایا۔ اور اس کو اپنے دندان مبارک سے کاٹ کر طشت میں رکھدیا پھر تمام لوگوں سے ارشاد فرمایا۔ کہ بسم اللہ آپ لوگ تناول فرمائیں۔ تمام لوگوں نے کھانا شروع کیا۔ یہانتک کہ خوب سیر ہو کر کہا چکے۔ اور کھانا ویسا کا ویسا ہی رہ گیا اس میں ان کے ہاتھوں کا نشان تک نہیں معلوم ہوتا تھا جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں علیؑ کی جان ہے کہ وہ کھانا جو تنے لوگوں نے ملکر کھالیا ہے۔ بمقدار میں اتنا کم تھا کہ اکیلا آدمی اسے کہا جاتا۔ اس کے بعد آپ نے مجھے حکم دیا کہ انہیں سیراب کر دوں میں نے انھیں دودھ کا شربت پلایا۔ اور وہ سب کے سب سیر ہو گئے۔ اور قسم خدا کی وہ ایک آدمی کے پینے کی مقدار تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے کلام کرنیکا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں ابولہب نے فوراً آپکا قطع کلام کر دیا۔ اور قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے دوست نے تم پر سحر کیا۔ یہ سُننا تھا کہ تمام قوم کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے دوسرے دن پھر آپنے مجھے بلا کر حکم دیا۔ کہ یا علی اس شخص نے مجھ پر کلام کرنے میں سبقت کی

بقیہ حاشیہ۔ مصر کے مطبع میں چھپی۔ چالاک دست اور بخاری پرست اہالیان مطبع کتاب میں ان الفاظ کا دیکھنا اور باقی رکھنا پسند کرتے بالآخر عبارت میں وصی وخلیفتی کی جگہ کذا وکذا کا لفظ بڑھا دیا۔ امام بخاری بھی اکثر مقام پر ایسی ہی ترکیب برابر عمل میں لاتے ہیں۔ طبری مطبوعہ مصر کی عبارت متغیرہ ملاحظہ ہو فایکم یوازرنی علے هذا الامر علی ان یکون اخی کذا وکذا فاخذ برقبتی ثم قال ان هذا اخی کذا وکذا فاسمعوا له واطیعوا ص ۶۸ جلد ۹۔ افسوس حقیقت کبھی چھپ نہیں سکتی۔ وصی وخلیفتی کو تو چھپایا۔ گویا مبتدائے علت کو محذوف کر دیا لیکن جبروت حقیقت نے فاسمعوا له واطیعوا کو ویسا کا ویسا ہی صحیح وسالم چھوڑوا دیا۔ جو اسی مبتدائے علت کی خبر معلول ہے اور منطق کی اصول انطباق میں مسلم ہے کہ جب کسی وجہ سے کسی جملہ یا فقرہ میں علت واسباب نہ معلوم ہوں۔ اور معلول وسبب اسکا موجود نہ ہو تو وہی معلول وسبب اپنے علت کی خبر کیلئے کافی ہوگا۔ اس لیے اگر علت حقیقی۔ وصی وخلیفتی نہ رہا۔ تو نہ سہی اسکا معلول اصلی۔ اطاعت اور اسکی سماعت ومتابعت تو اپنے مقام پر موجود ہے عام اس سے کہ اسکا عہدہ وزارت وخلافت مرقوم ہو یا نہ ہو تو کیا جب اسکی سماعت و اطاعت کا حکم صریح موجود ہے۔ تو وہ بذاتہ مفترض الاطاعت تسلیم کیا جاوے گا۔ چودہ سو برسوں کے گذر جانے کے بعد بھی آج تک فضائل ومناقب علیؑ کے چھپانے گھٹانے اور مٹانے کی وہی کیفیت ہے۔ پھر ان حضرات کے حقیقی مراتب ومدارج کی حقیقت کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے۔ کہ انہیں حقیقت نگاریوں کیلئے امام طبری پر شیعیت کا الزام لگایا گیا تھا۔ کہ انہوں نے بہت سی باتیں خلاف معتقد

الی قال ففعلت ثم جمعتهم ثم دعانی بالطعام فقربته لهم ففعل کما فعل بالامس فاکلوا حتی ما لهم بشیء حاجة ثم قال اسقهم فجئتهم بذلک العس فشربوا حتی رووا منه جمیعا ثم تکلم رسول اللہ صلعم فقال یا بنی عبد المطلب انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومه بافضل مما قد جئتکم به انی قد جئتکم بخیر الدنیا والآخرة وقد امرنی اللہ تعالی ان ادعوکم الیه فایکم یوازرنی علی هذا الامر علی ان یکون اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاحجم القوم عنها جمیعا وقلت وانی لاحدثهم سنا وارمصهم عینا واعظمهم بطنا

اور قبل اسکے کہ میں کچھ کہوں، قوم کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ پس پھر تم آج ویسا ہی کھانا اور سب سامان دہی مہیا کرو۔ اور پھر سب لوگوں کو بلا لاؤ۔ میں نے آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق آج بھی ویسے ہی کھان سب مہیا کردیئے۔ اور پھر اُن لوگوں کو جا کر بلا لایا۔ جب میں کھانے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے پھر وہی عمل کیا جو کل کیا تھا تمام لوگوں نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہوگئے وہ دودھ پیا اور سیر ہوگئے آب دطعام سے فارغ ہوکر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مخاطب فرما کر کہا کہ اے بنی عبد المطلبؑ خدا کی قسم میں جوانان عرب میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا کہ وہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس تمہارے دین و دُنیا کی ایسی خبر لایا ہو جیسی کہ میں۔ اور خدائے تعالٰے نے مجھے حکم فرمایا ہے، کہ میں تمہیں اُسکی طرف بلاؤں۔ پس تم میں سے کون شخص ہے جو اس امر میں میری وزارت کریگا، میرا بھائی ہوگا۔ اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہوگا۔ یہ سنکر تمام لوگ خاموش رہ گئے۔ حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ میں

بقیہ حاشیہ:۔ جنہیں اُن کو نہ لکھنا چاہیئے تھا۔ لکھدی ہیں۔ لیکن بذات خاص اُن کی اور اُن کی تصانیف کی عظمت و اہمیت ایسی ہی تھی کہ انکے متروک کر دینے سے بہت سے عقائد کے مفید اور ضروری مطالب و مقاصد نیست و نابود ہو جاتے۔ شبلی صاحب نے دیباچہ میں ان اُمور پر بہت اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اور ہم انہیں کے حاضرہ مختصرہ کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔

بعض محدثین (سلیمانی) نے طبری کی نسبت لکھا ہے۔ کہ یہ شیعوں کے لیئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔ لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے هذا رجم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمة الاسلام المعتمدین یہ جھوٹی بدگمانی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام تھے" ذہبی نے اِس موقع پر لکھا ہے۔ کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا۔ لیکن مضر نہیں تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثل تاریخ کامل ابن اثیر ابن خلدون ابو الفدا وغیرہ وغیرہ اُنہیں کی ماخوذ اور اسی کے مختصرات ہیں سیرۃ النبیؐ دیباچہ ج ۱ اب ہم حسب الوعدہ بخاری کی اُن روایتوں کی حقیقت دکھلاتے ہیں جنکو اُنہوں نے دعوت قریش کے متعلق اپنے صحیح میں درج کیا ہے۔ پہلی روایت یوں ہے عن ابن عباس لما نزلت وانذر عشیرتک الاقربین جعل النبیؐ ینادی یا بنی فهر یا بنی عدی یبطون قریش وعن ابن عباس قال لما نزلت وانذر عشیرتک الاقربین جعل النبی یدعوهم قبائل قبائل وعن ابی هریرة ان النبی قال یا بنی عبد مناف اشتروا انفسکم من اللہ یا بنی عبد المطلب اشتروا انفسکم من اللہ یا بنی ام زبیر ابن العوام عمة رسول اللہ یا فاطمة بنت محمد اشتری انفسکما من اللہ لا املک لکما شیئا سلونی من مالی ما شئتما این

واحشهم ساقا انا يا نبي الله اكون وزيرك عليه فاخذ برقبتي ثم قال ان هذا اخي ووصي وخليفتي فيكم فاسمعوا له واطيعوا قال فقام القوم و يقولون لابي طالب قد امرك ان يستمع لابنك و نطيع -

اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ باوجودیکہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں میری آنکھیں پر آشوب ہیں۔ میرا پیٹ بڑا ہے۔ میری پنڈلیاں پتلی ہیں لیکن میں، با اینہمہ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس امر میں آپ کا وزیر بنوں گا۔ یہ سُنکر آنحضرت صلعم نے میرے شانہ پر ہاتھ مار کے ارشاد کیا۔ یہ تم لوگوں میں میرا بھائی میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے اسکی باتوں کو سُنو۔ اور اُسکی اطاعت کرو۔ یہ سُن کر تمام لوگ ہنستے ہوئے اور ابوطالبؑ سے یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔ کہ تم اب اپنے بیٹے علیؑ کے مطیع و منقاد بنائے گئے۔ اس کی باتوں کو سُنو۔ اور اُس کی اطاعت کو اختیار کرو۔

اسلام کی اس اعظم ترین اور اوّلین واقعہ کی تفصیلی حالت یہ تھی جس کو ہم نے اپنے متعدد اور متواتر ماخذوں سے اُوپر نقل کردی یہ واقعہ ہر طریقے دعوت اسلام اور تبلیغ ایمان کا پہلا زینہ تھا۔ اسکی اہمیت تو اسی سے ظاہر ہے کہ بقول ابن

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ عباس سے مروی ہے کہ جب آیہ انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا۔ تو حضرت نے پکارنا شروع کیا۔ اے بنی فہر اے بنی عدی ہر ہر بطن قریش کو۔ دوسری روایت ہے ابن عباس سے کہ آپ نے ہر ہر قبیلے کو پکارنا شروع کیا تیسری حضرت ابوہریرہ سے کہ حضرت نے فرمایا اے بنی عبد مناف اپنے نفسوں کو خدا سے خرید کر لو اے بنی عبدالمطلبؑ اپنے نفسوں کو خدا سے خرید کر لو۔ اے مادر زبیر ابن العوام اور اے فاطمہؑ بنت محمدؐ اپنے نفسوں کو خدا سے خرید کر لو۔ کہ ہم تمہارے لیے کسی امر کے مالک نہیں ہیں۔ جو چاہو تم میرے مال سے لیلو۔

اب اس کی شرح اور جرح فتح الباری کے ان الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ وهذه القصة ان كانت وقعت في صدر الاسلام بمكة فلم يشركها ابن عباس لانه قبل الهجرة بثلاث سنين ولا ابو هريرة لانه اسلم بالمدينة وفي نداء فاطمة يومئذ ايضا ما يقتضي تاخر القصة لانها كانت حينئذ صغيرة او مراهقة وان كان ابو هريرة حضرها ولا يناسب الترجمة لانه انما اسلم بعد الهجرة بمدة والذي يظهر ان ذلك وقع مرتين مرة في صدر الاسلام ورواية ابن عباس وابو هريرة لها من مراسيل الصحابة وهذا الموافق للترجمة من جهة دخولها في مبتدء السيرة النبوية ويؤيد بذلك ما سيأتي من ابي لهب كان حاضرا لذلك وهو مات في ايام البدر ومرة بعد ذلك حيث يمكن ان تدعى فيها فاطمة او يحضر ذلك ابو هريرة وابن عباس

ج ۲ ص ۱۰۴۔ یعنی اگر یہ قصہ ابتدائے اسلام میں مکہ میں واقع ہوا۔ تو ابن عباس شریک واقعہ نہیں تھے کیونکہ وہ تو نبوت سے صرف تین برس قبل پیدا ہوئے تھے اور نہ ابوہریرہ ہی تھے کیونکہ وہ تو مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں پھر حضرت فاطمہؑ کو پکارنا بھی مقتضی تاخیر قصہ ہے کیونکہ وہ تو اس وقت بہت چھوٹی تھیں یا کچھ ہوش والی تھیں۔ اور اگر ابوہریرہ حاضر تھے۔ تو ترجمہ کے مناسب یہ روایت نہیں ہے کیونکہ وہ تو ایک مدت کے بعد اسلام لائے اور ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ ابتدائے اسلام میں کیونکہ ابولہب سے بھی خطاب ہے اور وہ قریب جنگ بدر مرا ہے تو یہ روایت مراسیل صحابہ سے ہوگی اور دوسری بار مدینہ میں واقع ہوا تب دعوت فاطمہؑ اور شرکت ابن عباسؓ و ابوہریرہ ممکن ہو سکتی ہے اب تو کسی کو اس روایت کی عدم صحت میں کلام ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اسکا اصل راوی وہ شخص ہے جو اسوقت پیدا ہی نہیں ہوا تھا نہ وہ اس مجمع میں آیا تھا اور نہ اسلام لایا تھا پھر یہ بخاری کی روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے

اسحاق، امام طبری اور امام بغوی وغیرہم۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ذرا سا توقف فرمانے کیلئے عتابانہ تہدید نازل فرمائی گئی تھی۔ اور اس خیال سے آنحضرت صلعم سخت متاثر ہو کر اسکی تعمیل میں پھر جس سرگرمی اور مستعدی اور جس سامان واہتمام سے ایک بار نہیں، دو دو بار مصروف ہوئے۔ وہ روئداد واقعہ سے ثابت ہے۔ اگرچہ پہلی بار بدبخت ابولہب کی حرکت سے آپ کو اسکے مقصد میں کچھ بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن حکم خداوندی کی عظمت وجلال اور آپ کے ہمت واستقلال نے آپ کو ذرا بھی بیدل نہونے دیا۔ اور دوسرے دن اسی اہتمام وانتظام سے منشار خداوندی کے مطابق اس حکم الٰہی کو انجام دیا۔ اس تفصیل کو بخاری صاحب کے اقتصار اور شبلی صاحب کے اختصار سے مقابلہ کیا جاوے۔ تو خود غرضی و نفسانیت اور عصبیت کے اسرار ہویدا اور آشکار ہوجائیں گے۔ اور وہ مفسدہ انگیز اغراض واسباب بھی ثابت ہوجائیگے جس کی بنا پر اس واقعہ کو اس اختصار۔ استخفاف اور قطع وبرید کے خاص طریقہ سے نقل کیا گیا۔ کیوں؟ صرف اسلیئے کہ اسکی تفصیل تعمیم ومساوات کے اصول موضوعہ کو بالکل ردّ و باطل کر دیتی تھی۔ اور جناب علی مرتضیٰؑ کے فضائل ومناقب کو آغاز اسلام سے دائرۂ اُمت خیر الانام علیہ السّلام میں خاص رسول اللہؐ کی زبانی عام اس سے کہ وہ مہاجر ہوں یا انصار صحابہ ہوں یا غیر صحابہ۔ ارجح اور افضل ثابت کرتی تھی۔ سب سے زیادہ دہشت خیز اور خوف انگیز تو اسمیں خلیفتی کا لفظ تھا۔ جس کا زبان رسولؐ سے اقرار و اعلان شرف صحابیت اور صحابہ کی خلافت کا بنا بنایا سونے کا گھر

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ روایت میں اتصال ضروری ہے کہ جو شخص راوی ہو۔ وہ راوی اوّل سے ملا ہو یہاں راوی اوّل ہی نادر ہے کیونکہ ابن عباسؓ و ابوہریرہؓ خود تو موجود ہی نہ تھے۔ اب رہا یہ خیال کہ دوسرے سے سُنا ہو۔ تو وہ نام بھی مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا روایت ہی ساقط ہو گئی۔

ابن حجر نے بخاری پرستی کے اصول پر یہ بات تو بنا دی کہ دو مرتبہ ایسا ہوا ہوگا۔ لیکن اسکی کوئی سند نہیں دی۔ اور پھر آگے چلکر اقرار بھی کر دیا کہ دو مرتبہ نزول آیہ ماننا خلاف اصل ہے پر اس ماننے سے مخالفت حکم الٰہی لازم آتی ہے کیونکہ حکم ہے عشیرۂ اقربین کے انذار کا۔ اور آپ پکارتے ہیں خود کے رشتہ والوں کو۔ کیونکہ پہلے نام لیا ہے بنی فہر کا۔ جس سے بارہ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ پھر نام لیا ہے بنی عدی کا۔ جن سے آٹھ یا نو پشت کا فاصلہ ہے۔ ابن حجر اس کی یوں تاویل فرماتے ہیں۔ وندائه للقبائل قریش قبل عشیرۃ الاقربین لیکرّ انذار عشیرته ولدخول قریش کلّهما فی اقاربه وکان انذار العشیرۃ نقع بالطبع ویکون انذار غیرهم بطریق الاولیٰ ص ۳۱۸۔ حضرت نے قریب والوں کو چھوڑ کر دور کے قبائل والوں کو اس لیئے ندا دی کہ اپنے عشیرہ کا انذار مکرر ہو جائے۔ اور نیز اسلیئے کہ کلّھم حضرت کے اقارب سے تھے۔ یہ معلوم ہو جائے۔ اور اس لیئے کہ انذار عشیرہ کا بالطبع واقع ہوتا ہے۔ اور غیر کا انذار بطریق اولیٰ ہوتا ہے اس سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ حضرت کو حکم تھا انذار اقربین کا اور حضرت نے اسکے خلاف تعمیل کی تو کیا کوئی مسلمان اسے قبول کر سکتا ہے کہ اگر انذار اقرب سے انذار ابعد بھی حاصل ہوتا۔ تو لازم آتا کہ کلام خدا (نعوذ باللہ) لغو ہو جس سے انذار اقربین کا حکم دیا حالانکہ عام طور سے بھی دیکھا جاتا ہے کہ جو حکم عام کے لیئے ہوتا ہے خواص اپنے آپکو اس سے بری جانتے ہیں۔ اور اگر یہی مساوات عام مانی جاتی ہے تو جعلنا شعوبا وقبائل لتعارفوا کی تمیز وتخصیص کا حکم منصوص کیوں دیا جاتا۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ جو قرابت بنی ہاشم کو آنحضرت کے ساتھ تھی وہی

مسخ کر دیا۔ اور اُصول عقائد کے تمام مصنوعی اغراض و مقاصد کو خاک میں ملا دیتا۔ تو پھر ایسی حالت میں بخاری صاحب اور اُن کے ہم خیال علماء و محدثین ایسے سادہ لوح نہیں تھے۔ جو اپنے اسلاف کی اتنی کی کرائی کارروائی پر پانی پھیر دیتے اور سہ ما از چراغ خویش درخانہ سوختیم ؎ کی نظر و مثال بننے کے مطابق بخاری صاحب نے حسب ضرورت جس داؤ پیچ اور کتر بیونت سے اس واقعہ کو اپنی صحیح کے متعدد مقامات پر لکھا ہے۔ یا انکے ہمخیال محدثین نے جن جن ترکیبوں اور چالوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ اُسکو ہم نے تفصیل سے حاشیہ زیرین کی عبارت میں محض عبرت ناظرین کے خیال سے لکھدیا ہے۔ اسلیئے ہم اسکی نسبت یہاں کچھ زیادہ تفصیل سے نہیں لکھیں گے۔ صرف اتنا اور اضافہ کردینگے کہ شبلی صاحب نے مقدمہ کتاب میں ترجیح حدیث علی السیرۃ اور ترجیح بخاری علی سائر الصحاح کی نسبت جو اتنا طومار باندھا تھا۔ اور یہ بتلایا تھا کہ سیرت رسولؐ کے متعلق تمام مرویات کو احادیث سے مستخرج کرنا چاہیئے۔ اور وہ حدیثیں بھی کون کون جو صحیح بخاری میں مندرج ہوں۔ اُس کی اصلی غرض اور گویا اُس مبتدا کی اب خبر معلوم ہوئی بقول شبلی صاحب

سہ ہمہ ورق کہ سیہ گشت و مدعا اینجاست ؎

ہاں جن مقاصد و عقائد کے اُصول پر شبلی صاحب نے اپنی کتاب کی تدوین فرمائی ہے اور جن احادیث موضوعہ و مصنوعہ سے اُسکو مرتب فرمایا ہے اُنکے لیئے وہ بذات خاص مجبور و مامور ہیں۔ دوسرے لوگ یا وہ جو اُصول تحقیق و انصاف کے مسلک پر قائم ہیں۔ اسکے لیے کیوں مجبور و معذور کیے جائیں گے طبری پر جو تشیع کا الزام لگایا گیا۔ اور پھر باوجود الزام اُنکو سواد اعظم

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ قرابت بنی عدی اور بنی تیم کو بھی آپ کے ساتھ تھی۔ بخاری کی اس قلم کاری سے اصل غرض تو یہی تھی۔ کہ کسی نہ کسی طرح بنی عدی اور بنی تیم کو بھی آپ کی قرابت داری میں داخل کردیں۔

اب رہی یہ بحث کہ بخاری کی یہ حدیث مرسل ہے اُنھوں نے اسکیلئے جو مخصوص باب باندھا ہے اُسکے الفاظ یہ ہیں۔ **باب من انتسب الیٰ اٰبائہٖ فی الاسلام والجاھلیۃ** (باب اُن لوگوں کے حال میں جو جاہلیت و اسلام میں آپ کے آباء کرام کے ساتھ تعلق نسبی رکھتے تھے) خود نامعقول ہے۔ کیونکہ اختلاف ہے تو اس میں کہ از راہ مفاخرت اور مشاجرت نو پشت تک انتساب ناجائز ہے یا جائز کیونکہ امام احمد ابو یعلی نے روایت کی ہے کہ جو شخص اپنی نسبت کرے اپنے آبائے کفار کی طرف نو پشت تک جس سے مفاخرت مقصود ہو۔ تو وہ بہ رسول جہنم میں ہو۔ مگر یہ مضمون اس عنوان سے نہیں سمجھا جاتا۔ پھر ایسی بات باندھنے سے کیا فائدہ۔ پھر جتنی حدیثیں اس باب میں لکھیں۔ وہ سب اس عنوان سے خارج ہوئیں۔ **حدیث اوّل** میں حضرت نے فرمایا ہے۔ کریم ابن کریم ابن یوسف۔ ابن اسحاق ابن ابراہیم **دوسری حدیث** میں فرمایا ہے انا ابن عبد المطلب **تیسری حدیث** میں فرمایا ہے یا بنی فہر یا بنی عدی **چوتھی حدیث** میں کہا ہے یا بنی عبد مناف۔ یا بنی عبد المطلب یا صفیۃ بنت عبد المطلب۔ یا فاطمۃ بنت محمدؐ۔ ان تمام روایتوں کو اس بات سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر ایسی روایتوں کے لانے سے کیا فائدہ کیونکہ مدار سند اتصال پر ہے۔ اور یہاں اتصال ہی ندارد ہے۔

اب دوسری حدیث ملاحظہ ہو۔ **باب قولہ وانذر عشیرتک الاقربین واخفض جناحک اعنی جانبک حدثنا عمر**

کی امانت سے خارج نہیں فرمایا گیا، جس کا ذکر گو کیسا ہی مختصر ہو۔ آپ نے بھی اپنے دیباچہ کتاب ص ۲۰ میں کیا ہے۔ اسکا خاص باعث یہی تھا۔ کہ امام موصوف نے تحقیق و انصاف کی رو سے اِس واقعہ کو اور انکے ایسے اکثر واقعات کو جن سے آپکے اُصول تعمیم و مساوات کی تردید و تغلیط ہوتی تھی، اپنی کتاب میں نقل کر دیا۔ لیکن چونکہ طبری کی تاریخ و تفسیر کو خصوصًا طبقۂ متقدمین میں جو اہمیت و افضلیت حاصل ہے وہ ہرگز اسکے متروک کر دیے جانے کی مجوز نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا۔ تو سواد اعظم میں گویا تاریخ و تفسیر کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس بنا پر وہ بھی رکھ لیے گئے۔ اور اُنکی تفسیر و تاریخ بھی۔ آخر میں ہمکو یہ لکھدینا بھی نہایت ضروری ہے۔ کہ صحیح بخاری اور اُنکے ہمخیال و ہم مذاق محدثین کے علاوہ دیگر مفسرین و محدثین نے بھی اسی تفصیل و تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو اپنی اپنی تالیفات میں درج کیا ہے۔ جس تفصیل سے امام محی السنۃ بغوی، امام المغازی والسیرۃ ابن اسحاق

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ ابن حفص بن غیاث قال حدثنا الاعمش قال حدثنی عمرو بن مرۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما نزلت وانذر عشیرتک الاقربین صعد النبی علی الصفا فجعل ینادی یا بنی فھر یا بنی عدی ببطون قریش حتی اجتمعوا فجعل الرجل اذا لم یستطع ان تخرج ارسل رسولا لینظر ما ھؤلاء فجاء ابو لھب و قریش فقال ارایتکم لو اخبرتکم ان خیلا بالوادی ترید ان تغیر علیکم اکنتم مصدقی قالوا نعم ما جربنا علیک الا صدقا قال فانی لکم نذیر بین یدی عذاب شدید فقال ابو لھب تبا لک سائر الیوم الھذا جمعتنا فنزلت تبت یدا ابی لھب و تب ما اغنی عنہ مالہ و ما کسب حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنا سعد بن المسیب و ابو سلمۃ بن عبد الرحمن ان ابا ھریرۃ قال قام رسول اللہ صلعم حین انزل اللہ وانذر عشیرتک الاقربین قال یا معشر قریش او کلمۃ نحوھا اشتروا انفسکم لا اغنی عنکم من اللہ شیئا یا عباس ابن عبد المطلب لا اغنی عنک من اللہ شیئا و یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ لا اغنی عنک شیئا تابعہ اصبغ عن ابن وھب عن یونس عن شھاب صفحہ ۷ جلد ۳ صحیح بخاری شریف

مضمون وہی ہے جو اُوپر پہلی روایتوں میں لکھا گیا۔ اسلئے ترجمہ کی طوالت بے ضرورت ہے۔ ان روایات کے اختلاف کو صرف ملاحظہ فرمائیے پہلی روایت باب المناقب میں ہے۔ کہ جب آیہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی۔ تو حضرت پکارنے لگے۔ اے بنی فہر اے بنی عدی اور اس روایت میں ہے کہ حضرت کوہ صفا پر چڑھکر پکارنے لگے۔ جو صریح مخالف روایت اوّل ہے (۲) روایت اوّل میں کوئی ذکر اُنکے اجماع وغیرہ کا نہیں ہے اور اس روایت میں یہ اہتمام دکھلایا گیا ہے۔ کہ جو آ نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنا قاصد بھیجدیتا تھا۔ اور نام کسی کا بھی نہیں تبلایا گیا سوائے ابولہب کے (۳) روایت اوّل میں کوئی ذکر حضرت کے کلام یا گفتگو کرنے کا نہیں ہے۔ اور یہاں ابولہب کا آنا اور حضرت سے وجہ تداریافت کرنا اور پھر ایسی سخت کلامی کرنا کہ ابولہب کے بارے میں سورۂ تبت یدا کا نازل ہونا (۴) روایت اوّل میں جو ابوہریرہ سے منقول ہے۔ اُس میں فرزندان عبد مناف و عبد المطلب کے بعد حضرت صفیہ اور جناب سیدہؑ کا نام ہے۔ اور یہاں حضرت عباسؓ کا نام بڑھا دیا گیا۔ (۵) روایت اوّل میں جناب سیدہؑ اور صفیہ دونوں سے فرماتے ہیں۔ کہ جو چاہو میرے مال میں سے مطالبہ کرو۔ صرف یہ خطاب یہاں

اور امام طبری وغیرہم نے نقل فرمایا ہے۔ اُن کی کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

تفسیر خازن۔ تفسیر سراج المنیر۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر واحدی۔ تفسیر ابن مردویہ۔ تفسیر ابن ابی حاتم۔ کنز العمال۔ دلائل النبوۃ۔ حلیۃ الاولیاء۔ ذخیرۃ المآل عجیلی۔ مختارہ ضیاء مقدسی۔ تہذیب الآثار طبری۔ کتاب الاکتفاء۔ تاریخ کامل ابن اثیر۔ تاریخ ابو الفدا۔ تاریخ روضۃ الصفا۔ تاریخ حبیب السیر۔ معارج النبوۃ۔ مدارج النبوۃ۔ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ صاحب۔

تبلیغ اسلام کے اس عظیم ترین واقعہ کو جس پر گویا اساس اسلام قائم ہوئی۔ شبلی صاحب نے چند الفاظ میں لکھکر تمام کر دیا ہم جانتے ہیں۔ یہ آپ کی اختصار پسندی اور کوتہ قلمی کا خاص مقام ہے۔ اور ان واقعات وحالات کی تشریحات وتفصیلات کی راہوں سے آپ ہمیشہ خموشی اور عجلت کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ لیکن نکلنے نہیں پاتے۔ حقیقت سدراہ ہو جاتی ہے۔ ع کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست۔ ان اسلامی علماء ومحدثین، فضلاء ومحققین کو جانے دیجئے۔ جنہوں نے آپکے خلاف اسکی اہمیت کو اس تفصیل سے لکھا ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ تقلید اسلاف کے اُصول قدیم کے بالکل خلاف کیا۔ لیکن حقیقت تو کسی سے چھپنے والی نہیں۔ اپنا ہو یا پرایا۔ آپ اس کا کیا علاج کر سکتے تھے۔ آپنے تو حتی الامکان بہت روک تھام کی۔ لیکن بالکل ناکامیاب رہے۔

بقیہ عبارت حاشیہ: جناب سیدہ سے ہوتا ہے حضرت صفیہ سے نہیں کیا کوئی ایسی کتاب کو جسکے صرف ایک واقعہ میں اس قدر اختلاف و تناقض موجود ہو صحیح کہہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں حالانکہ دونوں کے راوی اول حضرت عبد اللہ بن عباس ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ اب اسکی شرح میں ابن حجر عسقلانی کی گہرافشانی ملاحظہ ہو۔ هذا من مراسيل الصحابة وبذالك جزم به الاسمعيلي لان اباهريرة انما اسلم بالمدينة وهذه القصة وقعت بمكة وابن عباس كان حينئذ مالم يولد واما طفلا۔ یہ حدیث مراسیل صحابہ سے ہے۔ جسکو بلا سند بیان کرتے ہیں۔ اسماعیلی نے اسکے ساتھ جزم واحتیاط کی ہے۔ کیونکہ ابو ہریرہ اسکے بہت دنوں کے بعد مدینہ میں اسلام لائے۔ اور یہ واقعہ مکہ میں ہوا۔ اور ابن عباس اُسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور بہت بچے تھے۔

حدیث مرسل کا ضعف تو ثابت ہو گیا۔ پھر فرمایئے کہ یہ حدیث مندرج صحیح بخاری کیونکر ہو سکتی ہے جس کا راوی شریک واقعہ کیا اُس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ دوسرا راوی نہ وہاں موجود تھا اور نہ اُسوقت تک مسلمان ہوا تھا۔ اور جس شخص کی دونوں آنکھوں کے سامنے بلکہ دونوں ہاتھوں سے یہ واقعہ اور اُسکے سامنے سامان فراہم اور انجام دیئے گئے ہیں۔ اُسکی شہادت عینی کی بخاری صاحب تصدیق نہیں فرماتے جسکو باشنا اُنکے سواد اعظم کے تمام محدثین مفسرین صاحب سنن اور مورخین نے بمرتبہ متواتر لکھا ہے۔ اور بیان کیا ہے۔ اب حدیث مرسل اور تفصیلی حقیقت تدریب الراوی، امام سیوطی کی جسکا اکثر حوالہ شبلی صاحب اپنی سیرۃ النبی میں دیتے ہیں۔ مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

ثم المرسل حديث ضعيف لا يحتج به عند جماهير المحدثين والشافعي كما حكاه عنهم مسلم في صدر صحيحه وعبد البر في التمهيد وحكاه الحاكم عن ابن المسيب ومالك وكثير من الفقهاء واصحاب الاصول

حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہیں۔ جن سے احتجاج نہیں ہو سکتا جمہور محدثین۔ اور شافعی کا یہی مختار ہے جیسا کہ مسلم نے اپنی صحیح کے شروع میں اور

دعوت قریش اور عیسائی مؤلفین کی تحقیق

حقیقت کا یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ چودہ سو برسوں کے بعد اسکی عظمت و اہمیت نے آپکے ایسے سویدین اسلام پر اثر نہیں۔ تو مخالفین کے قلوب پر پورے طور سے اثر کیا۔ اور اتنی مدت دراز کے بعد اسواقعہ کی حیرت خیزی اور تعجب انگیزی صداقت اور حقیقت کو جیسے اور جتنے الفاظ میں انہوں نے بیان کیا ہے۔ ویسے ہی اور اُتنے الفاظ میں آپ نے نہیں۔ وجہ یہ تھی۔ کہ وہ حقیقت پسند تھے۔ اور آپ اپنے مطلب کے عرض مند۔ ہم ان کے چند اقوال و مختار ذیل میں قلم بند کرتے ہیں۔

مسٹر جان ڈیونپورٹ اپنی کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ ہز قرآن میں لکھتے ہیں APOLOGY FOR MOHAMMAD & HIS QURAN محمد صلعم نے مخالفین کی مخالفت کا کچھ خوف نہ کیا۔ اور دوبارہ چند مہمان اپنے خاص قبیلے کے جمع کئے۔ اور اُن لوگوں کے سامنے بھیڑ کا گوشت اور ایک پیالہ دودھ کا رکھا۔ اس بے تکلف ضیافت کے بعد وہ اُٹھے۔ اور اپنے پاکیزہ صفات بیان کر کے اپنے دلکی فطری خوش بیانی (آجتک یادگار ہے) اس درخواست کے ساتھ ختم کی۔ کہ کون تم میں اس بارگراں کی برداشت کرنے میں مدد کریگا۔ اور کون شخص میرا نائب اور وزیر ہوگا۔

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ امام عبد البر نے اپنی تمہید میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور حاکم نے بھی ابن مسیّب مالک اور بہت سے فقہا و اصولین کا بھی مسلک بتلایا ہے۔ تدریب الراوی ص ۶۶ امام نووی لکھتے ہیں فی شرح المھذب المرسل لا یحتج بہ عندنا و عند جمہور المحدثین وجماعۃ من الفقہاء وجماہیر اصحاب الاصول والنظر قال وحکاہ الحاکم ابو عبد اللہ عن سعید ابن المسیب ومالک وجماعۃ اھل الحدیث والفقہاء۔ ص ۷۰ امام نووی کہتے ہیں۔ کہ مرسل سے احتجاج نہیں ہو سکتا ہمارے نزدیک۔ نہ جمہور اصحاب اصول کے نزدیک۔ نہ صاحبان نظر کے نزدیک۔ اور حاکم نے سعید بن المسیب اور مالک و جماعت اہل حدیث و فقہاء سے اسی مختار کی حکایت کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف حضرت علیؑ کی عداوت اور آپکے فضائل و مناقب چھپانے کی غرض سے بخاری نے روایت متصل کے ہوتے ہوئے مراسیل روایت سے کام لیا۔ سویدین مراسیل بخاری نے جو طوفان تائید بخاری میں اُٹھائے ہیں۔ اسکو ہم اگر تفصیل سے لکھیں۔ تو بہت طوالت ہو جائیگی۔ فتح المغیث میں ص ۷۵ اس بحث کو کامل تفصیل سے لکھا ہے۔ اور اخیر میں جب مراسیل صحابہ کی صحت پر تصفیہ ٹھیرا جیسا کہ تعلی صاحب کا بھی مسلک ہے (دیکھو دیباچہ) تو پھر اس تصفیہ پر بھی اتفاق نہ ہو سکا۔ فتح المغیث میں نتیجہ بحث کے موقع پر یہ فیصلہ کن الفاظ مرقوم ہیں وبالغ بعضھم فی المضئیق فرد مراسیل الصحابۃ یہانتک مبالغہ کیا گیا۔ کہ مراسیل صحابہ کو بھی رد کر دیا گیا ص ۷۵ اسکے ثبوت میں فتح المغیث کی یہ عبارت ملاحظہ ہو انہ قال فی الحدیث ابی عبیدۃ عن عبد اللہ بن مسعود انہ سئل کان عبد اللہ مع النبی صلعم لیلۃ الجن قال لا ابو عبیدہ نے جو عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی تو پوچھا گیا۔ کہ عبد اللہ آنحضرت صلعم کے ساتھ لیلۃ الجن میں تھے یا نہیں۔ کہا گیا نہیں۔ حالانکہ عبد اللہ بن مسعود جلیل القدر صحابی ہیں۔ اور قصہ جن داخل قرآن ہے۔ مگر صرف اسوجہ سے کہ وہ اُسوقت آنحضرت صلعم کے ساتھ نہ تھے اسلئے یہ روایت مقطوع قرار پائی۔ تو یہ روایتیں ابن عباس اور ابو ہریرہ کی کب قابل قبول ہو سکتی ہیں۔ جو اُسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے

جس طرح ہارونؑ موسیٰؑ کے وزیر تھے۔ کل مجمع تعجب کے ساتھ سکوت میں ہوگیا۔ اور کسی کو اس مجوزہ عہدہ خوفناک کے قبول کرنیکی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن نوجوان۔ پرزور علیؑ (محمدؐ کے چچازاد بھائی) نے اُٹھ کر اور للکار کر کہا۔ اے نبی اللہ میں آپکا نائب اور وزیر ہونگا۔ اگرچہ میں درحقیقت ان لوگوں سے کم سن ہوں۔ اور میری طاقتیں ان لوگوں کے مقابلہ میں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ اے نبی میں ان لوگوں پر تمہارا نائب ہونگا۔ محمد صلعم نے اپنا ہاتھ علیؑ کی گردن میں ڈالدیا۔ اور اُنکو اپنے سینہ سے لگا کر با آواز بلند کہا۔ کہ دیکھو میرے بھائی اور میرے وزیر کو۔

مسٹر کارلائل اپنی کتاب ہیروز میں۔ جس کا اکثر حوالہ شبلی صاحب نے بھی دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

اگرچہ یہ مجمع جسمیں علیؑ کے باپ ابوطالبؑ بھی تھے محمد (صلعم) کا دشمن نہ تھا۔ مگر تاہم سب لوگوں کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ آدمی اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں ملکر تمام دُنیا کے برخلاف کوشش کرینگے۔ ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی۔ اور تمام مجمع قہقہہ لگا کر منتشر ہوگیا۔ لیکن ثابت ہوگیا کہ یہ ہنسنے کے لائق بات نہ تھی۔ بلکہ ٹھیک اور درست تھی یہ نوجوان علیؑ ایسا شخص تھا۔ کہ ضرور ہے۔ کہ ہر ایک شخص اُسے پسند کرے اور اس امر سے جو اُوپر بیان کیا گیا ہے اور نیز اور باتوں سے جو ہمیشہ اُس سے ظہور میں آئیں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ محبت سے بھرپور۔ اور ایسا بہادر شخص تھا۔ کہ جسکی تیز و تند جرأت کے آگے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اس شخص کی طبیعت میں کچھ

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ اب ایک اور عالم خاص ملاحظہ ہو۔ بعض علمائے اہلسنت اسکے قائل ہوئے ہیں۔ کہ حدیث مراسیل حدیث مُسند پر مسمیٰ فتح المغیث میں ہے۔ صفحہ ۵۵ میں۔ ثم اختلفوا ھو اعلیٰ من المسند او دونہ او مثلہ او تظہر فائدۃ الخلاف عند التعارض والذی ذھب الیہ احمد وکثیر المالکیۃ والمحققون من الحنفیۃ کالطحاوی ابوبکر رازی بتقدیم المسند قال ابن عبد البر وشبھوا ذالک بالشھود یکون بعضھم افضل من بعض واقعد واتم معرفۃ و ان کان الکل عدولا جائزی الشھادۃ یعنی اسمیں اختلاف ہے کہ مرسل بہتر ہے مُسند سے یا کم ہے۔ یا برابر ہے۔ اس اختلاف کا نتیجہ تعارض کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ مذہب احمد اور اکثر مالکیہ اور محققین حنفیہ مثل طحاوی اور ابوبکر رازی یہ ہے کہ حدیث مُسند مقدم ہے ابن عبد البر کا قول ہے کہ یہ مشابہ ہے گواہی سے کہ بعض گواہی گواہ کی افضل ہوتی ہے بعض سے اگرچہ سب عدول اور جائز الشہادت ہوں۔ اس اختلاف سے یہ معلوم ہوا کہ بعض ایسے بھی عقلمند ہوئے ہیں۔ کہ مرسل کو ترجیح دیتے ہیں متصل پر۔ یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ محققین کا یہی مذہب ہے کہ حدیث مسند افضل ہے مرسل سے۔ تو اب کوئی بخاری صاحب کی روح سے پوچھے کہ آپنے حدیث مسند کے ہوتے ہوئے جو آپکے اُستاد امام حنبل کے مسند میں موجود ہے۔ کیوں اُس مسند کو چھوڑا۔ اور اس مرسل کو درج صحیح کیا۔ بجز استخفاف حق جناب علی مرتضیٰؑ اور کون امر باعث تھا۔

اب رد احتجاج حدیث مرسل بھی ملاحظہ ہو فتح المغیث میں ہے۔ وعلیٰ من ذلک مارویناہ فی الحلیۃ من طریق ابن مھدی عن ابن ھبیعۃ انہ سمع شیخا من الخوارج یقول بعد ما تاب ان ھذہ الاحادیث دین وانظر واعمن یاخذون دینکم وانا کنا اذا ھوینا امرا صیرناہ حدیثا انتھی وکذا قال شیخان ان ھذہ واللہ قاصمۃ الظہر

عجب طرز کی جوانمردی تھی۔ سیر سا تو بہادر تھا۔ لیکن باوجود اسکے مزاج میں ایسی نرمی۔ رحم اور سچائی تھی۔ کہ ایک سچے جین نائٹ KNIGHT CHRISTIAN (عیسائی دیندار مجاہد) کے شایان تھی

واشنگٹن آرونگ اپنی کتاب سکسیسرس آف محمدؐ میں SUCCESSORS of MOHAMED لکھتے ہیں

محمد صلعم نے باوجود اپنی پہلی کوشش میں ناکامیاب رہنے کے دوبارہ بنی ہاشم کی ایک جماعت کو اپنے مکان پر جمع کیا۔ اور ان کی ضیافت کی۔ پھر کھڑے ہو کر خدا کے الہامی حکم سے اپنے سلسلے کے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اور بآواز بلند فرمایا۔ کہ اے اولاد عبد المطلب جس خدا نے تم لوگوں کو افضل ترین نعمتیں عطا کی ہیں۔ اُسکے نام سے تم لوگوں کو اس دُنیا کی برکتیں اور آئندہ کی تمام خوشیاں بخشتا ہوں۔ پس تم میں سے کون شخص میرا بھائی میرا وزیر اور میرا جانشین ہوگا۔ یہ سن کر سب لوگ خاموش رہ گئے بعض لوگ تعجب کرتے تھے۔ اور بعض بے اعتقادی اور تمسخر سے ہنستے تھے۔ آخر کار علیؓ نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ پیغمبر کے حضور میں عرض کی۔ کہ اے پیغمبر صلعم میں حاضر ہوں۔ محمد صلعم نے اپنے ہاتھ اس جوان کی گردن میں ڈالدیئے۔ اور اُنکو اپنے سینہ سے لگا کر بآواز بلند فرمایا۔ کہ تم سب لوگ میرے بھائی۔ میرے وزیر اور میرے جانشین کو دیکھ لو۔ اور اُس کی فرمانبرداری کرو۔ نوجوان علیؓ کے اس جرأت و مستعدی پر قریش نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگا کر اس کم سن خلیفہ کے باپ کو۔ (ابی طالبؓ) کو اپنے بیٹے کے سامنے جھکنے اور اُس کی فرمانبرداری کرنے پر ملامت کی۔

مسٹر گبن۔ ایم۔ پی MR GIBBON M.P اپنی تاریخ اقبال و ادبار روما میں لکھتے ہیں۔

بقیہ عبارت حاشیہ :- للمحتجین بالمرسل اذ بدعة الخوارج كانت فی مبدء الاسلام والصحابة متوافرون ثم فی عصر التابعين فمن بعدهم وهؤلاء كانوا اذا استحسنوا امرا جعلوه حديثا واشاعوه فربما سمع الرجل الشیٔ فحدث به ولم يذكر من حدثه به تحسينا للظن فيحمله عنه غيره ويجیٔ الذی يحتج بالمقاطع فيحتج به مع كون اصله ما ذكرت فلاحول ولا قوة الا بالله واما الالزام بتعاليق البخاری فهو قد علم شرطه فی الرجال و تقييده بالصحة بخلاف التابعين اس سے بڑھ کر تو وہ روایت ہے۔ جو بطریق ابن مہدی ابن لہیعہ سے مروی ہے۔ کہ ایک شخص خارجی کو کہتے ہوئے سُنا کہ وہ کہتا تھا۔ یہ حدیثیں اصل دین ہیں۔ پس دیکھیں۔ کہ تم کس سے اپنا دین لیتے ہو۔ کیونکہ ہم لوگوں کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی بات پسند آتی تو اسکو حدیث بنا لیتے۔ اس بنا پر ہمارے شیخ نے کہا۔ کہ اس حدیث نے پورے طور پر اُن لوگوں کی کمر توڑ ڈالی ہے جو حدیث مرسل کو حجت جانتے ہیں۔ کیونکہ خوارج تو زمانہ صحابہ سے چلے آتے ہیں جبکہ صحابہ بکثرت تھے۔ پھر زمانہ تابعین میں بھی اُنکی ایسی ہی کثرت تھی۔ اور اُنکا دستور تھا کہ جس امر کو پسند کرتے اُسکو حدیث بنا لیتے اور شائع کر دیتے۔ جس سے اکثر ہوتا۔ کہ سُننے والے بوجہ حسن ظن کے اُسکو قبول کر لیتے اور دوسروں سے بیان کر دیتے۔ جسکو وہ سُنکر غیروں کو بیان کرتے اور پھر اس سے وہ استدلال کرتے۔ جو روایت مقطوع سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اُن کی اصلیت یہ ہوتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ رہ گیا الزام تعالیق بخاری کا۔ تو وہ ایسے شخص ہیں۔ کہ اُنکا حال شرائط رجال اور قید صحت معلوم ہے بخلاف تابعین کے۔

اس روایت نے جہاں یہ بتایا۔ کہ مراسیل سے استدلال بالکل غلط ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بخاری کی روایتیں اسی قسم کی ہیں اور اُنھیں کی

محمد صلعم نے اظہار دعوت میں تامل فرمایا اُسوقت تک کل ۴۱ آدمی ایمان لاچکے تھے۔ لیکن چوتھے برس اُنہوں نے باعلان اپنی رسالت کی طرف عام دعوت فرمائی۔ اور تصدیق وحدانیت کا نور پھیلانے کی غرض سے اُنہوں نے خاندان بنی ہاشم سے چالیس آدمیوں کو مدعو کیا۔ اور اُن کیلئے سامان ضیافت مہیا فرمایا۔ بعدہٗ اُن لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اے دوستو اے عزیزو میں تم لوگوں کے لیئے افضل ترین نعمتیں دین و دُنیا کا خزانہ لایا ہوں جسکو میرے سوا دوسرا شخص نہیں دے سکتا خدا نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ تم لوگوں کو اُس کی عبادت کی طرف بلاؤں۔ پس تم لوگوں میں سے کون میرا رفیق اور وزیر ہوگا۔ پیغمبر صاحب کے اس سوال کا کچھ جواب نہ دیا گیا حتی کہ وہ حقارت رشک اور تعجب کی خاموشی حضرت علیؑ کی جرأت سے دفع ہوئی۔ جو اُسوقت ایک چہاردہ سالہ نوجوان تھے۔ اُنہوں نے عرض کی اے نبی اللہ میں ہر طرح اس کام میں آپکی نصرت اور رفاقت کیلئے حاضر ہوں۔ میں مخالفین کی آنکھیں نکال لونگا۔ اُنکے دانت توڑ ڈالونگا۔ اے نبی اللہ میں آپ کی وزارت کیلئے حاضر ہوں۔ محمد صلعم نے علیؑ کے التماس کو جوش کے ساتھ قبول فرمایا۔ اور حاضرین نے ابوطالبؑ کو اپنے لڑکے کے اس عزت پانے پر طنزیہ کلمات کہے

عیسائی مورخین کے مندرجہ بالا بیانات سے ہمارے غرض شہادت واقعہ سے نہیں ہے۔ بلکہ شہرت واقعہ سے طالبان تحقیق پر

بقیہ عبارت حاشیہ۔ تعلیقات نے زیادہ حیرانی میں سب کو ڈالدیا ہے۔ کیونکہ وہ تنہا ایسی روایتوں ہی کو درج صحیح نہیں کرتے۔ بلکہ اُنکے اکثر مشائخ بھی خوارج تھے جو اس قسم کی بیدینی پھیلاتے تھے۔ کہ جس قسم کی چاہے حدیث بنالیے اور وہ درج صحاح ہو جاتی۔ امام سیوطی تقریب میں لکھتے ہیں

السابعة من كفر ببدعة لم يحتج به بالاتفاق ومن لا يكفر قيل لا يحتج به مطلقا وقيل يحتج به ان لم يكن ممن يستحل الكذب فی نصرة مذهبه او لاهل مذهبه وحكی عن الشافعی وقيل يحتج به ان لم يكن داعية وهذا هو الاظهر الاعدل وقول الكثير والاكثر وضعف الاول باحتجاج صاحبی الصحيحين وغيرهما بكثير من المبتدعة غير الدعاة

(منقول از تدریب الراوی سیوطی) یعنی جو شخص بوجہ بدعت کافر ہو اُس سے بالاتفاق استدلال نہیں ہوسکتا۔ رہے وہ لوگ جو بوجہ بدعت کافر نہیں ہوئے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض مطلقاً منع ہیں بعض جائز جانتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنے مذہب یا اہل مذہب کی نصرت میں کذب کو حلال نہ جانتا ہو۔ یہ قول شافعی کا ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مذہب بدعت کا داعی نہو تو جائز ہے۔ اور اگر داعی ہو تو ناجائز یہی قول ظاہر اکثر اعدل ہے مگر قول اول اسوجہ سے ضعیف کر دیا گیا ہے کہ شیخین نے صحیحین میں اکثر بدعتیوں سے روایت کی ہے الاول قيد جماعة قبول غير الداعية اذا لم يروا ما يقوی به عنه صرح بذلك الحافظ ابو اسحق الجوزجانی شيخ ابوداؤد والنسائی قال فی كتاب معرفة الرجال ومنهم زائغ عن الحق ای عن السنة الصادق اللهجة فليس فيه حيلة الا ان يوخذ من حديثه ما لا يكون منكرا اذا لم يقويه بدعته وبه جزم شيخ الاسلام فی النخبة وقال فی شرحه ما قال الجوزجانی يتجه لان البلية التی لها وحديث الداعية واراده فيما اذا كان ظاهر هذا المروی يوافق المبتدع ولو لم يكن داعية الثانی قال العراقی اعترض عليه بان الشيخين ايضا احتجا بعبد الحميد

ثابت ہوگیا کہ حقیقت پوری تفصیل وتشریح کے ساتھ کتنی مشہور ومعروف ہے۔ کہ ایشیا سے لیکر یورپ تک تمام صاحبان تحقیق اس سے پورے واقف ہیں۔ اور اسلامی مورخین ومحدثین کیا غیر مسلم مولفین ومحققین نے بھی اصلی ماخذوں اور عربی کتابوں سے اس کو لیکر اپنی اپنی تالیفات وتصنیفات میں قلم بند فرمایا ہے۔

پھر ہم یاد دلاتے ہیں۔ کہ حقیقت کسی کے بھی چھپائے چھپ نہیں سکتی۔ اس لیے کہ حقیقت ہے۔ بخاری صاحب اور اُنکے ہم نوا وہمخیال حضرات نے اسے لاکھ چھپایا۔ اور اُنکی معانی ومطالب کو گھٹایا۔ لیکن حقیقت کے جبروت نے اُنھیں کے ایسے بیشمار علماء ومحدثین سے تو لکھوایا ہی تھا۔ مخالفین اور اغیار سے بھی حقیقت کے تفصیلی واقعات کا اعتراف کرا ہی چھوڑا۔ اب رہی بخاری صاحب کی طلسمی قلمکاری۔ اُس کی حقیقت عبارت حاشیہ سے پورے طور پر واضح اور روشن ہو کر سوید بخاری کے لیے عبرت آموز ہے۔

نبوّت کا پانچواں سال

کفار قریش کے اسباب مخالفت ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ کہ ابتداً کفار قریش اگرچہ مخالفت اسلام کے صیغہ میں خموش رہتے تھے۔ لیکن اسلام کے نام سے اُن کو ایسی فطرتی نفرت تھی کہ اس کے ذرا سے اظہار واعلان پر چراغ پا ہو جاتے تھے۔ اور دبی ہوئی چنگاری کی طرح فوراً بھڑک اُٹھتے تھے۔ اور غربائے مسلمین پر جو اسوقت تک محض اُنگلیوں پر شمار کے قابل تھے ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور اُنکی غریب جانوں پر قیامت کے ظلم وستم ڈھاتے تھے۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

تفصیل سے پہلے ہمیں چاہیے کہ مشرکین قریش کے عام طبقہ میں مخالفت اسلام کے اسباب تلاش کریں۔ اور یکجا کرکے اُنکو مفصل اور مسلسل طریقہ سے بتلا دیں اور دکھلا دیں کہ ہر شخص اُن کی مخالفت کے بیرونی اور اندرونی اسباب کو کماحقہٗ سمجھ لے۔ حدیث وتاریخ کی کتابوں میں یہ اسباب وعلل ایک جگہ جمع کرنے کی ترکیب کے خلاف مختلف مقامات میں اہمیت واقعات کی رعایت ومناسبت کے اعتبار سے جمع کیے گئے ہیں۔ صاحب رحمۃ العالمین نے مجمل طور سے اور شبلی صاحب نے مفصل طریقہ سے ان تمام توجیہات کو سیرۃ النبیؐ میں مندرج فرمایا ہے۔ ہم اُسی کی نقل وخلاصہ کو اپنے مدعائے بیان کے لیے کافی سمجھ کر حسب ذیل لکھتے ہیں۔

قریش کی مخالفت اور اُسکے اسباب یہ تھے۔ مکّہ کی جو عزت تھی، کعبہ کی وجہ سے تھی، قریش کا خاندان جو تمام عرب پر

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ بن عبدالرحمٰن الجمانی وکان داعیۃ الی الارجاء واجاب بان داؤد قال لیس فی اھل الھوٰی اصح حدیثا من الخوارج ص ۱۱۹ یعنی جماعت محدثین نے جو قبول روایت اہل بدعت میں یہ قید لگائی ہے۔ کہ وہ داعی نہ ہو اور ایسی روایت نہ کرے۔ جس سے اُسکے مذہب کی تقویت ہوتی ہو جسکی تصریح کی حافظ ابو اسحاق جوزجانی نے جو ابو داؤد اور نسائی کے شیخ ہیں۔ اور شیخ الاسلام نے بھی اسی کے ساتھ جزم کیا ہے۔ اور کہا کہ وجہ اسکی یہ ہے۔ کہ وہ جب ایسی روایت کرے۔ جو اُسکے مذہب کے موافق ہو تو

مذہبی حکومت رکھتا تھا۔ اور جسکی وجہ سے وہ ہمسائیگان (جار اللہ) خدا الملکہ آل اللہ[1] خاندان الٰہی کہلاتے تھے۔ اسکی صرف وجہ یہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے۔ اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا۔ آغاز اسلام میں جو لوگ قریش کے رؤسا اعظم تھے۔ اور جن کے آثار و اقتدار تمام مکہ پر تھے۔ اُن کے نام یہ ہیں۔

(۱) ابوسفیان بن حرب۔ معاویہ کا باپ۔ حرب فجار میں قریش کا سپہ سالار۔

(۲) ابولہب — آنحضرت کا عم نافہم۔

(۳) ابوجہل — ولید بن المغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار۔

(۴) ولید بن مغیرہ — خالد کا باپ۔ قریش کا رئیس اعظم۔

(۵) عاص ابن وائل — عمر بن عاص کا باپ نہایت کثیر المال کثیر الاولاد۔ اور صاحب اثر تھا۔

(۶) عتبہ بن ربیعہ — معاویہ کا نانا۔ نہایت شریف الطبع[2] اور صاحب ریاست تھا۔

اِن کے سوا۔ اسود ابن عبد المطلب۔ اسود بن عبد یغوث۔ نضر بن الحرث بن کلدہ۔ اخنس بن شریق ثقفی ابی بن خلف عقبہ ابن معیط۔ اموی اور ابو البختری وغیرہم صاحب اثر تسلیم کئے جاتے تھے۔

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ سو وہ رد کر دی جائیگی۔ عراقی نے کہا کہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شیخین نے تو ایسے ایسے بدعتیوں سے بھی روایت کی ہے جو اپنے مذہب خاص کے داعی تھے مثل عمر بن حطان کے جو خارجیوں کا داعی تھا۔ اور بخاری و مسلم نے عبد الحمید بن عبد الرحمٰن حمانی سے استدلال کیا ہے۔ جو مذہب ارجاء کا داعی تھا۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ داؤد کہتے ہیں۔ کہ خوارج سے بڑھ کر کوئی صادق اللہجہ نہیں ہے۔ یہ کیوں بصرف اسلئے کہ بخاری نے اِن سے روایت لی ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان جسقدر شیخین کے حالات پر غور کریگا۔ اُسی قدر اُس کی حیرت بڑھتی جائے گی۔ کیونکہ کوئی قاعدہ ایسا نہیں ہے۔ کہ محدثین اہلسنت نے ترتیب نہ دیا۔ اور بخاری و مسلم نے اُسکو اپنے طرز عمل سے توڑ نہ دیا ہو کیونکہ دو نمونے تو دیکھ چکے گئے کہ حدیث مرسل

[1] جار اللہ ہو یا آل اللہ۔ جو چاہیں قریش اپنے لئے نام و لقب اختیار کریں۔ لیکن اس سے ثابت ہے کہ اہلبیت کا مقدس خطاب و القاب اسوقت تک انہیں بزرگواروں کا مخصوص تھا جنکی نسبت مخصوصہ قرآن مجید کے الفاظ مخصوصہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الخ میں موجود ہیں ؛ لیجئے اس قول سے معلوم ہوا کہ کوئی قاعدہ جو شیخین کی وجہ خاص سے درست نہیں رہ سکتا۔ عدم قبول حدیث مرسل کا قاعدہ بخاری کیوجہ سے شکست ہوا۔ بدعتیوں سے روایتوں کا رواج صاحبین صحیحین سے ہوا۔ آخر یہ قاعدہ بھی شیخین کی بدولت نہ قایم رہ سکا۔ آخر میں یہ بتایا گیا کہ اگر وہ بدعتی اپنے مذہب کا داعی نہ ہو۔ تو اُس کی روایت نہ لی جائے۔ اسکے متعلق امام سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں۔

[2] تعجب ہے کہ شبلی صاحب عتبہ بن ربیعہ سے دشمن رسولؐ کو شریف الطبع کے اوصاف سے موصوف بتلاتے ہیں۔ کیا بدر کے واقعات آپ کو فراموش ہوگئے۔ کیا شیبہ اور ولید ابن عتبہ کی اسلام سے مخالفت اور معرکہ بدر میں شارکت آپ نے خود سیرۃ النبیؐ میں نہیں لکھی ہے۔ ان کا تمام خاندان بھائی بیٹا اور سب سے بڑھ کر ان کی صاحبزادی۔ ہندہ جگر خوار کی خونخواری کے حال پڑھ کر کوئی کہہ سکتا ہے۔ یہ لوگ شریف طبع تھے

المولف سید اولاد حیدر عفی عنہ

پہلا سبب۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ خاندان بنی ہاشم اور بنو امیہ[1] برابر کے حریف تھے۔ اور دونوں میں مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی۔ ناتربیت یافتہ اور تندخو قوموں کا خاصہ ہے۔ کہ کوئی تحریک جو انکے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ہو اُن کو سخت برہم کر دیتی تھی اُنکے ساتھ اُن کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی تھی۔ اور اُن کی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز نہیں بجھا سکتی تھی۔ آج ہندوستان اسقدر مہذب ہوگیا ہے۔ لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جائے۔ تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے۔ اور اگر حکومت موجودہ منتظم اور صاحب ثروت نہ ہوتی۔ تو اس سرزمین پر خون کا بادل برس چکا تھا۔

دوسرا سبب۔ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا۔ خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) میں تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی۔ ہُبل خدائے اعظم تھا۔ یہی بت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے۔ پانی برساتے تھے اولاد دیتے تھے۔ معرکہائے جنگ میں فتحیں دلاتے تھے۔ خدا یا تو سرے سے نہ تھا یا تھا تو وجود معطل تھا۔ اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو تو ڑ اُر برباد کر دینا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا اس لیئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا۔ وہ اُسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔ قریش کا رئیس اعظم حرب بن اُمیہ تھا۔ چنانچہ حرب فجار میں وہی سپہ سالار اعظم تھا۔ لیکن حرب کے مرنے کے بعد ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ اسلیئے ولید بن مغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی تھی۔ ابوجہل اُسی کا بھتیجا تھا۔ اور وہ بھی قریش میں اعتبار رکھتا تھا

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ عام طور سے ضعیف ہوتی ہے۔ مگر بخاری کا دارومدار زیادہ تر مراسیل ہی پر ہے (۲) اہل بدعت کی عموماً اور خوارج کی خصوصاً تمام روایتیں قابل احتجاج نہیں۔ لیکن بخاری نے اس قدر روایتیں خوارج سے لیں۔ کہ آخر یہ کہنا پڑا کہ خوارج سے زیادہ کوئی صادق اللہجہ نہیں کیونکہ ایک نہیں صدہا خوارج رواۃ صحیح بخاری سے ہیں۔ امام سیوطی نے ایک مختصری فہرست۔ خوارج راویان بخاری کی دی ہے۔ جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے وکلھم اھل البدعۃ ممن اخرج لھم البخاری و مسلم واحدھا و ھم یہ سب کے سب اہل بدعت تھے۔ اور اُن سے اکیلے یا ملکر مسلم و بخاری نے روایت کی ہے۔ نام یہ ہیں۔

ابراہیم بن طہمان[1]۔ ایوب بن عائذ الکائی[2] ذر بن عبد اللہ موہبی[3]۔ شبابہ بن سوار[4]۔ عبد الحمید بن عبد الرحمٰن[5]۔ ابو یحییٰ حمانی[6] عبد الحمید بن عبد العزیز بن داؤد[7] عثمان بن غیاث البصری[8]۔ عمر بن ذر[9]۔ عمرو بن مرۃ[10]۔ محمد بن حازم[11] ابو معاویۃ الضریر[12] ورقاء بن عمیر الشکری[13]۔ یحییٰ بن صالح الوخاظی[14]۔ یونس ابن بکیر[15] ھولاء رموا بالارجاء وھو تاخیر الحکم فی الحکم علی مرتکب الکبائر بالنار۔ یہ لوگ تو وہ تھے جو مذہب ارجاء میں داخل کر

[1] شبلی صاحب مساوات فیما بین بنو ہاشم اور بنی اُمیہ کا دعوے کرتے ہیں تو حقدار کون تھا اور ناحق کون۔ اسکا بھی اظہار کر دیا جائے۔ لیکن اب ایسا نہیں کر سکتے۔ بنو اُمیہ کی جانب داری جو آپ کا لازمہ فطرت ہے۔ اور جس کا انتظام آپ نے شروع تالیف سے قائم کیا ہے صاف صاف کھل جائے گی اور تمیم مساوات کا طلسم جو باندھا گیا ہے برباد ہو جائے گا۔ کوئی تاریخ کوئی سیرت اس مساوات کو نہیں لکھتی۔ المولف سید اولاد حیدر عفی عنہ

ابو سفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کر سکا۔ لیکن بنو امیّہ کے خاندان کا سردار وہی تھا۔ خاندان ہاشم میں سب سے ممتاز اور کبیر السن ابو لہب[1] تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔ قبیلہ سہم میں سب سے زیادہ اثر عاص ابن وائل کا تھا۔ جو نہایت دولتمند اور کثیر الاولاد تھا۔ قریش کی عنان حکومت انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ اور یہی لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی۔ قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن عبد المطلب۔ اسود بن عبد یغوث۔ نضر بن الحرث اُمیہ بن خلف۔ عقبہ بن معیط الاسدی انھیں لوگوں کے زیر اثر تھے اور اس وجہ سے اعدائے اسلام میں انکے نام ہر جگہ نمایاں نظر آتے ہیں

قریش کا یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصب عظیم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم (وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو اُترنا تھا تو اُن دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے رئیس اعظم پر اُترتا (یعنی ولید بن ربیعہ اور ابو مسعود ثقفی) عرب میں ریاست کے لیے دولت اور اولاد ضروری شرط تھی۔ اولاد کی نسبت اکثر وحشی قوموں میں ہندوستان میں بھی یہ خیال رہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہ ہو۔ وہ عالم آخرت کے برکات سے محروم رہتا ہے۔ قریش میں اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے وہ ولید بن مغیرہ اُمیہ بن خلف عاص بن وائل السہمی اور ابو مسعود ثقفی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن اوصاف سے خالی تھے۔ دولت کے غبار سے آپ کا دامن پاک تھا اور اولاد ذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔[2]

تیسرا سبب قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی جسکی یہ وجہ تھی کہ ابرہۃ الاشرم (شاہ حبش) جو کعبہ ڈھانے کو آیا تھا، وہ عیسائی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قریش کو عیسائیوں کے مقابلہ میں پارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ایران اور روم کی جنگ میں ایرانیوں کو فتح ہوئی۔ تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ اور مسلمان دل شکستہ ہوئے۔ چنانچہ یہ آیت اُتری۔

بقیہ عبارت حاشیہ: ...اور نگہبان کعبہ کے دخول بالنار کے حکم لگانے میں تاخیر کا حکم دیتے تھے) اسحاق بن سوید العدوی[16]۔ نصر بن اسید[17]۔ جریر بن عثمان[18]۔ حصین بن نمیر[19] (قاتل امام حسین علیہ السلام) خالد بن سلمۃ الفأفاء[20]۔ عبداللہ بن سالم الاشعری[21]۔ قیس بن ابی حازم[22] هؤلاء رموا بالنصب وهو بغض علي وتقديم غيره عليه یہ وہ لوگ ہیں جو ناصبیت اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور ناصبیت بغض علی یعنی غیر کو آپ کے اوپر تقدیم دینے کا نام ہے تدریب الراوی ص ۱۲۰ پھر اسی کتاب میں ایک صفحہ کے بعد لکھتے ہیں وعكرمة مولى ابن عباس والوليد بن كثير هؤلاء اباضية وهم الخوارج الذين انكروا على علي التحكيم وتبرؤا عنه ومن عثمان وذويه وقاتلوه عکرمہ[23] ابن عباس کا غلام اور ولید بن کثیر[24] خوارج

---

[1] ابو لہب بنی ہاشم میں کبیر السن ضرور تھا لیکن ممتاز کب تھا؟ اور حضرت ابی طالب کے مقابلہ میں یہ سکو امتیاز و اعزاز خاندانی کس نے دیا۔ سوائے شبلی صاحب کے اور کس کو بتلایا جائے۔ افسوس ہے اپنی تردید آپ ہی کرتے ہیں آگے چلکر یہی ابو لہب کے حال میں لکھتے ہیں اس نے حرم محترم کے خزانے سے غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا۔ چور کو ممتاز کہنا شبلی صاحب کی خاص اصطلاح ہے۔

[2] ان اوصاف کے ساتھ مکاری عیاری۔ دغابازی اور حیلہ سازی کی خاص صفتیں کیوں چھوڑ دی گئیں۔ قرآن کی جگہ انہیں سند حوالہ اونٹ کو اونٹنی بتلانا۔ دومۃ الجندل کے فیصلے میں ابو موسیٰ الاشعری کو چل دیکر بیوقوف بنانا سب کچھ تو شبلی صاحب کی پیش نظر ہے۔ المولف عفی عنہ۔

غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ۔

(قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہو گئے مغلوب ہونے کے چند سال بعد پھر غالب آجائیں گے۔ خدا ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور تب مسلمان اللہ کی مدد سے خوشی منائیں گے۔

اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا مدینہ منورہ میں بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

چوتھا سبب۔ ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش میں دو قبیلہ نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے بنی ہاشم اور بنو امیہ۔ عبد المطلب نے اپنے زور و اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا۔ لیکن انکے بعد اس خاندان میں[1] کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا۔ ابو طالب دولت مند نہ تھے۔ عباس دولت مند تھے لیکن فیاض نہ تھے۔ ابو لہب بد چلن تھا۔ اسلئے بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابو سفیان ہی نے برپا کیں۔ اور وہی تمام لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔ عقبہ ابن معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت صلعم کا دشمن تھا۔ اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپکے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا ڈالی تھی۔

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ کے فرقہ رافضیہ سے تھے۔ جو تحکیم جناب علی مرتضیٰؑ کے منکر تھے۔ حضرت عثمانؓ سے تبرا کیا اور اُن کو معاذ اللہ کافر کہا ص ۱۲۱۔

اب تیسرا قاعدہ بھی ملاحظہ ہو۔ اسی تدریب الراوی سیوطی میں ہے الثالث الصواب انہ لا یقبل روایۃ الرافضۃ و ساب السلف کما ذکرہ فی المصنف فی الروضۃ فی باب القضاء و مسائل الاقناء تیسرا مذہب صحیح یہی ہے کہ رافضیوں کی اور اُن کی جو سلف کا سب کرتے ہیں روایت نہ لینی چاہیے۔ مصنف نے اسکو استفتاء و مسائل کے باب میں لکھا ہے امام مسلم نے اس قاعدہ کو بھی توڑ ڈالا اور تدریب الراوی میں ہے۔ قال الحاکم کتاب مسلم ملاء من الشیعۃ۔ امام حاکم کہتے ہیں۔ کہ صحیح مسلم تو شیعہ راویوں سے بھری پڑی ہے۔ اب صحیح مسلم کی توثیق دیکھی جاوے تو اسی کتاب میں ہے عن ابو علی النیشاپوری شیخ الحاکم قال ما تحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب مسلم ص ۱۲۶۔ ابو علی نیشاپوری امام حاکم کے اُستاد کہتے ہیں۔ کہ آسمان کے نیچے کوئی کتاب صحیح مسلم سے بڑھکر صحیح نہیں ہے۔

اب صحیح بخاری و صحیح مسلم میں یہ فرق ثابت ہوا۔ کہ صحیح مسلم شیعہ رواۃ سے بھری پڑی ہے۔ اور صحیح بخاری خوارج کے راویوں سے پھر جب ایسے خوارج اُستاد بخاری ہیں اور بخاری اُن سے روایت کرتے ہیں۔ تو کیسے ممکن ہے۔ کہ وہ کبھی ان روایتوں کو لکھیں جو فضائل جناب امیرؑ میں

---

[1] شبلی صاحب تو نہیں جہاں تک بنی ہاشم کے پیچھے پڑے ہیں آپکا یہ لکھنا کہ عبد المطلب کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا کہاں تک صحیح فی الحقیقت اور تاریخ کے مطابق ہے۔ ایک تو عبد المطلب کے بعد انکے گھر میں وہی مقدس بزرگ صلواۃ علیہ وآلہ جنکی سیرت نگاری کا شرف آپ حاصل کر رہے ہیں اسکے قبل گو غلط فہمی ہی سہی آپ خود ابولہب کو اسی گھر میں قریش میں ممتاز بنا چلے ہیں عباس کو متمول اور دولتمند قلمبند کر ہی چکے۔ ابی طالب کی نسبت ابن ہشام ص ۱۲۲ میں بزرگ و سید القوم کا اقرار کافروں کا خود موجود ہے۔ مگر ایک بنی امیہ اور اصول خمیم کی تائید کی ضرورت میں یہ سب کچھ بے اثر ہے۔ المؤلف عفی عنہ

اٹھوں تھا۔ بنو امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنی ہاشم سے برابری کا دعوے تھا وہ بنی مخزوم تھے۔ ولید بن مغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا۔ اسلئے اس قبیلہ نے بھی آنحضرت صلعم کی سخت مخالفت کی۔ ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ایک دفعہ اخنس بن شریق ابوجہل کے پاس گیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے ابوجہل نے کہا کہ ہم اور بنو عبد مناف ہمیشہ حریف مقابل رہے۔ انہوں نے مہمانداریاں کیں تو ہم نے بھی کیں۔ انہوں نے خون بہا دیے۔ تو ہم نے بھی خون بہا دیے۔ انہوں نے بھی فیاضیاں کیں۔ تو ہم نے اُن سے بڑھ کر کیں۔ یہاںتک کہ جب ہم نے کاندھے سے کاندھا ملا دیا تو اب بنی ہاشم پیغمبری کے دعویدار ہیں۔ خدا کی قسم ہم اُس پیغمبر پر کبھی ایمان نہیں لا سکتے۔ بحوالہ ابن ہشام ص ۱۰۸ مصر

پانچواں سبب ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ ابو لہب جو خاندان بنی ہاشم میں ممتاز تھا۔ اُس نے حرم محترم کے خزانے سے غزال زریں چرا کر بیچ ڈالے تھے۔ اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور رؤسائے عرب میں شمار کیا جاتا تھا۔ نمّام اور کذّاب تھا

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ وارد میں یہی وجہ ہے کہ بخاری نے تفسیر وانذر عشیرتک الاقربین میں اُس روایت کو نہ لیا۔ جو صحیح اور مستند ہیں اور اُن کو لیا جو یقیناً غیر صحیح ہیں کیونکہ اُنکے راوی اول ابن عباس ہیں۔ جو اس واقعہ کے ساتھ آٹھ برس بعد پیدا ہوئے دوسرے ابوہریرہ ہیں۔ جو اس واقعہ کے چودہ یا سترہ برس بعد مدینہ میں آئے۔ اور اسلام لائے۔ پھر یہ روایت کیسے صحیح رہ سکتی ہے۔ اسپر ابن حجر کا یہ احتمال کرنا کہ ممکن ہے یہ آیہ دوبارہ نازل ہوا ہے۔ کس قدر خلاف اصل ہے کیونکہ مجبور ہو کر ابن حجر خود لکھتے ہیں لکن الاصل عدم التکرار النزول وقد صرح فی هذه الروایة بان ذلک حین وقع نزلت اصل یہی ہے کہ تکرار نہیں واقع ہوئی کیونکہ خود اس روایت میں موجود ہے کہ یہ واقعہ اُسی وقت کا ہے۔ جبوقت یہ آیہ مکہ میں نازل ہوا ہے۔ تو پھر کون روایت صحیح مانی جائے۔ حضرت کا کوہ صفا پر چڑھ کر پکارنا جیسا کہ اس روایت میں ہے۔ یا پہلی روایت جس میں وہی پکارنا مذکور ہے کیونکہ اس روایت میں تو یہی ہے۔ کہ جب یہ آیہ نازل ہوا تو حضرت پکارنے لگے۔ جس سے فوریت ظاہر ہے تو ایک روایت ضرور غلط ہوئی

دوسرا لطیفہ۔ اور سنیئے ابن حجر لکھتے ہیں نعم وقع عند الطبرانی من حدیث ابی امامة قال لما نزل وانذر عشیرتک الاقربین جمع رسول الله صلعم بنی هاشم و نسائه واهله فقال یا بنی هاشم اشتروا انفسکم من النار واسعوا فی فکاک رقابکم یا عائشة بنت ابی بکر یا حفصة بنت عمر یا ام سلمة فذکر حدیثا طویلا فهذا ان ثبت دل علی تعدد القصة لان الاولی وقعت بمکة لتصریحه فی حدیث الباب انه صعد الصفا ولم تکن عائشة وحفصة وام سلمة عنده ومن ازواجه بالمدینة فیجوز ان تکون متاخرة علی الاولی فیمکن ان یحضرها ابوهریرة وابن عباس ایضا ویحمل قوله لما نزلت جمع ای بعد ذلک لان الجمع قریشا وقع قص کالسیاق ثم نزل ثانیا ورهطک منهم المخلصین فخص بذلک بنی هاشم ونساءه والله اعلم وفی هذه الزیادة تعقیب علی النووی حیث قال فی شرح مسلم ان البخاری لم یخرجها اعنی ورهطک منهم المخلصون اعتمادا علی ما فی هذه الروایة وغفل کونها موجودة عند البخاری فی سورة تبت۔ ص ۲۸۹ جلد ۸۔ طبرانی نے ابی امامہ

نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ میں گرفتار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایکطرف بت پرستی کی برائیاں کرتے تھے۔ دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت دار و گیر کرتے تھے اس سے انکی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی تنزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید میں مبہم اور علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ

اور اس شخص کے کہنے میں نہ آ جو بات بات میں قسم کھاتا ہے آبرو باختہ ہے۔ طاعن ہے چغلیاں لگاتا ہے۔ لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتا ہے حد سے بڑھ گیا ہے بے حد تندخو ہے۔ اور ان سب باتوں کو چھوڑ نسب بتاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ مالدار ہے۔ اور لڑکوں والا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ۔

وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم اسکی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں جو کہ جھوٹی اور خطاوار ہے۔

ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا، لیکن مدت کی غفلت، عربی نخوت، دولت و اقتدار کا فخر، ریاست کا زعم، ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جبتک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی، وہ خبر نہوتے، اسلیے بڑے بڑے جبابرہ اس طرح مخاطب کیے گئے۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا وَبَنِينَ شُهُودًا وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا۔

ہم کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو، میں نے اسکو پیدا کیا، پھر بہت سامال دیا۔ بیٹے دیے۔ سامان دیا، پھر چاہتا ہے کہ ہم اسکو اور دیں، ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے۔

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کی طرف ہے۔ جو قریش کا سرتاج تھا۔ اور یہ الفاظ اس شخص کی زبانی ادا ہوتے تھے جسکو ظاہری

لقیہ عبارت حاشیہ: سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیہ نازل ہوا۔ تو حضرت نے بنی ہاشم کو اور اپنے ازواج کو اور اہل کو جمع کیا اور فرمایا کہ اے بنی ہاشم تم اپنی جانوں کو خدا سے خرید کر لو۔ اور ساری سے اپنی آزادی کی سعی کر و اے عائشہ بنت ابی بکر اے حفصہ دختر عمر، اے ام سلمہ اسکے بعد طولانی حدیث کو لکھا ہے۔ پس اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے۔ تو دلالت کرتی ہے تعدد وجہ پر کیونکہ قصہ اولی مکہ میں واقع ہوا جس میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلعم نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی، اسوقت نہ عائشہ موجود تھیں اور نہ حفصہ اور نہ ام سلمہ کیونکہ یہ سب تو مدینہ میں حضرت کی زوجیت میں آئیں۔ پس ممکن ہے کہ یہ قصہ متاخر ہو۔ اور اسوقت ابن عباس اور ابوہریرہ کی حاضری بھی ممکن ہے اور حدیث میں موجود ہے کہ حضرت نے سب کو جمع کیا۔ اور شاید کہ پہلے وانذر عشیرتک الاقربین تنہا نازل ہوا جس کے بعد حضرت نے قریش کو جمع کیا۔ پھر تخصیص کی اور اس زیادتی تعجب ہے نووی پر جنہوں نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ بخاری نے وَرَهْطَكَ الْمُخْلَصُونَ کی روایت نہ کی۔ یہ غلطی ہے نووی سے اسوجہ سے ہوئی کہ صرف تفسیر سورہ شعراء پر اعتماد کیا اور اس سے غفلت کی کہ یہ بخاری کے نزدیک سورہ تبت میں موجود ہے۔
اس شرح سے گویا مقصد بخاری کی تکمیل تو نہ ہوئی کہ فضیلت و خلافت جناب امیرؑ کو بالکل مٹا دیا گیا۔ مگر جامع القرآن حضرات کی بھی

جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا۔ لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکساں تھا یہ تھا کہ جو معبود سیکڑوں برس سے عرب کے حاجت روائے عالم تھے۔ اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے اسلام اُن کا نام و نشان مٹاتا تھا اور اُن کی شان میں کہتا تھا۔

اَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ || تم اور جن چیزوں کو تم پوجتے ہو۔ وہ سب دوزخ کے ایندھن ہونگے۔

قریش کے تحمّل کے اسباب

انکے اسباب کے ساتھ جن میں سے ہر ایک قریش کے سخت مشتعل کر دینے کیلئے کافی تھا۔ توقع یہ تھی کہ اعلان دعوت کے ساتھ سخت خونریزیاں شروع ہو جائیں گی۔ لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا اور مدت تک اسکے ناگزیر اسباب تھے قریش خانہ جنگیوں میں بے پناہ ہو چکے تھے۔ اور حرب فجار کے بعد اس قدر عاجز آ گئے تھے۔ کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے۔ قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی ہی بات پر شروع ہو جاتی تھی۔ کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے۔ تو مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور جبتک بدلہ نہ لیا جاوے۔ یہ آگ بجھ نہیں سکتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا قریش کے لیے نہایت آسان تھا۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ بنی ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑیں گے تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائے گا۔ بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے۔ اور قریبًا کوئی قبیلہ ایسا باقی نہیں تھا جس میں دو ایک آدمی اسلام نہ لا چکے ہوں۔ اس لیے اسلام اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اُسکا مجرم نہ تھا۔ بلکہ سیکڑوں تھے اور سب کا استیصال ناممکن تھا۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۵۵-۱۶۱۔

کفار قریش کی تمام مخالفتوں کے یہی اسباب تھے۔ جو تفصیل سے لکھے گئے۔ عام اُصول فطرت کے مطابق مخالفت کے

بقیہ عبارت حاشیہ:۔ خوب پوری ہوئی۔ کیونکہ یہ آیہ دو مرتبہ نازل ہوا تھا۔ مگر ایک دفعہ کا بالکل نکال دیا گیا۔ حالانکہ صدہا آیتیں کہ قرآن میں موجود ہیں مگر یہ آیت نہ رہنے پائی۔ دوسرے یہ کہ اُس کے ساتھ آیہ ورھطک منھم المخلصین بھی قرآن میں دو مرتبہ نازل ہوا تھا جس پر صحیح مسلم وصحیح بخاری دونوں کا اتفاق ہے۔ لیکن قرآن موجودہ میں اسکا کہیں وجود نہیں۔ تو پھر تحریف قرآن میں اہل سنت کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔

طرہ تو یہ ہے۔ یہی ابن حجر لکھتے ہیں زاد فی تفسیر تبت روایۃ ابی اسامۃ علی الاعمش بھذا السند ورھطک منھم المخلصین خرج رسول اللہ صلعم حتٰی صعد الصفا فھتف ما صباحاہ فقالوا من ھذا فاجتمعوا الیہ فقال ارایتم ان اخبرکم ان خیلا یخرج من سفح ھذا الجبل اکنتم مصدقی قال ما اخبرنا علیک کذبا قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید قال ابولھب تبالک ما جمعتنا الا لھذا ثم قام فنزلت تبت یدا ابی لھب وتب قد تب ھکذا قرأ الاعمش عمر بن مرۃ قولہ تبا اغنی مالہ وما کسب حدثنا محمد بن سلام واخبرنا ابومعٰویۃ حدثنا الاعمش عن عمر بن مرہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرج الی البطحاء فصعد الی الجبل فنادی یا صباحاہ فاجتمعت الیہ قریش فقال ارایتم ان حدثتکم ان العدو مصبحکم او ممسیکم اکنتم تصدقونی قالوا نعم قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فقال ابولھب الھذا جمعتنا تبا لک فانزل اللہ تعالٰی تبت یدا ابی لھب الی آخرہ یعنی جب آیہ وانذر عشیرتک الاقربین اُترا تو حضرت باہر آئے اور کوہ صفا پر چڑھ گئے

جتنے مختلف اسباب تھے۔ مخاصمت کی اُتنی ہی مختلف اور متفرق صورتیں بھی اختیار کی گئیں۔ ان خام خیالوں نے سب سے پہلے مخالفت اسلام کی جو تدبیر نکالی۔ اور اُسکو عملی صورت میں لائے۔ وہ اسلام لانے والوںپر خونخوارانہ ظلم و تعدی تھی۔ کوتہ اندیش قریش یہ سمجھے تھے۔ کہ ان ترکیبوں سے عام طبقات کو عبرت ہوگی۔ اور جو اسلام لا چکے ہیں۔ وہ دست بردار ہو جائیں گے۔ ان میں سے چند مظلومین اسلام کے احوال ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

ظالمین قریش اور مظلومین اسلام سابقین مومنین کی فہرست مظلومین میں نمبر اول آل یاسر ہیں جنکے مصائب و شدائد کسی قدر اُوپر قلمبند ہو چکے ہیں۔ خاندان کا خاندان طبقۂ اول کا صاحب ایمان ہے۔ یاسر اصل میں یمن کے رہنے والے تھے پریشان ہو کر مکہ میں چلے آئے۔ ابو حذیفہ مخزومی کی کنیز سمیہ نامی سے عقد کر لیا۔ لڑکے بالے ہو گئے۔ اور پھر یہیں سکونت اختیار کر لی یاسر کی بی بی سمیہ یاسر کے دونوں بیٹے عمار اور عبد اللہ غرض کے سارا گھر مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ لیکن دولت ایمان کے سوا گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ تمام خاندان عسرت اور ناداری میں بسر کرتا تھا۔ کفار قریش غریب و بے یار سمجھ کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور ایک ایک کرکے ان غریبوں کو اتنا مارا کہ جینے کے لالے پڑ گئے۔ سراپا مجروح ہو گئے۔ اتفاقاً اسی حالت میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُدھر آنکلے۔ مومنین مخلصین کی یہ مصیبت آپ سے دیکھی نہ گئی۔ لیکن مجبوری ایسی تھی

بقیہ عبارت حاشیہ۔ اور آواز دی صباحاہ (جمع ہوتے تم پر ٹوٹ پڑے) لوگوں نے کہا تم کیوں پکارتے ہو۔ غرضکہ سب جمع ہوئے تو حضرتؐ نے کہا کہ اگر ہم تمکو خبر دیں کہ اس پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر آیا چاہتا ہے۔ تو تم ہم کو سچا جانوگے۔ سب نے کہا ہم نے تم پر کبھی کذب کا تجربہ نہیں کیا ہے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا کہ ہم تم لوگوں کے ڈرانے والے ہیں عذاب شدید سے۔ ابو لہب نے کہا (نعوذ باللہ) تم ہلاک ہو جاؤ۔ کیا اسی لیے تم نے سب لوگوں کو جمع کیا تھا۔ اس پر سورۂ تبت یدا نازل ہوا تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ وقد تب اسی طرح اعمش نے اُس روز پڑھا تھا (مگر قد کا لفظ اب قرآن میں نہیں ہے) اسی ایک روایت کو تین متفرق باب میں لکھا ہے۔ اس سے بخاری صاحب کی خوش سلیقگی ظاہر ہے۔ دوسری یہ کہ ورہطک منہم المخلصین بھی نازل ہوا تھا جو اب قرآن میں نہیں ہے تیسری یہ کہ قد تبت نازل ہوا تھا۔ اب صرف تبّ رہ گیا۔ اس پر بھی تحریف قرآن سے انکار ممکن ہے۔ اور کوئی وجہ اس کی بتلائی جا سکتی ہے کہ ورہطک منہم المخلصین کیوں نکال دیا گیا۔ صرف اسلئے اس میں بنی ہاشم کی صریح مدح تھی۔ پھر حضرات جامعین قرآن کب اسکو قرآن میں رہنے دیتے۔ اب سورۂ تبت کی شان نزول کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ آخر یہ سورہ کب نازل ہوا۔ کیونکہ وانذر عشیرتک الاقربین کے نزول کے بعد اسکا نازل ہونا عقلاً بھی ناجائز ہے۔ اور نقلاً بھی عقلاً اسوجہ سے۔ کہ وہ مقام تالیف قلوب تھا۔ کہ حضرتؐ اپنی نبوت کا اعلان کر رہے تھے۔ جو ایک ایسا عجیب و غریب امر تھا۔ کہ عرب کے کان بھی اس سے آشنا نہ تھے۔ کہ عرب میں بھی کوئی نبی ہوگا۔ اس لیے حضرتؐ نے اس اہتمام سے اُن کی دعوت کی۔ اور نرم الفاظ میں پیغام الٰہی پہونچایا۔ کہ کسی کو تنفرؔ نہ ہونے پائے۔ ایسی حالت میں اس طرح کا سورہ آنا جس میں ایک شخص کی مذمت ہو۔ کس قدر خلاف عقل ہے۔ نقلاً اسوجہ سے کہ امام سیوطی لباب النقول فی اسباب النزول میں لکھتے ہیں۔ اخرج البخاری وغیرہ عن ابن عباس قال صعد رسول اللہ صلعم ذات یوم علی الصفا فنادی یا صباحاہ فاجتمعت الیہ قریش قال ارایتم لو اخبرتکم ان العدو مصبحکم او ممسیکم اکنتم تصدقونی قالوا بلی قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فقال ابو لہب تبا لک

کہ سوائے سکوت وخاموشی کے دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ان کی مصیبتناک حالت مشاہدہ فرما کر ارشاد کیا اصبروا یا آل یاسر فان موعدکم الجنۃ (اے آل یاسر صبر کرو تحقیق کہ بہشت تمہاری وعدہ گاہ ہے) کمبخت ابوجہل نے یاسر کی بی بی سمیہ کو نیزے کی نوکیں کونچ کونچ کر مار ڈالا غریب یاسر کا بھی ایسے ہی شدید ضربوں سے خاتمہ بالخیر کر دیا گیا۔

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ظالمین دیکھ لیں گے ہونگی کیسی بازگشت ہونیوالی ہے۔

(۲) خباب بن الارتؓ تمیم کے قبیلے سے تھے۔ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کئے گئے اور ام انمار نے خرید لیا۔ یہ اس زمانہ میں اسلام لائے جب آنحضرت صلعم ارقم کے گھر میں مقیم تھے۔ اور صرف چھ سات شخص اسلام لا چکے تھے۔ قریش نے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے اور ان کو چت لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں۔ یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے۔ خباب نے مدتوں کے بعد یہ واقعہ حضرت عمر کے سامنے بیان کیا۔ اور پیٹھ کھولکر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سفید تھی۔ ابن سعد جلد ۳۔ خباب جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے۔ بعض لوگوں کے ذمہ ان کی بقایا تھی۔ مانگتے تو جواب ملتا کہ جب تک کہ محمد (صلعم) کا انکار نہ کروگے کوڑی نہ ملے گی۔ یہ کہتے کہ نہیں جب تک کہ تم مرکے جیو نہیں۔ سیرۃ النبیؐ بحوالہ بخاری ص ۱۹۶

(۳) حضرت بلالؓ یہ وہی بلال ہیں جو موذن مشہور ہیں۔ حبشی النسل تھے۔ اور امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی۔ تو امیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا۔ اور پتھر کی چٹان انکے سینہ پر رکھدیتا کہ جنبش نہ کر سکیں۔ اکثر گردن میں رسی باندھ کر لڑکوں کو پکڑا دیتا اور وہ مکہ کے پہاڑوں پر ان غریب کو جانوروں کی طرح گھسیٹے پھرتے۔ گردن میں رسیوں کے نیل پڑ جاتے

بقیہ عبارت حاشیہ الہذا جمعتنا فانزل اللہ تبت یدا ابی لھب (الی آخرہ۔ برحاشیہ جلالین ص ۱۱ یعنی بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم ایک روز کوہ صفا پر تشریف لیگئے اور پکارے۔ یاصباحاہ۔ قریش جمع ہوئے۔ اور ابولہب نے کہا۔ ہلاکت ہو ہمکو تم نے اسی لئے سب کو جمع کیا تھا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوا (ملخصاً) تو وہ روایت بخاری کی بالکل غلط ہوئی کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ دوسرا ہے جسکو واقعہ وانذر عشیرتک الاقربین سے کوئی تعلق نہیں۔ جو اشتباہ امکان ہے کیونکہ حضرت تو اکثر موقع پا کر تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ لہذا کسی دوسرے موقع پر اس واقعہ کا پیش آنا ممکن ہے۔ بخلاف واقعہ وانذر عشیرتک الاقربین کے کہ اس سے کسی قسم کا تعلق ممکن نہیں ہے۔ اگر دوسری روایت پر نظر کیجاوے تو وہ بھی ممکن ہے اور ابولہب کی مذمت بھی کہ اس سے کوئی بے ادبی ہوئی ہو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ واقعہ کس زمانہ کا ہے۔ درمنثور سیوطی جلد ۶ صفحہ ۴۰۸ میں ہے اخرج ابونعیم فی الدلائل عن ابن عباس ما کان ابولھب الا من کفار قریش ما ھو حتی خرج من الشعب حین تمالات قریش حتی حصرونا فی الشعب ظاھرھم فلما خرج ابولھب من الشعب لقی ھند بنت عتبۃ بن ربیعۃ حین فارق قومہ فقال یا بنت عتبۃ ھل نصرت اللات والعزیٰ قال نعم فجزاک اللہ تعالیٰ خیرا یا ابا عتبۃ قال ان محمدا یعدنا اشیاء لا نراھا کائنۃ بعد الموت فما ذاک وضع فی یدی ثم نفخ فی یدیہ ثم قال تبا لکما ما اریٰ منکما شیئا مما یقول محمد فنزلت تبت یدا ابی لھب قال ابن عباس فحصرنا فی الشعب ثلاث سنین

کبھی یہ ہوتا تھا کہ اُن کی مشکیں باندھ کر زمین پر ڈال دیتے تھے۔ اور ڈنڈوں سے پیٹتے جاتے تھے۔ ان تمام ماروں کے بعد پیٹ کی مار بھی دی جاتی تھی جو سب سے بڑی تھی متواتر کئی کئی دنوں تک غریب بے آب و دانہ رکھے جاتے تھے۔ لیکن ان تمام مصائب و شدائد میں بھی وہ اسلام کا سبق نہ بھولے۔ ہر ہر ضرب پر اَحَدٌ اَحَدٌ کے نعرے لگائے جاتے تھے۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے (اور بروایتے عباس بن عبد المطلبؑ نے) ان کو انکے مالک سے خرید کر کے آزاد کر دیا۔

(۴) **صُہَیبؓ رومی**۔ یہ رومی مشہور ہیں۔ لیکن درحقیقت رومی نہیں تھے۔ انکے والد سنان نامی کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے۔ اور اُن کا خاندان موصل میں آباد تھا۔ ایک دفعہ رومیوں اس نواح پر حملہ کیا۔ اور جن لوگوں کو قید کرکے لیگئے اُن میں صہیب بھی تھے۔ یہ روم میں پلے تھے۔ اس لیے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے۔ ایک عرب نے ان کو خرید ا۔ اور مکہ میں لایا۔ یہاں عبداللہ بن جدعان نے اِن کو خرید کرکے آزاد کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دعوۃ اسلام شروع کی تو یہ اور عمار بن یاسر ایک ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے اسلام کی ترغیب دی۔ اور یہ مسلمان ہوگئے۔ قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے۔ کہ اُنکے حواس مختل ہو جاتے تھے۔ جب اُنہوں نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی۔ تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ۔ تو جا سکتے ہو۔ اُنہوں نے نہایت خوشی سے منظور کر لیا۔ حضرت عمر جب نماز میں زخمی ہوئے۔ تو اپنی بجائے اُنہی کو امامت دی تھی۔

(۵) **ابو فکیہہ**۔ کنیت تھی۔ افلح نام تھا۔ صفوان بن اُمیہ کے غلام تھے۔ اور حضرت بلال کے ساتھ اسلام لائے تھے اُمیہ

بقیہ عبارت حاشیہ:- واقطعوا عنا المیرۃ حتی ان الرجل منا بالنفقۃ فما یبایع حتی یرجی حتی هلك فینا من هلك

ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ ابولہب بھی کفار قریش سے تھا جیسا کہ وہ لوگ تھے۔ یہانتک کہ شعب سے خارج ہوئے۔ جبکہ کفار قریش نے مشورہ کرکے ہم سب کو شعب میں محصور کر دیا تھا جب ابولہب شعب سے خارج ہوا۔ اور اپنی قوم سے مفارقت اختیار کی تو ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے ملاقات ہوئی۔ تو ابولہب نے پوچھا کہ اے ہندہ تو نے لات و عزیٰ کی نصرت کی تو کہا کہ ہاں۔ اے ابو عتبہ خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ ابولہب نے کہا محمد (صلعم) ہم سے دو باتوں کا وعدہ کرتے ہیں۔ جنکو ہم نہیں جانتے۔ کہ وہ موت کے بعد پورا ہو یا اس سے اور بعد یہ کہکر ابولہب نے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھونکا اور کہا تبا لکما ہلاکت ہو تم دونوں کو۔ محمد (صلعم) کے وعدوں میں سے ہم کچھ نہیں پاتے اس پر سورۃ تبت یدا نازل ہوا۔ ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ ہم کو قریش نے تین برس تک محصور رکھا۔ اور اس طرح کہ ہم سے خرید و فروخت بند کر دی کہ ہم کچھ مال خرید کر نے جاتے۔ تو ہمارے ہاتھ کوئی چیز نہ پہنچنے پاتی۔ کہ ہم میں سے جس کو ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سورہ تبت یدا کا نزول بعد محاصرہ شعب ابی طالب جو نبوت کے ۱۰ھ میں واقع ہوا۔ لیکن بخاری نے صرف عداوت جناب علی مرتضیٰؑ کی وجہ سے اسکو وانذر عشیرتک الاقربین کے نزول سے ملحق کر دیا جو عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے اب دیکھئے محاصرہ شعب ابیطالب کب ہوا۔ بعثت سے تین برس تک تبلیغ مخفی ہوتی رہی۔ اسکے بعد واقعہ دعوت قریش (۳ھ نبوت) پیش ہوا۔ پھر اسکے بعد حضرت حمزہ اسلام لائے تو جیسا کہ طبری کا بیان ہے فائتمرت بینهم ان یکتبوا بینهم کتابا یتعاقدون فیه فلما فعلت ذلك

کو جب یہ معلوم ہوا تو اُن کے پاؤں میں رسّی باندھی اور آدمیوں سے کہا گھسیٹتے ہوئے لے جائیں۔ اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں۔ ایک گبریلا راہ میں جا رہا تھا۔ اُمیہ نے اُن سے کہا کہ تیرا خدا یہی تو نہیں ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔ اِس پر اُمیہ نے اُس زور سے اُن کا گلا گھونٹا۔ کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ اُنکے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھ دیا۔ کہ اُن کی زبان نکل پڑی۔ بحوالہ ابن سعد جلد سوم۔

کفار قریش کا یہ سلوک گھر کے غلاموں اور قوم کے نادار لوگوں تک محدود و موقوف نہیں تھا۔ بلکہ اسلام ناقابل العفو جرم میں وہ اپنے عزیزوں اور قرابت داروں کے ساتھ بھی ایسے ہی ظلم و ستم سے پیش آیا کرتے تھے۔

(۶) حضرت عثمانؓ بن عفان کے اسلام لانے کی خبر جب اُنکے چچا کو ہوئی۔ تو وہ کمبخت حضرت عثمانؓ کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دیتا۔ اور نیچے سے دھُواں دیا کرتا۔

(۷) زبیرؓ بن العوام زبیر بن العوام جب اسلام لائے۔ تو اُنکے چچا بھی اُنہیں چٹائی میں لپیٹ کر اُنکی ناک میں دھُواں دیتے تھے۔

(۸) مصعبؓ بن عمیر کے اسلام لانے کی خبر ملنے پر اُن کے شفیق التقلب ماں نے گھر سے نکال دیا تھا۔

(۹) سعیدؓ بن زید حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی۔ سعیدؓ بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے اُنکو رسیوں سے باندھ کر ڈال دیا

(۱۰) سعد بن وقاصؓ۔ اگرچہ اپنے قبیلہ میں نہایت معزز اور معتقد رہتے تھے۔ تاہم کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہیں تھے تو اسد اسلام کے جرم میں اُن کو سخت سزائیں دیتے تھے۔

بیرحم اور حد سے زیادہ خونخوار کفار قریش مظلومین اسلام کو ایسی ایسی وحشیانہ سزائیں دیتے تھے۔ کہ اُن غریبوں کی ہمت و

بقیہ عبارت حاشیہ۔ قریش الجاءت بنو ھاشم و بنو مطلب الی ابی طالب فدخلوا معہ فی شعبہ فاجتمعوا الیہ فی شعبہ فخرج من بنی ھاشم ابو لھب الی قریش کفار قریش نے پھر آپس میں مفارقت و مخاصمت بنی ہاشم پر عہد کیا۔ اور حلف معاہدہ لکھا۔ اور اس کو خانہ کعبہ پر لٹکایا۔ جب اس کارروائی کی خبر پہنچی تو تمام بنی ہاشم ابو طالبؓ کے پاس آئے۔ اور وہ اُنکو لیکر شعب میں داخل ہوئے مگر ابو لہب اُن سے علیحدہ ہو گیا۔ اور قریش سے جا کر ملحق ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفارقت ابو لہب کا زمانہ اُسی وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے وہ لوگ شعب میں محصور ہوئے تو کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے۔ کہ اگر یہ سورہ تبت یدا ابی لہب شروع ہی میں نازل ہوا ہوتا۔ (بقول بخاری صاحب وانذر عشیرتک الاقربین کے ساتھ) تو پھر ابو لہب اتنے دنوں تک کبھی حضرت صلعم کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ تاریخ خمیس میں مرقوم ہے۔

وفی السنۃ السابعۃ من النبوۃ کما فی الحیوۃ الحیوان او الثامن منہا علی ما فی المنتقی تقاسمت قریش و تعاھدوا علی معاداۃ بنی ھاشم و بنی عبد مطلب ص ۳۲۵ بروایت حیوۃ الحیوان ۷ سال نبوت میں اور بروایت منتقی ۸ ھ میں قریش نے معاہدہ کیا۔ اور آپس میں قسم کھائی کہ بنو ہاشم اور بنی عبد المطلب سے عداوت قائم رکھیں۔ تو اس حساب سے نزول سورہ تبت یدا کہیں جا کر ۹ یا ۱۰ سال میں ہوتا ہے۔ لیکن بخاری صاحب ایک فضائل علیؓ کے چھپانے کی ضرورت سے اُسکو نزول آیت وانذر عشیرتک الاقربین سے ملا کر ایسا غارت کیا ہے۔ کہ بالکل قصہ کا قصہ ہی غلط ہو گیا۔ لاحول ولا قوۃ۔ المؤلف عفی عنہ۔

استقلال کے سوا کوئی اور شے اُنکے تحمل و برداشت کی طاقت نہیں رکھتی تھی اُنکی ہمت و استقلال کے سوا یہ بھی اسلام کی صداقت کا عین الکمال تھا۔

(۱) مرقومہ بالا مظلومین اسلام سب کے سب مرد تھے۔ تاہم ظلمۂ قریش نے مسلمان عورتوں کی صنف نازک وضعیف پر بھی رحم نہ کھایا۔ ان مصیبت دیدہ اور آفت رسیدہ عورتوں میں سب سے پہلے جس خاتون کی نہایت وحشیانہ اور بیرحمانہ طریقہ سے جان لی گئی۔ وہ حضرت یاسر کی بی بی سمیہ تھیں۔ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کی ماں جن کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے۔

(۲) لُبَینہؓ تھیں۔ یہ بیچاری کنیز تھیں حضرت عمر اس بکیں کو مارتے مارتے تھک جاتے۔ تو کہتے تھے۔ میں نے تجھکو رحم کی بنا پر نہیں۔ بلکہ اسوجہ سے تجھے چھوڑ دیا ہے۔ کہ میں خود تھک گیا ہوں۔ وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں۔ دیکھو عمر اگر تم اسلام نہ لاؤ گے۔ تو تم سے خدا اسکا انتقام لیگا۔

(۳) زِنّیرہ۔ لبینہ کی ایسی ہی دوسری کنیز زنیرہ تھیں۔ یہ بھی حضرت عمر کے قبیلے کی کنیز۔ حضرت عمر (اسلام سے پہلے) ان کو جی کھول کر ستاتے۔ ابوجہل نے تو ایک دن ایسی مار ماری۔ کہ غریب کی آنکھیں جاتی رہیں۔

(۴) نہدیہ اور (۵) اُمّ عُبَیس یہ بھی دونوں کنیزیں تھیں۔ اور صرف اسلام کے جرم میں یہ مصیبتیں جھیلی تھیں یہ تمام جلادانہ بیرحمیاں، یہ عبرت خیز سفاکیاں ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔ ایک نصرانی مورخ نے سچ لکھا ہے۔

عیسائی اس کو یاد رکھیں۔ تو اچھا ہو۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سائل نے وہ نشۂ دینی آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جسکو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بیفائدہ ہے۔ جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے۔ تو اُنکے پیرو بھاگ گئے اُنکا نشۂ دینی جاتا رہا۔ اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چلدیئے۔ اسکے برعکس محمد صلعم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے۔ اور آپکے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے میں ڈالکر کل دشمنوں پر آپکو غالب کر دیا۔ ایالوجی گاڈفری ہگنس ترجمہ اُردو ص ۶۶-۶۷

قریش اور آنحضرت صلعم کی مخالفت میں مشورت

کفار قریش اپنی اس تجویز میں کہ مسلمانوں کو اتنا ستایا جاوے۔ کہ وہ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ اور اُن کی اذیتوں کو دیکھکر دوسرے لوگ قبول اسلام پر جرأت نہ کر سکیں بالکل ناکامیاب رہے۔ تو اب ان بیرحمیوں نے حضرت رسول خدا صلعم کی ذاتی ایذا رسانیوں کی تدبیریں سوچیں ان ناہنجار تجویزوں کو عملی صورت میں لانیکے لیے اُنہوں نے ایک باقاعدہ مجلس مشورت قائم کی جس میں ہر قبائل و عشائر کے پچیس سردار شامل تھے۔ کمال مآل اندیشی کے خیال سے بدبخت ابولہب کو اس مجلس کا صدر منتخب کیا گیا۔ ؎

خدا ہر بہ کسے ننگ خاندان نہ کرے۔

اس مفسدہ انگیز مجلس کا پہلا مقصد جو اتفاق رائے کیلئے پیش کیا گیا وہ یہ تھا کہ قبائل بیرونی جو مکہ میں آیا کرتے ہیں اُنکو قربت اور صحبت رسولؐ سے بچایا جاوے۔ اور اُن کے علٰحدہ رکھنے کی یہ ترکیب ہے۔ کہ اُن سے آنحضرت صلعم کے متعلق ایسے خاص معائب بیان کیے جاویں کہ وہ خود بالطبع آپ سے متنفر ہو جائیں۔

سب نے اسپر اتفاق کیا۔ کہ آپ کو کاہن مشہور کیا جاوے۔ ولید بن مغیرہ۔ جو قریش میں سب سے زیادہ کہن سال اور تجربہ کار تھا بولا اُنھا میں نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ کہاں کاہنوں کی تک بندیاں۔ اور کہاں محمد (صلعم) کے کلام کی سحر نما فصاحت و صراحت۔ دیکھو ایسی بات نہ کہو کہ قبائل عرب سُنتے ہی کہنے لگیں کہ غلط الزام لگاتے ہو اور جھوٹ بکتے ہو۔ پھر یہ تجویز ہوئی۔ کہ اچھا کاہن نہیں۔ تو مجنون مشہور کیا جاوے۔ ولید نے پھر ٹوکا۔ اور کہا تو یہ کرو۔ محمد کو دیوانگی سے کیا واسطہ اور جنون سے کیا علاقہ۔

پھر یہ بات قرار پائی۔ کہ اُنھیں شاعر بتلایا جائے۔ ولید کو یہ بات بھی پسند نہ آئی۔ اُس نے تمام مجمع کو مخاطب کرکے کہا۔ ہم خود شاعر ہیں ہمیشہ شعر کہتے ہیں۔ اصناف سخن اور اوصاف فن سے خوب واقف ہیں۔ ہم جانتے ہیں شعر میں کیا بات ہوتی ہے۔ محمدؐ کے کلمات کو شعر کے لغویات سے کوئی مناسبت نہیں۔

پھر اس پر اتفاق ہوا کہ اچھا انہیں ساحر کہا جائے۔ ولید بولا یہ جادو بھی نہیں چلے گا۔ کہاں محمدؐ کے اخلاق و عادات کی لطافت۔ کہاں ساحروں اور شعبدہ گروں کی نجاست۔ محمد (صلعم) کا جمال جہاں آرا۔ اُن کے محاسن و کمال کا آئینہ ہے جادوگروں کی منحوس صورت اُن کی سیہ کاریوں کی تصویر ہے۔

اب تو سوچتے سوچتے مجمع تھک گیا۔ سب کے سب عاجز آگئے۔ تو ولید ابن مغیرہ سے کہنے لگے۔ کہ اچھا اب آپ ہی کچھ تجویز کریں۔ اور کوئی مفید تدبیر نکالیں۔ ولید نے تمام جلسہ کو مخاطب کرکے کہا۔ کہ اول تو اس امر خاص میں میں کچھ نہ کہونگا اور اگر کچھ کہونگا بھی۔ تو وہ بالکل سچ ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ حقیقتاً محمدؐ کے کلام میں ایسی حلاوت ہے۔ اور اُسکی تقریر میں عذب البیانی کی ایسی قدرتی تاثیر ہے۔ کہ باپ بیٹے۔ بھائی بہن۔ اور شوہر و زن میں مفارقت ہوجاتی ہے۔ اور وہ رسول سے تمہاری پیش نظر ہے۔ میں اُسی قدر تم سے کہونگا۔ اور بس تم سمجھنے والے ہو۔ تو سمجھ جاؤ۔

ولید ابن مغیرہ کی اس تقریر نے تمام جلسہ میں سکوت کا عالم پیدا کر دیا۔ جو کچھ اُسنے کہا تھا۔ وہ بالکل سچ تھا۔ اسلئے کسی فرد واحد کو اُسکے خلاف مجال سخن نہ ہوئی۔ لیکن وہ جاہل سرے سے جاہل تھے۔ جہالت سے اب بھی باز نہ آئے۔ اپنے ہی سردار قوم سے پیغمبر برحقؐ کے اوصاف سنکر عبرت پذیر تو نہوئے۔ بلکہ خجالت و شرمندگی کے جاہلانہ غصہ میں پہلے سے بھی زیادہ بھر گئے اور پیچ و تاب کھانےلگے۔ بالآخر اپنی کافرداریوں کے تقاضے سے یہ ملکر یہ تدبیر نکالی۔ کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر ممکن طریقے سے پریشان کیا جاوے انکے تعلیم کے ہر ہر مقصد کی تضحیک و توہین کیجاوے اور مسلمانوں کو تمام مظالم کا نشانہ بنایا جاوے

(ابن ہشام جلد اول صفحہ ۹۰ و شفا قاضی عیاض صفحہ ۱۲۹)

قریش کی پہلی وفد اور ابیطالبؑ کی خدمت میں آنحضرتؐ کی شکایت

شبلی صاحب نے اس مقام پر نہایت مناسب طریقہ سے حقیقت حال انکشاف فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کردی۔ تو قریش کے چند معززین نے ابوطالبؑ سے آکر شکایت کی ابوطالبؑ نے نرمی سے سمجھا کر انکو رخصت کر دیا

اُدھر قوم و وطن کی انسانی قوتیں مخالفت اسلام کی تدبیریں سوچ رہی تھیں، راہیں نکال رہی تھیں۔ اُدھر

نبوّت کا چھٹا سال حضرت حمزہؓ کا اسلام لانا

اُدھر نظام ربانی جبروتی طاقت اُسکی وسعت کے سامان کر رہی تھی۔ شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اعمام میں حضرت حمزہؓ کو آپ سے خاص محبت تھی۔ وہ آپ سے دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے۔ دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ لیکن آپ کی ہرادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُنکا مذاق سپہ گری اور شکار افگنی تھا۔ معمول تھا کہ مُنہ اندھیرے تیر کمان لیکر نکل جاتے۔ تمام تمام دن شکار کھیلنے میں مصروف رہتے۔ شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے۔ طواف کرتے قریش کے رؤساء صحن حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت حمزہؓ اُن لوگوں سے صاحب سلامت کرتے۔ کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے۔ اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا۔ اور سب لوگ اُن کی قدر و منزلت کرتے تھے

شبلی صاحب نے اس واقعہ کی تمہید کو جس تفصیل سے تحریر فرمایا تھا۔ اُس تفصیل سے اصل واقعہ کو نہیں لکھا جس سے معلوم ہو جاتا کہ اُن کے اسلام لانے اور شرف بایمان ہونے کے خاص اسباب وہی محبّت و اخلاص کے جذبات تھے ہم ذیل میں ابن ہشام کے خاص الفاظ سے اصل حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔

اِنّ ابا جھل مرّ برسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم عند الصفا فآذاہ وشتمہ وقال منہ بعض ما یکرہ من العیب لدینہ والتضعیف لامرہ فلم تکلمہ رسول اللہ صلعم ومولاۃ عبد اللہ بن جدعان فی مسکن لھا تسمع ذٰلک ثم انصرف عنہ فعمد الی نادٍ من قریش عند الکعبۃ فجلس معھم فلم یلبث حمزۃ بن عبد المطلب اَن اقبل متوشحا قوسہ راجعا من قنص لہ صاحب قنص یرمیہ ویخرج لہ وکان اذا رجع من قنصہ لم یصل الی اھلہ حتے یطوف بالکعبۃ وکان اذا فعل ذٰلک لم یمرّ علی نادٍ من قریش الا وقف وسلم و تحدث معھم وکان اعز فتی فی قریش واشد شکیمۃ فلما مرّ بالمولاۃ وقد رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ

ایکبار ابوجہل نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کوہ صفا پر دیکھا اُس بدبخت نے آپ کو ایذا دی (بروایتے طمانچہ مارا) اور سخت کلامی کی اور بعض کہتے ہیں کہ دین اسلام کی عیب جوئی کی۔ جناب رسولخدا صلعم نے اُسکی بدزبانیوں کا کچھ جواب نہ دیا اور قطعاً خاموش رہے۔ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی جس کا گھر قریب تھا۔ یہ تمام واقعات دیکھ رہی تھی اسکے بعد ابوجہل واپس آیا۔ اور حسب المعمول رؤساء قریش کے ساتھ کعبہ میں بیٹھ گیا حمزہؓ بن عبد المطلب کا یہ دستور تھا کہ ہر روز شکار کیلئے باہر جاتے تھے۔ گھر شکار میں جانے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کر لیتے تھے اسکے بعد اُمراء قریش سے جو وہاں موجود رہتے تھے صاحب سلامت کرتے تھے۔ اور تھوڑی دیر تک اُن کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ اور باتیں کرتے تھے آپ مردمان قریش میں معزز اور ممتاز شمار ہوتے تھے۔

پس اس واقعہ کے دن عبداللہ بن جدعان کی لونڈی سے ملاقات ہوئی تو

وآله وسلم الى بيته فقالت لمه يا ابا عمارة لو رأيت ما
لقي ابن اخيك محمد انفاً من ابي الحكم ابن هشام
وجده ههنا جالساً فآذاه وسبه وبلغ منه ما يكره ثم
انصرف عنه ولم يكلمه محمد صلى الله عليه وآله وسلم
فاحتمل الحمزة الغضب لما اراد الله به من كرامته فخرج
يسعى لم تقف على احد معداً لابي جهل اذا لقيه ان يوقع
بها فلما دخل المسجد نظر اليه جالساً في القوم فاقبل
نحوه حتى اذا قام على راسه رفع القوس فضربه بها فشجه
شجة منكرة ثم قال اتشتمه فانا على دينه اقول ما يقول
فرد ذلك علي ان استطعت فقامت رجال من بني مخزوم
الى حمزة لينصروا ابا جهل فقال ابو جهل دعوا ابا عمارة
فاني والله قد سببت ابن اخيه سباً قبيحاً۔

اتفاقاً حضرت حمزہؓ کے گھر آئی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہیں موجود تھے۔ اُس کنیز نے حضرت حمزہؓ کو مخاطب کر کے کہا اے ابا عمارہ (حمزہ حمزہ کی کنیت ہے) کیا تمھیں معلوم نہیں، جو ابوالحکم ابن ہشام (ابوجہل کی کنیت) نے تمہارے بھتیجے محمد صلعم کے ساتھ کیا کیا ہے۔ دیکھو پوچھ لو۔ وہ تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اُس نے اُنکو ایذا دی (طمانچہ مارا) اور سخت گالیاں دیں۔ اور جو کچھ نہیں کہنے کو وہ سب کچھ کہا سُنا۔ اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ لیکن محمدؐ نے اُسکا جواب تک نہ دیا۔ یہ سُنکر حضرت حمزہؓ کو سخت غصہ آیا۔ اور یہی غصہ اُنکے لیے کرامت ایزدی کا باعث ہوا۔ حضرت حمزہ نہایت تیزی سے گھر سے نکلے اور راہ میں کہیں نہ ٹھیرے۔ اور داخل کعبہ ہوئے۔ ابوجہل کو دیکھا قوم کے لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ آپ اُسی غیظ کی حالت میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اُس کے سر کے قریب آکر کھڑے ہوگئے اور اپنی آہنی کمان اُٹھا کر اُسکے ضرب شدید لگائی۔ اور مارنے کے بعد اُس کو کہا کہ اس مذہب کو تو برا کہتا ہے۔ میں اُسی دین میں داخل ہو گیا۔ اب اگر تیری مجال ہو تو مجھے اُس دین میں داخل ہونے سے باز رکھے۔ یہ سُنکر بنی مخزوم کا ایک شخص ابوجہل کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن ابوجہل نے یہ کہکر اُسے فوراً روکدیا کہ ابو عمارہ سے تعرض نہ کرو اُن کو چھوڑ دو۔ قصور میرا ہے۔ میں نے حقیقتاً اُنکے بھتیجے کو بہت بری بری گالیاں دی ہیں۔ (ابن ہشام ص ۹۹ مصر)

اس واقعہ کی تفصیل نے بتلا دیا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکوت وصبر نے حضرت حمزہ کے جذبات قرابت و یگانگی میں ایسا مفید اور شدید اثر پیدا کر دیا۔ جو حضرت حمزہ کے لیے رشد وہدایت کا باعث ہوا۔ اور بدبخت ابوجہل کے لیے اُس کی سزا و عقوبت کا سبب خاص ؎ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔

اپنا پھر اپنا ہے کیسا ہی اختلاف ہو اور کتنی ہی مخالفت۔ جب ایسے ناگزیر موقع آجاتے ہیں۔ تو تعلقات قلبی اور جذبات دلی میں غیر متحمل تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ مخالفت کو حقیقی مواصلت کی صورت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ حمزہ بھی ابولہب ہی کے ایسے شقی اور سنگدل ہو جاتے۔ خداوند عالم کو یہ بھی اپنی مصلحت خاص دکھلا دینی ضرور تھی۔ کہ اسی گھر میں ابیطالبؑ حمزہؓ اور عباسؓ کے ایسے خیرخواہ رسول بھی موجود تھے۔ اور ابولہب کا ایسا بدخواہ اور دشمن جان بھی

کفار قریش اور رسول اللہ صلعم کی ایذا رسانیاں

حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے ادھر اسلام کی قوت بڑھی۔ اُدھر کفار کی خصومت بغریب مسلمان مرد اور عورتوں کو جن وحشیانہ طریقے سے اذیت دیتے تھے۔ اور اُن کی غریب جانوں پر جس شدت سے ظلم وستم ڈھاتے تھے اسکی کیفیت اُوپر لکھی جا چکی ہے۔ اب اُن کی بدبختی اور شامت بڑھتے بڑھتے آنحضرت صلعم کو بھی جسمانی ایذا پہونچانے لگی۔ ان تمام بے رحمیوں بدسلوکیوں اور ایذا رسانیوں کا جواب رسول خدا صلعم کے پاس صرف صبر تھا اور

خاموشی۔ جب کبھی بہت دل بھر آتا تھا تو صرف اتنا ارشاد کر دیا کرتے تھے یا بنی عبد مناف ای جوار ھذا۔ اے بنی عبد مناف حق ہمسایہ گی خوب ادا کرتے ہو۔ طبری ۱۱۹۹۔

ان موذیوں میں ابو الحکم بن ہشام (ابو جہل) عقبہ بن معیط الاموی۔ امیہ بن خلف۔ نوفل ابن خویلد۔ ابو سفیان بن حرب ابو البختری۔ اور عاص بن وائل السہمی وغیرہم سب سے زیادہ مشہور تھے اور سرگرم۔ ہدایت و ارشاد کے وقت کلمات طعن و تشنیع کرنا۔ بیہودہ اور لغو کلمات بکنا۔ ادائے نماز کے وقت تالیاں اور سیٹیاں بجانا۔ ارکان نماز کی نقلیں اڑانا۔ اور ان پر آوازے کسنا۔ راستہ چلتے میں آنحضرت صلعم کے پیچھے آوارہ لونڈوں کو استہزاء و تمسخر کرنے کی غرض خاص سے ساتھ کر دینا۔ آپکے راستہ میں کانٹے ڈالدینا۔ اور راہ چلتے وقت آپ پر گھروں سے کوڑا ڈالدینا۔ ایذائے رسول کے متعلق ظلمہ قریش کی یہ معمولی اور خفیف باتیں تھیں۔ جب ان حرکات سے بھی آپ کے صبر و سکوت اور استقلال و ثبات میں کچھ فرق نہ آیا۔ تو کفار آپ کی جسمانی تکلیف و آزار پر تیار ہوئے۔ تاریخ طبری میں مرقوم ہے۔

اقبل ابن ابی معیط ورسول اللہ صلعم عند الکعبۃ فلوی ثوبہ فی عنقہ فخنقہ خنقا شدیدا فقام ابوبکر من خلفہ فوضع یدہ علی منکبیہ فدفعہ عن رسول اللہ صلعم قال ابوبکر یا قوم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔

آنحضرت صلعم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ ابن ابی معیط اموی آیا۔ اُسنے اپنی چادر کو آپ لپیٹ کر رسی کے ایسا بنایا۔ اور جب آپ سجدے میں گئے تو چادر کو آپ کی گردن میں ڈالدیا۔ اور پیچ پر پیچ دینے شروع کئے یہاں تک کہ بڑی سختی کے ساتھ آپ کا دم رکنے لگا۔ حضرت ابوبکر پیچھے سے آگئے۔ اپنے ہاتھ اس چادر میں ڈالکر آپ کی گردن سے اُسے جدا کر دیا

اور کہا افسوس ہے۔ اے قوم کے لوگو۔ تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو۔ جو کہتا ہے خدا میرا پروردگار ہے۔ طبری۔

اس روایت میں امام ابن القیم زاد المعاد جلد ۱ ص ۲۹۷ میں اتنا اضافہ اور فرماتے ہیں۔ کہ یہ دیکھ کر چند شریر حضرت ابوبکر سے لپٹ گئے۔ اور ان کو خوب زد و کوب کیا۔ رحمۃ للعلمین صفحہ ۵۱۔

جب ان مصائب پر بھی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرائض تبلیغ اور تعلیم دین الٰہی کی خدمات میں ذرا بھی کمی نہیں کی الا اپنے بمثال عزم و استقلال سے ان میں ویسے ہی مصروف رہے۔ تو ان بد عقلوں اور کوتہ اندیشوں نے اپنی جہالت و ضلالت کے تقاضوں سے جناب رسولخدا کو تبلیغ اسلام سے روکنے اور باز رکھنے کیلئے دنیاوی ثروت و مال کی ترغیب و تحریص کا ذریعہ سوچا۔ اس بنا پر کہ وہ حقیقت ناشناس سمجھتے تھے۔ کہ تبلیغ و توسیع اسلام میں آپکی یہ تمام سعی و کوشش اور کد و کاوش (نعوذ باللہ) حصول نام و نمود اور وصول دولت و ثروت پر مبنی ہے۔ اسلئے انہوں نے یہ مجلس مشورت منعقد کی

کفار قریش اور آنحضرت صلعم کو تبلیغ اسلام سے باز رکھنے کی ترغیب و تحریص

ابن ہشام کی تحقیق میں یہ مجلس مشورت حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد منعقد ہوئی۔ اس کا محرک عتبہ بن ربیعہ تھا۔ جو رؤسائے قریش میں ایک مرد ممتاز شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

ان عتبة بن ربیعة وکان سیدا قال یوما وهو جالس فی نادی قریش و رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم جالس فی المسجد وحده یا معشر قریش الا اقوم الی محمد فاکلمه و اعرض علیه امورا لعله یقبل بعضها فیعطیه ایها و یکف عنا و ذلک حین اسلم حمزة و رأوا اصحاب رسول الله صلعم یکثرون و یزیدون فقال نعم یا ابا الولید قم الیه فکلمه۔

عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سردار تھا۔ ایک دن اکابر قریش کے ساتھ بیٹھا اور حسن اتفاق سے جناب رسولخدا صلعم بھی مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے عتبہ نے قریش کو مخاطب کرکے کہا کہ اگر آپ لوگوں کی رائے ہو تو میں اُس وقت محمدؐ کے پاس جاؤں اُن سے باتیں کروں اور چند اُمور جو میں نے سوچے اُنکے پیش کروں شاید وہ میرے کسی امر کو قبول کرلیں۔ تو جیسا میرا خیال ہے ہم لوگوں کو اُن کی طرف سے فراغت ہوجائے سب نے متفق ہوکر کہا ہاں اے ابو الولید (عتبہ کی کنیت) جاؤ اور اُن سے باتیں کرو۔

اب اصل واقعہ جس طرح پیش ہوا۔ اور جو گفتگو عتبہ اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان واقع ہوئی وہ ابن ہشام کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

فقام الیه عتبة حتی جلس الی رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم فقال یا ابن اخی انک منا حیث قد علمت من السطة فی العشیرة والمکان فی النسب و انک قد اتیت قومک بامر عظیم فرقت به جماعتهم و سفهت به احلامهم و عبت به آلهتهم و دینهم و کفرت به من مضی من آبائهم فاسمع منی اعرض علیک امورا تنظر فیها لعلک تقبل منها بعضها قال فقال رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم قل یا ابا الولید اسمع قال یا ابن اخی ان کنت انما ترید بما جئت من هذا الامر مالا جمعنا لک من اموالنا حتی تکون اکثرنا اموالا حتی نسودک علینا حتی لا نقطع امرا دونک و ان کنت ترید به ملکا ملکناک علینا و ان کان هذا الذی یاتیک رئیا تراه لا تستطیع رده عن نفسک طلبنا لک الطبیب و بذلنا فیه اموالنا حتی نبرئک منه فانه ربما غلب التابع علی الرجل حتی یداوی منه او کما قال له حتی اذا فرغ عتبة و رسول الله صلی الله علیه و آله

عتبہ وہاں سے اُٹھا اور رسول اللہ صلعم کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا اے میرے بھتیجے تمہارا شمار ہمیں لوگوں میں ہے اور ہم تمہاری قرابت اور شرافت نسبی سے خوب واقف ہیں۔ لیکن تم نے تو قوم کو ایک امر عظیم میں مبتلا کردیا ہے اُنکی تمام جماعتوں کو متفرق کردیا ہے۔ اُنکے دانشمندوں کو بیوقوف بنایا اُنکے معبودوں کو عیب لگایا اُنکے آباؤ اجداد کی قدیم تمنو داریوں کو غلط ٹھہرایا لیکن تم اگر میری باتوں کو سُنو تو میں اپنے چند تجویز کردہ اُمور تمہارے پاس پیش کروں شاید اُن میں سے کوئی امر تمہیں پسند آجاوے تو طرفین کے لیے بہتر ہو۔ جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا۔ ہاں تم کہو میں ضرور سُنونگا۔ عتبہ بولا اے میرے بھتیجے اگر ان اُمور سے تمہاری غرض مال و دولت کا جمع کرنا ہے تو ہم تم کو اسقدر مال دیدیں۔ کہ پھر ہم لوگوں میں تم سب سے زیادہ مالدار ہوجاؤ۔ اور اگر اُنکے ذریعے تمکو اپنا شرف و اقتدار بڑھانا ہے تو ہم سے کہو ہم تمکو اپنا معتبر علیہ اور معتقد بنالیں۔ اور پھر ہم میں سے کوئی فرد واحد تم سے سرتابی نہ کرسکے۔ اور اگر تم کو حکومت کا خیال ہے۔ تو ہم تمکو اپنا بادشاہ اور حاکم بنالیں۔ اور اگر تم اسکے متعلق اپنی طبیعت میں مرض کا کچھ لگاؤ پاتے ہو تو ہم کہو ہم تمہارے لیے کسی حکیم و طبیب کو تلاش کرلائیں۔ اور اپنے مال و سرمایہ سے تمہارا علاج کرادیں۔ اور تمکو تندرست و صحیح المزاج کرالیں۔ الغرض۔ عتبہ کو جتنا کہنا

تسمع منہ قال قد افرغت یا ابا الولید قال نعم قال فاستمع منی قال افعل فقال بسم اللہ الرحمن الرحیم حٰمٓ تنزیل من الرحمن الرحیم کتاب فصلت آیاتہ قرآناً عربیاً لقوم یعلمون بشیراً ونذیراً فاعرض اکثرھم فھم لا یسمعون وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ ثم مضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیھا یقرؤھا علیہ فلما سمعھا منہ انصت لھا والقی یدیہ خلف ظھرہ معتمداً علیھما یسمع منہ ثم انتھی رسول اللہ صلعم الی السجدۃ منھا فسجد ثم قال قد سمعت یا ابا الولید ما سمعت فانت وذاک فقام عتبۃ الی اصحابہ فقال بعضھم لبعض فنحلف باللہ لقد جاءکم ابو الولید بغیر الوجہ الذی ذھب بہ فلما جلس الیھم قالوا ما وراءک یا ابا الولید قال ورائی انی سمعت قولاً واللہ ما سمعت مثلہ قط واللہ ما ھو بالشعر ولا بالسحر ولا بالکھانۃ یا معشر قریش اطیعونی واجعلوھا بی وخلوا بین ھذا الرجل وبین ما ھو فیہ فاعتزلوہ فواللہ لیکونن لقولہ الذی سمعت منہ نبأ فان تصبہ العرب فقد کفیتموہ بغیرکم وان یظھر علی العرب فملکہ ملککم وعزہ عزکم وکنتم اسعد الناس بہ قالوا سحرک واللہ یا ابا الولید بلسانہ قال ھذا رائی فاصنعوا ما بدا لکم

تھا۔ وہ کہہ چکا اور جناب رسول خدا صلعم اُس کی تمام باتوں کو سن چکے تو آپ نے فرمایا اے ابا ولید تم اپنی باتوں کو تمام کر چکے۔ عتبہ بولا ہاں۔ آپ نے کہا کہ پھر میری بھی کچھ سُن لو عتبہ نے کہا ہاں کہیئے۔ آپ نے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حٰم (یہ فرمان خدائے) رحمان (اور) رحیم کے حضور سے صادر ہوتا ہے یہ قرآن کتاب ہے جس کی باتیں زبان عربی میں سمجھ دار لوگوں کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں (ماننے والوں کو) خوشنودی خدا کی خوشخبری سُناتا اور (منکروں کو عذاب خدا سے) ڈراتا ہے۔ اسپر بھی اکثروں نے منہ موڑ لیا اور وہ (اسکو) سُنتے ہی نہیں (اور اے پیغمبر یہ لوگ یہ بھی) کہتے ہیں۔ کہ جس بات کی طرف تم بلاتے ہو۔ ہمارے دل تو اس سے پردوں میں ہیں“

یہاں تک جناب رسول خدا صلعم پڑھتے چلے گئے۔ اور عتبہ بن ربیعہ پر ایسی محویت طاری ہوئی کہ غور سے سُننے کے لیئے اپنے ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے باندھ لیا۔ اور بیٹھا سُنتا رہا یہاں تک کہ آپ نے مقام سجدہ پر پہنچکر سجدہ کیا سجدہ کیکر اُٹھے تو فرمایا اے ابو ولید تو نے سُن لیا جو کچھ تجھے سُننا تھا اب جو تمیز کرے کر تو گیا ہے۔ اور یہ کلام کیا ہے۔ یہ سُنکر عتبہ وہاں سے بالکل خموش اُٹھا اور اپنے لوگوں کے پاس واپس چلا عتبہ کو آتا دیکھکر اُنہیں سے بعض نے بعض سے کہا کہ قسم خدا کی ابو ولید کا چہرہ متغیر اُسوقت کے مقابلہ میں معلوم ہوتا ہے جسوقت وہ ہمارے پاس سے گئے تھے۔ اس اثنا میں عتبہ آگیا۔ اور بیٹھ گیا قریش نے پوچھا ہاں کہو اے ابو ولید اب تمہاری کیا رائے قرار پائی۔ عتبہ بولا تم اگر میری رائے پوچھتے ہو تو قسم خدا کی میں ایسی چیز سُنتے چلا آتا ہوں جیسی میں نے آج تک کبھی نہیں سُنی تھی۔ اور خدا کی قسم نہ وہ شعر ہے۔ اور نہ وہ سحر ہے۔ نہ وہ شگون ہے۔ نہ وہ ٹوٹکا ہے۔ اور نہ قصہ ہے۔ نہ کہانی۔ اے معشر قریش میری باتوں کو سُنو میری رائے پر چلو۔ تو اس شخص سے اور اُسکے اُمور سے بالکل کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ جو چیزیں میں اُس شخص سے سُن آیا ہوں۔ وہ صرف خبریں ہیں۔ اور بشارتیں۔ اہل عرب آپ ہی اس شخص سے سمجھ لیں گے۔ اور تمہاری مزاحمت کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور اگر یہ شخص اہل عرب پر غالب آگیا تب بھی تمہارے حسب خواہ ہوگا کیونکہ اسکا ملک تمہارا ملک ہوگا۔ اور اُسکی عزت تمہاری عزت الغرض تم دونوں حالتوں میں خوش قسمت ہوگے۔ یہ سُن کر تمام لوگ کہنے لگے۔ اے ابا ولید! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا۔ عتبہ نے کہا۔ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی رائے کہدی۔ اب تم جو اچھا معلوم ہو وہ کرو۔

ہجرت حبشہ نبوت کا ساتواں سال

کفار قریش کو اسلام کی مخالفت میں ناکامیابی پر ناکامیابی ہوتی جاتی تھی۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے وہ شکستہ خاطر ہو رہی رہے تھے۔ کہ عتبہ کی سفارت کا برعکس نتیجہ دیکھکر اُن کا سوہا ہتھ کا دل مُٹھی بھر کا ہو گیا۔ ان تیرہ قلبوں کو اسلام کی انوار حقیقت کی روشنی تشفی صوری معلوم ہونے لگی تھی۔ اور وہ براۃ العین اُسکی معجز نما صداقت کے مشاہدات کرتے جاتے تھے۔ لیکن جہالت کی سیاہی اور ضلالت کی تیرگی اُن کی خط تقدیر بنی ہوئی تھی۔ اور فطرتی بدبختی اور شقاوت پتھر کی لکیر ہو رہی تھی۔ ان مشاہدات کے بعد بھی اسلام کی مخالفت میں اُن کی ستمگاری اور خونخواری موقوف نہیں ہوئی۔ بلکہ بخلاف اسکے اُنکی جور و جفا اور ظلم و ایذا اتنی بڑھ گئی کہ آخر کار خدا اور رسولؐ کو غریب مسلمانوں کی حفاظت جان و مال کا خاص طور پر انتظام کرنا ہوا۔ ابن ہشام اور طبری لکھتے ہیں۔

فقال رالنبی صلعم لهم لو خرجتم الی ارض الحبشة فانّ بها ملكا لا يظلم عنده احد وهی ارض صدق حتى يجعل الله لكم فرجا مما انتم فيه فخرج عند ذلك المسلمين اصحب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الى ارض الحبشة مخافة الفتنة وفرارا الى الله بدينهم فيهم فكانت اول هجرة فی الاسلام ص ابن هشام

جناب رسول خدا صلعم نے ارشاد کیا کہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ کہ یہاں سے ملک حبش کی طرف چلے جاؤ کیونکہ وہاں کا بادشاہ رحمدل اور انصاف پسند ہے۔ اور اُسکی حکومت میں ایک کو دوسرے پر ظلم کرنے کی مطلق مجال نہیں۔ اُسکے ملک والے بھی سچے ہیں۔ اور سیدھے۔ تم لوگ وہاں قیام کرو تا وقتیکہ خداوند عالم تمکو ان مصائب سے مخلصی عطا فرمائے۔ ارشاد نبوی کے مطابق مسلمانوں کی ایک معتدبہ جماعت۔ فتنہ و فساد کے خوف سے اور خدا کی محافظت دین کے خیال سے فرار اختیار کرکے ملک حبش کی طرف چلی گئی۔ اور یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

ملک حبش کو اہل عرب سے جیسی قربت اور تعلق تھا وہ ظاہر ہے۔ حبش قریش کا قدیم مرکز تجارت تھا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ منجملہ اور چیزوں کے مکہ کا نفیس مال اور بہت بڑا تحفہ چمڑا ہوتا تھا خصوصاً رنگا ہوا چمڑا مکہ اور عموماً حجاز کی خاص صنعت شمار کیجاتی تھی۔ اور کتابوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ مکہ اور شام سے جو مال تجارت کے لیے حبش کو جاتا تھا۔ وہ علی الاکثر چمڑا ہی ہوتا تھا

اہل عرب حبش کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔ نجاشی حبشی زبان کے لفظ نجوش کی تعریب ہے۔ جس کے معنی زبان حبش میں بادشاہ کے ہیں۔ موجودہ نجاشی (شاہ حبش کا نام) اصحمہ تھا۔ تجارت کے کاروبار اور ہمسایہ کی آمد و رفت سے اہل عرب کو حبش کے تمام حالات معلوم تھے۔ اس لیے مظلومین اسلام نے آنحضرت صلعم کے اس فرمان کو جو خاص کر انھیں کی حفاظت جان و مال پر مبنی تھا۔ بسر و چشم قبول کر لیا۔

سب مسلمانوں کا ملکر ایک بار جانا مصلحت وقت نہیں تھا۔ اس لیے صحابہ کو دو بار ہجرت کرنی ہوئی۔ ایک بار گیارہ آدمیوں کا قافلہ گیا۔ شبلی صاحب نے مفصلہ ذیل صحابہؓ کے نام دیے ہیں۔

(۱) حضرت عثمانؓ مع اپنی زوجہ محترمہ رقیہؓ (۲) عتبہ مع اپنی زوجہ سہلہ نامی ولیسر ابوحذیفہ نامی (۳) زبیر بن العوام۔

(۴) مصعب بن عمیر (۵) عبدالرحمٰن بن عوف (۶) ابوسلمہ مخزومی مع زوجہ اُم سلمہ نامی (۷) عثمان بن مظعون (۸) عامر بن ربیعہ مع زوجہ لیلیٰ نامی (۹) ابو سبرہ بن ابی رہم (۱۰) حاطب بن عمرو (۱۱) سہیل بن بیضاء (۱۲) عبداللہ بن مسعود۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد دوسرا قافلہ بھی روانہ ہوا۔ اُس میں تقریباً ۷۱ یا ۷۲۔ آدمی تھے۔ اُن کی تاخیر ہجرت کی وجہ اُنکی عسرت و ناداری تھی۔ کہ وقت پر زاد و راحلہ کا سامان مہیا نہ ہو سکا۔ ان جملہ حضرات کے نام ابن ہشام نے جس تفصیل سے لکھے ہیں۔ وہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت عثمان اور اُنکی زوجہ حضرت رقیہ (۲) عمرو ابن سعید بن عاص اور اُنکی بی بی فاطمہ بنت مظعون (۳) خالد بن سعید بن عاص اور اُنکی بی بی امینہ یا ہمینہ نامی۔ قبیلہ بنی اُمیہ سے اتنے آدمی تھے۔ قبیلہ بنی ہاشم سے (۴) حضرت جعفر ابن ابی طالب اور اُنکی بی بی اسما بنت عمیس بنی اسد بن خزیمہ سے (۵) عبداللہ بن جحش (۶) عبیدہ بن جحش اور اُنکی بی بی اُم حبیبہ بنت ابی سفیان (۷) قیس بن عبداللہ اسدی۔ اور اُنکی بی بی برکۃ بنت یسار غلام ابو سفیان (۸) معیقیب بن ابی فاطمہ بنی عبد شمس سے (۹) ابو حذیفہ بن عتبہ (۱۰) ابو موسیٰ الاشعری۔ حلیف آل عتبہ نوفل بن عبد المطلب کے قبیلے سے (۱۱) عتبہ بن غزوان بنی اسد بن عبد العزّیٰ کے قبیلے سے (۱۲) یزید بن ربیعہ (۱۳) عمرو ابن اُمیہ بنی عبد قصیٰ سے (۱۴) طیب ابن عمیر بنی عبد الدار سے (۱۵) مصعب ابن عمیر (۱۶) سویبط بن ہاشم (۱۷) جہم بن قیس (۱۸) عقیس بن عامر (۱۹) حامر بن ابی وقاص (۲۰) حزیمہ بنت جہم (۲۱) ابوالروم بن عمیر (۲۲) فراس ابن النضر (۲۳) بنی زہرہ سے عبدالرحمٰن بن عوف (۲۴) عامر بن ابی وقاص (۲۵) ابی وقاص مالک ابن اہیب (۲۶) مطلب بن ازہر اور اُنکی بی بی رملہ بنی ہذیل سے (۲۷) عبداللہ بن مسعود (۲۸) عتبہ بن مسعود (۲۹) مقداد بن اسود تیم بن زہرہ سے (۳۰) حرث ابن خالد اور اُنکی بی بی ریطہ (۳۱) عمرو بن عثمان بنی مخزوم سے (۳۲) عبد الاسید اور اُنکی بی بی اُم سلمہ (۳۳) شماس عثمان بن عبید (۳۴) ہبار بن ہبضان (۳۵) عبداللہ بن سفیان (۳۶) ہشام بن ابی حذیفہ (۳۷) سلمہ بن ہشام (۳۸) عباس بن ربیعہ (۳۹) حلیف بنی مخزوم سے معتب ابن عوف (۴۰) بنی جمح سے عثمان بن مظعون (۴۱) سائب ابن عثمان (۴۲) قدامہ بن مظعون (۴۳) عبداللہ بن مظعون (۴۴) حاطب بن حرث اور اُنکی بی بی فاطمہ بنت مجال (۴۵) محمد بن حاطب (۴۶) حرث بن حاطب (۴۷) خطاب بن حرث اور اُنکی بی بی فکیہہ بنت یسار (۴۸) سفیان بن معمر (۴۹) جابر بن سفیان (۵۰) جنادہ بن سفیان اور اُن کی بی بی حسینہ (۵۱) اُنکے مادری بھائی شرحبیل بن حسنہ (۵۲) عثمان بن ربیعہ بنی سہم سے (۵۳) خنیس بن حذافہ (۵۴) عبداللہ بن حرث (۵۵) ہشام بن عاص بن وائل (۵۶) عاص بن وائل (۵۷) قیس بن حذافہ (۵۸) ابو قیس ابن الحرث (۵۹) عبداللہ بن حذافہ (۶۰) حرث بن الحرث (۶۱) معمر بن الحرث (۶۲) بشر ابن حارث (۶۳) سعید بن عمرو (۶۴) عمیر بن رعاب (۶۵) بنی زبید سے محمیۃ بن الجزء بنی عدی بن کعب سے (۶۶) معمر بن عبداللہ (۶۷) عروہ بن عبد العزیٰ (۶۸) عدی بن نضلہ (۶۹) نعمان بن عدی (۷۰) عامر بن عدی اور

اُن کی بی بی لیلی (۷۱) بنی عامر بن لوی سے۔ ابو سبرہ بن ابی رہم اور اُن کی بی بی اُمِ کلثوم بنت سہیل (۷۲) عبداللہ بن مخرمہ (۷۳) عبداللہ بن سہیل (۷۴) سلیط بن عمرو (۷۵) سکران بن عمرو اور اُنکی بی بی سودہ بنت زمعہ (۷۶) مالک بن ربیعہ اور اُنکی بی بی عمرہ بنت السعدی (۷۷) ابو حاطب بن عمرو (۷۸) سعد بن خولہ (۷۹) بنی حرث بن فہر سے ابو عبیدہ الجراح (۸۰) سہیل بن بیضا (۸۱) عمرو بن ابی سرح (۸۲) عیاض بن زہیر (۸۳) عمرو بن الحرث (۸۴) عثمٰن بن عبد غنم (۸۵) سعد بن عبد قیس (۸۶) الحرث بن عبد قیس۔

ابن ہشام نے تعداد تو اسی کی لکھی ہے۔ لیکن نام گنئے ہیں چھیاسی کے۔ غالباً اُنھوں نے حلیف اشخاص کے ناموں کو شمار نہیں کیا ہے۔ اور اسی طرح شوہروں کے ساتھ اُن کی بی بیوں کے نام بھی لکھدیئے ہیں۔ مگر اُن کو بھی شمار نہیں کیا ہے یہ خواتین شمار میں اٹھارہ آتی ہیں۔ ان دونوں کے مجموعے سے حضرات مہاجرین حبشہ کی کل تعداد ایک سو چار (۱۰۴) معلوم ہوتی ہے مولوی شبلی صاحب بہت صحیح لکھتے ہیں۔ کہ عام مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت اُنھیں لوگوں نے کی جنکا کوئی حامی اور مددگار نہیں تھا۔ لیکن فہرست مہاجرین میں ہر درجے کے لوگ نظر آتے ہیں حضرت عثمان بنی اُمیہ سے تھے۔ جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار (مالدار) خاندان تھا۔ متعدد بزرگ مثلاً زبیر اور مصعب[ل۵] خود آنحضرت صلعم کے خاندان سے تھے۔ عبدالرحمن بن عوف اور ابو سبرہ معمولی بزرگ نہیں تھے۔ اس بنا پر زیادہ تر قیاس یہ ہے۔ کہ قریش کے ظلم و ستم بیکسوں پر محدود نہ تھے۔ بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی اُن کے ستم سے محفوظ نہ تھے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے۔ اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑتا تھا یعنی حضرت بلال۔ عمار۔ یاسر۔ وغیرہ۔ ان لوگوں کے نام مہاجرین حبش کی فہرست میں نہیں پائے جاتے۔ یا تو اُن کی بے سروسامانی اس حد تک پہونچی تھی۔ کہ سفر کرنا ہی دشوار تھا۔ یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے۔ اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔ ؎ ولم زجور تو آسودہ است وی نالم؛ کہ غیر دُسنر و لذت خدنگ ترا

ملک حبش میں مہاجرین کا داخلہ

کفارِ قریش ایسے کیا تھے۔ جو مسلمانوں کی کسی نقل و حرکت کی خبر پاتے اور خموش رہ جاتے۔ مہاجرین کی روانگی کی خبر لیتے ہی قریش کا ایک دستہ اس قصد و ارادے سے فوراً روانہ ہوا کہ جانے والوں کو راستہ ہی میں گرفتار کر لیا جاوے۔ لیکن جب تک یہ پہونچیں پہونچیں۔ مہاجرین کشتی پر سوار ہو کر ساحل سے روانہ ہو چکے تھے اسلئے تعاقب کرنیوالے ناکامیاب واپس آئے۔ لیکن ناکامی اور محرومی کے بعد بھی وہ اپنی چالوں سے باز نہ رہے جیسا کہ بہت جلد بیان ہوتا ہے۔

مہاجرین کو نجاشی شاہ حبش نے اپنے ملک میں نہایت آرام و امن و امان سے رکھا۔ اور کامل طور پر اُن کو مذہبی آزادی عنایت کی۔ ابن ہشام حضرت اُم المومنین اُم سلمہ کا یہ قول خود اُن کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

ل۵ خاندان رسالت میں زبیر و مصعب آپ کو یاد آئے۔ اور جعفر ابن ابی طالب کا نام بالکل فراموش ہو گیا حالانکہ صفیہ کے لڑکوں اور ابیطالب کے صاحبزادوں میں جو فرق ہے۔ وہ دنیا جانتی ہے اور اُن میں سے باعتبار علاقہ نسبی کے آنحضرت کے ساتھ جتنی قربت ہے وہ بھی تعداد کی اکثریت غلطی کچھ عجیب نہیں ہے سکتی
المؤلف

لما نزلنا ارض الحبشۃ جاورنا بھا خیر جار النجاشی أمنا علی دیننا وعبدنا اللہ تعالیٰ لا نوذی ولا تسمع شیئاً نکرھہ سیرۃ ابن ہشام ص ۱۱۵

جب ہم لوگ ملک حبش میں پہونچے۔ تو نجاشی بادشاہ حبش ہمارے ساتھ بہ آرام پیش آیا۔ اور ہم لوگ پورے امن کیساتھ اپنے دین پر قائم تھے اور آزادی سے خدائے تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے کوئی ہمیں ایذا نہ دیسکتا تھا اور نہ ہم کوئی مکروہات سنتے تھے۔

شبلی صاحب مہاجرین کے آئیندہ واقعات لکھتے ہیں۔

نجاشی کی بدولت مسلمان حبش میں امن وامان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن قریش یہ خبریں سُن سُن کر پیچ وتاب کھاتے تھے آخر یہ رائے ٹھہری کہ سفارت بھیجی جائے۔ کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکالدو عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص (فاتح مصر) اس کام کے لیے منتخب ہوئے۔ نجاشی اور اُس کے درباریوں میں ایک ایک کے لیے گرانبہا تحفے مہیا کئے گئے امام احمد بن حنبل کی مسند میں سند اہلبیت کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ یہ تحفہ بھی علی الاکثر مکہ کا مشہور چمڑہ تھا۔ غرض نہایت سروسامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی۔

یہ سفراء نجاشی سے پہلے درباری پادریوں سے ملے۔ اور اُنکی خدمت میں نذریں پیش کیں۔ اور کہا کہ ہمارے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے۔ ہم نے اُن کو نکالدیا۔ تو آپ کے ملک میں بھاگ آئے۔ کل ہم بادشاہ کے دربار میں جو درخواست پیش کریں۔ تو آپ بھی ہماری تائید فرمائیں۔

نجاشی کے دربار میں قریش کی اپیل اُسکی تردید میں حضرت جعفر کی تقریر

دوسرے دن سفراء دربار میں گئے۔ اور نجاشی سے درخواست کی۔ کہ ہمارے مجرم ہمارے حوالے کر دیے جائیں۔ درباریوں نے بھی تائید کی نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ اور کہا کہ تم نے یہ کونسا دین ایجاد کیا ہے۔ جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے خلاف ہے۔ مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کو انتخاب کیا۔

سفراء قریش کی تردید میں حضرت جعفرؓ نے نجاشی کے سامنے یہ تقریر کی۔

اَیُّھَا الْمَلِکُ۔ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بت پوجتے تھے مُردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ قوی لوگ کمزوروں کو کھاجاتے تھے۔ اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جسکی شرافت اور صدق ودیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اُس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی۔ اور یہ سکھلایا۔ کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑدیں۔ سچ بولیں۔ خونریزیوں سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کو آرام دیں عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں۔ روزے رکھیں۔ زکوٰۃ دیں۔ ہم اُس پر ایمان لائے شرک اور بت پرستی چھوڑدی اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن بن گئی۔ اور اب ہم کو مجبور کرتی ہے کہ پھر اُسی گمراہی میں واپس آجائیں۔

نجاشی نے کہا جو کلام تمہارے پیغمبر پر اترا ہے۔ کہیں سے پڑھو۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی چند آیتیں سنائیں نجاشی پر رقت طاری ہوئی۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک چراغ کے پرتو ہیں یہ کہہ کر سفرائے قریش سے کہا۔ کہ تم واپس جاؤ۔ میں ان مظلومین کو کبھی واپس نہ دونگا۔

دوسرے دن عمر عاص نے پھر دربار شاہی میں رسائی حاصل کی۔ اور نجاشی سے کہا حضور آپ کو یہ بھی معلوم ہے۔ کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ کہ اس سوال کا جواب دیں۔ ان لوگوں کو تردد ہوا کہ حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ نجاشی عیسائی ہے۔ ناراض ہوجائے گا۔ حضرت جعفر نے کہا کچھ ہو ہم کو سچ بولنا چاہیے۔ غرض یہ لوگ دربار میں بلائے گئے۔ حاضر ہوئے۔ تو نجاشی نے پوچھا۔ تم لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو۔ حضرت جعفر نے کہا۔ کہ ہمارے پیغمبر نے بتلایا ہے۔ کہ عیسیٰؑ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھالیا۔ اور کہا: اللہ جو تم نے کہا عیسیٰؑ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔ بطریق جو دربار میں موجود تھے۔ نہایت برہم ہوئے۔ نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ نجاشی نے اُن کے غصہ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب واپس آئے۔

اس اثنا میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا نجاشی اس کے مقابلہ کے لیے خود گیا صحابہ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جائے۔ اور خبر بھیجا رہے۔ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لیے آئیں۔ حضرت زبیر اگرچہ سب سے کمسن تھے۔ لیکن انہوں نے اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیا مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزمگاہ میں پہونچے۔ اور صحابہ نجاشی کے لیے خدا سے دعائے فتح کرتے تھے۔ چند روز کے بعد زبیر واپس آئے۔ اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی۔

یہاں تک حالات لکھکر شبلی صاحب نے عیسائی مصنف مسٹر مارگیولوس کا اعتراض عبارت حاشیہ میں لکھا ہے۔ مارگولوس نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کرکے پیدا کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برا نہیں ہوسکتے۔ اور یہ پہلے سن تھا کہ کعبہ کے گرانے کے لیے ابرہۃ الاشرم جو آیا تھا۔ وہ حبش ہی کا تھا۔ لیے انہوں نے چاہا کہ بادشاہ حبش سے سازش کرکے اس کو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دیں۔ تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے۔ اس غرض سے ہجرت کا بہانہ کرکے آپ نے اصحاب کو حبش بھیجا۔ لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ میں آیا۔ تو مکہ پر خود قابض ہو جائے گا۔ مجھکو کیا ہاتھ آئے گا۔ اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے۔ یہ بالکل بے ثبوت بات ہے۔

صرف بے ثبوت لکھدینے سے بے ثبوت ہونیکی دلیل قائم نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس متعصب عیسائی مولف کو وہ سوجھی جو حقیقتاً مشرکین کو بھی نہیں سوجھی تھی۔ لیکن مارگولوس کو اس معویانہ وہم وقیاس کی کوئی سند کوئی حوالہ پیش کرنا ضرور تھا۔ جیسا کہ اس سے قبل اس نے اپنی اکثر غلط فہمیوں کے ثبوت میں ضعیف اور موضوع مرویات اسلامی کو پیش

کیا ہے۔ اگر اسلامی سند اُس کے پاس اسکی تائید میں موجود نہیں ہے۔ تو اُسکی یہ تعریض نہ ہمارے لیئے قابلِ توجہ ہے۔ اور نہ ہم اُسکے ذمہ دار ہیں۔ جب مارگیولوتھ نے کوئی سند پیش نہیں کی۔ تو تعصب ونفسانیت کے سوا۔ اُسکے اس مجنونانہ قیاس کی کوئی دوسری وجہ نہیں ہو سکتی۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا ۶ نبوت

مشرکین قریش اپنی ناکامی اور اسلام کی کامیابی اور ترقی کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن اپنی جہالت وضلالت سے ہٹتے نہیں تھے۔ انوار اسلام نے قریب قریب اُن تمام سیہ کاروں کے گھروں میں اپنی روشنی پہونچا دی تھی۔ لیکن اُنکی سیہ بختی آجتک اُن کو اُسکے احساس سے محروم رکھے تھی۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے وہ دل شکستہ ہو چکے تھے عمرو عاص کی سفارت حبشہ بھی پیام یاس لائی تھی۔ کہ یکایک ایک تازہ مصیبت یک نہ شد دو شد کی صورت میں نمایاں ہوئی جس کی ان کو سوتے جاگتے نہ کوئی امید تھی اور نہ توقع۔ یہ مصیبت حضرت عمرؓ کا مشرف باسلام ہونا تھا حضرت عمرؓ کی مخالفت اسلام معمولی نہیں تھی۔ اُن کی مخالفت کا اثر مظلومین اسلام کے دائرے میں چاروں طرف پھیلا ہوا تھا خصوصاً بیچاری اور بیکس مسلمان کنیزان بے بس ان کی زدوکوب سے اگر مری نہیں تھیں۔ تو مرنے کے بالکل قریب ہو چکیں تھیں ایسے شدید دشمن اسلام کو رام کرنا قدرت ہی کا کام تھا شبلی صاحب مفصلًا یوں رقمطراز ہیں۔

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا۔ کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ زید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اس خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم ابن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اسلام سے ابھی تک بیگانہ تھے۔ ان کے کان میں جب یہ صدا پہونچی۔ تو سخت برہم ہوئے۔ یہانتک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے۔ اُنکے دشمن بن گئے لبینہ اُن کے خاندان کی کنیز تھی۔ جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُسکو بے تحاشا مارتے۔ اور مارتے۔ مارتے تھک جاتے۔ تو کہتے کہ دم لیلوں۔ تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا اور جس پر قابو چلتا تھا۔ زدوکوب سے دریغ نہ کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا۔ کہ جس کو چڑھتا تھا۔ اُتر تا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر بھی وہ ایک شخص کو اسلام سے بدل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود بانیٔ اسلام کے قتل کا ارادہ کیا۔ تلوار کمر سے باندھی۔ رسول اللہ صلعم کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا کہ

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم۔ راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ اُنکے تیور دیکھکر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے پاس پہونچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ اُن کی آہٹ پاکر چپ ہو گئیں۔ اور قرآن کے اجزا چھپالیئے۔ لیکن آواز اُنکے

کانوں میں پڑ گئی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی۔ بولیں کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں۔ تم دونوں مُرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہکر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے۔ اور جب اُنکی بہن بچانے کو آئیں۔ تو اُن کی بھی خبر لی۔ یہانتک کہ اُنکا تمام جسم لہولوہان ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی۔ بولیں عمرؓ جو بن آئے کرو۔ لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا۔ ان الفاظ نے دلپر خاص اثر کیا۔ حضرت عمرؓ نے بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اُنکے جسم سے خون جاری تھا یہ دیکھکر اور بھی رقت ہوئی فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے۔ مجھکو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزا لا کر سامنے کر دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ‖ زمین و آسمان جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب و الا اور حکمت والا ہے۔ ایک ایک لفظ پر اُن کا (حضرت عمرؓ کا) دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہانتک کہ جب اس آیت پر پہونچے تو اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (خدا اور اُسکے رسول پر ایمان لاؤ) تو بے اختیار پکار اُٹھے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اُس کے رسولؐ ہیں۔

یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا۔ پناہ گزیں تھے حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہونچکر دستک دی چونکہ شمشیر بکف گئے تھے۔ صحابہ کو تردد ہوا۔ لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا۔ آنے دو مخلصانہ آیا ہے۔ تو بہتر ہے۔ ورنہ اُسی کی تلوار سے اُسکا سر قلم کر دونگا۔ حضرت عمرؓ نے قدم اندر رکھا۔ تو رسول صلعم خود آگے بڑھے۔ اور اُن کا دامن پکڑ کے کہا۔ کیوں عمرؓ کس ارادے سے آیا ہے۔ نبوت کی پر جلال آواز نے اُن کو کپکپا دیا نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا (کہ) ایمان لانے کے لئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے۔ اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے ملکر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔

شبلی صاحب کے عقیدے میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے اسلام میں جان بھی آگئی۔ اور خاص شان بھی۔ اسلئے اُنہے اپنے قدیم طریقہ اختصار سے دست بردار ہو کر خاص طور پر تفصیل سے کام لیا ہے۔ لیکن تاہم اپنی خود غرضی کے اُصول کو یہاں بھی ترک نہ فرمایا۔ اصل ماخذ میں جو اُمور مفید مطلب آپ کے تھے اُتنے تو لکھ لئے گئے۔ باقی الفاظ یہ نہ مؤلف کی شان ہے۔ اور نہ محقق کا انداز بیان۔

آپ نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی صورت اس انداز پر کھینچی ہے۔ جس سے یہ امر پایا جاوے کہ موصوف کا اسلام لانا اُن کی ذاتی تحقیق اور حسن تعقل کا نتیجہ ثابت ہو۔ جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری۔ ابو الطفیل دوسی وغیرہم کے حالات و واقعات سے معلوم ہو چکا ہے۔ حالانکہ ابن ہشام آپکے اصلی ماخذ کی عبارت اسکے خلاف حقیقت حال بتلاتی ہے۔ اور اُسکی تصریح کو آپ بالقصد اپنے ترجمہ سے نکال دیتے ہیں۔ ابن ہشام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کے خاندان کے لوگوں نے اسلام کی تعلیم خاص رسول اللہ صلعم سے بھی نہیں پائی تھی۔ بلکہ خباب بن الارت کے واسطے سے اسموقع پر حضرت عمرؓ کے بھی راہنما یہی بزرگ تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی انہیں سے اسلام کی خوبی اور بانئے اسلام علیہ السلام کے

دربار رسالت تک اپنی باریابی کے متعلق ستفسرات کئے تھے۔ اور خباب بن الارت نے ان کو تشفی بخش جواب دیکر قبول اسلام اور حصول زیارت حضرت سید الانام پر آمادہ اور تیار کردیا تھا۔ ابن ہشام کی عبارت یہ ہے۔

فرجع عمر عامداً الی اختہ و ختنہ و عندھما خباب بن الارت معہ صحیفۃ فیھا طٰہٰ یقرءھا ایاھا فلما احس عمر لغیب خباب فی مخدع لھم او فی بعض البیت

عمر اپنی بہن اور بہنوئی کی تنبیہ کا قصد مصمم کرکے اسوقت پر پہونچے جب خباب بن الارت اُن دونوں (اُنکی بہن اور بہنوئی) کو اپنے صحیفہ میں سے جو اُن کے ہمراہ تھا سورۂ طٰہٰ کی آیتیں سنا رہے تھے۔ جب حضرت عمر کے آنے کی آہٹ ملی۔ تو خباب اُن کے گھر کی کسی پوشیدہ جگہ میں جا چھپے۔ یا قریب کے کسی مکان میں چھپ گئے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا۔ کہ اس خاندان میں معلم اسلام خباب بن الارت تھے اُنھیں کے فیضان تعلیم نے اُن لوگوں کو مسلمان بنا دیا۔ اتنی عبارت شبلی صاحب نے ترجمہ نہیں کی ہے۔

بھائی بہن میں اجزائے قرآن کے دکھلانے کی نسبت جو مکالمات ہوئے وہ ابن ہشام کے الفاظ میں یہ ہیں۔

قال لاختہ اعطینی ھذہ الصحیفۃ التی یقرئون انفاً انظر ما ھذا الذی جاء بہ محمد و کان عمر کاتبا فلما قال ذٰلک قالت لہ اختہ انا نخشاک علیھا قال لا تخافی و حلف لھا بالھۃ لیردنھا اذا قرأتھا الیھا فلما قال ذٰلک طمعت فی اسلامہ فقالت لہ یا اخی انک نجس علی شرکک وانہ لا یمسھا الا الطاھر فقام فاغتسل فاعطتہ الصحیفۃ۔

حضرت عمر نے اپنی بہن سے کہا کہ وہ صحیفہ جو تم لوگوں پر پڑھا جاتا تھا مجھے دو تو ہم دیکھیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا نازل ہوا ہے۔ چونکہ حضرت عمر پڑھنا لکھنا جانتے تھے اسلئے اُنہوں نے ایسا کہا یعنی مانگ کر دیکھنا چاہا بہن نے جواب دیا کہ مجھے خوف ہے کہ تم اُسے ضایع کردو گے حضرت عمر بولے تم خوف نکرو اور اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم اس صحیفہ کو پڑھکر واپس کردینگے جب اُنہوں نے ایسا کہا۔ تو بہن کو اُنکے اسلام کی توقع ہوئی لیکن کہا بھائی بات یہ ہے۔ کہ تم اپنی شرک کی وجہ سے ابھی تک نجس ہو۔ اور اس صحیفہ سوائے طاہر شخص کے کوئی دوسرا نہیں چھو سکتا۔ یہ سُن کر حضرت عمر اُٹھے۔ اور فوراً غسل کر آئے تب بہن نے وہ صحیفہ دیا۔

اس عبارت کو بھی شبلی صاحب نے بالکل مرفوع القلم فرما دیا۔ اور حضرت حعفر کے قدیم انہماک فی الشرک اور اُنکی بہن کے اخلاص فی الاسلام کے متضاد عوالم کو پیش کرنا خلاف غیرت سمجھا لیکن یہ اُمور انسان کی سعادت اور توفیقات سے متعلق ہوتے ہیں اس میں نسبی یا سببی قرابت اور خصوصیت کا دخل نہیں ہے۔

اس کے بعد جب خباب بن الارت نے آرٹ سے حضرت عمر کو قرآن پڑھتے اور اُسکے روحانی مطالب و معانی سے اثر پذیر ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو ایک بارگی سامنے آگئے۔ باہم جو گفتگو ہوئی وہ یہ ہے۔

فلما سمع ذٰلک الخباب بن الارت خرج الیہ فقال لہ یا عمر واللہ انی ارجو ان یکون اللہ قد خصک بدعوۃ نبیہ فانی سمعتہ امس و ھو یقول اللھم ایّد الاسلام

جب خباب نے ان کو (حضرت عمر کو) ٹھنڈے دل سے قرآن پڑھتے سن لیا تو سامنے آکر کہنے لگے۔ اے عمر میں خیال کرتا ہوں کہ خدا نے تجھکو پیغمبر خدا کی قبول دعوت کیلئے خاص طور پر تجویز فرمایا ہے کیونکہ کل ہم نے آنحضرت صلعم کو

بابی الحکم بن ھشام او بعمر بن الخطاب فاللہ اللہ یا عمر فدلنی یا خباب علی محمد حتی اتیہ فاسلم فقال لہ خباب ھو فی بیت عند الصفا معہ فیہ نفر من اصحابہ۔

یہ دعا فرماتے ہوئے خود سُنا ہے کہ پروردگار تو اسلام کی حمایت ابی الحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ سے فرما۔ خدا کی قسم یہ بڑا اعزاز ہے۔ یہ سُنتے ہی حضرت عمر بیہ کہا۔ اے خباب تم اسی وقت مجھے آنحضرت صلعم کی خدمت میں لے چلو کہ میں اسلام لاؤں۔ خباب نے کہا کہ وہ صفا کے پاس ایک مکان میں مقیم ہیں۔ اور آپکے ساتھ آپکے چند اصحاب موجود ہیں۔ آپ وہیں چلے جائیں۔ ابن ہشام ص ۱۲۰ مصر۔

یہ عبارت بھی شبلی صاحب نے اپنی غرض خاص سے حذف فرما دی۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ خباب بن الارث اُن کے راہ راست پر لانے رسول اللہ صلعم کا نشان بتلانے اور اُن کے اسلام لانے کے اصلی محرک ہوئے۔

قرآن مجید کے روحانی اثر نے جس طرح حضرت عمر کو مسخر کر لیا۔ اُس کی کیفیت تو اُوپر معلوم ہو چکی۔ اب خباب بن الارث کی رہنمائی سے جب شرفیاب زیارت ہوئے تو رسالت و نبوت کے تصرفات روحانی نے اُنکے رام کرنے میں جن عملی ترکیبوں سے کام لیا۔ اُس کے نقل و ترجمہ کو بھی شبلی صاحب قلم انداز فرما گئے۔ شاید حضرت عمر کی کسر شان سمجھی گئی۔ اُسکی حقیقت ابن ہشام کی زبانی یوں ہے۔

فاذن لہ الرجل ونھض الیہ رسول اللہ صلعم حتی لقیہ بالحجرۃ فاخذ بحجرتہ او بمجمع ردائہٖ ثم جبذہ بجبذۃ شدیدۃ وقال ما جاءک یا ابن الخطاب ما اری ان تنتھی حتی ینزل اللہ بک قارعۃ ص ۱۲۰

حضرت عمر نے اجازت مانگی تو آنحضرت صلعم کی طرف سے ایک شخص نے اندر آنے کی اجازت دیدی۔ آنحضرت صلعم خود اُنکی طرف بڑھے۔ اور یہ حجرے تک آئے تھے۔ کہ آنحضرت صلعم نے اُنھیں دیکھ لیا و لپک کے ہاتھ ولپک کے اُنکے گوشہ ردا کو تھام کر سخت زور سے کھینچا اور پوچھا کیوں پسر خطاب آج تم یہاں کیسے آئے خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ تم میں تمام باتوں کی انتہا ہو گئی اور آخر خدا نے تمہیں دوڑا ہوا یہاں بھجوایا۔

نہیں معلوم کہ حضرت صلعم کے ان چند الفاظ خطابیہ میں کیسی قیامت کے روحانی اثر تھے اور آپکے اُس کشش دستی میں کیسی معجزنما تسخیر کی قوت مُضمر تھی کہ حضرت عمر سے باوجود اُنکی قدیم عداوت و خصومت کے اس موقع پر پیغمبر اسلام کے مقابلہ میں سوائے سر افگنی۔ عجز نمائی اور جبیں سائی کے کچھ اور نہ بن پڑا سند رجہ بالا سوال رسالت کے جواب میں نیچی آنکھیں کر لیں۔ اور کہا۔

جئتک لاؤمن اللہ وبرسولہ وبما جاء من عند اللہ۔

یا حضرت میں تو صرف خدا اور رسول اور جو کچھ اُس پر نازل ہوا ہے۔ اُس پر ایمان لانے کی غرض خاص سے حاضر ہوا ہوں۔

حضرت عمر کے اسلام لانے کے متعلق اس روایت سے تو موصوف کی اپنی سعی و کوشش کی جگہ۔ قدرت کی جبروت رسالت کے روحانی فیوض اور بیچارے خباب اور اُن کی بہن اور بہنوئی کی رہنمائی بقدر مشترک شامل معلوم ہوتی ہے۔ اس بنا پر شبلی صاحب کا ان استخفاف واقعات سے اگر یہ مُدعا تھا۔ کہ وہ حضرت عمر کا اسلام لانا بلا تحریک و مشارکت غیرے ثابت کریں تو وہ اُن کے اصلی ماخذ کی عبارات مندرجہ بالا سے کسی طرح ثابت نہیں۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق دوسری روایت

شبلی صاحب کی قدیم عادت ہے کہ تلاش واقعات میں آپ اس واقعہ یا روایت کو نقل کرتے ہیں، جو آپ کے مفید مطلب ہوتی ہیں۔ اور ان واقعات و مرویات کو جن سے آپکا مطلب نہیں نکلتا بالکل قلم انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن اس موقع خاص پر آپ سے سخت غلطی واقع ہوئی ہے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے والے واقعہ میں تاریخ ابن ہشام کی صرف پہلی روایت کو تلخیص اور قطع و برید کے بعد ترجمہ کرکے لکھا ہے اور اُس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے میں کسی تحریص و ترغیب کی مداخلت نہیں تھی۔ حالانکہ اُوپر کی عبارت سے دکھلا دیا گیا ہے۔ کہ موصوف کے اسلام لانے والے واقعہ میں خباب بن الارث کی تحریک خاص طور پر شامل تھی۔ افسوس ہے۔ کہ شبلی صاحب کی نظر اپنے ماخذ اصلی کی دوسری روایت پر نہیں گئی جو اس سے زیادہ اُنکے مفید مطلب تھی اور اُس سے ایک گونہ موصوف کی تحقیق خاص نکل سکتی تھی۔

ابن ہشام نے شبلی صاحب کی اختیار کردہ روایت کی نسبت لکھدیا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق یہ وہ روایت جو خاص مدینہ کے لوگوں میں مشہور ہے۔

فھذا الحدیث الرّواۃ من اھل المدینۃ عن اسلام عمر بن الخطّابؓ۔ | حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے وقت کی یہ وہ روایت ہے۔ جسکے راوی مدینہ کے لوگ ہیں۔

اس کے بعد ابن ہشام نے موصوف کے اسلام لانیکی وہ روایت نقل کی ہے۔ جو مکّہ کے راویوں سے منقول و مذکور ہے

حدثنی عبد اللہ بن ابی نجیح مکی عن اصحابہ عطاء ومجاھد عمّن روی ذلک ان اسلام عمر فیما تحدثوا بہ عنہ انہ کان یقول کنت عن الاسلام مباعدًا وکنت صاحب الخمر فی الجاھلیّۃ احبّھا واشربھا وکان لنا مجلس یجتمع فیہ رجال من قریش بالحزورۃ عند دُور آل عمر بن عبید بن عمران المخزومی قال فخرجت لیلۃ ارید جلسائی اولٰئک فی مجلسہم ذٰلک قال فجئتہم فلم اجد فیہ منہم احدًا قال فقلت لو انی جئت فلانا الخمّار وکان بمکۃ یبیع الخمر لعلّی اجد عندہ خمرًا فاشرب منہا قال فخرجت فجئتہ فلم اجدہ قال فقلت لو انی جئت الکعبۃ فطفت بہا سبعًا او سبعین

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے عبد اللہ بن نجیح مکی نے اپنے اصحاب عطاؔ و مجاہد سے اور اُنھوں نے اپنے راویوں سے نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانیکے متعلق اُنکے علم و دانست میں یہ واقعہ گذرا جیسا کہ خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں ایّام جاہلیت میں اسلام کا سخت مخالف اور شراب پینے کا سخت عادی تھا خوب پیا اور پلایا کرتا تھا اور مکانات آل عمر بن عبید بن عمران المخزومی کے قریب ہماری شراب نوشی کی ایک صحبت گاہ قائم تھی جہاں بہت سے جوانان قریش جمع ہوا کرتے تھے میں ایک دن کچھ رات گئے اس جلسہ گاہ میں جلسہ جانے کی غرض سے گیا لیکن یہاں پہونچکر میں نے کسی کو بھی نہ پایا یہ تنہائی دیکھکر میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید یہ لوگ فلاں خمار مئے فروش کی دوکان پر گئے ہونگے جو مکّہ میں شراب بنانے اور بیچنے کیلئے مشہور تھا یہ خیال کرکے میں وہاں چلا اور یہی ارادہ کر لیا کہ اُسی سے شراب لیکر

قال فجئت المسجد اريد ان اطوف بالكعبة فاذا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قائم يصلي وكان اذا صلى استقبل الشام وجعل الكعبة بينه وبين الشام وكان مصلاه بين الركنين الركن الاسود والركن اليماني قال فقلت حين رأيته والله لو اني استمعت من محمد الليلة حتى اسمع ما يقول فقلت لئن دنوت منه اسمع منه لاروعنه فجئت من قبل الحجر فدخلت تحت ثيابها فجعلت امشي رويدا ورسول الله صلعم قائم يصلي يقرء القرآن حتى قمت في قبلته مستقبله ما بيني وبين الا ثياب الكعبة قال لما سمعت القرآن رق له قلبي وبكيت ودخلني الاسلام فلم ازل قائما في مكاني ذلك حتى قضى رسول الله صلعم صلاته ثم انصرف وكان اذا انصرف خرج على دار ابن ابي حسين وكانت طريقه حتى يجيز على المسعى ثم يسلك بين دار عباس بن عبد المطلب وبين دار ازهر بن عبد عوف الزهري ثم على دار الاخنس بن شريق حتى يدخل بيته وبين مسكنه صلى الله عليه وآله وسلم في دار الرقطاء التي كانت بيدي معوية بن ابي سفيان قال عمر رضي الله عنه فتبعته حتى اذا دخل دار عباس ودار ابن ازهر ادركته فلما سمع رسول الله حسي عرفني فظن رسول الله صلعم اني انما اتبعته لاوذيه فنهني ثم قال ما جاء بك يا ابن الخطاب هذه الساعة قال قلت جئت لاومن بالله وبرسوله وبما جاء من عند الله قال فحمد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ثم قال قد هداك الله يا عمر ثم

پی لونگا لیکن اتفاق سے وہ بھی نہ ملا اب مایوس ہو کر میں نے گھر لوٹنے کا ارادہ کر لیا اور ساتھ ہی اُسکے یہ بھی خیال آیا کہ خانہ کعبہ کا طواف (سات بار یا سَتّر بار) کرتے چلیں یہ ارادہ کر کے میں داخل مسجد الحرام ہوا میں نے جو ہیں طواف شروع کیا۔ دیکھا کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور آپ شام کی طرف مُنہ کئے ہوئے نماز ادا کر رہے ہیں۔ اور خانہ کعبہ آپکے اور سمت شام کے درمیان واقع ہے اور اُسوقت آپ کا مصلیٰ رکن اسود اور رکن یمانی کے فی مابین قایم ہے۔ آپ کو دیکھکر میرے دلمیں یہ خیال آیا کہ کاش ہم آج رات کو آپ کی زبان سے اُن چیزوں کو سُن لیتے جنکو ہم اور لوگوں کی زبانی سُنا کرتے ہیں لیکن اسکے ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ آپ کی تلاوت کو بغیر قریب گئے کیسے سُن سکتا ہوں آخر سوچ سمجھ کر مقام حجر سے ہوتا ہوا آپ کے قریب آگیا اور غلاف میں چُھپ کر آپکو سُننے لگا آپ اُسیطرح نماز میں قائم رہ کر تلاوت قرآن مجید فرماتے رہے پھر میں آپکے آگے جا کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ مجھ میں اور آپ میں سوائے لباس کعبہ اور کوئی شئے حائل نہیں تھی پس میں نے جو ہیں آپ کی زبان مُبارک سے قرآن کی سماعت کی فوراً میرے قلب میں رقت پیدا ہو گئی اور میں بے ساختہ رونے لگا اور اُسی وقت سے شعشعۂ اسلام میرے دلمیں جلوہ افروز ہُوا۔ میں کچھ ایسا متاثر ہوا کہ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور وہاں سے ذرا نہ ہلا یہاں تک کہ جناب رسولخدا صلعم نے اطمینان سے اپنی نماز تمام کی اور پھر آپ وہاں سے چلے پھر آپ ابن ابی حسین کے طرف سے دار عباس بن عبد المطلب اور دار ابن ازہر بن عبد عوف الزہری کے درمیان ہو کر پھر دار اخنس بن شریق سے گذر کر اپنے مکان میں داخل ہوئے اور اُن دنوں آپکا قیام دار الرقطاء میں تھا جو بعدہ معاویہ بن ابو سفیان کے قبضہ میں آگیا تھا حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا اور دار عباس بن عبد المطلب اور دار ابن ازہر کے درمیان .... آپ سے مُلاقی ہوا۔ آنحضرت صلعم

له ان دور دور اور پیچ دار راہوں سے آنحضرت صلعم کے گھر آنے کی وجہ صرف یہی تھی کہ آپ کفار کی ایذا دہی کے خیال سے آمد و رفت میں غیر متعارف راہیں اور گلیاں اختیار کرتے تھے
المؤلف

مسح صدری و دعا لی بالثبات ثم انصرفت عن رسول اللہ و دخل رسول اللہ صلعم بیتہ۔ قال ابن اسحٰق واللہ اعلم ای ذلک۔

کو میرے آنے کی آہٹ لگی اور مجھے دیکھکر آپ کو یہ خیال گذرا۔ کہ میں آپ کی ایذا دہی کے ارادے سے پیچھے پیچھے آتا ہوں آپنے مجھے آنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا کہ اے پسر خطاب تم اسوقت میرے ساتھ کیوں آتے ہو۔ میں نے بیساختہ عرض کی۔ کہ خدا پر اس کے رسولؐ پر اور اس شے پر جو نازل فرمائی گئی ہے۔ ایمان لانے کی نیت سے آتا ہوں یہ سُنکر آنحضرت صلعم نے خدا کی حمد کی۔ اور پھر مجھے ارشاد کیا۔ اے عمر خدا نے تمھیں ہدایت کی۔ پھر آپنے میرے سینہ پر اپنا دست مُبارک رکھکر میرے ثبات ایمان کے لیے دُعا فرمائی۔ اس کے بعد میں آنحضرت صلعم کی خدمت سے رخصت ہُوا۔ اور آپ اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔

یہ دونوں روایتیں لکھکر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں کون صحیح الواقعہ ہے۔ میں نہیں کہ سکتا۔ ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ مصر

اس روایت میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ بمقابلہ سابق روایت کے اس امر کا زیادہ مظہر ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام لانے میں اپنی سعی و کوشش سے کام لیا اور باوجود اپنی قدیم اور عظیم مخالفت اسلام قدرت کی طرف سے جب آپ کی ہدایت کے انتظام کیے گئے۔ تو دم بھر میں اُن کی دشمنانہ مخالفت دوستانہ موافقت ہوگئی۔ اور پھر ایسی کہ جس سے یہ کوسوں دور رہنا چاہتے تھے۔ صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ اُس کے پاس خود دوڑے چلے آئے اور خود بخود کہنے لگے۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ۔ تعلیم و تلقین کے بعد بھی اصل ہدایت قدرت کا کام ہے وما ابریٔ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ہم اپنے نفسوں کی برائی اسوقت تک دور نہیں کر سکتے تا وقتیکہ پروردگار عالم اس امر اہم پر رحم نہ فرمائے۔ آغاز جزء سیزدہم ۱۳ قرآن مجید سورۃ یوسف۔

حضرت ابیطالب اور قریش کی آخری وفد

کفار قریش اور مشرکین کعبہ کی قسمتوں میں سوائے ناکامی کے کچھ اور نہیں تھا حالانکہ وہ اسلام اُسوقت تک بالکل لاوجود سمجھتے تھے۔ اور اُنکا مغرورانہ خیال یہ تھا۔ کہ اُسکے تھوڑے بہت موجودہ وجود کو نیست و نابود کرنا بالکل اُنکے اختیار میں ہے جسوقت چاہیں گے اُسکو کالعدم کر دینگے لیکن اسکے خلاف میں اُنکی پے درپے ناکامیوں نے اُن کو چونکا دیا تھا۔ کہ اسلام اپنی بے مقداری میں بھی اتنی قوت اور پاداری رکھتا ہے۔ کہ اُن کی کثرت اور جمعیت اُنکے خلاف کچھ بھی نہ کر سکی۔ ممتازین قریش کا بالتدریج حلقہ بگوش اسلام ہوتا۔ نجاشی کے پاس سے وفد کا محروم و مایوس واپس آنا حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام لانا۔ اسلام کی کامیابی اور اُن کی ناکامی کے مشاہدے تھے۔ جنکو وہ خود آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اس بنا پر پھر قریش نے اپنی مخاصمانہ تدابیر میں استمالت کا طریقہ اختیار کیا۔ اور جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خود گفتگو کرکے اور حضرت ابیطالبؑ کے ذریعہ سے فہمائش کراکے آنحضرت صلعم کو تعلیم اسلام سے باز رکھنے کی سعی و کوشش شروع کی اور آنحضرت صلعم سے بالمشافہا گفتگو کرنے سے پہلے اپنی تدبیر کی سلسلہ جُنبانی حضرت ابیطالبؑ سے آغاز کی۔ ابن ہشام نے جس تفصیل و ترتیب سے اپنی سیرت میں ان واقعات کو بیان کیا ہے۔ ویسا کسی دوسرے

مورخ اور سیرت نگار نے نہیں جمع کیا ہے۔ اس بنا پر ہم ذیل میں انھیں کی تفصیل و ترتیب کو سلسلہ وار نقل کرتے ہیں۔

ثم مشوا الی ابی طالب ان لک سنا و شرفا و منزلة فینا وانا قد استنھیناک من ابن اخیک فلم تنھہ عنا وانا واللہ لانصبر علیٰ ھذا من شتم اٰبائنا و تسفیہ احلامنا وعیب اٰلہتنا حتی تکفہ عنا او ننازلہ وایاک فی ذلک حتی یھلک احد الفریقین او کما قالوا لہ ثم انصرفوا عنہ فعظم علی طالب فراق قومہ و عداوتھم ولم یطب نفسا باسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لھم ولا خذلانہ ان قریشا حین قالوا لابی طالب ھذہ المقالة بعث الی رسول اللہ صلعم انہ قد بدا العمتوا لہ خاذلة فابق علیّ و علی نفسک ولا تحملنی من الامر ما لا اطیق قال فظن رسول اللہ صلعم یا عم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ او اھلک فیما ترکتہ قال ثم استعبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فبکی ثم قام فلما ولی ناداہ ابو طالب فقال اقبل یا ابن اخی قال فاقبل علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فقال اذھب یا ابن اخی فقل ما احببت فواللہ لا اسلمک بشیء ابدا ص ۸۹

اکابر قریش ملکر پھر ابیطالبؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اے ابطالبؑ ہم لوگوں کے آگے آپ کی بڑی عظمت اور قدر و منزلت ہے اور ہم سب ملکر آپ کے پاس یہ عرض کرنے آئے ہیں۔ کہ آپ اپنے بھتیجے کو منع کریں۔ اور اگر آپ انھیں منع نہ کریں تو ہم لوگ آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ اب ہم لوگوں میں اپنے بزرگوں کے حق میں برا سننے۔ بیوقوف بنائے جانے۔ اور اپنے معبودوں کے عیب کے بیان و اعلان سننے کی ذرا بھی تاب نہیں ہے۔ آپ انھیں چپ رہنے کی ہدایت کریں ورنہ ہم انھیں جان سے مار ڈالیں گے۔ اور آپ اکیلے ہم لوگوں کا کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ یہ کہکر وہ لوگ تو چلے گئے۔ اور ابی طالب کو اپنی قوم کی عداوت اور مفارقت بھی گراں معلوم ہوتی تھی۔ اور اسی طرح جناب رسولخدا صلعم کو ان لوگوں کے کہنے کے موافق ترک تبلیغ اسلام کو کہنا بھی گوارا نہیں تھا۔ آخرکار جب یہ لوگ اٹھکر چلے گئے تو ابی طالبؑ خود آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور کہنے لگے اے جان عم ابھی ابھی تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسا ایسا کہتے تھے (ان لوگوں کی باتوں کو دہرایا) تو میرے خیال میں تمھیں میری اور اپنی جان کا بھی خیال کرنا چاہیے مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ مجھ سے نہ اٹھ سکے۔ یہ سنکر آنحضرت صلعم کو خیال ہوا کہ چچا کی توجہ میری طرف سے کم ہو گئی۔ قریش کی تہدید و ترہیب سے وہ مجھے چھوڑ دینگے اور اپنے ساتھ نہ رکھیں گے۔ اور میری حمایت و اعانت سے دست بردار ہو جائیں گے۔ چچا کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ چچا۔ اگر یہ لوگ آفتاب کو میرے داہنے ہاتھ پر لا رکھیں اور ماہتاب کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹونگا اور نہ خدا کے حکم سے ایک حرف بھی کم و بیش کرونگا خواہ وہ لوگ مجھے اس کام میں ہلاک کر ڈالیں۔ اتنا فرماکر آنحضرت صلعم پر عبرت و حسرت کی ایسی حالت طاری ہوئی کہ آپ آبدیدہ ہو گئے اور وہاں سے اٹھ کر روانہ ہو گئے حضرت ابیطالبؑ نے آپ کو جاتا ہوا دیکھکر آواز دی اور واپس بلایا جناب رسولخدا صلعم چچا کی آواز سن کر واپس آئے۔ تو ابیطالبؑ نے کہا جاؤ۔ جو تم کرتے ہو وہ کرو۔ اور جو تم کہتے ہو وہ کہو میں جب تک زندہ ہوں کوئی تم پر دسترس نہیں پا سکتا۔

قریش نے ابی طالبؑ سے اپنے معروضہ کے اثر کا دو چار روز تک انتظار دیکھا لیکن اپنی توقع کے خلاف تبلیغ اسلام میں آنحضرت صلعم کی وہی مستعدی اور سرگرمی دیکھی اس میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی تو ان کو اب کی بار بھی اپنی محرومی کا یقین ہو گیا اور

اُنہوں نے سمجھ لیا کہ قلبی تعلقات ابیطالبؑ کو محمد (صلعم) کی دست برداری پر اُسوقت تک تیار نہیں کرسکتے جبتک کہ ہم محمدؐ کے برابر عزیز یا اُنسے زیادہ عظیم معاوضہ ابیطالبؑ کے آگے پیش نکرینگے۔ یہ تجویز کرکے ایک دوسری وفد، عمارہ بن ولید بن المغیرہ کو ساتھ لیکر ایک نئی فرمائش کرنیکے لیئے ابیطالبؑ کے پاس حاضر ہوئے۔ پوری کیفیت ابن ہشام کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

ثم ان قریشا حین عرفوا ان ابوطالب قد ابی خذلان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم واسلامہ واجماعہ لفراقھم فی ذلک وعداوتھم مشوا الیہ بعمارۃ بن الولید بن المغیرۃ فقالوا لہ فیما بلغنی یا ابا طالب ھذا عمارۃ بن الولید انھد فتی فی قریش واجملہ فخذہ فلک عقلہ ونصرہ واتخذہ ولدا فھو لک واسلم الینا ابن اخیک ھذا الذی قد خالف دینک ودین ابائک وفرق جماعۃ قومک وسفہ احلامھم فنقتلہ فانما ھو رجل برجل قال واللہ لبئس ما تسوموننی اتعطوننی ابنکم اغذوہ لکم واعطیکم ابنی تقتلونہ ھذا واللہ ما لا یکون ابدا قال فقال المطعم ابن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی واللہ یا ابا طالب لقد انصفک قومک وجھدوا علی التخلص مما تکرھہ فما اراک ترید ان تقبل منھم شیئا فقال ابوطالب للمطعم واللہ ما انصفونی ولکنک قد اجمعت خذلانی ومظاھرۃ القوم علی فاصنع ما بدا لک۔

جبکہ کفار قریش نے یقین کرلیا۔ کہ ابی طالبؑ آنحضرت صلعم سے دست بردار نہونگے۔ اور ہمارے تفرقۂ جماعت وعداوت کا کوئی خیال نہ کرینگے۔ تو وہ لوگ ایک بار پھر جمع ہوکر اور عمارہ بن ولید بن المغیرہ کو اپنے ہمراہ لیکر اُنکے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ لڑکا جو تمام قریش میں خوشجمال اور خوشخصال ہے حاضر ہے آپ اسکو اپنی تبنیت میں قبول فرمائیں اسکی تعلیم وتادیب کریں۔ نصرت و حمایت کریں۔ یہ آپ ہی کا ہوکر رہے گا۔ اور اُسکی جگہ اپنے بھتیجے کو جو آپکے بزرگوں کے دین کا مخالف ہے۔ اور آپ کی قومی جمیعت میں تفرقہ ڈالتا ہے اور آپکے دانشمندان قوم کو بیوقوف بناتا ہے ہم کو حوالہ کردیں کہ ہم اُسے مارڈالیں اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ایک آدمی کے عوض میں ہم دوسرا آدمی حاضر کرتے ہیں۔ یہ سُنکر حضرت ابیطالبؑ نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھسے کیسی بُری خواہش ظاہر کی ہے کہ تم مجھکو اپنا فرزند اس لیئے دیتے ہو کہ میں اُسکی نازو نعیم کے پرورش کروں اور اُسکے معاوضہ میں اپنا جگر بند تمہیں دیدوں۔ کہ تم اُسے جاکر قتل کرو۔ واللہ خدا کی قسم یہ تمہاری ایسی فرمائش ہے۔ جو مجھسے کبھی نہیں ہوسکتی ابوطالبؑ کا یہ جواب سُنکر مطعم ابن عدی بن نوفل بولا۔ کہ ابوطالبؑ تمہاری قوم نے بات انصاف کی کہی ہے۔ اور اُن مکروہات سے جو تم خود دیکھ رہے ہو۔ اپنی مخلصی چاہی ہے اور مدعا یہ ہے کہ وہ تمہارے خلاف میں کسی امر کے اقدام کے بیئے سبقت کرنیوالے نہ ٹھہرائے جائیں۔ ابوطالبؑ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم کبھی قوم کے لوگوں نے انصاف کی بات نہیں کہی۔ بلکہ تمام لوگوں نے میرے ترک کردیئے جانے اور مجھ سے مقابلہ ومظاہرہ کرنے پر اتفاق کرلیا ہے۔ بہتر جو وہ سوجھے ہے۔ کریں۔

اس وفد کا نتیجہ سب سے زیادہ قریش کے مقاصد کے خلاف نکلا۔ اور آج تک جو تھوڑی بہت توقع ہم قومیت اور ہم نسبیت کے خیال پر لگی تھی وہ بالتمام جاتی رہی۔ حضرت ابوطالبؑ کے جواب صاف سے اُنکو یقین ہوگیا کہ اُنکی استدعا کو قبول کرلینا حضرت ابیطالبؑ کیلیئے قطعی ناممکن ہے۔ مطعم بن عدی نے ابوطالبؑ کے جواب میں قوم کی طرف سے جو ترجمانی کی اُسنے صاف صاف لفظوں میں ظاہر کردیا کہ انکار کی حالت میں ابیطالبؑ کے ساتھ قوم بھی مقابلہ ومعارضہ کیلیئے بالکل تیار ہے۔ ان واقعات سے بآسانی

اندازہ کر لیا جا سکتا ہے۔ کہ قریش کس حد و مقدار تک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل و ہلاکت پر اور اسلام کی تباہی وغارت پر آمادہ و مستعد تھے اُن کی سرگرمی اور پُرجوشی بے خودی کے درجہ تک پہونچی ہوئی تھی۔ کہ اس عالم خود فراموشی میں اُنہوں نے ایک ایسی مخالف فطرت انسانی استدعا حضرت ابیطالبؑ کی خدمت میں پیش کی تھی جسکو انسان کیا کوئی حیوان بھی قبول نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت ابیطالبؑ نے جو جواب دیا۔ وہ اسی اصول فطرت کے خلاف ہونیکی بنا پر مبنی تھا۔ لیکن وہ کو رعقل ایسے بیخود تھے۔ کہ اسکا ذرا بھی احساس نکر سکے۔ مطعم بن عدی بھی جو جہلائے قریش میں معتدل مزاج مشہور تھا اس سے اثر پذیر نہو سکا۔ اور وہ بخلاف اسکے کہ جانبین سے صلح و آشتی کے طریقہ و عنوان پیدا کرے عداوت اور آئندہ محاربت کا اظہار کرنے لگا۔ لیکن حضرت ابیطالبؑ کی خدمات دلی اور تعلقات قلبی اور اُنکے استقلال اور عزم بالجزم نے اپنے فرزند کی حمایت ونصرت سے جو زیادہ تر یتیم ابوطالبؑ کے خاص لقب سے مشہور تھا ہاتھ نہ اُٹھایا۔ اور اُن کی کثرت اپنی قلت اُنکے تمول و مالداری اور اپنی ناداری و عیالداری کی ذرا پرواہ نہ کی اور اُن کی ایسی ناممکن العمل التماس و استدعا کا ایسا مسکت اور دندان شکن جواب دیا کہ اُنکی حال و آئندہ کی تمام اُمیدیں منقطع ہوگئیں اور وہ قطعی مایوس ہو کر چلے گئے۔

قریش اور آنحضرت صلعم سے بالمشافہ گفتگو

سیہ بختان قریش اپنی اس کوشش میں بھی ناکامیاب رہے۔ تو اُن کی جہالت نے ایک دوسرے انداز کی منصوبانہ تدبیر کی طرف اُنکی راہبری کی۔ ابیطالبؑ کی طرف سے قطعی مایوس ہو کر اُنہوں نے بالنفس النفیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے مطالبات پیش کئے۔ ابن ہشام نے پوری تفصیل کے ساتھ اسواقعہ کو قلمبند کیا ہے۔ اور صاحب رحمۃ للعالمین نے نہایت متانت و وضاحت سے اُسکا تمام و کمال ترجمہ کیا ہے۔ ہم بخوف طوالت ابن ہشام کی اصل عبارت کی نقل کو زائد از ضرورت سمجھتے ہیں۔ اور رحمۃ للعالمین کی نقل ترجمہ کو اپنے اظہار مُدعا کے لئے ضروری سمجھ کر ذیل میں لکھدیتے ہیں۔

قریش مکہ نے مشورہ کی کہ محمد (صلعم) کو قوم کے سامنے بلا کر سمجھانا چاہیئے۔ اس مشورت کے بعد اُنہوں نے نبی صلعم کے پاس کہلا بھیجا کہ کل سرداران قوم آپ سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ اور کعبہ میں جمع ہیں۔ نبی صلعم خوش خوش وہاں گئے کیونکہ آپکو اُنکے ایمان لانیکی بڑی آرزو تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جا کر بیٹھے۔ تو اُنہوں نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا۔

اے محمد (صلعم) ہمنے تجھے بات کرنے کے لئے بُلایا ہے۔ خدا کی قسم ہم نہیں جانتے۔ کہ کوئی شخص قوم پر اتنی مشکلات لایا ہو جسقدر تم نے اپنی قوم پر ڈال رکھی ہیں۔ کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو تمہاری وجہ سے ہم پر نہ آچکی ہو۔ اب تم یہ تبلاؤ کہ اگر تم اپنے اس نئے دین سے مال جمع کرنا چاہتے ہو۔ تو ہم ابھی تمہارے لئے مال جمع کر دیں۔ کہ اتنا ہم میں سے کسی کے پاس روپیہ نہ نکلے اور اگر شرف وعزت کے خواستگار ہو۔ تو ہم تمھیں اپنا سردار بنالیں اور اگر تم حکومت و سلطنت کے طالب ہو۔ تو تمھیں اپنا بادشاہ مقرر کرلیں۔ اور اگر تم سمجھتے ہو۔ کہ تمھیں جو چیز دکھائی دیتی ہے وہ کوئی جن ہے۔ جو تم پر غالب آگیا ہے۔ تو ہم ٹونے اور ٹوٹکوں کے لیئے اپنا مال صرف کریں۔ کہ تم تندرست ہو جاؤ۔ یا قوم کے نزدیک معذور سمجھے جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ کہا۔ وہ میری حالت کے ذرا بھی مطابق نہیں ہے جو تعلیم لیکر میں آیا ہوں وہ نہ طلب سوال مال کیلئے ہے نہ طلب شرف یا حصول سلطنت کے واسطے ہے بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ مجھ پر کتاب اُوتاری ہے۔ مجھے اپنا بشیر ونذیر بنایا ہے۔ میں نے اپنے پیغام تمکو پہونچا دیئے ہیں اور تمھیں بخوبی سمجھا دیا ہے۔ اگر تم میری تعلیمات کو قبول کر لوگے۔ تب وہ تمہارے لیئے دُنیا وآخرت کا سرمایہ ہے۔ اور اگر رد کروگے تو میں اللہ کے حکم کا انتظار کرونگا۔ کہ وہ میرے لیئے اور تمہارے لیئے کیا حکم بھیجتا ہے۔

قریش نے کہا اچھا محمد (صلعم) اگر تم ہماری باتوں کو نہیں مانتے۔ تو ایک اور بات سن لو۔ تم کو معلوم ہے۔ ہم لوگ کس سختی سے دن کاٹ رہے ہیں۔ مال ہمارے پاس بہت کم ہے۔ اور گذران بھی سب سے زیادہ تنگ ہے۔ اب تم خدا سے یہ سوال کرو۔ کہ ان پہاڑوں کو ہمارے سامنے سے ہٹا دے۔ تاکہ ہمارا شہر کُل کر میدان ہو جائے۔ نیز ہمارے لیئے ایسی نہریں جاری کردے جیسی شام وعراق میں جاری ہیں۔ نیز ہمارے باپ دادا کو زندہ کردے۔ ان زندہ ہونیوالوں میں قصّی بن کلاب بھی ضرور ہوں۔ کیونکہ وہ ہمارے سردار تھے۔ اور سچ بولا کرتے تھے۔ ہم اُنسے تیری نسبت پوچھ لیں گے۔ اور اگر اُنہوں نے تیری باتوں کو سچ مان لیا۔ اور تو نے ہمارے دوسرے سوالوں کو بھی پُورا کر دیا۔ تب ہم بھی تجھے سچا مان لینگے۔ اور مان لینگے کہ ہاں خدا کے ہاں تیرا بھی کوئی درجہ ہے۔ اور اُسنے فی الحقیقت تجھے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔ جیسا کہ تو کہہ رہا ہے **رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ان کاموں کیلئے رسولؐ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو اس تعلیم کے لیئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور میں نے خدا کے وہ پیغامات تمھیں سنائے ہیں۔ اگر تم اس تعلیم کو قبول کر لوگے۔ تو یہ تمہارے دُنیا وآخرت کیلئے سرمایہ ہے۔ اور اگر رد کروگے تو میں خدا کے حکم کا انتظار کرونگا۔ تو کچھ اُسنے میرا تمہارا فیصلہ کرنا ہوگا۔ فرمائے گا

قریش نے کہا کہ اچھا اگر تم ہمارے لیئے کچھ نہیں کرتے تو خود اپنے لیئے خدا سے حسب ذیل سوال کرو۔

(۱) خدا ایک فرشتے کو تمہارے ساتھ مقرر کر دے جو یہ کہتا رہے کہ یہ شخص سچا ہے۔ اور ہمکو بھی تیری مخالفت سے منع کردے

(۲) تم اپنے لیئے یہ بھی سوال کرو۔ کہ باغ لگ جائیں۔ بڑے بڑے محل بن جائیں۔ خزانہ میں سونا چاندی جمع ہو جائے جسکی تمھیں ضرورت بھی ہے۔ اب تک تو تم خود بازار میں جاتے اور اپنی معاش تلاش کرتے ہو۔ ایسا ہو جانے کے بعد ہم تمہارے شرف وفضیلت کی پہچان حاصل کریں گے۔ اور تجھے خدا کا رسول سمجھ لینگے **رسول اللہ** صلعم نے فرمایا میں ایسا نہ کرونگا اور نہ اپنے خدا سے ایسا سوال کرونگا۔ اور ان باتوں کے لیئے میں مبعوث نہیں کیا گیا ہوں۔ مجھے تو اللہ نے بشیر ونذیر فرمایا ہے۔ تم مان لو۔ تو تمہارے لیئے ذخیرہ دارین ہے۔ ورنہ میں صبر کرونگا۔ اور خدا کے فیصلہ کا منتظر رہوں گا

قریش نے کہا۔ اچھا تم آسمان کا ٹکڑا توڑ کر ہم پر گرا دو۔ کیونکہ تمہارا زعم یہ ہے۔ کہ اگر خدا چاہے۔ تو ایسا کر سکتا ہے جب تک تم ایسا نہ کروگے۔ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ **رسول اللہ** صلعم نے فرمایا۔ یہ خدا کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے۔ تو تمہارے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔

قریش نے کہا۔ کہ محمد (صلعم) یہ تو بتلاؤ۔ کہ تمہارے خدا نے تمھیں پہلے سے یہ نہ بتلا دیا۔ کہ ہم تمھیں بلائیں گے ایسے ایسے سوالات پیش کرینگے۔ یہ یہ چیزیں طلب کریں گے۔ ہماری باتوں کا یہ جواب ہے۔ اور خدا کا منشار ایسا کرنے کا ہے۔ چونکہ تمہارے خدا نے ایسا نہیں کیا۔ اسلیئے ہم سمجھتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہم نے تیری نسبت سُنا ہے وہ صحیح ہے۔ کہ یمامہ میں ایک شخص رہتا ہے۔ جس کا نام رحمٰن ہے وہی تجھے ایسی باتیں سکھلاتا ہے۔ ہم تو رحمٰن پر کبھی ایمان نہ لائیں گے۔ محمد (صلعم) یہ بھی سمجھ لو۔ آج ہم نے اپنے سب عذرات تمھیں سُنا دیئے۔ اب ہم آخر میں تم سے یہ بھی بقسمیہ کہے دیتے ہیں۔ کہ ہم تجھے اس تعلیم کی اشاعت کبھی نہ کرنے دینگے۔ یہانتک کہ ہم سب مرجائیں۔ یا تم مرجاؤ۔

یہانتک بات پہونچی تھی۔ کہ اُن میں سے ایک شخص بول اُٹھا۔ کہ ہم ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں۔ جو (نعوذ باللہ) خدا کی بیٹیاں ہیں۔ دوسرا بولا۔ محمد (صلعم) ہم تمہاری باتوں کا یقین نہ کرینگے۔ جبتک کہ خدا اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آجائیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ آخری بات سُنکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور آپکے ساتھ عبداللہ بن ابو اُمیہ بن مغیرہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ یہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ اس نے کہا محمد (صلعم) دیکھو تمہاری قوم نے اپنے لیئے کچھ چیزوں کو تم سے چاہا۔ وہ بھی تم نے نہ مانا۔ پھر انہوں نے چاہا کہ تم خود اپنے لیئے ایسی علامات کا اظہار کرو جس سے تمہاری قدر و منزلت کا ثبوت ہو سکتا ہو۔ اسکو بھی تم نے قبول نہیں کیا۔ پھر انہوں نے اپنے لیئے تھوڑا سا وہ عذاب بھی چاہا جس کا خوف تم دلایا کرتے ہو۔ تم نے اس کا بھی اقرار نہ کیا۔ اب میں بھی تم پر کبھی ایمان نہ لاؤنگا۔ ہاں اگر تم میرے سامنے آسمان پر زینہ لگا کر چڑھ جاؤ۔ اور پھر میرے سامنے زینہ سے نیچے اُتر آؤ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں اور وہ تمہاری شہادت بھی دیں۔ تب میں ایمان لا سکتا ہوں۔ اور اگر ایسا ہو بھی گیا۔ تو میں تب بھی تم پر ایمان نہ لاؤنگا

رحمۃ للعالمین ص ۵۱۔ بحوالہ ابن ہشام ص ۱۰۱ جلد اول۔

قریش کے ان مکالمات نے ثابت کر دیا۔ کہ کوتہ بینانِ قریش منصب رسالت کو انسان کے مصنوعات سے سمجھے ہوئے تھے۔ اور اغراض و مقاصد دُنیاوی کے اجراء و حصول کا ذریعہ و وسیلہ یقین کرتے تھے۔ اُن کے سنگین قلب اور بےحس ادراک اثر پذیری کی قابلیت و صلاحیت سے بالکل خالی تھے۔ وہ زبان رسالت سے اپنے ان تمام توہمات کی حرفاً حرفاً تردید و تغلیط سُن چکے تھے۔ اور اپنی ہی قوم و قبیلہ میں اُن سعادت مندوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے جو بلا خیال و گمان ان توہمات باطلہ کے تبلیغ اسلام کو ان تمام اغراض نفسانی سے پاک و صاف یقین کر کے اُس پر ایمان لا چکے تھے۔ الہامات قرآنی اور احکامات ربانی کو سُن کر اُسکی پاک اور سچی بشارتوں کو اپنے لیئے دین و دُنیا کی رفاہ و فلاح کا ذخیرہ سمجھکر طاعت خدا اور اطاعت رسولؐ کا قلادہ اپنی گردنوں میں ڈال چکے تھے۔ وہ ایمان لانے کے وقت نہ رسول اللہ صلعم سے کسی معجزہ یا کرامت کے اظہار کے خواہاں ہوئے اور نہ خدا سے اپنے لیئے یا اپنے رسولؐ کیلیئے دولت و ثروت کے خواستگار صرف اُنکے قلب کی صفائی اور توفیق الٰہی اُنکی راہنمائی کیلیئے کافی تھی۔ اُنکے قلوب روشن عقول سلیم اور فہم و ادراک کی صلاحیت نے قرآن مجید

مجید کے الہامات اور رسالت کی تعلیمات سے کامل طور پر حصول ایمان اور قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ بخلاف ان کے ان محرومان قوم و وطن کی جہالت و ضلالت نے ان کی طبیعتوں سے تعلیمات الٰہی کی تفہیم و ادراک کی تمام قوتیں سلب کر لیں تھیں اور انکی ظاہر تماہیکر انسان کو قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَآذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا وَأَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا تھے مگر اُنسے ادراک نہیں کر سکتے تھے۔ کان تھے۔ مگر ان سے سُن نہیں سکتے تھے۔ آنکھیں رکھتے تھے۔ مگر ان سے دیکھ نہیں سکتے تھے کا مصداق بناکر جماد و لا یعقل کا مجسمہ تیار کر دیا تھا۔ باعتبار دینیات کے یہ نیم وحشی انسان اپنے گمراہانہ خیالات میں خدا کے بھیجے ہوئے رسول برحق کو ایک مُلکی اور قومی شعبدہ گر یا ساحر سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے اور رسالت و نبوت کے مقدس مقدار کو اپنی جہالت و ضلالت کے معیار پر آزمانا چاہتے تھے۔ اسلیئے خدا کے رسول برحق سے طلسم بندی اور شعبدہ بازی کی نسبت عجیب و غریب استفسارات پوچھا کرتے تھے۔ چنانچہ انکے اس طول و طویل مکالمہ میں بھی انھیں لغویات کا ذکر ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک ایک کر کے اُنکے جاہلانہ سوالات کا جس متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا ہے۔ وہ آپ کی صداقت رسالت کا کافی اور واضح ثبوت ہے۔ لیکن باوجودیکہ اس وضاحت و صفائی سے تعلیم اسلام کے اغراض و مقاصد اُن کے ذہن نشین کرا دیئے گئے۔ بتلا دیئے گئے۔ اور سمجھا دیئے گئے۔ تاہم وہ بدبختان ازلی اور محرومان ابدی نہ سمجھنے والے تھے۔ نہ سمجھے۔ صرف یہی امر رسالت کے کمال اور اُن جاہلوں کے نقص فطرت کے ثبوت کے لیئے کافی ہے۔

قریش اور بنی ہاشم سے سوالات کا تحریری معاہدہ

مشرکین قریش اور کفار مکہ کی یہ ترکیب بھی کارگر نہ ہوئی۔ اب اُنکے دماغ اور اُس کی قوت متخیلہ میں کوئی دوسری تدبیر باقی نہیں رہی۔ جسکو وہ از سر نو تعلیم اسلام کے امتناع کی ضرورت سے عملی صورت میں لائیں۔ آخر تھک کر رسول اللہ صلعم کی ایذا رسانی قتل و ہلاکت غریب مسلمانوں پر ظلم و ستم جاری رکھے جانے کی قدیم ترکیب نکالی۔ یہ کوئی نئی تجویز نہیں تھی۔ یہ تو وہی ترکیب تھی جسکو وہ سالہاسال سے اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کے متعلق جاری اور قایم رکھے تھے۔ ہاں اس میں یہ فرق البتہ ہوا۔ کہ پہلے یہ کسی قدر نرمی اور توقف کے ساتھ ظاہر کی جاتی تھی۔ اور اب برابر اور متواتر۔ زیادہ شدت اور سختی کے ساتھ۔

ان واقعات کے تھوڑے دنوں بعد مخالفت اسلام اور عداوت حضرت سید الانامؐ کو کفار قریش نے ایک نئی صورت میں دکھلایا جس کی طرف مطعم ابن عدی اپنی تقریر میں حضرت ابی طالبؑ سے اشارہ کر چکا تھا۔ اور وہ بزرگ بنی ہاشم انکے مخاصمانہ اغراض و مدعا کو بخوبی سمجھ کر اُن کو جواب بھی دے چکا تھا۔ اور اُن کے تمام آئندہ مظالم کو نہایت استقلال و پاداری سے برداشت کرنے کے تیار اور آمادہ ہو چکا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

ابن ہشام اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں

فلما رات قریش ان اصحب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قد نزلوا بلدا اصابوا بہا امنا و قرارا وان النجاشی	جب قریش نے دیکھ لیا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک حبشہ میں جا کر بمقابلہ یہاں کے امن و امان سے رہنے لگے اور شاہ حبشہ

قد منع من لجاء الیہ منھم وان عمر قد اسلم فکان ھو وحمزۃ بن عبد المطلب مع رسول اللہ صلعم واصحابہم وجعل الاسلام یفشوا فی قبائل اجتمعوا وائتمروا وان یکتبوا کتابا یتعاقدون فیہ علی من بنی ھاشم بنی عبد المطلب علی ان لا ینکحوا الیہم ولا ینکحوھم ولا یبیعوھم شیئا ولا یبتاعوا منہم فلما اجتمعوا لذلک کتبوا فی صحیفۃ ثم تعاھدوا وتوثقوا علی ذلک ثم علقوا الصحیفۃ فی جوف الکعبۃ توکیدا علی انفسھم وکان کاتب الصحیفۃ منصور بن عکرمۃ بن عامر۔ جلد اول ص ۱۲۲

نے بھی (نجاشی) قریش کی درخواست کو نہیں سنا جو اس سے کی گئی تھی حضرت عمرؓ بھی اسلام لاچکے۔ اور حضرت حمزہؓ بھی مشرف بایمان ہوئے اور رفاقت اور حمایت رسولؐ پر تیار ہوچکے۔ اور اسلام دیگر اقوام و قبائل میں بھی پھیل گیا تو تمام قریش پھر ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور سب نے ملکر بالاتفاق اس مضمون کا ایک معاہدہ لکھا۔ جس کی رو سے اُن لوگوں نے تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے اپنے تمام تعلقات اس شرط کے ساتھ ترک کر دیئے کہ کوئی شخص اُنکے ساتھ نکاح کریگا۔ اور نہ وہ اُنکے ساتھ نکاح کرنے پائیں گے۔ نہ اُنکے ساتھ کوئی چیز بیچی جائے گی۔ اور نہ اُن سے کوئی چیز خریدی جائے گی۔ اس مضمون کا معاہدہ لکھکر اور اس پر ہمیشہ عمل کرنے کی عہد و پیمان حلفی لیکر اس تحریر کو وسط کعبہ میں اُسکی عظمت و اہمیت قائم رکھنے کی غرض سے لٹکا دیا۔ اس معاہدہ کو منصور بن عکرمہ بن عامر نے لکھا تھا۔

امام قسطلانی شارح بخاری اور محدث شیرازی نے اس معاہدہ میں اتنی عبارت شروط کا اور اضافہ فرمایا ہے کہ یہ عہدنامہ اپنے تمام شرائط کے ساتھ اسوقت تک قایم رہے گا۔ جب تک بنی ہاشم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل کر دیئے جانیکی غرض سے قوم کے حوالہ نہ کر دیں۔ مواہب لدنیہ قسطلانی اور روضۃ الاحباب محدث شیرازی جلد اوّل مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۳۷۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ کفار قریش اور مشرکین مکہ نے بنی ہاشم کے تباہ و برباد کرنے کی یہ آخری تدبیر سوچی تھی۔ جو انسان کی زندگی کے لیئے لاانتہا تکلیف دہ اور ضرررساں تھی اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس تجویز و ترکیب سے اُنکا مدعا بھی تھا کہ بنی ہاشم ضروریات روزمرہ کے نہ ملنے کی وجہ سے تنگ و عاجز آکر یا تو قریش کے آگے اپنی اطاعت و متابعت کی گردنیں ڈالدینگے۔ اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام کی حمایت و رفاقت سے دست بردار ہوجائینگے۔ یا مکہ سے خارج البلد ہوجائیں گے۔ اور پھر خوف و ہراس سے مکے کے پاس آنے کا خیال بھی نہ کریں گے۔ دونوں حالتوں میں اُنکا مقصود حاصل تھا

شعب ابی طالبؑ کی ۳ سالہ قید

یکم محرم ۷ سال نبوت

کفار اپنی ترکیب میں تھے۔ اور قدرت اپنی تدبیر میں۔ ابن ہشام اسکے آگے لکھتے ہیں۔

فلما فعلت ذلک قریش انحازت بنی ھاشم و بنو المطلب الی ابی طالب بن عبد المطلب فدخلوا معہ فی شعبہ فاجتمعوا الیہ وخرج من بنی ھاشم

جب قریش نے یہ بندوبست کیا۔ تو تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب حضرت ابی طالبؑ کے پاس جمع ہوئے۔ اور آپ اُن لوگوں کو اپنے ہمراہ لیکر اپنے شعب میں جو شعب ابی طالبؑ مشہور تھا۔ چلے آئے

ابو لهب الی قریش فظاهرهم | اور بنو ہاشم سے صرف ابو لہب قریش کے ساتھ رہ گیا۔

شعب ابی طالبؑ اصلاً پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان بنی ہاشم کا موروثی تھا۔

حقیقت میں حضرت ابی طالبؑ کا صبر و سکوت اور ایسے سخت مظالم کے مقابلہ میں اُنکی ضبط و خاموشی اُنکی ہمت و استقلال کی عدیم النظیر مثال قایم کرتی ہے۔ ورنہ ذرا سے اشارہ پر خون کے دریا بہنے لگتے۔ لیکن یہ امور جان رسولؐ کی حفاظت اور دین اسلام اجرا و اقامت کیلئے جسقدر ضرر رساں تھے۔ اُن کو وہ پورے طور سے جانتے تھے۔ اور حقیقت میں منشار قدرت اور مقتضائے مصلحت بھی یہی تھا۔ جیسا کہ بہت جلد نتیجہ سے ظاہر ہوتا ہے

باتفاق جمہور (تاریخ وحدیث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُنکے تمام خاندان نے شعب ابیطالبؑ میں کامل تین برس تک جن مصیبت و شدت میں دن کاٹے اور راتیں گذاریں، اُنکا بیان دشوار ہے۔ اور کیونکر نہ ہو۔ کھانا پینا بند۔ آنا جانا ترک۔ خرید و فروخت موقوف۔ شعب سے قدم باہر نکالنا دشوار۔ یہ ترک موالات کا ہے کو تھی۔ حبس دوام کی پوری سزا تھی غریب محصورین پر جنمیں خورد سال بچے اور شکستہ پا عورتیں بھی شامل تھیں۔ ایسا وقت آگیا تھا۔ کہ دانہ دانہ کو محتاج تھے اتنی مجال تو تھی ہی نہیں۔ کہ شہر میں جاکر ضروریات روزمرہ کی چیزیں لائیں۔ اور اگر جرأت کرکے جائیں بھی تو دیتا کون بجز اس مجبوری سے محاصرین کو تلاش اذوقہ کیلئے اطراف مکہ میں دور دور تک نکل جانا پڑتا تھا۔ اور صبح سے شام تک ان غریبوں کو النصیب مایصیب جو کچھ مل جاتا تھا۔ وہ رات کو گھر میں لاکر دن بھرکے بھوکے بال بچوں کو کھلانا ہوتا تھا علامہ ابو جعفر اسکافی جو علامہ ابن الحدید شارح نہج البلاغہ کے اُستاد و شیخ تھے۔ لکھتے ہیں۔

تلاش آذوقہ کی خدمت ان ایام میں خاص کر حضرت علی مرتضیٰؑ کے سپرد تھی۔ یہ علی الصباح شعب سے نکلکر حوالی مکہ کی آبادیوں میں دور دور تک نکلجاتے تھے۔ اور وہاں سے جو گیہوں اور کھجوریں جو کچھ میسر آتا تھا۔ اپنی پشت پر رکھکر لاتے تھے وہ بھی کبھی یہ چیزیں ملتی تھیں اور کبھی نہیں۔ کیونکہ ظالمان قریش مکہ کی بیرونی آبادیوں میں جاکر منع کر آتے تھے اس لئے علی الاکثر فاقہ گذرتے تھے۔ اور شدت گرسنگی و تشنگی سے گرفتاران مصیبت کی غریب جانیں ہونٹوں تک آپہونچی تھیں۔

علامہ ابن القیم اپنی کتاب زاد المعاد جلد اول ص ۲۹۹ میں لکھتے ہیں۔ کہ بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس زور سے روتے تھے۔ کہ اُنکے رونے کی آوازیں گھاٹی کے باہر تک سُنائی دیتی تھیں۔ امام قسطلانی شارح بخاری کا بیان ہے کہ بنی ہاشم کے بچوں کے رونے کی آوازیں رات کے سناٹے میں تمام شہر میں سُنائی دیتی تھیں۔ اور سنگدل و بیرحم قریش سنتے تھے اور ہنسا کرتے تھے۔ اور انواع و اقسام کے طعن و تشنیع کیا کرتے تھے۔ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ تین برس تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح (ثمام درخت) کے پتے کھا کھا کر بسر کرتے تھے۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۷۹۔

قریش کی ایسی سخت قدغن تھی۔ اور ایسی شدید روک تھام۔ ان مصیبت زدوں میں سے جو شخص چھپ چھپا کر تلاش رزق میں باہر نکل جاتا تھا اور سوء اتفاق سے قریش اُسے دیکھ پاتے تھے۔ تو سخت تعذیر سے پیو نچاتے تھے۔ موسم حج میں بیرونی قبائل سے اگر یہ

لوگ خرید و فروخت کی کوشش کرتے تھے۔ تو یہ ظلمہ وقت نہایت سختی سے اُنھیں منع کرتے تھے۔ اور باز رکھتے تھے۔
تکلیفیں تو اتنی تھیں۔ اور مصیبتیں ایسی اور حامی و مددگار ایک بھی نہیں۔ لیکن صد آفرین ہے اُن مظلومین کے صبر و سکوت پہ ہزار احسنت ہے اُن محصورین کے استقلال و پاداری پر اگر کسی شخص پر محض دو چار دن کیلئے ایسی مصیبتیں پڑجاتیں تو وہ گھبرا کریا تو جان دے ڈالتا یا ظلمۂ وقت کی اطاعت کرلیتا۔ ان غریبوں پر تو اس آفت و مصیبت میں پورے تین برس گذر گئے۔ لیکن اُن کے پائے استقامت میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ وہ خدا کے بھیجے ہوئے سچے رسول کی حمایت و رفاقت پر یقین اور خدائے قادر و توانا کی نصرت و امداد پر توکل کئے خموش بیٹھے رہے۔ اور اُن تمام مصائب کو رضا بقضاہ و تسلیماً لامرہ کہہ کر جھیل گئے۔ اور شکایت کیسی اور گلہ کیسا۔ کسی فرد واحد نے منہ سے اُف بھی نہ کی۔
محصورین کی ہمت و استقلال کی تو یہ کیفیت تھی۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض تبلیغ میں انہماک و محویت کی یہ حالت تھی کہ باوجود ان تمام شدائد کے آپ محاصرہ کی موجودہ ضیق النفسی کی عالم میں بھی ہدایت و ارشاد سے باز نہ رہے بلکہ عزلت و انزوا کی یہ خاص صحبتوں میں آپکو اسکی ادا کاری کا بہت موقع مل گیا۔ مبتدایان اسلام رات کے پردے میں مخالفین کی آنکھیں بچا کر اور چھپ چھپا کر خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور اُس معلم ربانی سے تعلیم ایمانی حاصل کرتے تھے ابن ہشام لکھتے ہیں

ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یدعوا قومہ لیلاً ونهاراً سرًا وجهاراً منادیاً بامر اللہ۔	جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح و شام مخفی اور علانیہ طور پر امر خدا کی طرف قوم کی دعوت کیا کرتے تھے۔

سہ سالہ قید سخت سے مخلصی

(سنلہ سال نبوت)

کامل تین برسوں کے گذر جانے کے بعد بھی چاہے سنگدل اور بیرحم مشرکین قریش کی ستمگاریاں دھیمی پڑیں ہوں یا اُنکے جور و جفا اور ظلم و ایذا میں ذرا بھی کمی آئی ہو نہیں وہ ان معاملات میں ویسے کی ویسی ہی سخت و شدید تھے۔ شعب ابیطالبؑ کے آفت دیدہ اور مصیبت رسیدہ محصورین کی تکلیف و شدت کا خیال کر کے کمکے وہ معتدل مزاج لوگ۔ جنکو اُن کی مصیبتوں کا کسی قدر احساس ہو چلا تھا اور بنی ہاشم اور بنی عبد المطلبؑ سے قرابت اور رشتہ مندی کا بھی واسطہ تھا کبھی کچھ تحائف۔ کبھی کوئی کھانے پینے کی چیزیں نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ مخفی طور پر بھجوا دیتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اسکے قریش دیکھ پاتے تو فوراً لیجانے والے سے چھین کر اُسے کہا جاتے تھے۔ یا اپنے گھرے جاتے تھے۔ اور نہیں تو اُسے ضایع اور نقصان کر دیتے تھے۔ غرض ہر حال میں اُس چیز کو غریب محصورین تک پہونچنے نہ دیتے تھے۔
چنانچہ ابن ہشام ان میں سے اخیر واقعہ کی یہ کیفیت لکھتے ہیں۔

فاقاموا علی ذلک سنتین او ثلاثاً حتے جهدوا لا یصل	جب بنی ہاشم پر اس قید و مصیبت میں دو برس یا تین برس گذر گئے۔ کہ اگر

الیھم شئ الا سرا و مستخفیا بہ من اراد صلتھم من قریش و قد کان ابو جھل بن ھشام فیما یذکرون لقی حکیم ابن حزام بن خویلد بن اسد معہ غلام یحمل طعاما یرید بہ عمتہ خدیجۃ بنت خویلد و ھی عند رسول اللہ صلعم و معہ بالشعب فتعلق بہ وقال اتذھب بالطعام الی بنی ھاشم واللہ لا تبرح انت وطعامک حتی افضحک بمکۃ فجاء ابو البختری بن ھشام بن الحرث بن اسد فقال ما لک ولہ فقال یحمل الطعام الی بنی ھاشم فقال ابو البختری طعام کان لعمتہ عندہ بعثت الیہ فتمنعہ ان یاتیھا بطعامھا خل سبیل الرجل قال فابی ابو جھل حتی نال احدھما من صاحبہ فاخذ ابو البختری لحی بعیر فضربہ بہ فشجہ و وطئہ وطاء شدیدا ص ۱۲۳

اُنکے قریب و رشتہ مند لوگ کچھ اُنکے پاس بھیجنا چاہتے تھے تو نہایت خفیہ طور سے بڑی احتیاط سے بھیجتے تھے چنانچہ ایک بار کا ذکر ہے۔ کہ ابوجہل نے حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد کو مع اُن کے غلام کے دیکھا جس کے سر پر وہ کچھ از قسم طعام رکھوائے۔ اپنی عمہ حضرت خدیجہ کے واسطے۔ جو جناب رسالتمآب صلعم کے ہمراہ شعب میں تشریف رکھتی تھیں۔ لیے جاتے تھے۔ یہ دیکھکر ابوجہل اُن سے لپٹ پڑا اور کہنے لگا۔ تو بنی ہاشم کے لیے کھانا لیے جاتا ہے میں تجھے کبھی نہ جانے دونگا۔ اور تمام مکہ میں فضیحت کیے بغیر تجھے نہ چھوڑونگا۔ اس اثنا میں ابوالبختری بن ہشام بن حرث بن اسد آ گیا اور اُسنے ابوجہل کو پوچھا کہ تم میں اور اس میں کیا قضیہ پیش ہے۔ ابوجہل نے جوابًا کہا دیکھتے ہو۔ یہ بنی ہاشم کے لیے کھانا لیے جاتا ہے۔ ابوالبختری بولا تو کیا ہوا۔ اسکی عمہ اُن لوگوں (بنی ہاشم) کے ساتھ ہے۔ وہ اس کے لیے کھانا لیے جاتا ہے۔ کہ اُسکو پہنچا دے۔ تو تم کو کیا ایسی پڑی ہے۔ کہ تم اس کی راہ روکے ہو آدمی کی راہ چھوڑ دو۔ اور اُسکو جانے دو۔ ابوجہل نے انکار کیا۔ اور راستہ نہیں دیا بلکہ اپنے دو رفیقوں میں سے ایک کو پکارا۔ اس زبردستی کو دیکھکر ابوالبختری کو بھی غصہ آ گیا ایک اُونٹ کی ہڈی پڑی تھی۔ اُٹھائی۔ اور ابوجہل کے سر پر اُس سے ایک ضرب شدید لگائی

یہ ہیں قدرت کے انتظام اور مشیت کے احکام۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ کفار اپنی ترکیب میں تھے۔ اور قدرت اپنی تدبیر میں تین برس پہلے دُنیا نے کفار قریش کی آمادگی اور مستعدی کا وہ عالم بھی دیکھا تھا جس ہمہمی سے یہ معاہدہ لکھا گیا تھا۔ کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا۔ اس کے شرائط پر قائم رہنے کے لیے فردًا فردًا قسمیں کھائی گئیں تھیں۔ حلف اُٹھائے گئے تھے۔ اور آج حیرت قدرت کا یہ نظارہ اور جلوہ آرائی بھی پیش نظر ہے۔ کہ باوجودیکہ وہ معاہدہ کعبہ میں ابھی تک لٹک رہا ہے۔ مگر اُسکے لکھنے والے اُسکی ادائے شرائط پر غلیظ قسمیں کھانے والے اُس بیرحمانہ اور ظالمانہ تحریک کی حقیقت کو سمجھ کر آپس میں ایک دوسرے کو ظالم اور جابر کہہ رہے ہیں جن اُمور کو قطعی ممنوع کر چکے تھے۔ اُسی کے اجرا و تعمیل کو اپنے ہی دست و زبان سے جاری کر رہے ہیں۔ ابوالبختری سا دشمن رسولؐ ابوجہل کے ایسے اپنے قدیم رفیق اور رئیس قوم کو اس امر کی ممانعت کے لیے ہڈیوں سے مارتا ہے اور مجرم ٹھہراتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جن زبانوں سے اس تحریر کی تجویز کی گئی اور قسمیں کھائی گئی تھیں اُنھیں زبانوں سے یہ غلط معطل اور مفسدہ انگیز ٹھہرایا گیا۔ یہ کرشمہ قدرت نہیں تو اور کیا ہے یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ ابن ہشام جلد اول ص ۱۲۳ میں مندرج ہے۔ شبلی صاحب نے اسکا خلاصہ لکھا ہے اُسی کی مفصلہ ذیل نقل کو ہم اپنے مدعائے بیان کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

متصل تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام آلِ ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں۔ بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود انھیں کی طرف سے اِس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی۔ ہشام مخزومی خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا۔ وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھجوا دیتا تھا۔ ایک دن وہ زہیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے گیا اور کہا کیوں زہیر تم کو یہ پسند ہے، کہ تم کھاؤ پیو ہر قسم کا لطف اُٹھاؤ۔ اور تمہارے ماموں (ابیطالبؑ) کو ایک دانہ نصیب نہ ہو زہیر نے کہا کیا کروں۔ تنہا ہوں۔ ایک شخص بھی میرا ساتھ دے۔ تو میں اس ظالمانہ معاہدے کو ابھی پھاڑ کر پھینکدوں۔ ہشام نے کہا میں موجود ہوں۔ دونوں ملکر مطعم ابن عدی کے پاس گئے۔ بختری (ابوالبختری) ابن ہشام اور زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا۔ دوسرے دن سب ملکر حرم میں گئے۔ زہیر نے سب لوگوں کو مخاطب کرکے کہا اے اہل مکہ یہ کیا انصاف ہے۔ لوگ آرام سے بسر کریں۔ اور بنی ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہو خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائیگا میں باز نہ آؤنگا ابوجہل برابر سے بولا ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے جب یہ لکھا گیا تھا۔ اُسوقت بھی ہم راضی نہیں تھے بغرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر ڈالی ع۔ خوب شد اسباب خود بینی شکست۔

مطعم ابن عدی، عدی ابن قیس۔ زمعہ ابن اسود۔ (حضرت اُم سلمہ کے پہلے شوہر) اور ابوالبختری اور زہیر ہتھیار باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے۔ اور اُن کو درہ سے نکال لائے۔

قدرت کا یہ عجیب نظارہ تھا خدا کی شان وہی لوگ جنہوں نے یہ عہد کیا تھا۔ کہ جب تک بنی ہاشم محمد صلعم کو قتل کردینے کیلئے ہمیں حوالہ نہ کرینگے۔ اس معاہدہ سے انحراف ناممکن ہے۔ آج وہی لوگ اُسی معاہدہ کو اپنے ہاتھوں سے چاک کرکے محمد صلعم کو تمام بنی ہاشم کے ساتھ اپنی تلواروں کے سایہ میں لیکر درہ کوہ سے گھر تک بحفاظت تمام پہونچا دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اسلام کی حقانیت۔ اور بانئے اسلام علیہ السلام کی روحانیت کے اور کیا ثبوت ہوسکتے ہیں۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد وآل محمد

مغرورین قریش اور مشرکین مکہ نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے اختیاری بیمقداری اور بے کسی و بے یاری کے اظہار کی غرض خاص سے آپکو۔ آپکے تمام خاندان کے ساتھ درہ کوہ میں محصور کر رکھا تھا۔ یہ تجویز بظاہر انسانی تدبیر و تصرف تھی۔ لیکن حقیقتاً وحشیانہ مظالم تھے۔ اور حیوانی تدبیر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے برحق پیغمبر تھے اور خدا کی نیابت میں اُسکا پیام ان کفار و مشرکین کو پہونچاتے تھے۔ یہی مشرکین کے جاہلانہ اور گمراہانہ اغراض و مقاصد کے

سلہ کمال افسوس ہے کہ کفار قریش کو ان محصورین بنی ہاشم پر بالآخر ایسا رحم آیا کہ خود چھڑا کر گھر پہونچا دیا۔ لیکن ۶۱ھ میں آج سے تقریباً ۱۳۰۰ برس بعد انھیں کی اولاد و احفاد کو جو اُسوقت مسلمان ہوچکے تھے۔ اور صاحب ایمان کہلاتے تھے۔ ارض کربلا کے محصورین بنی ہاشم پر جس میں سبط رسول ثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام بھی داخل تھے۔ ذرا بھی رحم نہ آیا۔ اور ان کی ہزاروں کی تعداد میں کسی فرد واحد کو خدا و رسول کے نام پر اتنا ترس نہ آیا کہ تین دن کی بھوک پیاس میں اس قیامت کے محاصرے سے نکلکر اُن کے گھر تک پہونچا دیتا۔ اسی مقام پر کہنا پڑتا ہے
ع۔ ہیچ کافر نہ کُند انچہ مسلمان کردند۔ المولف عفی عنہ

خلاف ہوتا تھا۔ اس لیے وہ آپ کے مخالف تھے۔ اور اسی مخالفت کی بنا پر آپ کو درۂ کوہ میں پہونچا دیئے جانے۔ اور آپ کے خاندان بھر سے ترک تعلقات کے جانیکی ایسی بیرحمانہ اور ظالمانہ سزا تجویز کی تھی جس سے صریحاً آپ کی ذاتی تحقیر و توہین منظور تھی۔ لیکن اُن کو رعقلوں کی اس غلط اور گمراہانہ تجویز و ترکیب کا نتیجہ قدرت کی حسنِ تدبیر سے ظہور پذیر ہوا۔ وہ آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور پوری تفصیل سے اُوپر بیان ہو چکا ہے۔

معراج | اب قدرت الٰہی کیلئے اپنے رسولؐ برحق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تحقیر و توہین کے ازالۂ کُلّی کا سامان و اعلان بھی ضروری تھا۔ اور عادت الٰہی بھی ہمیشہ سے یونہی جاری ہے۔ کہ انبیاء و مرسلین کے گروہ مخصوصین میں۔ بلا و مصیبت کے بعد اُن کے مراتب و مدارج میں نمایاں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے بروایت ابن سعد خداوند عالم نے شعب ابی طالب کی مصیبت سے مخلصی کے بعد جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رتبہ معراج جسمانی عطا فرما کر آپ کی خاص مرتبہ افزائی فرمائی اور راتوں رات کرشمۂ قدرت نے آپ کو براۃ العین تمام ملکوت سمٰوات کی سیر کرائی جس کی خبر آیہ وافی ہدایہ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

وہ خدا (عجز و درماندگی کے عیب سے) پاک ہے۔ جو اپنے بندے (محمدؐ) کو راتوں رات مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا جسکی گرداگرد ہم نے (دُنیا و دین) کی برکتیں دے رکھی ہیں۔

(اس میں اُن کے جانے سے مقصود یہ تھا) کہ ہم اُنکو اپنی (قدرت) کے نمونہ کی سیر کرائیں۔ اور (اُنکو بعض اسرار غیب معلوم ہوں) ورنہ اصل سُننے والا دیکھنے والا (یعنی غیب دان) وہی خدا ہے۔ ترجمہ شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب سے پورے طور پر ہویدا و آشکا ہے۔

واقعہ معراج کے تعیین سال میں اختلاف ہے۔ لیکن علی الاکثر محدثین و مورخین نے سلسلہ نبوت پر اتفاق کیا ہے اور شبلی صاحب نے ابن سعد ہی کے مختار پر اعتبار فرمایا ہے۔ ابتداء سے کر اسوقت تک علماء و حکمائے اسلام میں یہ واقعہ تاریخی حیثیت سے زیادہ بحث معقول و منقول کی صورت میں دکھلایا گیا ہے۔ جانبین سے خوب خوب طبع آزمائیاں اور خامہ فرسائیاں ہوئی ہیں۔ اسکی پوری حقیقت اپنے حد تعقل کے مطابق تو ہم اس سلسلہ کی پانچویں جلد میں پوری تفصیل سے لکھیں گے۔ اِن شاء اللہ المستعان۔ لیکن تمہیداً حسب ذیل اشارہ کر دینا ضروری اور مناسب مقام ہے۔

قدرت الٰہی کو جب اُس کے تمام صفات و تصرفات کے ساتھ ہم اور ہمارے علماء حکماء تسلیم کر چکے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ ناممکنات کو شاہدۂ عینی اور بدیہیات یقینی کے برابر مان چکے ہیں۔ تو پھر جبروت قدرت کے اُس سہل اور آسان مظاہرہ کو مشکل دشوار اور خارج از امکان کیسے کہہ سکتے ہیں۔ سر سید احمد خان مرحوم کو اس مسئلہ میں خاص طور پر تامل رہا ہے۔ اور اُنہوں نے بڑے شد و مد اور رد و کد سے خطبات احمدیہ میں معراج کی تمام مرویات مندرجہ کتب اسلامیہ کی تردید و تکذیب فرمائی ہے گویا معراج جسمانی کے تمام دلائل و براہین کو غلط ٹھہرا کر ام المومنین حضرت عائشہ اور امیر معاویہ کی مرویات پر اپنا مختار قائم کیا ہے اور اسواقعہ کو ایک خواب کے پیمانہ پر معمولاً سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں مرویات اعتبار کردہ۔ سید صاحب۔ حدیثوں کے

اصول تنقید کے مطابق مراسیل اور موقوف الاسناد احادیث ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ وقت وقوع اسکا سنہ سال نبوت ثابت ہوتا ہے۔ جسکو سید صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ تو پھر اسوقت حضرت عائشہ شرف زوجیت میں آئی کہاں تھیں۔ غالباً جناب صدیقہ کبریٰ خدیجہ بقید حیات تھیں۔ اسلئے انکا بیان کیسے صحیح اور قابل اعتبار ہوگا یہی حالت معاویہ صاحب کی ہے۔ وہ شاید اگر پیدا ہو چکے بھی ہوں، تو دودھ پیتے ہونگے۔ اس لئے قابل الروایات نہیں۔ اور اصول تنقید احادیث کی روسے تو شنہ ہجری تک جبتک یہ اسلام سے مشرف نہوئے، کسی مسلمان کے آگے قابل الروایات ہو بھی نہیں سکتے۔ اسکے علاوہ قاعدہ تنقید کے مطابق یہ دونوں حضرات اگر موجود بھی ہوں اور قابل الروایت بھی ہوں۔ تاہم شریک واقعہ نہیں تھے جو جسم مطہر رسول کو بستر مبارک پر نہ دیکھ سکے ہوں۔ کیونکہ باتفاق جمہور واقعہ معراج مکہ معظمہ میں حضرت ام ہانی بنت ابیطالب کے گھر میں واقع ہوا۔ (ابن اثیر۔ ابن ہشام۔ قسطلانی وغیرہم)

تیسرے راوی حسن بصری ہیں۔ جو صحابہ بھی نہیں۔ تابعی ہیں۔ اور یقیناً اسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اسلئے ثابت ہو گیا کہ ان حضرات میں سے کوئی صاحب شریک واقعہ نہیں تھے۔ اس بنا پر کسی کا بیان نہ قابل اندراج ہو سکتا ہے۔ نہ لائق احتجاج

سید صاحب اپنے خاص اصول طبعی کے مطابق اپنی عقل و ادراک سے پہلے ہر واقعہ میں حکمائے عقل کی نقل کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ بھی حکمائے یونان کے خشک فلسفہ و حکمت پر۔ سب سے بڑی غلط فہمی جو تحقیقات دینیات میں آپکو واقع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ہر اسلامی واقعہ کو یوروپین علماء و حکماء کے اصول تالیف کے مطابق اُتارنا چاہتے ہیں اور تمام مرویات قدیمہ اسلام کو مندرجات کتب قدیمہ کے موافق تلاش کرتے ہیں اسی وجہ سے آپنے بہت سی مرویات اسلامی کی تکذیب و تغلیط محض اسی بنیاد پر کردی ہے کہ مرویات توریت اسکے مخالف ہیں۔ جیساکہ ذبیح اسحاقؑ اور حقیقت حجر الاسود اور نعوذباللہ سنگ پرستی طریقہ عبادت اولاد ابراہیمؑ۔

ہم کہتے ہیں کہ سید صاحب مرحوم نے بڑی غلطی کی، کہ اس واقعہ معراج کی حقیقت کو بھی اپنے دستور و عادت کے مطابق توریت میں نہ دیکھ لیا۔ کہ اسمیں انبیا کے اصول معراج کی کیا صورت بتلائی گئی ہے۔ سفر تکوین میں حضرت یعقوبؑ کی معراج اور سفر تاریخ میں حضرت سلیمانؑ کی معراج آسمان پر زینہ لگا کر بتلائی گئی۔ نہیں معلوم کہ ان قدیم الہامی مرویات پر ہمارے سید صاحب مرحوم کونسی دلیل قوی رکھتے تھے۔

ہم اپنی تمہیدانہ تمہید میں معراج کے متعلق صرف اتنے ہی بیان کو اس مقام پر کافی سمجھتے ہیں۔ حکماء و علمائے اسلام میں یہ عجب مسئلہ ہمیشہ معرکۃ الآرا رہا ہے۔ امام رازی۔ امام غزالی، محقق طوسی۔ اور ملا عبد الرزاق لاہجی وغیرہم نے بڑی بڑی معقولی بحث اس موضوع پر لکھی ہیں۔ اور ہر قرینہ سے معراج جسمانی اور اس کی معقولیت کے تمام شاہدات کو عین امکان ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ معراج القدس۔ مضامین عالیہ۔ تجرید اور گوہر مراد۔ لیکن ان تمام حضرات کے بیانات و اکتشافات سے زیادہ سہل اور عام فہم مضامین میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے معراج کے تمام مقاصد و شاہد کو بتلایا ہے۔

اور سمجھایا ہے۔ اُن کی خاص عبارت مع ترجمہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

واسری به الی المسجد الاقصی ثم الی السدرة المنتهی والی ما شاء الله وکل ذلک بجسده صلی الله علیه وآله وسلم فی الیقظة ولکن ذلک فی موطن هو برزخ بین المثال والشهادة جامع لاحکامهما فظهر علی الجسد احکام الروح وتمثل الروح والمعانی الروحیة الاجساد ولذلک بان لکل واقعة من تلک الوقائع تعبیر۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد اقصیٰ تک پھر سدرۃ المنتہیٰ تک، اور جہاں تک کہ خدا نے چاہا سیر کرائی گئی۔ یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیداری میں تھا لیکن سمجھ رکھنا چاہیئے کہ یہ ایک مقام ہے جو عالم مثال اور شہادت کے درمیان واقع ہے اور ہر دو عالم مذکورہ کے احکام کا جامع ہے۔ جسم پر اس عالم میں روح کے احکام ظاہر ہوئے۔ اور روح و معانی نے جسم قبول کر کے تمثیل اختیار کی۔ اس لیے ان تمام واقعات میں ہر ایک واقعہ کے واسطے ایک خاص معنی ہے اور تعبیر۔

واما رکوب البراق فحقیقته استواء نفسه النطقیة علی النسمة التی هی الکمال الحیوانی فاستوی راکبا علی البراق کما غلبت احکام نفسه النطقیة علی البهیمیة وتسلط علیها۔

براق پر سوار ہونے کی حقیقت۔ یہ ہے کہ نفس ناطقہ نسمہ پر جو کمال حیوانی ہے غالب آجائے۔ آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم براق پر اسی خوبی سے سوار ہوئے جس طرح آپ کے نفس انسانی کے احکام قوت بہیمیہ پر غالب اور مسلط ہیں۔

واما اسراءه الی المسجد الاقصی فلانه محل ظهور شعائر الله ومتعلق همم الملأ الاعلی ومطمح انظار الانبیاء علیهم السلام فکانه کوة الی الملکوت

مسجد اقصیٰ تک کی سیر اسلیئے ہے۔ کہ وہ شعائر الہیہ کے ظہور کا محل ہے۔ ملاء اعلیٰ کی ہمتیں اس سے متعلق ہیں۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کی نظرگاہ ہے گویا وہ ملکوت کا ایک دریچہ

واما ملاقاته مع الانبیاء صلوة الله علیهم ومفاخرته معهم فحقیقتها اجتماعهم من حیث ارتباطهم بحظیرة القدس وظهور ما اختص به من بینهم من وجوه الکمال۔

انبیا علیہم السلام سے ملاقات۔ اور مفاخرت کی حقیقت یہ ہے۔ کہ حظیرۃ القدس سے جو اُن کو اجتماعی ربط و ضبط حاصل ہے۔ اور اجتماعی اُمور کا نہایت کاملیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام جگہ ظہور ہوا۔

واما رقیه الی السموات سماء بعد سماء فحقیقته الانسلاخ الی مستوی الرحمن منزلة بعد منزلة ومعرفة حال الملائکة الموکلة بها ومن یلحق بهم من افاضل البشر والتدبیر الذی اوحاه الله فیها والاختصام الذی یحصل فی ملائها۔

آسمانوں پر یکے بادیگرے چڑھنے کی حقیقت۔ یہ ہے کہ درجہ بدرجہ تعلقات طبعی سے نکل کر مستوی رجائے استقرار رحمٰن کی طرف جانا پھر نیز اُن فرشتوں کی حالت سے معرفت حاصل ہونا۔ آنحضرت صلعم اور آپ کی اُمت کے بزرگان قوم کے قریب تر رہنے پر مامور ہیں۔ نیز تدبیر کلیہ کی شناخت اور ان اُمور کی دریافت جن پر ملائکہ مقربین عرض مسابقت کیا کرتے ہیں

واما بکاء موسی فلیس بحسد لکن مثال الفقد

گریہ موسیٰ علیہ السلام واضح ہو کہ گریہ موسیٰ سے حسد کا اظہار مراد نہیں بلکہ اظہار

عموم الدعوة وبقاء كمال لم يحصل مما هو في جهة وامّا سدرة المنتهى فشجرة الكون وترتب بعضها على بعض وانجماعها في تدبير واحد كانجماع الشجرة في الغاذية والنامية ونحوهما ولم يتمثل حيوانا لان التدبير الجملي الاجمالي الشبيهة السياسة الكلي افراده وانما اشبه الاشياء الشجرة دون الحيوان فان الحيوان فيه قوى تفصيلية ولارادة فيه اصرح من سنن الطبيعية -

واما الانهار في اصلها رحمة فائضة في الملكوت خذ والشهادة وحيوة وانماء فلذلك تعين هنالك بعض الامور النافعة وبالشهادة كالنيل والفرات -

واما الانوار التي غشيتها فتدليات الهيه وتدبيرات رحمانية تلمعت في الشهادة حيثما استعدت لها -

واما البيت المعمور فحقيقة التجلي الالهي الذي يتوجه اليها سجدات البشر وتضرعاتها يتمثل بيتا على حذو ما عندهم من الكعبة وبيت المقدس وامر بخمس صلوات بلسان التجوز انها خمسون باعتبار الثواب - ثم اوضح الله مراده تدريجا ليعلموا ان الحرج مدفوع ان النعمة كاملة وتمثل هذا المعنى مسندا الى موسى عليه السلام فانه اكثر الانبياء معالجة للامة ومعرفة لسياستها

اس امر کا ہے کہ آپکی رسالت تمام دنیا کے لیے عام ہے اور یہ کمال باقی تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو ملا نہیں تھا سدرۃ المنتہیٰ درخت عالم ہے کہ ایک وجود دوسرے وجود پر مترتب اور پھر سب کے سب تدبیر واحد کے اندر جمع ہیں جیسا کہ درخت کا بھی غذا و نمو میں یہی حال ہے۔ واضح رہے کہ کسی حیوان سے اسکی تمثیل نہیں دیگئی چونکہ وہ تدبیر کلیہ اجمالیہ جو سیاست کلیہ سے مشابہت رکھتی ہے وہ بھی منفرد ہے اسلیے بہترین مشابہت اُسکی درخت میں پائی جاتی ہے کہ ایک ہی تنہ مختلف قسم کی شاخیں، ڈالیاں، اور پتے ہوتے ہیں، اور غذا و نمو میں برابر سب مستفیض ہیں اور حیوان میں یہ مشابہت پائی نہیں جاتی کیونکہ انسان میں قوائے تفصیلی بھی ہیں، اور وہ ارادہ بھی رکھتے ہیں، اور یہ سنن طبعیہ سے زیادہ صریح ہیں۔

دریائے آسمانی اصل خدا کی رحمت فائضہ ہے، جو عالم ملکوت میں عالم شہادت کے محاذی موجود ہے۔ نیز حیات و نمو بھی اسی میں داخل ہے اسلیے ظاہراً چند اسباب نافعہ مثل نیل و فرات وغیرہ کا تعین فرمایا گیا ہے۔

انوار الٰہیات۔ رہے وہ انوار جنہوں نے اسے ڈھانپ لیا، وہ تدلیات رحمانی اور تدبیرات ربانی ہیں۔ جو عالم ظہور میں جلوہ گستر اور نور بیز ہیں جہاں تک اس عالم میں اُنکی استعداد پائی جاتی ہے۔

بیت المعمور کی حقیقت وہ تجلی ہے جسکی طرف بندگان خدا کی دعاؤں اور سجدوں کا رخ ہوتا ہے اور وہ خانہ کعبہ وہ بیت المقدس کے محاذ میں جیسا کہ ان لوگوں کا ان ہر دو کی بابتہ اعتقاد ہے ایک گھر کی تمثیل لیے ہوئے ہے **پانچ وقتوں کی نماز کا تقرر** بھی زبان تجوزی سے ہوا ہے لیکن ثواب کے اعتبار سے یہ پانچ پچاس کے برابر ہیں۔ گویا خداوند عالم نے آہستہ آہستہ یہ سمجھایا ہے کہ ثواب تو (۵۰ کے برابر) کامل ہے اور حرج اس میں اُٹھا دیا گیا ہے۔ یہ مطلب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سند سے متمثل کیا گیا ہے، کیونکہ جناب ممدوح بہت سے انبیا علیہ السلام سے اُمت کی اصلاح و درستی اور اُصول سیاست اور شناخت و معرفت اُمت میں بڑے ہوئے ہیں۔

شاہ صاحب کی مرتوسہ بالا عبارت کو مشاہدات معراج کی اصلی حقیقت سمجھ کر ہمنے نہیں لکھا ہے۔ بلکہ اسکی نقل سے ہمارا مدعا یہ

خاص یہ ہے کہ حکمت و فلسفہ کے موجودہ زمانۂ ارتداد میں جو معراج جسمانی کے محال ہونیکے متعلق دعوے کئے جاتے ہیں۔ انکو قریب العقل والامکان ثابت کردیں۔ ورنہ معراج کے مشاہدات غیبیات قدرت کے ایسے نازک اسرار ربانی ہیں جن کا تحمل الفاظ انسانی نہیں کرسکتے۔

صاحب رحمۃ العالمین نے خاتمہ بحث پر جو عبارت حاشیہ لکھی ہے۔ ہم اُس سے پورا اتفاق کرتے ہیں۔ اور ذیل میں نقل کرکے بحث معراج کو تمام کردیتے ہیں۔ اور یہاں اسی قدر بیان کو کافی سمجھتے ہیں۔ صاحب رحمۃ العالمین لکھتے ہیں۔

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں حضرت عائشہ۔ ومعاویہ وامام حسن بصری سے مروی ہے کہ اسرار روح مُبارک کو ہوا تھا۔ اور جسم مُبارک اپنی جگہ سے مفقود نہیں ہوا تھا۔ علامہ موصوف (ابن القیم) کہتے ہیں۔ کہ اسرار وحی اور خواب میں بہت فرق ہے اسرار وحی سے مراد تو یہی ہے۔ کہ رُوح مُبارک کو ان جملہ مقامات کی سیر کرائی گئی۔ اور خواب میں یہ بات نہیں ہوتی۔ یہ درجہ اتم۔ اکمل۔ اشرف اور اعلیٰ ہے۔ علمار کے ایک گروہ کا قول ہے کہ اسرار بدن اور روح کے ساتھ تھا۔ زاد المعاد ابن القیم صفحہ ۱۰۳۔

واضح ہو کہ عروج جسدی کا انکار آجکل کے فلسفۂ خشک کے اعتبار پر فضول ہے۔ کیونکہ جس قادرِ مطلق نے اجرام سماویہ کے بھاری بھرکم اجسام کو تھام رکھا ہے۔ اور عین خلار میں اُسکو قائم کیا ہے۔ وہ جسم انسان کے جرم صغیر کو خلار میں لیجانے کی بھی ضرور قدرت رکھتا ہے۔ آجکل اوکسیجن (OXYGINE) کی طاقت سے ہوائی جہاز اور اُن جہازوں کے اندر آدمی برابر اُڑ رہے ہیں۔ اس لیے خداوند کریم کا اپنے نبی کریم کو بسواری بُراق۔ جو البرق سے مشتق اور الکٹرک ستی (ELECTERICITY) کی طاقت مخفیہ کی جانب اشارہ کُن ہے۔ ملکوت السموٰت کی سیر کرانا کچھ بھی مستبعد نہیں۔ رحمۃ العالمین ۲۶

بُراق اور معراج کی گویا تمام بحث کو میر وحید صاحب لکھنوی نے اپنے ایک مصرعہ میں لکھکر تمام کردیا ہے۔ جو براق کی صفت میں فرمایا گیا ہے ؎ کہنے کو بُراق اصل میں خالق کی کشش تھی۔

وجوب نماز پنجگانہ معراج سے واپسی کے بعد اُمّت اسلامیہ پر پانچ وقتوں کی نماز واجب کی گئی۔ وجوب نماز کے تعیّن کی نسبت علمار دین میں اختلاف ہے۔ بیکار کا اختلاف ہے۔ تحقیق کی جاتی ہے۔ تو یہ اختلاف اصل نماز کے وجوب میں یا اُس کے تعیّن اوقات میں نہیں ہے۔ رکعات کی نسبت اختلاف ہے۔ ورنہ اصل دو رکعتی نماز فجر اور عصر کی۔ تو بعثت کے وقت ہی سے واجب کردی گئی تھی۔ اور ترکیب نماز بھی ناموس آلہٰی نے اُسی وقت تعلیم کردی تھی جس وقت وہ وحی آلہٰی لیکر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔

اگر اُن علمار کے اقوال پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ جو مطلق وجوب نماز کو واقعہ معراج تک کھینچ لیجاتے ہیں۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قریب قریب دس سال تک آنحضرت صلعم کا تنہا یا مخصوص صحابہ کے ساتھ ایک مدّت تک مخفی طور پر نماز پڑھنے کی دو ایک روایات نہیں۔ متعدد اور کثیر التعداد واقعات بالکل جھوٹے اور کالعدم ثابت ہوجائیں گے۔ اور دس برس تک اہل اسلام اور بانی اسلام خود (نعوذ باللہ) بے نماز رہ جائیں گے۔ پھر یہ بھی بتلانا ضروری ہوجائے گا۔ کہ جب نماز کی ترکیب عبادت نہیں تھی تو رسولؐ اور اہل اسلام کا اتنی مدّت تک کیا طریقۂ عبادت تھا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ وہ زمانہ رسولؐ کا بغیر کسی عبادت

کے گذرا تو سراسر مناقض شان رسالت ہے۔ اور قطعی ناممکن ہے۔ اس بنا پر اُن علمائے محققین کا محققانہ قول بالکل صحیح اور فی الواقع ہے۔ کہ وجوب نماز کا حکم نزول قرآن اور حصول رسالت کے ساتھ ساتھ ہوا۔ بلکہ خدا کے فرشتے نے رسولخدا صلعم کو ترکیب نماز کے ساتھ ہی ترکیب وضو بھی بتلائی کیونکہ ہر نماز کے ساتھ وضو بھی (اگر ضرورت ہے) واجب ہے طبری

لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ پہلے صرف دو وقتوں کی دو رکعتی نماز اُتری تھی۔ اور بعثت کے زمانہ سے لیکر وقوع معراج تک ایسے ہی نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ معراج میں نماز پنجگانہ اور رکعات چہارگانہ کا حکم ملا۔ اور اُسی وقت سے ظہر عصر۔ اور عشا کی چہار رکعتی نماز واجب ہوگئی۔

حضرت ابیطالبؑ اور جناب خدیجہؑ کی وفات اسلام کی تاریخ میں نبوّت کا دسواں سال جسقدر اسلام کی ترقیات و توسیعات کے لیے خاص طور پر مشہور اور نمایاں ہے۔ اُسی قدر یہ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ورود مصائب و آلام اور نزول حزن و ملال کیلئے بھی خاص کر مشہور اور مذکور ہے۔ اعظم ترین مصائب جو آنحضرت صلعم کو پیش آئے۔ وہ حضرت ابیطالبؑ کے ایسے شفیق و مربی عم نامدار اور محسن و مددگار کا ایک بار سر سے اُٹھ جانا تھا۔

پھر اُس کے چند ہی روزوں کے بعد جناب صدیقہ کبریٰ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے ایسی بی بی کی ہمیشہ کے لئے مفارقت نصیب ہوئی۔ رضاً بقضائه وتسليماً لامره۔

حضرت خدیجہ کبریٰ وہ عظیم المراتب محترمہ تھیں۔ اور وہ جلیل المناقب معظمہ جن مقدسہ نے خاص رسول اللہ صلعم کے قول کے مطابق اُسوقت سے آپکا ساتھ دیا۔ جب کوئی شخص آپکا ساتھ دینے والا نہیں تھا۔ اُسوقت میں آپکی تصدیق فرمائی جب کوئی شخص آپکی تصدیق رسالت کرنیوالا نہیں تھا۔ اُس زمانہ میں اپنے مال و دولت سے آپکی نصرت و اعانت فرمائی جسوقت ایک پیسے سے بھی کوئی شخص آپکی مدد کرنیوالا نہیں تھا۔ ان تمام اوصاف مخصوصہ پر مستزاد یہ تھا۔ کہ آپکی نو بیبیوں میں سے مدعائے زوجیت اصلاً کسی سے بھی آنحضرت صلعم کو حاصل نہیں ہوا۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور آپکے خاندان رسالت اور دودمان نبوت کا نام و نشان اُنھیں کے بطن سے ابداً باد تک قائم رہا۔ جس طرح کفار قریش اور مشرکین کعبہ رسالت کے قبل ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و امانت پر اعتبار کرکے الامین کے لقب یاد کرتے تھے اسیطرح جناب خدیجہ کو اُن کی عصمت و حیا کے احترام سے الطاہرہ کے القاب خاص سے ہمیشہ یاد کرتے تھے۔

شبلی صاحب اِن واقعات کے متعلق لکھتے ہیں۔

ابوطالبؑ کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنکے پاس تشریف لیگئے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن اُمیہ[لہ] پہلے سے وہاں موجود تھے۔ آپنے فرمایا مرتے مرتے لااله الا الله کہہ لیجئے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔ ابوجہل اور ابن اُمیہ نے کہا کیا تم عبدالمطلبؑ کے دین سے پھر جاؤ گے۔ بالآخر ابوطالبؑ نے کہا کہ میں عبدالمطلبؑ کے دین پر مرتا ہوں

لہ اگر بقول شبلی صاحب ابوطالبؑ ریاست قریش اور امارت مکہ پر قائم نہیں تھے تو ابوجہل اور ابن اُمیہ سے مغرورین قریش اور متمولین مکہ کا انکی عیادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خطاب کرکے کہا میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے۔ کہ موت سے ڈر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیئے دعائے مغفرت کرونگا جب تک کہ خدا مجھکو اس سے منع نہ فرما وے۔

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ کہ مرتے وقت ابیطالبؑ کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباس نے جو اُس وقت کافر تھے۔ کان لگا کر سُنا۔ تو آنحضرت صلعم سے کہا کرتے جس کلمہ کیلئے کہا تھا۔ ابوطالبؑ وہی کہہ رہے ہیں۔

اس بنا پر ابوطالبؑ کے اسلام میں اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ بخاری کی یہ روایت عموماً صحیح مانی جاتی ہے۔ اسلیے محدثین زیادہ تر انکے کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت قابل حجت نہیں۔ کہ آخر راوی سیتب ہیں۔ جو فتح مکہ میں اسلام لائے۔ اور ابوطالبؑ کی وفات کے وقت موجود نہیں تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔ کہ یہ روایت مرسل ہے۔

ابن اسحاق کے سلسلہ میں عباس ابن عبداللہ ابن سعید اور عبداللہ ابن عباس ہیں۔ اور دونوں ثقہ ہیں۔ لیکن بیچ کا ایک راوی بیان بھی رہ گیا ہے۔ اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں۔

ابوطالبؑ نے آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم کے لیئے جو جاں نثاریاں کیں۔ اُس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ کے اُوپر نثار کرتے تھے۔ آپکی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اُٹھائے شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جوش یہ جاں نثاریاں سب ضایع جائیں گی۔

ابوطالبؑ آنحضرت صلعم سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن سے نہایت محبت تھی ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آنحضرت صلعم اُن کی عیادت کے لیئے گئے۔ تو اُنہوں نے کہا کہ بھتیجے جس خدانے تجھکو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اُس سے دُعا نہیں مانگتا کہ مجھکو اچھا کردے۔ آپ نے دُعا کی۔ اور وہ اچھے ہوگئے۔ آنحضرت صلعم سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے آپ نے فرمایا اگر آپ بھی خدا کا کہنا مانیں۔ تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے۔ سیرۃ النبیؐ ج ا ص ۱۸۳۔

چونکہ شبلی صاحب نجات ابیطالبؑ کے متوقع اور اُنکے باایمان ہونے کے موید ہیں۔ اسلیئے ہمکو حضرت ابیطالبؑ کے ایمان لانیکے متعلق بحث کرنا منظور نہیں ہے۔ چونکہ اُن کے صاحب ایمان ہونے کے ثبوت میں متعدد کتابیں ہم سے صدہا برس پیشتر تیار ہو چکی ہیں۔ اور خود سواد اعظم کے اکابر علماء و محدثین نے اس مسئلہ میں اپنے مخالفین کی تمام غلط فہمیوں کی مدلل اور مفصل طور پر پوری تردید کردی ہے۔ کہ اب اُس میں کسی کو عذر و کلام کی ذرا بھی گنجایش باقی نہیں ہے۔ علامہ سیوطی کے خاص دو رسالوں کے علاوہ عمدۃ المطالب۔ محمد بن طلحۃ الشافی۔ مطالب السئول اور توضیح الدلائل۔ محمد بن یوسف اور اسنی المطالب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کو خصوصاً ایسی حالت میں جب اُن کی استدعا و اصرار کو خلاف اُنھوں نے آنحضرت صلعم کی حمایت و رفاقت سے ہاتھ نہ اُٹھایا یہاں تک کہ شعب کے سہ سالہ مصائب و شدائد اپنی بوڑھی جان پر برداشت کرلیئے نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ شبلی صاحب کی یہ غلط بیانی صرف بنی اُمیہ کی مدد رسانی تھی۔ اور فضائل بنی ہاشم سے روگردانی۔ اللہ باقی من کل فانی۔ المولف عفی عنہ

فی نجات ابی طالب۔ مفتی احمد بن زینی دحلان متولی مسجد الحرام۔ مکہ معظمہ جو امام الحرمین سید محمد بن رسول الشہیر بعلامہ برزنجی کی کتاب کا خلاصہ ہے۔ یہ تمام تصنیفات و تالیفات اسی موضوع خاص پر مرتب ہو چکی ہیں۔

لیکن باوجود اسکے کہ شبلی صاحب نے اپنی مذکورہ بالا رائے میں سو لفین مرقوم الصدر کی تائید کی ہے۔ مگر تاہم آپ کا طرز بیان بیحد مبہم کا مبہم رہ گیا ہے۔ ہم کو آپ کے ابہام کی ابھی صفائی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی قدیم کوتہ قلمی کی شکایت ہے۔ شکایت بھی نہیں۔ کیونکہ یہ آپ کی عادت ہے۔ خصوصاً بنی ہاشم کے حالات میں اور انسان عادت سے مجبور ہے کیونکہ وہ طبیعۃ الثانیہ ہو جاتی ہے۔

بہرحال شبلی صاحب نے بہت بڑی فروگذاشت یہ کی۔ کہ حضرت ابیطالبؑ کی اُس وصیت کی نقل کی طرف توجہ نہیں کی جو اُنہوں نے تمام اکابر قریش کے مجمع میں اپنے بستر مرگ پر اپنے مرنے سے بالکل قریب بیان کی تھی۔ اور جس کو قریب قریب تمام علماو محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے۔ اُسکے نقل و مطالعہ سے آپ کو اُن کے ایمان و اسلام کا پورا پتا لگ جاتا۔ ہم امام برزنجی کی عبارت و الفاظ میں اسکو حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

یا معشر قریش انتم صفوۃ اللہ من خلقہ وقلب العرب فیکم السید المتاع وفیکم المقدام الشجاع والواسع الباع واعلموا انکم لم تترکوا للعرب فی المآثر نصیبا الا احرزتموہ والشرف الا ادرکتموہ فلکم بذلک علی الناس الفضیلۃ ولھم بہ الیکم الوسیلۃ والناس لکم حرب وعلی حربکم الب و انی اوصیکم بتعظیم ھذہ البنیۃ یعنی الکعبۃ فان فیھا مرضات للرب وقواما للمعاش وثباتا للوطاءۃ وصلوا ارحامکم فان فی صلۃ الرحم منساءۃ ای فسحۃ فی الاجل وزیادۃ فی العدد واترکوا البغی والعقوق ففیھما ھلکت القرون قبلکم اجیبوا الداعی واعطوا السائل فان فیھما اشرف الحیاۃ والممات وعلیکم بصدق الحدیث واداء الامانۃ فان فیھما محبۃ فی الخاص ومکرمۃ فی العام واوصیکم بمحمد خیرا فانہ الامین فی قریش والصدیق فی العرب وھو الجامع لکل ما اوصیکم بہ قد جاء بامر قبلہ الجنان وانکرہ	اے گروہ قریش تم مخلوقات خدا میں برگزیدہ ہو۔ اور عرب کے دل ہو سردار قابل اتباع۔ اور دلاور فراخ سینہ تم میں سے ہوتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ عرب کی خوبیوں میں سے کوئی ایسا حصہ نہیں چھوڑا کہ جو تم نے نہ جمع کر لیا ہو اور کوئی ایسی فضیلت نہیں باقی رہی۔ جو تم کو نہ مل گئی ہو۔ اسی سبب سے تم لوگوں پر فضیلت رکھتے ہو اور لوگ تمہارا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ لوگ تمہارے لئے لڑنیوالے اور تمہارے آلات حرب ہیں۔ میں تمہیں اس مکان یعنی کعبہ کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ اس میں پروردگار عالم کی خوشنودی۔ روزی کا سہارا اور سامان کی درستی ہے۔ اور صلہ رحم اختیار کرو۔ کیونکہ صلہ رحم میں کشائش ہے۔ اپنی عمر کی زیادتی اور نسل کی کثرت۔ بغاوت اور نافرمانی کو ترک کرو کہ ان دونوں کے سبب تم سے پہلے بہت سے قرن (قومیں) ہلاک ہو چکے (مذہب) حق کے دعوت کرنیوالے کی سنو۔ اور سائل کی حاجت پوری کرو۔ کیونکہ ان دونوں میں شرف حیات و ممات ہے۔ اور تمہیں سچ بولنا اور امانت کا ادا کرنا لازم ہے کیونکہ ان دونوں باتوں کے سبب سے خواص سے محبت ہوتی ہے اور عوام میں عزت اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت تمکو وصیت کرتا ہوں کہ

اللسان مخافۃ الشان وایم اللہ کانی انظر الی صعالیک العرب واھل الاطراف والمستضعفین من الناس قد اجابوا دعوتہ وصدقوا کلمتہ وعظموا امرہ فخاض بھم فی غمرات الموت فصارت رؤساء قریش وصنادیدھا اذنابا ودورھا خرابا وضعفاءھا اربابا اذا اعظمھم علیہ احوجھم الیہ وابعدھم منہ احظاھم عندہ قد محضتہ العرب ودادھا واعطتہ قیادھا یا معشر قریش کونوا لہ ولاۃ ولحزبہ حماۃ وفی روایۃ دونکم وابن ابیکم کونوا لہ ولاۃ ولحزبہ حماۃ واللہ لا یسلک احد سبیلہ الا رشد ولا یاخذ احد بھدیہ الا سعد ولو کان لنفسی مدۃ ولاجلی تاخیر لکففت عنہ الخرائخر ولدفعت عنہ الدواھی وقال لھم مرۃ لن تزالوا بخیر ما سمعتم من محمدؐ وما اتبعتم امرہ فاطیعوہ ترشدوا۔

وہ امین قریش ہے۔ اور صدیق عرب اور جن باتوں کی میں نے تمھیں وصیت کی ہے۔ وہ اُن تمام اوصاف کا جامع ہے۔ وہ ایسا امر لیکر آیا ہے۔ جسے دل تو قبول کرتا ہے۔ مگر زبان بخوف طعن انکار کرتی ہے۔ خدا کی قسم میں گویا عرب کے فقیروں، قرب وجوار کے باشندوں اور کمزور لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ انھوں نے اُسکی منادی قبول کرلی ہے۔ ان لوگوں نے اُس کے کلام کو برحق مان لیا ہے اور اُسکے حکم کو بزرگ سمجھ لیا ہے۔ اور وہ اُن کو لیکر موت کے سمندروں میں کود پڑا ہے اور وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار سب ادنیٰ درجے کے ہوگئے ہیں۔ اُن کے مکان تک برباد ہوگئے ہیں۔ اور وہ جو زبردست تھے۔ زیردست ہوگئے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو محمدؐ سے بڑھکر سمجھتے تھے وہ اُس کے محتاج بن گئے ہیں۔ اور جو اُس سے دور تھے قریب آگئے ہیں۔ اہل عرب بادیہ نے اُسکی خالص دوستی اختیار کرلی ہے۔ اور اپنے آپ کو اُس کے اختیار میں دیدیا ہے۔ اے گروہ قریش اُسکے دوست بن جاؤ۔ اور اُسکے گروہ کے حامی بن جاؤ۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تمھیں اور تمہارے بھائیوں کو لازم ہے کہ اُسکے دوست بن جاؤ۔ اور اُس کے گروہ کے حامی ہو جاؤ۔ اور قسم بخدا کوئی ایسا نہیں ہے جو اُسکی راہ چلے اور نیکی نہ پائے اور اُسکا ہدیہ قبول کرے۔ اور سعید نہ ہو جائے۔ اور اگر میری زندگی میں کچھ دیر لگتی۔ اور میری عمر کچھ اور ہوتی تو میں ہر قسم کی تکالیف ومصائب وشدائد کو اُن کو دور کرتا۔ اور ایک بار قریش سے یہ بھی کہا۔ کہ جب تک تم محمدؐ کی سنتے رہوگے۔ اور اُس کے احکام کی پیروی کئے جاؤگے۔ تمہارے لیے بہتری ہی بہتری رہیگی لہذا اُس کی اطاعت کرو کہ رشید ہو جاؤ۔ منقولاً عن قاضی ذینی دحلان من کتاب اسنی المطالب ص ۱۷۷۔

حضرت ابیطالبؑ کے یہ الفاظ وصیت ہیں۔ جو صاف بتلا رہے ہیں۔ کہ ان کا کہنے والا۔ اُن کا ادا کرنے والا۔ اُسوقت کے مسلمانوں سے محبت عقیدت اور حمایت اسلام میں اگر بڑھا نہیں تھا۔ تو کسی طرح کم بھی نہیں تھا۔

اب ہم حسب الوعدہ شبلی صاحب کی مبہم عبارت اور ذو محل فیصلہ کا انکشاف کرتے ہیں۔

خیریت ہے کہ شبلی صاحب نے اپنے اس ابہام فی الکلام کی وجہ خود لکھدی ہے۔ لکھتے ہیں کہ۔ اس بنا پر (روایت بخاری اور ابن ہشام کے اختلافات دکھلاکر) ابوطالبؑ کے اسلام میں اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اسلیے محدثین زیادہ تر اُن کے کفر ہی کے قائل ہیں۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ آپ ایمان ابوطالبؑ کے قائل ضرور ہیں۔ لیکن بخاری صاحب کے خوف سے اقرار واعلان نہیں کرسکے

تو سوال یہ ہے۔ کہ پھر آپ کے اس بیان سے ایک تحقیق کے طالب کو کیا فائدہ پہونچا۔ اور وہ کہاں تک اصل حقیقت معلوم کر سکا؟ آپکی آخر رائے دیکھکر وہ اتنا کہہ سکتا ہے۔ کہ آپ موید ین اسلام ابو طالبؑ کے ہم خیال ہیں۔ لیکن آپ خود محقق ہیں۔ جانتے ہیں کہ طالبان تحقیق کو کسی شخص خاص کی ذاتی رائے کے معلوم کرنے سے تسکین نہیں ہوتی۔ تاوقتیکہ وہ اپنے مدعائے تحقیق کی حقیقت اور اصلیت کو مع اُنکے تمام اسباب وعلل کے پورے طور سے نہ حاصل کرے۔ آپ کی دورُخی رائے اور اسکی اہمیت اسکو معلوم ہوگئی۔ جو ان دونوں روایتوں پر مبنی ہے۔ ایک مسلم و بخاری کی روایت پر جو ایمان ابی طالبؑ کے مخالف ہے۔ دوسری سیرت ابن اسحاق کی روایت پر جو ایمان ابی طالبؑ کی موید اور مثبت ہے

آپ نے ان متضاد مرویات کو جمع کرکے کوئی فیصلہ کن رائے تو دی نہیں۔ وہی ترجیح بخاری والا قدیم مسئلہ پیش کر دیا۔ جسکا عنوان ایسے ہی مقامات کی ضرورت خاص کے لحاظ سے آپ نے اپنے دیباچہ کتاب ہی سے آغاز کیا تھا۔ اور ہمنے بھی آپکے دیباچہ کے تبصرہ میں شروع ہی سے آپکے اس حفظ ماتقدم ہوشیاری اور قلم کاری کا مفصل اور مدلل طریقہ سے انکشاف حقیقت کر دیا ہے۔

کیوں صاحب۔ ایک ایسا شخص بستر مرگ پر پڑا ہے۔ جو آپکے نزدیک مسلمان بھی نہیں۔ اُسکے اعزہ اور احباب اُسکو آخری بار ہمیشہ کیلئے رخصت کرنے کی ضرورت سے اُس کے پاس جمع ہیں۔ باہم گفتگو ہو رہی ہے۔ تو اسواقعہ اور اسکے ایسے تمام واقعات کو سیرت و تاریخ کے موضوع سے تعلق ہوگا۔ یا آپکی حدیث واصول کی کتابوں سے؟ اور ان تمام واقعات شخصی یا قومی کی حقیقت معلوم کرنیکے لیئے آپ سیرت و تاریخ کا مطالعہ فرمائیں گے۔ یا حدیث و تفسیر کی تالیفات کو دیکھیں گے؟ کبھی کوئی شخص سیرت و تاریخ کے ہوتے ہوئے ان اُمور کی اطلاع وعلم کے لیئے حدیث و تفسیر کی کتابوں کو نہیں دیکھے گا۔ یہی تو آپکی غرض خاص تھی۔ کہ آپ نے ان خصوصیات سیر و تاریخ کی تحقیق کو حدیث ہی کی کتابوں میں اور خصوصاً بخاری و مسلم میں دیکھنے۔ اور اعتبار کرنے کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ اس لیئے اُصول تحقیق کی بنا پر اسواقعہ کی نسبت سیرت ابن اسحاق کی روایت پر اعتبار کیا جائے گا۔ اور اُسکے مقابلہ میں بخاری و مسلم کی مرویات پر کوئی توجہ نہیں کیجائے گی۔ کیونکہ سیرت ابن اسحاق .... بخاری و مسلم سے اتنی قدیم ہے۔ کہ اُس کی تدوین کے وقت علم الحدیث کا نام بھی نہیں تھا۔ بخاری و مسلم کجا۔

اب اصول تنقید سے بھی دیکھیئے۔ تو ابن اسحاق کی روایت میں کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ آپ خود لکھتے ہیں۔ عباس ابن عبد اللہ بن سعید اور عبد اللہ بن عباس۔ دونوں ثقہ ہیں۔ لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں رہا ہے۔ کیونکہ ابن اسحاق نے عباس بن عبد اللہ بن سعید کے بعد لکھدیا ہے عن بعض اھلہ (اپنے گھر والوں میں سے کسی کی زبانی) ممکن ہے۔ کہ عباس ابن عبد اللہ کو وقت پر نام نہ یاد رہا ہو۔ تو جب عن بعض اہلہ موجود ہے۔ تو ایک راوی دوسرا تو موجود ہے۔ سلسلہ منقطع کیسے ہوا۔ اور بیچ کا راوی رہ کیسے گیا؟ ایسی مثالیں آپ علی الاکثر تمام حدیثوں کے سلسلہ رواۃ میں پائیں گے۔ چنانچہ ابن سعد تو اکثر اپنی استاد کی نقل قال بعض اھل العلم سے شروع کر دیتے ہیں۔ اور برابر اُن کی روایتیں نقل ہوتی ہیں

عباس ابن عبداللہ کی نسبت آپ وضع حدیث کا گمان کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ خود لکھ چکے ہیں کہ عبداللہ بن عباس اور عباس بن عبداللہ دونوں ثقہ ہیں۔ اس بنا پر آپ کو تسلیم کرلینا ہوگا۔ کہ عباس ابن عبداللہ نے اپنے بعض عزیز کا حوالہ دیدیا ہے اور نام نہیں تبلایا بصرف اسوجہ سے کہ اسوقت اُن کو نام نہیں یاد رہا۔ پھر جب آپکا معتبر اور معتمد علیہ شخص یہ کہتا ہے۔ کہ میں نے اپنے عزیز خاص سے سُنا ہے اور صرف نام نہیں لیتا ہے۔ تو کیا اُسکا یہ بیان آپکے نزدیک قابل اعتبار نہو گا؟ پھر جب آپ کسی طرح اُسکے بیان کو قابل استرداد نہیں ٹھہرا سکتے۔ تو آپ کا عن بعض اہلہ کی موجودگی میں یہ بے دھڑک کہدینا کہ بیچ کا ایک راوی رہ گیا ہے۔ کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ اس لیئے یہ ضرور قابل تسلیم ہو گا۔ کہ عباس بن عبداللہ نے اپنے ایک عزیز سے اور اُسنے عبداللہ بن عباس سے اور اُنھوں نے اپنے پدر بزرگوار سے عباس ابن عبدالمطلبؑ سے سُنا ہے۔ حقیقت کی نظر سے دیکھئے۔ تو ابن اسحٰق کی روایت اوّل سے آخر تک متصل ہے۔ مفصل اور مسلسل اور کہیں سے بھی منقطع اور موقوف نہیں۔

اب اسکے مقابلہ میں بخاری اور مسلم کی روایت اور اُنکی حقیقت شبلی صاحب خود معترفانہ طور پر تحریر فرماتے ہیں کہ بخاری کی یہ روایت چنداں قابل احتجاج نہیں کہ آخر راوی ابو مسیب ہے جو فتح مکہ میں اسلام لائے۔ اور ابو طالبؑ کی وفات کے وقت موجود نہیں تھے اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہو کہ یہ حدیث مرسل ہے"۔ جب اس روایت کی حقیقت حال اور کیفیت رجال سے آپ واقف ہو چکے تھے۔ اور اُس کے ساتھ ہی ابن اسحاق کی روایت کے متعلق یہ ثابت ہو چکا تھا۔ کہ اُسکے راوی بخلاف مسلم و بخاری کے ثقہ ہیں اور یہ بطور مرفوع متصل مروی ہوئی ہے۔ تو پھر آپ نے صاف صاف لفظوں میں یکو فیصلہ کیوں نکردیا۔ اور تبلا دیا کہ ایمان ابی طالبؑ کے مسئلہ میں اختلاف بیکار ہو۔ ابن اسحاق کی روایت سے اُن کا ایمان لانا حقیقی طور پر ثابت ہے کیونکہ ابن اسحاق کی روایت کے متعلق آپ اپنا پورا اطمینان کر چکے ہیں۔ ایک درمیان کے راوی رہجانیکا جو گمان کیا گیا تھا وہ بھی غلط نکلا۔ راوی موجود ہے۔ مگر راوی اوّل کو اُسکے نام کی جگہ اُس کی خصوصیت یاد ہے کہ وہ اُسکے گھر والوں میں سے تھا۔ تو اس روایت کا یہ اتنا سا نقص بھی جاتا رہا۔ ان تمام دلائل سے ابن اسحاق کی روایت عقلاً و نقلاً بالکل صحیح اور فی الواقع ہو۔

لیکن باایں ہمہ ایک صحیحین کی اور اُس میں بھی بخاری کی قلم کاری نے اسلام کے ہر واقعہ کی حقیقت ہی بدل دی ہو اور آپ حضرات نے اپنے عقیدت مندانہ طور پر تقلید اسلاف کے زیر اثر ہو کر اور مولف و محقق کے اصلی فرائض کے خلاف اُنہی کی تائید و توثیق میں دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے۔ ابھی ابھی دعوت قریش کے واقعہ میں محض استخفاف فضائل علیؑ کی غرض سے بخاری نے جیسی جیسی طلسمی قلمکاریاں دکھلائی ہیں۔ اُنکی پوری حقیقت کا صفحات گذشتہ کی عبارات زیرین حاشیہ میں پورا انکشاف کر دیا گیا ہے۔ اسواقعہ میں بھی جہاں تک حقیقت کی نظر ڈالی جاتی ہے۔ حضرات مسلم و بخاری کی قلمکاری ثابت ہوتی ہے۔

اتنا لکھکر۔ اب ہم اس بحث کے دوسرے پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اگر تھوڑی دیر کیلئے ہم بخاری اور مسلم صاحب کی مرویات پر اعتبار کرلیں تو ہمکو یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ ان روایات میں حضرت ابیطالبؑ نے کن الفاظ میں انکار ایمان کیا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بخاری و مسلم نے ابوطالبؑ کے اس کلمہ کو کہ میں عبدالمطلبؑ کے دین

پر مرتا ہوں۔ انکار ایمان سمجھا ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم و بخاری حضرت عبدالمطلبؑ کے ایمان کے بھی قائل نہیں ہیں۔ اور اُنکا کافر مرنا بھی (نعوذ باللہ) صحیح تسلیم کرتے ہیں حالانکہ اُن دونوں علماء کا یہ قول جمہور علماء و محدثین کی مختار متفقہ سے بالکل مخالف ہے شرح زرقانی میں حضرت عبدالمطلبؑ کے بایمان تضا کرنیکی بڑی طولانی بحث صفحہ ۱۷۹ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۹۲ پر تمام ہوئی ہے۔ اور نتیجہ بحث میں حضرت عبدالمطلبؑ کو تمام عمر دین حنیف پر ثابت اور مسلک توحید پر قایم تبلایا ہے۔ اور خاتمہ بحث پر اکثر محدثین و محققین کے اقوال سے واقعہ اصحاب الفیل اور ہزیمت ابرہۃ الاشرم کے متعلق آپکو صاحب کرامات تسلیم کیا ہے۔ اور خود شبلی صاحب نے بھی دیباچہ میں مفصلہ ذیل واقعہ کو اُن کے موحد ہونیکے ثبوت میں نقل فرمایا ہے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے۔ کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی۔ جو عبدالمطلبؑ ابن ہاشم (آنحضرت صلعم کے جد امجد) کے ہاتھ کی لکھی تھی۔ اُس کے الفاظ یہ تھے۔

حق عبدالمطلب بن هاشم من اهل مكة على فلان بن فلان الحميرى من اهل اوزال صنعا عليه الف درهم فضة كيلا بالحديدة ومتى دعاه بها اجابه شهد الله والملكان۔	یہ عبدالمطلبؑ بن ہاشم کا جو مکہ کا باشندہ ہے۔ قرضہ فلاں ابن فلاں حمیری پر ہے۔ جو صنعاء دمین کے علاقہ میں شہر اوزال کا رہنے والا ہے۔ یہ چاندی کے ہزار درم ہیں۔ جب طلب کیا جائے گا۔ وہ ادا کردے گا۔ خدا اور اُسکے دو فرشتے گواہ ہیں

جب شبلی صاحب کے ان اعترافات اور مذکورۂ بالا علماء و محدثین کی مذکورۂ بالا تحقیقات سے حضرت عبدالمطلبؑ کا دین دین حنیف اور مسلک توحید ثابت ہوتا ہے۔ اور اُنھیں مسالک پر اُنہوں نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ تو ابی طالبؑ کا انتقال فرماتے وقت یہ اقرار کرنا جسکو خود صاحب صحیحین مسلم و بخاری لکھتے ہیں کہ میں دین عبدالمطلبؑ پر مرتا ہوں کیسے (نعوذ باللہ) اُنکے کافر مرنیکی دلیل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دین عبدالمطلبؑ جب دین حنیف اور شرع توحید ثابت ہو چکا۔ اور یہی اُنکے ثبوت ایمان کے لئے کافی تسلیم کر لیا گیا۔ تو پھر دین و ایمان ابیطالبؑ میں جو باقرار اُن کے عین دین و ایمان عبدالمطلبؑ ہے کسی کو کیا عذر و کلام ہو سکتا ہے ہم اس سے زیادہ بحث نہیں لکھیں گے تحقیق مزید کیلئے عمدۃ المطالب۔ مطالب السئول۔ اسنیٰ المطالب۔ تالیفات

لہ ہم اس موقع پر شبلی صاحب کو اُنکی سند جیہ بالا بحث کرنیچ کا راوی رہ گیا ہے۔ یاد دلاتے ہیں کہ راوی رہا نہیں۔ ذکر موجود ہے۔ نام نہیں یاد رہا جیسا کہ ابن ندیم کو پوری عبارت دستاویز (بعینہٖ لوٹ) یاد رہی۔ لیکن قرض گیرندہ کا نام یاد نہیں رہا۔ تو کیا اس سے دستاویز کا وجود ہی غائب کر دیا جائیگا۔ علی الاکثر کتابوں میں محدثین کا بھی دستور پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر ابن ندیم نے بھی وہی قدیم طریقہ نقل اختیار کیا ہے۔ اور اُس دستاویز میں قرض لینے والے کا نام چونکہ سہو ہوگیا ہے۔ اس لیئے فلاں بن فلاں لکھدیا۔ لیکن نام حمیری کا لفظ لکھکر اُسکی قومیت تبلادی۔ اسی طرح ابن اسحاق کے راوی کو اپنے اُس عزیز کا نام وقت پر یاد نہیں رہا۔ مگر شخصیت اور خصوصیت ضرور یاد تھی۔ اس لیئے بعض اہلہٖ لکھدیا۔ تو کیا بُرا کیا۔ بخاری صاحب تو اکثر نقل احادیث میں فلاں بن فلاں اور کذا و کذا کی اشارت سے برابر کام لیتے ہیں۔ المؤلف عفی عنہٗ۔ مولوی

امام سُبکی۔ قرطبی۔ شعرانی اور علامہ شُیمی اور امام سیوطی کے رسالجات کی طرف جو نجات آبائے کرام آنحضرت صلعم کے موضوع خاص پر لکھے گئے ہیں۔ رجوع کرنا چاہیئے۔

بعد ابیطالبؑ رسول اللہ کے مصائب ان دونوں پے در پے صدمات نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیحد مترددو اور مضطر بنا رکھا تھا۔ سو نحمد صلعم کا گھر اُوجڑ گیا تھا حضرت ابی طالبؑ کے ایسا مربی اور سرپرست سر سے اُٹھ گیا لیکن بدخواہ۔ بیدرد اور ظالم کفار قریش کی دلی مرادیں بر آئیں۔ تمنائیں پوری ہوئیں۔ اب نہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ (سلام اللہ علیہا) کی ایسی ہر درد وغم میں ہر وقت کی شریک و رفیق بی بی باقی ہے جو تردد و فکر اور رنج و غم میں آپکو تسکین و تسلی دے۔ اور نہ سر پر حضرت ابیطالبؑ کے ایسا عم بزرگوار اور پرستار قائم ہے جو ظالمین مکہ اور مشرکین قریش کے مُہلک حملوں سے آپکو بچائے۔ اور نصرت وحمایت فرمائے۔ اُنکی اُنہی خصوصیات کی رعایت سے آنحضرت صلعم یتیم عبد اللہ کی جگہ یتیم ابیطالبؑ کے لقب خاص سے مشہور رہتے۔ ان کے اُٹھ جانے سے مخالفین کو آپکی ایذا رسانی کی عملی ترکیبوں میں پوری آزادی مل گئی۔ اور اب اُنکو تامل وتحمل کی کوئی ضرورت یا مجبوری باقی نہیں رہی۔ اُسوقت تک اُنکو جو کچھ تامل ہوتا تھا۔ وہ صرف حضرت ابیطالبؑ کی عظمت اور ذاتی وجاہت کے سبب سے جسکو وہ اپنی وفد کی پیش کردگی ہر موقع میں اپنی تقریروں کے ساتھ معترفانہ طور پر ظاہر کر چکے تھے اب وہ نہیں رہے۔ تو یہ مجبوری بھی نہیں رہی۔ اور اب وہ کمال آزادی۔ بیباکی سے آنحضرت صلعم کی ایذادہی اور تکلیف رسانی میں سرگرم اور مستعد ہوگئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ میں رہنا دشوار ہوگیا۔ آپ اُنکی اس دلیری اور جرأت کے سبب کو خوب جانتے تھے۔ اُسوقت جناب ابیطالبؑ کی شفقت ورحمت مربیانہ کو یاد فرما کر اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

یا عمّ ما اسرع ما وجدت فقدک | اے عم بزرگوار آپکے بعد جو بیخبر آپ ہونیوالی تھی کیسی جلد آپڑی ہے سنی المطالب جلی اعلیٰ وعدہ دہلی

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مصائب شدائد سے متواتر ہ سے ایسے متاسف اور متاثر ہوئے تھے کہ آپ نے ان عظیم ترین مصائب کی بنا ص رعایت سے اِس سال کا نام عام الحزن رکھا تھا جو آجتک اسلام کی کتب تاریخ وحدیث میں منقول ہوتا چلا آتا ہے شبلی صاحب قمطراز ہیں

ابو طالبؑ اور خدیجہ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بیرحمی اور بیباکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے۔ کہ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈالدی۔ اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا۔ تو پانی لے کر آئیں۔ سر دھوتی تھیں۔ اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ جان پدر۔ روؤ نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچائے گا۔ طبری وابن ہشام۔

سفر طائف اور رسول اللہ صلعم کی مصیبتیں باوجود اسکے کہ آنحضرت صلعم کو متواتر صدمات پیش آئے۔ مخالفین قریش اور معاندین مکہ نے گھر میں رہنا دشوار کر دیا۔ اُنکے ہر وقت کے ظلم وستم سے بجائے دشوار ہوگیا نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کی نوبت پہونچ گئی۔ مگر با ایں ہمہ جس منصب عظیم کیلئے آنحضرت صلعم منجانب اللہ مبعوث فرمائے گئے تھے جس عہدہ جلیل کی تبلیغ وتعلیم کیلئے اور تنظیم وتعلیم پر مامور کئے گئے تھے اُسکے انجام دہی اور اد اکاری میں سر مُو فرق نہ آیا۔

تے حزن وملال اور ایسے اضطرار و انتشار کے عالم میں بھی آنحضرت صلعم کو ہر وقت اسی کی فکر تھی اور اسی کا خیال۔ یہ تو ظاہر تھا کہ مکہ معظمہ میں رہ کر دعوت اسلام میں۔ مخالفت قریش کی وجہ خاص سے جس قدر دشواریاں اور مشکلیں پیش آتی تھیں اب وہ اس قدر شدید اور ناقابل برداشت ہو گئی تھیں کہ گویا آنحضرت صلعم کو مکہ میں رہ کر اپنے امور میں آئندہ کامیابی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ اس بنا پر ضرور تھا کہ اب بیرونجات میں خود تشریف لیجا کر بنفس النفیس اسکے لیے کوشش فرماتے۔ اس تجویز میں سب سے پہلے آپ طائف میں تشریف لے گئے۔ شبلی صاحب سفر طائف کے حالات مفصلہ ذیل عبارت میں لکھتے ہیں۔

اہل مکہ سے تو قطعی نا امیدی تھی۔ اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں طائف میں بڑے بڑے امراء اور صاحب اثر رہتے تھے۔ ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ یہ تین بھائی تھے عبد یالیل مسعود اور حبیب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے پاس گئے۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز تھے۔ ایک نے کہا کہ اگر تجھکو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ تو کعبہ کا پردہ (عظمت) چاک کر رہا ہے۔ دوسرے نے کہا کیا خدا کو پیغمبری کے لیے تیرے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا۔ تیسرے نے کہا۔ میں بہر حال تجھسے بات نہیں کر سکتا۔ تو اگر سچا ہے۔ تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ اور اگر جھوٹا ہے۔ تو گفتگو کے قابل ہی نہیں۔

ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا۔ کہ آپ کی ہنسی اڑائیں۔ شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپ ادھر سے نکلے تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون میں بھر گئیں۔ جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے۔ تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے جب آپ پھر چلنے لگتے۔ تو پھر پتھر برساتے۔ اور ساتھ ساتھ تالیاں بجاتے جاتے آخر آپ نے ایک باغ میں انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی۔ یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا۔ اس نے آپ کو اس حالت میں دیکھکر تو اپنے غلام کے ہاتھ جسکا نام عداس تھا۔ انگور کا خوشہ ایک کشتی میں لگا کر بھیجا۔ اس سفر میں زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے سیرۃ النبی ص ۱۸۳۔

بیان میں اختصار شبلی صاحب کو اس قدر پسند ہے۔ کہ وہ عبارت واقعات میں اسکی مناسبت وغیر مناسبت کا ذرا بھی خیال نہیں فرماتے۔ اسوجہ سے کوتہ فہمی کا موجودہ شعار آپ کے بیان میں ابہام پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ نقل ترجمہ میں بھی آپ اپنے اصلی ماخذ سے اسی قدر ترجمہ کرتے ہیں جس قدر اپنے مفید مطلب پاتے ہیں۔ باقی نذارد۔ حالانکہ آپ کے اسی قلمزد حصہ روایت سے ارشاد رسالت کے روحانی آثار ثابت ہوتے تھے۔ تینوں رئیسان ثقیف کے جواب میں لبہائے رسالت سے جو ارشاد کیا گیا وہ بالکل مرفوع القلم فرما دیا گیا۔ حالانکہ طبری میں جو آپکا مستند ماخذ ہے۔ آنحضرت صلعم کا یہ خوش اخلاقانہ جواب اس عبارت میں لکھا ہوا موجود ہے

وقد یئسوا من خیر ثقیف قد قال لهم فيما ذکر لی اذ فعلتم ما فعلتم واکتموا وکره رسول الله صلعم ان یبلغ قومه عنه فیذئرهم ذلك علیه ص ۱۲۰۰ ج من

جب آپ رؤسائے ثقیف کی ہدایت کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے انسے کہا کہ میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں۔ کہ اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسروں کے ٹھوکر کھانے کا بھی سبب بن جائیں

ایسے دردانگیز مصائب اُٹھا کر اُس صبر مجسم اور رحمت عالم نے بارگاہِ احدیت میں اپنی مصیبت کے اظہار اور عطائے ہمت و استقلال علی المصائب کی غرض خاص سے جو دُعا فرمائی ہے، اُسکے حرف حرف سے خدا کی جبروت و جلال اور آپکی شان عبدیت اور تواضع و انکساری ہویدا و آشکار ہے۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب کے اختصار نے رسالت کے اس معیار کو بھی عام نگاہوں سے پوشیدہ رکھا حالانکہ آپکے تینوں ماخذ مواہب لدنیہ، طبری اور ابن ہشام میں موجود ہے۔ ہم زبان اقدس کے اِن دعائیہ فقرات کو ابن ہشام کے الفاظ میں حسب ذیل لکھتے ہیں۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخموں سے چور چلنے سے مجبور ہو کر عتبہ ابن ربیعہ کے باغ میں بیٹھ گئے تھوڑی دیر دم لے کر کچھ اطمینان ہوا تو یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اليك اشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي وهواني على الناس يا ارحم الراحمين انت رب المستضعفين وانت ربي الى من تكلني الى العبد يتجهمني او الى عدو ملكته امري ان لم يكن بك علي غضب فلا ابالي ولكن عافيتك هي اوسع لي اعوذ بنور وجهك الذي اشرقت له الظلمات وصلح عليه امر الدنيا والآخرة من ان ينزل بي غضبك او يحل علي سخطك لك العتبى حتى ترضى ولا حول ولا قوة الا بك

الٰہی اپنی کمزوری بے سروسامانی اور لوگوں کے تحقیر کرنے کی نسبت میں تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنیوالوں سے زیادہ رحم کرنیوالا ہے۔ اور درماندہ عاجزوں کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے اب کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟ کیا بیگانہ ترش روکے؟ یا اُس دشمن کے حوالہ کیا جاتا ہے جو کام پر قابو رکھتا ہے؟ لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں، تو مجھے اُسکی پروا کچھ نہیں۔ کیونکہ تیری عافیت میرے لیئے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور سے پناہ مانگتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں۔ اور دین و دُنیا کے کام درست ہو جاتے ہیں۔ کہ تیرا غضب مجھ پر اُترے۔ یا تیری ناراضامندی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے۔ اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔ طبری ص ۱۲۰۱۔

ایک عیسائی کا اقرار رسالت

اب ہم شبلی صاحب کی اُس قلمزدہ حصۂ روایت کو اُس کے اصل ماخذ سے نکلتے ہیں جس میں عتبہ بن ربیعہ کا آپ کی خدمت میں اپنے غلام عداس نامی کے ہات خوشہ انگور کا تحفہ بھیجنا۔ عداس کا جو بذہبًا عیسائی تھا آپ کے صبر و تحمل اور اخلاق پاکیزہ کا مشاہدہ کر کے آپ کی رسالت کا اقرار کرنا۔ اور مشرف باسلام ہونا تفصیل سے درج ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کی اختصار پسندی آپ کی کوتہ قلمی۔ کتنے مفید مطالب و مقاصد کو۔ باوجودیکہ اصلی ماخذوں میں مرقوم ہیں قلمزد کر دیتی ہے۔ طبری اور ابن ہشام اس واقعہ کو مفصلۂ ذیل عبارت میں لکھتے ہیں۔

فلما رای ابنا ربیعة عتبة وشیبة ما لقی تحرکت له رحمهما فدعوا له غلاما نصرانیا یقال له عداس فقالا له خذ قطفا من هذا العنب فضعه فی ذلك الطبق ثم اذهب به الی ذلك الرجل فقل له یاکل منه ففعل عداس ثم اقبل به حتی وضعه بین یدی رسول الله صلعم فلما

جب عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ نے آپکا (آنحضرت صلعم) یہ حال دیکھا تو رحم کھا کر اپنے غلام نصرانی عداس نامی کو بلایا اور کہا کہ انگور کا ایک خوشہ کشتی میں لگا کر اُس شخص کو دے آ۔ غلام حکم کے مطابق خوشہ انگور ایک کشتی میں لگا کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کے سامنے رکھدیا آپ نے انگوروں کی طرف دست مطہر بڑھایا اور زبان مُبارک سے پہلے بسم اللہ

وضع رسول الله صلعم یده ثم قال بسم الله ثم اکل فنظر عداس الی وجهه ثم قال والله ان هذا الکلام ما یقوله اهل هذه البلد قال له رسول الله صلعم من اهل ای البلاد انت یا عداس و ما دینك قال انا نصرانی وانا رجل من اهل نینوی فقال له رسول الله صلعم امن قریة الرجل الصالح یونس بن متی قال له وما یدریك ما یونس بن متی قال رسول الله صلعم ذلك اخی کان نبیا وانا نبی فاکب عداس علی رسول الله صلعم یقبل راسه ویدیه ورجلیه قال یقول ابنا ربیعة احدهما لصاحبه اما غلامك فقد افسده علیك فلما جاءهما عداس قال له ویلك یا عداس مالك تقبل راس هذا الرجل ویدیه وقدمیه قال یا سیدی ما فی الارض خیر من هذا الرجل لقد خبرنی بامر لا یعلمه الا نبی الله فقال ویحك یا عداس لا یصرفنك عن دینك فان دینك خیر من دینه - طبری ص ۱۲۰۲ جرمن

فرمایا پھر انگور کھانے شروع کر دیئے۔ عداس نے نہایت حیرت سے جناب رسالت مآب صلعم کیطرف دیکھا اور پھر کہا یہ تو ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے ایسا کبھی نہیں کہا کرتے نبی صلعم نے پوچھا عداس تم کہاں کے باشندے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے عداس نے جواب دیا میں نینوی کا رہنے والا اور عیسائی مذہب کا آدمی ہوں، آنحضرت صلعم نے فرمایا تم مرد صالح یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو عداس نے کہا آپ انھیں کیا جانیں رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ وہ تو میرے بھائی ہیں میں بھی نبی اللہ ہوں اور وہ بھی نبی اللہ تھے عداس یہ سنتے ہی رسول اللہ صلعم کے قدم پر گر پڑا اور اُنکے فرق مطہر اور دست و پائے مُبارک کے پے درپے بوسے دیئے عتبہ اور شیبہ دو دوسرے غلام کی اس حیرت انگیز عقیدت کو دیکھکر اپنے دل میں کہنے لگے کہ لو غلام تو ہاتھوں سے گیا اتنے میں عداس لوٹ کر آگیا تو اُس سے کہنے لگے کم بخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ تو اس شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا عداس بولا حضور والا اس شخص سے بہتر آج کوئی دوسرا شخص روئے زمین پر نہیں ہے اُس نے مجھے وہ خبر بتلائی ہے کہ جو سوا نبی اللہ کوئی دوسرا شخص کبھی نہیں بتلا سکتا۔ دونوں نے ملکر عداس کو بہت ڈانٹا اور کہا کہ خبردار کہیں اس کے پیچھے اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا۔ تیرا دین تو اس کے دین سے خود بہتر ہے۔

رسالت کے ارشاد و ہدایت کا اتنا عظیم الشان معتبر اور پر اثر واقعہ اور شبلی صاحب کے ایسے محقق کے قلم سے قلمزد کر دیا جائے۔ تعجب ہے۔ تعجب پر تعجب تو یہ ہے کہ سیرۃ النبی کی تالیف میں زیادہ تر عیسائیت ہی سے استدلال کیا گیا ہے اور ہر ایسے مقام میں عیسائیت کی خام اور ناقص تعلیم کے مقابلہ میں اسلام کی کامل اور موثر تلقین و ہدایت کے واقعات دکھلائے گئے ہیں لیکن یہ واقعہ جو ہر قرینہ اور عنوان سے قابل استدلال تھا کیونکر قلم انداز کر دیا گیا؟ اسکا ظاہری سبب سوائے مؤلف کے عدم تفحص واقعات اور کوتہ فہمی کے انداز خاص کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

ہم اس پہلے اسلام لانے والے عیسائی کے حالات کو خاتمہ تک پہونچا دینا ضرورت اور مناسبت مقام دونوں اعتبار سے مفید سمجھتے ہیں۔ زرقانی اسکا مآل خیر ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

فاکب عداس علی یدیه وراسه ورجلیه یقبلها و اسلم رضی الله عنه وهو معدود فی الصحابة وفی

عداس آنحضرت صلعم پر جھک گیا آپکے فرق مطہر اور دست و پائے مُبارک کے بوسے لئے۔ اور اسلام لایا خدائے تعالیٰ اُس سے راضی ہو

سیرۃ النبی (ابن عقبۃ التیمی) انہ قال اشہد انک عبد اللہ و رسولہ۔

سیرۃ النبیؐ کے مصنف علامہ ابن عقبہ التیمی لکھتے ہیں کہ عداس نے اسلام لانے کے وقت اقرار کیا۔ کہ آپ خدا کے بندے اور رسولؐ ہیں

امام سہیلی کی روض الانف میں عداس کا آئیندہ حال یوں لکھا ہے۔

ذکر والذی عداسا لما اراد سیداہ الخروج الی بدر امراہ بالخروج معہما فقال۔ اقتال ذلک الرجل الذی رأیت بحائطکما تریدان واللہ ما تقوم لہ الجبال فقالا لہ ویحک یا عداس سحرک بلسانہ وفی الاصابۃ قیل قتل عداس ببدر وقیل رجع ومات۔

عداس کا حال یہ ہے کہ غزوہ بدر میں شریک ہونے کیلئے اُسکے دونوں آقا عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ آمادہ ہوئے تو اُسکو بھی ہمراہ چلنے کا حکم دیا۔ اُس نے کہا کیا آپ لوگ اُس شخص سے جنگ کرنے کیلئے جاتے ہیں جسکو میں آپکے احاطہ باغ میں دیکھ چکا ہوں قسم خدا کی اُسکو پہاڑ تو ہلا ہی نہیں سکتے عتبہ و شیبہ نے جواب دیا۔ وائے ہو تجھ پر اُسنے اپنی زبان سے تجھ پر پورا جادو کر دیا ہے

اصابہ میں لکھا ہے۔ کہ عداس جنگ میں مارا گیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد زندہ رہا۔ اور اپنی موت سے مرا۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب سلسلہ بیان میں ایسے ایسے ضروری واقعات کو قلم انداز فرما دیں۔ تو پھر آپ کے سلسلہ کلام کو تام اور تفصیل بیان کو کیسے کامل کہا جائے گا۔ یہ تو غیر مربوط۔ نامسلسل اور غیر مکمل طریقہ تحریر ثابت ہوگا۔

سفر طائف اور زید بن حارثہ کی رفاقت شبلی صاحب نے زید کے حالات میں صرف اتنا لکھ دیا کہ اس سفر میں یہ بھی شریک تھے اس سے زائد کچھ نہ لکھا۔ ہم آپ کی اس کمی کو پورا کئے دیتے ہیں۔

اس مقام پر (طائف میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وعظ فرمانے کے عین موقع پر کفاروں نے اتنے پتھر برسائے کہ آپ چوٹ کے صدمے سے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ زید بن حارثہ نے آپ کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا۔ اور آبادی سے باہر لے گئے۔ منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ تو ہوش آیا۔ رحمۃ اللعالمین ص ۷۵۔

قیام طائف کی نسبت کچھ بھی شبلی صاحب نہیں لکھتے۔ اور نہ اُس کے ایام و وقت وقوع بتلاتے ہیں ابن سعد دس روز کی مدت بتلاتے ہیں اور ماہ شوال کا عشرۂ آخر (بیسویں تاریخ سے لیکر تیسویں تک) سنہ ۱۰ سال نبوت قرار دیتے ہیں۔ اُنکے الفاظ یہ ہیں

فخرج الی الطائف ومعہ زید بن حارثۃ وذلک فی لیال یقین من شوال سنۃ عشر من حین نبئ رسول اللہ صلعم فاقام بالطائف عشرۃ ایام۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کی طرف تشریف لیگئے اس سفر میں وہ زید بن حارثہ بھی شریک تھے شوال کا مہینہ تھا اور عشرۂ آخر (بیسویں تاریخ کے بعد کے ایام) نبوت کا دسواں سال تھا آپ نے دس روز تک طائف میں قیام فرمایا

کسی واقعہ کی نسبت تعین وقت اور تعداد ایام کا نہ لکھنا مؤلف کے لیے اور خاص کر اُس مؤلف کے لیے جو تاریخی واقعات کی تدوین کرتا ہو یا سیرت کے حالات کی ترتیب دیتا ہو۔ نہایت شکایت کے قابل ہے اور اصول تالیف سے اُسکی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ متقدمین سے زیادہ متاخرین اُسکے پابند ہیں۔ لیکن شبلی صاحب اسکی ضرورت نہیں سمجھتے۔

سفر طائف کے متعلق شبلی صاحب نے دو عیسائی مؤلفین کی مختلف رائیں دکھلائی ہیں وہ ضروری الذکر

ہیں۔ اور حسب ذیل لکھی جاتی ہیں۔
کیا عجیب بات ہے۔ کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہوں کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے۔ مرگیولوس نے (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم کے اس سفر کو سوء تدبیر میں داخل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ طائف مکے سے بالکل قریب اور اُن کے زیر اثر تھا۔ اور وہاں روسار مکے کے باغ تھے۔ جسکی وجہ سے اُن کی آمد و رفت رہتی تھی جب مکے کے تمام روسار آنحضرت صلعم کے خلاف تھے۔ تو طائف کے لوگوں سے کیا اُمید ہو سکتی تھی۔ لیکن سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روز اعتقاد اور اعتماد علی النفس تھا۔ کہ باوجود تمام ناکامیوں کے وہ تنہا ایک مخالف شہر میں بے خوف چلے گئے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا الفضل ما شهدت به الاعداء۔
کس قدر عبرت ناک ہے۔ کہ شبلی صاحب سر ولیم میور کی جدید تصدیق کو تو اس سرگرمی سے تائید اسلام میں نقل فرماتے ہیں۔ اور عداس رضی اللہ عنہ کی قدیم شہادت ایمان اور توفیق اسلام کو باوجودیکہ اصل ماخذوں میں تفصیل سے درج ہے۔ مرفوع القلم کرتے ہیں۔
سفر طائف میں گو بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناکامیابی ہوئی اور تو نخوار کفار کے ہاتھوں سخت ترین مصائب و شدائد اُٹھانے ہوئے۔ لیکن بایںہمہ اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے۔ تو ہدایات و ارشاد کی تبلیغی کوششیں بیکار نہیں گئیں۔ اتنے غیر متحمل ظلم و جفا اور ستم و ایذا پر اس جگرداری اور بادباری سے صبر و سکوت اختیار کرنے نے ظالمین کفار اور مشرکین قریش کے دل میں آپکے استقلال فی تبلیغ الرسالت اور استقرار فی تعلیم الامت کے ثبوت النقش کالحجر کر دیئے اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کو اپنے فرائض منصبی کی ادائیگیوں کے مقابلہ میں نہ جان جانے کی پرواہ ہے اور نہ ستائے جانے کی فکر۔
طائف سے واپس ہوتے ہوئے کسی شخص کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا کہ میں اُن لوگوں کی تباہی و بربادی کے لیے کیوں بد دعا کروں۔ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لائے تو کیا ہوا۔ اُمید ہے کہ آئندہ ان کی نسلیں ضرور خدائے یکتا پر ایمان لانے والی ثابت ہونگی۔ رحمۃ للعالمین ص ۸۰ بحوالہ صحیح مسلم عن ام المومنین حضرت عائشہ۔
یہ ہے رحمۃ للعالمین ہونے کی شان اور یہ ہے سید المرسلین ہونے کی دلیل۔ یہ تو سفر کے ظاہری اثر تھے۔ جو مخالفین کے قلوب پر جم گئے تھے۔ اب ان کوتہ بینیوں نے ہدایت و ارشاد رسالت کے روحانی اثر کو بھی عداس کے واقعہ سے براہ العین مشاہدہ کر لیا وہ بلا تحریک و ترغیب زبان مبارک سے دو لفظوں کا جملہ بسم اللہ سنکر اس قدر متاثر ہوا۔ کہ دم کے دم میں کہاں تو سچا عیسائی تھا۔ پکا مسلمان ہو گیا۔ اور بلا خوف و ہراس وبے وسواس علیٰ الاعلان اشہد انک عبدہ ورسولہ کہکر آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے لگا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

طائف سے مکہ میں واپس ہونیکے وقت دشواریاں

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغی خدمات مکہ ہی تک منحصر نہیں تھی یا طائف ہی تک جا کر ختم ہونے والے نہیں تھے۔ آپ نے دس روز تک طائف میں متواتر صدمات

اوٹھائے اور اُن پر بکمال استقلال صبر فرمایا۔ گیارہویں دن طائف سے نخلہ میں چلے آئے وہ۔ چار روز یہاں بھی قیام رہا پھر وہاں سے حرا میں تشریف لائے یہاں پہونچکر تمگاران طائف کیطرح کفاران مکہ سے بھی ایذا رسانی کا خوف آیا کیونکہ اصلاً دونوں ایک تھے اور اُنکی امارت و وجاہت کے زیر اثر وہاں کے تمام باشندے تھے۔ اس بنا پر آپ کو اندیشہ تہا کہ مراجعت مکہ کے وقت مشرکین قریش بھی وہی منظر پیش کریں۔ جو ظالمین طائف دس روز پیشتر پیش کر چکے ہیں۔ موجودہ قرائن و اسباب بھی اسکا شبہہ لا رہے تھے کیونکہ آپ مکہ کے معاونین و معتقدین سے مکہ خالی ہو چکا تھا۔ جناب خدیجۃ الکبریٰ اوٹھ چکی تھیں حضرت ابو طالب انتقال فرما چکے تھے اور بقول شبلی صاحب ان لوگوں کے بعد قریش کو کسکا پاس تہا۔ باقی رہی ضعفائے مسلمین کی جماعت جسمیں گو حضرت حمزہ اور حضرت عمرؓ کے ایسے لوگ بھی ضرور تھے مگر انمیں سے ایک بھی کفار کی بڑہتی ہوئی قوت کی مدافعت پہ قادر نہیں تھا۔

بعض قرائن کو مدنظر رکھکر جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مقام حرا سے جیسا کہ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں مطعم ابن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ "اگر تم مجھے اپنی جماعت میں لینے کا وعدہ کرو تو میں مکہ میں آنیکا قصد کروں مطعم نے آپکا پیغام سنتے ہی قبول کیا کیونکہ عرب کا قدیم دستور تہا کہ وہ دشمن کی بھی درخواست اعانت و نصرت کو نامنظور نہیں کرتے تھے۔ پھر اُسیوقت مطعم بن عدی نے اپنے بیٹوں کو سامنے بلا کر حکم دیا کہ مسلح ہو کر حرم محترم میں چلے جاؤ۔ محمد صلعم آتے ہیں خبردار کوئی فرد واحد اونسے مزاحم ہونے پائے بیٹے تو باپ کا حکم پا کر کعبہ میں گئے اور اسی اثنا میں رسول اللہ صلعم شہر میں داخل ہوئے تو مطعم بن عدی اپنے ناقہ پر سوار ہو کر آپکے ہمراہ ہو لیا۔ اور بآواز بلند پکار پکار کے کہنے لگا کہ میں نے محمد صلعم کو اپنی حمایت و ضمانت میں لیا ہے اور میں آنکا حامی ہوں کوئی شخص بھی آپسے مزاحم نہوا۔ آپ باطمینان تمام خراماں خراماں خانہ کعبہ میں تشریف لائے، طواف کیا نماز پڑہی پہر دولتسرا تشریف لائے امام قسطلانی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ مطعم اور اُسکے بیٹے آپکو تلواروں کے سایہ میں لائے اور گھر تک پہونچا گئے

یہ ہے حیرت الانتہا ہیہ کی قدرت اور مشیت آلہیہ کی ندرت کہ اُس نے مخالفین و معاندین سے اسوقت وہ خدمت کرائی جو معتقدین و مویدین کے خاص فرائض تہے۔ ان اللہ بالغ امرہ وھو علیٰ کل شیٔ قدیر۔

مختلف مواقع پر قبائل عرب میں اسلام کی تبلیغ

حدیث و سیر کی تمام کتابیں بتلاتی ہیں کہ مکہ میں واپسی کے بعد بھی تبلیغ اسلام کا سلسلہ مکہ میں رہکر اور بیرونجات میں جاکر ہمیشہ جاری اور قائم رکھا جاتا تھا۔

قبائل کے علاوہ ان تمام مقامات پر جہاں عرب میں سالانہ میلے اور تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں لگتی تھیں اور وہاں عرب کے قدیم تمدن کے مطابق ملک کے بڑے بڑے۔ امراء۔ رؤساء شعراء اور فصحا جمع ہو کر اپنی فصاحت و بلاغت کے کمالات دکھلاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تبلیغ اسلام اور ہدایت عام کی ضرورت خاص سے وہاں خود تشریف لیجاتے تھے اور مقیم ہو کر بندگان خدا کو خدا کے احکام پہونچاتے تھے۔ طبری اور ابن ہشام نے ان میلوں اور منڈیوں میں سے خاص طور پر عکاظ۔ مجنۃ اور ذوالمجاز کا نام لکھا ہے۔ اور قبائل عرب میں بنو عامر۔ محارب۔ فزارہ۔ غسان۔ مرۃ حنیفہ

سلیم۔ عبس۔ بنو نصر۔ کندہ۔ کلب۔ حارث۔ بن کعب۔ غذرہ اور حضارمہ کے نام بتلائے ہیں۔

ان تمام قبائل کے پاس آپ بالنفس النفیس تشریف لیجاتے تھے اور قبول اسلام کی دعوت فرماتے تھے لیکن بدبخت ابولہب بھی سراغ لگا کر ہر مقام پر اور ہر قبیلہ میں آپ سے پہلے یا آپکے ہمراہ پہونچ جاتا تھا اور جب آپ کسی جماعت میں وعظ فرماتے تھے۔ تو یہ کمبخت آپ کے ساتھ ہی تقریر کرتا اور نعوذ باللہ کہتا کہ تم لوگ انکی باتوں کو ہرگز نہ سننا اور نہ اُنکے کسی قول پر اعتبار کرنا۔ یہ تو مُدت ہوئی۔ دین عرب سے برگشتہ ہو گئے ہیں اور ہمیشہ جھوٹ بولنے کے عادی ہو گئے ہیں۔

ہم ان قبائل میں سے چند قبائل کے واقعات طبری اور ابن ہشام سے خلاصہ کر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

قبیلہ بنو حنیفہ۔ یہ قبیلہ یمامہ میں آباد تھا۔ عرب کا مشہور مسیلمہ کذاب جس نے جہالت وگمراہی کے زعم میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی قبیلہ کا سردار تھا۔

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ تشریف لے گئے۔ تو حضرت ابوبکرؓ بھی ہمراہ تھے مفروق سردار قبیلہ تھا حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم کی معرفی کرائی اور کہا تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے۔ وہ آپ ہی ہیں مفروق نے آنحضرت صلعم کی طرف رخ کر کے پوچھا۔ برادر قریش آپ کیا یقین کرتے ہیں اور کیا تلقین فرماتے ہیں ارشاد فرمایا۔ خدا ایک ہے۔ اور میں اسکا پیغمبر ہوں پھر یہ آیتیں سنائیں۔

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا به شیئا وبالوالدین احسانا ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاهم ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق ذلکم وصاکم به لعلکم تعقلون	اے پیغمبر کہدو کہ میں تمہیں سنادوں کہ خدا نے کیا چیزیں حرام کی ہیں کہ خدا کیساتھ کسی کو شریک نکرو والدین کا حق خدمت ادا کرو اور اپنے بچوں کو افلاس کیوجہ سے قتل کرڈالو ہم تمکو اور انکو دونوں کو روزی دینگے فحش باتوں کے پاس نجاؤ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جسکو خدا نے حرام کیا ہے ہلاک نکرو یہ اسکی وصیتیں ہیں کہ تم انپر سمجھکر عمل کرو

اس قبیلہ کے حقیقتاً تین رئیس تھے۔ مفروق۔ مثنیٰ اور ہانی بن قبیصہ اور وہ سب کے سب آپ کی تشریف آوری کے موقع پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے زبان مبارک سے ان آیات قرآنی کو سنکر صدائے حسنت بلند کی لیکن جب اقرار اسلام کا وقت آیا تو ان الفاظ میں اپنی مجبوری ظاہر کی کہ مُدت کا خاندانی دین دفعتاً چھوڑ دینا زود اعتقادی کا الزام لگائیگا اسکے علاوہ ہمارا قبیلہ کسریٰ فارس کے زیر اثر ہے اور جانبین سے حال میں معاہدہ ہو چکا ہے کہ شاہ ایران کے بعد ہم لوگ کسی دوسرے حاکم یا فرمانروا کے زیر اثر نہ آئینگے یہ کلام سنکر نہایت متانت اور خاموشی سے آنحضرت صلعم نے انکی حقیقت بیانی کی تحسین کی اور فرمایا تو بہر۔ خیر خدا کا دین ہی تو خدا اُسکی آپ مدد کرے گا۔ روض الانف سہیلی باسناد قاسم بن ثابت۔

قبیلہ بنو عامر کے پاس تشریف لیگئے اور انکو موعظت فرمانے لگے تو اثنائے تقریر میں فراس نامی ایک شخص اس قبیلہ کا آپکے مدعا اور حسن بیان کو سنکر دوسرے لوگوں سے کہنے لگا کہ اگر یہ شخص مجھکو ہاتھ آجائے تو میں اسکے ذریعہ سے تمام عرب کو اپنے

زیر اثر کرلوں یہ کہکر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوا۔ اور پوچھنے لگا کہ یہ تو بتلائیے کہ اگر ہم سب آپکا ساتھ دیں اور آپ اپنے تمام مخالفین پر غالب آجائیں۔ تو کیا آپ کے بعد آپکی ریاست ہمکو مل سکتی ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ خدا کی بات ہے اور خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ اگر وہ چاہے تو دے سکتا ہے۔ اُس نے کہا واہ واہ آج تو ہم اپنے سینے قدر انداز ان عرب کے سامنے ہدف بنائیں اور حکومت دوسرے اوڑیں ہمیں غرض نہیں۔

قبیلۂ کندہ میں تشریف لے گئے۔ سردار قبیلہ کا نام ملیح تھا۔ موعظت فرمائی لیکن کسی کو بھی قبول اسلام کی توفیق نہ ہوئی۔

قبیلۂ بنی عبدالدار۔ میں پہونچے تو ارشاد کیا کہ تمہارے جد اعلیٰ کا نام عبداللہ تھا۔ تم لوگ بھی اسم بامسمیٰ ہوجاؤ۔ تو تمہارے دین و دُنیا کے لئے بہتر ہوگا۔ لیکن کوئی بھی شنوا نہیں ہوا۔

قبیلۂ بنو حنیف کی کیفیت اوپر بیان ہوچکی ہے۔ تمام ارباب تاریخ وحدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ ان تمام قبائل میں سب سے بدتر طریق پر اسی قبیلہ نے آپکا انکار کیا مگر سبحان اللہ اس خلق مجسم نے سوائے کلمۂ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے دوسرا کوئی کلمہ زبان مبارک سے نہ نکالا۔

اگرچہ ان تمام قبائل میں تبلیغ اسلام کی متواتر کوشش فرمائی گئی۔ اور ہر فرد واحد کو دین الٰہی کی بشارت پہونچائی گئی۔ لیکن بظاہر کہیں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ان تمام قبیلوں کے دورے میں بدبخت ابولہب ساتھ ساتھ ہوتا تھا اور در در و ہر مجمع میں اور ہر دفعہ پر آپ کی تقریر کی تردید کرتا جاتا تھا۔ اور اُسکے مغویانہ بیان کے مطابق جاہل اہل قبائل اُسی کی سنتے تھے اور مانتے تھے۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد و ہدایت کو ذرا خیال میں نہ لاتے تھے اسلئے کفار قریش کو یہ چاہتا تھا کہ وہ ان حالتوں کو دیکھ کر مخالفت اسلام کیطرف سے خوش رہجاتے اور سمجھ لیتے کہ ابولہب کی مفسدہ انگیزیوں سے اسلام کا دائرہ تبلیغ روز بروز تنگ ہوتا جاتا ہے۔ اور بیرونجات میں ایکقدم بھی آگے نہیں بڑھاتا۔

طائف سے واپسی پر رسول اللہ کی مصیبتیں

کفار قریش ایسے کیا تھے کہ پیغمبر اسلام کیطرف سے ایکدم کیلئے بھی خوش رہتے۔ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ مطعم بن عدی کی ضمانت و حمایت میں طائف سے لوٹکر آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ ورنہ کسی شخص خاص کی حمایت و ضمانت بغیر آپ مکہ میں اپنے داخلہ کو پرخطر سمجھتے تھے قریش کی مخالفت اس حد تک پہونچی ہوئی تھی۔ اونکی اس دلیری اور جرارت کا باعث صرف ابیطالب کے ایسے حامی اور مربی کا رسول اللہ صلعم کے سر سے اوٹھ جانا تھا۔ شبلی صاحب نے تفصیل سے اسوقت کے حالات کو لکھا ہے ہم اُنھیں کی نقل عبارت پر اکتفا کرتے ہیں

قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپکو اس قدر ستائیں کہ آپ مجبور ہوکر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہوجائیں۔ سو، اتفاق سے جو کفار آپکے ہمسایہ تھے وہ ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث۔ ولید بن مغیرہ۔ اُمیہ بن خلف۔ منبہہ بن الحجاج۔ عقبہ ابن معیط حکم بن ابی العاص تھے اور یہی سب سے بڑھکر آپکے دشمن تھے (ابن سعد۔ طبقات ج اص ۱۳۴) یہ لوگ آپکی راہ میں کانٹے بچھاتے تھے نماز پڑھتے وقت آپ اگر آتے سجدے میں آپ کی گردن پر

اوجھڑی لاکر ڈالدیتے گلے میں چادر ڈالکر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑجاتیں آپکی روحانی قوت اثر کو دیکھکر لوگ جادوگر کہتے دعویٔ نبوت کو سنکر مجنون کہتے باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھکر چلتے (مسند امام احمد حنبل ج ا ص ۲۰۳) نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن۔ قرآن کے بھیجنے والے (خدا) اور قرآن کے لانیوالے رسول کو گالیاں دیتے (بخاری شریف ص ۶۸۶)

ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے روسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا کاش اسوقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اوٹھالاتا کہ جب محمد صلی علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں جاتے تو انکی گردن پر ڈالدیتا عقبہ ابن معیط نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں چنانچہ اوجھ لاکر آپکی گردنمیں ڈالدی قریش مارے خوشی کے ایکدوسرے پر گرے پڑتے تھے کسی نے جاکر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو خبر کی وہ اگرچہ اسوقت پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ کو ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔ بخاری باب الطہارت صحیح مسلم زرقانی جلد اول ص ۲۹۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں کسی مجمع میں دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تھے تو ابولہب آپکے ساتھ رہتا تھا برابر یہی کہتا جاتا تھا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایکدفعہ جب میں اسلام نہیں لایا تھا کہ آنحضرت صلعم بازار ذوالمجاز میں گئے اور مجمع میں گھسکر لوگوں سے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو۔ ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا تھا اور کہتا تھا کہ اسکے فریب میں نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ دو (مسند امام احمد حنبل جلد ۴ ص ۶۳)

طائف۔ میں کفار نے آپکو جو اذیتیں پہونچائیں انکا بیان آگے آئے گا۔

ایکدفعہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھتے تھے عقبہ نے آپکی گردنمیں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آگئے اور آپکا شانہ پکڑکر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑالیا۔ اور کہا ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے ۔ ؎۱

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی شغل میں رہتے تھے انکے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھے ہیں حسب ذیل ہیں۔ ابوجہل ابولہب۔ اسود بن عبد یغوث۔ حارث ابن قیس بن عدی۔ ولید بن مغیرہ۔ امیہ ابی بن خلف۔ ابوقیس بن فاکہہ بن المغیرہ۔ عاص بن وائل۔ نضر بن حارث منبہ بن الحجاج۔ زہیر بن ابی امیہ۔ سائب بن صیفی۔ اسود بن الاسد۔ عاص بن سعید۔ ابن العاص۔ عاص بن ہاشم عقبہ بن معیط ابن الاسدی ہذلی حکم ابن العاص۔ اور عدی ابن حمرا۔ یہ سب کے سب آنحضرت صلعم کے ہمسایہ اور انمیں سے اکثر صاحب جاہ واقتدار تھے۔

؎۱ افسوس ہے شبلی صاحب نے ایک ایک کرکے قریش کے نام چھوٹے بڑے مظالم کو بیان کردیا۔ مگر مشرکین کی جماعت کے اس ناز یبا کردار کو ذرا بھی نہیں لکھا جسکی پوری تفصیل قرآن مجید کے آیہ اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ تفسیر میں اور سورہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی شان نزول میں بہایت وضاحت کے ساتھ مرقوم ہے اگر آپ نے کسی غرض خاص مرفوع القلم فرما دیا تو ہم معمولاً آپکی کمی کو پورا کئے دیتے ہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ آپکے بچے خصوصاً اولاد ذکور کمسنی میں ہی سب جانبحق تسلیم ہوگئے اور کوئی اولاد نرینہ باقی نہ رہی تو کفار جو شرارت ہر قسم کی کیا کرتے تھے

مصائب پر رسولؐ اللہ کا صبر

یہ جو کچھ ہوا نہایت درد انگیز اور حسرت خیز تھا لیکن تعجب انگیز نہ تھا دُنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ نامانوس اجنبی صدائیں رغبت سے سُن لیگئی ہوں حضرت نوحؑ علیہ السلام کو سیکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا۔ یونان دنیا کی شائستگی کا معلم اول ہے تاہم اسکے حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دار و رسن کا منظر پیش آیا۔ اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلۂ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی لیکن غور طلب یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا کیا؟ سقراط پیالہ پیکر فنا ہو گیا حضرت نوح علیہ السلام نے ایک قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ برباد ہو گیا حضرت عیسٰی علیہ السلام تین چالیس شخصوں کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے۔ لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرض ان سب سے بالا تر رہا۔

خباب بن الارت نے قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ انکے حق میں بد دعا کیوں نہیں فرماتے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ فرمایا کہ تم سے پہلے وہ لوگ گذرے ہیں جنکے سر پر آرے چلائے جاتے تھے اور چیر ڈالے جاتے تھے۔ تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اسلام کو پورا کریگا۔ یہانتک کہ شتر سوار صنعا سے حضرموت تک سفر کریگا۔ اور اسکو سوائے خدا کے اور کسی کا ڈر نہ ہو گا کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہیں ہوئی؟ سیرۃ النبی جلد اول

ضرور پوری ہوئی اور پوری حقیقت اور واقفیت کیساتھ پوری ہوئی اور دنیا اور اہل دنیا نے دیکھ لیا کہ آپکے زمانہ حیات ہی میں نبی عربی ہونے اس بشارت ایزدی کو کامل کر دکھلایا۔ زبان رسالت اس پیشینگوئی کیمتعلق اور وَمَا يَنطِقُ اِلَّا مَا يُوحيٰ کیمطابق بالکل ترجمان قدرت ثابت ہو گئی۔ اب بھی مخالفین تعصبُ نفسانیت سے تصدیق اسلام و بانئی اسلام علیہ السلام کی نسبت عذر و کلام کریں تو انکار بدیہیات کے سوا اور کیا کہا جاوے اور انکار بدیہیات کرنیوالا حیوان لایعقل سے زیادہ سمجھا جا سکتا۔

شبلی صاحب نے اپنے اس سوال کے جواب میں کہ ان انبیاء مرسلین سابقین کے مقابلہ میں سرورِ عالم نے کیا کیا؟ صرف حضرت نوح اور جناب عیسٰیؑ کے استقلال کی مثال دکھلائی ہے حالانکہ مدعائے بحث سے انکے حالات کو مناسبت نہیں کیونکہ مدعا سلسلہ بیان تو ایسی مثال چاہتا ہے کہ رنج و ایذا ظلم و جفا کے مقابلہ میں سوائے صبر و رضا کے شکوہ و بددعا نہ کی جائے حالانکہ حضرت نوحؑ نے اپنی امت کے مظالم سے تنگ آ کر بد دعا کی قرآن مجید میں اسکے یہ الفاظ ہیں۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ　　اور نوحؑ نے اونکے حق میں بددعا کی کہ دلے میری پروردگار

بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر اور جنمیں عاص بن وائل اور عقبہ بن معیط الاموی اور ابوسفیان بن حرب کے نام خصوصیت کے ساتھ بتلائے جاتے ہیں اس امر خاص کے لئے آپکو ابتر کہنے لگے کیونکہ محاورہ عرب میں لاولد کو تعریضاً ابتر کہا کرتے تھے انکی تعریض کو سنکر آنحضرت صلعم بیحد محزون و ملول خاطر ہوئے خدا نے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کی بشارت پہونچائی اور حقیقت کی دائمی مثال دکھلائی کہ آج روئے زمین پر پیغمبر کی اولاد اور انکے نام لیوا بیحد و بیشمار ہیں اور بنو امیہ و بنو سہم کی کوئی یادگار باقی نہیں اور اگر کوئی ہو بھی تو شرم و عار سے قرار پذیر نہ ہوگا المولف عفی عنہ

إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا | ان کافروں میں سے کسی متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑ کر روئے زمین پر بسا

نظر آئے کیونکہ تو اگر انہیں رہنے دیگا تو تیرے بندوں کو گمراہ کرینگے اور ان سے جو نسل چلے گی وہ بھی بدکار اور کٹر کافر ہی ہونگے۔"

اب دیکھئے ظالمین امت کے ان مظالم سے تنگ آکر ایسے موقعوں پر ہمارے سرور عالم روحنا لہ الفدا نے کیا ارشاد فرمایا ہے طائف میں جو آپ پر ظلم و ستم کئے گئے اور جیسے اور جتنے مصائب اوٹھائے گئے وہ اعظم ترین مصائب ہیں انسان کیلئے بالکل ناقابل برداشت لیکن ان ظالمین کی ستمگاریوں اور کفر کرداریوں کے جواب میں کہا تو یہ کہ میں ان لوگوں کی تباہی بربادی کے لئے کیوں بددعا کروں صرف اس لئے کہ ہمارے کہنے سے یہ ایمان نہیں لائے اگر یہ ایمان نہیں لائے تو کیا ہوا یقین ہے کہ انکی آئندہ نسلیں ضرور خدائے واحد پر ایمان لانے والی ہونگی صحیح مسلم باسناد حضرت عائشہ جلد پنجم۔

حضرت نوح کو اپنی امت ناشنوا کی آئندہ نسلوں میں برابر کافر ہی کافر ہونے کا اندیشہ ہے بخلاف اسکے سید المرسلین و خاتم النبیین کو مشرکین قریش کے اعقاب اسلاف کے موحدین نکلنے پر یقین کامل ہے۔ اسی لئے حضرت نوح ہاتھ اٹھا کر بددعا کرتے ہیں اور جناب محمد مصطفے علیہ التحیۃ والثنا سر جھکا کر صبر فرما جاتے ہیں۔ اسی سے ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ حضرت نوح کا صبر استقلال تسلیہ قلب اور سکینہ آلہی بڑھا ہوا تھا۔ یا ہمارے سرور عالم کا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بھی ناقص ہے۔ صلیب پر چڑھتے چڑھتے جناب عیسیٰ ابن مریمؑ کے لبہائے معجز نما سے تو یہ فقرے نکل ہی پڑے۔ ایلی ایلی لما سبقتنی میرے خدا تو نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔ یہ فقرات آجتک انجیل کے تمام مطبوعہ اور مروجہ نسخوں میں مرقوم ہیں لیکن ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد کی لڑائی میں سخت مجروح ہو کر دندان مبارک کے ٹوٹ جانے اور بحید خون بہجانے کی وجہ سے ایک گڈھے میں گر بھی پڑے مگر ظالمین قریش کے ان مظالم و شدائد کا کبھی شکوہ یا گلہ نہیں کیا۔ صرف کہا تو یہ۔ رَبِّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ پروردگار میری قوم کو ہدایت فرما کہ وہ نہیں جانتے ہیں مرقومہ بالا حضرت عیسیٰ کے فقرات سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے پائے استقلال بھی جنبش میں آگئے لیکن رسول عربی صلعم کے استقرار و ثبات میں سرمو کمی نہیں آئی۔ دعا کی بددعا نہیں کی۔ جو کلمات ارشاد فرمائے وہ ہدایت کے جامع فقرات دعائیہ ہی ثابت ہوتے ہیں۔

شبلی صاحب نے غور نہیں کیا اور نہ تجسس حالات فرمایا۔ نوح اور عیسیٰ علیہما السلام پر موقوف نہیں انبیائے سابقین علیہ السلام کے مقدس دائرے میں جملہ حضرات کو قریب قریب ایسے ہی غلطی پیش آئے ہیں اور ان بزرگوں نے محض بشریت کی تقاضے سے مختلف موقعوں پر اسطرح لبہائے شکایت کھولے ہیں لیکن سرور عالم نے ان امور میں ہمیشہ سے احتیاط مد نظر رکھی اور سخت سے سخت مصیبتوں کے وقت بھی سوائے صبر و سکوت کے حرف شکایت زبان مبارک سے نہ نکالے اور آپ کے اس علم و وقار اور صبر و استقرار نے آپکے خلق مجسم اور رحمت عالم ہونیکی پوری شان دکھادی =

مدینہ منوّرہ اور قبائل انصار

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ

خدا ہی اپنی رسالت کی جائے ودیعت کا بہتر جاننے والا ہے

شجرۂ طیبہ رسالت کی نشو و نما تو گلستان مکہ سے ہوئی لیکن تیرہ برس کے بعد یہ نخل مقدس نخلستان مدینہ منورہ میں منتقل ہو کر بار آور ہوا۔ وادی فاران انوار رسالت کی تجلی گاہ تو ضرور تھا۔ مگر اُنکی جلوہ فرمائی کا ابدی مرکز یثرب کی خاک پاک تھی توحید کی تعلیم مکہ سے ضرور آغاز ہوئی۔ مگر تیرہ برس کی شبانہ روز کوششوں کے بعد مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت سے زیادہ تیار نہ ہو سکی۔ اسلام کی دعوت پر عام صدائے لبیک اہل یثرب کی خوش قسمتی کے ساتھ مخصوص تھی۔

مدینہ کا اصلی نام یثرب تھا یعنی عمالقہ میں یثرب نامی رئیس القبیلہ نے اس شہر کو اپنے نام سے آباد کیا تھا جیسا کہ جلد اول میں بیان ہو چکا ہے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے قیام کے وقت سے اسکا نام مدینۃ النبی ہو گیا اور اور فی الحال کثرت استعمال سے مدینہ ہو کر رہگیا۔ جلد اول میں بیان ہو چکا ہے کہ بخت نصر کو فتح بیت المقدس کی تباہی و بربادی کے وقت قوم یہود پریشان و سرگشتہ ہو کر دور دراز اقطاع عالم میں جا کر پناہ گزین ہوئی۔ انہیں ایام میں یہودیوں کے اکثر قبائل اسطرف آ کر آباد ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ انکی نسلوں نے اس تمام علاقے کو اپنے زیر اثر کر لیا اور وہاں کی اصلی اور قدیم باشندوں کی حکومت بھی حاصل کر لی اُنھوں نے اپنے زور اقتدار سے قرب جوار میں اپنے چھوٹے چھوٹے قلعے بھی بنائے انکی امارت و اقتدار کا اثر حوالی یثرب سے بڑھکر وادی القریٰ تیما اور ارض خیبر تک پھیل گیا۔

انصار کی تحقیق خاص میں شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے تھے اور قحطان (جرہم اولیٰ) کی اولاد سے تھے۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جسکو سیل عرم کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکلکر مدینہ میں آباد ہوئے۔ یہ وہ بھائی تھے اوس اور خزرج تمام انصار انہیں دو خاندانوں سے ہیں یہ خاندان جب یثرب میں آیا تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے آس پاس کے تمام مضافات اُنکے قبضہ میں تھے۔ اور دولت سے مالامال تھے چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے اسلئے دور دور تک بستیاں بسالی تھیں انصار کچھ زمانہ تک الگ رہے لیکن انکا زور و اثر دیکھکر بالآخر انکے حلیف بن گئے ایک مدت تک یہ حالت قائم رہی۔ لیکن اب انصار کا خاندان بھی پھیلتا جاتا تھا۔ اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا۔ یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے انسے معاہدہ توڑ ڈالا یہودیوں میں ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا اس نے یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جاوے پہلے اسکے شبستان عیش میں آئے۔ یہود نے اسکو گوارا کر لیا تھا۔ لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انھوں نے سرتابی کی اس زمانہ میں انصار کا سردار ایک شخص مالک ابن عجلان تھا۔ اسکی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی

در اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے بے پردہ گئی۔ مالک کو غیرت آئی اور اٹھکر گھر میں آیا اور بہن کو سخت ملامت کی اُسنے کہا ہاں لیکن کل جو ہوگا اس سے بھی بڑھکر ہے دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلہن بنکر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانہ کپڑے پہنکر سہیلیوں کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کرکے شام کو بھاگ گیا۔ یہاں غسانیوں کی حکومت تھی اور ابو جبلہ حکمراں تھا۔ اسنے یہ حالات سُنے تو ایک فوج گراں لیکر آیا۔ اور اوس و خزرج کے رؤسا کو بلوا کر انکو خلعت اور صلے دئے پھر رؤسا یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کرادیا یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے بڑی سرعت سے قوت حاصل کی بحوالہ وفاء الوفا سمہودی

انصار نے مدینہ اور حوالی مدینہ میں کثرت چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے اوس اور خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے مطابق خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں اور سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں سب سے آخر لڑائی میں جسکو بعاث کہتے ہیں اس زور سے معرکہ پڑا کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑکر مرگئے انصار اب اسقدر ضعیف ہوگئے کہ انھوں نے قریش کے پاس سفارش بھیجی کہ ہمکو حلیف بنالیجیئے۔ لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم برہم کردیا انصار گو بت پرست تھے تاہم یہود سے میل جول تھا۔ اسلئے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے یہود سے گو انصار ایک گونہ رقابت لیکن انکے فضل و کمال علمی کے معترف تھے۔

یہود نے مدینہ میں جو علمی مدارس قائم کئے تھے جنکو بیت المدارس کہتے تھے (بخاری وغیرہ میں بھی نام مذکور ہیں) انہیں تورات کی تعلیم ہوتی تھی اس سے ان یہود کے علمی تعلق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا۔ یہانتک کہ انصار میں جسکی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی وہ منت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہیگا تو یہودی بنایا جائیگا یہودی عموماً یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنیوالا ہے۔ اس بنا پر سب سے پہلا شخص جو اسلام سے مشرف ہوا۔ قبیلہ انصار میں سوید بن صامت نامی ایک شخص بہت بڑا شاعر اور شجاع و دلیر مشہور تھا۔ علمی فضل و کمال میں اپنی شہرت رکھتا تھا کہ اپنے قوم و قبیلہ میں ہمیشہ کامل کے لقب سے خاص طور پر پکارا جاتا تھا شبلی صاحب کہتے ہیں کہ اسکو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا جسکو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا۔ وہ ایک دفعہ حج کو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسکے حالات سنے تو خود اسکے پاس تشریف لیگئے اُس نے امثال لقمان پڑھکر سنایا آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اس سے بہتر چیز ہے یہ کہکر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ سوید نے تحسین کی اگرچہ وہ مدینہ واپس آکر جنگ بعاث میں مارا گیا۔ لیکن اسلام کا معتقد ہوچکا تھا۔

شبلی صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے اور فی الواقع کہ سوید کے میلان اسلام کا اثر انصار پر پڑچکا تھا۔ اور اسمیں کوئی کلام نہیں کہ قرائن اور واقعات بالاتفاق ثابت کرتے ہیں کہ انصار کے وسیع دائرے میں اسلام کی تحریک سوید سے آغاز ہوئی سوید کے بعد اسی قبیلہ میں ایک دوسرا سعید پیدا ہوا۔ جسکا نام ایاس بن معاذ ہے یہ بزرگ گویا تحریک اسلام کے سوید ثانی تھے

عقبہ اولیٰ میں انصار مدینہ کی بیعت

ایاس کے حالات میں شبلی صاحب لکھتے۔ اوس وخزرج کے معرکہ میں اوس کو جب شکست ہوئی تو اُسکے عمائد قریش کے پاس گئے۔ کہ خزرج کے مقابلہ میں اُن کو حلیف بنائیں اس سفارت میں ایاس بن معاذ بھی داخل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِن لوگوں کا آنا معلوم ہوا تو اُنکے پاس تشریف لے گئے[1]۔ اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھکر سنائیں وُہ اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خدا کی قسم تم جس غرض سے آئے ہو یہ کام اُس سے بہتر ہے۔ لیکن قافلہ سالار یعنی ابوالحیسر نے کنکریاں اُٹھا کر اُن کے منہ پر ماریں اور کہا کہ ہم اس کام کے لیئے نہیں آئے ہیں۔ اسکے بعد بعاث کا معرکہ پیش آگیا۔ اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت اُن کی زبان سے تکبیر جاری تھی

شبلی صاحب نے اپنی عجلت رقمی اور کوتہ قلمی کے اُصول پر ایاس کی تعلیم اسلام کے متعلق صرف ترتیل قرآن بتلائی ہے۔ یعنی جب آنحضرت صلعم نے اس موقعہ پر قریش کی جماعت کے سامنے جس میں ایاس بھی شامل تھا۔ صرف قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ اور وہی ایاس بن معاذ کی ہدایت کے لیئے کافی ہوگئیں، حالانکہ تاریخ طبری کی عبارت جو آپ کا ماخذ اصلی ہے۔ وہ صاف صاف لفظوں میں بتلا رہی ہے۔ کہ اُصول اسلام کے پورے عقائد ایاس اور انصار کی جماعت کے سامنے پیش کیئے گئے تھے۔ اور اُن کی طرف دعوت فرمائی گئی تھی۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

قال انا رسول اللہ صلعم بعثنی الی العباد ادعوھم الی اللہ ولا یشرکوا بہ شیئاً وانزل علی الکتاب ثم ذکر لھم الاسلام وتلا علیھم القرآن ص ۱۲۰۹

جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ معاشر انصار، آگاہ ہو میں خدا کا رسول ہوں اور بندگان الٰہی کی طرف اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔ کہ بندگان خدا کو خدائے یکتا کی طرف بلاؤں۔ خدا کی عبادت کرو۔ اور کسی کو اُسکا شریک نہ بناؤ۔ اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی گئی ہے۔ پھر آپ نے اُصول اسلام بتلائے۔ اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ ص ۱۲۰۹۔

اسیطرح انصار مدینہ کے اس اوّل مسلم کے خاتمہ کو بھی آپنے قطع وبُرید کے ساتھ لکھا ہے۔ اور اختصار پسندی کے اصول پر صرف اتنا لکھدیا ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔ حالانکہ آپکا اصلی ماخذ بتلا رہا ہے کہ صرف تکبیر (اللہ اکبر) ہی نہیں بلکہ تہلیل (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) اور تسبیح (سبحان اللہ) اور تحمید (الحمد للہ) کی صاف صدائیں جاری تھیں۔ طبری ص ۱۲۰۹۔ مطبوعہ جرمن۔

خدمات تبلیغ کے طریقہ ادا کاری میں بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام حج میں مختلف قبائل وعشائر کے پاس جا کر قبول اسلام کی ہدایت فرماتے تھے اور شرک وبت پرستی سے بچنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ امسال یعنی رجب سنہ ۱۱ نبوی میں آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لیگئے، عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد عقبہ واقع ہے جناب رسولخدا کو چند اشخاص نظر آئے جو قبیلہ خزرج سے تھے۔ آپنے اُن سے پہلے اُنکے نام ونسب دریافت کیئے پھر اُنھیں دعوت اسلام دی

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تشریف لیجانا کیسا تھا؟ بخوف کفار اور ایذائے مشرکین کے خیال ولحاظ سے کمال حزم واحتیاط کے ساتھ راتوں کی عین تاریکی میں جب شہر میں چاروں طرف سناٹا ہو گیا، اور اندرونی وبیرونی آدمیوں کی آمدورفت موقوف ہو گئی تو آپ شہر سے باہر نکلے اور قبائل انصار ساکنین مدینہ سے انکی قیام گاہ پر ملے اور انکو پہاڑ کی ایک گھاٹی میں لیگئے اور وہاں تبلیغ اسلام کی تحریک پیش کی اسلئے اس بیعت کا نام بیعت عقبہ رکھا گیا عربی میں عقبہ پہاڑی گھاٹی کو کہتے ہیں۔

اصول و بیان بتلائے۔ اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھکر سنائیں۔ اُن سعادت مندوں پر الفاظ ربانی نے ایسے روحانی اثر دکھلائے کہ بیخود ہو کر ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا اور شوق اسلام کے تقاضے سے کہنے لگے کہ دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مفاخرت و شرفیابی میں قبائل یہود تم پر سبقت لیجائیں۔ یہ کہکر حاضرین انصار نے بیکوقت و بیکبار اسلام قبول کیا۔

مولوی شبلی صاحب نے خواہ مخواہ یہاں بھی مختصر نویسی سے کام لیا حالانکہ یہ مقامات خاص تفصیل کے ہیں ہر مقام پر قرآن مجید اور ارشاد رسالت کے روحانی جذبات کو کسی قبیلہ کی قبولیت اسلام کے ثبوت میں پیش کر دینا کام نہیں آتا خصوصاً مخالفین اسلام کیلئے دلیل و حجت نہیں ہوتا۔ تحقیق کا متلاشی قبیلہ خزرج کی ان سعادتمندوں کے اتنے جلد ایمان لانیکے اسباب و حقیقت ضرور تلاش کریگا۔ اور آپسے وجہ و اسباب دریافت کریگا۔ آپ کچھ نہیں جانتے اور نہ بتلاسکتے ہیں کیا جواب دینگے حالانکہ آپکے ماخذ اصلی میں صاف صاف موجود ہے۔ لیکن آپکی خود غرضانہ کوتہ قلمی اور عجلت رقمی سب کو اڑ جاتی ہے اور صاف صاف بتلاتی ہے کہ انصار کی خصوصیات آپکے نزدیک قابل ذکر نہیں مہاجرین البتہ اُن بھی مخصوصین حضرت کے حالات قابل اندراج ہیں جنکی تفصیل و بیان میں آپ نے پوری توجہ اور وسعت نظری سے کام لیا ہے۔ جب یہ انداز تالیف اور شان تصنیف ہے۔ تو آپ سے ماخذ اصلی کے صحیح نقل و ترجمہ کی کیا اُمید کیجا سکتی ہے۔

بہرحال۔ اب ہم تاریخ طبری کی اصلی عبارت سے اس واقعہ کی پوری حقیقت ذیل میں لکھکر بتلا دیتے ہیں کہ ان سعادتمندان انصار نے کیوں اتنی عجلت کے ساتھ اسلام سے شرفیابی حاصل کی طبری کے تفصیلی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

قالوا لما لقیهم رسول الله صلعم قال لهم من انتم قالوا نفر من الخزرج قال امن موالی الیهود قال بلی قال فجلسوا معه فدعاهم الی الله عز وجل وعرض علیهم الاسلام وتلا علیهم القرآن قال وکان مما صنع الله لهم به فی الاسلام ان یهود اکانوا معهم ببلادهم وکانوا اهل کتاب وعلم وکانوا اهل شرک واصحاب اوثان وکانوا قد عزوهم ببلادهم فکانوا اذا کان بینهم شیء قالوا لهم ان نبیا الآن مبعوث قد اظل زمانه نتبعه نقتلکم معه قتل عاد وارم فلما کلم رسول الله اولئک النفر ودعاهم الی الله قال بعضهم لبعض تعلمن والله انه النبی الذی توعدکم به یهود فلا یسبقنکم الیه فاجابوه فیما دعاهم الیه بان صدقوه

جب خزرج کے ان لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ملاقات کی تو پوچھا کہ آپ کون حضرات ہیں وہ بولے ہم قبیلہ خزرج کے آدمی ہیں دریافت فرمایا کہ آپ لوگ قوم یہود کے طابع اور زیر اثر ہیں۔ جواب ملا ہاں ارشاد ہوا کہ اچھا آپ لوگ تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جائیں مجکو آپسے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ وہ لوگ بیٹھ گئے اور آنحضرت صلعم نے انکو خدائے عز و جل کیطرف بلایا۔ اور قرآن مجید تلاوت فرمایا اور آپکے اس طرز عمل سے اُن کے دلوں میں پورا اثر ہوا کیونکہ یہود جو انکے ساتھ انکے شہر میں بستے تھے وہ اہل کتاب بھی تھے۔ اور صاحب علم و دانش بھی اور انصار اسوقت تک مشرک تھے اور بت پرست اور اس بنا پر انصار شہر کے یہودیوں کی بڑی عزت کرتے تھے اور یہود اکثر کہا کرتے تھے کہ ایک پیغمبر آنیوالا ہے اور اسکے ظہور کا زمانہ قریب ہے ہم لوگ اُسکی متابعت کریں گے اور تم لوگوں کو مثل قوم عاد و ارم کے غارت و قتل کرینگے۔ اتنا علم تو انہیں پہلے

وقبلوا منہ ما عرض علیھم من الاسلام وقالوا انا قد ترکنا قومنا ولا قوم بینھم من العداوۃ والشر ما بینھم وعسیٰ اللہ ان یجمعھم بک وسنقدم علیھم فندعوھم الیٰ امرک وتعرض علیھم الذی اجبناک الیہ من ھذا الدین فان یجمعھم اللہ علیہ فلا رجل اعز منک ۔ طبری ص ۱۲۱۰

یہی ہے تھا۔ اب اس وقت جب آنحضرت صلعم سے گفتگو ہوئی۔ اور دین خدا کی دعوت دی گئی، تو قبولیت کے اثر سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگا اور کہنے لگا خدا کی قسم یقین کرو کہ یہ پیغمبر وہی ہے۔ جس کا ذکر و وعدہ یہود تم سے کر چکے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امر میں وہ تم سے سبقت لیجائیں پھر یک زبان ہو کر سب نے آنحضرت صلعم دعوت قبول کی۔ اور جو جو امور متعلق دین اسلام تبلائے گئے وہ سب منظور کر لیئے اور آپ کے سامنے سب نے متفق اللفظ ہو کر اقرار کیا کہ ہم لوگوں نے اس وقت سے اپنے شعار قومی کو ترک کیا۔ اور آج سے کبھی شر و فساد کی طرف سبقت نہ کرینگے۔ اور خداے تعالےٰ آپ کی برکت سے ہم لوگوں میں باہمی اتفاق پیدا کر دے۔ اور جب ہم یہاں سے اپنی قوم کے لوٹ کر جائینگے تو آپ کے احکام و ارشاد کے طرف اپنے ہم قوم لوگوں کو دعوت دینگے۔ اور وہ تمام اُصول اسلام جو آپ نے ہمیں تعلیم دیئے ہیں۔ اور ہم نے قبول کر لیئے ہیں اُنھیں بتلائینگے۔ یہانتک کہ خدائے تبارک وتعالےٰ اُن لوگوں کو قبول اسلام کی توفیق دے۔ اور وہ اسے قبول کر لیں اور آپ یقین کر لیں کہ اب ہم لوگوں کے نزدیک کوئی شخص آپ سے زیادہ معزز نہیں ہے۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی خبر اور آپکے اوصاف کی اطلاع قبیلہ انصار کو یہود کے ذریعے سے معلوم ہو چکی تھی اور یہی وجہ خاص اور سبب اصلی تھا۔ کہ اُنھوں نے آپ کی زبان مبارک سے ہدایت و ارشاد کے الفاظ سُنکر اور یہود کے بیان کردہ صفات کے بالکل مطابق پا کر بیساختہ کہدیا انہ النبیّ الذی توعدکم بہ یھود یہ تو وہی نبی ہے جسکا وعدہ یہود تم سے کر چکے ہیں۔ ہم نے طبری کی پوری عبارت بھی لکھدی اور اُسکا ترجمہ بھی صرف اسلیئے کہ اُسے نہ لکھنے سے جو ابہام شبلی صاحب کے بیان میں رہ گیا ہے اور جو آگے چلکر بہت سے اوہام و مفاسد کا باعث ہو تا صاف ہو جائے۔

یہ سعادتمندان انصار شمار میں چھ تھے اور قوم خزرج کے قبیلہ بنی نجار سے تھے۔ شبلی صاحب نے اُنکے نام حسب ذیل تبلائے ہیں۔

(۱) ابو الہیثم بن تیہان (۲) سعد بن زرارہ (۳) عوف بن حرث (۴) رافع بن مالک بن عجلان (اس وقت تک جتنا قرآن اُتر چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں کو عنایت فرمایا۔ یہ بزرگ جنگ احد میں شہید ہوئے) (۵) قطبہ بن عامر (جنگ یمامہ بزمانہ خلافت شہید ہوئے) جابر بن عبد اللہ (۶) سب کم سن ہوئے احادیث کثیرہ کے راوی ہیں۔ واقعہ کربلا کے بعد تک زندہ رہے) اور قبر مطہر حضرت امام حسین علیہ السلام کے اوّل زائر ہیں)

یہ خوش قسمت انصار دولت ایمان سے مشرف ہو کر جب مدینہ میں واپس گئی۔ تو اُنہوں نے اہل وطن کے سامنے سب سے گرانمایہ تحفہ اور سب بیبہا ہدیہ پیش کیا۔ وہ دین اسلام کی دعوت تھی اُنہوں نے اس تحریک کو اس انداز سے آغاز کیا جس انداز سے وہ علمائے یہود کی زبانی سُن چکے تھے کہ ایک نبی آنیوالا ہے۔ پھر آنحضرت صلعم سے مشرف ہونے اور دین اسلام کو قبول کر لینے کے سارے واقعات سُنانے کے بعد کہنے لگے۔ کہ وہ نبی جنکا تمام عالم کو انتظار تھا آگیا ہماری

آنکھوں نے اُسکا دیدار دیکھا اور ہماری کانوں نے اُس کے پاک کلام سُنے اور اُسنے ہمکو ہمیشہ زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا دُنیائی زندگی اور موت اب ہمارے سامنے بالکل ہیچ ہے۔ اسلام کے ان مبلغین اوّلین کی بشارت کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑی دنوں کے بعد قوم انصار کا کوئی گھر ایسا نہیں چھوٹا جسمیں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہ ہوتا ہو۔ اُسی سال کے آخر میں یہ نتیجہ نکلا کہ قوم انصار کے بارہ بزرگوار مکہ میں آکر مشرف باسلام ہوئے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

عقبہ ثانی کی بیعت

(سنہ۱۲ سال نبوّت)

سنہ۱۲ سال نبوّت کے ایام حج میں مفصلۂ ذیل قوم انصار کے بزرگوار مکہ میں آئے۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر سعادت اسلام اور دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے اُنکے نام نامی یہ ہیں۔

(۱) ابو امامہ (۲) عوف بن الحارث (۳) رافع بن مالک (۴) طلیقہ بن عامر (۵) عقبہ بن عامر (۶) سعاذ بن حرث (۷) ذکوان بن عبدقیس (۸) خالد بن مخلد (۹) عبادہ بن صامت (۱۰) عباس بن عبادہ (۱۱) ابو الہیثم (۱۲) عویم بن ساعدہ

حسب ذیل شرائط پر اُصول اسلام کے مطابق یہ حضرات جناب ختمی مرتبت علیہ السلام کے دست حق پرست پر شرفیاب بیعت ہوئے۔

(۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے۔ اور اُس کی ذات واحد میں کسی کو اُسکا شریک نہ بنائیں گے۔

(۲) ہم چوری اور زنا نہیں کریں گے۔

(۳) ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

(۴) ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے۔ اور نہ کسی کی چغلی اور غیبت کیا کریں گے۔

(۵) ہم کسی امر معروف میں معصیت نہیں کریں گے۔

(۶) ہم ہمیشہ احکام رسالت کی تصدیق کیا کریں گے۔ اور ہمیشہ مطیع و فرمانبردار رہیں گے۔

جب ان لوگوں نے خدمت رسالت میں خلوص نیت وعقیدت شرائط بالا پر عہد وپیمان شرعیہ کریئے۔ تو ان سے بطور موعظت ارشاد فرمایا گیا۔

فان وفیتم فلکم الجنۃ وان غشیتم شیئا من ذلک فاخذ تم بحدہ فی الدنیا فھو کفارۃ لہ وان ستر تم علیہ الی یوم القیامۃ فامرکم الی اللہ ان شاء عذبکم وان شاء غفر لکم۔	اگر تم لوگوں نے ان شرائط کو پورا کیا تو تم بہشت بریں کے مستحق ہوگے اور اگر ان میں سے کسی چیز کی بھی فروگذاشت کی تو قابل مواخذہ ہوگے اور اُسکے لیئے دُنیا میں تمپر حدود شرعیہ جاری ہونگے۔ اور وہ کفارہ ہیں۔ اور اگر تمنے اپنے گناہوں کو چھپائے رکھا۔ تو پھر قیامت تک تم پر اسکا مواخذہ

باقی رہ جائے گا اور پھر خدائے تبارک وتعالےٰ کو اختیار ہوگا۔ چاہے وہ تم پر عذاب کرے چاہے بخشدے۔

مصعب ابن عمیر کی تبلیغی خدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے خلوص وعقیدت سے مدینہ میں تبلیغ اسلام کی وسعت اور کامیابی کا پورا یقین کرلیا۔ اور اُن عقیدتمندوں نے اپنے اور اپنی باقی ماندہ قوم وقبائل کی تعلیم و ہدایت کی غرض سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں یہ استدعا پیش کی کہ کوئی مبلغ اور معلم اسلام اُنکے ہمراہ کردیا جائے۔ اس بنا پر آپنے مصعب بن عمیر کو جو ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور آپکے قریبی رشتہ دار تھے۔ اور سابقین اسلام کے ممتازین میں داخل تھے احکام اسلام سکھلانے اور اصول دین تبلانے کی غرض سے اُنکے ساتھ بھیجدیا۔

ابتداً مصعب بن عمیر بہت خوش حال تھے۔ اور نہایت آرام پسند۔ مکہ میں اُنکی سواری جلوس کے ساتھ نکلا کرتی تھی۔ یہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ اور آگے پیچھے مسلح غلاموں کے دستے رہا کرتے تھے۔ جسم پر ہمیشہ بیش قیمت لباس ہوتا تھا۔ معمولی لباس میں کسی نے اُنکو کبھی نہ دیکھا۔ لیکن جب اسلام سے مشرف ہوئے۔ تو اُن تمام ظاہری اور فانی نمائشات کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ پھر تو اُنکی یہ حالت ہوگئی۔ کہ جب مدینہ میں خدمت تبلیغ پر مامور ہوکر آئے۔ تو تمام گلیوں کوچوں میں صرف ایک کمل کا ٹکڑا کمر سے لپیٹے اور دوسرا ٹکڑا کاندھے پر ڈالے دین حق کی منادی کیا کرتے تھے۔ اسلام میں اصلی زاہد اور حقیقی مجاہد کی یہی شان ہے۔

مصعب مدینہ میں تبلیغ اسلام کے منصب پر مقرر ہوکر آئے۔ تو اسعد بن زرارہ کے یہاں مقیم ہوئے۔ اہل مدینہ نے بڑے اعزاز واکرام سے اُن کو اپنا مہمان کیا۔ اور ہر شخص خلوص اسلام کے تقاضہ سے اُنکی خدمت کو اپنا شرف یقین کرنے لگا مصعب نے جس مستعدی اور سرگرمی سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے فرائض خاص مدینہ اور اُس کے قرب وجوار میں ادا کئے۔ وہ اپنی آپ مثال ثابت ہوتے ہیں۔ اُنکی تعلیم اتنے وسیع پیمانے پر مشہور ہوئی۔ کہ مدینے کے تمام لوگ اُنکو المقری معلّم کے لقب سے پکارنے لگے۔ تاریخ ابن ہشام اور طبری میں اُن کی خدمات تبلیغ کی نسبت لکھا ہے۔

ایک دن مصعب اور اسعد بن زرارہ مدینہ کے مشہور ومعروف کنوئیں بیر مروق پر بیٹھے ہوئے یہ غور کر رہے تھے کہ بنی ظفر اور بنی عبد الاشہل کو دائرہ اسلام میں لانے کی کیا ترکیب کی جاوے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان دونوں قبیلوں کے سردار تھے۔ یہ دونوں ابھی تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ اور تاوقتیکہ یہ دونوں شرفیاب اسلام نہ ہولیں اُنکے ماتحتی اور زیر اثر قبائل کا اسلام لانا دشوار تھا۔ ان کے اس مشورے اور باہمانہ گفتگو کی خبر سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر کو بھی معلوم ہوگئی۔ تو سعد فوراً اُٹھے۔ اور اسید کے پاس پہونچے۔ اور کہنے لگے۔ کہ تم کس خواب غفلت میں آلودہ ہو۔ قوم کی قوم قبیل کا قبیلہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ مصعب ابن عمیر جو مکہ سے نئے دین کا مبلغ بن کر آیا ہے۔ وہ اور اُسکے ساتھ اسعد دونوں ملکر ہمارے قبیلے کے سادہ لوح لوگوں کو بہکا رہے ہیں۔ تمھیں چاہیئے۔ کہ فوراً جاکر نہایت سختی سے منع کردو۔ اور صاف لفظوں میں بتاکید تمام اُنسے کہدو کہ وہ دونوں آج سے ہمارے محلہ میں قدم نہ رکھیں۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ سعد میں خود جاتا لیکن بات یہ ہے کہ اسعد بن زرارہ میرا خالہ زاد بھائی ہے۔ تم جانتے ہو کہ میری ذرا سی فہمائش پر خانہ جنگی شروع ہوجائے گی۔ اسید نے کہا کوئی مضائقہ نہیں میں تنہا جاکر اِس قضیہ کا خود تصفیہ کئے آتا ہوں۔ یہ کہا اور ہتیار باندھ لئے۔ اور سیدھے بیر مروق کی طرف روانہ ہوگئے۔ اسعد دور

نے اسید بن حضیر کو آتا دیکھ کر مصعب بن عمیر سے کہنے لگا۔ کہ دیکھو یہ قبیلہ کا سردار آرہا ہے۔ خدا کرے وہ تمہاری بات مانجائے۔ مصعب بولے۔ اگر وہ آگیا اور ذرا دیر بیٹھ گیا اور اُس نے میری باتوں کو صرف سُن لیا۔ تو پھر وہ میرے قابو میں آجائے گا۔ اتنے میں اسید بھی آپہونچا۔ اور اسید نے پہلے کھڑے ہو کر سعد اور مصعب کو خوب صلواتیں سنائیں۔ پھر کہا تم لوگ ہمارے قبیلے کے کم عقل لوگوں میں حمق پھیلانے کیلئے آئے ہو۔ مصعب نے نہایت نرمی اور سنجیدگی سے جواب میں کہا کہ آپ جب آگئے ہیں۔ تو تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ بھی جائیں۔ اور میری غرض و استدعا سُن لیں۔ اور مطبوع طبع ہو تو مان لیں۔ ورنہ اسکو میرے پاس چھوڑ دیں۔ اسید نے کہا خیر کہو۔ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ میں تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ کہکر اسید بیٹھ گیا۔ اور مصعب نے نہایت متانت اور وضاحت سے پہلے اُنکو اصول اخلاق و ایمان بتلائے۔ پھر قرآن مجید کے چند آیات پڑھکر سُنائے۔ اسید اُن کی تمام باتوں کو پورے اطمینان اور خموشی کے ساتھ سُنتا رہا جب وہ اپنے کلام کو ختم کر چکا۔ تو اسید وہ اسید ہی نہیں تھا۔ فوراً مصعب سے کہنے لگا۔ کہ اچھا یہ تو بتاؤ۔ کہ جب کوئی شخص پہلے پہلے تمہارا دین قبول کرتا ہے۔ تو تم کس ترکیب سے اُسکو اپنے دین میں لے آتے ہو۔ مصعب نے کہا کچھ نہیں۔ اُسے غسل کراتے ہیں۔ پاک و پاکیزہ کپڑے پہناتے ہیں۔ پھر کلمہ شہادت پڑھا کر دو رکعت نماز نوافل پڑھا دیتے ہیں۔ اسید یہ سُنکر اُٹھا۔ فوراً غسل کیا۔ کپڑے دھوئے اور مصعب کے پاس آپہونچا۔ مصعب نے کلمہ پڑھا کر دو رکعت نماز پڑھا دی۔ جب اسید اسطرح مشرف با سلام ہو چکا تو مصعب سے کہنے لگا۔ کہ ابھی میرے پیچھے ایک شخص اور ہے۔ میں اُسے بھی ابھی جا کر تمہارے پاس بھیجے دیتا ہوں۔ یاد رکھو اگر تم نے اُسے مسلمان بنا لیا۔ تو مدینہ بھر میں پھر کوئی فرد واحد تمہارا مخالف نہ رہے گا۔ اتنا کہکر اسید وہاں سے اُٹھا اور سعد کے پاس پہونچا۔ سعد نے اُسکو آتا دیکھکر فوراً اُسکے موجودہ تغیر کو پہچان لیا۔ اور چلا کر کہنے لگا۔ اسید جس رنگ میں تم یہاں سے گئے تھے۔ وہ رنگ تمہارے چہرے پر باقی نہیں رہا۔ کہو خیر تو ہے۔ اسید کہنے لگا اُن دونوں کو تو میں نے بطور خود سمجھا دیا ہے۔ اور اُنسے اقرار لیا ہے۔ کہ وہ ہمارے مشاورت کے بغیر کوئی کام نہیں کرینگے۔ مگر وہاں تو ایک دوسرا قصہ پیش ہو گیا۔ بنحارثہ یکبارگی وہاں پہونچگئے اور وہ تمہاری مخالفت کی بنا پر تمہارے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کے قتل کر دینے پر بالکل آمادہ اور تیار کھڑے ہیں جاؤ اور بھائی کی جلد خبر لو۔ یہ سُنکر اب سعد بن معاذ کو ٹھیرنیکا یا کوئی بات کرنیکا وقت کہاں تھا۔ نہایت عجلت سے اُٹھا۔ اور مسلح ہو کر بڑی سُرعت سے مجمع پر روانہ ہوا۔ مگر چلتے چلتے اسید ابن حضیر سے اتنا ضرور کہا گیا کہ افسوس ہے۔ اسید تم سے کوئی کام پورا نہ ہوا۔

سعد بن معاذ جب یہاں پہونچے۔ تو کچھ بھی نہ تھا۔ مصعب بن عمیر اور اسعد بن زرارہ اطمینان سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے اب سعد کو اسید کی اس حکمت عملی کی ترکیب معلوم ہو گئی۔ اور اُس نے سمجھ لیا کہ اسید کو صرف میرا یہاں بھیجدینا مقصود تھا اور کچھ نہیں۔ یہ سوچ کر وہ اُن دونوں آدمیوں کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اور اسید کی طرح دونوں کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ اور آخر کلام میں اسعد سے تہدیداً یہ بھی کہا کہ اگر تو ہمارے تمہارے درمیان قرابت و عزیز داری کا واسطہ نہ ہوتا۔ تو تمہاری مجال نہ تھی کہ تم ہمارے محلّہ میں قدم دھرتے۔ اسعد نے آہستہ مصعب سے کہا کہ یہ قبیلے کے راس الرئیس ہیں۔ اگر تم نے ان کو قابو میں

کرلیا۔ تو پھر سارا مدینہ تمہارا مطیع ہے۔ مصعب نے کہا انشاء اللہ۔
مصعب رؤسائے انصار کا مزاجداں تو ہو ہی گیا تھا سعد کے ساتھ بھی اُس نے اپنی گفتگو کا وہی انداز رکھا جو اسید کے ساتھ رکھا تھا۔ نہایت آہستگی اور نرمی سے کہا۔ کہ آپ بیٹھ جایئے۔ جو میں عرض کرتا ہوں اُسے سُن لیجئے۔ اگر مطبوع خاطر ہو تو خیر ورنہ مجھے کوئی اصرار نہیں۔ سعد نے بھی اسید کی طرح کہا۔ کیا مضائقہ ہے۔ یہ کہا اور بیٹھ گیا۔ مصعب نے اُسی طرح اپنی تقریر کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے اسلام کی خوبیاں پھر اُصول بتلائے۔ اور اُسکے بعد قرآن مجید کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔ مصعب کی تقریر سُنکر بن معاذ کی ساری حرارت ٹھنڈی تھی۔ نتیجہ وہی ہوا۔ جو اسید کا۔ یہ بھی اُٹھے۔ نہائے دھوئے کپڑے بدلے اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ہذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔
سعد بن معاذ اسید سے زیادہ پر جوش اور سرگرم اُٹھے۔ مصعب سے رخصت ہو کر جب اپنے قبیلے کے پاس آئے تو انھوں نے تمام قبیلے کے لوگوں کو اپنے پاس بُلایا۔ اور اُنکے سامنے صاف صاف لفظوں میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور اُن سے کہا کہ میں تو اسلام لا چکا۔ اب تم اپنی کہو۔ تمام قبیلے نے کہا کہ تم ہمارے سردار ہو۔ ہر امر میں تمہاری رائے ہماری رائے سے بہتر اور اعلیٰ ہے۔ سعد بن معاذ بولے۔ تلمیحات و اشارات سے کام نہیں چلتا۔ میں تو اب تا وقتیکہ تم مشرف باسلام نہ ہو جاؤ کسی ایک مرد یا عورت سے بات کرنا بھی اپنے لیے حرام جانتا ہوں۔ یہ سننا تھا۔ کہ قبیلے کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ جو موجود نہ تھے۔ وہ صبح سے شام تک آتے رہے۔ اور اسلام لاتے رہے۔ رات کی نماز کے بعد جب قبیلے کا جائزہ لیا گیا۔ تو قبیلہ بنی عبد الاشہل میں ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں بچا۔ جو اسلام نہ لا چکا ہو۔
افسوس ہے کہ عربی ماخذوں نے انصار کے اس خلوص اور جہد فی الاسلام میں صفحوں کے صفحے بھر دیئے ہیں۔ لیکن شبلی صاحب نے اختصار نے ان کو بڑی ہوشیاری اور کفایت شعاری سے صرف دو تین سطروں میں تمام کر دیا ہے۔ لیکن باایںہمہ اتنا لکھکر ضرور اقرار کر دیا ہے۔ کہ مدینہ سے قبا تک تمام اسلام پھیل گیا۔ صرف خطمہ۔ وائل اور واقف کے چند قبائل باقی رہ گئے۔ سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۲۹۔

انصار اور رسول اللہؐ کو ہجرت مدینہ کی دعوت

اخلاص مندان انصار میں ہمت و حوصلہ کی اتنی افزائش ہوئی کہ سال آئندہ انہوں نے اپنے عقیدت مندوں کے بہتر ۷۵ آدمیوں کی ایک وفد تیار کی۔ اور اُن کو بسر کردگی مصعب ابن عمیر موسم حج میں حجاج مدینہ کے ساتھ اس غرض خاص سے بھیجا۔ کہ وہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مدینہ میں تشریف لانے کی خاص طور پر دعوت دیں۔
عقیدت مندان انصار کی یہ وفد جس میں لضیبہ اور اسماء دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ حجاج مدینہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئیں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ظلم و خوف کفار سے اسلام لانا گویا جان سے ہاتھ دھونا تھا۔ اس بنا پر

حزم و احتیاط اور پوری رازداری اور ہوشیاری سے کام لیا ہوتا تھا اور یہ تمام اُمور اتنے مخفی طور سے کئے جاتے تھے کہ سوائے خاص عقیدت مندان اسلام کے کسی اور کو ان اُمور کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

چونکہ شبلی صاحب نے ان معاملات کے اخفا و رازداری کی اہمیت کو اپنے مفید مطلب نہیں سمجھا ہے۔ اسلئے بیعتہائے عقبہ کے ان مخفی اور رازدارانہ طریقہ کے اظہار و اندراج کو حسب العادت مرفوع القلم فرما دیا ہے۔ لیکن ہم اس کے انکشاف حقیقت کو موجودہ اور آئندہ واقعات ہجرت کے لئے نہایت ضروری اور مفید سمجھتے ہیں۔ اس لئے تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت سے اس کی پوری کیفیت درج کرتے ہیں۔

ثم ان مصعب بن عمير رجع الی مكة وخرج من خرج من الانصار المسلمين الی الموسم الحج مع حجاج قومهم من اهل الشرك حتی قدموا مكة فواعدوا رسول الله صلعم العقبة من اوسط ايام التشريق حين اراد الله بهم ما اراد من كرامته والنصر لنبيه صلعم ولاعزاز الاسلام واهله واذلال الشرك واهله قال كعب فلما فرغنا من الحج وكانت الليلة التی واعدنا رسول الله صلعم ومعنا عبد الله بن عمرو ابو الجابر واخبرناه وكنا نكتم معنا من المشركين من قومنا امرنا تكلمناه وقلنا له يا ابا جابر انك سيد من ساداتنا وشريف من اشرافنا وانا نرغب بك عما انت فيه ان تكون حطباً للنار غداً ثم دعوناه الی الاسلام واخبرناه بميعاد رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم ايانا العقبة قال فاسلم معنا العقبة وكان نقيباً فينا تلك الليلة مع قومنا فی رحالنا حتی مضی ثلث الليل خرجنا من رحالنا لميعاد رسول الله صلعم نتسلل مستخفين تسلل القطا حتی اجتمعنا فی الشعب عند العقبة ونحن سبعون رجلا ومعهم امراتان من نسائهم نسيبة بنت كعب ام عمارة واسماء بنت عمرو ابن عدی فاجتمعنا بالشعب ننتظر رسول الله صلی الله

مصعب بن عمیرؓ ان انصار مسلمین کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اس جماعت مسلمین کے ہمراہ مدینہ کے مشرکین بھی تھے جو حج کے قصد سے مکہ میں آئے تھے یہ لوگ مکہ میں آئے اور جناب رسول خدا صلعم سے ملاقات کا وعدہ لے آئے اور آپ نے گیارھویں تاریخ (اوسط ایام تشریق) رات کو اُن سے ملنے کا وعدہ فرمایا اور اسی روز و تاریخ کو مشیت ایزدی نے اپنے پیغمبرؐ کے اظہار کرامت و نصرت اور اسلام کی افزونی عزت و منزلت کیلئے قرار دیا تھا کعب کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ مناسک حج سے فارغ ہو چکے تو وہی رات تھی جس رات کو آنحضرتؐ صلعم نے ہم لوگوں کو مشرف باسلام فرمانیکا وعدہ کیا تھا اور ہم لوگوں کے ساتھ عبد اللہ ابن عمر جنکی کنیت ابوجابر تھی وہ اسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن ہم نے انکو اس امر کی خبر کر دی تھی اور ہم لوگ اس امر کو مشرکین سے جو ہمارے ساتھ آئے تھے چھپاتے تھے اور بڑی احتیاط سے پوشیدہ رکھتے تھے لیکن ابوجابر سے ہم نے خاص طور پر اسکو کہدیا کہ اے ابوجابر تم ہمارے سردار اور اشرف قوم و قبیلہ ہو اور ہمکو یہ گوارا نہیں کہ ہم آخرت میں تمکو جہنم کا ایندھن دیکھیں یا ہونے دیں یہ کہکر ہم نے انکو اسلام کی دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ اسی درہ کوہ کی طرف آج رسول اللہ صلعم نے تشریف لانے اور بیعت اسلام سے مشرف فرمانے کا وعدہ کیا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ابوجابر مسلمان ہو گئے اور ہمارے نقیب مقرر ہوئے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اس گفتگو کے بعد ہم لوگ رات کو سو رہے اور جب تہائی حصہ رات چلی گئی تو ہم لوگ اپنی قیام گاہ سے اٹھے اور ایک شخص نہایت آہستگی کے ساتھ پاؤں دبا دبا کر مثل پرندہ قطار کے اُس گھاٹی کی طرف چلا اور اسی طرح ہم سب لوگ جمع ہوئے اسوقت ہم لوگ دو عورتیں

عليه وآله وسلم حتى جاءنا ومعه عباس بن عبد المطلب - طبری ج ۳ ص ۱۲۲۰

ملا کر بہتر تھا شخص آدمی تھے عورتوں میں ایک کا نام نسیبہ بنت کعب اور کنیت ام عمارہ تھی اور دوسری کا نام اسماء بنت عمرو بن عدی ہم تو اس پہاڑ کے درے میں بیٹھے انتظار کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم مع اپنے عم محترم عباس ابن عبد المطلب کے تشریف لائے۔

طبری کی اس عبارت نے ثابت کر دیا کہ یہ امور کس رازداری اور ہوشیاری سے عمل میں لائے جاتے تھے اور سوائے ان معتمدین و معتبرین خاص کے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعتبار ہوتا تھا۔ یا ایمان لانے والوں کو اپنے جن ہمراز احباب پر اعتماد و اطمینان کلی ہوتا تھا۔ سوائے اُنکے اور کسی سے اشارۃً یا کنایۃً ان امور کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا اسی کیساتھ حضرت عباس کی شرکت و ہمراہی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ معدودے چند حضرات بنی جو اسوقت تک بظاہر اسلام نہیں لائے تھے۔ لیکن قرابت اور یگانگی کے فطرتی اور حقیقی تعلقات کی وجہ سے آنحضرت صلعم کے نزدیک بمقابلہ دیگر مسلمین کے زیادہ معتمد اور معتبر تھے اسی لئے ان کو ایسی سخت رازداری کے اوقات میں ان کے اخلاص و اتحاد پر پورا اعتماد کر کے اُنکو اپنا رفیق و ہمراز بنایا گیا۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے آنحضرت صلعم کے احباب خاص کی گذشتہ فہرست میں حضرت عباس کیا کسی بنی ہاشم کا نام نہیں دیا۔ اور بعض بیرونی اشخاص کو احباب خاص میں داخل کر دیا ہے جس پر ہم مفصل بحث کر چکے ہیں۔

اب ہم ان واقعات کو شبلی صاحب کی زبانی ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

اگلے سال بہتر شخص حج کے زمانے میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے (جو بت پرست تھے) چھپ کر مقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس موقع پر حضرت عباس بھی جو اسوقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اُنھوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا کہ گروہ خزرج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیشہ انکے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہیں اگر مرتے دم تک انکا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دیدو براء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیطرف خطاب کر کے کہا ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں۔ وہ اسی قدر کہنے پائے تھے۔ کہ ابو الہیثم نے بات کاٹ کر کہا۔ یا رسول اللہ صلعم ہمارے اور یہود کے تعلقات ہیں بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائینگے۔ ایسا تو نہ ہو کہ جب آپکو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے۔ تو آپ ہمکو چھوڑ کر وطن چلے جائینگے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا نہیں تمھارا خون میرا خون ہے تم میرے ہو اور میں تمھارا ہوں۔

آنحضرت صلعم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں۔ شرک، چوری۔ زنا۔ قتل اولاد اور افترا کے مرتکب نہ ہونگے اور اچھی بات جو رسول کہینگے اُس سے سرتابی نہ کرینگے۔[1]

[1] شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شرائط صحیح بخاری کی روایت ہے۔ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ عقبیٰ اولیٰ کے شرائط تھے آخر بیعت اس بات پر ہو گئی کہ انصار آپکی جانی حفاظت کریں گے۔ شبلی صاحب کی نظر اگر وسیع ہوتی تو آپ یہ تفریق و تمییز قائم کرتے اور سمجھ لیتے کہ منع عن الشرک والسرقۃ والزنا والاجتناب

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو اسعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا بھائیو یہ بھی خبر ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلان جنگ ہے۔ سب نے کہا ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔

مفصلہ ذیل بارہ ۱۲ اشخاص جو نقیب انتخاب کئے گئے۔ رئیس القبائل تھے انکا اسلام قبول کرنا تمام اسلام کا قبول کرنا تھا۔

(۱) اسید بن حضیرؓ۔ جنگ بعاث میں انہیں کے باپ اوس کے سردار تھے۔

(۲) ابو الہیثم بن تیہانؓ۔

(۳) سعد بن خیثمہؓ جنگ بدر میں شہید ہوئے۔

(۴) اسعد بن زرارہؓ ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہ امام نماز تھے۔

(۵) سعد بن الربیعؓ جنگ احد میں قدم رسالت پر جان دے کر شہید ہوئے۔

(۶) عبد اللہ بن رواحہؓ مشہور شاعر تھے جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

(۷) سعد بن عبادہؓ معزز اور مشہور صحابی ہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں انہیں نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا

(۸) منذر بن عمروؓ جنگ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔

(۹) براء بن معرورؓ۔ بیعت عقبہ میں انصار کیطرف سے انہیں نے تقریر کی تھی آنحضرت صلعم کی ہجرت سے قبل انتقال کر گئے

(۱۰) عبد اللہ بن عمروؓ جنگ احد میں شہید ہوئے۔

(۱۱) عبادہ بن صامتؓ مشہور صحابی ہیں۔ ان سے اکثر حدیثیں مروی ہیں۔

(۱۲) رافع بن مالکؓ۔ جنگ احد میں شہید ہوئے۔

یہ بارہ شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے تھے رئیس القبائل تھے انکا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا صبح کو مکہ میں اس بیعت کی خبر پھیلی قریش انصار کے پاس آئے اور شکایت کی۔ انصار کیساتھ جو بت پرست تھے ان کو اس بیعت کی خبر نہ تھی اونھوں نے تکذیب کی کہ اگر ایسا ہوتا تو ہم سے کیونکر چھپ سکتا تھا۔

حاشیہ صفحہ دیگر۔ عن قتل الاولاد و الافتراء وغیرہ ذلک یہ تمام شرائط اسلام کے ابتدائی اصول دین ہیں انکا اقرار ہر بیعت میں لیا گیا ہے فتح مکہ کی اخیر بیعت میں بھی بیعت کرنیوالوں سے بھی اقرار لئے گئے تھے۔ اسی بنا پر یہ اصول بیعت کے شرائط مخصوص کیساتھ عام طور سے شریک کیا اسلئے بخاری نے عقبۂ ثانیہ میں بھی انکو لکھدیا اور اہل سیرت نے اس خیال سے کہ بیعت اولیٰ کے ذکر میں انکو لکھ چکے ہیں انکو تو نہ لکھا مگر مخصوص شرط کو اس غرض سے قلمبند کر دیا کہ اسکا اعادہ اور ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ شبلی صاحب یہیں سے فن تاریخ و سیرت اور فن حدیث کے اصول مختلفہ کو سمجھ لیں:۔

لیکن بخاری کی شرط اخیر کہ رسول اللہ صلعم جو اچھی بات کہیں گے اس سے سرتابی نہ کرینگے اسکو البتہ کسی تاریخ و سیر کے مؤلف نے نہیں لکھا ہے اور سمجھتے نہیں آتا کہ خدا کا رسول اچھی بات کو چھوڑ کر کبھی بُری بات کو بھی بتلاتا ہو جو صریح نقیض شان رسالت ہے۔ اس قسم کی بیعت شروط اور الفاظ مخصوصہ تو حکم عام اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ کے بالکل منافی ہے۔ فافہم و تدبر۔ المؤلف

سعد بن عبادہ پر قریش کے مظالم

شبلی صاحب کی کوتہ قلمی کا کوئی علاج نہیں۔ حالانکہ اس سلسلہ واقعات میں اسقاط و ابہام واقع ہوجاتے ہیں۔ جو شان تالیف اور تدین مؤلف کے مخالف ہے۔ آپ نے اوپر انہی حالات لکھکر۔ مابعد کے تمام واقعات مرفوع القلم فرما دئے معمولی دیکھنے والے بھی سمجھینگے کہ مسلمین انصار پر اُسکے بعد کوئی سختی یا تشدد نہیں گذرا وہ ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گھر چلے گئے۔ اور قریش نے بھی بت پرستان مدینہ سے استفسار کرنے کے بعد ان لوگوں سے کچھ مواخذہ نہیں کیا اور قطعی دست بردار ہوگئے۔ حالانکہ یہ سراسر خلاف حقیقت ہے قریش نے مشرکین مدینہ کے بیانات لینے کے بعد بھی انصار کی طرف سے اپنی تلاش و سُراغ رسانی کا سلسلہ موقوف نہیں کیا اور مسلمین انصار سے دو آدمیوں کو گرفتار کرلیا جن میں ایک سعد بن عبادہ تھے انپر جو مظالم ہوئے وہ بہت جلد بیان ہوتے ہیں۔

افسوس ہے کہ ان قابل الذکر واقعات کو جو انصار کے سلسلہ حالات کے جزو آخر اور ضروری الذکر تھے صرف اسلئے قلمزد کر دئے گئے کہ شبلی صاحب کے خود غرضانہ موضوع تالیف کے اصول خاص میں انصار کے اخبار و اذکار قابل استحفاظ و استناد کا نہیں خصوصًا سعد بن عبادہ جو بقول شبلی صاحب اول دعویدار خلافت ہوئے تھے اور ایسی ناقابل عفو جرم کے مجرم تھے

سعد بن عبادہ کی داستان مصیبت ابن ہشام کی زبانی حسب ذیل ہے

وخرجوا فی طلب القوم فادرکوا سعد بن عبادة باذاخر والمنذر بن عمرو اخا بنی ساعدة ابن کعب بن الخزرج و کلاهما کان نقیبا فاما المنذر فاعجز القوم فاما سعد فاخذوه فربطوا یدیه الی عنقه بنسع رحله ثم اقبلوا به حتی ادخلوه بمکة یضربونه ویجذبونه بجمّته وکان ذا شعر کثیر قال۔ اسعد انی لفی ایدیهم اذ طلع علیّ نفر من قریش فیهم رجل وضیّ ابیض شعشاع حلو من الرجال قال سعد بن عبادة قلت فی نفسی لان یک عند احد من القوم خیر فعند هذا فلما دنا منی رفع یده فلکمنی لکمة شدیدة قال قلت فی نفسی لا والله ما عندهم بعد هذا من خیر قال فوالله انی لفی ایدیهم یسحبوننی اذا اذا اری لی رجل ممن کان معهم قال ویحک اما بینک وبین احد من قریش جوار ولا عهد قال قلت بلی والله لقد کنت اجیر لجبیر بن مطعم تجارة وامنعهم ممن اراد ظلمهم

قریش کو دن نکلنے کے بعد پہنچنے کی معلوم ہوئی وہ اہل یثرب کی تلاش میں نکلے لیکن انکا قافلہ صبح ہی روانہ ہوچکا تھا قریش نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو وہاں پایا منذر تو بھاگ نکلا اور انکے ہاتھ نہ آیا مگر سعد بن عبادہ کو انھوں نے پکڑ لیا اُنکی سواری کے اونٹ کی تنگ سے انکی مشکیں باندھیں مکہ میں لاکر اُنھیں مارتے تھے اور اُنکے سر کے لمبے بالوں کو کھینچتے پھرتے تھے یہ سعد بن عبادہ وہی ہیں جنکو جناب سرور صلعم نے نقیب اسلام مقرر فرمایا تھا یہ اپنا واقعہ آپ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب قریش مجھے مار رہے تھے تو ایک سرخ و سفید اور شیریں شمائل شخص میرے پاس سے گذرا اُسے دیکھکر میرے دل میں خیال ہوا کہ اگر اس قوم میں کسی شخص سے میری بھلائی ہوسکتی ہے تو وہی ہوگا لیکن جب وہ میرے پاس آیا تو اُسنے میرے منہ پر بڑے زور سے طمانچہ لگایا اُس وقت مجھے یقین آگیا کہ ان لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے خیر کی امید کیجائے اتنے میں ایک شخص اور آیا اُسنے میرے حال پر ترس کھایا اور کہا کہ قریش میں سے کسی کیساتھ تجھکو شناسائی اور ربط نہیں ہے اور کسی شخص سے بھی تجھے یہاں عہد امان نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن عبد مناف کے بیٹے ہیں وہ تجارت

بیلادی للحرث بن حرب ایضا قال ویحك فاهتف باسم الرجلین ثم اذکر ما بینك وبینهما قال ففعلت و خرج ذلك الرجل الیهما فوجدهما فی المسجد عند الکعبة فقال لهما ان رجلا من الخزرج الآن یضرب بالابطح لیهتف بکما ویذکر ان بینه وبینکما جوارا قالا ومن هو قال سعد بن عبادة قالا صدق والله ان کان لیجیر لنا تجارنا ویمنعهم ان یظلموا ببلده قال فجاءا فخلصا سعدا من ایدیهم فانطلق ۔ ص ۱۵۵

کیلئے میرے یہاں برابر جایا کرتے ہیں میرے انکے شناسائی بھی ہے اور جبیر بن مطعم بھی میں نے اکثر ان کے جان و مال کی حفاظت کی ہے اور اس شخص نے کہا پھر انہیں دونوں آدمیوں کی دہائی کیوں نہیں دیتا اور انکو اپنی نصرت و حمایت کیلئے کیوں نہیں بلاتا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پھر وہی شخص ان دونوں کے پاس گیا، اور کہا کہ قبیلہ خزرج کا ایک آدمی گرفتار ہوکر مار کھاتا ہے اور غریب تمہارا نام لیکر پکارتا ہے۔ ان دونوں نے پوچھا وہ کون ہے اور اس نے بتایا نام تو اس نے بتایا وہ سعد بن عبادہ نام بتاتا ہے وہ دونوں بولے ہاں ہاں اسکا ہم دونوں پر بڑے احسان ہیں پھر وہ موقع پر پہونچے اور مجھکو چھوڑ دیا اور سعد ثابت قدم شخص یثرب کو چلا گیا۔

صاحب رحمۃ للعالمین اس واقعہ کے متعلق ذیل کی عبارت اس حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

سعد بن عبادہ کے حال سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ کیا سبق ملتا ہے؟ یہی کے اسلام کیساتھ ہی خدا کیطرف سے آزمائش شروع ہو جاتی ہے بھوک پیاس کی آزمائش قوم و ملک کی عداوت کی آزمائش ضرر جسمانی اور نقصان مال کی آزمائش وغیرہ وغیرہ اور جب کوئی شخص ان آزمائشوں میں پورا اترتا ہے۔ تب وہ خدا کے اس ابدی وعدہ کا مستحق ٹھہر جاتا ہے جو قرآن و انجیل و توراۃ میں مومنین سے کیا گیا ہے کہ انکی دنیا بھی عمدہ ہوگی۔ اور آخرت بھی عمدہ ہوگی۔ (ملخصاً از کتاب رحمۃ للعلمین ص ۷۶)

مرقومہ بالا عبارت سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ایک مولف نے اس واقعہ کو زائد از ضرورت سمجھکر مرفوع القلم کر دیا ہے اسکے خلاف دوسرے محقق نے اسکی نقل تفصیل کو ضروری الذکر سمجھ کر اس شرح و بسط سے قلمبند کیا ہے ظاہر ہے کہ مولف اول کی رائے اسکے مرفوع القلم کر دینے کی نسبت ضرور اسکی اپنی ذاتی اغراض پر مبنی تھی۔ اور مولف آخر نے بغیر کسی ذاتی اغراض و مطالب کے صرف اسلام کی صداقت اور متقدمین اسلام کے استقلال و استقامت کے اظہار مدعا کو مد نظر رکھکر اس واقعہ کو پوری تصریح کے ساتھ لکھدیا ہے۔ اگر تنہا شبلی صاحب نے اسپر اعتنا نہ فرمائی تو کیا سعد بن عبادہ کی اسلامی خدمات اسلام کی تمام کتابوں میں محفوظ ہیں اور انشاء اللہ ابد الآباد قائم و برقرار رہیں گے۔

صحابہ کو ہجرت مدینہ کی اجازت

شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

مدینہ کو اسلام میں پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلعم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدینہ تک نہ جا سکے یہ آیت انہیں کی شان میں ہے "

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ

کمزور مرد عورتیں اور بچے جو یہ کہتے ہیں کہ اے خدا ہمکو اس شہر سے

يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا | نکال لے کہ یہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں۔

شبلی صاحب جسطرح خاص خاص موقع پر کوتہ قلمی کے دلدادہ ہیں اُسی طرح خاص خاص حضرات کے گرویدہ بھی ہیں انکے ذکر اخبار میں آپکا کلک بیان بہت ہی وسیع البیان ہوجاتا ہے چونکہ اس واقعہ اور اس سے پہلے کے واقعہ خاص گروہ حضرات اور ان کے خدمات ہیں جن سے آپکو کم تعلق ہے۔ اسلئے سرے سے یہ واقعات ہی فرد بیان سے خارج کر دیئے گئے۔ لیکن ایک آزاد مؤلف اور خاصکر ایسے محقق کو جو بلا واسطہ و تعلق آزادی سے صرف اسلام کے واقعات کی ترتیب دیتا ہے اس تخصیص و تنقید اور قطع و برید کی ضرورت نہیں شبلی صاحب کیخلاف مولوی سید سلیمان صاحب مؤلف رحمۃ للعلمین نے ان واقعات کو مفصلہ ذیل عبارت میں کس تفصیل سے بیان کیا ہے۔

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مسلمانوں کو جو مکہ سے ابھی باہر نہیں گئے تھے لیکن اب جبر اتنے ظلم وستم ہونے لگے تھے کہ پیارا وطن انکے لئے آگ کا پہاڑ بنگیا تھا۔ یثرب چلے جانیکی اجازت دیدی۔ ان ایمان والوں کو گھر بار۔ خویش واقارب۔ باپ بھائی اور زن و فرزند کے چھوڑنے کا کوئی غم نہ تھا بلکہ خوشی یہ تھی کہ یثرب جاکر خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت پوری آزادی سے کرینگے۔ ان ہجرت کرنیوالوں اور گھر چھوڑنیوالوں کو قریش مکہ کی سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔

صہیب رومی پر مظالم | صہیب رومی رضی اللہ عنہ جب ہجرت کرکے جانیلگے تو کفار نے آگھیرا اور کہا صہیب جب تو مکہ میں آیا تھا تو مفلس قلاش تھا۔ یہاں ٹھہر کر تو نے ہزاروں کمائے آج یہاں سے جاتا ہے اور چاہتا ہے یہاں سے سب مال و زر لیکر چلا جائے۔ تو ایسا کبھی ہونیکا نہیں صہیب نے کہا اچھا۔ اگر میں سب اپنا سارا مال و متاع تمہیں دیدوں تب تو مجھے جانے دوگے قریش بولے ہاں حضرت صہیب نے سارا مال اُسیوقت دیدیا۔ اور دامن جھاڑ کر مدینہ کو روانہ ہوگئے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا صہیب نے اس سودے میں نفع کثیر کمایا بحوالہ ابن ہشام ص ۱۶۸

حضرت ام سلمہ پر مظالم | حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ میرے شوہر ابوسلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا مجھے اونٹ پر بٹھلایا میری گود میں میرا بچہ سلمہ تھا جب ہم چلے تو بنو مغیرہ نے آکر ابوسلمہ کو گھیر لیا۔ کہا تو جاسکتا ہے مگر ہمارے لڑکے کو نہیں لیجا سکتا اب بنو اسد بھی آگئے انھوں نے ابوسلمہ سے کہا کہ تو جاسکتا ہے۔ مگر بچہ کو جو ہمارے قبیلہ سے ہے تو نہیں لیجا سکتا غرض انھوں نے ابوسلمہ سے اونٹ کی مہار لے کر اونٹ بٹھلا دیا۔ بنو الاسد تو گود کے بچے کو ماں کی گود سے چھین کر لے گئے۔ اور بنو مغیرہ ام سلمہ رضی کو لے آئے ابوسلمہ جو دین کے لئے ہجرت کو فرض سمجھتے تھے زن اور بچہ کے بغیر مدینہ کو روانہ ہوگئے۔ ام سلمہ ہر روز شام کو اسجگہ پہونچ جاتیں جہاں وہ بچہ اور شوہر سے الگ کی گئیں تھیں گھنٹوں رو رو کر واپس آتیں۔ ایکسال تک اسی طرح روتے چلاتے گذر گیا۔ آخر ان کے چچا زاد بھائی کو رحم آیا۔ اور ہر دو قبائل سے کہکر ام سلمہ کو اجازت دلوادی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں۔ بچہ بھی انکو واپس دیدیا گیا یہ تنہا مدینہ چلی گئیں۔ ابن ہشام ۱۶۵

ہشام بن عاص اور عیاش پر مظالم حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ عیاش اور ہشام بھی میرے ساتھ مکہ سے مدینہ چلے عیاش تو روانگی کے وقت جائے مقررہ پر پہنچ گئے مگر ہشام کی بابت کفار کو خبر لگ گئی۔ ان کو قریش نے قید کر لیا عیاش مدینہ جا پہونچے کہ ابوجہل مع اپنے برادر حرث کے مدینہ پہونچا۔ عیاش انکے چچیرے بھائی تھے اور تینوں کی ماں ایک تھی۔ ابوجہل اور حرث نے کہا کہ تمہارے بیعۃ اللہ کی بری حالت ہو رہی ہے۔ اُسنے قسم کھائی ہے۔ کہ عیاش کا مُنہ دیکھنے تک نہ سر میں کنگھی کرونگی نہ سایہ میں بیٹھونگی اسلئے بھائی تم چلو اور ماں کو تسکین دیکر چلے آنا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے کہا عیاش مجھے تو یہ فریب معلوم ہوتا ہے تمہاری ماں کے سر میں اگر جوں پڑگئی تو وہ آپ کنگھی کریگی۔ اور اگر مکہ کی دھوپ نے ذرا بھی خبر لی تو وہ خود ہی سایہ میں بیٹھ جائیگی۔ میری تو یہ رائے ہے کہ تمہیں جانا نہیں چاہیے عیاش بولے نہیں میں والدہ کی قسم پوری کرکے واپس آجاؤنگا۔ عمر فاروقؓ نے کہا اگر اچھا یہی رائے ہے تو میرا ناقہ لیتے جاؤ بہت تیز رفتار ہے اگر راستہ میں تمہیں کہیں بھی ان سے شبہہ گذرے تو تم اس ناقہ پر بہت آسانی سے انکی گرفت سے بچ کر آسکو گے عیاش نے ناقہ لے لیا یہ تینوں چل کھڑے ہوئے ایکروز راہ میں مکہ کے قریب ابوجہل نے کہا ہمارا اونٹ تو تمہارے ناقہ کے ساتھ چلتے چلتے تھک گیا بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ سوار کر لو۔ عیاش بولا بہتر۔ جب عیاش نے ناقہ بٹھلایا تو دونوں صاحبوں نے اُسے پکڑ لیا۔ مشکیں کس لیں اور اسی طرح مکہ میں داخل ہوئے یہ دونوں بڑے فخر سے کہتے تھے کہ دیکھو بیوقوفوں کو یوں سزا دیا کرتے ہیں۔ اب انکو بھی ہشام علیحٰس کیساتھ قید کر دیا جب جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہونچ گئے تب حضور کی تمنا پوری کرنے کیلئے ولید بن مغیرہ مکہ میں آئے زندان خانہ سے دونوں کو شبا شب نکالکر لیگئے۔ ابن ہشام ص ۱۶۷۔ ج ۱۔

ان واقعات سے مہاجرین سابقین کے مصائب شدائد۔ جو حکم خدا و رسولؐ کی بجا آوری میں ان مظلومین کو ظلمہ وقت کے ہاتھوں اوٹھانے ہوئے تفصیل کے ساتھ ثابت ہوگئے۔ کیا ان میں سے ایک بھی شبلی صاحب کے لئے قابل الذکر نہیں تھا۔

ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكَ بِالْهِجْرَةِ

۱۳ سال نبوت سنہ ۱ ہجری

یہ واقعہ تمامتر بخاری صاحب کی مضمون آفرینی اور شبلی صاحب کی قلم آرائی کا نمونہ ہے اور اگر زیادہ تحقیق کیجائے تو علماء محدثین سواد اعظم کے طبائعیوں کا کامل دفتر جسکے مواد و اجزا کی ترتیب و تجمیع تو خلافت راشدہ کیوقت ہی سے آغاز ہوئی تھی۔ لیکن امیر معاویہ کی دوران حکومت میں اونکے فرمان شاہی کے ذریعہ سے ان تمام موضوعات کا اصل عقائد میں داخل ہونا۔ اور ارکان اسلام تسلیم کیا جانا تمام قلمرو اسلامی میں مشتہر اور نافذ کیا گیا۔ اور آئندہ حکومت امویہ و عباسیہ نے اسکو استقرار حکومت کا سب سے بڑا ضروری اور مستحکم ذریعہ یقین کرکے اس اہمیت کے ساتھ جاری کرایا۔ کہ یہ موضوعات اور مصنوعات حقیقی واقعات اور اصلی حالات پر سبقت لیگئے۔ لیکن باوجود اتنے طول و طویل انتظام و اہتمام حکومت کے انکی حقیقت اور اصلیت زمانہ

سے مٹنے والی بھی نہ تھی تفصیل قریب آتی ہے چونکہ ہمکو اس روایت کا مفیدانہ طریقہ سے انکشاف حقیقت کرنا ہے اسلئے ہم شبلی صاحب کی پوری عبارت حسب ذیل نقل کر دیتے ہیں۔

نبوت کا تیرہواں ۱۳ سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ میں پہونچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ یہ داستان نہایت پر اثر ہے اور اسی وجہ[۱۵] امام بخاری رحمتہ بھی باوجود اختصار پسندی نے اسکو خوب پھیلا کر لکھا ہے اور حضرت عائشہ رض کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہ اسوقت چھ سات برس کی تھیں۔ لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ صلعم کا اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ انھیں سے سنا ہوگا اور ابتدائے واقعہ میں خود بھی موجود تھیں۔ قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور ان کا اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انھوں نے دار الندوہ میں جو دار الشوریٰ تھا اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے روساء یعنی عتبہ۔ ابو سفیان۔ مطعم۔ نضر بن حارث بن کلدہ ابو البختری ابن ہشام۔ ربیعہ بن اسود۔ بن مطلب حکیم بن حزام۔ ابوجہل منبہ بن منبہ۔ امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ سب شریک تھے۔ ان لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں ایک نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پاؤں میں زنجیر ڈالکر مکان میں بند کر دیا جاوے۔ دوسرے نے جلاوطن کر دینا کافی ہے۔ ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص منتخب ہو اور پورا مجمع ایکبارگی ملکر تلواروں سے انکا خاتمہ کردے اس صورت سے ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جاویگا۔ اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ آخر اسی رائے پر اتفاق عام ہوگیا۔ اور جھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کرلیا

---

[۱۵] میری تمہیدی عبارت بیان کے ثبوت میں شبلی صاحب کا مرقومہ بالا عنوان کہ یہ پر اثر داستان ہے امام بخاری صاحب نے باوجود اختصار پسندی کے اسکو خوب پھیلا کر لکھا ہے وغیرہ وغیرہ کافی ہے شبلی صاحب خود بتلائیں کہ خاص اسوقت مختصر نویسی کیجگہ طول رقمی کیوں اختیار کی گئی اور تنگ بیانی کی جگہ وسعت بیانی سے کیوں کام لیا گیا؟ وہی ضرورت خاص اغراض نفسی۔ العاقل تکفیہ الاشارہ شبلی صاحب ہر پہلو پر خیال فرما چکے ہیں اور حضرت عائشہ کی کم عمری اور عدم صلاحیت نقل حدیث کا کس مزے سے فیصلہ کر دیتے ہیں کہ آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ سے سنا ہوگا۔ یہ ہوگا۔ کیا معنی معلوم ہوا کہ ان حدیثوں کے سمع میں آپ بھی تک مشکوک ہیں اور انکا استماع حدیث کو یقینی طور پر نہیں بلکہ ظن قیاس احتمال جانتے ہیں۔ اب دوسری طرف متوجہ ہوجئے اگر بفرض محال ایک حقیقت کا طالب ان حدیثوں کی نسبت حضرت عائشہ کے استماع کو صحیح بھی یقین کرے تو اعتراض یہ پیدا ہوگا کہ خصائص حضرت ابوبکرؓ ثابت کرنیکے لئے مروی حضرت عائشہ کہاں تک قابل اعتبار ہوسکتی ہیں کیونکہ آپ خوب جانتے ہیں کہ یہ فدک والا مسئلہ ہے حضرت علیؑ کی شہادت درباره خلافت میں قابل وثوق نہیں سمجھی گئی اسلئے کہ باپ کا قول بیٹے کے اثبات حقوق میں قابل اعتبار نہیں ہوسکتا پھر وہی اصول وحدود شہادت یہاں بھی قائم ہونگے اور شبلی صاحب نے تو اس اصول کی اس سختی کے ساتھ پابندی کی ہے کہ ایسی روایتوں کو بالتعلقات نسبی و نسبی صرف ارادہ و عقیدت کی کمیتی کیوجہ سے ساقط الاعتبار کردیا ہے چنانچہ بذیل ذکر غزوہ خیبر رقمطراز ہیں طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں نہ جم سکے اور آنحضرت صلعم کیخدمت میں شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے انکی نسبت خود یہی شکایت کی۔ اس روایت کو طبری نے جس سلسلہ سند سے روایت کی ہے اسکے راوی عوف ہیں انکو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب انکی روایت بیان کرتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ وہ رافضی اور شیطان تھا۔ یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن انکی شیعیت سب کو تسلیم ہے اور گو شیعہ

اہل عرب تو زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اسلئے باہر پہرے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریش کو اسقدر جبکہ عداوت تھی تاہم آپکی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس رکھواتا تھا اسوقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں تھیں جبکہ آپکو قریش کے ارادے کی خبر مل چکی تھی۔ اس بنا پر جناب امیرؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھکو ہجرت کا حکم آچکا ہے آج میں مدینہ روانہ ہوجاؤنگا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو صبحکو سب کی امانتیں جاکر واپس دے آنا۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپکے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کیلئے قتلگاہ فرش گل تھا۔

ہجرت سے دو تین سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے دستور کے موافق دروازے پر دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ کچھ مشورہ کرنا ہے سبکو ہٹا دو بولے کہ یہاں آپکے حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے اسوقت حضرت عائشہ سے شادی ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا کہ میرا باپ آپ پر فدا ہو۔ کیا مجھکو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا۔ ارشاد ہوا ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کیلئے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کر رکھی تھیں عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرمائیں محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہوسکتا تھا۔ ارشاد ہوا اچھا۔ مگر قیمت۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا۔ حضرت عائشہ اسوقت کمسن تھیں انکی بڑی بہن اسماء نے جو عبداللہ بن زبیر کی ماں تھیں سفر کا سامان کیا دو تین دنکا کھانا ناشتہ دان میں رکھا نطاق جسکو عورتیں کمر سے باندھتی ہیں۔ پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا موہنہ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا جسکی وجہ سے آجتک انکو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کفار نے جب آپکے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے انکو بیخبر کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکو سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا تو مجھکو دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھکو رہنے نہیں دیتے۔ حضرت ابوبکرؓ سے پہلے قرارداد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں پوشیدہ رہے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ نوخیز جوان تھے۔ شب کو غار میں ساتھ سوتے صبح منہ اندھیرے شہر میں چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ

بقیہ عبارت صفحہ دیگر۔ ہونیکے اعتباری کی دلیل ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب روایت میں حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے شیعہ کی زبان سے اس کا کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۵۶۔

اب شبلی صاحب کے اختیار کردہ اصول تنقید کے اور نیز اس شعار سلف قدیم کے حضرت عائشہ کی تمام مرویات نہ کبھی قابل التفات ہو سکتی ہیں اور نہ لائق اعتبار حقیقت شناس اور انصاف پسند تو جو برخود نپسندی دیگراں مپسند کے اصول زریں پر عمل پیرا ہوکر انکے تمام واقعات مرویہ کو موضوعات کا طومار سمجھیں گے۔ جیسا عنقریب ظاہر ہوتا ہے۔ ۱۲ المولف عفی عنہ،

قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے۔ حضرت ابوبکر کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا۔ آپ اور حضرت ابی بکر اُن کا دودھ پی لیتے۔ تین دن تک صرف یہی غذا تھی۔ لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے۔ کہ روزانہ شام کو اسماء گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہونچا آتی تھیں۔ اسی طرح تین راتیں غار میں گذریں بحوالہ بخاری باب الہجرت و مزید حالات منقول من باب مناقب المہاجرین۔

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں۔ تو پلنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بجائے جناب امیرؑ تھے۔ ظالموں نے ان کو پکڑا اور حرم میں لیجا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا۔ اور چھوڑ دیا۔ پھر آنحضرت صلعم کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آگئے۔ آہٹ پاکر حضرت ابوبکر غمزدہ ہوئے۔ اور آنحضرت صلعم سے عرض کی۔ کہ اب دشمن اس قدر قریب آگئے ہیں۔ کہ اگر اپنے قدم پر اُن کی نظر جائے۔ تو ہم کو دیکھ لیں گے۔ آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔

بہرحال۔ چوتھے دن آپ غار سے نکلے عبد اللہ بن اریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا۔ رہنمائی کے لیے اُجرت پر مقرر کیا گیا وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایکدن رات برابر چلے گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہوگئی۔ تو حضرت ابوبکر نے چاہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ میں آرام فرمالیں۔ چاروں طرف نظر ڈالی ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اُتر کر زمین جھاڑی۔ پھر اپنی چادر بچھائی۔ آنحضرت صلعم نے آرام فرمایا۔ تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو ملجائے۔ تو پائیں۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چراتا تھا۔ اُس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد وغبار سے صاف کرائے پھر اُس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دُہایا۔ دُودھ کے برتن پر کپڑا لپیٹ دیا۔ کہ گرد نہ پڑنے پائے۔ دودھ لیکر آنحضرت صلعم کے پاس آئے۔ اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا۔ آپ نے پی کر فرمایا کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا۔ آفتاب اب ڈھل چکا تھا۔ اس لیے آپ وہاں سے روانہ ہوئے (یہ پوری تفصیل حرف بحرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے) ہم نے تمام جزئیات اس لیے نقل کیے ہیں کہ اس سے حضرت ابوبکر کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

سراقہ کا قصہ قریش نے اشتہار دیا تھا۔ کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ابوبکر کو گرفتار کرلائے گا۔ اُس کو ایک خون بہا کے برابر یعنی سو اُونٹ) انعام دیا جاویگا۔ سراقہ بن جعشم نے سُنا تو انعام کی اُمید میں نکلا۔ عین اُس حالت میں کہ آپ روانہ ہو رہے تھے۔ اُسنے آپکو دیکھ لیا۔ اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا۔ لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیئے یا نہیں جواب میں نہیں نکلا۔ لیکن سو اُونٹوں کا گرانبہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاوے دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور آگے بڑھا۔ اب کی بار گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور پھر فال دیکھی۔ اب بھی وہی جواب تھا۔ لیکن مکرر تجربہ نے اُسکی ہمت پست کردی۔ اور یقین ہوگیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر قریش کے اشتہار کا واقعہ سُنایا۔ اور درخواست کی کہ مجھکو امن کی تحریر لکھد یجئے۔ حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے کنارے پر فرمان امن لکھدیا۔

عبارت حاشیہ زیریں (سراقہ بعد میں اسلام لائے۔ اور جب ایران فتح ہوا۔ اور کسریٰ کے زیورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے اُنھیں کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔

ایضاً حاشیہ زیریں ۲۵ (صحیح بخاری باب الہجرت النبی صلعم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی دوات و قلم ساتھ رہتا تھا۔ حسن اتفاق سے ہے۔ کہ حضرت زبیر شام سے تجارت کا مال لیکر آرہے تھے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر کی خدمت میں چند کپڑے پیش کیے۔ جو اُس بے سروسامانی میں غنیمت تھے (سیرۃ النبی جلد اوّل از صفحہ ۱۹۶ تا صفحہ ۲۰۰)۔

بخاری کی مرویات ہجرت کی حقیقت کا انکشاف

شبلی صاحب تو امام بخاری کے ترجمان ہیں سے آنچہ اُستاد ازل گفت ہماں می گویم لیکن حقیقت حال یہ ہے۔ کہ شبلی صاحب نے تمام رطب و یابس جو کچھ بھی صحیح بخاری میں ذخیرہ پایا اٹھا کر دیا تھا تو ضرور ہے کہ بمقابلہ اُن لغویات و حشویات کے جو طبرانی و بیہقی۔ سہیلی اور سمہودی وغیرہم نے انبار کیے ہیں یہ طومار کم ہے۔ لیکن تاہم تحقیق کا طالب جب ہجرت کی حقیقت اُسکی اصلی ضرورت اُس کے وقت وقوع کی موجودہ حالت کفار قریش کی بے انتہا مخالفت قتل رسول اللہ پر اُنکی مشورت اور اُسکے اقدام کی صورت اور جان رسولؐ کی خدا کی طرف سے رازدارانہ محافظت وغیرہ ان تمام اسباب و علل اور چاروں طرف کے حالات و واقعات پر غائر نظر ڈالتا ہے اُنکے ساتھ بخاری کی ان مرویات کو اُن سے ملاتا ہے۔ تو یہ داستان کی داستان گو بقول شبلی صاحب کتنی ہی پرفقر اور کیسی ہی پرلطف نہ ہو۔ بالکل واقعہ کے خلاف مصلحت کے برعکس مناسبت وقتی کے منافی ثابت ہوتی ہے تفصیل آگے آتی ہے بخاری کے دونوں باب کے (باب الہجرت النبیؐ و باب المناقب المہاجرین) ہر ہر جزئیات کی تفصیل کو۔ جسکو شبلی صاحب نے بلفظ نقل فرمانے کا اعتراف فرمایا ہے۔ پڑھ جائیے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واقعات ہجرت تو نہیں ہیں۔ حضرت ابوبکر کی صدیقیت اور صحابیت۔ حمایت اور رفاقت۔ خدمات اور رسولؐ پر احسانات کے رنگا رنگ مرقعوں کا نفیس البم تیار کیا گیا ہے۔ جب اس طلسمی مرقع میں جناب رسالت مآب صلعم کے پیکر نورانی کی زیارت کی جاتی ہے۔ تو اسیر حضرت ابوبکر کے احسان و امتنان کی زیر باری اور اُنکی مشورت و ہدایت کی متابعت کا رنگ ایک طرف افشائے راز خداوندی اور مصلحت و مناسبت وقتی سے خلاف ورزی کا گہرا شیڈ پڑا ہوا دوسری طرف صاف صاف نظر آتا ہے۔

بخاری صاحب تو فضائل و مناقب حضرت ابوبکرؓ کی مضمون آفرینیوں میں۔ اور شبلی صاحب اُن کی ریزہ چینیوں میں اتنے محو ہو گئے کہ حقیقت نویسی سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا۔ واقعہ تو تاریخ اسلام کا اتنا بڑا عظیم الشان ہے۔ لیکن آپ حضرات کے بیان میں نہ کہیں اسکے سال و ماہ وقوع کا پتا ملتا ہے۔ اور نہ تاریخ و روز وقوع کا نشان پایا جاتا ہے اگر صحیح بخاری سیرت و تاریخ کے موضوع کی کتاب نہ تھی۔ تو سیرۃ النبیؐ جلد اوّل تو ضرور اس صنف خاص کی تصنیف تھی۔ اس میں اسکی عدم موجودگی شبلی صاحب کے ایسے فاضل محقق کے لیے کیسی شرمناک فروگذاشت قرار پاتی ہے۔

ہم اُوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ اس موقع پر آپنے بخاری صاحب کی بالکل ترجمانی فرمائی ہے۔ جو صاحبان تحقیق کی نگاہ میں تقلید غلط سے بھی فروتر ہے۔ اسی بنا پر آپنے جو بخاری میں لکھا پایا ہے۔ عربی سے اُردو میں نقل و ترجمہ کر دیا۔ دریافت حقیقت اور تلاش اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس موقع پر شبلی صاحب نے حقیقتاً اپنی تالیف کی وقعت اور مؤلف ہونے کی حیثیت اور بھی گرا دی ہے۔ آپ کے دیباچہ کے عنوان اور اُسکی تحریری شان کو پڑھا جاوے اور اس موقع کے انداز تالیف اور طرز بیان سے ملایا جائے۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ ان دونوں تحریروں کا لکھنے والا ایک ہی شخص ہے۔

لیکن ہر امر کے لیے ایک سبب خاص ہوتا ہے۔ شبلی صاحب کی اس فروگذاشت کا سبب خاص بھی وہی ہے۔ جو اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ امام بخاری کی متابعت اور تقلید اسلاف کی مطابقت میں محو ہو کر آپ اپنی مؤلفانہ اور محققانہ شان و حقیقت بھی بھول گئے۔ اور سیرت و تاریخ کی کتاب لکھتے ہوئے اتنے بڑے عظیم واقعہ کی تعیین ماہ و سال کو متروک فرما گئے۔ حالانکہ تمہیدی عبارت میں صحابہ کو حکم ہجرت دیئے جانے کے موقع پر اتنا لکھ چکے تھے۔ کہ نبوت کا تیرواں سال شروع سال تھا ص ۱۹۶

لیکن راس المہاجرین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ہجرت کی تفصیل کرتے وقت آپکو نہ دن کا خیال رہا نہ ماہ و سال کا۔ اگر ماہ و تاریخ و روز نہیں لکھا تھا تو صرف اُسی عبارت مندرجہ کا اعادہ کر دیا ہوتا کہ نبوت کا تیرہواں سال شروع تھا یہ تمام اسباب و علل بتلا رہے ہیں کہ آپکو واقعیت کے ساتھ دلچسپی نہیں ہے بلکہ آپ کسی خاص امر کی طرف اُنکی متعلق زیادہ متوجہ ہیں

بہرحال شبلی صاحب کو بخاری صاحب کی نقل و ترجمانی کرنا ہے۔ اور ہمکو سیرت و تاریخ کے موضوع پر اپنی تالیف کو ترتیب دینا ہے۔ اسلیئے اس واقعہ کی تفصیل سے پہلے ہم اس کے وقوع کی تعیین ماہ و سال کو ضروری سمجھتے ہیں اور لکھ کر بتلا دیتے ہیں۔ کہ دُنیائے اسلام میں ہجرت رسول اللہ صلعم کا عظیم الشان واقعہ چھبیسویں تاریخ ماہ صفر کا دن تمام ہو کر روز پنجشنبہ ۱۳ھ سال نبوت مطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء میں ظہور پذیر ہوا بقول شبلی صاحب ؎ ہمہ ورق کہ سیہ گشت مدعا اینجاست

تمہیداً اتنا لکھکر ہم اصل واقعات کے انکشاف حقیقت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور امام بخاری کی مضمون تراشی اور شبلی صاحب کی نقاشی کی اصلیت مفصلۂ ذیل عبارت تنقیدی میں دکھلاتے ہیں۔

واقعہ شب ہجرت حقیقتاً سر عظیم تھا۔ شبلی صاحب اور اُنکے اسلاف قدیم نے عقبہ کی دونوں بیعتوں کے واقعات کو بڑے حزم و احتیاط اور کمال ہوشیاری اور رازداری سے تعمیل کیا جاتا لکھا ہے۔ مگر واقعہ ہجرت کو جو اُسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اُن دونوں واقعات کے صرف دو مہینوں بعد ظہور پذیر ہوتا ہے ایسا عام کر دیا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا حزم و احتیاط ہر کس و ناکس سے اتنے بڑے راز الٰہی ہی کو افشا کرتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ صورت حال بتلا رہی ہے کہ انصار مدینہ کی بیعت کرنیکی خبر پاکر جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے کفار قریش کی مخالفت رسول اللہ صلعم پہلے سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔ تو کیا معمولی سے معمولی عقل و دماغ والا شخص بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسا مدبر و حکیم الٰہی اور خدا کا رازدار و امین۔ جو تمام دنیا کے لوگوں سے بہتر موقع شناس اور مصلحت اندیش ہو۔ واسطرح اتنے بڑے اور

ضروری راز الٰہی کو عام طور سے فاش کر دے۔ کہ قبل از نزول حکم ہجرت۔ بروایتے چار روز اور بروایتے مہینوں پیشتر اُس راز سے لوگوں کو آگاہ کر دے۔ اس بنا پر قبل و بعد حکم ہجرت اس سر عظیم الٰہی کا افشا کر دینا ذات مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صریح اتہام ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے گھر آکر ہجرت کے متعلق مشورت اور انتظام

اس روایت کا ماحصل یہ ہے۔ کہ حضرت دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے یہاں تشریف لائے۔ اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ ہمکو بھی ساتھ لیجئے۔ آپ نے منظور کر لیا۔ لیکن افسوس بخاری صاحب کی یہ روایت اسقدر خلاف واقعیت واقع ہوئی تھی۔ کہ آخر ابن حجر عسقلانی شارح بخاری کے ایسے موید و مقلد بخاری نے بھی اس واقعہ کو بالتمامہ خلاف واقع اور ساقط از اعتبار سمجھا۔ اُن کی عبارت حسب ذیل ہے۔

ولابن عباس حديث اخر لعلة امس بالمراد اخرجه احمد والحاكم من طريق عمرو بن ميمون عنه قال كان المشركون يرمون عليا وهم يظنون انه النبي صلعم فجاء ابوبكر فقال يا رسول الله صلعم فقال له علي انه انطلق نحو بئر ميمون فادركه قال فانطلق ابوبكر فدخل معه الغار الحديث واصله في الترمذي والنسائي ۔ فتح الباري شرح صحيح البخاری

ابن عباسؓ کی دوسری روایت زیادہ مناسب واقعہ ہے اس مقام سے جسکو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے عمرو بن میمون سے روایت کی ہے کہ بعد تشریف بری جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مشرکین حضرت علی علیہ السلام پر پتھر برسا رہے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ لیٹے ہوئے ہیں کہ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے۔ اور جناب امیرؑ کو آنحضرت سمجھ کر کہا۔ یا رسول اللہ۔ تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ رسول اللہ صلعم تو بیر میمون کی طرف تشریف لیگئے۔ تم بھی جاکر مجاؤ۔ ابوبکرؓ اُدھر روانہ ہوئے۔ اور حضرت کے ساتھ داخل غار ہوئے۔ الحدیث اور اصل اسکی ترمذی و نسائی میں ہے۔

اب نہ بخاری صاحب موجود ہیں جو تبلائیں۔ اور نہ شبلی صاحب ہیں جو ارشاد فرمائیں کہ اس روایت ترمذی و نسائی کے سامنے آپ حضرات کی داستان طرازی اور افسانہ سازی کیا ہوئی کیونکہ آپ حضرات نے حقیقت و اصلیت واقعہ کے خلاف صرف اپنے معتقدانہ اُصول کی بنا پر جن قصص و حکایات کے عنوان باندھے تھے۔ اور پھر اُنسے شاخ در شاخ مضامین تراشے تھے۔ وہ اصلاً اور عقلاً کچھ بھی نہیں تھے۔ کیونکہ ابن حجر شارح بخاری کی مرقومہ بالا عبارت سے صاف طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حقیقتاً نہ حضرت ابوبکرؓ کو کسی قسم کی اطلاع دی تھی اور نہ اُن سے صلاح و مشورت کی تھی۔ کیونکہ دفعتاً حکم ہجرت آجانیکے بعد آپ کو ان اُمور کے لئے وقت کہاں تھا۔ جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے آئندہ معلوم ہوتا ہے بلکہ حکم ہجرت پاتے ہی آنحضرت صلعم فوراً غار کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کے تشریف لیجانے کے بعد محض بطریق معمول آئے۔ اور جناب امیرؑ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سبز چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے۔ رسول اللہ سمجھے اور یا رسول اللہ کہکر پکارا۔ جناب امیرؑ اُن کی غلط فہمی کو سمجھ گئے۔ فرمایا۔ جناب رسالتمآب صلعم تو بیر میمون کی طرف تشریف لیگئے۔ اگر تمھیں خواہش ہو تو جاؤ۔ جب آخر وقت تک آنحضرت صلعم کی نقل و حرکت کی کوئی خبر و اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو ہونا اس روایت سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔ تو آنحضرت صلعم کا اُنکے گھر جانا۔ مشورہ فرمانا وغیرہ وغیرہ تمام مکالمات اور انتظامات جو کتابوں میں منقول ہیں۔ رسول اللہ صلعم پر صریح اتہام نہیں تو اور کیا۔ رہا اب اس امر کا ثبوت کہ حضرت

ابوبکر کی عدم اطلاع کی یہ حالت جو ابن جریر کے اس روایت سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ صرف ابن جریر نے بطریق منفرد لکھی ہو یا اور محدثین و مورخین نے بھی بطور تواتر اپنی تصنیفات میں درج کیا ہے۔ اس کے متعلق مفصلۂ ذیل اسناد ملاحظہ ہوں۔

لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ابن جریر نے موجودہ روایت کو امام احمد بن حنبلؒ اور امام حاکمؒ کے اسناد سے لکھا ہے جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ان دونوں امامانِ حدیث نے اسواقعہ کو مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اور اصل عبارت حدیث کو صحیحین ترمذی و نسائیؒ سے متخرج و مستنبط بتلایا ہے۔ اس بنا پر یہ روایت امام ترمذی۔ امام نسائی منجملہ کتب صحاح اور امام احمد بن حنبل اور امام حاکم مجموعاً پانچ چھ آئمہ کبار محدثین کی مصدقہ و مسلمہ تو ثابت ہو گئی اب چھٹی سند اسکی تفسیر درمنثور امام سیوطی جلد دوم ص ۲۴۰ کی حسب ذیل عبارت میں ملاحظہ کی جاوے۔

اخرج ابن مردویہ وابونعیم فی دلائل النبوۃ عن ابن عباس قال لما خرج رسول اللہ من اللیل لحق بغار ثور قال واتبعہ ابوبکر فلما سمع رسول اللہ من خلفہ خاف ان یکون الطلب فلما رای ذلک ابوبکر تنحنح فلما سمع ذلک رسول اللہ عرفہ فقام لہ حتی تبعتہ فاتباع الغار ذلک۔ درمنثور ج ۳ ص ۲۴۰	ابن مردویہ اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلعم شب کو مکان سے باہر نکلے اور قریب غار پہونچے تو آپ کے پیچھے ابوبکر بھی آرہے تھے حضرت نے جب اُنکی آہٹ سُنی۔ تو خوف ہوا۔ کہ کوئی پکڑنے والا تو نہ ہو۔ ابوبکر نے کھنکارا۔ تو حضرتؐ نے آواز سے پہچانا۔ اور کھڑے ہو گئے یہانتک کہ دونوں وہاں سے ساتھ ہو گئے۔ اور پھر اسی طرح غار تک پہونچے۔

اس روایت نے تو بخاری صاحب کی قلمکاریوں کی اور قلعی کھولدی۔ اور بتلا دیا کہ حضرت ابوبکر کی شرکت یا رفاقت جو کچھ بھی وہ نہ آنحضرت صلعم کی اجازت سے تھی۔ نہ آپکی مرضی سے۔ بلکہ یہ آپکے بلا رضا و اجازت آپکے ساتھ ہوئے تھے۔ اسی لئے اُنکی آہٹ پاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دشمن کے تعاقب کرنیکا گمان پیدا ہوا جسکو خود ابوبکر بھی سمجھ گئے اور کھنکار دیئے اب یہ کون پوچھے کہ بقول زرقانی مہینوں پیشتر اور بروایت بخاری ذہلی صاحب ہجرت سے دو تین روز پیشتر جو رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر کے فیما بین ہجرت کے متعلق صلاح و مشورت ہوئی تھی اسکا نتیجہ کیا یہی تھا کہ ایک کو دوسرے کی نقل و حرکت کی خبر تک نہ ہو اور ایسی لاعلمی ہو کہ ضرورت معلومہ کیلئے وقت موعودہ پر حضرت ابوبکر کو آتے ہوئے دیکھکر بھی آنحضرت صلعم نہ پہچان سکیں

امام بیہقی کی عبارت بھی اُسی درمنثور ص ۲۴۱ میں ملاحظہ ہو۔

اخرج البیہقی فی الدلائل و ابن عساکر عن حلیۃ بن محصن العبری قال قلت لعمر بن الخطاب انت خیر من ابوبکرؓ فبکی قال واللہ للیلۃ من ابی بکر ویوم خیر من عمر ھل لک ان احدثک بلیلۃ و یومہ قال قلت نعم یا امیر المؤمنین قال اما لیلہ فلما خرج رسول اللہ ھاربا من مکۃ لیلاً	بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن عساکر حلیہ میں محصن عبری سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم نے عمر سے کہا۔ آپ بہتر ہیں ابوبکر سے؟ تو حضرت عمر رونے لگے اور کہنے لگے قسم خدا کی ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن بہتر ہے عمر سے۔ رات تو وہ کہ جس شب کو حضرت مکہ سے گریزاں ہوئے ہیں۔ تو ابوبکر نے تعاقب کیا۔ اور آگے کبھی ہو جاتے تھے اور کبھی

فتبعہ ابو بکر فجعل یمشی مرۃ امامہ و مرۃ خلفاً و مرۃ عن یمینہ و مرۃ عن یسارہ۔

آپ کے پیچھے چلنے لگتے تھے کبھی داہنی طرف چلنے لگتے تھے اور کبھی بائیں طرف ہو جاتے تھے۔

دیکھیے حضرت عسکری کی اس روایت نے بھی بخاری والی صورت اور بجالت اور انتظام و اہتمام سفر وغیرہ کی تمام پیش بندیوں پر خاک ڈالدی اور کچھ ذکر نہ کیا اب تیسری روایت اُن مرقومہ بالا پانچ روایتوں کے علاوہ۔ تاریخ طبری کی حسب ذیل ہے۔

ان ابا بکر اتی علیاً فسئلہ عن نبی اللہ فاخبرہ انہ لحق بالغار من ثور و قال ان کان لک فیہ حاجۃ فالحقہ فخرج ابو بکر مسرعاً فلحق نبی اللہ فی الطریق فسمع رسول اللہ جرس ابی بکر فی ظلمۃ اللیل فحسبہ من المشرکین فاسرع رسول اللہ المشی فانقطع قبال نعلہ ففلق ابہامہ حجر فکثر دمھا و اسرع السعی فخاف ابو بکر ان یشق علی رسول اللہ فوضع صوتہ و تکلم تعرفہ رسول اللہ صلعم فقام اتاہ فانطلقا و رجل رسول اللہ لستن دماً حتی انتھی الی الغار الصبح۔ تاریخ طبری ص ۲۴۴ مصر

حضرت ابو بکر حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ اور حضرت رسول خدا صلعم کا حال دریافت کیا حضرت علیؓ نے کہا کہ حضرت غار ثور کی طرف تشریف لیگئے اگر تم کو کچھ مطلب ہو تو جاکر آپسے ملجاؤ حضرت ابو بکر نہایت سرعت سے اُدھر چلے۔ حضرت کو اُنکے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی تو آپ نے اُنکو کوئی مشرک تعاقب کنندہ خیال کیا، اور اس وجہ سے آپ دَوڑ کر چلنے لگے۔ یہانتک کہ نعلین مبارک کے آگے والا بند ٹوٹ گیا۔ اور حضرت کا انگوٹھا شگافتہ ہوگیا۔ جس سے بہت سا خون بہا مگر پاس ہمہ آپ دوڑتے جاتے تھے۔ تب ابو بکر کو خوف ہوا کہ حضرت کو اس سے بھی زیادہ تکلیف و صدمہ پہونچے۔ تو ابو بکر نے اپنی آواز بلند کی، تو آنحضرت صلعم اُن کو پہچان کر کھڑے ہوگئے۔ یہانتک کہ ابو بکر بھی آگئے اور ساتھ چلے اور رسول اللہ صلعم کے پاؤں سے خون جاری تھا یہانتک کہ صبح ہوتے غار تک پہونچے۔ طبری جلد دوم

اصل واقعہ تو یہ ہے جسکی اصلی صورت بدلکر مصنوعات و موضوعات کے رنگا رنگ نقاب چڑھائے گئے ہیں اور اُنھیں رنگ آمیزیوں کیوجہ سے بخاری صاحب کی مرویات کو تاریخ و سیرت کے سندجات پر ترجیح دیگئی ہو یہ ظاہر ہے کہ بخاری صاحب کو حقیقت واقعہ کے تحفظ سے زیادہ استحکام عقائد کی ضرورت تھی جسکیلئے وہ ذمہ دار تھے بخلاف انکے ایک سیرت نویس اور تاریخ نگار کی نظر واقعہ کی اصلیت اور حقیقت پر رہیگی اور کسی واقعہ کی تفصیل و بیان میں حفظان عقائد وغیرہ کا پابند نہیں۔ تو پھر سویدان بخاری کی تمناؤں کے خلاف طبری کی روایت و عبارت میں ان افسانہ سازیوں کا کہا نشان ملے گا اسلیے ضرور تھا کہ حدیثوں کی مرویات کو تاریخوں کے واقعات پر ترجیح دی جاوے۔ لیکن مشکل یہ پڑی کہ حدیثوں میں اور خصوصاً صحیحین ترمذی و نسائی میں بھی یہ روایتیں موجود ہیں اس مجبوری سے صحیح بخاری کو جملہ صحاح پر ترجیح دینی ضرور ہوگی۔ اب جب انہی متواتر شہادتوں سے واقعہ ہجرت کی اصل حقیقت معلوم ہوگئی تو ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ امام بخاری نے اصل واقعہ کو چھپایا اور اسکی جگہ ایسی روایت بنائی جو نہ نقلاً ثابت ہو سکتی ہو اور نہ عقلاً۔

نقل کی حقیقت تو نقل ہو چکی۔ اب عقل کی یہ صورت ہے کہ کوئی معمولی عقل و فہم والا شخص بھی نہیں یقین کرسکتا کہ ایسے وقت میں جو آنحضرت صلعم پر انتہائے مصیبت کا تھا۔ کہ ایک طرف ظلم کفار سے خود تنگ تھے۔ دوسری طرف بیابان پیش نظر تھے کہ آپکے قتل کیے جانیکی تمام ترکیبیں تیار ہو چکی تھیں۔ پانچ قبیلوں کے بیرحم قاتل منتخب ہو چکے تھے دو تسرا کا محاصرہ

ہو چکا تھا۔ کہ ہجرت کا حکم پہونچا۔ ایسے تنگ وقت پر خوف عالم اور قیامت خیز موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسکی فرصت کہاں تھی۔ کہ حضرت یہ سب سامان کرتے۔ ابوبکر کے گھر جاتے اور اطمینان سے سفر ہجرت کے متعلق مشورہ فرماتے۔

اب وقت کی تنگی کا ثبوت تفسیر معالم التنزیل کی مفصل ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

فاتی جبرئیل النبی صلعم فاخبرہ بذلک (الشوری) المشرکین و امرہ ان لا یبیت فی مضجعہ الذی کان فیہ فاذن اللہ لہ عند ذلک الخروج الی المدینۃ فامر رسول اللہ صلعم علی بن ابی طالب ان یبات فی مضجعہ وقال ابو الشیخ ببردی ھذا فانہ لن یخلص الیک منھم شئ نکرھہ تخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاخذ قبضۃ من تراب فاخذ اللہ ابصارھم عنہ فجعل ینثر التراب علیٰ رؤسھم وھو یقرء انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا الی قولہ فھم لا یبصرون۔ معالم التنزیل

جب کفار نے مشورہ کیا (مشورائے قتل آنحضرت) تو حضرت جبرئیل نے آکر خبر دی اور کہا آج کی رات جہاں آپ سوتے ہیں وہاں نہ سوئیے۔ کیونکہ خدا نے اسی وقت آپکو مدینہ چلے جانیکے حکم دیا ہے۔ اُسیوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہماری خوابگاہ پر سو رہو اور ہماری چادر اوڑھ لو تمہیں کوئی نقصان نہ پہونچے گا۔ پھر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے باہر نکل آئے۔ اور ایک مٹھی خاک اُن لوگوں پر (جو بیت الشرف کا محاصرہ کئے تھے) ڈالدی خدا نے اُن کو آنکھوں کا اندھا کر دیا کہ وہ آپ کو تشریف لیجاتے ہوئے مطلق نہ دیکھ سکے۔ اور آنحضرت صلعم آیۂ وافی ہدایہ۔ اِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا تا فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ تلاوت فرماتے ہوئے نکل گئے۔

معالم التنزیل کی مرقومہ بالا عبارت نے فی الحقیقت حال کا پورا انکشاف کر دیا اور بتلا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنا وقت کہاں تھا۔ اور وقت نزول حکم ہجرت سے ایک لمحہ پہلے آپکو اس کی خبر کب تھی کہ آپ اس کی نسبت کسی سے صلاح ومشورہ کرتے یا سفر کا انتظام فرماتے۔ تفسیر قرآن کی عبارت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ نزول حکم ہجرت تک آپکو اسکا مطلق علم نہیں تھا۔ دفعتاً ہجرت کا حکم آتا ہے۔ اور فوراً مدینہ چلے جانیکا فرمان صادر ہوتا ہے۔ اور آپ اُسیوقت حضرت علی مرتضیٰ کو خوابگاہ پر سلا کر اور اپنی ردائے مبارک اُوڑھا کر دولت سرا سے بقصد مدینہ غار ثور کیطرف تشریف لیجاتے ہیں۔ چشم زدن میں تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔ حکم بھی آتا ہے۔ تعمیل بھی ہو جاتی ہے۔ اور آپ حسب الحکم اُسیوقت بقصد مدینہ گھر سے باہر نکلجاتے ہیں پھر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنا وقت کہاں رہتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جائیں اُنکو اس امر کی اطلاع دیں۔ رفاقت ومشارکت سفر کی بشارت پہونچائیں۔ فیمابین سفر کی صلاح ومشورت ہو۔ راحلہ اور زاد راہ کے انتظام درست ہوں گھوڑے دو نوپرورده ناقے پیش ہوں۔ قیمت چکائی جائے۔ بقول واقدی ناشتہ کیلئے ایک پوری بکری کا گوشت بھونا جائے اور ساتھ کیا جائے۔ ان تمام افسانہ تراشیوں کو اُسوقت کی حالت اضطراب اور عالم انتشار حکم الٰہی کے فوری نزول اور اسکی فوری تعمیل کی مصلحت خاص ہے۔ جس سے صرف حفاظت جان رسولؐ مقصود تھی کوئی مناسبت اور کوئی تعلق نہیں پایا جاتا ہے اور کیا کوئی سر میں دماغ اور دماغ میں عقل رکھنے والا شخص کبھی ایسا گمان بھی کر سکتا ہے کہ جس امر عظیم کو مدبر قدرت

نے اس احتیاط و رازداری سے مخفی رکھا ہو کہ وقت نزول حکم تک اسکی اطلاع رسولؐ کے ایسے امین و رازدار کو نہ کی ہو اور نزول حکم کے ساتھ فوری تعمیل کی تاکید بھی فرمادی ہو۔ وہ راز عظیم اس بے پروائی۔ بے باکی اور آزادی سے طشت از بام کیا جائے۔

جب طالبان تحقیق اس راز عظیم کی اہمیت کو ایک طرف رکھتے ہیں اور بخاری صاحب کی زبانی اسکی عملی صورت کو دوسری طرف رکھتے ہیں۔ اور فی مابین مصلحت خداوندی اور مناسبت وقتی کو پیش نظر رکھکر مقابلہ کرتے ہیں تو میں صاف صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ تمام فسانہ سازیاں اور افترپردازیاں صرف حضرت ابوبکر کی مدح سرائی اور مرتبہ افزائی کی غرض خاص سے کی گئی ہیں۔ ورنہ ان موضوعات کی نہ کوئی اصلیت ہے۔ اور نہ ان مصنوعات کی کوئی حقیقت۔

سب سے زیادہ حسرت و عبرت تو اسلام کے اُن علمائے کبار کی ناعاقبت اندیشی پر یہ ہے کہ جو واقعہ قرآن مجید کے الفاظ ربانی میں باین صراحت مذکور ہوا اسکو بھی یہ حضرات ایسی رنگ آمیزی سے بیان کرتے ہیں کہ اُنکی تمام تفصیل و بیان فسانہ عجائب کی داستان معلوم ہوتی ہے۔

خداوند عالم اس واقعہ کو سورۂ انفال میں باین الفاظ ارشاد فرماتا ہے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ	جس وقت کافر لوگ تم سے مکر کرتے تھے کہ تم کو قید کریں یا قتل کر دیں یا نکال باہر کر دیں۔ وہ وہ مکر کرتے تھے اور خدا انکے مکر کا جواب دیتا تھا اور وہ بہتر جواب دینے والا ہے مکر کا

دشمن کے جواب مکر میں جب مدبر قدرت اس عجلت و سرعت کے ساتھ اپنی حکمت و تدبیر کو عمل میں لا رہا ہے۔ تو پھر اسوقت اتنی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے۔ اور اتنا موقعہ کہاں ہاتھ آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم ابوبکر کے پاس جائیں۔ مشورہ فرمائیں یا سامان سفر وغیرہ درست کرائیں بلکہ تدبیر الٰہی کا اقتضا و مدعا تو اسیقدر تھا۔ کہ آپ حضرت علیؑ کو بستر مبارک پر سلا کر دولتسرائے عالی سے جتنا جلد ممکن ہو نکل جائیں اور آئندہ اپنے تمام معاملات کو تدبیر الٰہی کے حوالہ فرمائیں

خدا ہی سب سے اچھا رفیق۔ اور سب سے بہتر مددگار ہے۔ یہی شان رسالت بھی تھی۔ اور یہی شایان رسالت بھی جیسا کہ معالم التنزیل کی مرقومہ بالا عبارت سے معلوم ہو چکا۔ اور مفصلہ ذیل عبارت سے اور بھی بالتفصیل معلوم ہو جائے گا۔

وخلف علیا بمکۃ حتی یودی عنہ الودایع التی قبلھا و کانت الودایع یودع عنہ لصدقہ و امانتہ و بات المشرکون یحرسون علیا فی فراش رسول اللہ صلعم یحسبون انہ النبی فلما اصبحوا ثاروا الیہ فراوا علیا فقال این صاحبک قال لا ادری فاقتفوا اثرہ وارسلوا فی طلبہ معالم التنزیل ص ۳۸۱	حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام کیا کہ جو امانتیں حضرت صلعم کے پاس لوگوں کی تھیں انکو ادا کر دیں۔ کیونکہ آنحضرت کی صدق و امانت پر اعتبار کر کے لوگ اپنی امانتیں آپکے پاس رکھوایا کرتے تھے۔ اور مشرکین قریش رسول اللہ پر علیؑ کا پہرہ دے رہے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ یہی نبی خدا ہیں۔ جب صبح ہوئی تو سب کفار ادھر متوجہ ہوئے چادر اٹھائی تو دیکھا علیؑ ابن ابیطالب ہیں

پوچھا تمہارے آقا کہاں گئے۔ فرمایا ہم نہیں جانتے۔ تو سب لوگ حضرت کا نشان لگاتے ہوئے چلے اور لوگوں کو حضرت کی جستجو میں روانہ کیا۔

ہم نے قرآن اور تفسیر دونوں کی عبارتوں کو لکھدیا۔ اب ان عبارتوں کو بخاری صاحب کی تراشیدہ مضامین سے ملایا جاوے تو صاف طور سے ظاہر ہو جاویگا کہ اس واقعہ کے متعلق تفسیر قرآن کی عبارت۔ مکر کفار کے جواب میں صرف تدبیر الٰہی و حضرت علیؑ کی ایثار

نفسی کے واقعات بیان کرتی ہے بخلاف اسکے بخاری صاحب حضرت ابوبکرؓ کی مدح و ثنا کی داستان سنائے جاتے ہیں حقیقت واقعہ کی اصلی صورت کو چھپائے جاتے ہیں اور تمام و کمال واقعات میں حضرت علیؑ کی ان عدیم المثال اور فوق الکمال خدمات کا کہیں ذکر بھی نہیں کرتے ایسے تمام اسلامی دنیا نے بخاری صاحب کی خودغرضانہ جانبداری اور طرفدارانہ قلمکاری کو دیکھ لیا اور سمجھ لیا۔ اب اس روایت بخاری کے دوسرے موضوعات کے انکشافات حسب ذیل ملاحظہ ہوں۔

اسی روایت کا دوسرا طریقہ اسناد

بخاری صاحب باب الہجرت میں دوسری روایت یوں شروع کرتے ہیں قال ابن شہاب اسنادندارد کہاں ابن شہاب غالباً امام زہری) کہاں زمانہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب سوال یہ ہے کہ بخاری نے کس سے سنا خیریت ہے آپ تو ابن شہاب یا زہری کے وقت میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ابن حجر صاحب شرح بخاری کو جب کچھ کہتے سنتے نہ بنا تو بالآخر مجبور ہو کر اپنی شرح میں لکھدیا بالاسناد المذکور یعنی اسی سند سابقہ سے جو اوپر والی روایت میں مذکور ہے

۱ استغفر اللہ بخاری کی کتنی حقیقت اور انکا کیا وجود جو اصلیت یا حقیقت کو چھپا دیں اور وہ چھپی رہے ملاحظہ ہو امام فخر الدین رازی کی عبارت جو انہوں نے اس واقعہ کے متعلق تفسیر کبیر میں قلمبند فرمائی ہے بات علی بن ابی طالب علی فراش رسول اللہ لیلۃ خروجہ الی الغار ویروی انہ نام علی فراشہ قام جبرئیل عند راسہ میکائیل عند رجلیہ وجبرئیل ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب باھی اللہ بک الملٰئکۃ ونزلت الآیۃ وَمَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ یعنی جب حضرت علی ابن ابیطالب شب ہجرت فرش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے تو حضرت جبرئیل بغرض محافظت آپکے سرہانے تھے اور میکائیل پائنتی اور جبرئیل ندا کرتے تھے مبارک ہو مبارک ہو کون ہے مثل تیرے اے پسر ابیطالب کہ خدا تیری ذات سے مباہات کرتا ہے ملائکہ پر پھر یہ آیت در مرقوم اتری۔

تفسیر کے بعد تاریخ و حدیث کی شہادتیں بھی ملاحظہ ہوں۔ تاریخ خمیس جلد اول ص ۳۴۷ میں مرقوم ہے قال الغزالی فی الاحیاء ان لیلۃ بات علی بن ابی طالب علی فراش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوحی اللہ تعالیٰ الی جبرئیل ومیکائیل انی آخیت بینکما وجعلت عمر احدکما اطول من عمر الآخر فایکما یوثر صاحبہ بالحیاۃ فاختار کلاھما الحیاۃ فاحیاھا فاوحی اللہ الیھما افلا کنتما مثل علی بن ابی طالب آخیت بینہ وبین محمد فبات علی علی فراشہ یفدیہ بنفسہ ویوثرہ بالحیاۃ اھبطا الی الارض فاحفظاہ من عدوہ فکان جبرئیل عند راسہ میکائیل عند رجلیہ ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابیطالب یباھی بک الملٰئکۃ فانزل اللہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ جب شب ہجرت فرش رسول صلعم پر سوئے تو خدا نے حضرت جبرئیل و میکائیل پر وحی کی کہ ہم نے تم دونوں کو بھائی بنایا اور ایک کی عمر کو دوسرے سے طولانی کی اب کون تم میں ایسا ہے جو اپنی جان کو دوسرے پر فدا کرتا ہے تم دونوں نے زندگی ہی کو پسند کیا تو پھر خدا نے وحی بھیجی کہ کیوں تم لوگ مثل علی ابن ابیطالب کے نہیں ہوجاتے کہ جسے ایں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مواخات قائم کی تو آج علی نے اپنی جان کو انپر نثار کر دیا ہے اور انکی حیات کو اپنی حیات پر اختیار کر لیا ہے اب تم دونوں زمین کیطرف جاؤ اور انکی حفاظت کرو حضرت جبرئیل سرہانے آکر استادہ ہوئے اور میکائیل پائنتی کی طرف کھڑے ہوئے اور پکارتے تھے کہ کوئی شخص ہوسکتا ہے مثل تمہارے اے علی ابن ابیطالب کہ خداوند عالم تمہارے سبب سے فرشتوں پر مباہات کرتا ہے اور یہ آیت نازل کیا کہ آدمیوں میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو اپنی جان کو رضائے الٰہی کے لیے بیچ ڈالتا ہے اور

سوائے اسکے حقیقتاً جواب ہی کیا تھا؟ اگرچہ سیاق و سباق عبارت سے کتنا ہی خلاف ہو لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس جواب پر بھی کوئی دلیل نہ لاسکے کیونکہ بخاری کی عادت معلوم ہے۔ وہ اکثر روایات مقطوع لاتے ہیں۔ تو پھر ابن حجر باسنادہ المذکور کیسے لکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ آگے چلکر اسی کی شرح میں خود لکھتے ہیں وقد افرد عائذ فی المغازی من طریق الولید بن محمد عن الزهری کہ عائذ نے مغازی میں اسکو بطور افراد ذکر کیا ہے بواسطہ ولید بن محمد کے زہری سے اور روایت زیر بحث میں راوی دوسرے ہے تو پھر انھیں کی تحریر و اقرار کے مطابق باسنادہ المذکور کا لکھنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور اسلئے بخاری کی یہ اور اس سے پہلی والی حدیث کیسے ایک ہو سکتی ہے۔

اسناد کے اعتبار سے روایت کی مقدار تو اتنی معلوم ہوئی اب واقعہ کی حقیقت و صداقت بھی ملاحظہ ہو۔

قول انما هم اهلك - قال انما هما اهلك حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم کے اذن طلبی کے جواب میں کہا کہ چلے آیئے سب آپکے اہل ہیں۔ یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ خیر حضرت عائشہ سے تو نکاح ہو چکا تھا اور وہ زوجہ کی تعریف کے اندر آچکی تھیں۔ مگر اسماء بنت ابی بکر کیونکر آنحضرت صلعم کے اہل میں کیسے داخل ہو سکتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے اہل خطاب ہے تو بخاری صاحب کا نقل جواب بڑا یاد تعجب انگیز ہے حالانکہ علماء و محدثین کے دیگر اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کبھی ان الفاظ میں آپکو جواب ہی نہیں دیا (ملاحظہ ہو زرقانی جلد اول) یہ بخاری صاحب کی حضرت ابوبکر کی زائد از ضرورت مدح سرائی ہے جسنے ممدوح کی عظمت کو بڑھایا کیا اور بھی گھٹا دیا۔ حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشام ابن عروہ وغیرہ اپنی روایتوں میں حضرت ابوبکرؓ کا جواب صاف صاف ان الفاظ میں لکھتے ہیں وهما ابنتای میری دونو بیٹیاں ہیں جو بلحاظ عقل اور قرینہ کے بالکل مناسب اور فی الواقع ہے اب صاحبان عقل و بصیرت خود تمیز کرلیں کہ بخاری کی روایت موافق واقع اور مناسب حال ہے۔ یا ہشام بن عروہ اور دیگر راویان حدیث کی حدیثیں۔ امام بخاری کی یہ قلابازیاں صرف حضرت ابوبکرؓ کی رعونیت اور حضرت عائشہ کی خصوصیت کے اظہار کی بنا پر تھیں لیکن افسوس کہ وہ بھی پوری نہ ہوسکیں ان کی بھی موضوعات کا پردہ خود ان سے دوسرے راوی نے چاک کر دیا لانہا تہیداً و تنقید الکلمہم ان روایت موضوعہ کی آئینہ حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں

اونٹوں کا ہدیہ پیش کرنا | اونٹوں کے ہدیہ کے متعلق بخاری صاحب لکھتے ہیں قال ابو بکر فخذ بابی انت یا رسول اللہ الی آخرہ حضرت ابوبکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میرے دونوں اونٹوں میں سے ایک اونٹ لیا جاوے۔ ابن حجر صاحب اسپر حاشیہ چڑھاتے ہیں

زاد ابن اسحاق قال لا ارکب بعیراً لیس هو لی قال فهو لك قال لا ولکن بالثمن الذی ابتعتها به قال اخذتها بکذا	ابن اسحاق نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا ہم اس اونٹ پر سوار نہ ہونگے جو ہمارا مال نہ ہو ابوبکر نے کہا وہ تو آپ ہی کا ہے حضرت نے کہا نہیں بلکہ وہ قیمت سے لو جس قیمت

حاشیہ صفحہ گذشتہ خدا تعالی اپنے بندہ پر مہربان ہے بہر حال ہماری غرض یہاں ذکر فضائل و مناقب جناب امیر نہیں ہے بلکہ صرف یہ دکھلانا ہے کہ بخاری صاحب کیسے دیانتدار ہیں کہ جو واقعہ متواترات سے ہے یعنی حضرت علی کا فرش رسول اللہ صلعم پر سونا اور آیہ ومن یشری کا نازل ہونا اور جسپر تمام واقعہ ہجرت کا دار و مدار ہے اسکو نسیاً منسیاً کر گئے۔ اور جو واقعہ بالکل خلاف واقعہ ہے اور خاص آپ ہی کی تراشی اور مضمون تراشی ہے اُسی کو تمام صحیح میں بھر دیا۔ المولف عفی عنہ

وکذا قال اخذ تہا بذ لک ۔ پڑھتے ہیں۔ ابوبکرنے کہا نہیں بے قیمت پر لیجئے حضرت نے فرمایا اچھا ہم اس قیمت پر لیا

دوسری روایت امام طبرانی کی ہے اسماء بنت عمیسؓ سے یہ باتیں یوں بیان ہوئی ہیں کہ حضرت نے ابوبکرؓ سے جواباً یہ ارشاد کیا کہ ہم بقیمت لے سکتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے کہا اگر چاہئے تو قیمت دیدیجئے۔

امام واقدی کا قول ہے کہ قیمت آٹھ سو دینار ہوئے۔ اور یہ وہی اونٹنی ہے جس کا نام قصویٰ ہے بنو بنی قشیر سے جو آنحضرت صلعم کی بعد تک زندہ رہے۔ لیکن ابن اسحاق بتلاتے ہیں کہ وہ ناقہ جذعا تھا۔ جو اہل بنی قریش سے تھا۔ امام ابن حبان کا بھی یہی مختار ہے

شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اسکے متعلق مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں۔

ابوبکرؓ را دو شتر بود کہ بچہار صد درم و در روایتے بہشتصد درم خریدہ و دست چہار ماہ آنرا علف دادہ فربہ ساختہ نگاہ داشتہ بود ہر دو را پیش آوردہ تا یکے را آنحضرت قبول فرماید فرمود قبول کردم الا بثمن یکی ابتیاع پس بہ ہشتصد درم آن ناقہ را از ابوبکر صدیقؓ خرید۔ و آنا آنکہ حکمت در خریدن ناقہ از ابوبکر صدیقؓ با وجود نہایت صدق اوعا اتحاد سابقہ انفاق ابوبکر صدیقؓ اموال کثیر را بر آنحضرت صلعم آن بود کہ نخواست کہ در راہ خدا استمداد و استعانت از کسے جوید۔ چنانچہ خلاصہ اشارہ آیہ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ناظر است۔

مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۷۴

حضرت ابوبکرؓ کے دو اونٹ تھے جنکو انھوں نے چار سو درم یا دوسری روایت میں آٹھ سو درم پر خرید کیا تھا اور چار مہینوں تک چارہ وغیرہ کھلا کر خوب تیار کرکے اپنے پاس رکھ لیا تھا اس موقع پر دونوں کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا آپ نے فرمایا کہ میں انھیں قیمت دیکر البتہ قبول کر سکتا ہوں پس آٹھ سو درم پر آنحضرت صلعم نے انکو حضرت ابوبکرؓ سے خرید لیا اور حضرت ابوبکرؓ کو با وجود انکی راسخ محبت اور اعتماد و سابقہ اتحاد و انفاق اموال وغیرہ کے بلا قیمت نہیں لیا غرض لینے میں حکمت یہ تھی کہ جناب سرور خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں کسی شخص کی استمداد و استعانت قبول کریں چنانچہ آیہ قرآنی ہدایہ (اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو اپنا شریک نہ بناؤ) میں اسکی طرف خاص اشارہ موجود ہے۔

محدث دہلوی کی مرقومہ بالا عبارت سے اس واقعہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شرکت فی العبادۃ میں اس درجہ حزم و احتیاط ثابت ہوا۔ اور اس بنا پر شاہ عبدالحق صاحب آیہ قرآنی سے اس عمل رسول کی مطابقت فرما کر صدا احتجاج و استدلال بلند فرمائیں بخلاف ان کے بخاری صاحب اور انکے ایسے مدح سرایان حضرت ابوبکرؓ خاص اقوال و افعال رسول صلعم سے حضرت ابوبکرؓ کی ان امور عبادت میں شرکت ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں اور اپنے موضوعات و مصنوعات کے سرفلک طوفان اوٹھائیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ خالص توحید کی تعلیم کے متعلق معلم الاسلام علیہ السلام نے ہر بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے امور میں بھی شرک کے تمام شعبوں سے بچنے اور احتیاط کامل رکھنے کا جس تاکید کے ساتھ حکم فرمایا ہے وہ جمہور کا مسلمہ ہے اس اصول مسلمہ کے خلاف نعوذ باللہ وہی نفس قدسی برکت خود اپنی اس خالص عبادۃ میں کیسے کبھی دوسرے کی شرکت کو گوارا فرما سکتا ہے۔ جو اسکی شان رسالت کے نقیض اور اسکی تعلیم و ہدایت کے خلاف واقع ہوا فسوس ہے کہ عقیدتمندان

حضرت ابوبکرؓ نے ان موضوعات کی ترکیب و ترتیب کے وقت حقیقت رسالت کو پیش نظر نہیں رکھا اور اسکے وقار و عظمت کو قابل اعتبار نہ سمجھا۔ بخاری کی غلط نگاری سے جہاں حالات کی نقیض و منافی اتنی باتیں معلوم ہوئیں۔ وہاں ایک امر مفید بھی ثابت ہوگیا۔ اور یہی کرشمہ قدرت ہے کہ بخاری نے ایسی روایت لکھدی جس سے ہمیشہ کیلئے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ابوبکرؓ کے بار احسان سے سبکدوشی ملگئی۔ اگر وہ بنظر عقیدت حضرت ابوبکرؓ ادائے قیمت کی شرط اپنے طومار موضوعات میں نہ لکھتے تو انکا کوئی کیا کرلیتا۔ انکا صاف صاف لفظوں میں اس شرط کو لکھدینا تمام خالص مسلمانوں کی منت گذاری کا باعث ہے اسکے اندراج سے آنحضرت صلعم کے استغنا۔ توکل صبر و رضا جو خاص اوصاف رسالت تھے پورے طور سے معلوم اور ثابت ہوگیا کہ آپ باوجود اس مصیبت کے کہ گھر سے بے یار و مددگار اور بلا ساز و سامان نکلے مگر تاہم یہ کسی طرح گوارا نہ فرماسکے کہ کسی کا اونٹ بلا قیمت یا مستعار لیکر خدا کی راہ میں دو قدم بھی راستہ طے کیا جائے جب رسول برحق نے اپنے عم نامدار (ابیطالب) کے بار احسان کو بھی (حضرت علی کو اپنی تربیت و پرورش میں لیکر) اپنے ذمہ باقی رکھنا جائز نہ رکھا حالانکہ درحقیقت وہ کوئی بار نہ تھا بلکہ باپ کے بعد چچا کے فرائض میں داخل تھا۔ بعلاوہ ایسے شخص کا کیونکر احسان قبول کرسکتا تھا جو خود اپنی قوم اور قبیلہ میں کوئی امتیاز خاص نہیں رکھتا تھا جس رسول غیور نے (ابی سلول) کے ایک کرتہ کا احسان جو آپ کے ایک عم نامدار (حضرت عباس) کے ساتھ کیا گیا تھا اپنے ذمہ باقی نہ رکھا اور اس شخص سفلی کو اپنے پیراہن کا کفن دیکر اوتار پھینکا وہ ایک محض غیر ممیز شخص کا احسان اور خصوصاً خدا کے خاص کاموں کے متعلق کیسے گوارا کرسکتا تھا۔

بہرحال جب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی کے ایسے عالم فاضل اور محقق کامل کو اسکا اقرار ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے نہ چاہا کہ خدا کی راہ میں کسی کی امداد و اعانت کو قبول کریں اسلئے حضرت ابوبکر سے بلا قیمت ناقہ نہ لیا تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ہرگز آنحضرت صلعم نے بطیب خاطر حضرت ابوبکر کو اپنے ساتھ نہ لیا کیونکہ ساتھ لیکر کسی کو غار میں جانا یقیناً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا کا منافی ہے کیونکہ یہ تو ایسا شرک ہے۔ جو ان الشرك لا يغفر کا مرادف ہے کیونکہ جس امر کو خداوند عالم نے ایسے راز میں رکھا کہ سوائے رسول کے اور اسکو بھی عین وقت پر اور کسیکو اس سے آگاہ نہیں کیا۔ اسکی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ امین رسالت نے اس سر الٰہی کو یوں فاش کردیا ہوگا۔

ان قرائن اور نیز خود بخاری کی روایت کی بدولت اب اس روایت کی موضوعیت واضح ہوگئی کیونکہ جب بلا قیمت کسی کا اونٹ لینا گوارا نہوا اور منافی الشرک بعبادۃ ربہ احدا سمجھا گیا تو اسی راہ خدا کے کاموں میں کسی دوسرے کو بالقصد والارادہ ساتھ لینا۔ جو توجہ اور استغراق الی اللہ میں فرق ڈالنے کا باعث ہو بالکل خلاف آیہ مذکورہ ہے اور صریح مخالف عقل اور منافی حقیقت ہے حیف ہے کہ اس مخالف عمل کا عامل خود رسول اللہ کی ذات مبارک بتلائی جاتی ہے۔

بخاری صاحب کی قلمکاریوں کی کن کن اداؤں کی تعریف کیجائے۔ آپکی موزونیت بیان کی یا مناسبت مقام اور حقیقت کلام کی۔ اسی اونٹ والے قصہ میں آنکھیں بند کرکے یہ عبارت لکھنے کو تو لکھ گئے و علف راحلتین کانتا عندہ ورق السمرۃ وھو الخبط اربعۃ اشھر یعنی حضرت ابوبکر نے اپنی دونوں اونٹنیوں کو چار مہینے تک ببول کے پتے کھلائے سب کو جانے دیجئے ایک ابن حجر نے جن سے بڑھ کر بخاری کا معتقد و موید ہونا دشوار ہے ان کے اس حال میں تین اعتراض وارد کئے ہیں اول یہ کہ ورق سمرہ کی شرح زہری نے کی تھی خبطاً بخاری نے اسکو بھی جزو روایت بنا کر داخل حدیث اور مندرج صحیح کر دیا حالانکہ یہ خاص الخاص زہری کا قول ہے نہ حضرت عائشہ اور نہ عروہ اصل راویان حدیث کا؛ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ چار مہینے کی مدت بیانگی کہ چار مہینوں تک اونٹ کو چارہ کھلاتے رہے وقد تقدم فی اول الباب ان بین العقبۃ الثانیۃ والھجرۃ شھرین وبعض شھر علی التحریر پہلے باب میں مذکور ہو چکا ہے کہ عقبہ ثانیہ اور ہجرت آنحضرت صلعم میں صرف دو مہینے یا ایک مہینہ یا بعض مدت ہوئی۔ پھر بخاری صاحب کے یہ چار مہینے کہاں سے آگئے۔

اسی طرح خریداری شتر میں ایک نکتہ بھی سب سے زیادہ لطیف ہے اور قابل دید۔ شاہ عبدالحق صاحب کی اوپر عبارت لکھدی گئی ہے جسمیں یہ عبارت صاف صاف موجود ہے۔ ابوبکر را دو شتر بود کہ چہار صد درم و در روایتے ہشتصد درم خریدہ چہار ماہ آنرا علف دادہ ہر دو را پیش آوردہ تا یکے را آنحضرت قبول فرماید۔ فرمود قبول کردم لیکن بشرط ابتیاع پس نہصد درم آں ناقہ را از ابوبکر خرید۔ اس عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ ان اونٹوں کی اصلی قیمت ایک روایت سے چارسو درم تھا اور دوسری روایت سے آٹھ سو درم۔ اب تا یکے را آنحضرت قبول فرماید۔ کی عبارت نے صاف کردیا کہ ایک ناقہ کی خریداری کی گئی اور یہی حضرت ابوبکر کی خواہش بھی تھی۔ اور ضرورت و مناسبت وقت بھی یہی بتلاتی ہے غرضکہ مسلم ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک ناقہ خریدا۔ لیکن بہ نہصد درم آں ناقہ را از ابوبکر خرید کی تصریح نے ثابت کردیا۔ کہ نو سو درم پر وہ ناقہ خرید اگیا۔ اب دیکھیے اگر چارسو درم والی روایت صحیح ہے جسمیں منقول ہے کہ چارسو میں دونوں ناقے خریدے گئے تھے۔ اور انہیں کا ایک ناقہ رسول اللہ کے ہاتھ نوسو روپیہ پر بیچا گیا تو گویا چوگنی قیمت سے بھی زائد لی گئی۔ اور اگر آٹھ سو درم والی روایت پر اعتبار کیا جائے تو ایک ناقہ کی اصلی قیمت چارسو درم ہوتی ہے اور رسول اللہ صلعم سے چارسو کے بدلے نوسو روپیہ لئے گئے۔

اور اگر کوئی عقل سے خالی یہ کہے کہ نہیں دونوں ناقوں کی خریداری کی گئی تھی حالانکہ ایسا دعویٰ سراسر عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ لیکن بفرض محال اگر تھوڑی دیر کیلئے ہم اسے تسلیم بھی کرلیں کہ اس محسن عالم نے دونوں ناقے خریدے ایک اپنے لئے رکھا اور ایک حضرت ابوبکرؓ کو دیدیا۔ تاہم حضرت ابوبکر کا اوپری اوپر سو روپیہ کا نفع پاجانا ثابت ہوتا ہے! اور سواری کہاں حضرت ابوبکرؓ کے اس خلوص عقیدت اور محبت رسول کا یہی تقاضا تھا کہ ایسی مصیبت میں رعایت و مروت کی جگہ رسول اللہ صلعم سے نفع کا لین دین کیا جائے۔ کیا حسن رفاقت ہے اور کیسی اچھی صداقت۔

اب اس تمام نعاشی اور افسانہ تراشی کا خلاصہ حقیقت بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔ امام جلال الدین السیوطی تفسیر درمنثور

جلد دوم صفحہ ۲۰۰ میں لکھتے ہیں۔

فمکث ھو وابو بکر فی الغار ثلثۃ ایام یختلف الیھم بالطعام عامر بن فھیرۃ وعلی یجھزھم فاشتروا ثلاثۃ اباعر من اھل البحرین واستاجر لھم دلیلا فلما کان بعض اللیل من اللیلۃ الثالثۃ اتاھم علی بالابل والدلیل ورکب رسول اللہ صلعم ورکب ابو بکر اخری فتوجھوا نحو المدینۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر تین روز تک غار میں ٹھہرے رہے عامر بن فہیرہ اُنکے لئے کھانا لاتا تھا۔ اور علی اُنکی دیکھ بھال سامان کرتے رہے پس آپ نے (علیؑ نے) تین اونٹ بحرین کے اونٹوں میں سے خریدے اور ایک راہ نما کو اجرت پر کیا۔ جب تیسری رات کا کچھ حصہ گذرا تو حضرت علی اونٹ اور راہبر کو ساتھ لئے آئے ایک اونٹ پر رسول اللہ صلعم اور ایک اونٹ پر ابو بکر سوار ہوکر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ مرقومہ بالا روایت نے تو سرے سے بخاری صاحب کی تمام تمناؤں کا خون اور ان کے زرنگ مضمون کو بالکل دگرگوں کردیا حقیقت کا انکشاف اور تمام موضوعات ومصنوعات کا مطلع صاف ہوگیا تاریکی کا پردہ اُٹھتے ہی حقیقت بین نگاہوں نے دیکھ لیا۔ کہ جسطرح نہ رسول اللہ صلعم قبل از ہجرت حضرت ابو بکر کے گھر گئے نہ مشورت ہوئی نہ اُنکو ساتھ لیا۔ اسی طرح نہ اونٹ پیش کئے گئے۔ نہ خریدے گئے اور نہ کوئی راہنما مقرر کیا گیا۔ اور نہ زاد راہ وغیرہ حضرت ابو بکر کے گھر سے ہمراہ کیا گیا۔ ان تمام ضروریات سفر کا انتظام اسی نفس قدسی کے سپرد کئے گئے۔ جو خدا کے آگے رازدار قدرت ثابت ہوچکا تھا۔ اور جسکی امانت وحمایت میں رسول اللہ صلعم کی جان اُسکے استحفاظ کی اصلی ترکیب اور ہجرت کا راز سپرد کیا گیا تھا اور اسی نے تن تنہا ہوکر بانفس النفیس شہنشاہ رسالت کے استحفاظ جان کے ساتھ آپکے آرام سفر کے بھی تمام انتظامات درست فرمائے اور وقت موعودہ پر اُنکو آپ کی خدمت میں پہونچا دیا۔ اور جو رفیق قدیم شعب ابی طالب کے درہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آب وطعام کا انتظام کرتا رہا (دیکھو رسالہ نقب ابو جعفر اسکافی) وہی غار ثور میں بھی آپکو آب وغذا بھجواتا رہا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو صرف اپنی جان کا فدیہ بناکر تھوڑے ہی چلے گئے تھے۔ بلکہ اُس رازدار قدرت اور فدیہ رسالت کو اپنی اور اپنی حفاظت جان کا یقین دلاکر اور اپنے تمام امور متعلقہ ادائے امانت واموال اہالیان مکہ۔ حفاظت پردگیان عصمت زاد در احلہ سفر غرض جملہ سامان وضروریات کی فراہمی ودرستی کے انتظام حوالے اور سپرد فرمائے گئے تھے۔ اس بنا پر جو کچھ جناب علی مرتضیٰ ع نے انجام دیا وہ حرف بحرف حکم رسول اللہ تھا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد دوم کی مفصلہ ذیل عبارت۔

وارسل الی بطعام واستاجر لی دلیلا یدلنی بطریق المدینۃ واشتر لی راحلۃ ثم مضی رسول اللہ صلعم واعمی اللہ ابصار الذین کانوا یرصدونہ عنہ وخرج علیھم رسول اللہ صلعم (طبری جلد دوم ص ۲۴۴ مطبوعہ مصر)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانب غار روانہ ہوئے تو حضرت علی مرتضیٰ سے ارشاد فرمایا کہ ہمکو کھانا بھیجا کرنا اور ایک راہنما کو اجرت پر مقرر کرنا جو ہمکو مدینہ کی راہ پر لے چلے اور ایک سواری ہمارے لئے خرید لینا یہ کہکر آپ روانہ ہوئے اور خدا نے کافروں کو اندھا کر دیا۔

اب تو واقعہ ہجرت کے اُن تمام طومار موضوعات کا پورا انکشاف ہوگیا۔ جو حقیقتاً عہد معاویہ کے موضوعات ہیں جو امیر صاحب کی

شاہی فرامین اور سلطنت کے حکم و آئین کے ذریعہ سے تیار و مرتب کئے گئے تھے۔ اور جنکی ترتیب و تدوین میں خزانوں کے خزانے لٹائے گئے تھے۔ بخاری پر منحصر نہیں۔ سواد اعظم کے تمام علمائے سلف تقلید عقائد کے پیچھے پڑ کر بعض موضوعات کے ریزہ چیں ہیں چونکہ ان مرویات موضوعہ میں درجات و خدمات حضرت علی مرتضیٰ ع کا استیصال بالکل سے کم انکے مماثل واقعات کا بیان کرنا معاویہ کے فرمان شاہی کے ذریعہ ہر راوی کا فرض اولین تھا۔ (دیکھو کتاب الاحداث امام ابوالحسن مدائنی) اس بنا پر واقعہ ہجرت کے متعلق جتنی مرویات صحیح طور پر حضرت علی مرتضیٰ کے خدمات و درجات کا اظہار کرتی ہیں وہ بالکل دفتر اصل و نقل سے کالعدم کر کے انکے مماثل موجودہ موضوعات تیار کر دئے گئے اور معاون سلطنتوں نے اپنے استحکام سلطنت کی ضرورت سے انھیں کے اجرو نقل میں برابر تائیدیں بھی کیں اور تاکیدیں بھی لیکن اخفاف حقوق کے اتنے انتظام کے بعد بھی حقیقت کے نوادر اصلیت کے جوہر نہ چھپنے والے تھے۔ نہ چھپے حقیقت حال اکثر کتب معتبرہ میں اسوقت سے لیکر اسوقت تک برابر نقل و اندراج ہوتی آئی ہے اور ہوتی رہیگی۔ جیسا کہ ہمارے حوالہ مندرجہ بالا سے ثابت ہو چکا مسئلہ زیر بحث میں ہم اس سے زیادہ اپنا وقت رائیگاں کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ابھی تو ہجرت کے ان موضوعات کے کتنے میدان پڑے ہیں جنکے خس و خاشاک اپنے مقام پر صاف کئے جائینگے واقعات ہجرت کے اولین مرویات کی تنقید کو تمام کر کے ہم اپنے آئندہ بیان کی تفصیل کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔

فرش رسول پر علی کا استقلال

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت ابوبکر کے ہمراہ غار میں کچھ رات رہے داخل ہوئے جناب رسول خدا صلعم کے متعلق یہ کہنا کہ آپ پر کوئی اضطرابی عالم طاری تھا۔ بالکل منافی شان رسالت ہے اسلئے کہ وحی الٰہی کے ذریعہ سے آپکو آپکے استحفاظ جان کا یقین کامل دلایا گیا تھا پھر یقین کے بعد اسکے متعلق تامل و تزلزل ذات رسولؐ سے بالکل ناممکن الوقوع ہے۔ اس بنا پر جو مرویات ان امور کا اظہار کرتی ہیں وہ عام اس سے کہ کیسی ہی صحیح سے صحیح حدیث کی کتاب میں نہوں ہرگز اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔

الغرض۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ غار میں تشریف لائے اور خدا کا نام لیکر اور اسکی تنہا حمایت و رفاقت پر تکیہ کر کے بیٹھ گئے۔ صبح ہوگئی۔ ظلم و قت پر جو سر شام سے خانہ رسالت کا محاصرہ کئے تھے ایکبارگی خوابگاہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ٹوٹ پڑے اپنی کیفر کرداریوں کی تعمیل کے شوق میں سوتے والے کے موہنہ سے جیسے وہ یقیناً رسول اللہ سمجھے ہوئے تھے۔ ردائے بستر کا گوشہ ہٹایا تو بجائے مصطفیٰ کی جانِ نفس مصطفیٰ سوتا ملا اس مشاہدہ کے بعد کفار کی قسمتوں میں حیرت حسرت اور ناکامی کے سوا کچھ ہی کیا۔ شرم خجالت مٹانے کی غرض سے حضرت علی مرتضیٰ سے پوچھا این صاحبک۔ تمہارے صاحب (آقا کہاں گئے) جواب ملا۔

قال لا ادری اور قیبا کنت علیہ طبری م ۲۲۴ میں نہیں جانتا کیا تم انکو میرے سپرد کر گئے تھے۔ جو مجھ سے پوچھتے ہو۔

صحیح نسائی میں ہے کہ حضرت علی پر تیر چلائے گئے۔ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت علی کا مندرجہ بالا جواب سنکر کفار نے انکو گرفتار کر لیا

بچنے پر تیار ہو گئے۔ اس سے کہیں زیادہ مناسب مقام وہ روایت تھی جو قریب قریب تمام حدیث سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مندرج ہے صاحب رحمت اللعالمین - امام ابن قیم کے اسناد سے لکھتے ہیں۔

واقعۂ خیمۂ اُم معبد۔ غار سے نکلکر پہلے ہی دن اس مبارک قافلہ (نبیؐ ابوبکرؓ اور راہنما) کا گذر خیمۂ ام معبد پر ہوا یہ عورت قوم خزاعہ سے تھی۔ مسافروں کی خبرگیری اور اُنکی تواضع کے لئے مشہور تھی سرراہ پانی پلایا کرتی تھی۔ اور مسافر وہاں ٹھہر کر ستایا کرتے تھے یہاں پہونچکر پیاسے پوچھا کہ اسکے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے۔ وہ بولی نہیں اگر کوئی شے موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیمے کے ایک گوشہ میں ایک بکری بندھی دیکھی۔ پوچھا یہ بکری کیوں بندھی ہے اُم معبد نے کہا کمزور ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ نبی صلعم نے فرمایا اجازت ہے ہم اُسے دودھ لیں اُم معبد نے جواب دیا اگر حضور کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دودھ لیں۔ نبی صلعم نے بسم اللہ کہکر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ برتن مانگا وہ ایسا بھر گیا کہ چھلکنے لگا یہ دودھ آنحضرتؐ اور آپکے ساتھیوں نے پی لیا۔ دوسری دفعہ پھر بکری کو دوہا گیا اور یہ بھی ہمراہیوں نے پی لیا تیسری دفعہ پھر برتن بھر گیا۔ اور وہ اُم معبد کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ اور آگے کو روانہ ہوئے کچھ دیر کے بعد اُم معبد کا شوہر آیا۔ خیمہ میں دودھ کا بھرا برتن دیکھکر حیران ہوکر پوچھا یہ کہاں سے آیا۔ اُم معبد نے کہا کہ ایک متبرک شخص یہاں آیا تھا۔ اور یہ دودھ اُسی کے قدوم کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا یہ تو وہی صاحب قریش ہے۔ جس کی مجھے تلاش تھی۔ اچھا تم ذرا اسکی توصیف (حلیہ) تو بیان کرو اُم معبد نے نہایت مفصل طور پر آپکا حلیہ بیان کیا۔ تو اُسکا شوہر سُنکر بولا کہ یہ تو ضرور صاحب قریش ہے۔ میں جاکر اُس سے ضرور ملونگا۔

مکہ سے باہر کے بدوی لوگ غیر مُسلم قبائل میں آنحضرت صلعم کو صاحب قریش کہتے تھے۔ رحمۃ اللعالمین ص ۸۸-۸۳-

شبلی صاحب نے ایسی مفصل روایت کی موجودگی میں ایک ایسے واقعہ کو قلمبند فرما دیا جو اصلاً موضوع اور نقلاً خلاف موضوع ہے جس سے شان رسالت کا کوئی وقار قائم ہوتا ہے۔ اور نہ کوئی اقتدار۔ اسناد کے اعتبار سے اُم معبد کی روایت اتنی مشہور اور متواتر ہے کہ تاریخ و سیرت کی کتابوں سے لیکر حدیث و تفسیر تک کی کتابوں میں مندرج ہے اور خود شبلی صاحب کی اعتبار کردہ تاریخ و حدیث کے قدیم ماخذوں میں کم و بیش طریقہ سے مذکور مسطور ہے۔ طبری۔ ابن سعد۔ زرقانی۔ تاریخ الخمیس۔ ربیع الابرار وغیرہ تمام کتابوں میں مرقوم ہے۔

اب رہا یہ امر کہ ایسے مشہور واقعہ کو شبلی صاحب نے کیا سمجھ کر موضوع انقلم فرمایا۔ اسکی صاف وجہ وہی آپ کی یورپین مصنفین کی تقلید اور اپنی موجودہ تالیف کو کسی نہ کسی طرح فلسفۂ تاریخ سے مشہور کئے جانے کی اُمید تھی اس واقعہ میں چونکہ رسالت کے آثار روحانیت معلوم ہوتے ہیں اسی بنا پر آپ کے قدیم دامن سے کہ یورپین مصنفین آپکے مضامین پر خلاف عقل ہونیکا اعتراض کرینگے آپ کے قلم کو روک لیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کسی خاص بزرگ کے کوئی تخصیصی حالات اس روایت سے نہیں ظاہر ہوتے تھے جن کے اندراج حالات سے آپکو شغف خاص حاصل ہے اور جنکی اشاعت و اقامت کی بنا پر اس طرز خاص کی سیرۃ النبی مرتب کرنے کی آپ کو ضرورت لاحق ہوئی ہے۔

امام ابن القیم نے تو اتنی ہی تفصیل پر اس روایت کو ختم کر دیا ہے لیکن تلاش و تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ موصوف نے بھی اس طولانی واقعہ کے آخری حصہ کو کسی غرض خاص سے مرفوع القلم فرما دیا ہے ہم انکے متروکہ حصہ کو تاریخ خمیس کی عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

روى الزمخشري في ربيع الابرار عن هند بنت الجون نزل رسول الله صلعم خيمة خالتها ام معبد فقام من رقدته فدعا بماء فغسل يديه ثم تمضمض ومج في عوسجة الى جانب الخيمة فاصبحنا وهي كاعظم دوحة وجاءت بثمر كاعظم ما يكون في لون الورس ورائحة العنبر وطعم الشهد ما اكل منها جائع الا شبع ولا ظمآن الا روى ولا سقيم الا برى ولا اكل من ورقها بعير ولا شاة الا در لبنها فكنا نسميها المباركة وياتينا من البوادي من يستسقي بها ويتزود منها حتى اصبحنا ذات يوم وقد تساقط ثمرها وصغر ورقها ففزعنا فما راعنا الا نعي رسول الله صلعم ثم انها بعد ثلاثين سنة اصبحت ذات شوك من اسفلها الى اعلاها وتساقط ثمرها وذهبت نضرتها فما شعرنا الا بقتل امير المؤمنين علیؑ فما اثمرت بعد ذلك وكنا ننتفع بورقها ثم اصبحنا واذا بها وقد نبع من ساقها دم عبيط وقد ذبل ورقها فبينا نحن فزعون مهمومون اذ اتانا خبر مقتل الحسين بن علیؑ ويبست الشجرة على اثر ذلك وذهبت والعجب كيف لم يشتهر امر هذه الشجرة كما اشتهر امر الشاة في قصة هي اعلى القصص

جلد اول ص ۴۰۰

علامہ زمخشری (صاحب تفسیر کشاف) ربیع الابرار میں ہند بنت جون سے بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلعم میری خالا ام معبد کے خیمہ پر اترے تو حضرت کچھ سو کر اٹھے بعد بیدار ہو کر پانی طلب کر کے ہاتھ دھوئے اور کلی کی اور گوشہ خیمہ کیطرف ببول کا ایک چھوٹا سا درخت تھا حضرت نے اپنی کلی کا پانی اسی پر پھینکدیا دوسرے روز وہ ایک عظیم الشان درخت ہو گیا اور نہایت بڑے بڑے پھل اس میں لگے جو ورس کے رنگ کے تھے اور عرب میں خوشبو دار گھاس جسکی جڑ کپڑا رنگنے کے کام میں آتی ہے اس سے عنبر کی خوشبو آتی تھی اور اسکا مزہ شہد کے جیسا ہوتا تھا جو بھوکا کھا لیتا تو سیر ہو جاتا تھا۔ اور پیاسا سیراب ہو جاتا اور بیمار شفا پا جاتا۔ اور اگر اونٹ یا بکری اسکے پتے کھا لیتے تو انکے دودھ کثرت سے ہوتا جس سے لوگ اسکو مبارکہ کہتے تھے اطراف و جوانب سے لوگ آتے اور اس سے شفا پاتے اور تبرک سمجھکر لیجاتے ایک روز صبح کو ہم نے دیکھا تو اس کے پھول گرنے لگے اور اسکے پتے چھوٹے ہونے لگے اس حالت سے ہم لوگوں کو بڑا خوف معلوم ہوا کہ تو یہ خبر رحلت جناب سرور عالم صلعم معلوم ہوئی اسکے تیس برس بعد دیکھتے ہیں کہ جڑ سے ڈال تک اسمیں کانٹے نکل آئے ہیں اور پھل جھڑ گئے ہیں اور اسکی تازگی جاتی رہی اتنے میں خبر شہادت امیر المومنین علیؑ آئی پھر اسکے بعد اس درخت نے پھل نہیں دیئے۔ بلکہ صرف اسکے پتوں سے ہم لوگ فائدہ اٹھاتے تھے تھوڑے دنوں بعد دیکھا تو کہ اس درخت کے ساق سے تازہ خون جوش مار رہا ہے اور کل پتے اسکے خشک ہو گئے ہیں اس اثنا میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر ملی بعد اسکے وہ درخت بالکل خشک ہو گیا اور تعجب ہے کہ اس درخت کا قصہ کیونکر مشہور نہ ہوا۔ حالانکہ بکری والے قصہ سے یہ بہتر قصہ تھا۔

ہم نے اس روایت کی پوری حقیقت لکھدی طالبان تحقیق بآسانی سمجھ لیں گے کہ اسکے نقل و اخراج میں اپنے اپنے مطلب کے مطابق علمائے ناقلین و مخرجین نے کس درجہ تک تلخیص اور قطع و برید کر کے اپنے مولفانہ تدین کی شان کو قائم رکھا ہے۔ اکثر نے تو اسکو سرے سے ذکر کے قابل ہی نہیں سمجھا بعض جو اسکو اسکی اہمیت کی بنا پر قابل ذکر سمجھے وہ صرف

کرامت رسول صلعم تک اس کو لکھ کر رہ گئے جیسے ابن القیم وغیرہ۔ انھیں میں اکثر ایسے منصف مزاج اور عدالت پسند بھی نکل آئے۔ جنھوں نے تقلید اسلاف اور تائید عقائد کی پابندی سے قطع نظر کر کے اسکو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً لکھدیا ہے جیسا علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف اور علامہ حسین دیار بکری۔ صاحب تاریخ الخمیس۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ ان علماء و محدثین کو بالآخر اس روایت کے پورے نقل کر دینے میں کونسی دقت اور کونسی مجبوری سدراہ تھی؟ وجہ بالکل ظاہر ہے اور سبب بالکل صاف۔ اور وہ یہ ہے کہ آخر حصہ روایت سے اہلبیت علیہم السلام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ موجودہ عقائد کے سراسر مخالف تھی۔ کہ اسکی نقل کی جاوے یا بیان کر کے اعلان کیا جاوے اس لئے اس حصہ حدیث کو نسیاً منسیاً کر دینا ہی بہتر تھا۔ کیونکہ کوشش تو یہ ہے کہ واقعہ ہجرت کے تمام دفتر کے ہیرو اکیلے حضرت ابوبکر ہی ثابت ہوں اور کوئی دوسرا نہیں۔ لیکن افسوس سوچنے والے یہ نہ سوچے اور سمجھنے والے یہ نہ سمجھے کہ اسکے استخفاف سے صرف اہلبیت علیہم السلام کے فضائل ہی نہیں پوشیدہ ہوتے بلکہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت بڑی کرامت بھی تو صفحۂ روزگار سے مٹی جاتی ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ فضیلت اہلبیت ع اصلاً ہے کیا؟ فضیلت و کرامت رسول صلعم کا ایک جزو۔

اس روایت کے استخفاف پر اتنا تعجب نہیں ہوتا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری صاحب نے تو اپنی صحیح میں فرش رسول اللہ صلعم پر حضرت علی مرتضیٰ کے سونے والے واقعہ کو بھی جو تمام اہل اسلام کا مسلمہ ہے نہ لکھا اور اس پر بھی ان کی کتاب صحیح کی صحیح ہے بخاری کے خیال و مدونین کے ایسے خیال والے ناقلین حدیث اور مؤلفین اخبار جب موجود ہوں تب علامہ زمخشری کی یہ متعجبانہ شکایت کا کہ ایسی روایت جو اعلےٰ قصص ہے اور بکری والی روایت سے زیادہ مہتم بالشان اور ضروری البیان ہے۔ کیوں نہ مرقوم کی گئی کیا جواب دیا جاوے۔ لیکن بات یہ ہے جیسا کہ ہم برابر اپنے سلسلۂ بیان میں دکھلاتے آئے ہیں کہ حقیقت اور اصلیت کسی کے مٹائے مٹی ہے۔ اور کسی کے چھپائے نہ چھپی ہے۔ ابن القیم اور ان کے ہم خیال علماء و محدثین کی ایک جماعت نے اپنی ضرورت خاص سے چھپایا۔ مگر پھر اس کی حقیقت انھیں کی جماعت میں سے علامہ زمخشری امام قسطلانی اور زرقانی وغیرہم کے ایسے لوگوں کو کھینچ لائی جنھوں نے اس کو صرف تمام و کمال لکھا ہی نہیں۔ بلکہ اس کے چھپانے والے اور نہ لکھنے والوں کے عدم تدین کا پردہ بھی فاش کر دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

بہر حال جب امام بخاری اور علامہ ابن القیم کے ایسے استادان و نقادان فن نے اس حدیث کو نہیں لکھا۔ تو غریب شبلی صاحب کس شمار و قطار میں ہیں۔ جو اس کی نقل پر جرأت کرتے اس بنا پر ان کی سیرت بھی اس واقعہ کی صورت حال سے بالکل خالی ہے۔

سراقہ بن خشعم کا قصہ | اس کے آگے شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔ قریش نے اشتہار دیا تھا۔ کہ جو شخص محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم یا حضرت ابوبکر کو گرفتار کر کے لائے۔ گا اسکو ایک خون بہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا سراقہ ابن خشعم نے سنا۔ تو انعام کی امید پر نکلے۔ عین اسحالت میں کہ (آپ غار سے) روانہ ہو رہے تھے۔ اُس نے آپ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا۔ لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں جواب میں نہیں نکلا۔ لیکن سو اونٹوں کا گرانبہا معاوضہ ایسا نہ تھا۔ کہ تیر کی بات مان لیجائے دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور آگے بڑھا اب کے گھوڑے کے دونوں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ گھوڑے سے اتر پڑا۔ پھر فال دیکھی اب بھی وہی جواب تھا۔ لیکن مکرر نتیجہ نے اسکی ہمت پست کردی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں آنحضرت صلعم کے پاس آکر قریش کو اشتہار کا واقعہ سنایا۔ اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھدیجئے۔ حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امن لکھدیا۔ بحوالہ صحیح بخاری۔

شبلی صاحب چونکہ اپنی تاریخ میں بالکل صحیح بخاری کی ترجمانی کرتے ہیں اور علم تاریخیں بخاری کے مبلغ معلومات معلوم اس لئے ایک تاریخ نویس اور سیرت نگار کو نہ اُنکی **تقلید** کی ضرورت ہے اور نہ تنقید کی حاجت لیکن حقیقت شناس اشخاص آپ کے اقرار کردہ جزئیات کے جانب دارانہ اور خود غرضانہ اضافات کو فوراً پہچان لے گا۔ کیونکہ آپ اپنی حاشیہ والی عبارت میں خود لکھکر اقرار کر چکے ہیں کہ پوری تفصیل حرف بحرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے۔ ہم نے تمام جزئیات اس لئے نقل کیں کہ حضرت ابوبکر کی صفائی نیدی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔" اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی قلم دوات ساتھ رہتا تھا۔

امام بخاری کے اعتبار پر اور وہ اپنے خفظان عقائد کی بنیاد پر آنحضرت صلعم کی گرفتاری کے ساتھ حضرت ابوبکر کو اشتہار گرفتاری میں خواہ مخواہ داخل کرلیں تو اس کے آپ اور وہ خاص کر جوابدہ ہیں۔ لیکن تاریخ وسیر پر نظر رکھنے والا جب کسی تاریخ وسیر میں حضرت ابوبکر کا نام - - - - - - - - - - نہیں پائے گا۔ وہ آپ کی ان جزئیات بخاری کی نقل کی حقیقت و ضرورت کو کماحقہ سمجھ جائے گا۔

اسی طرح عامر بن فہیرہ کا ایسے عالم اضطراب میں کہ جب لباس تک جسم پر بھاری ہو رہا تھا دوات و قلم ساتھ رکھنے اور امن نامہ لکھدینے کی حقیقت ہے۔ جسکو صرف آپ ہی کے ایسا انشاء پرداز قابل نقل و اندراج سمجھے گا۔ دوسرا نہیں۔ اس لئے کہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں جو ان واقعات کے حقیقی موضوع پر لکھی گئی ہیں سراقہ کا واقعہ وہیں تک مندرج ہے جہاں تک وہ مشاہدہ کرامت کے بعد توبہ و انابت کرتا ہے اور اس کے بعد کچھ بھی نہیں یہ امام بخاری صاحب کی وہی جزئیات ہیں۔ جن کے ذکر و نقل کے مفید مطلب ہونے کی بنا پر آپ کو ان کے اندراج کی بڑی ضرورت ہے۔ اور انہیں جزئیات مخصوصہ کی بنا پر آپ نے تمام دنیا کی کتابوں پر صحیح بخاری کی مرویات کو ترجیح دی ہے اور اپنی کتاب کے عنوان ہی سے اسکا سامان باندھا۔

عامر بن فہیرہ کی حقیقت حال اسی طرح عامر بن فہیرہ کو حضرت ابوبکر کا صرف غلام لکھدیا ہے۔ اور اُن سے ان کے دیگر تعلقات کو نہ تبلایا۔ یہ بھی مولفانہ تدین کے خلاف ہے۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ عامر اصلاً حضرت ابوبکر کی ملکیت میں تھے اور یہ اکیلے ہی انکی ملکیت میں نہ تھے۔ بلکہ ان کی ماں بھی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ملکیت آگے چلکر زوجیت کے مرتبہ پر پہنچ گئی۔ اور ان کی ملکیت نے ابنیت اور تبنیت کی صورت اختیار کی۔ اور پھر ان تعلقات قرب کی رعایت سے آزاد بھی کر دیے گئے تو اتنے تغیرات کے بعد تملیک کا دعویٰ باقی کہاں رہا۔ تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت اُن کی حقیقت حال پر پوری روشنی ڈالتی ہے۔

وکان عامر بن فهيرة مولداً من مولدی الازد كان الطفيل بن عبدالله بن سخبرة وهو ابو الحارث بن الطفيل وكان اخا عائشة بنت ابی بکر وعبدالرحمٰن بن ابی بکر لامهما فاسلم عامر بن فهيرة وهو مملوك لهم فاشتراه ابوبكر فاعتقه وكان حسن الاسلام

عامر بن فہیرہ اصلاً قبیلہ ازد کے آدمی تھے۔ اور طفیل بن عبداللہ بن سخبرہ کے بیٹے تھے۔ انکی کنیت ابوالحارث تھی۔ یہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بھائی تھے کیونکہ ان سب کی ماں ایک تھیں۔ جب مسلمان ہوئے تو حضرت ابی بکر نے ان کو خرید فرمایا پھر آزاد کر دیا انکا اسلام بحسن تمام ہوتا ہے۔ ص ۱۲۳۶۔

مرقومۂ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عامر کی ماں کسی وجہ سے ان کو لے کر مکہ میں آئیں۔ حضرت ابوبکر نے انکی ماں کو ان کے ساتھ خرید لیا۔ ماں کے ساتھ عقد فرمالیا۔ اُن کے بطن سے آپ کے ہاں حضرت عائشہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ عامر بن فہیرہ اس اثنا میں مشرف باسلام ہوئے۔ تو حضرت ابوبکر نے ان کو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا شبلی صاحب کو لازم تھا کہ علاقہ ملکیت تک عامر کی معرفت کو نہ تمام کر دیتے بلکہ واقفیت عام کے لئے ضروری تھا کہ مفصلہ بالا واسطہ قرابت کو بھی تبلا دیتے۔ مرقومۂ بالا مضامین تنقیدی کو تمام کر کے ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔

سفر مدینہ کی منزلیں سراقہ کا واقعہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔ سراقہ کو تو قلادہ عقیدت گردن میں ڈالکر مکہ کو واپس گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ طبری ابن سعد نے مکہ سے لے کر مدینہ تک ان تمام منزلوں کو نام بنام گنوا دیا ہے۔ جہاں جہاں آپ نے دوران سفر میں قیام فرمایا تھا۔ اسوقت عرب کے ملکی نقشہ میں اُن کا نام و نشان بھی نہیں۔ لیکن صرف ان کا نام لکھدینا عقیدتمندوں کی دلچسپی کے لئے کافی ہوگا۔ ابن سعد نے ان منزلوں کے یہ نام تبلائے ہیں۔ خرار۔ ثنیۃ المرۃ۔ لقف۔ مدلجہ۔ مرجح۔ حدایدا۔ اذاخر رابغ۔ (یہ مقام آج بھی حجاج کے راستہ پر آتا ہے۔ یہاں آپ نے مغرب کی نماز پڑھی تھی) ذا سلم۔ عثانیہ۔ فاقہ۔ عرج۔ حداوت۔ رکوبہ۔ عقیق۔ جنجانہ۔

مدینہ میں نزول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سعادتمندان انصار مدینہ میں تشریف آوری کی خبر پاچکے تھے۔ صبح سے شام تک روزانہ قدوم میمنت لزوم کا انتظار ہو رہا تھا اور ہر روز کی ناکامی عالم انتظار کو حد و اختیار تک بڑھا رہی تھی۔ عقیدتمندوں کی جماعت بیرون شہر جاکر روزانہ چشم براہ رہتی تھی۔ اور واپس آتی تھی۔ ایک دن زائد از وقت انتظار کر کے معتقدین کا گروہ واپس آرہا تھا کہ یکایک ایک یہودی نے اپنے قلعہ کی بلندی سے دیکھ کر اور انداز سے شان رسالت پہچان کر آواز دی۔ اہل عرب! تم جس بزرگ کے استقبال کو روز آتے ہو۔ دیکھو وہ آگیا۔ اس آواز کا کانوں میں آنا تھا کہ عقیدتمندوں کے نعرۂ تکبیر سے شہر کا شہر گونج اٹھا۔

انصار کے پرجوش اور خلاص مند قبیلے پہلے سے بھی زیادہ سرگرم عقیدت ہو کر بڑی تیاریوں کے ساتھ لباسہائے فاخرہ پہنے۔ اور ہتھیار جسموں پر سجے۔ اپنے مقدس مہمان حضرت پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسم استقبال کے لئے نکلے ان کے حسن عقیدت کی تو یہ حالت تھی۔ ادھر مدینہ کے بالائی حصہ پر جو اصل شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور جسے عالیہ اور قبا بھی کہتے ہیں انصار کے بہت سے ممتاز اور معزز خاندان آباد تھے۔ ان خاندانوں میں عمرابن عوف کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ جس کے رئیس القبیلہ کلثوم ابن الہدم تھے۔

قبا میں نزول رسالت قبا میں موکب رسالت آٹھویں ربیع الاولی ۱۳ھ نبوت یا ۱ھ ہجرت روز دوشنبہ مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کو پہونچا عقیدتمندان قبا نے شرف ناصیہ سائی حاصل کرنے کے بعد مفاخر دعوت و مہمانی کی عزت افزائی کے لئے بھی درخواست کی۔ بطیب خاطر منظور فرمائی گئی۔ اور کلثوم ابن الہدم کے مہمان ہوئے۔ خاص انکی عزت افزائی کا یہ سبب تھا۔ کہ صحابۂ مہاجرین۔ جو آپ سے پہلے مکہ سے نکل آئے تھے۔ وہ سبکے سب اسوقت تک انھیں کے مہمان تھے۔ جن میں ابوعبیدہ مقداد۔ خباب سہیل۔ صفوان۔ عیاض۔ عبداللہ بن مخرمہ۔ وہب ابن سعد عمر بن ابی سرح اور عمیر بن عوف وغیرہم شامل تھے۔

کلثوم ابن الہدم کے مکان میں قیام فرمانے کے متعلق تو گویا تمام تاریخوں کا اتفاق ہے۔ اور شبلی صاحب نے بھی اسی کو اپنا مختار قرار دیا ہے۔ لیکن طبری ابن ہشام اور ابن سعد کی مرویات سے ثابت ہوتا ہے کہ کلثوم کے مکان میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف آب و طعام اور خواب و آرام فرماتے تھے۔ ارشاد و ہدایت اور دیگر تعلیم دینیات وغیرہ کی صحبتیں سعد بن خثیمہ کے مکان میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ جو کلثوم بن الہدم کے مکان سے ملا ہوا تھا۔ کلثوم کے مکان میں جگہ تنگ تھی۔ اور سعد کا مکان بہت کشادہ تھا۔ اور ان کے اہل و عیال بھی نہیں تھے۔ اسعد محض تنہا رہتے تھے۔ مدینہ اور قرب و جوار کے لوگ جوق جوق ہر وقت زیارت کے لئے حاضر رہتے تھے اور باریاب خدمت ہوا کرتے تھے ہر وقت مخلصین کا ہجوم تھا اور معتقدین کا اژدحام اسی

لئے اسعد بن خیثمہ کا مکان دربار رسالت کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

انما کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا اخرج من منزل کلثوم بن ھدم جلس للناس فی دار سعد بن خیثمۃ وذلک انہ کان عزبا لا اھل لہ وکان منزل العزاب اصحاب رسول اللہ صلعم من المہاجرین فمن ھنالک یقال

عربی میں عزب اسکو کہتے ہیں جسکے عیال نہیں ہوتے۔

جب آپ کلثوم بن ہدم کے مکان سے باہر ہوئے تو آپ نے لوگوں کی خیثمہ کے مکان میں مجلس منعقد کی کیونکہ سعد ابن خیثمہ صاحب عیال نہیں تھے اور اصحاب مہاجرین بھی یہیں مقیم تھے۔ انکے ساتھ بھی عیال نہیں تھے۔ واسطے اس مکان کو منزل العزاب کہتے تھے۔

دربار رسالت ہر وقت مخلصین کی کثرت سے بھرا رہتا تھا۔ باری باری سے عقیدتمند شرفیاب زیارت ہوتے تھے کلمات ہدایت وارشاد سنتے تھے۔ صداقت وحقیقت بیانی سے متاثر ہوکر اسلام کی دولت اور ایمان کی نعمت پاتے تھے عطائے الٰہی کا شکر نعمت ادا کرتے تھے۔ اور رسول خدا صلعم پر سلام و درود بھیجکر رخصت ہوجاتے تھے ہر روز کیا ہر وقت یہی عالم پیش نظر رہا کرتے تھے ابن سعد لکھتے ہیں کہ سعد بن خیثمہ کے مکان میں جو عامۃ المسلمین کے مجمع عام میں تقریر فرمائی گئی اس کے آخری فقرات یہ تھے

یا ایہا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا والناس نیام ادخلوا الجنۃ بسلام۔

ایہا الناس۔ اسلام کی اشاعت کرو۔ محتاج ومساکین کو کھلاؤ صلہ رحم کو بجلاؤ۔ نمازیں پڑھا کرو۔ حالانکہ اور لوگ اسوقت تک پڑے سوتے رہیں اور ان نیک اعمال کے آخر میں سلامتی کے ساتھ بہشت بریں میں داخل ہوجاؤ (طبقات ابن سعد ص ۱۵۹ جزو ج ۱۔

قبا میں حضرت علی مرتضیٰ کا ورود

قبا میں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لائے تین روز گذرے تھے کہ علی مرتضیٰ بھی مکہ سے پاپیادہ چلکر خدمت بابرکت میں حاضر ہوگئے۔ زرقانی اس مہاجر ومجاہد فی سبیل اللہ کی وہ حالت جس صورت سے وہ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوا ہے۔ اس طرح لکھتے ہیں:

وکان علی یسیر باللیل ویختفی بالنہار وقد تقبت قدماہ فمسحہما النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ودعا لہ بالشفاء فبرئتا فی الحال وما اشتکاہما بعد الیوم قط ص ۲۲۳

جناب علی مرتضیٰ راتوں کو چلتے تھے اور خوف کفار سے دن کو چھپے رہتے تھے جب حاضر خدمت ہوئے تو تکلیف پیادہ پائی سے آپکے دونوں پاؤں زخمی ہوگئے تھے۔ آنحضرت صلعم نے آپکا یہ حال مشاہدہ فرماکر آپ کے پاؤں کو دست مبارک سے چھوکر خدا سے دعائے شفا کی۔ آپکے پاؤں اچھے ہوگئے۔ اور پھر آپکو مطلق شکایت نہیں ہوئی۔

واقعات ہجرت کے متعلق جناب امیر علیہ السلام کی جتنی خدمتیں ہیں وہ اپنی آپ نظیر ثابت ہوتی ہیں۔ مکہ سے مدینہ تک کی پیادہ پائی بھی صاف صاف اپنی ندرت اور یکتائی بتلا رہی ہے۔

قبا میں تشریف آوری کے تین دن بعد جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو آج تک مسجد قبا کے نام سے مشہور ہوکر مصلائے مومنین ہے۔

شبلی صاحب نے قیام قبا کے حالات میں انہیں سے کسی واقعہ کو نہ لکھا آپ کی عجلت رہی بہت سے ضروری اور قابل الذکر واقعات تاریخی کو مرفوع القلم فرماتی چلی جاتی ہے - اگر آپ کی تقلید و تاسی میں دوچار کتابیں اس انداز طریقہ کی اور لکھی گئیں تو امید ہے کہ سیرۃ الرسول اور تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات نسیت و نابود ہوجائینگے

قبا کے ایام قیام میں علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن تاریخ و سیرت کا زیادہ تر اس قول پر اعتبار ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے چودہ ۱۴ دن تک مقام قبا میں قیام فرمایا اور جمعہ کے دن بائیسویں ربیع الاول کو مدینہ کی طرف نہضت فرمائی قبیلہ بنی سلیم کے پاس پہونچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت آگیا - مرکب روکدیا گیا - اور وہیں بنی سلیم کے ساتھ نماز جمعہ ادا فرمائی تھی جماعت میں سو آدمی شریک تھے تمام تاریخ و سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ بلاد اسلامی میں یہ پہلا جمعہ ہے جو پڑھا گیا - اور پہلا خطبہ ہے جو نماز جمعہ میں بیان فرمایا گیا - ہم تاریخ طبری سے اس مقدس خطبہ کی پوری عبادت ذیل میں نقل کرتے ہیں

خطبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
فی اول جمعۃ جمعہا بالمدینۃ فی بنی سالم بن عوف

الحمد للہ - احمدہ واستعینہ واستغفرہ واستھدیہ
وامن بہ ولا اکفرہ - واعادی من یکفرہ واشھد ان
لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ و
رسولہ ارسلہ بالھدی والنور والموعظۃ علی فترۃ من الرسل
وقلۃ من العلم وضلالۃ من الناس وانقطاع من الزمان
ودنو من الساعۃ وقرب من الاجل من یطع اللہ ورسولہ
فقد رشد ومن یعصھما فقد غوی وفرط وضل ضلالا
بعیدا - واوصیکم بتقوی اللہ فانہ خیر ما اوصی بہ
المسلم المسلم ان یحضہ علی الاخرۃ وان یامرہ بتقوی اللہ
فاحذروا ما حذرکم اللہ من نفسہ ولا افضل من ذلک نصیحۃ
ولا افضل من ذلک ذکرا وان تقوی اللہ لمن عمل بہ علی
وجل ومن مخافۃ من ربہ عون صدق علی ما تبغون من امر
الاخرۃ ومن یصلح الذی بینہ وبین اللہ من امرہ فی السر والعلانیۃ
لا ینوی بذلک الا وجہ اللہ یکن لہ ذکرا فی عاجل امرہ
وذخرا فی ما بعد الموت حین یفتقر المرء الی ما قدم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا خطبہ جو مدینہ پہونچکر بنی سالم بن عوف کے قبیلہ میں پڑھا گیا۔

حمد وستائش خدا کے لئے ہے میں اسکی حمد کرتا ہوں مدد بخشش اور ہدایت اسی سے چاہتا ہوں - میرا ایمان اسی پر ہے میں اسکی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنیوالوں سے عداوت رکھتا ہوں میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے اسکا کوئی شریک نہیں محمد اسکا بندہ ہے اور رسول اسی نے محمد کو ہدایت نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے وقت میں بھیجا ہے جب کہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا میں نہیں آیا تھا - علم گھٹ گیا گمراہی بڑھ گئی - وہ آخری زمانے میں قیامت کے قریب اور موت کی نزدیکی کیوقت بھیجا گیا ہے جو کوئی خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی راہ یاب ہے اور جس نے انکا حکم نہ مانا وہ بھٹک گیا اور درجہ سے گر گیا اور سخت گمراہی میں پھنس گیا ہے مسلمانو میں تمہیں اللہ سے تقوی کی وصیت کرتا ہوں بہترین وصیت جو مسلمان مسلمان کو کر سکتا ہے یہ ہے کہ اسے آخرت کیلئے آمادہ کرے اور اسے اللہ سے تقوی کیلئے کہے لوگو جن باتوں سے خدا نے تمہیں پرہیز کرنیکو کہا ہے اُن سے بچتے رہو اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت ہے اور نہ کوئی ذکر ہے یاد رکھو کہ امور آخرت کے بارے میں اس شخص کیلئے جو خدا سے ڈر کر کام کر رہا ہے تقوی بہترین مددگار ثابت ہوگا - اور جب کوئی شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ خفیہ و ظاہر میں

كان سوى ذلك تود لو ان بينه وبينها امدا بعيدا و
يحذركم الله نفسه والله رؤوف بالعباد۔ والذي
صدق قوله وانجز وعده لا خلف لذلك فانه يقول عز وجل
ما يبدل القول لدي وما انا بظلام للعبيد فاتقوا الله
في عاجل امركم واجله في السر والعلانية فانه من يتق
الله يكفر عنه سيئاته ويعظم له اجرا ومن يتق الله
فقد فاز فوزا عظيما وان تقوى الله يوقي مقته ويوقي
عقوبته ويوقي سخطه وان تقوى الله يبيض الوجوه
ويرضي الرب ويرفع الدرجة خذوا بحظكم ولا تفرطوا
في جنب الله۔ قد علمكم الله كتابه ونهج لكم سبيله
ليعلم الذين صدقوا ويعلم الكاذبين فاحسنوا كما احسن
الله اليكم وعادوا اعداء الله وجاهدوا في الله حق
جهاده هو اجتباكم وسماكم المسلمين ليهلك من هلك
عن بينة ويحيى من حي عن بينة ولا قوة الا بالله فاكثروا
ذكر الله واعملوا لما بعد اليوم فانه من يصلح ما بينه و
بين الله يكفه الله ما بينه وبين الناس ذلك بان
الله يقضي على الناس ولا يقضون عليه ويملك
من الناس ولا يملكون منه۔ الله اكبر ولا قوة
الا بالله العلي العظيم۔

درست کریگا اور ایسا کرنے میں اسکی نیت خالص ہوگی تو ایسا کرنا اسکے لئے
دنیا میں ذکر اور موت کے بعد ذخیرہ بن جائیگا۔ لیکن اگر کوئی نہیں کرتا
تو اسکا وہ کرا اس آن میں ہو انسان پسند کریگا اور اسکے اعمال اس سے کہ
دور ہی رہے جاویں خدا تم کو اپنی طرف سے ڈراتا ہے اور خدا تو اپنے
بندوں پر نہایت مہربان ہے اور جس شخص نے خدا کے حکم کو سچ جانا اور اسکے
وعدوں کو پورا کیا۔ تو اسکی بابت یہ ارشاد ہے ہمارے ہاں بات نہیں
بدلتی اور ہم اپنے ناچیز بندوں پر ظلم نہیں کرتے مسلمانو اپنے موجودہ اور
آئندہ ظاہر و خفیہ کاموں میں اللہ سے تقوی کو پیش نظر رکھو کیونکہ
تقوی والوں کی بدیاں چھوڑ دیجاتی ہیں اور اجر بڑھا دیا جاتا ہے تقوی
والے وہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہنچ جائینگے یہ تقوی ہی ہے جو اللہ کی
بیزاری۔ عذاب۔ اور غصہ کو دور کر دیتا ہے یہ تقوی ہی ہے جو چہرہ کو
درخشاں پروردگار کو خوشنود اور درجہ کو بلند کر دیتا ہے مسلمانو نعمت
الٰہی میں اپنا حصہ لیلو لیکن حقوق الٰہی میں فروگذاشت نکرو خدا نے
اسی لئے تم کو اپنی کتاب سکھلائی اور اپنا راستہ دکھلایا ہے کہ راستوں اور
کاذبوں کو الگ الگ کر دیا جاوے لوگو خدا نے تمہارے ساتھ عمدہ
برتاؤ کیا ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو خدا کے دشمن ہیں
اُنہیں دشمن سمجھو۔ اور اللہ کے رستے میں پوری محبت اور توجہ سے کوشش
کرو اُس نے تم کو برگزیدہ بنالیا۔ اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ جو ہلاک
ہونیوالا ہے روشن دلائل پر ہلاک ہو۔ اور زندہ رہنے والا بھی
روشن دلائل پر زندگی کرے اور یہ سب اللہ کی مدد سے ممکن ہے لوگو اللہ کا ذکر کرو اور آئندہ زندگی کے لئے عمل کرو کیونکہ جو شخص اپنے اور خدا
کے درمیان کا معاملہ درست کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسکے اور لوگوں کے درمیان کے معاملوں کو درست کر دیتا ہے۔ ہاں خدا بندوں پر حکم چلاتا ہے
لیکن اُسپر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ خدا بندوں کا مالک ہے اور بندوں کو اُسپر کچھ اختیار نہیں خدا سب سے بڑا ہے اور ہم کو نیکی کی طاقت اسی عظمت
والے سے ملتی ہے۔

مدینہ میں داخلہ نبی سلیم کی قیامگاہ سے مدینہ کتنا دور ہی تھا۔ جمعہ کی جماعت و خطبہ سے فراغت فرماکر موکب رسالت نے حرکت
فرمایا ہوا۔ اور شہر کے جنوبی جانب سے سلطان رسالت کا نزول اجلال ہوا داخلہ شاندار ضرور تھا لیکن یہ شان دنیاوی سادہ

سامان اور نمائشی طریقہ وعنوان سے بالکل معرا تھی۔ تاہم اتنی سادگی اور سنجیدگی کے ساتھ بھی ایسی ہیبت وجلال تھی کہ بڑے بڑے جگر داروں کے دل سطوت وعظمت سے ہلے جاتے تھے۔ پیغمبر اسلام اپنے ناقۂ قصویٰ پہ سوار تھے اور مہاجرین بعض صحابہ کبار اور اعوان وانصار بڑے قرینے اور سلیقے سے صفیں باندھے پیچھے پیچھے تکبیروں کے نعرے مارتے ہوئے خراماں خراماں چلے آتے تھے۔ شائقین اور منتظرین کے ہجوم کا عالم یہ تھا کہ ہر مقام وراہ پہ بوڑھے جوان اور بچے عورتیں اور لڑکیاں جمال بے مثال کے شوق زیارت میں گھروں سے بیتاب ہو کر نکل پڑی تھیں اور عمرتن دیدۂ انتظار بنکر آمد آمد کی منتظر کھڑی تھی اور تکبیروں کے نعرے سنکر یہ بھی ویسی تکبیروں کی پرجوش آوازیں بلند کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر میں بخیر وخوبی داخل ہو گئے۔ داخلہ رسالت کی اس عظمت وجلال کو دیکھکر کتب سابقہ کی بشارت کے جاننے والوں کو یقین ہو گیا کہ بے شک یہ وہی مقدس بزرگوار ہے جسکی آمد آمد کی خوشخبری حبقوق نبیؑ نے ان الفاظ میں پہونچائی ہے۔

اللہ جنوب سے اور وہ جو مقدس ہے۔ کہ وہ فاران سے آیا۔ اسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہو گئی (حبقوق نبی کی کتاب باب ۳۔ ورس ۳۔)

جنوب سے آنے کی ندرت اور فاران سے آنیکی خصوصیت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ یہ نبی موعود جسکی بشارت مرقومہ بالا آیۃ میں درج ہے سوائے پیغمبر عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرا ہو نہیں سکتا۔

انصار کی وہ لڑکیاں جو مکہ میں براہ راست آنحضرت صلعم کے دست حق پرست پر بیعت لا چکی تھیں یا اس کے بعد مصعب ابن عمیرؓ کی تبلیغ وتعلیم سے مشرف باسلام ہوئی تھیں ذیل کے انتخابی ترانے گا رہی تھیں۔

اشرق البدر علینا	من ثنیات الوداع	وجب الشکر علینا	ما دعا للہ داع
ہم پر چاند نکل آیا ہے	کوہ وداع کی گھاٹیوں سے	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے	جبتک دعا مانگنے والے دعا مانگیں
انہا المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع	نحن جوار من بنی النجار	یا حبذا محمداً من جار
اے خدا کیطرف سے ہمارے اور بھیجے ہوئے	جو کہ آنیوالے ہیں اپنی احکام کے ساتھ	ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں	محمد صلعم ہمارے کیسے اچھے ہمسایہ ہیں

معصوم اور صغیر السن لڑکیوں کی ترانہ سنجی سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ انکی طرف نگاہ شفقت اوٹھا کر ارشاد فرمایا گیا کیا حقیقتاً تم مجھے چاہتے ہو۔ سب نے عرض کی جی ہاں۔ ارشاد ہوا تو یاد رکھو۔ میں بھی تمہیں دل سے چاہتا ہوں۔

حضرت ابوایوب انصاری کے گھر میں قیام۔

کوکب رسالت جب اس مقام پہ پہونچا جہاں مسجد نبویؐ موجود ہے۔ اسی مقام سے ملا ہوا حضرت ابوایوبؓ انصاری کا مکان تھا۔ یہ قبیلہ بنی نجار سے تھے۔ شائقین کے ہجوم اور معتقدین کے اژدحام سے یہاں قدم رکھنے کے لئے جگہ نہ تھی۔ ہر شخص رسول اللہ صلعم کی مہمانی کی شرف یابی کے لئے گرا پڑتا تھا۔ لیکن بمصداق هذا فضل الله يؤتيه من يشاء یہ خدا کا فضل ہے جسکو چاہے وہ عطا فرمائے۔ ابوایوب انصاری کو اس

شرف خصوصی کے عطا ہونے کی نسبت علماء و محدثین نے مختلف ذرائع اور اسباب بتلائے ہیں۔ اکثر یہ لکھتے ہیں کہ تصفیہ کے لئے قرعہ ڈالا گیا۔ اور انہیں کے نام نکلا۔ اکثر کا یہ قول ہے چونکہ ہر شخص اپنے گھر میں اتارنے کا متمنی تھا۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میرے ناقہ کو چھوڑ دو وہ خدا کی طرف سے مامور ہے چنانچہ ناقہ حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ اس بنا پر آپ نے انہیں کے گھر پر قیام فرمایا۔ لیکن صحیح مسلم باب الہجرت میں ہے کہ جب لوگوں میں آپ کی میزبانی کے متعلق اختلاف ہوا تو آپ نے کہا کہ میں بنی نجار کے ہاں اتروں گا جو بنی عبد المطلب کے ماموں ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمداً ایسا کیا تھا۔ حضرت ابو ایوب اسی خاندان سے تھے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر میں تصریح کی ہے کہ ابو ایوب کے گھر اترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا۔ سیرۃ النبی ج ۱۔ ص ۲۰۱

حضرت ابو ایوب انصاری نے جس خلوص، و عقیدت سے اپنے مقدس مہمان کی خدمت کی ہے وہ اپنی آپ مثال ثابت ہوئی ہے "تاریخ ابن ہشام میں ہے۔

قال ابو ایوب لما نزل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فی بیتی نزل فی السفل وانا وام ایوب فی العلو فقلت لہ یا نبی اللہ بابی انت وامی انی لاکرہ واعظم ان اکون فوقک وتکون تحتی فاظہر انت تکن فی العلو وننزل نحن فنکون فی السفل فقال یا ابا ایوب ان ارفق بنا وبمن یغشانا ان تکون فی سفل البیت قال فکان رسول اللہ صلعم فی سفلہ وکنا فوقہ فی المسکن فلقد انکسر حب لنا فیہ ماء فقمت انا وام ایوب بقطیفۃ لنا مالنا لحاف غیرہا ننشف بہا الماء تخوفا ان یقطر علی رسول اللہ صلعم منہ شی فیوذیہ قال وکنا نصنع لہ العشاء ثم نبعث الیہ فاذا رد علینا فضلہ تیممت انا وام ایوب موضع یدہ فاکلنا منہ نبتغی بذلک البرکۃ۔

ابو ایوب ناقل ہیں کہ جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں مقیم ہوئے تو میں نے آپکو بالاخانہ پر اتارنا چاہا لیکن آپ نے معتقدین کے خیال سے نیچے ہی کے حصہ میں اقامت فرمائی آخر کار میں بھی مجبور ہو گیا۔ اتفاق سے رات کے وقت پانی کا برتن ٹوٹ گیا ہم میاں بی بی فوراً اٹھے۔ اور صرف ایک ہی لحاف ہم لوگوں کے پاس اوڑھنے کو تھا اسکو پانی پر ڈالکر بالکل پانی جذب کر لیا اس خیال سے کہ پانی نیچے ٹپک کر ایذائے رسول کا باعث نہ ہو۔ ابو ایوب بیان کرتے ہیں کہ ہم دونوں وقت کھانا آپکے لئے تیار کر کے خدمت میں حاضر کرتے تھے۔ اور جو کچھ بچ رہتا تھا اسکو ہم میاں بی بی تبرکاً کھا لیتے تھے اور محض برکت کے خیال سے جہاں جہاں آپکے دست مبارک کا نشان معلوم ہوتا تھا۔ وہاں وہاں ہم دونوں اپنا ہاتھ کھانے میں ڈالتے تھے۔ ابن ہشام مصری ص ۱۷۶۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں تشریف آوری کے بعد سب سے پہلا کام جو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز فرمایا وہ ایک مسجد کی تعمیر تھی۔ سات مہینہ تک ایک انصار کے افتادہ مکان میں جو کسی وقت میں مالک مکان کے جانوروں کے رہنے کی جگہ تھی۔ نماز جماعت ہوا کرتی تھی۔ لیکن یہ مقام عقیدت مندوں کے مصلّے اور بندوں کی عبادت

کیلئے کسی طریقہ سے موزوں نہیں تھا حضرت ابوایوب انصاری کے مکان سے ملی ہوئی انصار کی ایک زمین تھی جو ایک زمانہ سے افتادہ پڑی ہوئی تھی۔ اسمیں کچھ پرانی قبریں تھیں۔ اور کچھ کھجور کے درخت تھے اُسکی زمین سوائے کھجور سکھلائے جانیکے اور کسی کام میں نہیں آتی تھی۔ شہنشاہ رسالت ؐ نے اسی قطعۂ زمین کو مسجود عالم ہونے کے لئے منتخب فرمایا۔ انصار کے ممتاز مین بلائے گئے۔ اور ان سے مُدعا بیان کیاگیا۔ وہ فوراً بلاقیمت دینا وقف نذر کرنے کے لئے تیار ہوگئے آپنے بلاقیمت لینے سے انکار کیا۔ چونکہ پہلے معلوم ہوچکا تھا۔ کہ اسکے اصل مالک قبیلۂ انصار کے دو یتیم بچے ہیں لہٰذا ان دونوں یتیموں کو بلایا گیا۔ وہ دونوں بچے ان دنوں معاذ بن عفراء کی تولیت میں تھے جب یہ دونوں لڑکے حاضر خدمت ہوئے۔ اور اُن سے زمین کے لئے ارشاد کیا گیا۔ تو اُنھوں نے بھی وہی جوابدیا۔ جو انکے ولی معاذ پہلے عرض خدمت کرچکے تھے لیکن جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلاقیمت لینے سے قطعی انکار کردیا۔ بالآخر قیمت۔ عدل طے پائی۔ اور حضرت ابوایوب انصاری نے اپنے سرمایہ سے وہ قیمت طے کردی۔ سیرۃ النبی بحوالہ صحیح بخاری وعینی شرح بخاری جلد ۱ ص ۵۷۷ ۲ زرقانی

حضرت عمار بن یاسرؓ کے اعلیٰ خدمات

جب زمین کا معاملہ مصالحت و مسالمت تمام ہوگیا تو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی اور معمولی مزدوروں کی طرح کام کرنے لگے۔ شہنشاہ عالم کی یہ عملی شان دیکھ کر پھر کسی مسلمان کو اتنی تاب کہاں تھی۔ کہ وہ اس سعادت سے بہرہ اندوز نہو۔ تمامی صحابہ مہاجرین اور انصار معتقدین جیسے بڑے بڑے رؤسا و دولت مندان قبائل بھی شامل تھے۔ پھوڑے اور کدالیں لے کر مور و ملخ کیطرح ٹوٹ پڑے اور مٹی کھودنے اُٹھانے اور پھینکنے کا کام کرنے لگے۔ کیسی خالص عقیدت اور کامل ارادت کا منظر تھا جن نازپرور جسموں پر عبا ہائے زرّیں ہوتی تھیں وہ گرد و غبار سے اٹے تھے۔ جن سرداروں کے سروں پر عمامہائے قیمتی دیکھے جاتے تھے اُنپر مٹی کے ڈھیلے ایک پر دو تین رکھے ہوئے تھے۔ اور وہ نہایت مفاخرت سے اس ادنیٰ خدمت کو سعادت عظمیٰ سمجھ کر بطیب خاطر انجام دے رہے تھے۔ یہ کیا تھا۔ اُن کی بے مثال عقیدت اور لاجواب خلوص نیت اس خدمت میں حضرت عمار بن یاسرؓ سب سے زیادہ ممتاز تسلیم کئے گئے ہیں۔ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

ذکر سفیان بن عیینة عن ذکریا عن الشعبی اوّل من بنی المسجد عمّار بن یاسر۔

سفیان بن عیینہ ذکریا سے اور ذکریا امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے بنائے مسجد میں ہاتھ لگایا وہ عمار بن یاسرؓ ہیں

ہم اس بزرگوار کی خدمات جنکی نقل کو شبلی صاحب نے عمداً قلمزد کردیا ہے۔ امام قسطلانی شارح بخاری اور علامہ زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت مصدقہ سے نقل کرتے ہیں۔

وکان المسلمون یحملون لبنة لبنة وکان عمار بن یاسر ینقل لبنتین بلبنتین لبنة عنه ولبنة عن النبی صلعم فقال له

تمام مسلمان ایک ایک اینٹ اُٹھاتے تھے اور عمار بن یاسرؓ دو دو اینٹ ایک اپنے حصہ کی اور ایک جناب رسولخدا صلعم کے حصہ کی آنحضرت

عليه السلام بعد مسح ظهره و نفض التراب عنه للناس
اجر ولك اجران وآخر زادك من الدنيا شربة لبن تقتلك
الفئة الباغية وروى البخاري في بعض نسخه ومسلم
والترمذي وغيرهم مرفوعا ويح عمار تقتله الفئة الباغية
يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار۔ زرقانی ص ۳۴۱

صلعم نے انکی پیٹھ پر دست مبارک پھیرا اور گرد و غبار جھاڑا اور ارشاد
فرمایا کہ سب کے لئے ایک ثواب ہے اور تمہارے لئے دو ثواب ہیں، اور دنیا میں
تیری آخری غذا دودھ ہوگا۔ اور بخاری نے اپنے بعض نسخوں میں
اور مسلم و ترمذی وغیرہ نے باسناد مرفوع لکھا ہے کہ آپ نے اس قسم
پر یہ بھی فرمادیا۔ ہائے تجھکو فرقہ باغیہ قتل کرے گا دراں حالیکہ
تو انھیں جنت کی طرف بلاتا ہوگا اور وہ لوگ تجھے دوزخ کیطرف بلاتے ہونگے۔ زرقانی ص ۳۴۱

اس بشارت نبویہ کے حصول سعادت کی توجیہ میں علامہ زرقانی کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔۔

لانه عليه السلام ابتدأ ينقل ترغيبا لهم (الصحابة)
والعمل يقول هذا البيت لعبد الله بن رواحة ؎
اللهم ان لا اجر الا اجر الآخرة فارحم الانصار والمهاجرة
وقال علي بن ابي طالب ؎ لا يستوي من يعمر المساجدا
يدأب فيها قائما وقاعدا ٭ ومن يرى عن التراب حائدا
قال علي ذلك مطايبة كما هو عادة الجماعة اذا اجتمعوا
على عمل وليس ذلك طعنا وعند البيهقي عن الحسن لما
بنى النبي صلعم المسجد اعانه اصحابه وهو معهم يتناول اللبن
حتى اغبر صدره وكان عثمان بن مظعون رجلا
متنطعا فيجافي بها عن ثوبه فاذا وضعها نفض كمه ونظر الى
ثوبه فان اصابه شئ من التراب نفضه فنظر اليه علي بن
ابي طالب فانشد يقول ؎ لا يستوي الخ فسمعها عمار بن
ياسر فجعل يرتجزها ولا يدري من يعني بها فمر بعثمان فقال يا ابن
سمية لاعرفن بمن تعرض معه حديدة فقال لتكفن او
لاعترضن بها وجهك فسمعه صلى الله عليه وآله وسلم
فغضب ثم قالوا لعمار بن ياسر انه قد غضب فيك ونخاف ان ينزل
فينا قرآن فقال ارضيه كما غضب فقال يا رسول الله صلى
الله عليه السلام ما لي ولاصحابك قال صلعم ما لك ولهم قال يريدون

بنائے مسجد میں پہلی اینٹ اٹھانیکی ابتدا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے اپنے دست مبارک سے کی اسلئے کہ اوروں کے لئے تحریک و ترغیب کا باعث
ہوئے آپ اینٹ اوٹھاتے وقت عبداللہ بن رواحہ کا یہ شعر پڑھتے جاتے تھے
اے پروردگار تو مہاجر و انصار پر رحم فرما اور اجر آخرت جو اصل اجر ہے عطا
فرما۔ آنحضرت صلعم کو سنکر حضرت علیؑ نے یہ شعر نظم کرکے پڑھا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص برابر نہیں
ہے جو مسجد بناتا ہے اس ارادہ سے کہ اس میں کھڑے بیٹھے عمل خیر بجا لائے اور
خاک کیطرف اپنا میلان خاطر رکھو۔ جناب علیؑ مرتضیٰ نے یہ اشعار بالکل
اس غرض خاص سے پڑھے تھے جیسا کہ عام دستور ہے کہ کام کرتے وقت دلبستگی
کے لئے شعر پڑھے جاتے ہیں اس سے غرض آپکی کسی پر طعن کی نہیں تھی۔ بیہقی
حسن بصری کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ جب جناب رسالتمآب صلعم نے مسجد کی تعمیر شروع
کی تو تمام صحابہؓ نے آپکی اعانت کی اور سب اینٹ مٹی وغیرہ ڈھونے لگے آپ
کے سینے خاک سے آلودہ ہوگئے ایک صحابی عثمان بن مظعون نامی نفاست
پسند بزرگ تھے کہ اینٹ اٹھانے سے مٹی یا گارا اگر پڑتا اور وہ اونکا کپڑا
بھر گیا۔ انھوں نے اپنے کپڑوں کی طرف نظر کی اس خیال سے کہ مٹی سے کپڑے
آلودہ تو نہیں ہوگئے۔ جناب علی مرتضیٰ نے انکی طرف نظر فرمائی اور شعر مذکورہ
بالا پڑھا حضرت عمار یاسرؓ نے اس شعر کو یاد کرلیا اور پڑھنے لگے عثمانؓ بن
مظعون کو برا لگا۔ انھوں نے عمار سے کہا کہ میں تمہاری تعریض کو جو یہ سمجھتا ہوں
اونکے ہاتھ میں اسوقت ایک لوہے کا عصا تھا اُسے دکھلا کر عمار یاسرؓ سے کہنے

قتلی یحملون لبنة لبنة وتحملون علی لبنتین فاخذ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدہ وطاف بالمسجد
وجعل یمسح وفرتہ ویقول یا ابن سمیة لیسوا بالذین
لیسوا بالذین یقتلونک تقتلک الفئة الباغیة
زرقانی ج ۱ ص ۲۲۴

کہ اگر تم اپنی تعریض کو نہ چھوڑو گے تو میں اسے تمہارے ناک پر دے ماروں گا جناب
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن لیا سخت برہم ہوئے یہ دیکھ کر لوگ عمارؓ سے
کہنے لگے کہ دیکھا آنحضرت تم سے خفا ہو گئے۔ قریب ہے کہ تمہاری شان میں کوئی
قرآن کی آیت نازل ہو عمارؓ نے جواب دیا کوئی مضائقہ نہیں میں آپ کے
غصہ پر بھی راضی ہوں۔ یہ سنکر عمارؓ نے جا کر عرض کی۔ یا رسول اللہ آپکے
اصحاب میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ارشاد ہوا کیسے؟ عرض کی وہ کہتے ہوئے ہیں کہ مجھے مار ڈالیں آپ تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ پر دو دو اینٹیں
لادو دیتے ہیں۔ یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمارؓ کا ہاتھ تھام لیا۔ بنیاد مسجد کا طواف کرایا۔ اپنے ہاتھوں سے انکی گرد جھاڑی اور ارشاد
فرمایا ابن سمیہ یہ لوگ تمہیں قتل نہیں کرینگے۔ تم کو تو ایک فرقہ باغی قتل کرے گا۔

اسی کا خلاصہ تاریخ ابن ہشام میں ان الفاظ کے ساتھ درج ہے۔

فاخذ عمار اشعار علی بن ابی طالبؑ عمار بن یاسر
فجعل یرتجزها فلما اکثر ظن رجل من اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما یعرض بہ وقال
رجل منهم یا ابن سمیة واللہ انی لارانی ساعرض
هذہ العصا لانفک قال وفی یدہ عصا قال فغضب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم قال ما لهم ولعمارؓ
یدعوهم الی الجنة ویدعونہ الی النار ان عمارا جلدة
ما بین عینی وانفی فاذا بلغ ذلک من الرجل
فلم یستبق فاجتنبوہ ص ۱۵۷ ج ۱ مطبوعہ مصر

عمار بن یاسرؓ نے ان اشعار ابن ابیطالب کو یاد کر لیا اور اسکو پڑھنے لگے
اصحاب رسول اللہ صلعم میں سے اکثر لوگوں کو یہ اشعار سنکر خیال ہوا کہ عمارؓ ہم پر تعریض
کرتے ہیں انہیں سے ایک شخص بول اٹھا کہ اے ابن سمیہ قسم خدا کی میں تمہاری
اس تعریض کو سمجھتا ہوں اور اسکا جواب یہ ہو کہ یہ عصا تمہاری ناک
پر دے ماروں اس وقت انکے ہاتھ میں عصا موجود تھا جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سنکر بہت خفا ہوئے۔ اور لوگوں سے کہنے لگے کہ تم
لوگوں کو کیا ہو گیا ہے پھر عمارؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم ان کو جنت کیطرف
بلاؤ گے اور یہ تمہیں دوزخ کیطرف بلائینگے۔ تحقیق کہ عمارؓ بن یاسر میری
آنکھوں اور میری ناک کے درمیان کی جلد ہے۔ جب آپ کا یہ ارشاد
لوگوں نے سنا تو پھر کسی نے سبقت نہیں کی اور سب نے اجتناب اختیار کیا۔

محدث شیرازیؒ ۔ اس کے متعلق بروضۃ الاحباب میں یہ عبارت قلمبند کرتے ہیں۔

عمار بن یاسر این رجز را یاد گرفت از زبان علی مرتضیٰ کرم اللہ
وجہہ وخشت می کشید ومی خواند یکے از صحابہ نشستہ بود کار نمیکرد پنداشت
کہ عمار تعریض بوے میکند بغضب رفت وعصائے در دست داشت
گفت اے عمار خاموش میشوی والا ترا بآن عصا بزنم سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشنید کہ آن مرد با عمار این سخن گفت فرمود

عمارؓ یاسر نے حضرت علی مرتضیٰ کا یہ رجز یاد کر لیا اینٹ اٹھاتے
تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ صحابہ میں ایک شخص بیٹھا
تھا اور کام نہیں کرتا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں
انکو غصہ آیا انکے ہاتھ میں اس وقت عصا موجود تھا۔ عصا دکھلا کر
عمار سے کہنے لگے چپ رہو نہیں تو اسی عصا سے تمہاری ناک توڑ دونگا

عمارؓ ہر دو دیدہ من است بحکیں نتواند۔ و در ان روز در صحیح بخاری مروی است کہ یاراں در آن روز خشت یکی یکی میبردند و عمار دو دو خشت بر میبرد و در روایتے آنکہ یک خشت از قبل خود و یک از قبل خود و یکے از قبل پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و آنسرور خاک از سر او پاک میکرد و میفرمود ویحک یا عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ یدعوھم الی الجنۃ و یدعونہ الی النار فقال عمارؓ اعوذ باللہ من الفتن روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنؤ جلد اول صفحہ ۲۰۰

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس مرد کے کلام کو جو اُس نے عمارؓ سے کہے تھے سن لیا۔ آپ نے عمار کے حق میں کہا کہ عمار میری دونوں آنکھوں کے برابر ہے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ اس دن ہر صحابی ایک ایک اینٹ اوٹھاتا تھا اور عمار دو دو اینٹیں روایت میں ہے کہ ایک اینٹ اپنے لئے اور ایک اینٹ رسولخدا صلعم کیلئے آنحضرت صلعم خاک اُنکے سر سے پاک کرتے تھے اور کہتے تھے عمارؓ تجھے فرقہ باغیہ قتل کریگا تو اُنھیں جنت کیطرف اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلائینگے۔ عمار نے کہا خدا فتنہ سے پناہ میں رکھے۔

جناب عمار یاسر کی تفصیل احوال سے چونکہ شبلی صاحب کے عقائد کی غلط فہمیوں کا انکشاف ہوتا تھا اسلئے اسے ذکر قابل سمجھ کر قلم انداز فرما دیا گیا یعنی معلوم نہیں کہ اس موقع پر بخاری صاحب کی تقلید سے کیوں دست برداری اختیار کی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے حالات میں تو بخاری صاحب کی ہر ہر جزئیات کی نقل ضروری سمجھی گئی تھی۔ لیکن یہ واقعہ باوجودیکہ اُسی صحیح بخاری میں ایک سے زیادہ مقام پر موجود ہے کیوں نہیں لکھا گیا۔ آخر اسکا کوئی سبب ہے؟ وہی ہے جو اوپر ہم لکھ چکے ہیں۔

ازواج مطہرات کے لئے مکانات کی تعمیر

حضرت عمار ابن یاسر کی تفصیل خدمات کو ختم کر کے ہم اپنے آئندہ سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

مسجد نبوی کا کام اُسی سرگرمی اور مستعدی سے برابر جاری رہا۔ سات مہینوں میں مسجد اور ازواج مطہرات کے مکانات تیار ہوگئے۔ مسجد نبویؐ اور حرم مصطفوی کی عمارتیں اُنکی ساخت اور اُنکی شکل و صورت۔ عمارت کے اعتبار سے کیسی تھی۔

ہم اُس کو شبلی صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ یعنی کچی اینٹوں کی دیواریں برگ خرما کے چھپر۔ کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ لیکن جب قبلہ بدلکر کعبہ کیطرف بدل گیا تو شمالی جانب ایک دروازہ نیا قائم کر دیا گیا۔ فرش چونکہ بالکل خام تھا۔ بارش میں کیچڑ ہو جاتی تھی ایکدفعہ صحابہ نماز کے لئے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشستگاہ پر بچھا لیں۔ آنحضرت صلعم نے پسند فرمایا۔ اور سنگ ریزوں کا فرش بنوا دیا۔

مسجد کے سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صُفہ کہلاتا تھا۔ یہ اُن لوگوں کے لئے تھا جو اسلام لائے تھے۔ اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔

مسجد نبوی جب تیار ہوگئی تو مسجد سے مُتصل ہی آپ نے ازواج مطہراتؓ کے لئے مکانات بنوائے۔ اسوقت تک حضرت سودہ اور حضرت عائشہؓ نکاح میں آچکی تھیں۔ اس لئے دو ہی حجرے بنے جب اور ازواج آگئیں تو اور مکانات بنتے گئے یہ مکانات بھی اینٹوں کے تھے۔ ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ جو حجرے اینٹوں کے تھے اُنکے اندرونی حجرے

بھی ٹٹیوں کے تھے ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہ۔ ام حبیبہ۔ زینب جویریہ۔ میمونہ اور زینب جحش کے مکانات شامی جانب تھے۔ اور حضرت عائشہ صفیہ اور سودہ مقابل جانب تھیں۔

یہ مکانات مسجد سے اسقدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھروں میں بیٹھے بیٹھے آپکے بال دھو دیتی تھیں یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑے ہو کر چھت چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے انہیں سعد بن عبادہ سعد بن معاذ عمارہ بن حزم اور ابو ایوب تھے اور دولتمند تھے یہ لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے اور اسی پر آپ بسر کیا کرتے تھے۔ سعد بن عبادہ نے التزام کیا تھا۔ کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جسمیں کبھی سالن کبھی دودھ اور کبھی گھی ہوا کرتا تھا۔ سیرۃ النبی ص ۲۰۶۔

ایجاد اذان | مسجد نبوی بنکر تیار ہوگئی۔ اور پانچوں وقتوں کی نمازیں جماعت سے پڑھی جانے لگیں۔ لیکن چونکہ اعلان نماز کا اسوقت تک کوئی باقاعدہ انتظام نہیں تھا اسلئے لوگ آگے پیچھے آیا کرتے تھے۔ جو جسوقت آگیا اسنے نماز پڑھ لی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جماعت کی نماز پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ اور فرادہ نماز پڑھنے والے کثیر التعداد ہوتے تھے اسلام نے چونکہ عبادت الٰہی کے تمام سنجیدہ طریقوں میں اجتماع و اتحاد کے اصول کو مدنظر رکھا ہے۔ اسلئے یہ تفریق در گندگی طبع رسالت کی ناپسندیدگی کا باعث ہوئی تمام مسلمانوں کو اس بنا پر مسجد میں یک وقت آنے اور یکبارگی جماعت نماز پڑھنے کے سہل اور عام پسند طریقہ، اعلان وقت جاری فرمانے کی تجویز فرمائی گئی۔ جو پہلے ہی سے ایمائے مشیت اور منشاء رد و ثابت ہو چکا تھا اور جس منشائے قدرت کا نفاذ و اجرا عمارت مسجد کی تکمیل تک رکا ہوا تھا۔ اس بنا پر ایک دن حضرت بلال کو بلایا گیا۔ اذان کے ارکان تعلیم کئے گئے اور ارشاد فرمایا کہ آج سے ہر نماز کے وقت اسی طرح نماز کا اعلان کیا جاوے کہ ہر شخص آواز سنکر نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں چلا آئے اتفاق سے عبداللہ بن زید صحابی اسوقت بیٹھے ہوئے تھے اونھوں نے عرض کی کہ چند روز قبل میں نے خواب میں بھی یہی طریقہ اذان دیکھا ہے اسی دن سے اذان کا طریقہ جو حقیقتاً وقت نماز کا اصلی اعلان ہے جاری اور قائم ہوگیا۔

واقعہ اتنا ہی ہے۔ اور حقیقت اسیقدر۔ اب آگے چلکر اس سادے واقعہ میں جیسی جیسی رنگ آمیزیاں کی گئیں وہ شبلی صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل بیان کی جاتی ہیں۔

اسوقت تک کسی خاص علامت ہونیکی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جسوقت آتا نماز پڑھ لیتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ناپسند تھا آپنے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لاویں لیکن اسمیں زحمت تھی صحابہ کو بلاکر مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک

عَلم بلند کر دیا جائے۔ لوگ دیکھ کر آتے جائیں گے آپ نے یہ طریقہ بھی ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلان نماز کے جو طریقے ہیں وہ بھی عرض کیے گئے۔ لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی۔ دوسرے دن میں پانچ مرتبہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبد اللہ بن زید نے پیش کی تھی۔ جو انھوں نے خواب میں دیکھی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی اور آپ نے اُسی کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہیں سیرۃ النبی ص ۲۰۷۔

واقعیت تو اتنی ہی تھی جسکو ہم ابتدا میں لکھکر دکھلا چکے۔ اب شبلی صاحب اور بخاری صاحب اپنی اپنی ضرورت ہائے خاص سے اس واقعہ کو جس شکل و انداز میں چاہیں بدل دیں لیکن حقیقت شناس حضرات ان قلمکاریوں کو خوب جانتے ہیں ۔ بہر طوریکہ خواہی جامہ می پوش ؛ من انداز قدت را می شناسم۔ ابھی ابھی واقعہ ہجرت میں جیسی جیسی قلمکاریاں کی گئیں تھیں اُنکی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا گیا ہے۔ اُنہیں اگر حضرت ابوبکر کے خصائص قائم کرنیکی ضرورت لاحق تھی تو اس واقعہ اذان میں حضرت عمر کی اصابت رائے کی بنیاد رکھنی تھی۔ اور تقلید اسلاف اور تحفظ عقائد کے اعتبار سے ان امور کی ابتدا آغاز اسلام کے انہیں واقعات سے نہایت ضروری تھی۔ ہیں تو ان خصوصیات کی قدامت میں نقص واقع ہوتا یہی وہ ضرورتیں تھیں جنھوں نے ان واقعات میں ان موضوعات و مصنوعات کے دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہیں۔ واقعات ہجرت میں حضرت ابوبکرؓ کے خصائص داخل کیے ہیں اور واقعات اذان میں حضرت عمر کی خصوصیات شامل کر دیے گئے ہیں حالانکہ حقیقت کی تلاش کیجائے تو معلوم ہو جائے کہ ان خارجی مداخلت کو حقیقت و واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں۔

شبلی صاحب کی رفتار تحقیق تو بخاری صاحب تک ختم ہے اور حقیقتاً سوائے امام بخاری کے نہ اُنکے لئے کوئی وسیلہ ہے اور نہ کوئی حیلہ۔ اسی وجہ سے عنوان کتاب ہی سے انکا دامن تھاما گیا ہے اور یہاں بھی صاف صاف لفظوں میں لکھدیا گیا ہے جب اس اعتراف کے ساتھ کہ صحاح کی اور کتابوں نے بخاری کے خلاف اس واقعہ کو بیان کیا ہے یہ تحکمانہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ بخاری کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دیجا سکتی تو آپ سے حقیقت نگاری اور صداقت بیانی کی کیا توقع کیجا سکتی ہے اب نہیں معلوم کہ اس موقع پر دونوں مختلف روایات کے رجال اور رواۃ کی تنقید سے کیوں کام نہیں لیا گیا۔ کہ دونوں کے ضعف و استحکام کی حقیقت کھل جاتی۔ لیکن شبلی صاحب نے کیا ہیں جو اس مقام پر تحقیق رجال سے کام لیتے وہ تو اپنی اور بخاری صاحب کی ظاہری شہرت اور نمائشی وجاہت سے عوام کو مرعوب بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اور اصل واقعہ سے واقف کار حضرات

صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبد اللہ بن زید نے پیش کی تھی جو انھوں نے خواب میں دیکھی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دیجا سکتی ''

نہ ان ترکیبوں سے اثر پذیر ہوئے ہیں۔ اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اس واقعہ کی حقیقت کا کامل انکشاف علامہ احمد بن خطیب قسطلانی شارح بخاری شریف نے اپنے کتاب مواہب لدنیہ میں بڑی فراخ حوصلگی سے کر دیا ہے ہم انہیں کے مفصلہ ذیل عبارت کو نقل کر دیتے ہیں

وكان الناس كما في السير وغيرها انما يجتمعون الى الصلوٰة لتحين مواقيتها من غير دعوة واخرج ابن سعد في الطبقات من مراسيل سعد بن المسيب ان بلالا كان ينادي للصلوٰة الصلوٰة جامعة وشاور صلى الله عليه وآله وسلم اصحابه فيما يجمعهم له صلوٰة وذلك فيما قيل في السنة الثانية فقال بعضهم ناقوس كناقوس النصارى وقال آخرون بوق كبوق اليهود وقال بعضهم بل توقد نارا وترفعها فاذا راها الناس اقبلوا الى الصلوٰة ورای عبد الله بن زيد بن ثعلبة بن عبد ربه في منامه رجلا نعلمه الاذان والاقامة فلما اصبح اتى النبي صلعم فاخبره بما رای كما عند ابي داود وفي رواية معاذ بن جبل عند الامام احمد قال يا رسول الله اني رايت فيما يرى النائم ولو قلت اني لم اكن نائما لصدقت فاستقبل القبلة فقال الله اكبر مثنى مثنى حتى فرغ من الاذان الحديث فقال فقمت مع بلال فجعلت القيه عليه يؤذن قال فسمع بذلك عمر بن الخطاب رضي الله عنه وهو في بيته فخرج يجر رداءه يقول والذي بعثك بالحق يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لقد رأيت مثل ما رأى ووقع في الاوسط للطبراني ان

جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے لوگ بغیر اذان کے بقصد نماز نماز کے وقت جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اور ابن سعد نے طبقات میں مراسیل سعید بن مسیب سے لکھا ہے کہ بلال صرف نماز کے وقت الصلوٰۃ جامع کی منادی کر دیتے تھے جناب رسول خدا صلعم نے جب اذان کی نسبت صحابہ سے مشورت کی کہ کس طریقے سے لوگ نماز کے واسطے جمع کئے جاویں۔ یہ واقعہ ۲ ہجری کا بتلایا جاتا ہے تو بعضوں نے ناقوس بجانے کی جیسا کہ نصاری ناقوس بجاتے ہیں تجویز پیش کی اور انہیں سے آخر لوگوں نے بوق بجانے کی جیسا کہ یہود بجاتے ہیں بعضوں نے کہا یہ نہیں بلکہ نماز کے وقت آگ روشن کر دیجائے کہ لوگ آکر دیکھکر مسجد میں جمع ہو جائیں عبد اللہ بن زید ثعلبہ بن عبد ربہ انصاری نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نے انکو اذان و اقامت کی تعلیم کی اور صبح ہوئی اور مشورت اذان تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو دیکھا تھا بیان کیا امام احمد بن حنبل کے نزدیک معاذ بن جبل نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم میں نے بھی خواب کی حالت میں جیسا کہ سونیوالے دیکھتے ہیں یہی دیکھا ہے اور اگر کوئی شخص کہے کہ تم اسوقت سوتے نہیں تھے تو ایسا کہنے والا بھی سچ کہیگا میں نے ایک شخص کو سبز کپڑے پہنے ہوئے دیکھا پس وہ قبلہ رو کھڑا ہو گیا اور اس نے اللہ اکبر کہا پھر اسی طرح تمام ارکان اذان دو دو مرتبہ کہے اور اذان تمام ہوئی جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا تمہارا خواب سچ ہے تم اور اللہ جاؤ بلال کے ساتھ کھڑے ہو۔ لوگوں کی طرح جس نے خواب اذان دیکھا ہے اسی سے اذان کہلائی جائے۔ آپ نے فرمایا بلال کی آواز بلند تر ہے معاذ کا بیان ہے کہ میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا اور اذان

لہ قال السيوطي يظهر من هذا ان محمل على الحالة التي تعتري ارباب الاحوال فيشاهدون ما يشاهدون ويسمعون ما يسمعون والصحابة رؤس ارباب الاحوال۔ امام سیوطی کہتے ہیں کہ اس کا ظاہر ہے کہ ناقلین خواب پر وہ حالت طاری تھی جو ارباب حال پر طاری ہوتی ہے اور وہ اس حالت میں جو دیکھنا ہے دیکھتے اور جو سننا ہے سنتے ہیں اور صحابہ ارباب احوال کے راس الرئیس ہیں۔ المولف عفی عنہ۔

ابا بکر ایضا رای الاذان وفی البسیط للغزالی انہ راہ بضعة عشر رجلا وعبارة الجیلی فی شرح التنبیة اربعة عشر وفی سیرة المغلطائی انہ راہ سبعة من الانصار وقال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری ولا یثبت شیٔ من ذلک الا لعبد اللہ بن زید وقصة عمر جاءت فی بعض الطرق

زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص ۳۵۴

کہنے لگا میری صدائے اذان کو حضرت عمر بن الخطابؓ نے سنکر اپنے گھر سے بعجلت تمام و بکمال سرعت اس حالت خاص میں داخل مسجد ہوئے کہ ان کی ردا زمین پر گھسٹتی چلی جاتی تھی جناب رسولخدا صلعم سے عرض کی کہ قسم اس خدا کی جسنے آپکو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے بھی خواب میں ایسا ہی دیکھا ہے اور طبرانی کی معجم وسطی میں مروی ہے کہ حضرت ابوبکر نے بھی خواب میں ایسا ہی دیکھا ہے اور امام غزالی کی اسناد سے بسیط میں ہے کہ دس آدمیوں سے زیادہ لوگوں نے ایسا ہی خواب دیکھا تھا اور علامہ جیلی شرح تنبیہ میں لکھتے ہیں کہ (۱۴) چودہ آدمی ایسے ہی خواب کے مدعی ہوئے ہیں اور سیرت مغلطائی میں ہے کہ انصار کے سات آدمیوں نے اسکا دعوی کیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق میں فقط عبد اللہ بن زید کی روایت ثابت ہے اور حضرت عمر کا قصہ بعض طرق میں آیا ہے

مواہب لدنیہ قسطلانی کی مرقومہ بالا عبارت نے حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا۔ اور سوائے عبد اللہ بن زید کے خواب کے جو محض اتفاقی طور پر واقع ہوا تھا سب کو بے اصل ثابت کر دیا۔ حضرت عمر کی مداخلت کو جسے بخاری صاحب نے خواہ مخواہ عبد اللہ بن زید کے واقعہ پر ترجیح دینی چاہی ہے۔ انکی صحت و حیثیت بھی خود بخاری کے شارح حافظ ابن حجر کی عبارت سے ظاہر ہو گئی جسکی نسبت وہ صرف یہ لکھکر کہ بعض طرق میں انکے خواب کا بھی ذکر آگیا ہے۔ اور کوئی وزن و اہمیت نہیں دیتے

بخاری صاحب کیطرح طبرانی صاحب نے بھی معجم اوسط میں حضرت ابوبکر کے شامل کر دینے کی بھی کوشش کی تھی۔ کیونکہ انکی خوش عقیدگی کی نظر فاضل و مفضول کی دلیل اور وقوع خلافت کی ترتیب کیطرف منعطف ہوئی تھی۔ ان عقیدتمندانہ اضافوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ ادخال فی بدء الاذان میں پھر تو یہاں تک ترقی ہوئی کہ صرف انصار میں سات سے لیکر بروایت امام غزالی دس آدمیوں سے زیادہ اور بروایت علامہ جیلی چودہ آدمی اس کے شرف اولیت کے مدعی ہوئے اور تخصیص کو خواہ مخواہ معمول کے اصول پر تعمیم کے طریقہ میں داخل کرنے سے یہی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

جانبداروں کے ان طومار ناپیدا کنار کو اٹھا کے آخر کار امام ابن حجر کو فتح الباری میں لکھدینا پڑا۔

ولا یثبت شیٔ من ذلک الا لعبد اللہ بن زید | سوای عبد اللہ بن زید اور کسی کیلئے بھی انمیں سے کوئی شے ثابت نہیں ہوئی

اب فرمائیے شبلی صاحب کا یہ محکمانہ فیصلہ کہ بمقابلہ روایت بخاری اور کسی کی روایت قابل اعتبار نہیں کہاں گیا۔

جب بذات خاص شارح بخاری اصل روایت بخاری کی مجہولیت اس زور و شور سے ثابت کر رہے ہیں اور حضرت عمرؓ کے قصہ کے بارے میں لکھتے ہیں تو اتنا کہ بعض طرق میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔

جو صورت حال حضرت عمرؓ کی داستان خواب کی معاذ کی زبانی مسند امام ابن حنبل کے اسناد سے لکھی گئی ہے وہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ اگر بفرض محال انکا قصہ خواب بھی صحیح مان لیا جاوے تو مشت بعد از جنگ کی صورت رکھتا ہے کیونکہ عبد اللہ بن زید اور معاذ دونوں کے بعد آکر یہ اپنا خواب دہراتے ہیں اس صورت میں شبلی صاحب کا یہ دعوی کہ واقعہ

حضرت عمرؓ بالکل صحیح ہے کیونکہ وہ صحیح بخاری میں داخل ہے اور شارح بخاری امام قسطلانی کا یہ آخر فیصلہ کہ سوائے عبد اللہ بن زید کے خواب کے اور کسی کے خواب دیکھنے کا واقعہ ثابت ہی نہیں محققین و مصنفین زمانہ کی نگاہوں سے اب پوشیدہ نہیں رہسکتا۔ وہ حضرات خود ہی تسلیم کرینگے کہ کس کے قول میں حقیقت ہے اور کس کی رائے میں جانبدارانہ اضافات کا ذخیرہ ہے۔

ان تمام اضافات کا جو اصل مدعا ہے وہ ہم اپنی تمہیدی عبارت میں اوپر لکھ چکے ہیں یہ سب اصول عقاید کی استحکام کی غلط کوششوں کے نتیجے ہیں۔ جنکی ابتدا ایجاد اذان کے متعلق حضرت عمرؓ کے اوصاف اضافی سے کی گئی ہے اور آگے چلکر اس مداخلت میں اتنی ترقی کی گئی ہے۔ (کہ نعوذ باللہ) نزول وحی کو بھی آپ ہی کی مشورت اور تجویز و رائے پر محمول و موقوف ٹھہرایا گیا ہے جسکو ہم اُسکے خاص مقام پر تفصیل سے بیان کرینگے۔

اب اس بحث کے متعلق ہمکو حکم اذان کی اصل حقیقت دکہلادینی باقی ہے وہ علامہ زرقانی کی زبانی حسب ذیل ہے۔

فی قولہ علیہ السلام انّہا الرؤیا حق ثم بنی حکم الاذان علیہا وھل کان ذلک عن وحی من اللہ لہ امر لا واجاب بانہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم قد اریہ لیلۃ الاسریٰ فروی البزار فی مسندہٖ عن علی بن ابی طالب قال لما اراد اللہ ان یعلم رسولہ الاذان جاء جبرئیل بدابۃٍ یقال لہ البراق فرکبہا حتے اتی الحجاب الذی یلی الرحمن فبینما ھو کذلک اذ خرج ملک من الحجاب فقال یا جبریل من ھذا قال الذی بعثک بالحق انی لاقرب الخلق مکانا وانّ ھذا الملک ما رأتہ منذ خلقت قبل ساعتی ھذہٖ فقال الملک اللہ اکبر فقیل من وراء الحجاب صدق عبدی انا اکبر انا اکبر ذکر بقیۃ الاذان وقال السہیلی ھذا اقوی من الوحی فلما تاخر امر الاذان الی المدینۃ واراد اعلام الناس بوقت الصلوٰۃ تلبث الوحی حتی رای عبد اللہ بن زید الرؤیا فوافقت ما رای صلعم فلذلک قال انہا الرؤیا الحق ان شاء اللہ۔ زرقانی ج صـ ۵۵ ـ ۱

جناب رسولخدا صلعم کے اس حکم کی تشریح میں کہ آپ نے عبد اللہ بن زید کا خواب سنکر یہ ارشاد فرمایا کہ تیرا خواب سچ ہے یہ بتلایا گیا ہے کہ آیا اس حکم سے بنا اذان قائم ہوئی ہے اگر یہ فرمان بذریعہ وحی ہے تو واجب الاذعان ہے اور اگر نہیں ہے تو اذان واجب نہیں ہوسکتی اسکے وجوب کے متعلق امام بزار نے اپنی مسند میں حضرت علی ابن ابیطالبؑ سے یہ روایت کی ہے کہ جب خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ ہوا کہ اپنے رسول صلعم کو اذان کا طریقہ بتلائے تو حضرت جبرئیل براق لیکر آئے اور معراج کی رات کو آپ کو حجاب قدس تک لیگئے وہاں آپ نے ایک فرشتہ کو دیکھکر حضرت جبرئیل سے پوچھا یہ کون ہے جبرئیل نے جواب دیا یہ مجھے زیادہ مقرب آپ ہی ہیں۔ اور قسم اُس خدا کی جس نے آپکو حق کیساتھ مبعوث فرمایا ہے اُس نے اپنے وقت خلقت سے آجتک سوائے اس وقت کے اسکو نہیں دیکھا ہے یہ سنکر اس ملک نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر حجاب قدس سے فوراً آواز پیدا ہوئی۔ کہ یہ میرا بندہ سچ کہتا ہے میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں اسی طرح اس فرشتہ نے تمام اذان کے ارکان ختم کئے اور ادھر بابِ حجاب قدس کو ندائے تصدیق و اجابت پیدا ہوئی امام سہیلی مصنف روضۃ الانف کہتے ہیں۔ کہ یہی ترکیب اذان کا بذریعہ وحی نازل ہونا زیادہ قوی الاسناد ہے لیکن حکم اسکا قیام مدینہ تک ملتوی رکھا گیا یعنی

اُسوقت تک اسکا اجرا ملتوی رہا۔ یہاں تک کہ تمام اہل اسلام کو وقت نماز سے اطلاع دہی کیجئے۔ جاری فرمایا گیا یہاں تک کہ عبداللہ نے خواب میں دیکھا اور آپ سے بیان کیا اور اسی بنا پر آپ نے انکی خواب کی تصدیق فرمائی اور ارشاد کیا تمہارا خواب برحق اور سچا ہے"۔

اتو مرقومہ بالا عبارت سے مفصل طور پر ابتدائے اذان کی حقیقت کا انکشاف ہوگیا۔ اور ثابت ہوگیا کہ مثل نماز و وضو کے اذان کی تعلیم بھی حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی پہونچائی گئی تھی۔ اسمیں کسی کی رائے و مشورت کو دخل نہیں تھا لیکن آپنے جیسا کہ امام سہیلی لکھتے ہیں۔ تاحصول اطمینان اعلان حکم اذان کو مناسب وقت اور مصلحت نہ سمجھا تا آنکہ قیام مدینہ میں تعمیر مسجد کی تکمیل کے بعد آپنے اسکے نفاذ و اجرا کو ضروری سمجھ کر صحابہ سے اسکا ذکر فرمایا ہر شخص نے اپنی مقدار عقل کے مطابق جواب دیا۔ انہیں جواب دینے والوں میں عبداللہ بن زید نے اپنے خواب کا بھی ذکر کیا جو حسن اتفاق سے تعلیم وحی کے موافق تھا اسلئے اونکے خواب کی تصدیق فرمائی گئی اُسی دن سے حکم وحی کے مطابق حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا گیا۔ جو اسوقت تک جاری ہے علماء و محدثین کی جانبداریوں اور طرح طرح کی قلمکاریوں نے اُسکو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ گویا رسول اللہ صلعم اُسوقت ارکان اذان سے واقف نہ تھے۔ یہ تو بالکل صحابہ کی مشورت و تعلیم تھی جس نے رسول اللہ صلعم کو اذان کی ترکیب اور اسکے اجزاء کی ضرورت بتلائی۔ ہم اپنے دیباچہ کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ رسالت صحابیت اور خلافت کا ایک مقدمہ تیار کیا گیا ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں چنانچہ یہ تمام موضوعات انہیں عقاید کے بنیادی پتھر ہیں جو ابتدائے رسالت کے ساتھ ساتھ رکھے جاتے ہیں۔

شبلی صاحب نے باوجود اتنی وسیع النظری کے روض الانف امام سہیلی کی اس عبارت کو جسے وہ اپنے دیباچہ میں معتبر ترین سیرت شمار کر چکے ہیں کیوں نہ لکھا حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب کو اسکے استنباط و نقل میں بیکبار دو مجبوریاں پیش آگئیں اول تو یہ کہ اسکا اندراج ان تمام مصنوعات کی حقیقت کا انکشاف کر دیتا۔ دوسری یہ کہ چونکہ اس تفصیل میں آنحضرت صلعم کے معارف روحانیت کا ذکر تھا۔ اسکی نقل آپکے فلسفہ تاریخ کے موضوع کے خلاف واقع ہوئی تھی اس بنا پر دونوں طریقوں سے اسکا مرفوع القلم کردینا آپکے لئے ضروری تہا۔ لیکن بااینہمہ شبلی صاحب کو اسکا خیال نہ آیا۔ کہ وہ سیرۃ النبی لکھ رہے ہیں کسی معمولی آدمی کی سوانحعمری نہیں۔ اسلئے انکے حالات و واقعات میں علی الاکثر روحانیت کے اظہار اور نورانیت کے اقرار کے بغیر نہیں کام چل سکتا چونکہ واقعات مذکورہ بالا نے ابتدائے اذان کو تعلیم روحانیت ہی کے ذریعہ سے ثابت کر دیا ہے اس لئے یہی روحانیت عین فلسفہ اذان ہے اور وہی اسکی تاریخ کا فلسفہ تعین کیا جائے گا۔

مہاجرین و انصار کے درمیان صیغۂ اخوت؛ مہاجرین جس مصیبت اور پریشانی میں مکہ سے نکلکر مدینہ پہونچے تھے۔ وہ ظاہر ہے۔ وہ غریب اپنی جانوں کے سوا کچھ بھی اپنے ہمراہ نہیں لائے تھے۔ جو کچھ بھی سرمایہ تہا وہ گھر چھوڑ آئے تھے کفار قریش سے جان بچا کر چلے آئے یہی تمام دنیا کی دولت تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مہاجرین حقیقتاً بہت بڑی خوشحال اور دولتمند قوم تو تھی ہی نہیں۔ علی الاکثر انمیں مفلوک الحال تھے۔ اور نادار مگر بااینہمہ انمیں بعض متمول بھی تھے اور خوشحال بھی لیکن مکہ سے ہجرت کرتے وقت

اونپر ایسی بے بسی کا عالم طاری تھا۔ کہ وہ بیک بینی دوگوش گھر سے نکلکر اور قریش سے جان بچاکر مدینہ چلے آنے کے سوا اسوقت کچھ بھی نہ کرسکے اسلئے جب وہ مدینہ میں پہونچے تو اُن کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انصار کی فیاضی اور مہماں نوازی اونکی تمام ضرورتوں کی کفیل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری تک پینتیس[۳۵] یا چالیس[۴۰] مہاجرین آچکے تھے۔ اور سب کے سب رئیسان انصار کے مہمان تھے۔ اور اس کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ انصار اونکی خدمت کرتے تھے کہ ان غریب الوطنوں کو گھر کا لطف آتا تھا۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تشریف آوری کیوقت جب ان حضرات کو دیکھا تو اُن کو مکہ سے زیادہ یہاں خوشحال پایا لیکن بااینہمہ سرورِ عالم نے اتحاد دینی اور اتفاق ایمانی کے اصول سے اس ضیافت وبھائی کو حقوق اخوانی کے مضبوط رشتۂ وحدت و یکجہتی میں منسلک فرمادیا۔

ابن ہشام اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ کہ عقد مواخاۃ کا انتظام آنحضرت صلعم نے تعمیر مسجد کے بعد فرمایا اور انس بن مالک کے مکان میں مہاجرین وانصار کو جمع فرماکر باہمانہ اخوت کا صیغہ جاری فرمایا۔ ابن ہشام نے ان لوگوں کی طویل اور بہ تفصیل فہرست لکھی ہے شبلی صاحب نے اُسکا خلاصہ کرکے مشاہیر مہاجرین وانصار کے نام نامی لکھے ہیں ہم اُنھیں کے مفصلہ ذیل خلاصہ وانتخاب کو نقل کردیتے ہیں۔

نام مہاجر	نام انصار
حضرت ابوبکرؓ	خارجہ بن زید
حضرت عثمانؓ	اوس بن ثابتؓ
زبیر بن عوامؓ	سلامہ بن وقشؓ
عمار بن یاسرؓ	حذیفہ بن یمانؓ
سلمان الفارسیؓ	ابودرداءؓ
ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ	عبّاد بن بشرؓ
حضرت عمرؓ	عتبان بن مالکؓ
ابوعبیدہ جراحؓ	سعد بن معاذؓ
مصعب ابن عمیرؓ	ابوایوب انصاریؓ
ابوذر غفاریؓ	منذر بن عمروؓ
حضرت بلالؓ	ابورویحہؓ
سعید بن زیدؓ	ابی بن کعبؓ

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ کہ بے خانمان مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے۔ لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلام کی تکمیل کا سامان تھا۔ سیرۃ النبی ج

شبلی صاحب نے حسب العادت جب اسکی تفصیل بخاری شریف میں نہیں پائی تو بالآخر مجبور ہوکر تاریخ ابن ہشام کے اتباع پر عمل پیرا ہوئے؟ اور کیونکر نہ ہوتے؟ تاریخ وسیر کے خاص موضوع پر کتاب لکھ رہے تھے۔ اگر اسوقت تقلید بخاری مدنظر رکھتے تو تاریخی حیثیت سے ایک عظیم الشان واقعہ اسلامی کا سراپا سقوط ہو جاتا تھا۔ اس مجبوری سے تھوڑی دیر کے لئے صحیح بخاری بند کردی گئی۔ ہمیں معلوم مولوی صاحب کا وہ اصول کہ سیر وتاریخ کی کتابوں نیز مرویات حدیث کو اور

احادیث میں مرویات صحاح کو اور صحاح میں مرویات بخاری کو ترجیح حاصل ہے اور جسکو آپ نے بڑے طمطراق سے دیباچہ کتاب میں لکھا ہے اور تمام کتاب میں اسی عملدرامد بیکار فرماتے ہیں اُسوقت کہاں گیا۔ اور کیا ہوا؟ مانا کہ صحیح بخاری میں نہیں تھا۔ اور صحاح میں لکھا ہوتا اور اگر اپنے ایجاد کردہ اصول ترجیح پر اصرار تھا تو اس واقعہ کو لکھا ہی نہ ہوتا اسلیے کہ بخاری شریف میں نہیں تھا۔ یہ انداز تحریر گو مولفانہ ذی اعتباری اور وضعداری کی شان کے بالکل خلاف ہے مگر نہیں۔ باوجود اس کے کہ اپنے اصول مقررہ سے خلاف ورزی اختیار فرمائی گئی۔ لیکن تاہم تعلیم و تقلید بخاری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور عام اس سے کہ اس نقل انتخاب میں بھی اصل عبارت کے نقل ماخذ میں تحریف ہوئی ہو یا صریح تدلیس جس مقصد کا اسموقع خاص پر اسقاط و اخذاف منظور خاطر تھا وہ کر ہی دیا گیا۔ وہ کیا تھا اسقاط ذکر علیؑ۔ تاریخ ابن ہشام سے آپکی نقل کردہ انتخابی فہرست دیکھ لیجائے۔ حضرت علی مرتضیٰؑ کا نام نامی خصوصاً اور دیگر بنی ہاشم کے اسمائے گرامی عموماً کہیں بھی پائے نہیں جاتے۔ ملاحظہ ہو جلد اوّل ص ۲۱۱۔

کیا عقد مواخاۃ کے انتظام میں یہ حضرات مستثنیٰ فرما دیے گئے تھے۔ یا فی الحقیقت آپکی طرح ابن ہشام نے بھی انکا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسکی تحقیق میں جب ابن ہشام کی اصلی عبارت دیکھی جاتی ہے تو انکی فہرست میں سرنمبر انہیں بزرگواروں کے اسمائے مقدس لکھے پائے جاتے ہیں ہم عبرت ناظرین کیلیے ابن ہشام کی اصلی عبارت ذیل میں لکھے دیتے ہیں۔

اٰخی رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ و اٰلہٖ و سلم بین اصحابہ من المھاجرین والانصار فقال فیما بلغنا و نعوذ باللّٰہ ان نقول علیہ مالم یقل تاٰخوا فی اللّٰہ اخوین اخوین ثم اخذ بید علی بن ابی طالب فقال ھٰذا اخی فکان رسول اللّٰہ سید المرسلین امام المتقین و رسول رب العٰلمین الذی لیس لہ خطیر[1] ولا نظیر من العباد و علی بن ابی طالب اخوین و کان حمزۃ بن عبد المطلب اسد اللّٰہ و اسد رسولہ و عم رسول اللّٰہ صلعم و زید بن حارثۃ مولیٰ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ و اٰلہٖ و سلم اخوین والیہ اوصیٰ حمزۃ یوم احد حین حضر القتال ان حدث بہ حادث الموت و جعفر بن ابی طالب ذو الجناحین

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جماعت صحابہ مہاجرین و انصار کے درمیان عقد مواخاۃ کی تنظیم کا ارادہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جو خدا کا حکم آیا ہے اور اگر نعوذ باللہ جو کبھی تم کو ایسی بات کہوں جو مجھ سے نہ کہی گئی ہو۔ کہ میں تم لوگوں کے درمیان صیغہ اخوت جاری کروں اور تم لوگوں کو بھائی بھائی بنا دوں۔ اسکے بعد آپنے حضرت علی بن ابیطالب کا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے کیونکہ رسول اللہ جو سید المرسلین امام المتقین اور رسول رب العالمین تھے اور بندوں میں کوئی شخص بجز حضرت علی ابن ابیطالب کے رسول اللہ کا نظیر اور مماثل فی القدر و منزلت نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی بنا پر یہ دونوں بزرگوار بھائی بھائی ہوئے اور حضرت حمزہ جو اسد اللہ اور اسد رسول کے لقب سے ملقب تھے اور جناب سرور کائنات کے محترم چچا تھے۔ زید بن حارثہ کیساتھ جو آپکے غلام تھے بھائی بنے۔ چنانچہ جنگ احد میں زخمی ہو کر قریب وفات حضرت

[1] عطیر مثلہ فی القدر والمنزلت قدر و منزلت میں کسی کا مماثل مراح مطبوعہ کلکتہ ص ۳۸۶

الطیار فی الجنۃ ومعاذ بن جبل اخو بنی سلمۃ اخوین قال ابن ھشام وکان جعفر ابن ابی طالب یومئذ غائبا بارض الحبشۃ
تاریخ ابن ھشام مجلد اول صفحہ ۱۸۹ مطبوعہ بولاق مصر

حمزہ ہی کو وصیت فرمائی تھی اور جعفر ابن ابیطالب جن کا لقب ذو الجناحین (دو بازو والے) اور طیار فی الجنۃ (بہشت میں اڑنیوالے) تھا معاذ ابن جبل انصار۔ کے جو بنی سلمہ کے بھائی ہوئے تھے بھائی بنائے گئے۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت جعفر طیار ابن ابیطالب اسوقت تک ملک حبشہ میں مقیم تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفر طیار کا معاملہ بھی اس موقع پر ایسا ہی تھا جیسا حضرت عثمان کے غائبانہ میں بیعتِ رضوان کے عقد کا واقعہ بتلایا جاتا ہے۔

ان تمام واقعات دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ شبلی صاحب بخاری صاحب کے ساتھ ساتھ قدم اور قلم اٹھا رہے ہیں اور جو عنوان کہ دیباچہ کتاب سے اوٹھایا گیا ہے اسکی شرط تقلید و متابعت حرفاً حرفاً و لفظاً لفظاً ادا فرما رہے ہیں اور وہ کیا ہے ؟ اتخاف خصائص بنی ہاشم عموماً اور اسقاط و اخذاف فضائل علی خصوصاً سبقت فی الاسلام کے ابتدائی حالات میں جو بخاری صاحب نے قلمکاریاں کیں اور آپ نے جن جن پہلوؤں سے انکی جانبداری کے حقوق ادا فرمائے۔ اور وہ اوپر بیان ہو چکے۔ دعوت قریش کی حقیقت حال کو بخاری صاحب نے جن جن اقسام کے مختلف فیہ الفاظ و عبارت کیساتھ خلط مبحث کر دیا اور کسی طرح خلیفتی و وزیری فیکم کے الفاظ کو متن حدیث میں لکھنا گوارا نہ فرمایا اور آپ نے بھی اوسکو آمنا و صدقنا کہکر حرف بحرف نقل کر ڈالا اُسکی بھی مفصل اور مکمل تنقید اوپر قلمبند ہو چکی ہے۔ ابھی ابھی واقعہ ہجرت میں فرش رسول پر حضرت علی ؑ کے سونے کی عظیم الشان اور متفق علیہ واقعہ کو بخاری صاحب نے قطعاً مرفوع القلم فرما دیا اور کہیں اُسکا ذکر تک نہیں کیا۔ لیکن چونکہ بخاری کی یہ ایسی صریح حق پوشی تھی کہ آپ بھی اسکے اقدام پر جراءت نہ کر سکے۔ مجبوراً آپ کو لکھنا ہی پڑا۔ اگر آپ اسی ایک واقعہ پر غائر نظر ڈالتے تو آپ کو بخاری کی مقدار صحت کا پورا اندازہ ہو جاتا لیکن آپکو خود منظور نہ تھا

ان تمام واقعات کے لبد عقد مواخات کا مرقومہ بالا واقعہ ہے بخاری صاحب ایسے کیا تھے جو ٹھنڈے دل سے حضرت علی ؑ کی ان خصوصیات کو لکھتے۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ واقعہ چونکہ اسلام کی تاریخ اتحاد کا نہایت عظیم الشان اور قابل الذکر واقعہ تھا۔ اور اسکے حذف و اسقاط سے ابتدائے اسلام کے اکثر واقعات غیر مسلسل اور نامکمل رہ جاتے اس مجبوری سے آپ نے عارضی طور پر تقلید بخاری سے دست برداری اختیار کی اور تاریخ ابن ہشام سے اس واقعہ کو لکھا۔ لیکن تاہم اصل مدعا کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور فضائل و خصائص علی ؑ کی عبارت خاص کو باوجودیکہ ماخذ اصلی میں موجود تھا نکال ہی ڈالا جیسا کہ مفصل طور پر اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس سے بڑھکر مولف کے لئے کونسا شرمناک واقعہ ہو سکتا ہے؟ استغفر اللہ ربی۔

مگر شبلی صاحب ابھی تک اِس واقعہ کو صرف ایک تاریخی واقعہ سمجھے ہیں اور اسکے استخراج و استنباط کو محدثین و مفسرین کا مختار نہیں تعین کرتے تو ہم ذیل میں صرف اُن علماء محدثین اور اُونکی کتابوں کے نام لکھے دیتے ہیں جنھوں نے اس واقعہ کو بطریق حدیث مسند درج فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے مناقب میں امام نسائی نے خصائص میں امام ابی شیبہ نے مسند میں امام حاکم نے مستدرک میں امام عبدالبر نے استیعاب میں طبرانی نے معجم میں امام سیوطی نے جمع الجوامع میں امام دارقطنی نے مسند میں۔ ملا علی متقی نے کنزالعمال میں فقیہ ابوالحسن معازلی نے مناقب میں اور امام دیلمی اور امام ابن مردویہ نے اپنی اپنی مناقب میں اس واقعہ کی تفصیل مختلف الفاظ و عبارت کے ساتھ تطبیق فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو ارجح المطالب فی عد مناقب علی ابن ابیطالب مولفہ خواجہ عبیداللہ امرتسری مطبوعہ لاہور ص ۲۸۵۔

اپنی تنقیدی عبارت کو تمام کر کے اب ہم شبلی صاحب کے بقیہ مضامین کو جو انصار مدینہ کی فیاضی عالی ہمتی خلوص و محبت اور حقوق اخوت کے صاف اور شفاف آئینے ہیں۔ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

مہاجرین و انصار کے باہمانہ سلوک

یہ رشتہ اخوت بھائیچارہ ۔یا (BROTHERHOOD) بالکل حقیقی رشتہ بنگیا۔ کوئی انصاری مرتا تھا تو اسکی جائداد و مال مہاجر کو ملتا تھا۔ اور بھائی بند محروم رہتے تھے۔ (بحوالہ صحیح بخاری کتاب التفسیر) یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل تھی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (سورہ انفال رکوع آخر)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے اُن لوگوں کو پناہ دی اور انکی مدد کی یہ لوگ باہم بھائی ہیں۔

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اُتری۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

ارباب وراثت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

اُسوقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا چنانچہ کتب تفسیر و حدیث میں یہ تصریح مذکور ہے۔

سنہ ۴ ہجری میں بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے اور انکی زمین اور نخلستان قبضہ میں آئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین نادار ہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ مقبوضات تنہا اُنھیں کو دیدئے جائیں۔ اور تم اُن سے اپنے نخلستان واپس لیلو۔ انصار نے عرض کی کہ نہیں ہمارے نخلستان ہمارے بھائیوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیجئے۔ اور یہ بھی اُنھیں کو عنایت فرمادیجئے۔ بحوالہ فتوح البلدان مطبوعہ یوروپ ص ۲۲۰۔

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی۔ لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟ سعد بن الربیع نے جب عبدالرحمٰن بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دیکر نصف لے لینے کی درخواست کی تو اُنھوں نے کہا کہ خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے

ابو طلحہ نے عرض کی میں حاضر ہوں۔ غرض کہ وہ اپنے گھر لیوا گئے۔ لیکن وہاں بھی برکت تھی۔ بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔ اُنھوں نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو۔ اسدہی کھانا مہمان کے سامنے لاکر رکھدو۔ تینوں ساتھ کھانے پر بیٹھے میاں بیوی بھوکے بیٹھے رہے۔ اور اسی طرح خالی ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں۔ اسی واقعہ کے بارے میں یہ آیت اُتری سلہ

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ | اگرچہ ان پر خود تنگی ہو تاہم اپنے دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں

اصحابِ صُفّہ | انصار و مہاجرین کی عام جماعت مُسلمین میں اہل صفہ بھی داخل ہیں۔ شبلی صاحب ان کی حقیقت یوں لکھتے ہیں صُفّہ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے۔ گو اسکی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں صُفّہ سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا۔ جو مسجد نبوی کے ایک کنارے پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا۔ صحابہ میں اکثر تو شاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت و زراعت بھی کرتے تھے۔ لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت پذیری پر نظر کر دی تھی۔ ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقے سے نکل آتے تھے۔ انہیں سے ایک ٹولی تو دن کو جنگل سے لکڑیاں لاکر اور اُنکو بیچکر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کر لیتی۔ یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صُفّہ) پر پڑے رہتے۔ حضرت ابوہریرہ بھی انہیں لوگوں میں تھے۔ انہیں سے کسی پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ مہیا نہ ہو سکیں۔ چادر کو گلے سے اسطرح باندھ لیتے تھے کہ پاؤں تک لٹک آتی تھی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے۔ جو ٹپک ٹپک کر گرتیں۔ اور یہ اوٹھا اوٹھا کر کھاتے کبھی دو دو دن کھانے کو نہ ملتا تھا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے یہ لوگ کثر شریک نماز ہوتے۔ لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے۔ باہر کے لوگ آتے ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ دیوانے ہیں۔ (بحوالہ صحیح ترمذی باب معیشۃ النبی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کہیں سے کوئی صدقہ کا کھانا آتا تو سلم ان کے پاس بھیجدیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکو مہاجرین و انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لیجاتے اور انکو کھانا کھلاتے۔ حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض اور دولتمند تھے وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو ساتھ لیجایا کرتے تھے

بحوالہ زرقانی ذکر اصحاب صفہ مسجد نبی سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۱۵۔

سلہ شبلی صاحب نے اس مضمون میں مہاجرین کو انصار کی احسانمندی سے سبکدوش کرنے کی بیجا کوشش کی مگر بالآخر بیکار ثابت ہوئی۔ آیہ مبارکہ قرآنی نے ایثار انصار ہی کا پلہ بھاری کر دکھایا۔ آپکا یہ خطبہ ما تقدم اور حاشیہ بندی سقیفہ میں بحث ترجیع مہاجر علی الانصار کو قوت دینے کیلئے ہے

مجھکو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے اُنھوں نے سوق قینقاع کا جو مشہور بازار تھا۔ جاکر راستہ بتا دیا۔ اُنھوں نے کچھ گھی کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید و فروخت کی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ ہوگیا کہ شادی کرلی (صحیح بخاری میں یہ واقعہ دو مختلف موقعوں پر مذکور ہے) رفتہ رفتہ انکی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بنجاتی ہے انکا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لدا کرتا تھا۔ اور جسدن مدینہ میں پہونچتا تھا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی

اصابہ فی معرفتہ الصحابہ

بعض صحابہ نے دوکانیں کھولیں۔ حضرت ابوبکر کا کارخانہ سنح میں تھا۔ جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ (ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰) حضرت عثمان بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ (مسند امام احمد بن حنبل) حضرت عمر بھی تجارت میں مشغول ہوگئے تھے۔ اور شاید اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی اور صحابہ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کردی تھی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ پر جب لوگوں نے جب کثرت روایت پر اعتراض کیا اور صحابہ تو اسقدر روایت نہیں کرتے تو اونھوں نے کہا اسمیں میرا کیا قصور۔ اور لوگ بازار میں تجارت کرتے تھے اور میں رات دن بارگاہ نبوت میں حاضر رہتا تھا۔

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نخلستان نے یہ انصار کو واپس کردئے۔ صحیح مسلم باب الجہاد میں ہے۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لما فرغ من قتال اھل خیبر وانصرف الی المدینۃ رد المہاجرون الی الانصار منائحھم التی کانوا منحوھم من ثمارھم۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کے عطیہ جو نخلستان کی صورت میں تھے واپس کردئے۔

مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس جو افتادہ زمینیں تھیں اُن کو دیدیں اور جنکے پاس زمینیں نہ تھیں اُنھوں نے اپنے سکونتی مکانات دیدئے سب سے پہلے حارثہ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی۔ بنو زہرہ مسجد نبوی کے عقب میں آباد ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے یہاں ایک قلعہ رجسکو گڑھی کہنا زیادہ موزوں ہوگا) بنوایا حضرت زبیر بن العوام کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی۔ حضرت عثمان۔ مقداد۔ عبداللہ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو میں زمینیں دیں (معجم البلدان ذکر مدینہ) انصار نے مہاجرین کی بھائی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ میں اُنکی نظیر نہیں ملتی بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اسکو انصار میں تقسیم کردینا چاہتا ہوں اُنھوں نے عرض کی کہ پہلے ہمارے بھائیوں (مہاجروں) کو اتنی ہی زمین عنایت فرمایئے تب ہم بھی لینا منظور کریں گے صحیح بخاری باب فضائل الانصار۔

ایکدفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ کہ سخت بھوکا ہوں آپنے گھر میں دریافت کیا کچھ کھانے کو ہے۔ جواب آیا صرف پانی ہے۔ آپ نے حاضرین کیطرف مخاطب ہوکر فرمایا کوئی ہے جو ان کو اپنا مہمان بنائے

یہودان مدینہ | مورخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہودی نسلاً یہود تھے اور اس تقریب سے عرب میں آئے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انکو قوم عمالقہ سے جنگ عمالقہ کیلئے بھیجا تھا لیکن تاریخی قرائن سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہود گو تمام دنیا میں پھیلے۔ لیکن انھوں نے کہیں اپنے نام نہیں بدلے۔ آج بھی جہاں ہیں اسرائیلی ہی نام رکھتے ہیں بخلاف اسکے عرب کے یہودوں کے نام۔ نضیر قینقاع۔ مرحب حارث وغیرہ ہوتے تھے۔ جو خالص عربی نام ہیں۔ یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ ع نے ان سے لڑنیکو کہا تو بولے

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ | تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے

بخلاف ان کے عرب کے یہودی نہایت دلیر۔ شجاع اور بہادر تھے۔ ان قرائن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مورخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریظہ۔ اور نضیر عرب تھے۔ یہودی بنگئے تھے۔

ثم کانت وقعة بنی نضیر وهم فخذ من جذام الا انهم تهوّدوا وكذلك قريظة۔ | پھر بنی نضیر کا واقعہ ہوا۔ قبیلہ جذام کا ایک خاندان تھا لیکن یہودی ہوگیا تھا۔ اسی طرح قریظہ بھی۔

مورخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ میں ایک روایت لکھی ہو کہ یہ جذام کے قبیلہ سے تھے کسی زمانہ میں عمالقہ سے اور اونکی بت پرستی سے بیزار ہوکر حضرت موسیٰ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کرکے حجاز میں چلے آئے مسٹر مارگیولوس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہے۔ انکا بیان رائے یہ ہو اور غالباً صحیح ہے کہ یہودان مدینہ سیروبخات کی ٹری آبادمیں ایک دو خاندان اصلی یہود بھی تھے عرب جو یہود ہوتے گئے وہ بھی انھیں میں شامل ہوگئے تھے۔

خاص مدینہ اور اُسکے اطراف میں یہود کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر۔ اور بنو قریظہ ان لوگوں نے مضبوط بُرج اور قلعہ بنا رکھے تھے۔ انصار کے جو دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج ان میں باہم جو آخر معرکہ ہوا تھا (جنگ بعاث) اس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔ کہ انصار باہم کبھی متحد ہونے پائیں۔ ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے۔ تو پہلا کام یہ تھا کہ یہود اور مسلمانوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہوجائیں۔ آپ نے انصار اور یہود کو بلاکر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے منظور کیا یہ معاہدہ ابن ہشام نے پورا لکھا ہے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے۔

مسلمان اور یہودان مدینہ میں باہمانہ معاہدہ | (۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے اب بھی قائم رہے گا۔ (۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ اور اُن کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا (۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

ع عمل میں لائی گئی تھی المولف

(۴) یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے فریق کی مدد کرے گا۔
(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔
(۶) مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا۔ تو دونوں فریق شریک یکدگر ہوں گے
(۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کریگا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ رہے گی
یہودیوں کا اس معاہدہ پر بظاہر اقرار و دستخط ہوگیا۔ لیکن اُن کے اس اقرار و اعتراف کو انکے قلب و جان سے کوئی تعلق نہیں تھا جیسا کہ بہت جلد ثابت ہوتا ہے۔

اسلام سے یہود کا تنفر۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جب سے خدا کے نبی برحق حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام نے اپنے وعظ میں یہود کو یہ بشارت پہونچائی تھی۔ کہ خدا موسیٰؑ کے بھائیوں میں سے موسیٰؑ جیسا نبی پیدا کریگا اُسوقت سے یہود یہ اُمید کئے ہوئے تھے۔ اور اسی اُمید پر مدینہ میں ٹہرے ہوئے تھے کہ بنی اسمٰعیل میں پیدا ہونیوالا نبی یہود کے ادبار قومی کو دور کرنیوالا۔ انکی گذشتہ شان و شوکت۔ حکومت و سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنیوالا ہوگا۔ اور جب سے یہود کو شام سے نکالکر ذلت و غلامی کے گڑھے میں ڈالدیا گیا تھا اسی وقت سے نبی موعود کے ظہور پر انکی آنکھیں اور بھی زیادہ لگی ہوئی تھیں اب اسمٰعیلی نبی کا مدینہ میں تشریف لانا سنکر یہودی بہت خوش ہوئے تھے۔ یہ حالت کسی طرح جنگ بدر تک قایم رہی لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ یہ تو مسیح کو راستباز ٹہراتا انکی تعلیم کو سچی بتلاتا۔ مسیح پر ایمان لانے کو اسلام کا جزو دین اور جزو لاینفک قرار دیتا۔ اور اُن کی بزرگی کرکے یہودیوں کو انصاف سے ملزم ٹہراتا ہے۔ تو اُسوقت سے سب یہودی نبی صلعم کے دشمن ہوگئے۔

مسلمانوں سے۔ عیسائیوں کی نفرت عیسائی بھی خال خال مدینہ اور اُسکے مضافات میں آباد تھے مجموعی حیثیت سے عیسائی نہ شمار میں یہودیوں کے برابر تھے اور نہ مال و اقتدار میں ان کے مقابل تھے لیکن تاہم ملک کی آبادی ان کی تعداد افراد سے خالی بھی نہیں تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور فرمانے اور مدینہ میں تشریف لانے سے یہ بھی پہلے بہت خوش اور مطمئن ہوئے۔ اسلئے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام اپنے سب سے آخری وعظ میں ایک بشارت دینوالے کے آنیکی خبر دیگئے تھے جو دنیا کے ساتھ ہمیشہ رہیگا اسکی رسالت آخر اور ہمیشہ دُنیا میں قائم رہیگی اور جو دنیا کو سب چیزیں سکھلائیگا اور تمام عیسائیوں کو اسی کے حکم پر چلنے کی تاکید فرمائی تھی اسلئے عیسائی بھی اس نبی کا انتظار کر رہے تھے جو یہود سے انکے ظلموں کا بدلہ لینے والا عیسائیوں کو جلال بخشنے والا مسیح کی صداقت ظاہر کرنیوالا ہوگا۔ لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ نبی صلعم نے عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل ابنیت۔ تثلیث۔ کفارہ۔ رہبانیت اور یورپ کے الٰہی اقتدارات کا رد کیا تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہوگئے رحمۃ العلمین ص ۹۵

ڈاکٹر ڈریپر DR DRAPPER نے اپنی کتاب موسومہ مذہب اور سائنس میں جسکا ترجمہ مولوی ظفر علیخاں۔ بی۔ اے نے کیا ہے لکھا ہے

شبلی صاحب نے جو معاہدہ کی عبارت ابن ہشام کی اصلی عبارت سے خلاصہ کر کے لکھی ہے وہ بالکل مبہم رہگئی ہے۔ اسلئے اُسکا انکشاف ہمارے لئے بہت ضروری ہے اِس بنا پر ہم ابن ہشام کی اصلی عبارت سے ذیل میں اس معاہدہ کے تمام شرائط کو حسب ذیل قلمبند کرتے ہیں۔

(۱) هذا الكتاب من محمد النبی صلعم بین المؤمنین والمسلمین من قریش ویثرب من تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم

(۲) انهم امّة واحدة۔

(۳) ان یهود بنی عوف امة مع المؤمنین۔

(۴) وان بینهم النصر علی من حارب اهل هذه الصحیفة۔

(۵) وان بینهم النصح والنصیحة والبرّ دون الاثم۔

(۶) وان الیهود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین

(۷) وانّ بطانة یهود کانفسهم۔

(۸) وانه یاتم امرء بحلیفه۔

(۹) وان النصر للمظلوم۔

(۱۰) وان یثرب حرام جوفها لاهل هذه الصحیفة

(۱۱) وان الجار کالنفس غیر مضارّ ولا اثم

(۱۲) وانه ما کان بین اهل هذه الصحیفة من حدث او اشتجار یخاف فساده فانّ مردّه الی الله عز وجل والی محمد النبی صلی الله علیه وآله وسلم۔ ابن ہشام جلد اول مطبوعہ بولاق مصر صفحہ ۱۷۸

(۱) یہ تحریر محمد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانب سے مسلمانوں کے درمیان جو قریش یا یثرب کے باشندے ہیں اور اُن لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ متحد اور کاروبار میں اُنکے شامل ہیں

(۲) یہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائینگے۔

(۳) بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم شمار ہونگے

(۴) جو کوئی ان معاہد قوموں کے ساتھ جنگ کریگا مسلمان معاہدہ والوں کی نصرت کرینگے۔

(۵) مسلمانوں کے تعلقات معاہد قوموں کیساتھ خیرخواہی خیراندیشی اور فائدہ رسانی کے ہونگے ضرر اور گناہ کی نہ ہونگے

(۶) یہودی مسلمانوں کیساتھ ایام جنگ میں مصارف جنگ دینگے

(۷) یہودیوں کے حقوق جانبدارانہ قوموں کے حقوق کے برابر سمجھے جائینگے۔

(۸) کوئی شخص اپنے معاہد قوم کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہیں کریگا

(۹) مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی۔

(۱۰) مدینہ کے اندر کشت وخون کرنا اس معاہدہ کی رو سے سب لوگوں پر حرام ہوگا (۱۱) ہمسایہ قومیں بھی معاہد قوموں کی ایسی سمجھی جائینگی تاوقتیکہ وہ ضرر رساں اور عامل گناہ نہ ثابت ہوں۔

(۱۲) معاہدہ والی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائیگا جسمیں آئندہ فساد کا خوف ہوگا تو اس امر کا فیصلہ خدائے بزرگ وبرتر اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کیا جائیگا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کہ عیسائی مذہب ابتدا میں سالہا سال تک تین اصول کی تعلیم کرتا رہا۔ حق اللہ یعنی انسان کو چاہیئے کہ خدائے بزرگ وبرتر کی تعظیم کرے حق الذات یعنی انسان کو چاہیئے کہ ذاتی طور پر نیک رہے حق العباد یعنی لازم ہے کہ انسان اپنے ابنائے جنس کے ساتھ بھلائی کرے اسکے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ ان ترمیمات کا صحیح اندازہ لگانے کیلئے جو عیسائی مذہب میں آگے چلکر بیرونی آمیزش سے پیدا ہوئیں اور

راس المنافقین۔ عبداللہ ابن ابی سلول

مدینہ کے حالات کا اندازہ کرنے کے لئے ناظرین کو راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کے حالات پر بھی مجمل طور پر نظر ڈال لینی ضروری ہے یہودان مدینہ کے سوا مدینہ میں ایک ممتاز اور باثر شخص یہ بھی تھا۔ اوس و خزرج کے قبیلوں پر اسکا پورا رعب تھا۔ اور اسکو پوری توقع تھی کہ ان طاقتور قبیلوں کی مدد سے مدینہ کی سب سے اعلیٰ طاقت یہی بنجاؤنگا۔ جب اُس نے دیکھا کہ اوس و خزرج مسلمان ہو رہے ہیں تو خود بھی (بعد از جنگ بدر) نظاہر مسلمانوں سے ملگیا۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ یہودی نبی صلعم کے خلاف ہو گئے ہیں۔ تو اس نے چاہا کہ یہودیوں پر بھی اسکا اثر قایم رہے۔ اور مسلمان ہوجانیوالے قبائل بھی بدستور سابق اسکے زیر اثر ہیں اسلئے اُس نے یہ رویہ اختیار کیا۔ کہ مسلمانوں میں شمولیت کرنے سے اپنی رفاقت کا اقرار کرتا اور دیگر اقوام کے سامنے اونکے ساتھ اپنے اتحاد رفاقت وصداقت کا دعویٰ کیا کرتا تھا۔ اور چونکہ فی الحقیقت اسلام کو وہ اپنی آرزوؤں کا پامال کنندہ سمجھتا تھا۔ اسلئے جب موقع ملتا تو مسلمانوں کی ضرر رسانی سے دریغ نکرتا اسلام میں اُسکے گروہ کا نام منافقین تھا۔ اور وہ راس المنافقین کے نام سے مشہور تھا۔

مدینہ کی یہ حالت تھی اور اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی دعوت اور منادی کے لئے اس جگہ بھی بہت سی دشواریوں کا سامنا تھا۔ ایک منصف اور غور پسند طبیعت فیصلہ کرسکتی ہے کہ ان سب مواقع پر غالب آجانا اسلام کی صداقت کی عمدہ دلیل ہے۔ اشاعت اسلام میں جو کامیابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں بمقابلہ مکہ معظمہ ہوئی اُسکا ذکر قرآن نے پہلے ہی سے بطور پیشن گوئی فرما دیا تھا۔ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ پچھلا تیرے پہلے سے بہتر ہوگا۔

بقیہ صفحہ گذشتہ۔ آجتک قائم ہیں۔ اول ترتلین کی تحریر تو ضرور دیکھنا چاہئے۔ جو اُس ذقیصر سیویرس کے زمانہ میں جبکہ عیسائیوں پر طرح طرح کے ظلم ہو رہے تھے۔ بمقام روما قلمبند کی تھی اس تحریر میں تثلیث کا ذکر نہیں ہے (گویا مسئلہ تثلیث تین سو صدی عیسوی تک عیسائیوں کی عقائد میں داخل نہیں تہا۔ یہ تیسری صدی کی عموماً اور کونسل نیس کی خصوصاً مصنوعات ثابت ہوتا ہے) اور کفارہ کا تو دوبارہ پایا جاتا ہے عیسائیوں کے عقائد میں مسئلہ کفارہ کی حقیقت یہ ہے کہ ان کے عقائد میں حضرت عیسیٰ کی شہادت اُنکی اُمت کے تمام اعمال کا کفارہ ہوگئی اور اب اُمت سے کسی پرسش اعمال کی ضرورت باقی نہیں) کیونکہ اُسکے الفاظ یہ ہیں خدا نے انسان کے اعمال حسنہ وسیئہ کی لحاظ سے جزا و سزا مقرر کی ہے جو نیک ہونگے اونھیں لذت جاودانی عطا فرمائیگا۔ اور جو بد ہونگے اُنھیں ابدی شعلوں میں جھونک دیگا ڈاکٹر مذکور نے پھر لکھا ہے قیصر قسطنطین کے عہد میں عیسائیت میں بت پرستی شامل ہوگئی۔ اور پادریوں کی پہلی کونسل نیس ہی کی صدارت میں ۳۲۵ء میں قائم ہوئی پھر کا ونسلوں کے انعقاد کی رسم پڑ گئی۔ ہر ایک کونسل مذہب اور اعتقاد میں نئی نئی ترمیمات و اصلاحات عمل میں لانے لگی۔ اس لئے ہم نے جو متن میں لفظ عیسائیوں کی خود ساختہ مسائل درج کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے یاد رکھنا چاہئے کہ نبی صلعم نے جن مسائل میں اصلاح فرمائی تھی آہستہ آہستہ جزاً جزاً مختلف طور پر عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے بھی ان اصلاحات کو قبول کر لیا ہے اور اپنے مذہب کا جزو بنا لیا ہے اگرچہ وہ ابتک اس سچے محسن رسول اللہ صلعم کے شکرگذار نہیں ہیں مثلاً عیسائیوں کا فرقہ یونیٹیرین مسیح کو ابن اللہ نہیں تسلیم کرتا۔ پروٹسٹنٹ فرقہ اسلام کے بعد عیسائیوں میں پیدا ہوا۔ جو بہت سی باتوں میں اسلام کا ممنون ہے ہیں رحمۃ للعلمین ص ۹۵ و ۹۶

سنہ ہجری کے متفرق واقعات

ہجرت کا پہلا سال تمام ہوگیا۔ اس سال کے تمام مشہور اور قابل الذکر واقعات پوری تفصیل سے اوپر بیان ہو چکے متفرق واقعات جو اپنی خاص اہمیت اور نیز تاریخی حیثیت سے ذکر کے قابل ہیں وہ یہ ہیں

دو رئیسان انصار کلثوم بن ہدم اور اسعد بن زرارہ کی وفات

اس سال انصار میں سے دو نہایت معزز شخصوں نے جو مقربین خاص میں سے تھے وفات پائی۔ کلثوم بن الہدم اور اسعد بن زرارہ کلثوم۔ وہ شخص ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہاں تشریف لائے تو انھیں کے مکان میں ٹھیرے اکثر بڑے بڑے صحابہ بھی انہی کے گھر اترے تھے

اسعد بن زرارہ ان چھ شخصوں میں سے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی اور ابن سعد کی روایت کے مطابق ان چھ شخصوں میں سے جس نے سب سے پہلے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھایا یہی اسعد تھے یہ فخر بھی انھیں کو حاصل ہے کہ مکہ سے مدینہ میں آکر سب سے پہلے انھیں نے جمعہ کی نماز قائم کی۔ چونکہ قبیلہ بنی نجار کے نقیب تھے اسلئے انکی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ انکی جگہ کوئی شخص اس منصب پر بحال کیا جاوے چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا۔ تو اوروں کو رشک ہوگا۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں خود تمہارا نقیب ہوں۔ چونکہ آپ کا ننہال اسی قبیلہ میں تھا۔ اس لیے اور قبائل کو رشک اور مناقشت کا موقع نہیں تھا۔

اسعد کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلعم اگر پیغمبر ہوتے تو ان کو یہ صدمہ نہ پہونچا۔ آپ نے سنا تو فرمایا لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي وَلَا لِصَاحِبِي مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا میں اپنے ساتھیوں کے لئے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا طبری ۱۲۶۱۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ میں دو بڑے رئیسان کفر نے بھی وفات پائی خالد بن ولید کے باپ ولید بن المغیرہ نے اور عمر عاص کے باپ عاص بن وائل السہمی نے۔

اسی زمانہ میں عبداللہ ابن زبیر بھی پیدا ہوئے اور تاریخ طبری کے مطابق مختار بن ابو عبید ثقفی اور زیاد بن سمیہ جسکو آگے چلکر امیر معاویہ نے سیاسی ضرورت سے زیاد بن ابوسفیان بنالیا بھی پیدا ہوئے۔

اسوقت تک نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں۔ اب ظہر، عصر اور عشا میں چار چار ہوگئیں لیکن سفر کیلئے اب بھی وہی رہیں

سنہ ۲ ہجری

تحویل قبلہ۔ شعبان ۲ھ

ہجرت کا دوسرا سال شروع ہوا۔ اس سال تاریخ اسلامی میں دو عظیم الشان واقعات ظہور پذیر ہوئے ایک سمت قبلہ تبدیل ہوا دوسرے یہ کہ مخالفین اسلام نے اسلام کے استیصال اور مسلمانوں کے قتل عام کرنے کے لئے علانیہ تلواریں نکال لیں اور مسلمانوں کو انکی مدافعت اور اپنی جان و مال اور اہل و عیال کی حفاظت خود اختیاری میں انکی خونخوار یو ا:

کا جواب دینا پڑا

تعریف قبلہ اور اسکی تعیین وتبدیل کے متعلق مولوی نجمی صاحب نے نہایت قابلانہ اور محققانہ تفصیل وتصریح قلمبند فرمائی ہے ہم اسی کی مفصلہ ذیل نقل کو اپنے مدعا کے بیان کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

ہر گروہ اور ہر مذہب کیلیئے ایک امتیازی شعار ہوتا ہے جسکے بغیر اُس قوم کی مستقل ہستی نہیں قائم رہسکتی اسلام نے یہ شعار قبلہ نماز قرار دیا۔ جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حکم واسرار کا جامع ہے۔ اسلام کا خاص نمایاں وصف مساوات عام جمہوریت اور توحید عمل ہے۔ یعنی تمام مسلمان یکساں اور متحد الجہت نظر آئیں مذہب اسلام کا رکن اعظم نماز ہے جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہے۔ نماز کی اصلی صورت یہی ہے کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کی جائیگی لیکن اسطرح کہ ہزاروں اور لاکھوں اشخاص کی متفرد ہستیاں مٹ کر ایک ہستی بنجائے اسی بناء پر نماز جماعت میں ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی ایک ایک حرکت اُسکے اشاروں سے وابستہ ہوتی ہے اسلیئے ضرور ہے کہ سب کا مرجع عمل بھی ایک نظر آئے یہی اصول ہے جسکی بناء پر نماز کیلیئے ایک خاص قبلہ قرار پایا۔ اور اس شعار کا دائرہ اسقدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کی طرف رُخ کرنا ہی کفر کے دائرے سے نکل آتا ہے۔

اب صرف یہ بحث باقی رہی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جاوے۔ یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے کیونکہ انکی قومی اور مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام بت شکن کے جانشین کیلئے صرف کعبہ قبلہ ہو سکتا تھا جو اُس موحد اعظم کی یادگار اور توحید خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبتک مکہ میں تھے۔ دو ضرورتیں ایک ساتھ درپیش تھیں ملت ابراہیمی کی تاسیس وتجدید کے لحاظ سے کعبہ کیطرف رُخ کرنیکی ضرورت تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض تھی یعنی امتیاز واختصاص وہ نہیں حاصل ہوتی تھی۔ کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے۔ اس بناء پر آنحضرت صلعم مقام ابراہیم پر نماز پڑھتے تھے جس کا رخ بیت المقدس کیطرف تھا۔ اسطرح دونوں قبلے سامنے آجاتے تھے۔ مدینہ میں دو گروہ آباد تھے۔ مشرکین جنکا قبلہ کعبہ تھا اور اہل کتاب جو بیت المقدس کیطرف نماز ادا کرتے تھے۔ شرک کے مقابلہ میں یہودیت اور نصرانیت دونوں کو ترجیح تھی اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مدت یعنی تقریباً سولہ[۱۲] مہینوں تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی لیکن جب مدینہ میں اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رُخ کیا جاتا۔ اس بناء پر یہ آیت اتری اور دفعۃً قبلہ بدل گیا۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ۔	تم اپنا مونہہ مسجد الحرام کیطرف پھیر دو اور جہاں کہیں رہو اسی طرف پھیر دو۔

تحویل قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا۔ انکو مشرکین کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا اور اسلام بھی پہلے

مشرکین بھی ان کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے یہانتک کہ (جیسا کہ ابوداؤد میں روایت ہے) جن لوگوں کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی ۔ وہ منتیں مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہیگا تو ہم اسکو یہودی بنائینگے ۔ اسلام سے ان کے مذہبی اعزاز کو صدمہ ہو نچایا تاہم چونکہ ابتک اسلام کا قبلہ ابتک بیت المقدس ہی تھا اسلئے وہ مفخر کرتے تھے کہ اسلام بھی انہیں کے قبلہ کیطرف رُخ کرتا ہے جب اسلام نے قبلہ بھی بدلدیا تو اُنکی ناراضی اور برہمی کا پیالہ لبریز ہوگیا اُنھوں نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہر بات میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں اسی لئے قبلہ بھی مخالفت کے ارادے سے بدلدیا ہے دوسرے اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں اور اس سے بے استقلالی اور تزلزل اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے ۔ اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کے متعلق چند آیتیں اتریں جن سے یہ مشکلیں حل ہو جاتی ہیں ۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۔

سُفہا، یہ اعتراض کرینگے کہ مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اُس سے اُنکو کس نے پھیر دیا کہدو کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہے تیرا جو پہلا قبلہ تھا تو کیا اسکو جو ہم نے پھر قبلہ کر دیا تو اُسکی یہ وجہ ہو کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کا پیرو کون ہوا اور پیچھے پھر جانیوالا کون ہو اور بے شبہ یہ قبلہ نہایت گراں اور ناگوار ہو بجز ان لوگوں کے جنکو خدا نے ہدایت کی ہے ۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۔

پورب پچھم رُخ کرنا ثواب کی بات نہیں ثواب تو یہ ہو کہ آدمی خدا پر قیامت پر ملائکہ پر ۔ خدا کی کتاب و پیغمبروں پر ایمان لائے اور خدا کی محبت میں عزیزوں کو یتیموں کو مسکینوں کو مسافروں کو سائلوں کو اور لینے غلاموں کو اپنی دولت دے ڈالے ۔

ان آیتوں میں پہلے خدا نے یہ بتلایا کہ قبلہ کوئی مقصد بالذات چیز نہیں خدائی عبادت کیلئے پورب پچھم سب برابر ہیں خدا ہر جگہ ہے ۔ ہر سمت ہے ۔ ہر طرف ہے پھر قبلہ کی تعیین کی ضرورت بتلائی کہ وہ اختصاصی شعار ہو اور اصلی اور نمائشی مسلمانوں کو الگ کر دیتا ہے ۔ بہت سے یہودی بھی جو منافقانہ اپنے آپکو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی شرکت کرتے تھے یہ اسلام کے مار آستین تھے ۔ لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تو نفاق کا راز فاش ہو گیا کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ جو چیز اسکی قومیت مذہب بلکہ اسکی ہستی کی بنیاد ہو (یعنی بیت المقدس) اس سے اسکا رشتہ ٹوٹ جائے پھر خدا نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا کہ کسی خاص قبلہ کیطرف رُخ کرنا اصلی ثواب نہیں ۔ بلکہ ثواب در حقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۲۱ - ۲۱۹

شبلی صاحب نے قبلہ کی فلسفی تو تفصیل سے لکھدی لیکن اسکی تاریخی واقعیت اور کیفیت کا نام تک نہیں لیا۔ آپکی مرقومۂ بالا عبارت کو پڑھکر ہر شخص قبلہ کی تعریف، حقیقت اور ضرورت کو تو ضرور سمجھ جائیگا لیکن اسکے متعلق کہ سولہ۱۶ سترہ۱۷ مہینوں تک قبلہ ایک رخ رہکر دوسرے رُخ پر کیسے بدلا۔ کہاں بدلا اور کس وقت و کس حالت میں بدلا یہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکے گا۔ حالانکہ آپ جب تاریخ و سیرت کے موضوع پر اپنی تصنیف مرتب کر رہے تھے تو آپکا فرض اولین تھا۔ کہ اسکے مقام وقوع وقت وقوع حالت اور صورت وقوع کو بھی اسی تنظیم و ترتیب واقعات کے سلسلہ میں بیان فرمادیتے۔ جس ترتیب و سلسلہ سے اور واقعات قلمبند فرمائے گئے ہیں اور ترتیب سیرت و تاریخ کے اعتبار سے جب تک یہ کمی پوری نہ فرمائی جائیگی اسلامی قبلہ کی تحویل و تعین کی نسبت آپ کی موجودہ تحریر ناکافی اور غیر مکمل ٹھہرائی جائے گی۔

اب ہم آپ کی فروگذاشتہ امور متعلق بہ تحویل قبلہ کی تفصیلی کیفیت ذیل میں لکھدیتے ہیں۔ ابن ہشام اور طبری اسکے سال وماہ و روز وقوع کی نسبت لکھتے ہیں۔

صرفت القبلة یوم الثلثاء فی شعبان علی راس ثمانیة عشر شهرا من مقدم رسول الله صلعم المدینة وعن ابن سعد للنصف الشعبان

قبلہ کی تحویل شعبان کے مہینہ میں منگل کے دن۔ مدینہ میں آنحضرت صلعم کی تشریف آوری کے اٹھارہ۱۸ مہینہ بعد واقع ہوئی اور ابن سعد کے موافق پندرہ شعبان تھی۔

تحویل قبلہ کی صورت حالت اور کیفیت ہم مواہب لدنیہ، تاریخ مدینہ اور شرح زرقانی سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ تاریخ مدینہ امام نورالدین سمہودی کے فارسی ترجمہ کی اصلی عبارت حسب ذیل ہے۔

ارجح آنست کہ تحویل قبلہ در مسجد قبلتین بودہ منقول است کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود کہ زیارت کردم ام بشر را در بنی سلیم پس او برائے ما و برائے ایشاں کہ ہمراہ بودند طعام درست داد وقت ظہر در آمد۔ آنحضرت صلعم با اصحاب خود در موضع مسجد قبلتین نماز ظہر میگذاردند چوں دو رکعت نماز کرد مامور شد کہ رو بکعبہ کند پس آنحضرت صلعم روئے مبارک خود سوئے کعبہ گردانیدہ ہمیں قبلہ است کہ خدا تعالٰی میفرماید۔ فلنولینک قبلة ترضٰها

قول مرجح یہی ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ مسجد قبلتین میں واقع ہوا۔ منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلعم محلہ بنی سلیم میں ام بشر کے گھر ضیافت میں مع صحابہ کے تشریف رکھتے تھے۔ وہیں ایکو ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ آپ نے صحابہ کو ساتھ اس مقام پر جہاں قبلتین اب تک موجود ہے۔ نماز ظہر شروع کی۔ دو رکعت نماز پڑھ چکے تھے کہ حالت نماز ہی میں تبدیل قبلہ کا حکم نازل ہوگیا اور اسی وقت آپنے اپنا روئے مبارک کعبہ کیطرف پھیر دیا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے تجھ کو اس قبلہ کیطرف پھیر دیا۔ جس سے تو راضی تھا۔

ترجمہ تاریخ مدینہ امام سمہودی فارسی (قلمی)، زرقانی مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۵۰۸ محدث شیرازی نے بھی روضۃ الاحباب میں باختلاف الفاظ یہی صورت واقعہ بتلائی ہے۔ روضۃ الاحباب جلد اول مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۱۱۔

اسی موقع مبارک پر مسجد قبلتین کی عمارت آجتک اپنی تقدیس و تخصیص کو بتلا رہی ہے۔ تحویل کا واقعہ کی اصلی واقعیت اور حقیقی صورت و کیفیت یہی تھی جو اوپر بیان کی گئی۔

سلسلۂ غزوات

سلسلۂ غزوات | شبلی صاحب نے اس عنوان سے غزوات کی نقل و تفصیل سے پہلے ایک طویل مضمون لکھا ہے جو اپنے مطالب و مقاصد کے اعتبار سے تفصیل غزوات کی تمہید ہے لیکن بعض مقامات میں ناتمام و بعض مقامات میں آپ کے بیانات استدلال مبہم رہ گئے ہیں۔ اپنے اس نقص کو شبلی صاحب ابتدا ہی سے خود سمجھ گئے ہیں چنانچہ اس عنوان کے آغاز ہی سے حاشیہ میں یہ معذرتانہ عبارت قلمبند فرمائیں۔

غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے واقع ہوا اور جس قسم کے واقعات پیش آئے انکے لئے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کیونکہ وہ ضمنی طریقہ سے ادا نہیں ہو سکتے لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اسوقت ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ تمام واقعات سرسری نظر سے گذر جائیں اسلئے ہم نے اسکو تمام غزوات کے بعد لکھا ہے۔ ناظرین ابھی سے اسکا خیال رکھیں صفحہ ۲۲۲

یہ کوئی ترکیب ہے اور کوئی ترکیب تالیف بیان تو یہاں ہوا اور مُدعا دو کامل جلدوں کے پڑھ جانے کے بعد سمجھ میں آئیگا۔ واقعات تو سلسلۂ بیانیہ ایک مقام پر جمع کر دئے گئے اور لکھدئے گئے ہیں لیکن انکے اسباب علل اور توجیہات و توضیحات وقوع کتاب کی دوسری اور تیسری جلدوں کے مطالعہ پر موقوف کر دی گئیں ہیں شاید شبلی صاحب نے اپنی تالیفات کے لئے یہ انداز خاص اختیار فرمایا ہو۔ لیکن اسوقت تک سیرت و تاریخ کی جتنی عربی فارسی۔ اور اردو کی کتابیں میرے پیش نظر ہیں اُنمیں سے کسی ایک میں بھی یہ ترتیب پائی نہیں جاتی عارضی طور پر کسی بیرونی مضامین کی مناسبت وقتی یا ضرورت اتفاقی کے حائل ہو جانے سے اگر کسی کتاب کے سلسلۂ عنوان میں کوئی فصل واقع ہو گیا ہو تو یہ اور بات ہے لیکن کسی مُصنف نے اپنی تصنیف میں یہ انداز ترتیب ہنر قائم رکھا ہے کہ ایک ہی عنوان و مضمون کو ایک مقام پر ناقص ناکامل یا مبہم چھوڑ کر اسکی تکمیل۔ توجیہ اور دیگر انکشافات دوسرے یا تیسرے حصہ میں قلمبند کئے گئے ہوں۔ یہ تاریخ و سیر کے واقعات نہ ہوئے بوستان خیال کے قصے جات ہوئے کہ پہلی جلد میں ایک قصہ کا آغاز ہے۔ تو دوسری میں تتمہ اور تیسری اور چوتھی جلدیں میں جا کر تکملہ معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی اس شان بیان میں بھی امام بخاری صاحب کی تقلید نہیں چھوڑی ہے اونکی صحیح بھی تمام تر اسی ترتیب و ترکیب غلط سے بھری پڑی ہے۔ ایک باب میں ایک حدیث کچھ حصہ تک بیان کر دیگئی ہے۔ پھر دوسرے۔ تیسرے یا چوتھے باب و فصل میں جا کر اُسکے باقیماندہ حصہ کا اندراج کیا گیا ہے۔

بہرحال اتنا تمہید اً لکھکر ہم شبلی صاحب کی بے ترتیبی و ترکیبی کی آئندہ صورت حال پیش کرتے ہیں یہ عبارت

معذرت لکھکر آپ اپنے عنوان تمہید کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔
کیا عجیب بات ہے ارباب سیر مغازی کی داستان جسقدر درازنفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہیں یورپ اوسی قدر اسکو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے۔ کیونکہ اسکو اسلام نے جور وستم کا جو مرقع آراستہ کرتا ہے اسکے نقش ونگار کے لئے لہو کے چند قطرے نہیں بلکہ چشمہائے خون درکار ہیں۔ یورپ کے تمام مورخین نے سیرت نبویؐ کو اس انداز میں لکھا ہے کہ وہ لڑائی کا ایک مسلسل سلسلہ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائیں۔

مولوی شبلی صاحب کے انتشار تحریر اور اضطرار ترتیب مضامین کی اصلی وجہ کھل گئی وہی آپکا قدیم عارضہ تھم یوروپین مصنفین سے آپکی تخویف ومرعوبیت اور انکے مطالبات واعتراضات کے جوابات مستدلانہ طریقہ کی پیش کرتے ہیں آپکا عجز وضعف اور آپکی سپراندازی اور سرافگندگی جو ہم تمام ایسے مقامات پر دکھلاتے اور بتلاتے چلے آتے ہیں۔ یہاں بھی عارض حال ہوگیا۔ آپکا اضطراب آپ کی پراگندگی اسی سے ظاہر ہے کہ عیسائی مصنفین کے یہ اعتراضات تا غازمدعا سے آپ کے دلمیں کھٹک رہے تھے۔ اونکی تردید کچھ تمہید میں ضمناً لیان لکھگئی پھر تشفی خود نہوئی توحاشیہ میں عبارت معذرت لکھکر آئندہ تسکین کا یقین دلایاگیا پھر خدا خدا کر کے جنگ بدر کے صاف صاف اور سیدھے سادے (بقول آپ کے) حالات لکھکر مخالفین کو اسلامی جہاد کی گویا اصلی شان اور حقیقی عملی صورت دکھلائی گئی ہے۔ لیکن افسوس پھربھی آپکو اپنے بیان پر اطمینان نہو سکا۔ تو غزوہ بدر پر ایک اور تبصرہ لکھا اب خدا جانے اسکے بعد بھی آپکو اپنے بیان سے پوری تسکین ہوئی۔ یا نہیں اعلم عند اللہ۔

اتنے اضطراب کا باعث کیا تھا؟ وہی مرعوبیت اور استدلال کا غلط طریقہ۔ جو اس موقع پر بھی حسب العادت اسی زور وشور سے اٹھایا گیا ہے۔ جیسے اور مقامات پر اور نزلہ بضعیف می ریزد۔ مورخین سیرت کو تنہا مخالفین کے ان تمام اعتراضات کا باعث ہرممکن ونا ممکن طریقہ سے ٹہرایا گیا ہے۔ جنہوں نے غزوات اسلامی کو جنگ دماغی ثابت کرنیکے ساتھ عموماً جنگ بدر کے متعلق خصوصاً یہ لکھدیا ہے کہ اس غزوہ کی غرض خاص قافلہ قریش کا لوٹ لینا تھا جو بسرکردگی ابوسفیان اسباب تجارت سے کر ملک شام سے واپس آرہا تھا

اہل سیرت وتاریخ نے متفقاً اگر ایسا کیا تو بڑی غلطی کی۔ لیکن ہم نے آپکے استدلال کی تفصیل سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس غلطی میں اگر واقعی غلطی ہے تو کیلئے سیرت والے ہی ملزم نہیں ہیں بلکہ آپ ہی کے افراد اعتراف کے مطابق امام بخاری بھی اس جرم کے مجرم ثابت ہوتے ہیں آپ خود خاتمہ بحث میں ص ۳۶۵ پر رقمطراز ہیں۔

گو اب یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوگیا۔ کہ غزوہ بدر کا سبب کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا۔ تاہم اس گروہ کا کھولنا ضرور ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیر نے متفقاً کیوں غلطی کی اور صحیح بخاری وغیرہ میں تصریحاً

کیوں پائی جاتی ہیں کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنیکی غرض سے ہوئی تھی۔

جب خود صحیح بخاری وغیرہ میں بقول آپکے یہ تصریحات موجود ہیں۔ گو انکی وجوہ آئندہ چلکر آپ جو نہ ثابت کریں بلکن سیرۃ کے علاوہ حدیثوں کی کتابوں اور علی الخصوص صحاح کی کتابوں میں بھی انکا وجود عام سے تو ایک تحقیق کنندہ ضرور کہدیگا۔ کہ اب اہل سیرت کو اکیلا اس الزام کا ملزم اور اس جرم کا مجرم بنانیکا آپکو کوئی حق باقی نہیں رہا۔

اب شبلی صاحب کا وہ طومار بیان کہ یوروپین مصنفین کے تمام اعتراضات والزامات کے باعث اکیلا اہل سیرت ہیں کہاں ثابت ہو سکا۔ سیاہ کرنیکو صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالیگئے۔ اور آخر میں ان طوماروں کی بنا پر جو فیصلہ کیا گیا وہ صاف بتلا رہا ہے کہ اصل حقیقت کے سمجھنے میں فریقین (اہل سیرت و احادیث) کو غلط فہمی واقع ہوگئی ہے جسطرح ارباب سیر اصل مقصود تک نہیں پہونچے اسی طرح اہل احادیث بھی اسکی اصلی تفہیم نہ کر سکے۔ اسی کیساتھ آپکی عبارت فیصلہ سے یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ اس غلط فہمی کی ابتدا اور اصل ارباب تاریخ وحدیث ہی سے نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اسکا آغاز حقیقتاً صحابہ ہی کے خاص زمانہ سے ہوا ہے۔ اور وہی حضرات جو ان واقعات کے اصل راوی ہیں وہی اسکے اصل باعث کہ نہ خود سمجھ سکے نہ دوسرونکو سمجھا سکے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ارباب سیر ہوں یا اصحاب حدیث وتفسیر سب کے سب علوم صحابہ کے ریزہ چیں ہیں۔ پھر جب انہیں حضرات نے کسی امر کے سمجھنے میں ابتداءً غلطی کی تو انکے سامعین وناقلین سے اسکی جوابدہی کیسے لی جا سکتی ہے۔ ہمارے اس بیان پر شبلی صاحب کے مفصلہ ذیل الفاظ فیصلہ خود شاہد ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے صحیح بخاری غزوہ تبوک میں حضرت کعب بن مالک کا جو مشہور صحابی ہیں انکا قول نقل کیا ہے۔

ولم یکن رسول اللہ صلعم یرید غزوۃ الا ورّی بغیرھا۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے۔

توریہ کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں کہ آپ ایسے موقع پر مبہم محتمل التعیین الفاظ استعمال فرماتے تھے (گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی میں صحیح نہیں) تاہم واقعات کے استقصاء سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر واقعہ اسطرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں سعد بن خیثمہ کو پہلے ہی معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ نہیں بلکہ فوج کا مقابلہ ہے۔ بخلاف انکے صحیح بخاری میں انہیں کعب بن مالک کا قول منقول ہے کہ بدر میں ف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا۔ دیباچہ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ راوی جسمیں صحابہ بھی داخل ہیں بہت سے موقعوں پر جو واقعہ بیان کرتا ہے وہ حقیقت میں واقعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ انکا اپنا استنباط ہوتا ہے۔ یعنی اسنے اسکو ایسا ہی سمجھا ہے بدر میں بھی

یہی صورت پیش آئی اور اسلئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ صحابہ نے مختلف قیاس کئے۔ اور جو قیاس مذاق عام کے مناسب تہا وہی پہیل گیا۔ سیرۃ النبی۔ نتیجہ غزوہ بدر جلد اول ص ۲۶۶۔

اتنی سی بات کہنے کے لئے ہمارے شبلی صاحب نے اپنی کتاب کے چوالیس (از ۲۲۲ صفحہ تا ۲۶۶) صفحات لکھ ڈالے۔ اگر آغاز ہی میں اسکا اظہار کر دیا ہوتا تو اس طومار بیکار کی ضرورت نہیں تہی۔ ہر شخص یہ سمجہکر مطمئن ہو جاتا کہ بعض صحابہ کو جو اس کا اصل راوی ہیں۔ اسکے اصلی سبب کے بیان کرنے میں غلط فہمی واقع ہو گئی ہے۔ اور یہ انکے قیاس کی خطا ہے اور اسی کیساتھ وہ یہ بھی دیکہکر اطمینان کامل کر لیتا کہ انہیں صحابہ طبقہ میں ایسے لوگ بہی ہیں جو اسکے حقیقی اسباب و علل کو بخوبی جانتے ہیں جو اس واقعہ میں حقیقتاً مدبر قدرت اور تجویز رسالت کا عین مقصود تہا۔ چنانچہ آپ (شبلی صاحب) خود لکھتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے مسند میں ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ابن جریر نے طبری تاریخ میں اور بیہقی نے دلائل میں روایت کی ہے اور اسکو صحیح لکہا ہے۔ اور اسکے راوی معرکۂ بدر کے ہیرو اسد اللہ الغالب علی ع ابن ابیطالب ہیں۔

عن علیؑ قال لما قدمنا المدینۃ اصبنا ثمارھا فاجتویناھا واصابنا بھا وعک وکان النبی صلعم متخیر عن بدر فلما بلغنا ان المشرکین قد اقبلوا سار رسول اللہ صلعم الی بدر وبدر بئر فسبقنا المشرکین الیھا۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ میں آئے تو وہاں کے پہل کہانیکو ملے جو ہمارے موافق مزاج نہ تہے اسلئے ہم لوگ بیمار پڑ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم بدر کو پوچہا کرتے تہے جب ہم کو خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہیں تو رسول صلعم بدر کو چلے۔ بدر ایک کنوئیں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہونچ گئے

اسمیں صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سنکر آپ نکلے تہے۔ اور بدر پر آکر قیام فرمایا تہا۔ اس پوری حدیث میں ابوسفیان کے قافلہ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۵۰۔

اس بنا پر جو امور آپ نے نتیجہ میں دکھلائے ہیں۔ وہ اگر آپ نے اس بحث کے مقدمہ میں دکھلا دئے ہوتے تو اتنی طوالت کی کوئی ضرورت ہی نہیں تہی۔ یہ آپ کی سعی بیکار ثابت ہوئی اور اگر کچھ مفید کار ثابت بھی ہوئی۔ تو صرف اہل اسلام کیلئے جو حضرات ناقلین یعنی صحابہ اولین کے غلط استنباط اور پھر انہیں حضرات میں بعض بزرگواروں کے صحیح انکشافات سے صحیح واقعات پڑھکر اس امر کی حقیقت سے پورے مطمئن ہو گئے لیکن مخالفین و معترضین اسلام کی تسکین و تشفی تو اس جواب استدلالی سے مطلق نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ آپ کی رواۃ اولین یا آخرین کے غلط استنباط اور غیر صحیح قیاسات کے جوابدہ نہیں۔ وہ تو آپ کی کتاب اور آپ ہی کی مرویات سے اپنا استدلال پیش کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ آپکی کون کتاب صحیح ہے اور کون غلط؟ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ آپکا کون راوی صحیح قیاس و استنباط کرتا ہے اور کون غلط؟ ہم برابر دکھلاتے اور بتلاتے آتے ہیں کہ مخالفین اسلام کے مقابلہ میں شبلی صاحب کا یہ طریقۂ استدلال کہ ہماری یہ روایت صحیح ہے اور وہ غلط یہ کتاب مستند ہے۔ وہ غیر مستند ہمارا یہ راوی صحیح قیاس و استنباط کرتا ہے اور وہ غلط

قیاس و استنباط کرتا ہے مخالف کے لئے کبھی حجت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بجائے اُسکے انکو انہیں کے احکام و عمل کی مثالیں امور زیر بحث کے متعلق اُنہیں کی کتابوں سے دکھلانی چاہئیں۔ اور انہیں کے اقوال و احکام سے اُن کو معقول کرنا چاہئے۔ افسوس ہے کہ اگر اس بحث کو ہم یہیں سے ابھی شروع کردینگے تو ہمارے سلسلہ بیان میں ذکر قبل از وقت کا نقص پیدا ہو جائیگا اور پھر یہ سے تمہیدی مضامین بھی شبلی صاحب کی طویل تمہید کے مرادف بنجائینگے اس لئے ہم مخالفین کے جواب میں انبیائے سابقین کے احکام و عمل فی الجہاد کی چند مثالیں ذیل میں لکھے دیتے ہیں اسلئے کہ معترضین کا سارا اعتراض ان امور کی نسبت جیسا کہ آپ لکھتے ہیں یہ ہے کہ اشاعت اسلام کو بزور شمشیر ظالمانہ اور جابرانہ طریقہ سے دکھلائیں تو اصل مقصود معترضین کا ہمارے احکام اور عمل فی الجہاد کی شرارت اور سختی کا اظہار ہے ہماری مفصلہ ذیل مثالیں قرآن اور حامل قرآن علیہ السلام کے احکام و عمل فی الجہاد اور ان امور میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہما السلام کے احکام و عمل فی الجہاد کے باہمی فرق مابہ الامتیاز کو بخوبی بتلا دینگی اور وہ یہ ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے حکم و عمل فی الجہاد کی مثالیں

توریت کی کتاب الاعداد باب ۳۱ آیت ۱۔ ۵۴ میں مرقوم ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا۔ انکی مویشی۔ بھیڑ بکری۔ اور مال و اسباب کو لوٹ لیا اُن کے پانچ بادشاہوں کو قتل کر ڈالا۔ اور اُن کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور اُن کے سب قلعوں کو جلا کر پھونکدیا۔ پھر موسیٰ بنی اسرائیل پر خفا ہوا اور اُن سے کہنے لگا کہ کیا اسلئے تم نے سب عورتوں (اسیر شدہ) کو جیتا رکھا ہے تم اُنکے بچوں کو جتنے بھی ہوں ایک ایک کر کے قتل کر ڈالو اور ہر ایک ایسی عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہو اسکو جان سے مار ڈالو لیکن اُن میں وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئی ہیں انکو اپنے (مصرف) کے لئے زندہ رکھو

یہ توریت کے حکم اور عمل فی الجہاد کی مثال کا صرف ایک نمونہ تھا۔ جو دکھلا دیا گیا۔ اب حضرت عیسیٰ کا خاص حکم جہاد انجیل مقدس میں تبلیغ دین کے متعلق خاص اُنھیں کی زبانی ملاحظہ ہو۔

انجیل متی باب ۱۰۔ آیت ۳۴ میں مندرج ہے

اے بنی اسرائیل۔ یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں۔ آیا بلکہ تلوار چلوانے کو آیا ہوں۔

پھر اپنے آخر وعظ میں حواریوں سے ارشاد ہوتا ہے۔ انجیل متی باب ۲۷۔

کپڑوں اور لتوں اور نقدی کے بدلے ہتیار خریدکر مسلح ہوتے جاؤ۔

ان احکام و عملیات کی موجودگی میں جبکی کثیر التعداد مثالیں ہمارے پیش نظر ہیں اور جن کو ہم اپنے اپنے مقامات مناسب پر

لکھیں گے کوئی مخالف اسلام ہو یہودی ہو یا عیسائی ہمارے رسولِ برحق رحمتِ مطلق کے احکام و عمل فی الجہاد کی مثالوں پر جو اُنکے مقابلہ میں اذیت نہیں رحمت انتقام نہیں عین انعام ثابت ہوتے ہیں ۔ موُنھہ نہیں کھول سکتے وہ اپنی انصاف کی زبان سے کہدیں اور بتلادیں کہ یہ طرزِ عمل جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وآلہٖ علیہ السلام نے کفار کیساتھ جہاد میں اختیار کئے اور مغلوبین کیساتھ انتقام لینے کیلئے جو احکام بنی اسرائیل کو پہونچائے کیا اس امر کی تصدیق نہیں کرتے کہ مذہب موسوی بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ۔ ہم بطور احتجاج ان کو بتلائے دیتے ہیں ۔ کہ اگر وہ ان مثالوں پر تعصب و نفسانیت سے نہیں عدالت و دیانت سے غور کریں گے تو اُنکو حضرت موسیٰ کے اس عمل و حکم و شدت کا اعتراف کرنا پڑے گا اور یہی اقرار و اعتراف کے ساتھ اُنکو اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے نرم اور مترحمانہ طریقۂ اجتہاد پر جو نہایت بہت صفائی کے ساتھ ہر معرکۂ جنگ میں بالکل مدافعانہ ثابت ہوتے چلے آئے ہیں نہ جارحانہ نہ مخاصمانہ کسی قسم کے اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں رہے گا ۔

یہ تو حضرت موسیٰ کے عمل جہاد کی مثال تھی اسیطرح عیسائی معترضین حضرت عیسیٰ کے مرقومۂ بالا احکام کو نظر انصاف سے دیکھکر بتلادیں ۔ کہ آپ کے اس حکم سے جو تبلیغ دین کے ابتدا ہی میں فرمایا گیا تھا کہ میں تم میں صلح کرانے نہیں آیا بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں ۔ کیا یہ اس حکم سے یقینی طور پر مستفاد نہیں ہوتا کہ اگر حضرت عیسیٰ ؑ کو ضرورت تبلیغ دین اور تاسیس ملک و قوم کی غرض سے کافروں اور دین الٰہی کے منکروں کے مقابلہ میں جہاد کا موقع ملتا ۔ تو وہ کس شدت اور سختی کے ساتھ تلوار چلواتے کیا کوئی شخص بعد اسکے کہ آپ خود فرما چکے تھے ہیں مجھسے صلح کی اُمید نہ رکھو میں رُوے زمین پر صلح کرانے نہیں آیا ۔ پھر آپ کی ذات مقدس سے (نعوذ باللہ) بندگان الٰہی کے طبقہ عام میں امن امان یا صلح و اطمینان کی کون توقع کرسکتا تھا ؟ بخلاف ان احکام کے سید المرسلین رحمۃ للعالمین کی تبلیغ دین کے واقعات کو آغاز سے دیکھو پڑھو اور غور کرو تو ثابت ہوتا ہے کہ جس دین کی تبلیغ کی آپ ابتدا فرماتے ہیں اسکا نام ہی اسلام ہے جس کے معنی سلامتی عام ہے اور مُسلم کی حقیقی تعریف یہی ہے ۔ ومن استسلم من بیدہ ولسانہ مسلمان درحقیقت وہی ہے جس کے دست و زبان سے لوگ صحیح و سلامت رہیں ۔

ہم بار دیگر احتجاج کے طور پر تمام عیسائی مورخین اور یورپین محققین سے استفسار کرتے ہیں کہ کیا وہ اسلام کی کسی معتبر یا غیر معتبر کتاب سے ثابت کرسکتے ہیں ۔ کہ فاتحین اسلام نے کسی معرکہ میں اپنے مغلوبین کے اہل و عیال کیساتھ ایسے ظالمانہ اور جابرانہ[۵] برتاؤ کئے ہیں جیسے بنی اسرائیل نے اہل مدیان کے بال بچوں کے ساتھ اختیار کئے اور جب تک وہ ایسی مثالیں کتب اسلام سے زمانہ رسولؐ میں عمل فی الجہاد کی نہیں دکھلاتے انکو کہنا اور ماننا پڑے گا

سے ۵ یہود و نصاریٰ اس احکام توریت و انجیل کی شدت و سختی کو جن معنوں میں نہ لیں اور انکی جتنا ویلیں نہ قائم کریں ۔ انکے لئے اہل اسلام جوابدہ نہیں ہو سکتے لیکن مسلمانوں کے عقائد میں یہ احکام عین منشاء قدرت تھے ۔ جو ان کفاران قوم، ورد شمنان آلٰہی کی کیفر کرداریاں اور

کہ دو جہان میں حضرت موسیٰ کے طرز عمل سے پیغمبر عربؐ کے مسالک ترحّم۔ رعایات اور انسانی ہمدردی پر زیادہ اور بدرجہ اولیٰ مبنی تھے ایسی صورت حال میں معترضین کے تمام اعتراضات خود اُنھیں کے اسلاف کی حرکات وعملیات پر عائد حال ہوتے ہیں اور اسلام کا دامن ان تمام الزامات سے بالکل پاک وصاف ہے۔

یہاں تک تو ہم نے شبلی صاحب کی غیر مفید تمہید کی تنقید لکھی۔ اب ہم اصل مقصد کیطرف رجوع کرتے ہیں۔

شبلی صاحب غزوات رسولؐ کے اسباب وعلل قائم کرتے ہیں۔ اور اپنے اس مدعا کی تصریح وتفصیل میں اصل مقصد سے تنہا دور جا پڑے ہیں جیسا کہ مرقومہ بالا بحث سے ظاہر ہوا لیکن وقوع غزوات کی جو ضرورتیں اور مجبوریاں قلم بند کی گئی ہیں وہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہیں اور وہی اسلامی تاریخ وحدیث کی کتابوں میں بھی مرقوم ہیں۔

لیکن تاہم ان توجیہات کی تصریحات میں نقص رہ گیا ہے کہ ان تمام غزوات وسرایات حملات قریش کے تجسّس و تلاش اور سراغ رسانیوں کے واقعات پر محمول فرمائے گئے ہیں حالانکہ علی الاکثر ایسے غزوات پائے جاتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- اور بدکاریوں کی صورت سزائیں اونپر نازل ہوئے سے انصاف کیا گیا مکافات نہیں۔ حضرت موسیٰ کو جن کفار کے ساتھ اس سختی سے جہاد کا حکم نازل ہوا۔ وہ اپنی شامت اعمالیوں کیوجہ سے ایسے ہی بدکار ہونگے اور انکی بدکاریاں بھی ایسی ہی درجہ انتہا پر پہنچی ہوئی ہونگی کہ خدائے ارحم الراحمین کو بھی جو ابتداء آفرینش عالم سے اسوقت تک کافرین کو نزول عذاب میں برابر مہلت دیتا رہا جیسا کہ امم سالفہ کے واقعات اور سوانحات سے ثابت ہے لیکن بخلاف اسکے اب اس قوم کی بدکاری اور کثیر کرداری اس ارحم الراحمین کے نزدیک ذرا بھی رحم ورعایت کے قابل نہیں تھی اور حقیقتاً انکی نسل کا باقی رکھنا بھی دنیا میں بندگان الٰہی کے لئے ہزاروں مفاسد کا یقینی باعث تھا اسی وجہ سے اس صورت عمل نے الجہاد میں ان کے کامل استیصال کا علی الاعلان فرمان دیدیا گیا۔ جو تنظیم شریعت تاسیس قوم و ملک اور ترتیب اخلاق وتہذیب۔ غرض ہر طریقہ اور قرینہ سے بالکل صحیح اور جائز تھا۔

بالکل اسی طرح حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کا وہ ارشاد جو اوپر لکھا گیا ہے اُس موقع ضرورت اور اس ناشنوا قوم یہود کی ضلالت اور شقاوت سے پورا مطابق ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں نے کتب سالفہ میں حضرت عیسیٰ اور یہود کے حالات پڑھے ہیں وہ بخوبی واقف ہیں کہ اس گمراہ اور ناشنوا قوم یہود نے ایک دن بھی آپ کے ارشاد وتعلیم کو توجہ اور التفات کے کانوں سے نہ سُنا۔ آخر کار عیسائیوں کے عقائد کے مطابق آپ کو مصلوب کر دیا۔ ایسی کافر کیش اور خونخوار قوم کی بدکاریوں کے مقابلہ میں آپ کا یہ ارشاد انکی تباہی و بربادی کی بالکل سچی اور مطابق واقع پیشین گوئی ہے جو دوسری صدی عیسوی سے لیکر تیسری اور چوتھی صدی عیسوی تک طرطوس قسطنطین۔ اور سلاطین انطاکیہ۔ عیسائی حکمرانوں کی خونخوار تلواروں سے اس قوم کے تمام لوگوں کو اٹھانا پڑیں اس بنا پر جو اس نبی برحق نے فرما دیا وہ اس خونخوار اور کفار قوم کے آگے آیا۔

المولف سید اولاد حیدر

جو اقوام و قبائل گرد و نواح سے اسلام کے ساتھ شریک معاہدہ ہونیکی غرض خاص سے اختیار فرمائے گئے تھے۔ ان امور کی توضیح و تشریح کے لئے جبتک پھر اس مقدس عہد نامہ کی بعض خاص شرائط کی نہ تفصیل کیجائے جس کو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ تب تک ان امور کی حقیقت کا پورا انکشاف دشوار ہے اسلئے ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں اس مبارک عہد نامہ کی بعض شرائط کی تفصیل حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

چونکہ اس مقدس معاہدہ کی ایک شرط خاص یہ بھی تھی۔ وان الجار کالنفس غیر مضار ولا اثم ہمسایہ قومیں بھی معاہدہ قوموں کے برابر سمجھی جائینگی تاوقت کہ وہ اپنے لئے ضرر رساں اور خدا کی گنہگار نہ ثابت ہوں۔ اس شرط کی بنا پر ضرور تھا کہ انہیں بھی داخل معاہدہ ہونیکے لئے سلسلہ جنبانی کیجائے ایک تو امن و امان اور صلح آشتی کے عام انتظام کے استحکام کی ضرورت سے اور دوسری قریش کی مخاصمانہ فریب دہی و سازش سے محفوظ رکھنے کی مصلحت سے گرد و پیش کی قوموں کو اس معاہدے میں شریک کرلینا نہایت ضروری تھا اسکی تعمیل و تکمیل میں اتنی اہمیت تھی کہ انمیں سے اکثر نمودار اور ممتاز قبائل کے پاس خدا کا پیغمبر حق بالنفس النفیس صلح عام کے یہ پیغام لے کر گیا۔ اور انمیں سے جو اتنی اہمیت نہیں رکھتے تھے ان کی تعمیل کے لئے صحابہ بھیجے جاتے تھے۔ اسی تخصیص عملی کی بنا پر ارباب سیرت و حدیث نے رسول اللہ صلعم کی موجودگی والے واقعات کو اپنی اصطلاح خاص میں غزوات کے نام سے لکھا ہے۔ اور جنمیں آپ موجود نہ تھے ان کو سرایا۔

ہم اپنے موجودہ بیان میں صرف غزوات کی تفصیل شمال کی ضرورت سے مندرج کرتے ہیں۔

غزوات میں بالاتفاق تاریخ و حدیث غزوہ ودان یا غزوہ ابوا جو اسی کا دوسرا نام ہے پہلا غزوہ رسول تبلایا گیا ہے۔

غزوہ ودان یا غزوہ ابوا۔ قبیلہ بنی ضمرہ بن بکر بن عبد مناف موضع ودان میں مقیم تھا۔ ودان جحفہ سے المدینہ کی راہ پر واقع ہے اور مقام ابوا یہاں سے کم و بیش آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے جہاں آپکی والدہ ماجدہ علیہا مکرمہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا مزار مقدس ہے اور مدینہ منورہ یہاں سے اسی میل ہے یہاں بنی ضمرہ اور بنو مزینہ کے قبائل قریب ہی قریب مختلف قطعات ریگستان میں آباد تھے۔ اس بنا پر ان دونوں قبیلوں کی یکبارہ شرکت ضروری تھی۔ اسی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالنفس النفیس مدینہ سے معدودے چند اصحاب کے ہمراہ اسی میل تک کی زحمت سفر گوارا فرمائی وہاں پہونچے قبائل سے ملے اور معاہدے کے متعلق گفتگو کی چونکہ تمام باتیں صفائی اور سچائی لئے ہوئے تھیں اسلئے دونوں قبائل شرائط معاہدے پر فوراً راضی ہوگئے دونوں قوموں کے سردار و حکمراں عمر بن مخشی الضمری نے معاہدہ لکھکر اپنے اور اپنی تمام قوم و قبیلہ کیطرف سے دستخط کر دئے اس معاہدے کے الفاظ یہ تھے۔

هذا الكتاب من محمد رسول الله لبنى ضمرة انهم امنوا على اموالهم وانفسهم وان لهم النصر على من رامهم الا ان يحاربوا فى دين الله ما بل بحر صوفة وان النبى اذا دعاهم

یہ محمد رسول اللہ صلعم کی تحریر ہے بنو ضمرہ کے لئے ان لوگوں کا جان و مال محفوظ رکھا جائیگا جو شخص انپر حملہ کریگا اسکے مقابلہ میں انکی مدد کیجائیگی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور جبتک دریا ... انکو مدد

لنصرۃ اجابوہ۔

کیلئے بلائینگے تو یہ فوراً آجائینگے زرقانی بحوالہ روض الانف سہیلی ص [illegible]

غزوہ بواط

انہیں کے الیا بواط کے کوہستانی قبائل کے ساتھ بھی معاہدہ کیا گیا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خاص ۱۲ ربیع الاولیٰ سنہ ۲ ہجری کو انکے مرکزی مقام رضوی تک تشریف لیگئے۔ ان اطراف میں قبائل جہنی آباد تھے انکے تمام سرداران قوم کو جمع کر کے شرائط وفوائد عہدنامہ سمجھائے اور اُن کو بھی شریک معاہدہ فرمالیا گیا۔

غزوہ ذوالعشیرہ

جمادی الآخر سنہ ۲ ہجری میں بنو مدلج کے قبیلہ کو شریک معاہدہ کرلیا گیا۔ اسکی تفصیل کیفیت یہ ہے مدینہ کے قرب وجوار کے تمام قبائل میں بنو مدلج کا قبیلہ امتیاز خاص رکھتا تھا وہ کثیر التعداد بھی تھے اور ذی شجاع وصاحب جائداد بھی ذوالعشیرہ کا انکا مقام سکونت تھا جو ینبوع اور مدینہ کے درمیان واقع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممتازین صحابہ کے ساتھ خود تشریف لے گئے سرداران قوم کو جمع کر کے جب ان کو اس معاہدہ کے فوائد ومنافع سمجھائے تو یہ لوگ بھی فوراً آپ کے ساتھ اس معاہدے میں شریک ہوگئے

اسی مقام میں حضرت علی مرتضیٰ کی کنیت ابوتراب قرار پائی

اسی موقع پر حضرت علی مرتضیٰ کی کنیت ابوتراب قرار پائی امام قسطلانی زرقانی اور ابن ہشام وطبری اور ارباب حدیث وتاریخ باالاتفاق خود یا اسکی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں۔

حدثنی یزید بن محمد بن خشیم المحاربی عن محمد بن کعب القرظی عن محمد بن خشیم ابو یزید عن عمار بن یاسر قال کنت انا وعلی بن ابی طالب رفیقین فی غزوۃ العشیرۃ فلما نزلها رسول اللہ صلعم واقام بها رأینا اناسا من بنی مدلج یعملون فی عین لهم وفی نخل فقال علی بن ابی طالب یا ابا الیقظان هل لک فی ان ناتی هؤلاء القوم فننظر کیف یعملون قال قلت ان شئت قال فجئناهم فنظرنا الی عملهم ساعة ثم غشینا النوم فانطلقت انا وعلی حتی اضطجعنا فی الصور من النخل وفی دقعاء من التراب فنمنا فواللہ ما اهبنا الا رسول اللہ صلعم یحرکنا برجله وقد تتربنا من تلک الدقعاء التی نمنا فیه فیومئذ قال رسول اللہ صلعم لعلی بن ابی طالب قم یا ابا تراب لما یری علیه من التراب ثم قال الا احدثکما باشقی الناس

محمد بن کعب قرظی ہیں اور وہ ابو یزید ہیں اور وہ عمار بن یاسر سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار نے کہا کہ ہم اور حضرت علی بن ابیطالب ؑ دونوں ذوالعشیرہ میں ساتھ تھے جب جناب سرور خدا صلعم یہاں تشریف لائے اور مقیم ہوئے تو ہم لوگوں نے وہاں بنی مدلج کے لوگوں کو اپنے چشمہ پر آب سے نخلستان میں کام کرتے ہوئے دیکھا تو علی ابن ابیطالب نے مجھ سے کہا کہ اے ابو یقظان (کنیت عمار بن یاسر) کیا تم یہ دیکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ کسطرح اپنے نخلستان میں کام کرتے ہیں میں نے کہا ہاں میں ضرور دیکھنا چاہتا ہوں پھر ہم دونوں آدمی ان لوگوں تک گئے اور تھوڑی دیر تک انکا کام دیکھتے رہے پھر ہم لوگوں کو نیند آنے لگی تو ہم لوگ وہاں سے واپس آئے اور ایک درخت کے نیچے مٹی زمین پر لیٹ گئے اور سوگئے اور پھر اتنی دیر تک سوتے رہ گئے کہ آنحضرت صلعم نے آکر اور اپنے پائے مبارک سے ٹھوکر دیکر ہم دونوں کو جگایا اور ہم لوگوں کے جسم پر گرد وغبار جو بھر گیا تھا دور فرمایا پھر ہم دونوں سے خطاب کرکے ارشاد کیا کہ تم جانتے ہو ہم تم دونوں کو بتا

رجلين قلنا بلى يا رسول الله ﷺ قال احيمر ثمود الذى عقر الناقة والذى يضربك يا علىؑ على هذه و وضع يده على قرنه حتى يبل منها هذه واخذ بلحيته۔

ابن ہشام جلد دوم۔ سطر ص ٦۔

کے دو شقی ترین مردم کے حالات آگاہ کریں عرض کی جی ہاں آپ نے فرمایا کہ دنیا میں دو شخص شقی ترین ہیں ایک تو احیمر ثمود جو ناقہ صالح کا قاتل گذرا ہے اور علیؑ کی طرف خطاب کر کے دوسرا شخص وہ ہے یا علیؑ جو تیرے ضرب لگائے گا اور یہ کہکر آپ نے حضرت علی علیہ السلام کے سر پر ہاتھ رکھکر موقع ضرب کو بتلادیا پھر ریش مبارک ہاتھوں سے تھام کر فرمایا کہ تمہاری ریش بھی ضرب کے خون سے رنگین ہو جائے گی

یورپ کے متعصبین مورخین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف اس تنظیم وتاسیس ملک وقوم کو انصاف کی ٹھنڈی نگاہ سے دیکھیں تو وہ بلا تحریک خود یقین کر لینگے کہ جس مقدس بزرگوار کو وہ تلوار سے دین پھیلانے کیلئے ملزم ٹھہراتے ہیں وہ تو اپنی ابتدائی تبلیغ سے بندگان الٰہی میں امن وامان اور صلح وآشتی کے خود جاکر انتظام کر رہا ہے۔ یہاں تو رحمۃ للعالمین روئے زمین پر بندگان الٰہی کو تباہی وبربادی سے بچانے انکو عام صلح وآرام کی راہ پر لگانے کے لئے بانفس النفیس دور ودراز سفر کی زحمتیں اٹھا کر یہ انتظام واہتمام کر رہا تھا۔ وہاں یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ آپ کے جان وایمان کے مخالف کفار قریش کن خیالوں میں تھے اور کیا سامان کر رہے تھے۔

قریش کی مکارانہ سازشیں۔ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ عین اسوقت جب آپ نواح مدینہ میں امن وامان عامہ کے انتظام قائم کر رہے تھے۔ قبائل کی خانہ جنگیاں۔ شب وروز کی خونریزیاں موقوف فرما رہے تھے۔ ملک وقوم میں رفع فساد کی انسداد کر رہے تھے۔ اسی وقت مکہ اور دور دور تک اطراف وجوانب میں کفار قریش معاہدہ اتحاد واتفاق کے عوض میں نفاق وفساد امن عام اور صلح وآرام کیجگہ مخالفت اسلام اور مسلمانوں کے قتل عام کی آگ پھیلا رہے تھے انکی تمام مغویانہ اشتعال وتحریکات کا رُخ اسلام اور بانئ اسلام علیہ السلام کی طرف تھا۔ حالانکہ اسلام کامل چودہ برس تک ان کے سخت ترین مظالم کو صبر واستقامت سے برداشت کر کے اُن سے تین سو میل کی مسافت پر دُور جاکر پناہ گزین ہوا تھا۔ جہاں نہ انکے قوم کے لوگ تھے۔ نہ انکا ملک ودیار تھا۔ اور نہ انسے کوئی کاروبار تھا۔ لیکن اس بے تعلقی اور بے سروکاری پر بھی کفار مکہ اور مشرکین قریش کے دلوں سے اسلام کی مخالفت کا کانٹا نہیں نکلتا تھا مخالفت اسلام تو اُن اشقیائے ازلی کے دلوں سے لگی تھی اور وہ سب کے سب ہر وقت اسلام کے مٹادینے کی فکروں میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ قریش اس معاہدہ مقدسہ کے انتظام کو سنکر پہلے سے بھی زیادہ چراغ پا ہوگئے اور مکہ سے لیکر مدینہ تک کے تقریباً تمام قبائل وعشائر اسلام کے خلاف اپنی مفسدہ انگیزیوں کے جال پھیلانے لگے۔

عبد اللہ بن ابی سلول قریش نے سب سے پہلے یہودان مدینہ کو اکیطرف اوبھارنا چاہا دوسری طرف عبد اللہ ابن ابی سلول کے ذریعہ انصار کے مسلمانوں میں نفاق پھیلانے کی کوشش کی یہودان مدینہ کی سازش سے چونکہ قبیلہ انصار کی نا اتفاقی استحکام اسلام کیلئے زیادہ مضر ثابت ہوتی اسلئے ہم سب سے پہلے عبد اللہ بن ابی سلول کی سازش کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

سعادتمندان انصار میں جو اوس وخزرج کی نسل کے نامور یادگار رہتے۔ عبداللہ بن ابی سلول وہ بدبخت تھا جو اپنے چند بدقسمت ہمراہیوں کیساتھ ابھی تک دولت اسلام سے محروم تھا۔ حقیقت میں یہ شخص بڑا ہی چالباز اور حیلہ باز تھا اور انتہا درجہ کا فتنہ پرداز اسمیں کوئی کلام نہیں کہ یہ اپنی چالاکیوں اور فریب بازیوں کی بدولت انصار کے تمام قبیلہ کو ایک گونہ اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ اور اسکا یہ اثر کچھ انصار ہی کے قبیلوں تک محدود نہیں تھا بلکہ عام باشندگان مدینہ بھی اسکے اثر سے خالی نہیں تھے۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اسکو اپنی ذی اثری اور ذی اقتداری پر پوری اُمید تھی کہ اوس وخزرج ان دونوں قبیلوں کی قوت واحد ایکدن میری ہی ذات میں جمع ہو جائیگی اور انکے تمام قوت واقتدار کا مرکز اکیلی میری ہی ذات تسلیم کیجائیگی۔ تاریخ مدینہ کی بعض مرویات سے اسکے عروج واقبال کی یہاں تک حالت پہونچی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کہ جس سال مدینہ میں نزول اسلام ہوا اُسی سال انصار کے دونوں قبیلوں میں اسکے سردار قبیلہ مقرر کئے جانیکی بہت بڑی مجلس ہونیوالی تھی لیکن اے بسا آرزو کہ خاکشدہ اسلام کے متبرک قدم کے آتے ہی اسکی تمام تمناؤں کا خاتمہ ہوگیا۔ جب اسنے دیکھا کہ اوس وخزرج کے تمام افراد قبیلہ بڑی مفاخرت اور حسن عقیدت سے مشرف باسلام ہو رہے ہیں۔ اور اب ان میں سے کوئی بھی اسکی طرف نگاہ توجہ نہیں کرتا۔ تو گو بظاہر اسلام کا مطیع بنگیا اور اس خیال میں رہا کہ اگر قبائل انصار سے میرا اثر جاتا رہا تو قبائل یہود پر ابھی ویسا ہی اثر باقی ہے اور یہود سے اسلام کی اطاعت بالکل خلاف اُمید ہے اسلئے نصف کیا بلکہ زائد حصہ آبادی مدینہ کی حکومت میرے قبضہ اختیار و اقتدار سے کبھی جانیوالی نہیں ہے مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد جب یہود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ صلح میں شریک ہوگئے۔ تو اسکی یہ رہی سہی اُمید بھی جاتی رہی اور وہ دونوں طرف سے مایوس ہوگیا۔

ان متواتر ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد بھی وہ اپنی چالوں سے باز نہ آیا۔ وہ بڑی چالاکی سے اہل اسلام کا ہمخیال وہمکلام بنا رہا اسلئے کہ اس ظاہری اتفاق سے مسلمانوں اور یہودیوں میں اسکا اعتبار بنا رہیگا۔ لیکن جب موقع پاتا تھا تو یہودیوں اور دیگر قبیلہ والونکو اسلام کے خلاف ابھارا کرتا تھا۔ قریش کو عبداللہ بن ابی سلول کے اس رویہ کی خبر ملی تو وہ تو ان فریب پر ہمیشہ گوش برآواز تھے۔ اور اپنی تمام مخالفانہ اور مغویانہ ترکیبوں کا اسی کو اپنا آلہ بنالیا۔ اور مدینہ میں یہودیوں سے پہلے اسی کو مضمون ذیل کا خط لکھا۔

انکم اویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ لتقاتلنہ او تخرجنہ او لنسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم ونستبیح نساءکم ۔ سنن ابوداود ج ۲ ص ۶۷ باب التغیر

تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں ٹھہرا لیا ہے اب تمہارا فرض یہ ہے کہ تم ہماری طرف سے جا کر اس سے لڑو اور اگر ایسا قصد نہیں رکھتے تو اپنے شہر اور اپنے قبیلہ سے اسکو باہر نکالدو ورنہ سمجھ لو کہ قریش نے اکٹھا ہو کر قسم کھائی ہے کہ ہم سب ملکر تمہارے شہر اور تمہارے قبائل پر حملہ کرینگے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کردینگے۔ اور تمہاری عورتوں کو اپنے قبضہ میں لائیں گے

دیوانہ را ہوئے بس است۔ اتنی اشتعال پر عبداللہ بن ابی چراغ پا ہوگیا۔ اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ فوراً مسلمانوں کی غارت

دیتا ہی اور کشت خون پر آمادہ ہوگیا۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائے انتظام امن عام کے لئے یہ مفسدہ انگیزی کس حد تک مضر ثابت ہوتی۔ مگر مصلح عالم نے فوراً اصلاح کرلی وہ خُلق مجسم یہ خبر پاکر فوراً بانفس النفیس عبداللہ بن ابی کے پاس چلا آیا۔ اور اُسکو سمجھایا اور فہمائش کے طور پر نہایت متانت سے ارشاد فرمایا کہ کیا تم اپنے بیٹے بھائیوں اور بیٹوں سے لڑنے اور اُن کے خون کے گرنے پر آمادہ ہوگئے یہ خبر سچ ہے کہ تم اُنسے لڑوگے؟ حقیقت کے یہ دو جملے کافی تھے۔ عبداللہ اصل مدعا کو سمجھ گیا اور پھر قریش کے خط کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہوا۔

یہ ہیں رسالت کے حقیقی اور روحانی مآثر جنھوں نے چشم زدن میں قریش کے فریب اور عبداللہ بن ابی کے ارادوں کو بالکل بے اثر کردیا۔ اگر ابتدا ہی میں عبداللہ اس مفسدہ انگیزی سے باز رکھا جاتا تو جانبین سے تلواریں کھنچکر اسلام آج ہی تمام ہوجاتا۔

اسوقت تو عبداللہ ابن ابی سلول نے بظاہر اسلام سے اپنی صفائی کرلی لیکن اُنکو دلمیں اسلام کیطرف سے کَد لگی کی لگی رہی غزوہ بدر سے چند روز پیشتر قبیلہ بنو الحارث میں تشریف لیجانیکی ضرورت پیش آئی۔ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خچر پر سوار ہوکر معہ دو دو چند اصحاب کیساتھ تشریف لیچلے رستہ میں ایکمقام پر عبداللہ بن ابی اپنے گروہ منافقین کیساتھ جنمیں یہودان مدینہ بھی داخل تھے۔ اور بعض مسلمان بھی شامل تھے۔ بیٹھا تھا۔ آپ کی سواری اس کے پاس سے ہوکر گذری۔ تو اس نے نظر کراہت اپنے مُنھ پر کپڑا ڈال لیا۔ حقارت کے طرز آمیز لہجہ میں کہا۔ محمد گرد نہ اڑاؤ۔ آنحضرت صلعم نے فوراً سواری روک لی مجمع کو سلام کیا اسکے بعد قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھکر سنائیں۔ عبداللہ کو اور بھی بُرا معلوم ہوا کہنے لگا اے شخص مجھے یہ ہرگز پسند نہیں۔ اگر تمھارا کلام سچ بھی ہو تو اسکو ہماری مجلس میں نہ پڑھا کرو۔ اس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے ہاں جو کوئی تمھارے پاس جائے اسے تم البتہ سنایا کرو۔ آپکے ہمراہیوں کو اس منافق کے ان حقارت آمیز کلام پر سخت طیش آگیا۔ فوراً سب کے سب دست بقبضہ ہوگئے۔ لیکن رحمت عالم نے خلق مجسم کی پوری شان دکھلادی اور فوراً جانبین میں صفائی کرادی۔ بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر۔

یہودیوں سے قریش کی خفیہ سازش

جب عبداللہ بن سلول سے مخاصمت اسلام کی ترکیب چلتی نظر نہ آئی تو قریش نے خفیہ طور پر یہودان مدینہ سے اپنی سازشوں کی ریشہ دوانیاں آغاز کیں اور اُسمیں اونھیں کامیابی ہوئی۔ جیسا کہ معاملات یہود سے آئندہ معلوم ہوگا یہ عہد شکن اور غدار قوم حضرت موسیٰ ع کے وقت ہی سے عہد شکنی اور خلاف دعا، مکاری اور حیلہ بازی کے لئے بدنام چلی آتی ہے۔ ان لوگوں سے ان اقسام کی کارروائی اور بیوفائی خلاف امید نہیں ہوسکتی۔

کفار قریش مسلمانوں کو دھمکی۔

جب یہودان مدینہ کو اپنے دام میں لا چکے تو ان کی مخاصمانہ پرجوشی اور خصوصاً اس سازش میں اُنکی کامیابی اپنے راز کو چھپا نہ سکی۔ اُنھوں نے بڑے زوروں میں اپنے ہمقوم و قبیلہ مہاجرین سے کہلا بھیجا کہ کہیں تم انصار مدینہ کے بل بوتے پر نہ مغرور ہوجانا۔ اور یہ نہ سمجھنا کہ تم مکہ سے جان بچاکر صاف نکل آئے ہیں ہم مدینہ ہی میں آکر تمھارا نام و نشان

نشان مٹا ڈالیں گے رحمۃ للعالمین ص ۱۰۰ ج ۱

اس پیغام انتقام کو پاکر اہل اسلام خبردار اور انکی طرف سے پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو گئے۔

حملات قریش کے خطرے اور معاہد قوموں کی حفاظت۔ یہودیوں سے ساز باز کر کے مشرکین قریش نے اپنی مفسدہ انگیزیوں کو عملی صورت میں لانیکی یہ ترکیب نکالی کہ سو سو پچاس پچاس آدمیوں کی مختلف ٹکڑیاں بنا بنا کر ان قبائل پر چھاپہ مارنے لوٹنے اور انکے جان و مال کو غارت کرنیکے لئے روانہ کرنی شروع کر دیں جو اسلام کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہو چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان خونریز حملات کی خبر لگی تو آپ نے شرائط معاہدہ کے مطابق ان تمام قبائل کی حفاظت وحمایت جان و مال کی غرض خاص سے صحابہ کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر روانہ کیں شبلی صاحب نے ان تمام سرایا کی تفصیل بطور اجمال ایک ہی مقام پر کر دی ہے اسلئے کہ آپ غزوات وسرایات کی داستانوں کو بلند آہنگی اور وسیع البیانی سے سننا نہیں چاہتے اور وہ اس خاص سبب سے کہ یورپ اسکو بڑے شوق سے سنتا ہے

(دیکھو تمہید سلسلہ غزوات سیرت النبی جلد اول)

لیکن اسلام یا دل دردمند آپ سے اور یورپ والوں دونوں سے بزبان حال کہتا ہے۔

داستان غم دل جوش میں آؤں تو کہوں ؛ سننے والا کوئی پہلو میں بٹھاؤں تو کہوں

غزوات رسول کیطرح سرایا کی تفصیل حقیقت یہی سیرت و تاریخ کی تمام اسلامی کتابوں میں درج ہے اور سرایا کے حالات و واقعات علیحدہ علیحدہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں لیکن شبلی صاحب انکی تفصیل کرنا نہیں چاہتے۔ اسلئے ہم بھی انھیں کے قدم بقدم چلتے ہیں۔ اور اجمالاً جو کچھ ان سرایا کے متعلق تحریر فرمایا گیا ہے اسی کو حرف بحرف ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ ہجری میں واقع ہوا ہے۔ اور جسمیں آپ نے خود شرکت فرمائی ہے ارباب سیر نے تین مہموں کا ذکر کیا ہے جنکو انکی زبان (اصطلاح) میں سریہ کہتے ہیں۔ سریہ حمزہ سریہ عبیدہ بن الحارث اور سریہ سعد بن وقاص۔ لیکن انمیں سے کسی مہم میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا۔ یا تیغ بچاؤ ہو گیا۔ یا بچکر نکل آئے۔ سیرۃ النبی ص ۲۲۶ ج ۱۔

لیکن قریش کی سفاک شمریر اور بیباک قوم ایسی کیا تھی جو اس روک تھام اور بیچ بچاؤ کے معاملات کو اپنا خیال میں لاتی۔ اونکی سفاکی آزادی۔ اور بیباکی۔ اُن کی خونخواری اور مردم آزاری فرسی ہی کی ویسی ہی بنی رہی انکا خیال اسلام کا جوں اور مسلمانوں کا قتل عام اور بیگناہ خون انکی گردنوں پر سوار تھا۔ اور وہ اپنی بدمستیوں اور بدکاریوں کے نشہ میں اندھے ہوئے اور برابر بڑھتے ہوئے مدینہ کیطرف چلے آرہے تھے۔ یمن سے مکہ اور مکہ سے عقبہ تک کہ یا مدینہ تک کی نصف راہ جتنے قبیلہ آباد تھے سب کو اپنا مطیع و شریک بناتے آئے اتنی دور میں گرد و نواح کے رہنے والے

ایسے قبائل جو اسلام کی مخالفت پر کسی طرح راضی نہ ہو سکے۔ اور محض غیر جانبدارانہ طریقہ پر قائم رہے وہ بھی ان کے دست تظلّم سے نہ چھوٹے جب انپر دباؤ ڈالنے کا کوئی پہلو نہ ملا تو ان غریبوں کی راہیں مسدود کر دیں اسلئے کہ وہ اہل مدینہ سے آمدورفت نہ رکھ سکیں ان کے یہ ظالمانہ بند و بست ایک مدت تک قائم رہے اور فتح مکہ کے بعد ان کے راستے کھلے چنانچہ جب ۶ سنہ ہجری میں بحرین سے بنی عبد القیس کی سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی تو ان لوگوں نے آنحضرت صلعم سے عرض کی مُضر کے قبائل جو ہماری راہوں میں حائل ہیں ہم کو آپکی خدمت تک نہیں آنے دیتے اسلئے ہم صرف ایام حج میں جبکہ عموماً لڑائیاں موقوف ہو جاتی ہیں شرف زیارت حاصل کر سکتے ہیں اور ایام میں حصول زیارت سے ہم مجبور ہیں۔

بخاری ذکر وفد عبد القیس

ظالمان قریش کی انہیں انتظامات سے اُن کی تنہائی مخاصمت کا پورا اندازہ کر لیا جا سکتا ہے۔ ان ظالمانہ انتظاموں کو درست کر کے وہ یہود یوں کی سازش اور اُس غدار قوم کی مضبوطی پر اتنے جری ہو گئے کہ اُنکی غارت گر جماعت مدینہ کے قریب پہونچکر قزاقی اور غارتگری کے مفسدات برپا کرنے لگی۔

کرز بن جابر الفہری کا مدینہ پر حملہ۔

ربیع الاول ۲ سنہ ہجری میں انہیں قزاقان قریش میں سے ایک غارتگر جسکا نام کرز بن جابر الفہری تھا اپنے جتھے کے ساتھ بڑھتا ہوا۔ اور راستہ بھر میں لوٹ مار کرتا ہوا نخلستان مدینہ تک پہونچ گیا۔ اور باشندگان مدینہ کی مویشیاں جو باہر میدانوں میں چھُٹی چرتی تھیں لوٹ کر لے گیا اور نخلستان مدینہ میں آگ جلا کر بہت سے اشجار ثمرہ کو خاک سیاہ کر دیا۔ چونکہ اہل مدینہ کو اس غارتگر کے یوں آ جانے اور چھاپہ مارنیکا ذرا بھی پہلے سے خیال و احساس نہ تھا اسلئے وہ اپنی غنیمت کیساتھ صاف نکل گیا۔ گویا مدینہ والوں کو اپنی جراُت و دلیری اور طاقت دکھلا گیا۔ کہ ہم ایسے ہیں کہ تین سو میل کا دھاوا کر کے تمہارے گھر میں سے تمہارے مویشی لیجاتے ہیں اور تمکو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکتی تاریخ و احادیث کا اسپر اتفاق ہے کہ کفار قریش کی ان مفسدہ انگیزیوں سے عموماً اور کرز بن جابر فہری کی موجودہ مفسدات کے مشاہدات سے خصوصاً باشندگان مدینہ پر سخت اضطرار و انتشار کا عالم طاری تھا اور ہر شخص اپنے جان و مال کو سخت خوف و خطرے میں سمجھتا تھا۔ یہود ان مدینہ غدارانہ انداز اور عبد اللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین کے مکارانہ اطوار جس سے زائد اور سخت تر مصائب کے آئندہ نزول کا یقین دلاتے تھے

مدینہ میں مخالفت قریش کے خوف اور اندیشے

مکہ سے مدینہ میں ظالمان قریش کی تاخت و تاراجی اور حملات و غارات کی روزانہ خبریں آ رہی تھیں اسکے پھیلانیوالے قریش ہی تھے جو اہل مدینہ کو مضطرب الحال پریشان اور مرعوب کر لینے کے خیال سے۔ یہود اور عبد اللہ بن ابی سلول کی معرفت اسکو مدینہ میں مشہور کرتے تھے۔ فطرتاً ہر شخص ان خبروں کو سنکر اپنی جان و مال۔ اور حفاظت اہل و عیال کیمتعلق فکرمند ہو جاتا تھا۔ بالنفس النفیس جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا یہ حال ہو رہا تھا کہ راتوں کو بیٹھے بیٹھے کاٹ دیتے تھے۔ اور تمام صحابہ ہتھیار باندھ صبح سے شام کر دیتے تھے صحیح نسائی میں مرقوم ہے

کان رسول اللّٰہ صلعم اول ما قدم المدینۃ یسھر من اللیل۔	جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو راتوں کو جاگ کر کاٹا کرتے تھے۔

صحیح البخاری باب الجہاد میں ہے کہ انہیں ایام میں آپ نے ایکبار صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا آج کی رات کو کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے ہتیار لگا کر یہ خدمت رات بھر انجام دی۔

امام حاکم مستدرک میں ان ایام کی پر آشوبی ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول اللّٰہ صلعم واصحابہ بالمدینۃ واوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا یبیتون الا بالسلاح ولا یصبحون الا فیہ۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ جب مدینہ میں آئے اور انصار نے انکو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ہو کر ان سے لڑنے کو آمادہ ہو گیا صحابہ صبح سے شام تک ہتھیار باندھے رہتے تھے اور ہتھیار باندھے سوتے بھی تھے۔

ابوجہل کی قیامت کی چال۔
عبد اللہ بن جحش کا بیجا استعجال
عمرو بن عبد اللہ حضرمی کا قتل

واقعات مرقومہ سے مدینہ کی پر آشوبی اور عالم اضطراب کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس اثنا میں ابوجہل کی ایک دوسری چال چلا۔ اور حقیقتًا قیامت کی چال چلا۔ جنگ بدر کے وقوع سے دو مہینے پیشتر اس نے مکہ میں یہ مشہور کر دیا کہ قریش کا قافلہ تجارت جو لیکر وگی ابوسفیان بن حرب اپنا مال بھرا اور قیمتی میں زر و مال کثیر لے کر شام سے واپس آرہا ہے اس پر مسلمان چھاپہ مارینگے۔ اور لوٹ لینگے۔ یہ خبر بالکل غلط تھی۔ اور شریعت اسلام کے مطابق سخت گناہ لیکن سوء اتفاق سے اتنی جلد موثر ہوئی کہ آن واحد میں مکہ سے مدینہ تک تمام مخالف قبائل میں اسلام کی مخالفت میں تلواریں کھنچ گئیں۔

یہ تو معلوم ہے کہ قریش کیا سارے عرب کی کائنات تجارت تھی جسمیں مجموعًا تمام قوم و قبیلے کے لوگ شریک تھے اور بھی انکے اذوقہ اور بسر اوقات کا تنہا ذریعہ تہا۔ اسکی نسبت ایسی تباہی و بربادی کی خبر پا کر کوئی قریشی یا انکا ہم عہد اور جانبدار اپنے گھر میں کبھی خموش نہ بیٹھ سکتا تھا؟

ایک نہ شد دو شد یہ بھی اتفاق کی بات۔ یہ ہنگامہ تو ابھی برپا ہی تہا کہ عبد اللہ بن جحشؓ[۵] سے بمقتضائے بشریت ایک بیجا مبادرت ہو گئی۔ اسکی تفصیل ہم شبلی صاحب کی زبانی حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب سنہ ۲ ہجری میں (عین اسوقت جب غارت کارواں کی خبر مشہور تھی) عبد اللہ بن جحش

[۵] شبلی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ عبد اللہ بن جحش جنکی سرداری میں یہ قتل واقع ہوا۔ حضرت حمزہؓ کے بھانجے اور آنحضرت صلعم کے ماموں زاد بھائی تھے مخالف یعنی واقد بن عبد اللہ حضرت عمرؓ کی خلافت تک زندہ رہے۔ بحوالہ طبقات ابن سعد افسوس ہے کہ شبلی صاحب کو باوجود اتنے بڑے محدث کے خاندان رسالت سے اتنی معارفت ہو کہ انکے نبی اور حبیب قرابتیوں کو بھی نہیں جانتے پھوپی کے لڑکے ماموں کا بیٹا بتلاتے ہیں۔ المولف

کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان ایک شبانہ روز کی مسافت پر واقع ہے۔ آپ نے عبد اللہ کو ایک خط دیکر روانہ کیا اور فرمادیا کہ دو دن کے بعد اسکو کھولنا۔ عبد اللہ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخلہ میں قیام کرو اور صرف قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ۔ اور مجھکو اطلاع دو۔ اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لئے آتے تھے سامنے سے نکلے۔ عبد اللہ نے اونپر حملہ کردیا۔ انہیں سے ایک شخص عمرو بن عبد اللہ الحضرمی مارا گیا۔ دو شخص گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ عبد اللہ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا۔ اور غنیمت کی چیزیں بھی پیش کیں۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی۔ غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار فرمایا۔ صحابہ نے عبد اللہ سے نہایت برہم ہو کر کہا۔

صنعتم والم تؤمروا به وقاتلتم فی الشهر الحرام ولم تؤمروا بقتال۔ طبری ص ۱۲۷۵	تمنے تو وہ کام کیا جسکا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اور تم ماہ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینے (رجب) میں تمکو لڑنیکا حکم نہیں تھا

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا وہ عبد اللہ حضرمی کا بیٹا تھا اور وہ حرب ابن امیہ (امیر معاویہ کا دادا) کا حلیف تھا۔ عرب کے قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبد المطلب کے بعد ریاست عام اسی کو حاصل ہوئی تھی۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان و نوفل دونوں مغیرہ کے پوتے تھے۔ مغیرہ ولید کا باپ حضرت خالد کا دادا۔ اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا۔ اس بنا پر واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔ معرکہ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے۔ عروہ بن زبیر حضرت عائشہ کے بھانجے تھے انھوں نے تصریح حال کی ہے کہ غزوہ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں۔ سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وکان الذی هاج واقعة بدر وسائر الحروب التی کانت بین رسول الله صلعم وبین مشرکی قریش فیما قال عروة بن زبیر بن العوام ما کان من قتل واقد بن عبد الله التمیمی عمرو بن الحضرمی ص ۱۲۸۴	جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں جو آنحضرت صلعم اور مشرکین قریش کے درمیان پیش آئیں جیسا کہ عروہ بن زبیر بن العوام کا قول ہے سب کا سبب یہی ایک تھا کہ واقد تیمی نے عمرو حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔

مرقومہ بالا عبارت سے کفار مکہ کا مدینہ پر اس تیزی اور بے صبری سے حملہ آور ہونا۔ اور جنگ بدر کا وقوع اور اس کے تمام متعلقہ کو علل پورے طور سے معلوم ہوگئے اور انکے ساتھ یہ بھی ثابت ہوگیا۔ کہ عبد اللہ بن جحش سے خلاف حکم ایک بیجا جرات واقع ہوگئی۔ اسی لئے جناب رسول خدا صلعم ہی نے نہیں بلکہ تمام صحابہ نے بیک بار دو ان لوگوں کے لئے انکو ملزم ٹھہرایا۔ ایک تو خلاف حکم و ہدایت آنحضرت صلعم قافلہ قریش سے لڑنا۔ انکو قتل و غارت کرنا۔ دوسرے ماہ مبارک رجب میں جنگ کرنا۔ جو نہ صرف شرع اسلام ہی کے خلاف تھا۔ بلکہ عرب کے قدیم دستور کے بھی مخالف تھا۔

مخالفین اسلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان سرایا کی نسبت یہ الزام لگاتے ہیں کہ صحابہ کو انکے فدیہ سے قزاقی

کی تعلیم دیجاتی تھی۔ اور اُس طریقہ جبر و تشدد سے گرد و نواح کے قبائل کو بزور شمشیر مسلمان بنایا جاتا تھا۔ وہ ان واقعات کو انصاف کی آنکھوں سے دیکھیں پڑھیں۔ اور غور کریں کہ حقیقت حال اگر ایسے ہی تھے جیسا تم کہتے ہو۔ تو پھر عبداللہ بن جحش پر آنحضرت صلعم کو عتاب فرمانے اور مال غنیمت واپس کرنیکی کیا ضرورت تھی۔ بلکہ عبداللہ نے تو عین آپ کے مدعا اور منشاء کے مطابق کام کیا تھا۔ زجر و توبیخ کی جگہ تو انکی پیٹھ ٹھونکنی چاہتی تھی اور صحابہ کو بھی کیا ہوگیا تھا کہ عبداللہ کی اس عمدہ کارگذاری کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اور ایسے کارگذار شخص کو ملزم اور قصوروار ٹھہرانے لگے۔

جنگ بدر کا مدعا حملہ قریش کی مدافعت تھی نہ کاروان تجارت کی غارت

یہ کجی الذہن اور قصیر الاطلاع۔ معترضین یوروپ اصل حقیقت تک پہونچے نہیں مرویات غیر معتبر اور معتبر کی شناخت۔ واقعیت اور اصلیت کی معرفت کا شعور امتیاز تو رکھتے نہیں۔ صرف تعصب دینی کی اقتضاء اور مخالفت اسلام کے مدعا کو پیش نظر رکھ کر بلا وسواس تامل تعریض کا ایک پہلو نکال لیتے ہیں۔ اور اسکو اپنی تحقیق جدید کا نمونہ بنا کر دنیا بھر میں ایک ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں انھیں متویات کے ایسا خاص معرکہ بدر کے متعلق عیسائی متعصبین نے یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ اصل مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوسفیان والے قافلہ کو لوٹنا تھا۔ جو ملک شام سے مال تجارت بھر کر آرہا تھا۔ نعوذ باللہ کہ ارادہ کو آپ مسلمانوں کے ساتھ نکلکر مقام بدر پر مقیم ہوئے تھے کیونکہ وہیں سے شام جانیکا راستہ پہاڑوں کی تنگ گھاٹیوں سے ہوکر نکلتا ہے لیکن چونکہ آپکے ارادہ کی خبر قریش کو ہوچکی تھی اسلئے ابوجہل بھی اپنے قافلہ کی حفاظت کے لئے ایک فوج جرار تیار کرکے مکہ سے روانہ ہوچکا تھا۔ چونکہ قبل اسکے کہ ابوسفیان اپنا کارواں لے کر بدر میں پہونچے ابوجہل اپنا لشکر لیکر وہاں پہونچگیا اسلئے آنحضرت صلعم کو محض اتفاقی طور پر مقابلہ و مقاتلہ کی مجبوری واقع ہوگئی

عیسائیوں کا یہ اعتراض اور اُسکے تمام قرائن و اسباب جو اُنھوں نے اکھٹا کئے ہیں بالکل غلط اور بے اصل ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ہی ماخذوں سے اسکے اسناد اُنکو ملے ہیں۔ اور ہماری حدیث و تاریخ دونوں قسم کی کتابوں میں یہ مرویات موجود ہیں۔ چنانچہ طبری میں یہ واقعہ باین الفاظ مرقوم ہے۔

قالوا لما سمع رسول الله صلعم بابی سفیان مقبلا من الشام ندب المسلمین الیهم و قال هذه عیر قریش فیها اموالهم فاخرجوا الیها لعل الله ان ینفعکموها فانتدب الناس فخف بعضهم و ثقل بعضهم و ذلك انهم لم یظن ان رسول الله صلعم یلقی حربا

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسفیان کا شام سے روانہ ہونا سنا تو مسلمانوں کو بلا کر فرمایا کہ قریش کا کارواں شام سے آرہا ہے جسمیں اُنکا مال ہے چلو شاید خدا انکو تمہیں سے غنیمت دلوائے لوگ آمادہ ہوگئے۔ اور بعضوں نے بیلوتہی کی کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلعم کو کوئی لڑائی تو پیش آنے کی نہیں طبری ص ۱۲۳۹۔

یہ تو تاریخ کی روایت ہوئی۔ اسیطرح حدیث کی بھی بعض مرویات ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری۔ باب غزوہ تبوک میں عبداللہ بن کعب صحابی کی یہ روایت منقول ہے۔

عن عبد اللہ بن کعب لما تخلف عن رسول اللہ صلعم فی غزوۃ غزاھا الا غزوۃ تبوک غیر انی کنت تخلفت فی غزوۃ بدر و لم یعاقب احد تخلف عنھا انما خرج النبی صلعم یرید عیر قریش حتی جمع اللہ بینھم و بینہ غیر میعاد۔

عبد اللہ بن کعب اپنے باپ کعب کا قول بیان کرتے ہیں کہ میں (کعب) جناب رسولخدا صلعم کو چھوڑ کر کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا۔ بجز غزوہ تبوک کے اور ہاں غزوہ بدر میں بھی شریک نہ تھا۔ اور جو اسمیں شریک نہوا اور پر کچھ عتاب نہیں ہوا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم قریش کے قافلہ کے لئے نکلے تھے۔ لیکن خدا نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا

یہی مرویات معترضین کے باعث اعتراض ہیں۔ اور سرمایہ ناز ہمکو انکی مرویات اسلامی سے انکار نہیں۔ بلکہ اقرار ہے۔ یہ ضرور تاریخ و حدیث اسلامی کی مرویات ہیں۔ اور صحابہ کے منقولات لیکن ہم اتپر اعتبار نہیں کرتے اسلئے کہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ان مرویات کے راویوں کو ان کے بیان میں سخت غلط فہمی واقع ہوئی ہے اُنھوں نے مدعائے رسُول کو اپنے قیاس کے موافق سمجھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور دوسروں کو سمجھایا۔ جو بالکل حقیقت اصلیت اور واقعیت سے خلاف تھا۔ جیسا کہ ہم پوری تفصیل سے اپنی مندرجہ بالا عبارت تمہیدی میں لکھ چکے ہیں معترضین کو اتنی تحقیق کی ضرورت نہیں وہ عام اس سے کہ کیسی ہی خلاف واقع خلاف عقل اور خلاف مناسبت و مصلحت ہو جب کوئی اسلامی روایت اپنے مفید مطلب پائینگے اُسی کو آلہ استدلال بنا لیں گے اُنھوں نے طبری اور بخاری ہماری دو مشہور اور قدیم ماخذ نے اپنے اعتراض کی تائید میں دو روایتیں نقل کر دی ہیں مگر بمصداق آنکہ چشم بد اندیش کہ برکندہ باد۔ اور انکو اُسی طبری اور بخاری میں اس بحث کے متعلق مفصلہ ذیل مرویات نظر نہ آئیں۔

عن علی بن ابی طالب فلما بلغنا ان المشرکین قد اقبلوا سار رسول اللہ صلعم الی بدر و بدر بئر فسبقنا المشرکین الیھا الخ

حضرت علی بن ابیطالب سے منقول ہے کہ جب ہم کو خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہیں۔ تو حضرت رسولخدا صلعم بدر کیطرف چلے اور بدر ایک کنوئیں کا نام ہے۔ جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہونچ گئے۔

معترضین کی آنکھوں میں اگر کچھ بھی حقیقت بینی اور واقعہ شناسی کی بصارت ہوتی تو وہ اسی تاریخ میں مرقومہ بالا عبارت کو پڑھ کر یقین کر لیتے۔ کہ جنگ بدر کا اصلی باعث کیا تھا۔ شام سے آتے ہوئے قافلہ قریش کا لوٹنا تھا۔ یا مکہ سے قریش کی آتی ہوئی حملہ آور فوج سے مدافعانہ مقابلہ کرنا تھا کیونکہ اس روایت کا اصل راوی وہ بزرگ ہے جو بقول شبلی صاحب کے معرکہ بدر کا ہیرو ہے۔ پھر وہ اپنے چشم دید واقعات میں کہیں کاروان ابوسفیان کی تاراجی کا اشارتاً و کنایتاً ذکر بھی نہیں کرتا۔ تو ایسے معتمد اور معتبر شخص کے چشم دید بیانات کے مقابلہ میں کسی دوسرے ایسے شخص کے بیان کو جو شروع سے آخر تک شریک واقعہ نہیں تھا۔ ترجیح دینا نافہم معترضین ہی کا کام ہوگا۔ ذی فہم محققین تو کبھی اسکے پاس بھی نہیں جائینگے۔

پھر اُسی تاریخ طبری میں بذیل واقعہ عبد اللہ بن جحش۔ جسے ہم اوپر بھی لکھ آئے ہیں مرقوم ہے "

وکان الذی هاج وقعة بدر وسائر الحروب التی کانت بین رسول اللّٰہ صلعم وبین مشرکی قریش فیما قال عروۃ بن زبیر ما کان من قتل واقد بن عبد اللّٰہ عمرو بن الحضرمی

اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دیں جو آنحضرت صلعم اور مشرکین میں پیش آئیں سب کا سبب یہی تھا کہ واقد بن عبد اللہ تمیمی نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔

پھر اُسی طبری کی تیسری سند بھی ملاحظہ ہو۔ عبد اللہ بن حجش کے واقعہ میں۔ عروہ بن زبیر کے جس قول کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اُسکی تفصیل میں علامہ طبری کے یہ الفاظ ہیں۔

وکانت تلک الواقعة هاجت الحرب بین رسول اللّٰہ صلعم وبین قریش اول ما اصاب بہ بعضهم بعضاً من الحرب وذلک قبل مخرج ابو سفیان واصحابه الی الشام۔ طبری ص ۱۲۸۰ مطبوعہ جرمن۔

اسی واقعہ نے آنحضرت صلعم اور قریش کے درمیان جنگ برپا کر دی تھی اور یہی سب سے پہلا واقعہ تھا جس میں ایک فریق نے دوسرے کو صدمہ پہونچایا۔ اور یہ لڑائی ابو سفیان کی روانگی شام سے پہلے وقوع میں آچکی تھی۔

طبری کی اس روایت میں صاف طور پر تصریح موجود ہے کہ جنگ بدر شام سے ابو سفیان کے قافلہ کی روانگی سے پہلے واقع ہو چکی تھی۔ تو اب معترضین پشیمان و سرگریباں ہو کر اپنے اعتراضات کی مقدار حقیقت کو خود سمجھ لیں کہ ان کے اعتراض معیار صحت و صداقت پر کہاں تک صحیح اترتے ہیں۔ وہ ہمارے جس ماخذ (طبری) سے اور اُسکی صرف ایک روایت سے اپنی تعریض کی تائید پیش کرتے ہیں اسی ماخذ سے اسکی مستند اور متواتر ایک نہیں تین تین تردیں ہم نے پیش کر دیں۔ ان اسناد و استدلال کو دیکھکر کیا کوئی صحیح دماغ اور سلیم عقل رکھنے والا شخص کبھی کہہ سکتا ہے کہ عیسائیوں کے اس اعتراض میں کوئی اصلیت ہے۔

اب رہا یہ امر کہ طبری نے ایسے مختلف فیہ اقوال کیوں جمع کئے اس کی حقیقت اور اسکی اصل وجہ ہم ڈاکٹر سر سید احمد خاں کے الفاظ میں حسب ذیل نقل کئے دیتے ہیں جو ہمارے مدعائے بیان اور معترض کے اطمینان کے لئے کافی ہوگا۔ سر سید مرحوم خطبات احمدیہ کے دیباچہ میں اسلامی کتب تاریخ وحدیث کے سُقم و صحت پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

مذہب کی تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح و موضوع حدیثوں کے مختلف مجموعہ ہیں جنمیں صحیح اور غلط شتبہ اور درست سچی اور جھوٹی روایتوں کا امتیاز نہیں۔ اور جو کتابیں زیادہ قدیم ہیں انہیں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ ہے۔ قدیم مصنفوں اور اگلے زمانہ کے مورخوں کی تصنیفات سے زیادہ غرض یہی تھی کہ ہر ایک قسم کی روایتوں اور افواہوں کو جو اُنکے زمانہ میں پھیل رہی تھیں ایک جگہ جمع کر دیں اور اسبات کی تحقیقات اور تصحیح کہ کونسی ان میں بالکل صحیح ہے اور کونسی غلط۔ اور کس میں زیادتی ہوئی ہے یا کمی اور کس میں اصل مضمون سمجھنے میں اور واقعہ بیان کرنے میں غلط فہمی واقع ہوئی ہے آئندہ وقت یا آئندہ نسلوں پر منحصر رکھیں

مگر افسوس یہ ہے کہ پچھلی نسلوں نے بعوض اسکے کہ تحقیقات مطلوبہ کرنے سے اپنے بزرگوں کے معاہدے کی تکمیل کرتے انہیں کتابوں کو اپنی تصنیفات جدیدہ کا ماخذ بنایا اور اسلئے ان پچھلے مصنفوں کی تصنیفوں میں بھی وہی نقص باقی رہگیا جو ان قدیم مصنفوں کی تصنیفوں میں تھا۔ دیباچہ خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص ١١۔

حقیقتاً ہمارے قدیم ماخذ ہر اقسام کے واقعات کے مجموعے ہیں صحت واقعات کے مقررہ اصول و قواعد کے مطابق اُنکے معائنہ اور موازنہ کی ضرورت ہے۔ صاحبان تحقیق معیار مقررہ کے موافق اُنکی صحت کی جب پوری تصدیق و توثیق پا لیتے ہیں تو انکی نقل و استنباط پر قلم اٹھاتے ہیں۔ لیکن معترضین کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اونکو تو اپنے تعصب و نفسانیت کا کام چلانا ہوتا ہے۔ عیسائی معترضین کے اعتراض کی یہی کیفیت اور حالت ہے جو بیان کی گئی باقی رہا صحیح بخاری میں قافلہ ابوسفیان کے قصد تاراجی والی روایت کا موجود ہونا جسکے راوی کعب صحابی بدری ہیں اسکا جواب ابھی ابھی ہم اوپر دے چکے ہیں۔ اور عنوان بحث میں بیان کر آئے ہیں کہ یہ صحابہ کی صرف غلط فہمی ہے جو اُن کے غلط قیاس پر محمول ہے۔ حقیقتاً چونکہ وہ جنگ بدر میں خود شریک نہ تھے جیسا کہ اسی روایت میں وہ خود اقرار کرتے ہیں۔ اس لئے وہ جنگ بدر کے اصلی اسباب اور حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد و ارادہ کی حقیقت اور اصلیت کو نہ سمجھ سکے۔ اس بنا پر انھوں نے ذاتی طور پر جنگ بدر کا جو کچھ مقصد سمجھا تھا وہی دوسروں کو بھی سمجھایا لیکن کعب کے اس نقل و استنباط کی تردید حضرت علی مرتضیٰ کے قول و ارشاد سے جو بخلاف کعب کے اس جنگ میں شریک تھے۔ اور شریک بھی کیسے شریک غالب تھے۔ پورے طور سے ہوگئی ہے جو صاف صاف لفظوں میں بیان کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ کی حملہ آوری کی خبر پاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بدر کیطرف نہضت فرمائی آپکے اس بیان میں ابوسفیان کے کاروان کا نہ ذکر ہے اور نہ نام و نشان۔ اس بنا پر جناب امیرؑ کے ایسے شریک و امیر جنگ کے چشم دید بیان کے مقابلہ میں کعب کے غائب از موقع بیان کو کوئی نہ قابل التفات سمجھ سکتا ہے نہ لائق اعتبار اس بنا پر صحیح بخاری کی یہ روایت صرف نقل ہی نقل سمجھی جائے گی اور اصل میں کچھ بھی نہیں۔

ان واقعات تاریخی اور مرویات احادیث سے اعلیٰ تر شہادت قرآنی ہے۔ جسکے بیان و ارشاد کے آگے بخاری ہوں یا طبری خبر بھر بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ خدائے تبارک و تعالیٰ جنگ بدر کے اسباب وقوع کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ

اے پیغمبر جسطرح تجھکو تیرے خدا نے گھر سے حق پر نکالا مسلمانوں کا ایک گروہ اُسے پسند نہیں کرتا تھا یہ لوگ حق کے ظاہر ہوئے پیچھے تجھ سے حق بات پر جھگڑا کرتے تھے۔ گویا موت کیطرف ہنکائے جارہے ہیں جبکہ خدا تمسے یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے کوئی جماعت

اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ۔	ہاتھ آجاتی اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے خرخشہ والی جماعت تم کو ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کردے۔ اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

آیہ مرقومہ بالا اسوقت کی پوری حالت بتلارہی ہے۔ اُسوقت مدینہ میں دونوں خبریں زور سے گرم تھیں۔ قافلہ ابوسفیان کی آمد کی بھی اور مدینہ میں ابوجہل کے حملے کی بھی مسلمانوں کی جماعت میں اسوقت دو مختلف خیال ور ائے کے لوگ تھے پہلی قسم کے وہ لوگ تھے جو قریش کو قزاقانہ تاخت و تاراجی اور کرز بن جابر الفہری کی عین مدینہ میں آکر نخلستان انصار کی غارتگری سے سخت متاثر ہو کر قریش کے راہ تجارت جو بدر کے قریب سے ہو کر شام کو جاتی تھی قطعی بند کردینا چاہتے تھے۔ چنانچہ سعد ابن معاذ مکہ میں جاکر قریش کے مُونھ پر اپنے اس ارادہ کو کہہ بھی آئے تھے۔ (بخاری باب المغازی)

اور اپنے اس ارادہ کی بنا پر قافلہ ابوسفیان واپسی شام کے موقعہ پر راہ روکدی جانے کی صلاح دیتے تھے۔ اور قریش کی تاخت و تاراجی کا کلمہ بکلمہ جواب دینا چاہتے تھے۔ اور اہل اسلام کی قلیل جماعت اور افراد کفار کی کثیر تعداد کے اعتبار پر قریش سے جنگ و مقابلہ میں خود بھی رکتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی روکنے کی خواہش رکھتے تھے۔ چنانچہ آیت مرقومہ بالا میں انھیں لوگوں کے حالات کی تصریح ہے۔

دوسری جماعت کے اہل اسلام دونوں اُمور کے اختیار میں بالکل خاموش تھے۔ اور وہ ان امور کو قطعاً رضائے الٰہی اور منشائے حضرت رسالت پناہی پر چھوڑے ہوئے تھے۔ اس خموش جماعت سے تو خدائے سبحانہ تعالیٰ کو کسی خطاب کی مطلق ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ تو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے اصول پر پورے طور سے عمل پیرا تھے۔ جو کچھ خطاب تھا وہ جماعت اول سے جو جنگ و قتال کی دہشت و ہیبت سے کانپے جارہے تھے اور چاہتے تھے۔ کہ قافلہ پر حملہ کیا جاوے۔ جو آسانی سے مع مال و متاع کے ہاتھ آجائے اور جدال و قتال کی مصیبتوں سے سامنا نہ ہو۔ لیکن مشیت کو یہ منظور نہ تھا۔ منشائے قدرت جیساکہ الفاظ قرآنی ثابت کررہے ہیں یہ تھا کہ مقابلہ و مقاتلہ سے ایکبار حق و باطل کا فیصلہ کردیا جائے۔ اور پھر اس صفائی کے ساتھ کہ گویا کفر اپنے بیخ و بن سے مستاصل ہوجائے اسی بنا پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت اول کی صلاح و رائے کو ہمیشہ سنا مگر چونکہ خلاف مصلحت خداوندی تھا کبھی اسپر عمل نہ فرمایا۔ بلکہ نہایت حزم و احتیاط سے خاموشی اختیار فرمائی۔ اور مدینہ میں مکہ سے قریش کے آنے والے حملہ آور لشکر کا انتظار کرتے رہے جب وہ قریب آگئے تو باوجود اپنی قلیل جماعت کے آپ اُنکے مقابلہ کو نکل کھڑے ہوئے۔ جیساکہ تاریخ طبری کی عبارت سے حضرت علی مرتضیٰ ع کی زبانی اوپر لکھہ چکا گیا ہے۔

اصلاً اور حقیقتاً۔ جیساکہ ہم اُسی طبری کی سند سے عروہ بن زبیر کی اوپر لکھہ آئے ہیں۔ جنگ بدر۔ قافلہ ابوسفیان کی روانگی شام سے پہلے وقوع میں آچکی تھی۔

ہم نے مرقومہ بالا بحث میں معترضین کے ان تمام معاندانہ تعریض اور مفسدانہ تشنیع کی کامل تنقید و تردید کر دی ہے اور خاص کر انہیں ماخذ کی اسناد سے جنکو انہوں نے بڑی سرگرمیوں سے اپنی تعریضات کی تائید میں پیش کی ہیں کھلا دیا ہے کہ انکی پیش کردہ مرویات محققین کے نزدیک بالکل بے اصل اور ناقابل اعتبار ہیں جنپر انہوں نے اپنے توہمات و معتقدات کے سر بفلک طوفان اوٹھا رکھے ہیں اور دنیا کی نگاہوں کے سامنے اسلام کی الواحقیت پر اپنی عالم فریب ظلمت قلبی کا پردہ ڈال رکھا ہے۔

جنگ بدر کے اصلی اسباب

اس بحث کی پوری تفصیل سے لکھکر اب ہم جنگ بدر کے واقعات کی تفصیل و بیان کیطرف رجوع کرتے ہیں اسباب جنگ میں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمرو بن عبد اللہ خضری کا اتفاقیہ طور پر عبد اللہ بن جحش کے ہمراہی۔ واقد بن عبد اللہ التمیمی کے ہاتھ سے مقتول کئے جانے نے تمام قریش کو جوش انتقام اور مسلمانوں کی قتل عام پر برانگیختہ کر دیا۔ اہل عرب میں مقتول کا انتقام جسے وہ اپنی زبان میں ثار کہتے ہیں انکے تمام فرائض سے اعلیٰ تر تھا۔ اور ان کے واجبات میں سے کسی امر واجب کی اتنی اہمیت اور عظمت نہیں تھی جتنی قاتل سے مقتول کا بدلہ اور عوض لینے میں انہیں یہ اتنا قدیم دستور تھا کہ زمانہ کے تصرفات قانون معاشرت کے تغیرات اور حکومت و سلطنت کے اختیارات اسکے متعلق کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ پیدا کر سکے اور نہ کبھی اصلاح و ترمیم کی جرات کر سکے ایام عرب کے قدیم معرکہ انکی قیامت خیز اور جانسوز لڑائیاں جنمیں قبیلے کے قبیلے اور قوموں کی قومیں صفحہ روزگار سے نیست و نابود ہو گئیں۔ خاہد صادق ہیں۔ شبلی صاحب اسکی اہمیت ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

عرب کا خاصہ قومی تھا۔ کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی کسی طریقہ سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا۔ تو ایک سخت ہنگامہ کا بازار قائم ہو جاتا تھا۔ دونوں طرف سے ٹڈی دل اومنڈ آتا تھا اور خون کی ندیاں بہجاتی تھیں۔ یہ لڑائیاں مدتوں تک قائم رہتی تھیں۔ قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے۔ تاہم یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا تھا۔ عرب لکھے پڑھے نہ ہوتے تھے۔ تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہو کر خاندان میں ورثہ چلا آتا تھا۔ بچوں کا یہ نام یاد کرا دیا جاتا تھا کہ بڑے ہو کر خون کا انتقام لینا ہے۔ داحس اور غبرا کی قیامت خیز لڑائیاں جو چالیس برس قائم رہیں اور جنمیں ہزاروں لاکھوں جانیں برباد ہو گئیں اسی بنا پر ہوئیں۔ عربی زبان میں اس انتقام کو ثار کہتے ہیں۔ یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہے۔ سیرۃ النبی جلد ایک ص ۲۶۲۔

یہ غزوہ بدر کے ذکر کا دیباچہ ہے ممکن تھا کہ اگر حضرمی کا خون عبد اللہ جحش کی تیز طبعی سے یا غلط فہمی سے نہ واقع ہوتا۔ تو وقوع جنگ میں کچھ اور توقف ہو جاتا۔ لیکن حضرمی کے قتل نے کفار کو جوش انتقام میں ایسا بے چین کر دیا کہ پھر وہ دم بھر کے لئے نہ بیٹھ سکے۔ اسی اثنا میں اس غلط افواہ نے جس کا موجد مفسد ابو جہل ثابت ہوتا ہے (دیکھو رحمت العلمین) جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کفار قریش کی رفتار انتقام کو اور

تیز کر دیا۔ وہ ابوجہل کی یہ غلط افواہ تھی جسکو ہم اوپر اسکی قیامت کی چال بتلا چکے ہیں اس نے مشہور کر دیا کہ شام سے قافلہ تجارت کی واپسی کا حال سُنکر پیغمبر خدا صلعم مسلمانوں کے ہمراہ اُسپر حملہ کریں گے اور ابوسفیان کے قافلہ کو مع مال و متاع کے لوٹ لیں گے"۔

مشرکین قریش کی پرجوشیوں کے لئے خضرمی کا قتل ہی کیا کم تھا۔ اُسپر مسلمانوں کی غارت کی خبر نے پر سہاگہ کا کام کر گئی۔ اپنی تمام کائنات کی تباہی و بربادی کا حال سُنکر غم و غصہ کی حرارت سے اُن کے بدن میں لہو اُبلنے لگا اور وہ مبہوت ہو کر استیصال اسلام اور مسلمانوں کے قتل عام کے لئے ایکبارگی گھروں سے نکل پڑے۔ شبلی صاحب اس غلط افواہ اور ابوجہل کی اس قیامت کی چال کی ان الفاظ میں پوری تفصیل فرماتے ہیں۔

خضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوش انتقام سے لبریز کر دیا تھا اور اسی سلسلہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں وغیرہ بھی پیش آگئیں (واقعات سرایا) دونوں فریق ایکدوسرے پر حذر رہتے تھے اور جیسا کہ ایسی حالتوں میں عام قاعدہ ہوتا ہے۔ غلط خبریں خواہ مخواہ مشہور ہو کر پھیل جاتی ہیں۔ اس اثنا میں ابوسفیان قافلہ تجارت لے کر شام گیا تھا۔ اور ابھی وہ شام ہی میں تھا۔ کہ یہ خبر وہاں مشہور ہو گئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان نے وہیں سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہو جائے۔ قریش نے لڑائی کی طیاریاں دیں مدینہ میں یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیت عظیم لے کر مدینہ آرہے ہیں آنحضرت صلی اللہ و آلہ وسلم نے مدافعت کا قصد کیا اور بدر کا واقعہ پیش آیا۔ سیرالنبی جلد اول

مدبران قدرت اور منتظمان مشیت مسلمانوں کی قلیل جماعت اُنکی غربت اُنکا نازک موقع اُنکی حالت اور دشمنوں کی لاانتہا مخالفت اور تمام بیرحمی و شقاوت کا بھی اندازہ کر رہے تھے اور مسلمانوں کو صبر و رضا اور تحمل و سکوت کا امتحان لے رہے تھے ابھی تک مسلمانوں کو حکم جہاد نہیں آیا تھا۔

نزول حکم جہاد اور اسکی ضرورت مفصلہ کی توجیہات و تصریحات سے ظاہر ہے مدینہ میں آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے بارہ مہینوں تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا طبری لکھتے ہیں

خرج فی صفر غازیا علٰی اثنا عشر شہرا من مقدمہ المدینۃ | مدینہ میں تشریف لانے سے بارہ مہینے بعد ماہ صفر میں آنحضرت صلعم جہاد کیلئے

اتنے دنوں تک حکم جہاد کا انتظار کیا گیا اسی سے ظاہر ہے کہ ان ایام میں اذن جہاد نہ ملنے کی وجہ سے آپ نے مسلمانوں کی جماعت کیسا خاصکر ایسی حالتیں جب چاروں طرف سے کفار قریش کے خونخوار حملات کی خبریں آرہی تھیں اور گرد و نواح مدینہ تک انکی دوڑیں ہو نکلی تھیں۔ کیسے اضطراب و مصیبت میں بسر کی ہوگی جسکی مختصر سی کیفیت ہم اوپر لکھ آئے ہیں اسلام میں دشمنوں پر جہاد یا حملہ کرنے اور سبقت فی القتال سے عمل و قطعاً ممنوع کئے گئے تھے۔ اسلئے جیسا کہ صاحب رحمۃ العالمین لکھتے ہیں اسلام کو جنگجو جانا

(OFFENSIRE) سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ لفظ اسلام کا مادہ سلم ہے۔ جس کے معنی صلح اور فروتنی کے ہیں جو مذہب دنیا میں صلح کا پیغام لیکر آیا ہو۔ جس مذہب کے پیرو ایماندار ونکو منکسر اور متواضع رہنے کا حکم ہو وہ کیسے بے محا کسی پر تلوار لیکر دوڑ جا سکتے ہیں یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے کل تیرہ برس تک مکہ میں طرح طرح کے ناقابل برداشت مظالم کفار کے ہاتھوں سے سہے غیر جگہ غیر لوگ اور غیر مذہب و آئین کے لوگوں میں جاکر پناہ لی اپنے دشمنوں پر ہاتھ نہ اوٹھایا اسی طرح آخر بالکل خموشی صبر اور استقامت کیساتھ اپنے گھر ونکو اپنے مقبوضات کو اپنی جملہ جائداد و کائنات کو مکہ میں چھوڑ کر دامن جھاڑتے ہوئے خالی ہاتھ مدینے چلے آئے۔ اور یہاں آکر سخت افلاس ناداری اور غریب الوطنی اور بیدیاسی کی حالتمیں کامل ایک برس تک اسی خموشی سکوت اور صبر میں بسر کی۔ مگر اب جب دشمنونکی تلواریں گلوں سے آلگیں اور جان و مال کی تباہی و بربادی کا عین وقت ہو نچگیا۔ اور وہ موقع آ لگا اور وہ غیر محل ضرورت آپڑی کہ جنگ کے سوا چارہ ہی نہ رہا اگر اب بھی یہ لوگ ہاتھ پہ ہاتھ دئے بیٹھے رہتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ غنویکی طرح گھروں کے اندر ذبح کردے جاتے اور پھڑک پھڑک کر اندر ہی اندر رہجاتے باہر کسیکو خبر بھی نہ ہوتی انکی جانوں کے خاتمہ سے دنیا کو یہ نقصان ہوتا کہ پھر روئے زمین پر خالص توحید کا نام لیوا نام لینے کو بھی نہیں ملتا حضرت مسیحؑ نے اپنے لوٹنے تین برس کے وعظ و نصیحت کے بعد جس ضرورت سے مجبور ہو کر اپنے حواریوں کو حکم دیا تھا۔ کہ کپڑوں لتوں اور نقدی کو بیچے ہتھیار خرید کر مسلح ہو جائیں (انجیل متی باب ۲) اسی ضرورت کی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کی موجودہ حالتوں پر رحم فرماکر انکو بھی چودہ سال تک صبر کرنے اور ظلم برداشت کرتے رہنے کے بعد اول حملہ آور دشمنوں کے ساتھ مدافعانہ مقابلہ کا حکم دیا۔

اب وہ وقت آگیا۔ اور منعم حقیقی کی نگاہ حقیقت نے دیکھ لیا۔ کہ بیگناہ مسلمانونکی گردنیں کفار کی تلواروں کے نیچے آیا چاہتی ہیں تو حکم جہاد کی آیت شہنشاہ رسالت ؐ پر۔ ان الفاظ و عبارت میں نازل ہوئی۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ۔ زرقانی بحوالہ صحیح نسائی جز ا ص ۳۴۲

جنسے لڑائی کیجاتی ہے (مسلمان) انکو بھی اب لڑائی کی اجازت دیجاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیجا رہا ہے اور خدا انکی مدد پر یقینی قادر ہے۔

لیکن تفسیر ابن جریر طبری میں سب سے پہلی جو آیت متعلق بحکم جہاد بتلائی گئی ہے۔ وہ یہ ہے

قَاتِلُوا الَّذِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ

خدا کی راہ میں ان لوگوں سے تم بھی لڑو جو تم سے لڑتے ہیں

ان دونوں آیتوں کے علاوہ صاحب رحمت اللعلمین مرقومہ ذیل آیت کو بھی حکم جہاد میں داخل فرماتے ہیں۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ

یہ لوگ بلا وجہ اپنے وطن سے نکالے گئے۔ صرف یہ کہ انہوں نے اپنے رب کو اپنا پروردگار مان لیا ہے اور اگر بعض کو حملہ آوروں کو بعض لوگوں (مسلمانوں) سے خدا تعالیٰ دفع نہ کرتا تو صومعے گرجا

گنٹھیرا۔ حج ع ۶ | یہودیوں کے معابد اور ترساؤں کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں

ہیں جنمیں خدا کے نام کا ذکر کثیر ہوتا ہے۔ گرا دی جاتیں۔

عیسائی متعصبین حکم جہاد کے اصلی اغراض ضروریہ اور خاص مجبوریاں جو ان الفاظ الہیہ میں بیان ہوئی ہیں اور جن غیر متحمل حالتوں میں جب کا ردو استخواں کا خاص وقت آ لگا اسلام کو اپنے جان و مال کی حفاظت اور خونخوار دشمنوں کی مدافعت میں دست بقبضہ ہونے کا اذن ملا ہے پڑھیں سمجھیں اور غور کریں اور پھر اپنے معندانہ اور مغویانہ تعریضات سے مقابلہ کریں تو کیا وہ یا دنیا میں کوئی اور بشرطیکہ انصاف پسند حقیقت بین اور واقعہ شناس ہو کہہ سکتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ان احکام ترحمانہ اور رحیمانہ کے ان اعتراضات مغویانہ میں کوئی مناسبت یا لگاؤ ہے مخالفین کے تمام اعتراضات کا مقصد اسیر ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ اور قبائل و عشائر عرب پر بلا وجہ حملے کئے گئے انکی تصریح توجیہ الفاظ قرآنی میں خود موجود ہے کہ جس جنگ کی مسلمانوں کو اجازت دیجاتی ہے وہ خاص مدافعانہ ہے۔ اور بالکل حفاظت خود اختیارانہ پھر بجبر و بزور کا واہمہ خیال کیا۔ پھر یہی الفاظ اس جنگ مدافعانہ کے اسباب و علل کو بھی نہایت صفائی سے بتلا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو محض بے بسی اور بیکسی کی ایسی حالتوں میں حکم جہاد دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ملک و وطن قوم و قبیلہ اور گھر بار سے صرف اس جرم کہ وہ بخلاف کفار کے بیشمار دیوتاؤں کی پرستش سے قطعی انکار اور ایک خدا کی عبادت کا قلبی اقرار کرتے تھے نکال باہر کر دئیے گئے تھے۔ اور تین سو میل کی دور دراز مسافت پر جلاوطن کر دئیے گئے۔ لیکن اسپر بھی خونخوار کفار انکے تعاقب اور انکے قتل و غارت سے باز نہ آتے تھے ان امور کی تفصیل و تصریح کے بعد یہ آیات قرآنی اور الفاظ ربانی صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ اہل اسلام کو جہاد کا حکم تنہا کچھ اُن کے ذاتی منافع۔ قومی فوائد اور مذہبی ترقی و اشاعت کی غرض خاص سے نہیں دیا گیا تھا بلکہ ان احکام کا اصل مدعا یہ تھا کہ اہل اسلام نے مدینہ میں آکر یہودیوں اور عیسائیوں کے مختلف قوم و قبائل سے انکی حفاظت و حمایت کے جو معاہد قائم کئے۔ اور بلا لحاظ اختلاف قومیت و مذہب نہایت کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی سے غیر اقوام۔ غیر قبائل اور غیر مذاہب کے افراد۔ اُنکی جان و مال اور اُن کے اہل و عیال کو ان معاہد کی رو سے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا ہے اور اونکو انکے تمام امور دینی و قومی میں آزاد و مختار کر دیا ہے ان شرائط معاہد کو کلی طور پر نہایت استقلال و استحکام سے پورا کریں جو امن عام اور تمام لوگوں کی راحت و آرام کے اصول پر مبنی تھا۔ اب ایسی حالت میں اگر اہل اسلام کو مقابلہ و مقاتلہ دشمن کی جو صریحا ان نظم امن کے برہم زن تھے اجازت نہ دیجاتی تو وہ ان شرائط معاہد کے پورے کرنے سے بالکل مجبور و معذور رہتے۔ آخر یہی نتیجہ وہی نکلتا جیسا کہ خود آیت قرآنی میں بالتصریح موجود ہے کہ تمام قبائل و مذاہب کی آزادی بند ہوجاتی۔ عیسائیوں کے گرجوں یہودیوں کے معبدوں۔ ترساؤں کے مندروں اور مسلمانوں کی مسجدوں میں خدا کے نام کی تسبیح و تقدیس یک قلم موقوف ہوجاتی اسی

واضح اور صاف توجیہات وتصریحات پر بھی متعصبین یورپ اسلامی جہاد کو زور شمشیر سمجھیں تو یہ انکی صریح نفسانیت ہے اور جہالت۔

غزوہ بدر

(١٧ رمضان المبارک جمعہ ٢ھ ہجری)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

اے مسلمانو! خدا نے واقعہ بدر میں ایسے موقع پر تمہاری نصرت وحمایت کی جب تم بالکل کمزور اور ضعیف ہو رہے تھے

غزوہ بدر

واقعہ بدر کے تمام ابتدائی اسباب پورے طور سے بیان ہو چکے حقیقتاً اسکی ابتدا اسی وقت سے سمجھنا چاہئے جس وقت سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح وسلامت مکہ سے مدینہ چلے آئے تھے کفار قریش کو شب ہجرت کے خونخوارانہ انتظام سے خاتمہ اسلام اور قتل جناب سید الانام علیہ السلام کا پورا یقین تھا لیکن تدبیر الٰہی سے ان بدبختان ازلی کو جسقدر اپنی کامیابی کی پوری امید تھی اسیقدر مایوسی ومحرومی۔ اور ناکامیابی نصیب ہوئی تعاقب بھی کیا گیا۔ کوسوں تک وادی وصحرا کی خاک ڈالی گئی۔ گرفتاری کیلئے اشتہار انعامی دئے گئے مگر سوائے حسرت ونکامی کے اب انکی قسمتوں میں کچھ نہ تھا۔ اپنے بے انتہا غم وغصہ کی آگ میں جل بھنکر گھر بیٹھ رہے۔ پھر بھی استیصال اسلام کی اور مسلمانوں کے قتل عام کی خلش دلسے نہ گئی۔ مدینہ میں اسلام کا عروج اور مسلمانوں کا اطمینان سنکر بھین ہوگئے۔ استیصال اسلام کی فکریں کرنے لگے۔ تدبیریں سوچنے لگے مکہ سے مدینہ تک کی قوم وقبائل کو اسلام کے خلاف اوبھارا انصار مدینہ سے کچھ چلتی نظر نہ آئی۔ عبد اللہ بن ابی سلول کو مسلمانوں کی مخالفت پر برانگیختہ کیا یہودان مدینہ سے جو اسلام کیساتھ معاہدہ میں شریک ہو چکے تھے سازش پیدا کی اس سے بھی اطمینان نہیں ہوا۔ تو خود سو سو دو دو سو کی جمعیت سے قرب وجوار کی لینے والی قوم سوتیر جو اسلام کے معاہدہ میں آچکی تھیں تاخت وتاراج کی پھر بالکل قزاقانہ اور خونخوارانہ طریقے سے نخلستان مدینہ تک چڑھ دوڑے اور مسلمانوں کی بہت سی مویشیاں لوٹ کرے گئے۔ اور ان کے نخلستانوں کو جلادیا۔

مسلمانوں کو مدینہ میں آئے ہوئے ایک برس سے زائد ہو چکے تھے۔ اس اثنا میں کفار نے مسلمانوں کیخلاف اپنی جابرانہ اسطالمانہ چھیڑ چھاڑ اور چھاپہ دیتیاں برابر شروع کردیں اور جاری رکھیں لیکن مسلمانوں نے ابھی تک اُنکے خلاف میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا تھا۔ متعصبین یورپ انہیں واقعات اور ابتدائی حالات سے کفار کے مظالم اور مسلمانوں کے صبر وتحمل کا پورا اندازہ کرلیں پھر اشاعت اسلام کو بزور شمشیر قائم ہونیکے ثبوت دینے پر حوصلہ کرینگے۔

کفار قریش اور بدر کا سامان جنگ

کفار قریش کے اس سلسلۂ مخالفت میں جسکی تفصیل کو ہم بطور اجمال بیان کر رہے ہیں ابوسفیان کے اُس قافلہ تجارت کی تیاری بھی ہے مسلمانوں کی نسبت جسکے لوٹنے کو بقول مولوی شبلی صاحب یورپ کے مورخین

غزوہ بدر کا اصلی سبب قرار دیتے ہیں یہ کاروان بھی غزوہ بدر یا مسلمانوں کی قطعی استیصال کے سامان فراہم کرنے کی غرض خاص سے مرتب کیا گیا تھا۔ اور شام کیطرف بھیجا گیا تھا۔ باہم کفار میں صلاح و شورے سے یہ قرار پایا تھا کہ اس کاروان سے اب کی بار جو کچھ نفع حاصل کیا جاوے اسکا ایک حبہ بھی ذاتی مصارف میں نہ اوٹھایا جائے سب کا سب مسلمانوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں لگا کر ان کا یکبار خاتمہ کر دیا جاوے۔

اس بنا پر اس کاروان تجارت کا سچی طور پر سامان بن گیا تھا۔ قریش کے تمام روسا اور امراء بلکہ ہر فرد قوم نے اپنے تمام سرمایہ سے اسمیں شرکت کی تھی۔ یہانتک کہ خواتین تک کا بچا بچایا اور چھپا چھپایا سرمایہ بھی اسکے نذر کر دیا گیا قبلی جناب تو اشاروں سے بات کرتے ہیں آپ نے اپنے انجمی انداز خاص میں اسکی طرف بھی اشارت فرمائی ہے عبارت یہ ہے۔

حملہ کیلئے سب سے بڑی ضرورت مصارف جنگ کا بندوبست تھا اس لئے اب کے موسم میں قریش کا جو کاروان تجارت شام کو روانہ ہوا اس سروسامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جسکے پاس جو رقم تھی کل کی کل دیدی نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی جو کاروبار تجارت میں بہت کم حصہ لیتی تھیں۔ انکا بھی ایک ایک فرد اسمیں شریک تھا۔ سیرۃ النبی م ابن سعد جلد دوم صفحہ میں۔ خاص ابوسفیان کی اس کاروانکی کثرت سامان کے متعلق لکھتے ہیں۔

واللہ بمکۃ من قریش ولا قرشیۃ لہ نش ولا صاعداً الا بعث بہ معنا۔

مکہ میں کسی مرد قریشی یا زن قرشیہ کے پاس ایک حبہ بھی ایسا نہیں بچا تھا جو اس نے ہمارے ساتھ نہ کر دیا ہو۔

ابوسفیان کا یہ قول اقرار خود۔ اب کی بار بخلاف دستور قدیم اس کاروانکی اتنی اہمیت کی خاص غرض و غایت کو صاف صاف بتلا رہا ہے کہ قریش کو اپنی تمام دولت و کائنات کو تجارت میں اب کی بار لگا کر اور اتنے نفع کثیر اوٹھانے سے کوئی عظیم الشان مہم کو انجام دینا تھا۔ یہ عظیم الشان مہم وہی مسلمانوں کا قتل عام تھا جسکے لئے مشورے کرکے باخود یہ سامان کئے گئے تھے۔

آخر میں ان سامانوں کا نتیجہ بھی کچھ نہ نکلا۔ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ قریش میں سب سے زیادہ خاتمہ اسلام کا متمنی اور شائق ابوجہل تھا۔ اسلئے اس نے اپنی عجلت کی سوء تدبیری سے یا قریش کی زبوں تقدیری سے کفار قریش اور مشرکین عرب کے دلوں میں اسلام کے خلاف ایک غیر مشتعل پر جوشی پیدا کر دینے کی غرض خاص سے یہ غلط افواہ پیدا کر دی کہ مسلمان ابوسفیان والے قافلے پر واپسی کے وقت مدینہ کے قریب حملہ کریں گے اور لوٹ لینگے۔ اس غلط افواہ کی ظاہری صورت کے قرائن بھی موجود ہو گئے۔ اسلئے کہ مدینہ کے پاس مقام بدر کے قریب ہی شام جانے کا راستہ پہاڑوں کی تنگ گھاٹیوں سے ہو کر نکلتا ہے۔ اس بنا پر کفار نے خود بھی سمجھ لیا اور ان کو سمجھا بھی دیا گیا کہ ابوسفیان جب اس مقام پر آئیگا تو مسلمان اپنی کمینگاہوں سے جہاں وہ پہلے ہی سے پوشیدہ ہونگے ایکبار نکلکر انکو لوٹ لینگے۔

ابوجہل کی یہ چال قیامت کی چال تھی جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور حقیقتاً قبائل عرب میں ایک ہیجانی کیفیت

ضرور پیدا کر دی۔ اور ابوجہل کی غرض وغایت بھی یہی تھی۔ لیکن منشائے تقدیر نے اُسکے مدعائے تدبیر کو الٹ دیا ابوجہل نے مخالفت اسلام میں اہل عرب کی کثرت تعداد اور اُن کے انتہائے جوش وسرگرمی پر اعتبار کر کے بلا انتظار ولیسی کاروان اور بغیر خیال فراہمی سامان جنگ جیساکہ باخود ہاکی شورت سے قرار پاچکا تھا ایکہزار مسلح جوانوں کی طیار جماعت لیکر جنگ کی تیاری کر دی اور بدر کی طرف چل کھڑا ہوا اپنی اس عجلت کا سبب یہ بتلایا کہ اس جمعیت سے کاروان تجارت کی حفاظت اور حملہ آور مسلمانوں کی مدافعت کیجائیگی جو قریب ہی شام سے واپس ہوتے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں میں پھنس جائیں گے۔

اس بنا پر ابوجہل تو اتنی کثیر جمعیت کے ساتھ یلغار کرتا ہوا مدینہ کے قریب پہونچگیا۔ وہاں لوٹنے والے اور لٹنے والے دونوں کے دونوں اپنے اپنے مقامات پر خموش بیٹھے رہے۔ مسلمان مدینہ میں اور ابوسفیان شام میں جیساکہ طبری میں مرقوم ہے۔

وذلك قبل مخرج ابی سفیان واصحابه الی الشام۔ | واقعہ بدر ابوسفیان اور اسکے ہمراہیوں کے روانگی شام سے پہلے واقع ہوچکی تھی۔

کفار قریش تو مسلمانوں کی طرف سے اپنی مخالفت یا اُنکے قتل وغارت کے خیال آپ پیدا کر کے اپنی ہوا میں آپ ڈر رہے تھے بخلاف انکے مسلمان اُنکے مظالم کا مدینہ میں گھر بیٹھے مشاہدہ کر رہے تھے۔ اور یقین کر رہے تھے کہ انکی بڑھتی ہوئی شرارتیں ایک نہ ایک دن انکو مدینہ پر حملہ کرنے کے قصد سے ضرور چڑھا لائینگی لیکن مسلمان خموش رہکر اسوقت تک اشارہ قدرت اور منشائے مشیت کے حکم کا انتظار کر رہے تھے جسکے بغیر وہ اپنی ذراسی جنبش اور حرکت کو گناہ کبیرہ سمجھے تھے

مشاہدات متواترہ کے علاوہ وحی الٰہی کے ارشادات اپنے پیغمبر حق کو قریش کے ان ظالمانہ تدبیر وارادے سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ طبری کے اسناد سے حضرت علی کا یہ ارشاد کہ جناب رسولخدا صلعم۔ ہم لوگوں سے اکثر چاہ بدر کی نسبت پوچھا کرتے تھے اس امر کا شاہد صادق ہے کہ آپ جنگ بدر کے متعلق قبل از وقوع بذریعہ وحی مطلع فرمادئے گئے تھے۔ اور لشکر قریش کے بالکل قریب پہونچ جانے تک کسی قسم کی تحریک وسبقت کرنے سے روکدئے گئے تھے۔ چنانچہ جمہور مورخین ومحدثین کا اسپر اتفاق ہے لشکر کفار کے بالکل قریب بدر آجانے کی صحیح خبر پاکر آنحضرت صلعم نے انکی مدافعت کا ارادہ فرمایا جو حکم قدرت اور تدبیر مشیت کا عین مقصود تھا۔

جنگ بدر کا اعلان اور مبارزان اسلام کے اظہار عقیدت | جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لشکر قریش کے قریب بدر پہونچ جانیکی تحقیق خبر ملگئی تو آپ نے اُنسے مقابلہ ومقاتلہ کے متعلق سب سے پہلے جو کام کیا وہ تمام اہل اسلام کی جماعت میں اس قصد وارادہ جنگ کا اعلان کرنا اور شرکت محاربت پر مسلمانوں کا عالم تمرزج لینا تھا جسمیں ہوا اور تمام اہل اسلام حاضر تھے۔ وہ کفار کے مظالم اور اپنے مصائب کو خود جانتے تھے۔ اسلئے آنحضرت صلعم کو زیادہ بیان

کی ضرورت نہیں ہوئی۔ سب نے سمعاً و طاعتاً کہکر سرہائے تسلیم جھکا دیئے۔ لیکن اس رحمت عالم اور خلق مجسم کا ابھی اطمینان نہیں ہوا وہ مہاجرین سے نہیں ہے بلکہ اپنے خلق عظیم کے تقاضہ سے جماعت انصار کی زبان و الفاظ میں اپنے اس قصد کی تعمیم و تسلیم کا اقرار کرنا چاہتا تھا۔ اسلئے کہ جو شرائط جنگ کے انسے معاہدہ ہے گئے تھے وہ مدینہ کے اندر ہی رہکر انکو جنگ و مقابلہ کرنے کا پابند بناتے تھے۔ مدینہ سے باہر جاکر جنگ کرنیکی شرط نہیں تھی اور یہ ظاہر تھا کہ مدینہ سے آٹھ منزل کی مسافت پر جاکر انکو دشمن سے لڑنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک یہ خلاف معاہدہ واقع ہونا تھا اسی لئے آپ رک رہے تھے اور بار بار انکی طرف رخ کرتے تھے۔ اور ان کے جواب کے منتظر تھے بمزاجدان جان نثار اور آداب شناس انصار آنحضرتؐ کے مدعائے دلی کو سمجھ گئے۔ گروہ انصار سے سعد بن عبادہ ہمہ تن عقیدت بنکر اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے اب ہم ان جان نثاران اسلام کی تقریریں پہلے شبلی صاحب کی زبانی ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

سعد بن عبادہ رئیس خزرج کی تقریر

سعد بن عبادہ (رئیس قبیلہ خزرج) نے اٹھ کر کہا کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے خدا کی قسم آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری میں ہے کہ مقداد نے کہا کہ ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپکا خدا جاکر لڑیں ہم لوگ آپ کے داہنے سے بائیں سے سامنے سے پیچھے سے لڑیں گے۔ انکی تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا سیرۃ النبی ۲۳۱

شبلی صاحب نے اپنے اسی قدیم داہمہ۔ مشتاقین یورپ کے خوف سے اس واقعہ کو جس قطع و برید کیساتھ سیم کرکے لکھا ہے وہ محققین کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ایک تو آپ کی صحیحین کے محدثین نے اس تاریخی واقعہ کو جس اختصار کے ساتھ لکھا تھا۔ وہی اسکی تفصیل کے استخفاف کے لئے کافی تھا۔ پھر آپ کی تلخیص نے اور بھی ناقص کر دیا۔ یہ اصلی موضوع کے ماخذوں کو چھوڑ کر دوسرے خارجی ماخذوں سے استنباط و استخراج مرویات کا نتیجہ ہے۔ ایک تو یہ غلطی کی دوسرے جاں نثاران انصار میں اصل جاں نثار حضرت سعد بن معاذ کی تقریر کو بالکل متروک کر دیا حالانکہ سعد بن عبادہ کی نسبت تقریر کرنے کا واقعہ ہی محققین کے نزدیک ابتک مشکوک ہے اور سعد بن معاذ کی تقریر پر اتفاق جمہور ہے چنانچہ اسکی تفصیل حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

اب ہم اس واقعہ کی پوری تفصیلی کیفیت طبری اور ابن ہشام سے حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

کان علیہ السلام اخبرھم من قریش فقام ابو بکرؓ[1]	جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تمام مسلمین کو قریش کی خبر سے مطلع فرمایا

[1] تعجب ہے کہ ماخذوں میں حضرات شیخین کا ذکر ہے مگر انمیں کسی بزرگ کی تفصیل تقریر نہیں اس ضرورت کو زرقانی کی شرح میں تلاش کی گئی انمیں بھی حضرت ابو بکرؓ کی تقریر کا کوئی ذکر نہیں ملا۔ ہاں حضرت عمر کی تقریر کے یہ الفاظ دکھلائی دئے یا رسول اللہ انہا قریش و عزہا واللہ ما ذلت منذ عزت ولا آمنت منذ کفرت واللہ لتقاتلنک فتاھب لذلک اھبتہ واعد لذلک عدتہ۔

اغفا بیق فقال واحسن ثم قال عمر بن الخطاب
ف... واحسن ثم قام عمر بن الخطاب فقال واحسن
ثم قال المقداد فقال یا رسول اللہ امض لما اراک
اللہ فنحن معک واللہ لا نقول لک کما قالت بنو اسرائیل
لموسیٰ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون
ولکن اذھب انت وربک فقاتلا انا معکما مقاتلون
فوالذی بعثک بالحق لو سرت بنا الی برک الغماد لجالدنا
معک من دونہ حتی تبلغہ فقال رسول اللہ صلعم
خیرا ودعا لہ بہ ثم قال رسول اللہ صلعم اشیروا علی
ایھا الناس وانما یرید الانصار وذلک انھم عدد الناس
وانھم حین بایعوہ بالعقبۃ قالوا یا رسول اللہ صلعم
انا براء من ذمامک حتی تصل الی دیارنا فاذا وصلت
الینا فی ذمتنا نمنعک مما نمنع منہ ابنائنا ونسائنا فکان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتخوف ان لا تکون الانصار
تری علیھا نصرۃ الا ممن دھمہ بالمدینۃ من عدوہ
وان لیس علیھم ان یسیر بھم الی عدو من بلادھم فلما
قال ذلک رسول اللہ صلعم قال لہ سعد بن معاذؓ واللہ
لکانک تریدنا یا رسول اللہ قال اجل قال فقد امنا بک
وصدقناک وشھدنا ان ما جئت بہ ھو الحق اعطیناک
علی ذلک عھودنا ومواثیقنا علی السمع والطاعۃ
فامض یا رسول اللہ لما اردت فنحن معک فوالذی
بعثک بالحق لو استعرضت بنا ھذا البحر فخضتہ
لخضناہ معک ما تخلف منا رجل واحد وما نکرہ ان تلقی بنا عدو

تو حضرت ابوبکر الصدیق کھڑے ہوئے تقریر کی اور اُنکی تعریف کی گئی پھر
حضرت عمر بن الخطابؓ کھڑے ہوئے تقریر کی اور تعریف کی گئی پھر حضرت
مقداد کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ آپکو جو حکم خدا ملا ہے وہ کیجیے
ہملوگ آپکے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم آپکی خدمت میں وہ ہرگز نہیں کہینگے
جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا خدا
دونوں لڑنے جاؤ ہم یہیں بیٹھے کے بیٹھے رہینگے لیکن اُنکے برخلاف ہم تو
یہ کہینگے کہ آپ اور آپکا خدا دشمن سے لڑنیکے لئے چلیں ہم آپکے ساتھ
چلنے اور لڑنیکو تیار ہیں اور خدا کی قسم جو آپکو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا
ہے اگر آپ ہملوگوں برک الغماد تک بھی لیجائیں تو ہم آپکی
رکاب میں برابر تلوار چلایا کرینگے یہانتک کہ آپکا ارادہ پورا ہو یہ سنکر جناب
رسول خدا صلعم نے مقداد کو دعائے خیر دی انکی تعریف فرمائی اور ایہا الناس تملوگ
مجھے اس امر میں مشورہ دو اس کہنے سے آپکا روئے سخن خاصکر انصار کیطرف
تھا اور انہیں بھی خاصکر اُنہیں مخصوصین انصار سے جو پہلے آپ سے بیعت عقبہ
کر چکے تھے۔ اونھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم جس وقت تک آپکے ذمہ دار
نہیں ہیں جبتک آپ ہمارے شہر وطن میں نہیں آئیں لیکن جب آگئے تب ہم آپکے
بالکل ذمہ دار ہونگے۔ اس بنا پر ہم آپ سے ان تمام امور کی مدافعت کرینگے
جن امور کی ہم اپنے اہل و عیال سے مدافعت کرتے ہیں جناب سالتمآب صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے دل میں یہ خیال تھا کہ میرے سوال کے جواب میں انصار یہ نکہیں کہ
ہم نے صرف مدینے کے اندر دشمن کے حملہ آور ہونیکے وقت مدد کرنیکا وعدہ
کیا ہے اور ایسی حالت میں کہ جب دشمن سے باہر جاکر مقابلہ کی ضرورت ہو تو وعدہ
نہیں جب آنحضرت صلعم نے تقریر میں انکی طرف اشارہ کیا تو سعد بن معاذ
نے آنحضرت سے عرض کی کیا اس ارشاد سے ہملوگوں کی طرف اشارہ ہے آپ نے ارشاد
فرمایا۔ ہاں۔ سعد نے عرض کی کہ ہم سب آپ پر ایمان لا چکے آپکی تصدیق کرچکے

بقیہ حاشیہ یا رسول اللہ یہ قریش ہیں انکی عزت کا معاملہ ہے قریش نے جب سے عزت پائی آجتک ذلیل نہیں ہوئے اور جب سے کافر ہوئے آجتک ایمان نہ لائے آپ انسے لڑکر خدا کی
بیعت نہ پر قائم کیجیے اور اسکا وعدہ پورا کیجیے مفطیین کی سند بہ بالا اظہار عقیدت سے اس تقریر کو جو مناسبت ہے وہ محققین کی نگاہ سے مخفی نہیں یہ غرض عقیدہ

وانا صدق الصبر فی الحرب صدق فی اللقاء لعل اللہ یریک منا ما تقر بہ عینک فسر بنا علی برکۃ اللہ فسر رسول اللہ صلعم بقول سعد ونشطہ ذلک۔

دیکھئے اور آپکی اطاعت وتابعت کے معاہدہ لکھ چکے پھر استفسار کی ضرورت کیا ہے آپنے جو ارادہ فرمایا ہے اسپر عمل کیجئے ہم سب آپکی خدمتگو حاضر ہیں۔ اُس خدا کی قسم جسنے آپکو حق پر مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہمکو اس دریا میں کودپڑنے کیلئے حکم دیں تو ہم بلا تامل داخل دریا ہو جائیں اور ہم میں سے کوئی شخص بھی آپکے اس حکم سے نہ خلاف کرسکتا ہے اور نہ انکار کرسکتا ہے۔ اور آپ میدان جنگ میں دیکھینگے کہ ہم جدال وقتال کی سختی کیوقت کیسا صبر وتحمل کرتے ہیں اور ہم اپنی جاں نثاریاں دکھلا کر آپکی آنکھیں ٹھنڈی کردینگے پس خدا کی تائید وبرکت کی امید پر آپ تشریف لیچلیں۔ جدہر کا قصد فرماچکے ہیں سعد ابن معاذ کے یہ کلمات عقیدت سنکر آپ بیحد مسرور ہوئے۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۱۳ مصر۔

اس تقریر کے بعد جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزم جہاد مستقل کردیا۔

میدان بدر کی طرف روانگی

بارہویں رمضان المبارک سنہ ہجری کو آپ قریب تین سو چودہ ۳۱۴ آدمیوں کی جمعیت لیکر مدینہ سے باہر نکلے اور ایک میل کی مسافت پر چاہ ابی عنبہ کے پاس قیام فرمایا۔ یہاں ٹھہر کر لشکر اسلام کا جائزہ لیا گیا۔ اور سب کو یہاں جمع ہونے کا حکم فرمایا گیا۔ جاں نثار مہاجرین وانصار سرفروشیوں کی پرجوشیوں میں لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر۔ محدثین کا اضافہ ہے حقیقتاً کچھ بھی نہیں۔ تبرکاً نام داخل کردیا گیا ہے ورنہ واقعیت ہوتی تو اصل واقعہ کے ساتھ ان بزرگوں کی تقریریں بھی واقعات تاریخی بنکر نقل ہوتیں۔ کیونکہ علامہ زرقانی نے حضرت ابوبکر کی تقریر کی نسبت آنکہاں تحقیق کے بعد آخر کار یہ لکھدیا کہ لا یعلم ذکر ما یہ نہیں معلوم ہوتا۔ آپ نے کیا تقریر کی وہ نقل کرکے حقیقت حال دکھلا چلی گئی۔ اسی زرقانی کی تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ قصہ تقریر شیخین صرف علما کی خوش عقیدگی کے حاشیہ ہیں کیونکہ امام سہیلی نے اس مسلہ میں کامل بحث کی ہے۔ زرقانی اسکو مفصلہ ذیل عبارت میں یہ لکھتے ہیں۔

قال سید الناس فی عیون الاثر المذکور عن سعد بن معاذ ولفظہ عن انس ان رسول اللہ صلعم شاور حین بلغہ اقبال فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ	عیون الاثر میں سید الناس لکھتے ہیں کہ یہ کلام جو سعد بن عبادہ کیطرف منسوب کیا جاتا ہے وہ حقیقتاً سعد بن معاذ کی زبانی ہے جیسا کہ انس نے اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلعم کو ابوسفیان کے آنیکی خبر پہونچی

تو آپنے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور تقریر کی آپنے کچھ توجہ نفرمائی پھر حضرت عمر نے تقریر کی آپ نے کوئی توجہ نفرمائی۔

اب واعرض عنہ کے الفاظ معانی کو روایت مرقومہ بالا کے الفاظ فاحسن سے مقابلہ کرکے حقیقت حال خود سمجھ لیجا سکتی ہے جسمیں واقعیت تو نام کو بھی نہیں۔ ہاں خوش عقیدگی کے ہاتھوں سے تبرکاً اسکے داخل کئے جانیکی مناسبت ضرور جھلکتی ہے۔

یہ تو سموقع پر ان دونوں بزرگوں کی تقریر کی حقیقت حال کا انکشاف کیا گیا۔ اب ہم شبلی صاحب کے اس مختار کی تنقید کرتے ہیں جو آپنے سعد بن عبادہ کی تقریر کی نسبت قائم فرمایا ہے اور اصل مقرر سعد بن معاذ کی تقریر کو قطعاً مرفوع القلم کردیا ہے چنانچہ ہم زرقانی کی عبارت سے علامہ سید الناس کی مرقومہ بالا عبارت کے بقیہ مضامین ذیل میں نقل کرکے شبلی صاحب کے اس مختار کی پوری تنقید کردیتے ہیں

جانبازوں کی بے عدیم سندانہ پرجوشیوں اور سرگرمیوں کا یہ عالم تھا کہ صغیر السن اور غیر مکلف بچے تک شریک جہاد ہونے کی تمنائیں گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ اور جوانوں کی صف میں ملکر کھڑے ہوگئے تھے۔ معائنہ کے وقت ان کو غیر مکلف قرار دے کر واپس جانے کا حکم ہوا۔ ان نوعمر بچوں میں عمیر بن ابی وقاص بھی تھے۔ جب انکو بھی واپسی کا حکم ہوا تو یہ پھوٹ کر رو پڑے۔ آنحضرت صلعم انکی بیتابی سے بہت متاثر ہوئے اور بالآخر اجازت دیدی۔ عمیر کے بھائی سعد بن ابی وقاص نے اس کمسن جان نثار اسلام کی کمر میں تلوار باندھ کر گود میں اٹھالیا۔ اور ساتھ لے لیا۔

فقام سعد بن عبادۃ فقال ایانا ترید یارسول اللہ والذی نفسی بیدہ لو امرتنا ان نضربھا اکبادھا الی برک الغماد لفعلنا۔ الحدیث القول کابن ابی شیبۃ وابن عائذ وابن مردویۃ قال الحافظ ویمکن الجمع بانہ صلعم استشارھم مرتین الاولی بالمدینۃ اول ما بلغہ خبر العیر وذلک بیّن من لفظ مسلم شاور حین بلغہ اقبال ابوسفیان والثانیۃ لانہ کان بعد ان تخرج کما فی حدیث الجماعۃ ووقع عند الطبرانی ان سعد بن عبادۃ قال ذلک بالحدیبیۃ وھذا اولی بالصواب زرقانی ص ۵۰۰ مصر

سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ آپکے اس کلام کا خطاب کیا ہم لوگوں سے ہے قسم اسکی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہم لوگوں کو حکم دیں تو ہم انکے کلیجوں پر ضربیں لگاتے ہوئے برک الغماد تک چلے جائیں اس حدیث کو ابن ابی شیبہ ابن عائذ اور ابن مردویہ نے لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر اس اختلاف کا فیصلہ یوں کرتے ہیں کہ انکی تجمیع کی یہ صورت قرار پا سکتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے دو بار مشورت کی ایکبار مدینہ میں جب قافلہ ابوسفیان کی خبر آمد معلوم ہوئی جیسا کہ صحیح مسلم کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ آپ نے صحابہ سے مشورت کی جب ابوسفیان کی آمد معلوم ہوئی دوسری بار مدینہ سے نکلکر جیسا کہ مرویات اجماعہ سے ظاہر ہوتا ہے لیکن طبرانی نے اس قول سعد ابن عبادہ کی نسبت لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ نے صلح حدیبیہ میں بیعت رضوان کے موقع پر یہ تقریر کی تھی۔ اور یہی صحت سے قریب تر ہے

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ شبلی صاحب نے محض صحیح مسلم کے اعتبار پر اپنے اس مختار کو قائم کیا ہے حالانکہ آپ ہی کے محققین ومحدثین سعد بن عبادہ کی اس تقریر میں مشکوک ہیں تقریر ہونا یا نہونا تو درکنار یہ حضرات تو سعد بن عبادہ کو شرکاء جنگ ہی میں داخل نہیں کرتے۔ چنانچہ علامہ زرقانی اسکی حقیقت کا حسب ذیل انکشاف فرماتے ہیں۔

واختلف فی شہود سعد بن عبادۃ بدرا ولم یذکرہ موسیٰ بن عقبۃ ولا ابن اسحاق فی البدریین وذکرہ الواقدی والمدائنی وابن الکلبی۔ اما الواقدی الحافظ المتروک مع سعۃ علمہ والمدائنی وثقہ ابن معین وقال ابن عدی لیس بقوی وابن الکلبی فیہ کلام العیون وفی فتح الباری اشارۃ لانہ قال لم یشھد سعد بن عبادہ بدرا وان

علماء میں اس امر پر اختلاف ہے کہ سعد بن عبادہ شریک بدر تھے یا نہیں انکو موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے شرکاء بدر میں نہیں لکھا ہے لیکن واقدی ابن مدائنی اور ابن کلبی نے لکھا ہے واقدی حافظ حدیث تو باوجود شہرت علم کے متروک الحدیث ہے اور ابن مدائنی کو اگرچہ ابن معین نے ثقہ لکھا ہے۔ لیکن ابن عدی قوی الحدیث نہیں جانتے ابن کلبی کے بارے میں صاحب عیون نے کلام کیا ہے اور فتح الباری نے اسی کی

مجاہدین کا شمار کیا گیا تو تعداد میں مجموعاً تین سو تیرہ آدمی نکلے جمہور کا متفقہ بیان ہے کہ یہی طالوت کے لشکر کی بھی تعداد تھی جو جالوت کے مقابلہ میں نکلا تھا۔ شہر کی محافظت اور انتظام کیلئے ابولبابہ کو مدینہ کے حصہ زیریں کا حاکم بنا کر یہیں سے روانہ کیا گیا۔ اور عاصم بن عدی کو مدینہ کی بالائی آبادی کا جسے عالیہ کہتے ہیں امیر و محافظ مقرر کر کے بھیجا گیا۔ ان ضروری انتظامات کے بعد جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی روانگی سے پہلے بسبسؓ و عدیؓ کو لشکر قریش کی خبر رسانی کیلئے بھیجدیا اور یہ دونوں آدمی چشمہ بدر کی طرف جہاں لشکر قریش کے پہونچنے کی خبر ملی تھی روانہ ہو گئے۔ مجروں کی روانگی کے دوسرے دن

لبقیہ عبارت حاشیہ صفحہ دیگر

عن منهم لكونه ضرب له بسهمه واجره وفي عيون بعد ما نقله للمصنف عن ودونيا عن ابن سعد انه كان يتهيأ للخروج الى بدر ويأتي دور الانصار يحضهم على الخروج فنهس قبل ان يخرج فاقام فقال صلى الله عليه وآله وسلم لئن كان سعد لم يشهدها لقد كان عليها حريصا وقال روى به بعضهم ان عليه السلام ضرب له بسهمه واجره انتهى وهو ايضا يتمايل الى ان الاختلاف بالاعتبار لا حقيقي ص

طرف اشارہ کیا ہے کہ سعد بن عبادہ معرکہ بدر میں شریک ہی نہیں تھے اب یہی یہ بات کہ پھر انکا حصہ کیوں دیا گیا اسکی بابت عیون الاثر میں اس قول کو نقل کر کے مرقوم ہے کہ ابن سعد کے اسناد سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ جنگ بدر میں شریک ہونے کو آمادہ تھے۔ اور انصار کے گھروں میں جا کر انکو شرکت جنگ پر آمادہ کرتے تھے۔ اس اثنا میں انکو سانپ نے کاٹ لیا۔ اور وہ رک گئے یہ خبر سنکر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ گو لڑائی میں شریک نہیں ہوئے لیکن وہ آمادہ ضرور تھے۔ یہ بعض راوی کہتے ہیں کہ اسی بنا پر اُن کا حصہ غنیمت میں دیا گیا۔ پس یہ اختلاف اگر قابل اعتبار بھی ہوں تاہم حقیقت حال نہیں ہو سکتے۔

بدر کی شرکت سے بعض صحابہ کا رکنا۔ اسی ضمن میں ہمکو ایک امر کی حقیقت کا انکشاف بھی نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ مرقومہ بالا عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ شبلی صاحب کی عجلت رقمی اصل لوگوں کے (سعد بن معاذ) ذکر حالات کو تو چھوڑتی جاتی ہے اور محض صحیحین کے ظاہری اعتبار اور منفرد مختار پر اُن لوگوں کے واقعات کو قلمبند کرتی ہے (سعد بن عبادہ جنھوں نے بقول اجماع (دیکھو فتح الباری) نہ یہ تقریر کی تھی اور نہ جو شریک جنگ ہوئے اور اگر یہ تقریر کی بھی تو چھ برس بعد صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کے موقع پر) یہ ہمارے شمس العلماء کی تحقیق ہے اور اسکی بنا خاصکر وہی غلط اصول ترجیح حدیث علی التاریخ ہے۔ فن تاریخ و سیرت ان واقعات کے صحیح موقع اور اسباب و ذرائع کے حفظ و ذکر کی خاصکر بمقابلہ حدیث کے ذمہ دار ہے کیونکہ اسکا موضوع خاص انہیں امور کا حفظ ان و بیان ہے۔

حالات کے استفسار سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد بن عبادہ ہی تنہا شریک بدر نہیں ہو سکے تھے۔ بلکہ صحابہ میں اکثر حضرات شرکت سے محروم رہے سعد کیلئے تو سانپ کے کاٹنے کا عذر معقول بھی تھا۔ لیکن اور بزرگوں کے شریک نہونے کیلئے کوئی وجہ معقول نہیں ثابت ہوتی سوائے اسکے کہ اُنسے محض اتفاقی غلط فہمی واقع ہو گئی مرویات حدیث و تاریخ سے مستنبط ہوتا ہے کہ روانگی بدر کا حکم پا کر اکثر حضرات شرکت جنگ سے پہلوتہی کرتے تھے اور کسمساتے تھے اور انکے تامل کی وجہ یہی تھی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ لوگ اپنی غلط فہمی سے آنحضرت صلعم کے اس ارادہ کو کاروان ابوسفیان پر حملات ہی تک تعین کئے ہوئے تھے۔ لیکن جب آنحضرتؐ کے ارشادیں

اب لشکر اسلام کے ہمراہ بدر کیطرف روانہ ہوئے اور روحا، منصرف، ذات اجذال، سیالہ اور اثیل کی منزلوں کو طے فرماتے ہوئے چشمۂ بدر پر پہونچ گئے۔ زرقانی کی تحقیق میں بروائتے ۳۶ اور بروائتے ۳۰ میل روزانہ کی رفتار کے حساب سے ۸۰ میل کی مسافت گویا دو ڈہائی دنوں میں تمام کر دیگئی۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داخلہ کی خبر سنکر دونوں مخبر حاضر ہوئے۔ عرض کی کہ غنیم اس وادی کے اس پار تک پہونچ گئے ہیں آپ نے آگے بڑہنے کو مصلحت نہ سمجھ کر وہیں قیام فرمایا:

موقع بدر، مدینہ منورہ سے اسی میل (چالیس کوس) کے فاصلہ پر مغرب و شمال کیطرف شارع عام پر واقع ہے جہاں سے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں ہو کر شام جانے کا تنگ اور پیچ راستہ نکلتا ہے مقام بدر قدیم منزل گاہ ہے اسلئے کہ یہاں صاف پانی کے اکثر چشمے جاری ہیں۔ عرب کے مشہور اور قدیم سالانہ میلوں کے مقامات میں بدر بھی شمار کیا جاتا ہے۔

یہاں کے سالانہ میلوں کے متعلق طبری لکھتے ہیں:

وکان بدرٌ موسماً من مواسم العرب فیجتمع لهم لها سوق کل عام فتقیم علیه ثلثا وتنحر الجزور وتطعم الطعام وتسقی الخمور وتعزف علیها القیان وتسمع بنا العرب

بدر عرب کے مشہور مقامات میں تھا یہاں ہر سال تین دن تک میلہ لگا رہتا تھا کثرت سے اہل عرب جمع ہوتے تھے اونٹوں کو ذبح کر کے کھانا کھلاتے تھے اور کھاتے تھے شراب پیتے تھے عرب کی مشہور گانے بجانے والی عورتوں کا گانا بجانا سنتے تھے طبری ص ۱۳۰۷

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ انکو کفار قریش کے مقابلہ کا پورا ثبوت مل گیا۔ تو قطع کے عوض محض جان کے نقصان کا خیال کر کے وہ فرکت کے لشکر کے پس و پیش کرنے لگے۔ تاریخ و حدیث کی روایات کے علاوہ خاص خدا کے الفاظ قرآن مجید میں اسکے شاہد حال ہیں۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

جسطرح اے پیغمبر تیرا خدا تجھکو حق پر تیرے گھر سے (مدینہ) نکال لایا حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے ناخوش تہا وہ تجھسے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑا کرتا ہے گویا کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جاتے ہیں اور وہ اپنی آنکھوں سے اپنی موت کو دیکھ رہے ہیں اور جب خدا تم سے قریش کے قافلہ اور قریش کی فوجوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمہارے لئے ہے تم چاہتے ہو کہ بغیر شان والا گروہ تمکو ملجائے (یعنی قافلہ) اور خدا یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کرے اور باطل کو مٹا دے گو گنہگار اس سے رنجیدہ ہوں۔

متعصبین یوروپ دیدۂ انصاف کہولکر ان آیات قرآنیہ کے صاف الفاظ کو پڑہیں اور سمجھیں کہ غارت قافلہ کے واقعہ کی بنا پر جو آپ لوگ بیہودہ اور سفیہانہ اعتراضات قائم کرتے ہیں وہ قرآن کے ان الفاظ سے کہیں ظاہر نہیں ہوتا۔ قرآن تو اسکی تصدیق کرتا ہے اور نہ تائید بلکہ مسلمانوں میں جن لوگوں نے یہ خیال پیدا کیا تہا انکو تنبیہ فرمادی کہ غرض خاص کو یاد دلاتا ہے کہ تمہاری خواہشوں کے خلاف خدا تعالی کفار سے کھلے میدان میں مقابلہ کر کے حق کو قائم اور باطل کو نیست کرنا چاہتا ہے ان کلمات سے صاف ظاہر ہے کہ بعض مسلمانوں نے یہ خیال ضرور پیدا کیا تہا لیکن خدا نے اسکو قبول نہ فرمایا

لشکر اسلام میں سامان جنگ

یہ تو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں کل تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمی تھے۔ تعداد تو یہ تھی سامان پر نظر کیجائے تو تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمیوں میں سوار کیلئے کُل ستّر (۷۰) اونٹ تھے اور لشکر بھر میں صرف دو (۲) گھوڑے ایک حضرت مقداد کے پاس اور اور ایک زبیر ابن العوام یا ابی مرثد کے پاس انتظام یہ کیا گیا تھا کہ باری باری سے کچھ لوگ اونٹوں پر راہ طے کرتے تھے اور باقی لوگ پیدل چلتے تھے جب سوار کیے لوگ ایک مقررہ حد تک سواری پر چل چکتے تھے تو اتر آتے تھے اور خود پیدل چلنے لگتے تھے اور اپنی جگہ پیدل چلنے والوں کو اونٹوں پر سوار کر دیتے تھے۔ اس انتظام میں راحت و مساوات عام کا اس درجہ لحاظ رکھا گیا تھا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص مرکب بھی شرکت سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب محدث شیرازی تو صرف حضرت علی مرتضیٰ کو آپکا رفیق بتلاتے ہیں لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض منزلوں پر آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ اور ابو لبابہ کو بھی ہمراہ لے لیا تھا زید کی رفاقت میں کوئی کلام نہیں لیکن ابو لبابہ کی شرکت تو بالکل خلاف واقع ہے کیونکہ ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ ابو لبابہ تو منزل اول ہی سے مدینہ کے حصّہ زیرین کا حاکم بنا کر واپس کر دئے گئے تھے۔ وہ تھے کہاں جو شریک راحلہ ہوتے؟

تاریخ و حدیث کی متفق روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم حسن خلق اور عدل و تواضع کے اظہار و تقاضہ سے خود بھی پیدل چلتے تھے اسلئے کہ مساوات کی تعلیم ہو اور معمولی طبیعت والوں کو اپنے پیغمبر کیطرف تن آسانی کا سوء ظن نہ ہو حضرت علی مرتضیٰ (۱۴) یا اور جو کوئی ایسے موقع پر ساتھ ہوتا تھا عرض کرتا تھا کہ آپ سوار ہو لیں ہم پیدل چلتے ہیں قوت روحانیہ نبوت کے خاص انداز میں ارشاد ہوتا کہ

ما انتما باقوی منّی وما انا باغنیٰ عن الاخر منکما تم لوگ مجھ سے قوی تر نہیں ہو اور میں تمہارے اول و آخر کی مدد چاہنے سے بالکل مستثنیٰ ہوں۔ روضۃ الاحباب محدث شیرازی۔

یہ ارشاد آپکی نبوت کے اوصاف مخصوصہ کا کامل اظہار کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ پیغمبر تمام قوائے جسمانی اور روحانی میں عام طبقہ انسانی سے خاص طور پر قوی تر اور اعلیٰ تر مخلوق کیا جاتا ہے۔

راحلہ کا تو یہ سامان تھا اسلحات جنگ و آلات حرب و ضرب کی قلت کی یہ حالت کہ سارے لشکر میں کل چھ شخصوں کے پاس زرہیں تھیں باقی سب کے سب اسلحات سے بالکل ننگے تھے تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمیوں میں سے کل آٹھ (۸) آدمیوں کے پاس تلواریں تھیں باقی سب کے پاس بانیزہ و سناں تھے۔ یا تیر و کمان اسی مختصر سے سامان سے اور اسی مختصر سی جماعت جاں نثاران سے اسلام کو کفار کے اس عظیم الشان لشکر جرار کا مقابلہ کرنا تھا۔ جو تعداد میں اس سے سہ گنا تھا۔ انکی ایک ہزار آہن پوش پہلوانوں میں سو جرار سواروں کا رسالہ ایسا تیار تھا جو سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ طلایہ کا کام کرتا ہوا فوج کے آگے آگے چلتا تھا اور معرکہ جنگ میں ساقین لشکر سے بجلی کیطرح کوندتا ہوا غنیم کے سر پر گر پڑتا۔ اور دم کے دم میں دشمن کا کام تمام کر دیتا

بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر۔ اول یہ کہ بعض مسلمانوں کا یہ اپنا خیال و قیاس تھا۔ اسلام انکے تھے جو ابدی نہیں ہو سکتا دوسری یہ کہ خدا نے انکی اس تجویز و ارادے کی برائی خود ظاہر کر دی اور انکی چشم نمائی زبانی بھی فرما دی تو پھر مخالفین یورپ کا ایسے بے اصل اور خلاف واقعہ امر پر استدلال کرنا کمال بد عقلی ہے اب رہا یہ کہ ہمارے قدیم حدیث و تاریخی ماخذ اسکی تائید کرتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک کوئی ماخذ قرآن مجید سے بڑھ کر معتبر نہیں۔

المولف عفی عنہ

اسلحات کی یہ کثرت تھی کہ ہر شخص دوہری دوہری زرہیں پہنے تھا۔ سر و نیزا ایک خود پر دو دو خود رکھے تھا جوشن مغفر زرہ دیگر وغیرہ غرض جنگی لباس میں وہ کونسا لباس تھا جو انکے پاس موجود نہ تھا یہی کیفیت آلات حرب و ضرب کی بھی تھی ہر شخص ضرورت سے زائد اپنے بدن پر ہتھیار لگائے تھے۔ من بھر کے جسم پر دو دو من لوہے چڑھائے تھا۔ خوشحالی دولتمندی فراغت اور اطمینان کا یہ عالم تھا کہ راستہ میں لشکر کا پڑاؤ ورؤسا و امرائے عرب کا عشرتکدہ بنجاتا تھا۔ نو نو دس دس اونٹ روز ذبح کئے جاتے تھے اور ورشیہ رشیہ ہو کر تمام فوجیں بٹ جاتے تھے اسی طرح انکے تمام اسباب تعیش اور سامان آرام و راحت کا اندازہ کر لینا چاہئے فریقین مقابل کے ان متوازی حالات کو پڑھ کر نہایت آسانی سے ہر شخص فیصلہ کریگا۔ کہ تیاری جنگ کے اعتبار سے بھی مسلمان کفار کے مساوی نہیں تھے۔ نہ مسلمانوں کے پاس ضرورت جنگ کے موافق اسلحات جنگ تھے۔ نہ آلات حرب نہ راحلہ ہی اتنا تھا۔ نہ سامان مقابلہ مخالف مقابل کے برابر نہ انکی تعداد ہی تھی نہ شمار۔ نہ پیدل نہ سوار اتنی بڑی بے سامانی سے اتنے بڑے ساز و سامان کے مقابلہ پر طیار تھے عام نگاہوں میں تو انکی یہ جرأت بھی خودکشی دکھلائی دیگی۔ لیکن حقیقتاً انکی یہ ظاہری بے سروسامانی اپنے پہلو میں کامل الایمانی کی روحانی قوت رکھتی جو نہ سامانو کی افزائش سے گھٹ سکتی تھی اور نہ اسلحات و آلات حرب کی برش سے کٹ سکتی تھی اور یہ بالکل صحیح اور نفی الواقع ہے کہ اپنی قلیل جماعت سے اتنی بڑی کثیر جماعت غنیم سے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں تھا۔ بلکہ استقرار علی الحق تباستی الایمان اکر استیصال الباطل کے سلسلہ میں انکی سرفروشیوں اور جانبازیوں کی پہلی آزمائش اور اولین امتحان ثابت ہوتا ہے جو مدبرین قدرت کیطرف سے آماجگاہ بدر میں لیا گیا اور اس امتحان قدرت کے ہر شعبہ میں کامل ہو کر جاں نثاران اسلام نے بتلا دیا کہ کامیابی یا فتح و فیروزمندی تعداد افراد پر منحصر نہیں۔ بلکہ اسکی تحصیل و تکمیل زیادہ تر استقرار و استقلال کے کمال اور خدا کی تائید و افضال پر موقوف ہوتی ہے ؏

خباب بن منذر کی مفید شورت

جس مقام پر لشکر اسلام نے قیام کیا تھا۔ وہ جنگ و مقابلہ کی ضرورتوں کے اعتبار سے تجربہ کاران معارک کی نگاہوں میں موزوں اور مناسب نہیں معلوم ہوا۔

خباب بن منذر جو بڑے نبرد آزما اور معرکہائے جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے اور صحابہ اولین میں داخل تھے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اس موقع پر قیام وحی آلہی کی ہدایت سے کیا گیا ہے یا محض تدبر جنگ کی تجویز ہے ارشاد ہوا حکم وحی سے نہیں ہے۔ خباب نے عرض کی مقابلہ کی مصلحتوں کے اعتبار سے تو مناسب یہ ہے کہ یہاں سے کچھ اور آگے بڑھ کر سامنے والے چشمہ پر قبضہ کر لیا جاوے اور آس پاس کے جتنے کنوئیں ہیں سب بیکار کر دئے جائیں اور وہی مقام لشکر کی قیام گاہ اور غنیم سے رزمگاہ قرار دیا جائے ؏

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خباب منذر کی صلاح پر عمل فرمایا۔ بعضے مسلمانوں کو یہ موضع قیام پسند نہ آیا اور وہ کنوؤں کے بیکار کئے جانیکو بھی اچھا نہ سمجھے اسلئے مصرف کیلئے صرف ایک چشمہ کے پانی کو تمام ضروریات کے لئے

ناکافی سمجھکر قیام گاہ کی زمین کی سختی اور کمی آب کا عذر کرنے لگے تائید ایزدی نے اُنکے رفع شکایت کے سامان مہیا کردے رات آئی تو کثرت سے مینہ برسنے لگا اور خوب ٹھہر ٹھہر کر تمام رات برسا کیا تمام ریگ جنمیں گھٹنے دھنس جاتے تھے یکلخت جمکر تمام زمین ہموار اور سخت ہوگئی۔ مسلمانوں نے کثرت سے جابجا مینھ کا پانی روک کر متعدد حوض بنالئے اور نہایت اطمینان و آسانی سے وضو و غسل کیضرورت عمل میں لانے لگے خدائے مسبب الاسباب نے انکے ان اسباب فراغت و اطمینان کے نزول کی خبر اپنے ان الفاظ میں دی ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ طبری ۹-۱۳۰ روضۃ الاحباب محدث شیرازی ص ۲۲۷	مسلمانوں یاد کرو۔ جب خدا نے تمھارے لئے آسمان سے مینہ برسایا کہ تم اس سے طہارت کرو۔

سقایان قریش کی گرفتاری

حباب بن منذر کی تجویز انسانی تدبیر ربانی کے مطابق نکلی اور فی الحقیقت لشکر اسلام کو آرام و اطمینان کے علاوہ غنیم سے مقابلہ و مقاتلہ کی نسبت بھی ذریعہ فتح و کامرانی ثابت ہوئی جیسا کہ سلسلہ بیان سے معلوم ہوتا ہے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ منزل اول سے غنیم کی سراغ رسانی کے لئے جو مخبر بھیجے گئے تھے انہوں نے قریش کے وادی کے اس پار تک آجانیکی اطلاع پہونچائی تھی۔ لیکن انکا کوئی آدمی اسوقت تک کہیں دکھلائی نہیں دیا تھا جس سے انکی جمعیت سامان و تیاری کی تفصیل کیفیت معلوم ہوتی۔

اس ضرورت سے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ ؑ زبیر بن العوام اور سعد بن ابی وقاص کو اسی وقت حکم دیا کہ ادہر اودہر جاکر غنیم کا صحیح پتہ لگائیں۔ حکم رسول اللہ پاکر یہ تینوں حضرات حسن اتفاق سے چشمہ بدر میں اسوقت پہونچے جب لشکر قریش کے سقے پانی لے رہے تھے ان لوگوں کو دیکھتے ہی وہ سب کے سب بھاگے لیکن انمیں دو شخص گرفتار ہوگئے۔ ایک کا نام اسلم تھا۔ دوسرے کا عریض ابو یسار۔ پہلا بنی الحجاج کا غلام تھا۔ دوسرا بنی عباس کا۔ یہ لوگ دونوں غلاموں کو گرفتار کرکے خدمت رسول اللہ صلعم میں لے آئے۔ آپ نماز میں مصروف تھے۔ ان لوگوں نے اُن دونوں سے نام و نشان پوچھنا شروع کیا اُن دونوں نے اپنے صحیح نام بتلائے اور کہا کہ ہم قریش کے غلام ہیں چشمہ بدر سے پانی لینے آئے تھے ان لوگوں نے انکی تصدیق نہیں کی کہا نہیں تم جھوٹ بولتے ہو تم قریش کے آدمی نہیں ہو بلکہ ابوسفیان کے کارواں والے ہو یہ کہکر انھیں مارنے لگے دونوں نے مار کے خوف سے کہدیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ اس اثنا میں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور ان حضرات سے مخاطب ہوکر کہا عجب بات ہے۔ جب یہ سچ کہتے ہیں تو تم لوگ انھیں تنبیہ کرتے ہو اور جب جھوٹ کہتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو حقیقتاً قریش کے غلام ہیں۔ اور یہ پانی لینے آئے تھے پھر بالنفس انفیس ان سے مخاطب ہوکر استفسار حال فرمایا انھوں نے عرض کی کہ ہم قریش کے غلام ہیں کنوئیں سے پانی لینے آئے تھے۔ کہ آپکے اصحاب نے گرفتار کرلیا۔ پوچھا گیا کہ قریش کہاں ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس ٹیلہ کے اسطرف استفسار ہوا۔ تعداد میں کتنے ہیں وہ بولے صحیح تعداد تو ہم بتلا نہیں سکتے۔ لیکن اتنا کہہ سکتے ہیں کہ انکی جمعیت کے کھانے کے لئے ایکدن نو اونٹ اور دوسرے دن دس اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں یہ سنکر ارشاد ہوا کہ قریش کی

جمیعت نو سو ۹۰۰ اور ایک ہزار ۱۰۰۰ آدمیونکے درمیان ہے۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ اشراف قریش میں سے کون کون لوگ لشکر کے ہمراہ آئے ہیں۔ انھوں نے جواب میں کہا عتبہ[1] شیبہ[2] ربیعہ کے بیٹے۔ ابو البختری[3]۔ حکیم[4] بن حزام۔ حارث[5] بن عامر۔ طعیمہ[6] بن عدی۔ نضر[7] بن الحارث۔ زمعہ[8] بن الاسود۔ ابوجہل[9]۔ امیہ[10] بن خلف۔ نبیہ[11]۔ اور منبہ[12]۔ حجاج کے بیٹے سہیل[13]۔ بن عمرو اور عمرو[14] بن عبدود[15]

یہ سنکر آپ نے اصحاب کیطرف خطاب کر کے ارشاد کیا۔

هذه مكة قد القت اليكم افلاذ كبدها | لو مکہ نے تم لوگوں کی طرف اپنے پارہ ہائے جگر کو پھینک دیا ہے ہجری ۱۳۰۴۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ قریش کے متعدد پانی بھرنے والوں میں صرف یہی دو آدمی گرفتار کئے گئے تھے۔ جو خدمت رسول میں حاضر کئے گئے۔ باقی بھاگ گئے تھے۔ انہیں بھاگنے والوں میں ایک شخص عجیر نامی تھا۔ اُسنے جاکر قریش سے اپنے ہمراہیوں کی گرفتاری کا سارا واقعہ کہدیا۔ قریش مسلمانوں کیطرف سے ایک تو یونہی جلے ہوئے تھے یہ خبر سنکر غصہ کی آگ میں اور جل بھن گئے۔ لیکن وقوعہ کو بہت عرصہ ہوچکا تھا۔ مسلمان اسیروں کو اپنی لشکرگاہ میں لیجا چکے تھے۔ اور دریافت حال کر چکے تھے رات کا وقت تھا۔ انہیں وجوہ سے قریش نے مسلمانوں سے کسی فوری معاوضہ یا محاربہ کا خیال نہ کیا۔ اور خموش رہگئے۔

یہ امر بھی یہاں لکھکر بیان کر دینا نہایت ضروری ہے کہ اگرچہ چشمۂ بدر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اور ان لوگوں نے جابجا سے چشمہ کا پانی روک کر اپنے مصرف کے لئے چھوٹے چھوٹے حوض بنائے تھے تاہم اس رحمت عالمیان خدا کی اس فیض رواں کو منکران خدا کے لئے بھی نہ روکا اور دشمنوں کو بھی دوستوں کی طرح اس سے فیضیاب و سیراب ہونیکی اجازت دیدی۔

افسوس ہے جنگ بدر میں بمقابلہ کفار رسول اللہ صلعم کی یہ تعلیم تھی۔ لیکن آج سے ساٹھ برس بعد جنگ کربلا میں مسلمانوں نے بمقابلہ آل اطہار، اس تعلیم کی کیا تعمیل کی فاعتبروا یا اولی الابصار ؁

کفار قریش کی بدنیتی کا نتیجہ | حکیم بن حزام جو رؤسائے قریش میں تھے مسلمانوں کے حوض کے پاس آئے بعض صحابہ نے روکنا چاہا۔ آنحضرت صلعم نے روکنے والونکو فوراً منع کیا۔ اور حکیم پانی پی کر چلے گئے کسی کی خوش نیتی اور بدنیتی چھپ نہیں سکتی حکیم بن حزام کی نیت میں یہ بدی نہیں تھی۔ وہ مسلمانوں کی انسانیت ہمدردی اور عام مروت و رعایت کا امتحان لینے آئے تھے اور امتحان لے کر چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد انھیں کے جانب سے ایک بدنیت۔ شریر الخلقت اسود بن الاسود مخزومی نامی حوض پر آیا یہ شخص اپنی جمعیت سے کہکر آیا تھا کہ میں جاکر مسلمانوں کے حوض سے پانی بھی لاتا ہوں اور خراب بھی کرآتا ہوں حوض پر آکر اس نے پانی پیا۔ مسلمان دیکھتے تھے۔ کچھ نہ بولے اب اس شریر الطبع نے پانی پیکر اپنے پیروں سے حوض کی مینڈ کو چاروں طرف پانی جمع رہنے کیلئے باندھی گئی تھی توڑنا شروع کر دیا۔ اسلئے کہ پانی سب بہہ جائے اور مسلمانوں کو تکلیف ہو۔

حضرت حمزہؓ انکی شرارت کو دیکھ رہے تھے۔ تلوار لے کر دوڑے وہ اُلٹے انھیں پر تلوار کھینچکر قتل پر آمادہ ہوگیا حضرت حمزہؓ کو اس کا مدافعانہ جواب ضروری ہوگیا۔ اُس نے تلوار سے اُنکے سر پر وار کیا۔ لیکن اُنکی تلوار سے پہلے انھیں کی تلوار اسود کی ٹانگ کاٹ گئی۔ اور وہ حوض کے کنارے گر پڑا۔ حضرت حمزہؓ اُسے وہیں چھوڑکر واپس آئے اب اس شریر نے اپنا قول پورا کرنیکے لئے قصد کیا کہ حوض میں گر کر اپنے خون سے تمام پانی کو خراب اور ناقابل استعمال کردے۔ حضرت حمزہؓ اپنے مقام سے اس شریر کے مقصد مدعا کو دیکھ رہے تھے۔ اور سمجھ رہے تھے کہ وہ جونہی گھسکتے گھسکتے اپنے اس ارادے سے حوض کے قریب پہونچا۔ یہ اُس کے سر پر تھے اور اُنکے ایک ہاتھ میں یہ دو ٹکڑے تھا۔ ابن ہشام جلد دوم۔ مطبوعہ مصر ص ۱۷۔

یہ واقعہ خوش نیتی اور بدنیتی کے خوشگوار و ناگوار نتیجوں کا سچا مرقع ہے۔

میدان بدر میں لشکر اسلام کی صف بندی سولھویں رمضان کی رات لشکر اسلام نے میدان جنگ میں کاٹی۔ جناب رسول خدا صلعم نے رات بھر پلک سے پلک نہ لگائی تمام رات عبادت گذاری اور دعا و زاری میں بسر کردی صبح کا سپیدہ دیکھکر مصلے سے اُٹھے مسلمانوں کو نماز کے لئے اوٹھایا۔ صبح کی نماز پڑھا کر جہاد فی سبیل اللہ کے ثواب و عقاب پر ایک پر اثر تقریر فرمائی اور نعمات الٰہی کی بشارتیں پہونچا کر مجاہدین اسلام کو پرجوش اور تازہ دم بنایا اور صف بندی کا حکم فرمایا۔

حکم رسولؐ پانے ہی دم کے دم میں جانثاروں کی جماعت میدان کارزار میں سرفروشی کو طیار تھی۔ ترتیب فوج اور درستی صفوف کی طرف آپ بالنفس النفیس متوجہ ہوئے۔ دست مطہر میں ایک تیر تھا اُسی کے اشارے سے اس سلیقہ اور قرینہ کے ساتھ مہاجرین و انصار کی صفیں درست فرماتے تھے۔ کہ پھر صف کے خط مستقیم سے ایک شخص کا قدم آگے یا پیچھے بڑھنے نہیں پاتا تھا۔ ہر شخص کو صف سے آگے یا پیچھے ہو جانیکی سخت ممانعت تھی شور و غل غوغا و ہنگامہ کا عام طور سے لڑائیوں میں دستور ہوتا ہے۔ آپ نے جاں نثاران اسلام کو اس سے قطعی طور پر ممنوع فرمادیا۔ اور بخلاف اسکے مبارزین اسلامی کو غنیم کے مقابلہ میں بالکل خموشی اور صبر یا سکوت سے کام لینے کی سخت تاکید و تہدید فرمائی ارشاد ہوا کہ شور و ہنگامے سے مقابلہ کیوقت اضطراب بڑھ جاتا ہے اور اطمینان قلب اور تجمیع حواس میں فرق آتا ہے اور مقابلہ اور مقاتلہ کیوقت اطمینان دل اور ثبات ہوش و حواس بمردان نبرد کیلئے لازمی ہے غنیم سے مقابلہ یا حریف مقابل سے مقاتلہ میں سبقت کرنے اور دشمن پر پہلے ہاتھ اُٹھانے سے بڑی سختی کے ساتھ ہر مجاہد کو فرداً فرداً منع فرمادیا گیا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں اور اخلاق و تہذیب انسانی کے موافق مبارزین اسلام کو اداب جنگ بتلائے کل مہاجرین و انصار کی سو وہ جمعیت کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا

مہاجرین کا دستہ انصار سے علیحدہ قائم کیا اور مصعب ابن عمیر کو۔ اور بروایتے حضرت علی مرتضیٰ کو علمبردار بنایا[1] انصار میں قبیلہ اوس و خزرج کے جدا جدا دستہ مرتب فرمائے۔ اسکے دستہ کا علمبردار حباب بن منذر کو اور خزرج کے دستہ کا سعد بن معاذ کو علمدار مقرر فرمایا۔

دن نکلتے نکلتے قریش بھی پہاڑ کے اس پار آ گئے۔ مسلمانوں کی جانباز جماعت مدتے قبل انکے انتظار میں تیار تھی۔ قریش غرور و نخوت میں ایسے مدہوش تھے کہ لشکر اسلامی کی نسبت ابھی انھیں کسی قسم کی خبر و اطلاع نہیں تھی۔ عمیر ابن وہب جمحی ایک بہادر اور جوان قریش گھوڑے پر سوار ہو کر بڑی تیزی سے مسلمانوں کی صفوں کے قریب آیا اور گھوڑے کو ادھر سے ادھر تک دوڑاتا ہوا پھر اپنے لشکر سے جا ملا۔ اور سرداران قریش سے لشکر اسلام کی حالت ان الفاظ میں بیان کی۔

قد رایت البلایا و تحمل المنایا نواضح یثرب تحمل الموت الناقع قوم لیس منعة ولا ملجاء الا سیوفهم واللہ ما اری ان یقتل رجل منهم حتے یقتل رجل منکم فاذا اصابوا منکم اعدادهم فما خیر العیش بعد ذلك۔

میں انکی جماعت کو دیکھ آیا۔ اُن کے پاس مدینہ کے لدنے اونٹ ہیں جن پر موت کا سم قاتل لدا ہے انکے پاس سوائے انکی تلواروں کے اور کوئی بھی انکی جانوں کا محافظ و نگہبان نہیں ہے خدا کی قسم دلیری و جرات و ہمت کے اعتبار سے، وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر تم انکا ایک آدمی قتل کروگے تو وہ بھی ضرور تمہارا آدمی قتل کرینگے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرابت کے لحاظ سے اگر تم یا خود یا اکثر کٹ بھی مرے تو پس ماندگان کو تمام عمر لطف زندگی نہیں ملے گا۔ ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۱۰۔

عمیر ابن وہب جمحی نے لشکر اسلام کی جسقدر حقیقت اپنے لشکر والوں سے بیان کی صحیح اور فی الواقع تھی یہ ظاہر ہے کہ آدمیوں میں ہر قسم کی طبیعت و خیال کے لوگ ہوتے ہیں۔ صلح پسند۔ جنگجو۔ تیز طبیعت و نرم مزاج نیک طینت و بدنفس وغیر ذالک یہ کیسے ممکن تھا کہ کفار کی اتنی بڑی جمعیت ترکیب مزاج کے ان مخالف عناصر سے خالی ہوتی ابھی ابھی نیک نیتی اور بد نیتی کے واقعہ میں جب نیک نیت قریش کی مثال ہم اوپر لکھ آئے ہیں وہی صاف دل نرم مزاج رئیس مکہ حکیم بن حزام عمیر ابن وہب کی اس تقریر سے بہت متاثر ہوا۔ اور اس مقابلہ و مقاتلہ کی حقیقت کو کما حقہ سمجھکر اپنی نیک نیتی اور انصاف پسندی کے ارادہ سے جانبین میں مصالحت کرا دینے پر آمادہ ہوا۔ یہ خیال کر کے سب سے پہلے حکیم بن حزام عتبہ بن ربیعہ کے پاس جو تمام جمعیت قریش کا سید و سردار تھا آیا اور کہنے لگا۔ عتبہ اگر تم چاہو گے تو آج جیسے بڑے مجمع تک کی نیکنامی آن واحد میں تمہیں دستیاب ہو جائیگی اور وہ ایسی لازوال ہو گی کہ آئندہ کئی پشتوں تک تمہاری یادگار رہ جائیگی عتبہ بھی حکیم کے ایسا صلح پسند اور نرم مزاج تھا کہنے لگا تم بتلاؤ اور ضرور بتلاؤ حکیم بولے طرفین سے جس امر پر کشت و خون ہونیوالا ہے اسکی حقیقت تمہیں خوب معلوم ہے۔ باپ بیٹے کا بھائی بھائی کا سر کاٹنے پر تیار ہے یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ اتنے بڑے عظیم فتنہ و فساد کا اصلی سبب وہی حضرمی کا خون ہے اور وہ حسن اتفاق سے

[1] حضرت علیؓ کی علمداری باسناد تاریخ کامل ابن اثیر اور مناقب ابن احمد ارجح المطالب لاہور صفحہ ۵۵۳۔

تمہارا ہی حلیف ہے۔ ایسی صورت میں ایک دوسرے کی گردن کاٹنے سے بچنے کی آسان ترکیب یہ ہے۔ کہ تم ابن حضرمی کا خوں بہا اپنی طرف سے دیدو قصہ ختم ہے۔

عتبہ تھا نیک دل اور صاف مزاج۔ حکیم کی بات بھی تھی۔ عدالت اور دیانت سے لگتی ہوئی تھوڑی دیر سوچنے کے بعد عتبہ فوراً راضی ہوگیا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ ابوجہل کی شورہ و رضامندی بغیر یہ انتظام ناممکن تھا اسلئے عتبہ نے حکیم کو ابوجہل کے پاس اپنی طرف سے بھیجا اور اپنی رائے کہلا بھیجی۔ وہ عقل کا دشمن اتفاق و صلح کا رہزن ایسا کیا تھا کہ نفاق و فساد کے سوا کبھی صلح و اتحاد کی تجویز کی تائید کرتا۔ حکیم سے عتبہ کا پیام سنتے ہی چراغ پا ہوگیا۔ اور عتبہ پر جبن و بزدلی کے الزام لگانے لگا۔ اور سوء اتفاق سے اسکو عتبہ بن ربیعہ کے بدنام کرنیکے لئے یہ شوشہ بھی ہاتھ لگ گیا کہ اسکے بیٹے ابوحذیفہ پہلے سے مسلمان ہوچکے تھے اور مہاجرین اولین کے ہمراہ مدینہ میں آکر ساکن ہوچکے تھے اور اسوقت بھی لشکر اسلامی میں جانفروشی کیلئے سر بکف سامنے استادہ تھے۔ اس بنا پر وہ صاف صاف لفظوں میں کہنے لگا کہ عتبہ کی یہ ساری بزدلانہ ترکیبیں بیٹے کے جان بچانے کے لئے ہیں۔ حکیم اُسکے یہ مغویانہ کلمات سنکر اس کے پاس سے فوراً واپس آئے۔

اتنے ہی عرصہ میں یہ خبر جمعیت قریش میں پھیل گئی جو نیک اور انصاف پسند تھے وہ عتبہ کی تجویز سے موافق اور ابوجہل کے انکار سے مخالف نکلے۔ اسی بنا پر بنو زہرہ اور ان کا حلیف قبیلہ دونوں لشکر قریش کا ساتھ چھوڑ کر اپنے موطن و مسکن کیطرف واپس چلے گئے ابن ہشام جلد دوم ص ۱۷، طبری ص ۱۳۰۷

حکیم کے واپس جانیکے بعد ابوجہل نے سوچا کہ شاید عتبہ کی تجویز کا اثر لشکر والوں پر اور زیادہ پھیلے اور وہ مسلمانوں سے لڑنے میں پہلو تہی کریں تو پھر استیصال اسلام اور مسلمانوں کا قتل عام کا ارمان دل کا دل ہی میں رہ جائے گا یہ سوچکر اس نے فوراً عمرو بن عبداللہ حضرمی کے بھائی عامر کو بلایا اور اُس سے کہنے لگا کہ سنو تمہارے خاص حلیف عتبہ صاحب تمہارے بھائی کے قاتلوں سے بجائے اسکے کہ انتقام لیں تمکو اُسکا خوں بہا مسلمانوں سے بھی نہیں اپنی طرف سے ادا کر کے مسلمانوں کو جو تمہارے بھائی کے یقینی قاتل ہیں بالکل پاک و صاف چھوڑ دینے والے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ تم فوراً ساری قوم کے سامنے اپنا استغاثہ جسکو محاورہ عرب میں طلب ثارات کہتے ہیں پیش کرو۔ عامر نے طلب ثار کے مروجہ دستور کے مطابق اپنا جیب و گریبان چاک کیا عمامہ سر سے اتار ڈالا اور میدان میں نکلکر تمام مجمع کے سامنے۔ واعمراہ واعمراہ واخاہ واخاہ کا غل مچایا۔ آواز کے سنتے ہی تمام قریش اُسکی حمایت پر مستعد ہوگئے۔

اس اثنا میں حکیم بن حزام بھی لوٹ کر عتبہ کے پاس پہونچے اور ابوجہل کا مفسدانہ جواب اُس سے کہدیا عتبہ سخت برہم ہوا اور کہنے لگا کہ معرکہ کارزار گرم ہونے دو۔ ثابت ہوجائے گا شجاعت و دلاوری کا تمغہ کون پاتا ہے اور نکبت

دبدنامی کا ٹیکہ کسکے سر لگتا ہے۔

لشکر قریش کے حالات بیان تک لکھکر اب ہم لشکر اسلام کے واقعات کیطرف رجوع کرتے ہیں

میدان جنگ میں عرشیہ رسولؐ کی طیاری

آغاز جنگ سے پہلے سعد بن معاذ نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ ہمارا لجان نثارانہ خلوص اس امر کو گوارا نہیں کرتا کہ آپ کھلے میدان کی اس تیز دھوپ میں معمولی سپاہیوں کے ساتھ معرکہ قتال میں کھڑے رہیں ہم آپ کے لئے فوراً ایک سائبان یا چھپر (عرشیہ) تیار کئے دیتے ہیں آپ اسی کے سایہ میں تشریف رکھکر سرفروشان لشکر کی جان نثاریاں ملاحظہ فرمائیں۔ اگر خدا نے ہمیں فتحیاب کیا تو کوئی بات نہیں اور اگر خدا نخواستہ نتیجہ خلاف ہوا تو آپ مخالفین کے ہاتھوں سے محفوظ رہکر فوراً مدینہ پہونچ جائینگے۔ اور باقیماندہ مسلمانوں کو ملجائیں گے جو خلوص و عقیدت میں ہم سے ہرگز کم نہیں ہیں وہ مدینہ میں صرف اس خیال سے پیچھے رہ گئے ہیں کہ انکو اس جنگ کا حقیقتاً یقین ہی نہ تھا۔ اگر ان کو اس امر کا یقین ہوتا کہ آپ جنگ کرینگے تو وہ بھی اسی وقت سے سر بکف ہمرکاب ہوتے جناب رسولخدا صلعم نے سعد بن معاذ کی یہ عقیدتمندانہ تقریر سنکر ان کو دعائے خیر دی اور عرشیہ کی تیاری کا حکم دیا دم میں کھجور کی شاخوں اور پتوں سے عرشیہ تیار کر دیا گیا۔ اور سعد بن معاذ اپنے چند اعوان و انصار کے ساتھ رسول صلعم کی حراست و پہرہ داری کی غرض خاص سے برہنہ تلواریں لیکر دروازہ پر کھڑے ہوگئے۔ طبری ۱۳۱۵ ابن ہشام جلد دوم ص ۱۵۔

عامر حضرمی کی صدائے استغاثہ نے اپنے لشکر قریش کو جو انکو مقابلہ پر فوراً آمادہ کر دیا۔ میدان جنگ میں پہونچکر وہ اپنی صفیں درست کرنے لگے اور تھوڑی دیر میں بدر کا میدان قریشیوں کا جنگل۔ خدا کے انتظام کی کسکو خبر کثرت سے پانی برس جانے کیوجہ سے میدان کارزار میں جدہر قریش کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کسی قدر نشیب ہونیکی وجہ سے وہ قطعہ زمین بالکل کیچڑ ہو گیا تھا۔ اور دلدل کیصورت ہو رہا تھا جسمیں سواروں کے علاوہ پیدل سپاہیوں کو بھی پاؤں جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ گھوڑے تو خیر۔ اونٹوں کی تو جانوں پر آبنی تھی۔ جو قدرت کیطرف سے خاص ریگستان کے لئے پیدا کئے گئے۔ نہ کہ کیچڑ۔ دلدل اور پانی کے سیلاب کے لئے۔

قریش کے تجربہ کار اور نبرد آزما سرداران لشکر نے رزمگاہ کی اس نامناسبت کو سمجھا لیکن اب خنجر دگلو کا وقت آلگا تھا۔ مہلت کہاں تھی جو تبدیل مقام کی تدبیر کیجاتی ایک تو وجہ یہ بھی جسکی وجہ سے قریش اسکی طرف متوجہ نہ ہوئے دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی کثیر التعداد جمعیت کی بنا پر اپنی کامیابی کے اسدرجہ متیقن تھے کہ وہ ان اقسام کی چھوٹی چھوٹی دشواریوں کو کچھ خیال میں نہ لائے۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ لشکر اسلام میں تین علمدار تھے۔ قریش نے بھی تین ہی علمدار مقرر کئے۔ ایک طلحہ بن ابی طلحہ دوسرا ابو عزیز بن عمیر۔ تیسرا نضر بن الحارث اس فوری ترتیب کے بعد وہ مقابلہ و مقاتلہ کے لئے پورے طیار ہوگئے

لشکر اسلام میں چونکہ سبقت کرنیکی سخت ممانعت تھی۔ اور جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بانفس النفیس یہ حکم عام دیچکے تھے کہ میرے حکم بغیر کوئی مسلمان دشمن پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ اس بنا پر مسلمانوں کی صفیں دیواروں کی طرح میدان کارزار میں پاؤں جمائے خموش کھڑی تھیں۔ قریش آج سے کیا ہفتوں سے لڑائی کیلئے بیچین ہو رہے تھے میدان کارزار کا منظر اسوقت قابل دید تھا۔ مقابل فوجوں کی کثرت و قلت کے اعتبار سے نہیں با حسن و نقص ترتیب و آرائش فوج کی نظر سے نہیں بلکہ حق و باطل اور کفر و اسلام کے نقطۂ نظر سے ایکطرف ایک خدا کے نام پر کل تین سو تیرہ ۳۱۳ جانیں قربان ہونیکے لئے سر بکف استادہ ہیں دوسریطرف لاتعداد بتوں کے لئے ایکہزار جانیں بھینٹ چڑھنے کے واسطے تیار ہیں۔ مصور قدرت نے اس منظر کی بولتی ہوئی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ ۔	جو لوگ لڑے انہیں تمہارے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا۔ اور دوسرا خدا کا منکر تھا۔

دردمند دلوں کے دہلا دینے کے لئے یہ منظر کافی تھا۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو کسی طریقہ سے بندگان خدا کے خون سے اپنے دست مبارک کو آلودہ کرنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ اس خونین منظر سے بیحد متاثر ہو رہے تھے۔ خصوصاً جانثاران اسلام کی قلت اور منکران خدا کی کثرت مشاہدہ فرما کر آپ بیحد بیتاب ہو جاتے تھے۔ بار بار دست دعا خالق ارض و سما کی طرف اٹھاتے تھے اور بنہایت خضوع و خشوع کے ساتھ فرماتے تھے۔ رب انجز وعدک و انصر عبدک پروردگار اپنا وعدہ پورا کر اور اپنے بندہ کی نصرت فرما۔ اس عالم خاص کو محویت ایسی ہوئی تھی کہ ردائے مبارک دوش اقدس سے اتر کر زمین پر گر پڑی تھی اور آپ کو خبر مطلق نہ ہوتی تھی دعا و التجا سے فارغ ہوتے تھے۔ تو سجدے کرنے لگتے تھے۔ اور سجدے سے اٹھتے تھے تو پھر ان الفاظ میں دعا فرمانے لگتے تھے:۔

اللّٰهم ان تہلک هذه العصابة من اهل الاسلام لا تعبد فی الارض ابدا	اگر مسلمانوں کے یہ چند نفوس آج ہلاک ہو گئے تو پھر روئے زمین پر کوئی تیرا نام لینے والا باقی نہیں رہیگا۔

صحابۂ حاضرین جنمیں تجلی صاحب حضرت ابوبکر کا نام خصوصیت کے ساتھ بتلاتے ہیں۔ آپکی برابر اور متواتر تسکین فرماتے تھے لیکن آپ کو تاوقتیکہ

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۔	فوج کو شکست دیجائیگی اور وہ اپنی پشت پھیر دینگے۔

کی بشارت نہ آئی چین نہ آیا۔

اس بشارت کے پاتے ہی آپ قلب مطمئن کے ساتھ میدان گیرودار میں تشریف لائے۔ اور مبارزان اسلام کو ان الفاظ میں حکم جہاد دیا۔

جبتک قریش تم سے بالکل قریب آکر تم پر حملہ نہ کرلیں تم انپر ہاتھ نہ اوٹھانا اور اگر وہ تم سے قریب نہ آئیں اور صرف دور سے تیر برسائیں تو تم بھی انکو اپنے تیروں سے جواب دینا۔ لیکن ٹھیر ٹھیر کے تیر چلانا اسلئے کہ ایکبارہی تمھارے ترکش تیر سے خالی نہو جائیں۔

خونخواران قریش میں اتنی احتیاط اور اتنے توقف وتحمل کی تاب کہاں تھی۔ مسلمانوں کی مرتب اور مسلسل فوج کو دیکھتے ہی انکی آنکھوں میں خون اتر آیا غیظ وغضب سے تمام جسم کا خون اوبلنے لگا۔ ایک دم کے لئے بھی جنگ میں ٹھیرنا یا توقف کرنا انکی مردانگی کے خلاف شان تھا۔

سب سے پہلے قریش نے عامر حضرمی کو جس کا بھائی عبد اللہ سریہ عبد اللہ بن جحش میں مارا گیا تھا۔ مسلمانوں کی فوج پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا۔ وہ غیظ وغضب میں اندھا بنا ہوا آیا۔ اور تلوار نکالکر مسلمانوں پر حملہ کرنے لگا عامر کا سب سے پہلے بھائی کے قصاص میں لشکر اسلام پر حملہ آور ہونا اس امر کے ثبوت کامل ہونے کے لئے تنہا کافی ہے کہ جنگ بدر صرف عبد اللہ حضرمی کے خون کی بناپر واقع ہوئی تھی کاروان کی غارتگری وغیرہ کی داستانیں جو اس کے اسباب میں بتلائی جاتی ہیں وہ سب غلط اور بے اصل ہیں۔

شبلی صاحب بخلاف مرویات تاریخ وسیر واحادیث کی جزئیات کی بناپر لکھتے ہیں کہ مہجع جو حضرت عمرؓ کے خاندان کا قدیم غلام تھا عامر کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا[1]

عتبہ بن ربیعہ ابوجہل کے طعنوں سے دل فگار ہورہا تھا۔ جوش شجاعت میں اپنے بھائی اور بیٹے کو ہمراہ لیکر میدان کارزار میں پہونچگیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا۔ کہ معرکہ آرائیوں اور نام ونمود کے موقعوں پر سرداران قبیلہ اور زعمائے قوم ایک خاص امتیازی نشان لگاکر جاتے تھے اسی کے مطابق عتبہ بن ربیعہ نے امتیاز خاص کے لحاظ سے اپنی زرہ میں آگے کیطرف شترمرغ کا پر لگایا تھا۔ میدان جنگ میں آتے ہی مقابل سے اپنا مبارز طلب کرنے لگا مسلمانوں کے لشکر سے تین جوانان انصار۔ عوذ۔ معوذ۔ پسران حارث۔ اور عبد اللہ بن رواحہ انکے مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے عرب کے خاص دستور کے موافق ان سے نام ونسب پوچھا۔ انھوں نے اپنے نام بتلائے اور کہاکہ ہم انصاران مدینہ ہیں عتبہ نے صاف لفظوں میں کہدیا ہم کو تمہاری ضرورت نہیں تم واپس جاؤ تم ہمارے کفو نہیں ہم اپنے کفو سے لڑتے ہیں:۔

---

[1] ابن ہشام طبری۔ روضۃ الاحباب تاریخ وسیر کی کسی کتاب میں عامر سے مہجع کے مقابلہ کی کیفیت نہیں لکھی زرقانی نے ص ۵۳۵ میں ابن اسحاق وابن سعد کے حوالے سے عامر کے مقابلہ اور مہجع کے قتل کو لکھا ہے شبلی صاحب کو چونکہ مفید مطلب تھا اور حضرت عمر کی ذاتی تعلق وخصوصیت پائی جاتی تھی اسلئے آپ نے بلا تحقیق اسی کو اپنا مختار قرار دیلیا۔ حالانکہ آپ سے پہلے کتنے قدیم مورخین ومولفین سیر کی اس پر نگاہیں پڑی ہونگی لیکن کسی نے اسکو قابل نقل واندراج نہ سمجھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسکے سمجھنے میں راویوں کو غلط فہمی واقع ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ مہجع باتفاق جمہور

یہ عرب کی خاص شجاعانہ شان شرافت اور امتیازانہ شعار محاربت ہی انصار واپس چلے گئے عتبہ نے بروایتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر ندا دیکر مخاطب کیا کہ ہمارے مقابلہ کو ہمارے کفو والے بھیجے جائیں آپ کے قلب مبارک پر عتبہ کے اس احتجاج ہمقومیت کا پورا اثر ہوا اور آپ نے بھی شجاعت ہاشمی کے اقتدار و شعار خاص سے جیسا طبری و ابن ہشام کے خاص الفاظ بتلا رہے ہیں فوراً پکارا۔

قم یا حمزۃ بن عبد المطلب - قم یا عبیدۃ بن الحارث بن عبد المطلب - قم یا علی بن ابی طالب فلما قاموا ودنوا منهم قالوا من انتم قال عبیدۃ عبیدۃ قال حمزة حمزة قال علی علی - قالوا نعم اکفاء کرام طبری ۱۳۱۷

حمزہ بن عبد المطلب اٹھو عبیدہ بن حارث بن عبد مطلب اٹھو - علی ابن ابیطالب اٹھو - یہ حضرات جب حکم پاکر حریف کے پاس پہونچے تو عتبہ نے نام پوچھو عبیدہ نے کہا میں عبیدہ ہوں حمزہ نے کہا میں حمزہ ہوں علی نے کہا میں علی ہوں عتبہ نے کہا کہ ہاں تم لوگ البتہ ہمارے بزرگان کفو ہو

بخلاف شبلی صاحب تمام سیرت و تاریخ کے مورخین اور محدثین نے انہیں حضرات کے مقابلہ سے جنگ بدر کی تفصیل بیان کو آغاز کیا ہے لیکن شبلی صاحب نے بعض جزئیات حدیث پر اعتبار کرکے مہجع غلام حضرت عمر اور عامر کے مقابلہ سے بدر کے سلسلہ بیان کو شروع فرمالیا ہے جسکی حقیقت کا انکشاف عبارت حاشیہ میں مندرج ہے۔

جناب رسولخدا صلعم نے قریشیوں میں بنی ہاشم کی خصوصیت اسوجہ سے کی کہ مہاجرین قریش کے دلمیں یہ موذی خیال و احتمال نہ پیدا ہوا کہ رسولخدا بنی ہاشم کی جانوں کو پہلے خطرے میں ڈالنا گوارا نہیں کرتے ان کو بچا کر عتبہ کے سوال پر قریش مہاجرین سے مقابل بھیجتے ہیں اس بنا پر آپ نے اصول عدالت و مساوات کی رو سے پہلے اپنے اعزہ و اقارب کو سرفروشی کے لئے میدان جنگ میں بھیجدیا کہ کسی کے دلمیں خودغرضی اور عزیزوں کی دردمندی کا شبہ ہو اور ان کے ثبات ایمان اور شوکت اسلام کا باعث ہو - زرقانی ۵۰۲ جلد ۱

ایک دوسری وجہ یہ بھی بتلائی جاتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ نے سخت و شدید خدمات میں سبقت جب تک خود اپنی یا

بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر - اہل اسلام میں بدر کے دن شہیدوں میں اس شہید اول کی بنا پر انکو مبارز اول کی ہو فیکی غلط فہمی واقع ہوئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شہید اول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مبارز اول بھی ہو جیسا کہ فی الواقع ہے - مبارزان اول باتفاق جمہور یہی حضرات بنی ہاشم ہیں - انہیں کوئی مار نہیں گیا یہ مار کر لوٹ آئے حکم تیراندازی میں جو نکہ مہجع گیا مہجع کا قصہ تمام تاریخوں میں درج ہے - یہ غریب تیراندازی کرتا تھا ایک تیر لگا اور یہ شہید ہو گیا - یہ واقعہ ہے کہ اسوقت مسلمانوں کی طرف کوئی قتل نہیں ہوا تھا - اسلئے یہ شہید اول مگر شہید اول ہونے سے مبارز اول نہیں ہے - اسی وجہ سے کسی مورخ نے انکے مقابلہ و مقاتلہ کا ذکر نہیں کیا - ابو اسحاق وغیرہ اور ان کے پیرو انکو شہید اول ہونیکی بنا پر سابقہ اول ہونیکی یہی غلط فہمی ہوئی ہے - مورخین حقیقت حال سمجھکر آجتک اپنی تالیفات سے مرفوع القلم کرتے آئے - لیکن شبلی صاحب کو اسے اپنا مختار بنانیکی انہیں بخصوص ضرورتوں کی وجہ سے مجبوری ہوئی جسکو ہم اوپر لکھکر بتلا آئے ہیں - یہ واقعہ قریش کے دستور قدیم سے بھی خلاف ہے - جیسا کہ ابھی ابھی عتبہ نے انصار کو بوجہ غیر جنسیت کے واپس کر دیا ہے پھر کیونکر یقین کیا جائے کہ عامر خضرمی نے مہجع سے جو اصلاً غلام ہے - اور نسل قریش سے نہیں ہے کیونکہ مقابلہ ہونا قبول کر لیا - ہو گا - المؤلف عفی عنہ،

اپنے دلوں کی طرف سے نہیں دکھلائی جاتی دوسروں کی ہمت کے قدم اُٹھنے دشوار معلوم ہوتے تھے۔ بنی ہاشم کو اول مقابل پاکر ہر شخص کے کلیجہ بڑھ گئے۔ اور ہمتیں دونی ہوگئیں اور انھوں نے سمجھ لیا کہ فرائض جہاد ایسے واجب التعمیل ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم انکی انجام دہی کے لئے سب سے پہلے اپنے ہی اعزہ واقارب کو پیش کرتے ہیں

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ شجاعان ہاشمی اپنے مقابل عتبہ بن ربیعہ کو اپنا نام ونسب بتلا چکے تو جانبین سے یوں مقابلہ شروع ہوا کہ عتبہ حضرت حمزہ؄ سے مقابل ہوا۔ شیبہ عبیدہ سے اور ولید ابن عتبہ حضرت علی مرتضیٰ سے مقابل ہوا۔ جانبین سے تلواریں کھنچگئیں۔ عتبہ کو حضرت حمزہ؄ نے مار گرایا۔ اور ولید حضرت علیؑ کی تلوار سے دم کے دم میں بیدم ہوا۔ لیکن شیبہ نے تیزدستی کرکے عبیدہ کے پاؤں پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ زمین پر گر پڑے انکے گرتے ہی حضرت حمزہ؄ اور حضرت علیؑ نے موقع پر پہونچکر شیبہ کا خاتمہ کردیا۔ اور مجروح عبیدہ کو اپنے کاندہوں پر اٹھاکر خدمت رسولؐ میں لائے۔

مجروح عبیدہ اور شوق شہادت

عبیدہ کا زخم کاری تہا۔ اور کثرت سے خون جاری۔ عبیدہ نے حاضر خدمت ہوتے ہی نہ زخم کی کیفیت اور نہ درد وتکلیف کی شکایت عرض کی۔ جمال مبارک پر نظر کرتے ہی پوچھا تو یہ یارسول اللہ کیا میں درجۂ شہادت پر فائز نہیں ہوا۔ آپ نے اس خالص جان نثار رسالت اور طلبگار شہادت کے جواب میں ارشاد فرمایا تم ضرور فائز شہادت ہوئے۔ زبان رسالت سے یہ بشارت سُننی تہی کہ روئے افسردہ اور چہرہ پژمردہ پر اصلی فرحت اور ابدی اطمینان وراحت کے آثار نمودار ہوگئے۔ اور اُس کامل الایمان نے بطور یادداشت عرض کی۔ یارسول اللہ افسوس ہے کہ اسوقت ہمارے عم محترم حضرت ابیطالب زندہ نہوئے۔ اگر وہ موجود ہوتے تو اس موقع پر وہ معترفانہ طور پر اقرار کرتے کہ اُن کے اس شعر کا جواب ہی کی مدح وثنا میں تصنیف ہوا ہے اصلی مستحق میں ہوں

ونسلمہ حتی یصرع حولہ ونذہل عن ابنائنا وحلائل؛	ہم محمدؐ کو اسوقت دشمنوں کے حوالے کرینگے جب ہم انکے گرد گرجائیں اور ہم محمدؐ کے لئے اپنے بیٹوں اور بیبیوں کو بھول جائے ہیں طبری ۱۳۶۸۔

اسلام کے مجروح اول حضرت عبیدہ رضہ کے احوال کو خاتمہ تک یہیں پہونچادینا بہتر ہے۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ان کا زخم کاری تہا جنگ بدر سے واپسی میں منزل روحا پر پہونچکر یہ جاں نثار مجاہد انتقال کرگیا اور وہیں یہ شہید راہ خدا مدفون کردیا گیا۔ طبری ص ۱۳۱۸ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۔

صحیح بخاری باب التفسیر میں ہے

عن قیس بن عبادۃ قال قال علی انا اول من یجثوا بین یدی للخصومۃ یوم القیامۃ قال قیس فیہم نزلت ہذان خصمان اختصموا فی ربہم الخ قال ہم الذین تبارزوا یوم بدر حمزۃ وعلی وعبیدۃ	قیس بن عبادہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت علیؑ نے کہ میں قیامت کے دن سب سے پہلے اپنا جھگڑا پیش کرونگا قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت کہ دو مدعی اپنے رب کیواسطے الخ ان لوگوں کے واسطے نازل ہوئی ہے جو جنگ بدر میں لڑے اور وہ حضرت حمزۃ۔ علیؑ۔ اور عبیدہؓ تو دو مومنین ہیں) اور عتبہ

(من المؤمنین) وعتبہ وشیبہ وولید بن عتبہ (من الکافرین)

شیبہ اور ولید بن عتبہ تھے (کافرین میں)۔

شبلی صاحب نے اپنی کتاب میں یہاں سے سلسلۂ جنگ کے واقعات میں اپنی خودغرضانہ ترکیب وضرورت تالیف سے خواہ مخواہ بدترتیبی پیدا کردی ہے۔ اور تمام عربی اور فارسی تاریخ وسیرت کی ترتیب مآخذ سے علیحدہ حضرت زبیر بن العوام کی معرکہ آرائی کی تفصیل داستان شروع کردی ہے۔ حالانکہ طبری۔ ابن ہشام۔ مواہب لدنیہ اور روضۃ الاحباب۔ کسی کتاب میں اس داستان کا نام ونشان نہیں ہے شبلی صاحب کی یہ ترتیب واقعات بھی تاریخ وسیرت کی ترتیب سے بالکل مخالف ہے اور یہ واقعہ بھی اُنکے مختار کے خلاف ہے۔ اسی باعث سے قابل ذکر نہیں سمجھا گیا۔ ممکن ہے کہ شبلی صاحب کی جزئیات حدیث سے ہو جسکو آپ ایسے مقام پر ڈھونڈ نکالتے ہیں اور خواہ مخواہ تاریخ وسیر کے واقعات ومشاہدات میں خلط ملط کردیتے ہیں۔

ہم چونکہ اُنکے بیان کردہ واقعات کو واقعہ تاریخی کے معیار تک پہونچا ہوا نہیں پاتے اسلئے اپنے سلسلۂ بیان میں نقل نہیں کرتے ہم اسکی حقیقت کا انکشاف علیحدہ کرینگے۔ شبلی صاحب کی موجودہ ترتیب واقعات کے خلاف طبری اور ابن ہشام عربی کی دو قدیم تاریخوں نے عتبہ اور شیبہ کے مارے جانیکے بعد جو ترتیب قائم کی ہے اور جو سلسلہ بیان اختیار کیا ہے۔ ہم اُسی کو بنا مختار قائم کرکے اپنے آیندہ بیان میں نقل کرتے ہیں۔

ابن ہشام مبارزان بنی ہاشم کے اظہار شجاعت اور عتبہ وغیرہ کے قتل وہلاکت کے بعد لکھتے ہیں۔

ثم تزاحف الناس ودنا بعضهم من بعض وقد امر رسول الله صلعم ان لا يحملوا حتے يامرهم وقال اكتنفكم القوم فانضحوهم عنكم بالنبل ورسول الله صلعم في العريش معه ابي بكر الصديق۔ جلد دوم ص

اسکے بعد لوگ آگے بڑھ گئے۔ اور بعض اپنے بعض مقابل سے بالکل متصل ہوچکے۔ یہ دیکھکر جناب رسولخدا صلعم نے حکم فرمایا کہ اب مقابل پر اُنکے ترتیب سے حملہ آور نہ ہو۔ بلکہ اور غیر کسی قدر فاصلہ سے تیر چلاتے رہو یہ حکم فرما کر آپ عریشہ کیطرف چلے گئے وہاں آپکے ساتھ ابوبکر صدیق تھے

یہ فرمان اور یہ انتظام آنحضرت صلعم کے فنون جنگ کے کمال اور انتہائے حزم واحتیاط کا شاہد کامل ہے حقیقتاً معارک جنگ کا ایک تجربہ کار اور نبرد آزمودہ سپہ سالار غنیم کی کثرت اور اپنی قلت پر نظر کرکے احتیاط وہوشیاری کے ایسے ہی حکم جاری کرتا ہے۔

دو اسلامی تیر اندازوں کا قتل

ابن ہشام کی ترتیب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی تیر افگنی کے سلسلہ میں مہجع کا قتل واقع ہوا جسکے تفصیلی حالات ہم شہدائے بدر کے ذکر میں لکھیں گے۔ اور یہ ترتیب بالکل قرین قیاس اور فی الواقع معلوم ہوتی ہے کیونکہ عتبہ کی جنگ کے بعد آنحضرت صلعم نے تیر اندازی کا حکم دیا۔ جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوچکا اسی بنا پر ابن ہشام نے جنگ عتبہ کے بعد ہی قتل مہجع کو لکھا ہے اور ان کو شہید اول بتلایا ہے۔ اسلئے کہ اگرچہ عبیدہ رض مہجع سے پہلے زخمی

ہو چکے تھے لیکن زندہ تھے اور چار دن کے بعد فوت ہوئے مگر مہجع غریب تو تیر لگتے ہی ٹھنڈا ہو گیا اسلئے وہ شہید اول غزوۂ بدر ہے .. انکی شہادت کے بعد حارثہ بن سراقہ جو قبیلہ بنی نجار کے ایک مرد انصار تھے - فائز شہادت ہوئے

دو مسلمانوں کی متواتر شہادت کے واقعات مشاہدہ فرما کر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عریشہ سے میدان جنگ میں تشریف لائے اور جاں نثار ان مہاجر و انصار کی ہمت افزائی ان الفاظ میں فرمائی -

والذی نفس محمدٍ بیدہ لا یقاتلھم الیوم رجل فیقتل صابراً محتسباً مقبلاً لا مدبراً الا ادخلہ اللہ فی الجنۃ ابن ہشام ص ۱۷ ج ۲

اُس خدا کی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے آج کے دن جو شخص صبر و تحمل سے دشمن کے سامنے قدم آگے بڑھاتا ہوا نہ پیچھے ہٹاتا ہو قتل کرے گا یا مارا جائیگا اسکو خدا یقینی طور پر داخل جنت کریگا -

اس حکم کے بعد مسلمان پھر اپنی صف سے آگے بڑھکر حریف سے مقابل ہو گئے - اور اب چاروں طرف سے مقابلہ و مقاتلہ شروع ہو گیا - اسوقت تک گو مہجع اور حارثہ دو اسلامی مبارز فائز بشہادت ہو چکے تھے لیکن کفار عرب کے مقابلہ میں مسلمانوں ہی کا پلہ بھاری تھا - اس لئے کہ ان شہیدان اسلام کے مارے جانے سے پہلے قریش کے ایسے انتخابی اور سربر آوردہ سرداران قبیلہ مارے جا چکے تھے جن کی کمی کو مہجع - اور حارثہ کا قتل کبھی پورا نہیں کر سکتا تھا عتبہ شیبہ اور ولید کے ایکبار مارے جانے سے کفار کے لشکر میں مسلمانوں کا خوف اور رعب پیدا ہو گیا تھا اس بنا پر جو مسلمان جس کافر کے مقابلہ پر آتا تھا وہ خوف زدہ ہو جاتا تھا - چونکہ ہر طرف سے لڑائی شروع ہو گئی تھی اس لئے متعدد مبارزان اسلام جنمیں حضرت حمزہؓ حضرت علی مرتضیٰ - اور حضرت ابو دجانہ انصاری کے نام خصوصیت سے لئے جاتے ہیں شمشیریں کھینچکر لشکر کفار میں دھنس پڑے -

ابن ہشام وطبری کے مختار کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مبارزان اسلام کو ان الفاظ میں ہدایت خاص دے رکھی تھی -

قال لاصحابہ یومئذ انی قد عرفت ان رجالاً من بنی ھاشم وغیرھم قد خرجوا کرھاً لا حاجۃ لھم بقتالنا فمن لقی منکم احداً من بنی ھاشم فلا یقتلہ ومن لقی ابا البختری بن ھشام بن حرب بن اسد فلا یقتلہ ومن لقی العباس بن عبد المطلب عم رسول اللہ لم یقتلہ فانہ انما اخرج مستکرھاً - ابن ھشام ص ۱۸

آپنے تمام صحابہ کو اُسدن یہ حکم دے رکھا تھا کہ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ بہت سے بنی ہاشم اور دوسرے لوگ بھی قریش کو دیا ؤ کی وجہ سے آئے ہیں حقیقتاً ان کو ہم سے لڑائی کی حاجت نہیں اسلئے اگر کوئی بنی ہاشم تمکو ملجائے تو نہ مارنا اسی شخص کو ابو البختری بن ہشام بن حرب بن اسد ملجائے تو وہ اسکو بھی نہ مارے اور جس کو حضرت عباس ابن عبد المطلب عم رسول اللہ ملجائیں تو ان کو بھی نہ مارنا کیونکہ وہ بکراہت کفار کے ہمراہ آئے ہیں -

افسوس ہے شبلی صاحب نے اپنے متفق علیہ واقعہ کو کیسے صریح قطع و برید اور صحیح تلبیس کے ساتھ صرف چند لفظوں میں لکھکر

لکھکر ختم کر دیا ہے اور مستثنیٰ لوگوں میں بنی ہاشم کے ناموں کو جنکے نام سب سے پہلے بتائے گئے ہیں۔ بالکل مرفوع القلم فرما دیا ہے حالانکہ آپ کے ماخذ بھی عربی کی قدیم تاریخیں ہیں۔ جو کہ زبان ہو کر آغاز ہی میں عام طور سے بنی ہاشم کے مستثنیٰ کر دئے جانیکو لکھ رہی ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ اُنکے ذکر و نام اپنے جریدہ تاریخی سے نکالے دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ کن کن کتابوں سے آپ نکالیں گے اور کہاں کہاں سے کاٹیں گے ۔ قرآن میں کسی کے مٹائے تو ہم مٹیں۔

ہم اصلی ماخذ کی صحیح عبارت تو لکھ کر بتلا چکے لیکن آپ کی عبارت بھی محض عبرت ناظرین کے لحاظ سے ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار

انحضرت صلعم نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں اُنمیں ایسے بھی ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں۔ انلوگوں کے نام بھی آپ نے تبلادئے تھے۔ سیرۃ النبی ص ۲۳۸۔

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اُن ماخذوں کا یہ صحیح ترجمہ ہے۔ آپ کا صرف اتنا لکھدینا کہ اُن کے نام بھی تبلادئے گئے تھے صاف صاف بتلا رہا ہے کہ آپ کسی ضرورت سے انکا نام تبلانا نہیں چاہتے اور پھر ناظرین کتاب کو اصل ماخذ کا محتاج رکھتے ہیں۔ اصل مقصد تو بنی ہاشم کے ناموں کے استخفاف سے ہے۔ تاکہ انکا استثنا و اختصاص کسی طریقہ سے معلوم نہ ہونے پائے جب ایک معمولی واقعہ کے بیان میں اسقدر اسقاط و ابہام سے کام لیتا تھا تو پھر کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ شعر گفتن چہ ضرور۔ ہاں خوب یاد آیا۔ اس حکم کے بعد والے واقعہ کو جو اُسکے ساتھ لازم و ملزوم اور تمام سیر و تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ بالکل چھوڑ دیا اور اُسکے لئے چند الفاظ بھی نہ صرف کئے۔

ابو حذیفہ کی عقیدتمندانہ غلط فہمی اور اس پر خجالت و شرمندگی

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس حکم کو سنکر ابو حذیفہ بن عتبہ جو مسلمان ہو کر مہاجرین اولین کے ساتھ ہی مدینہ میں آچکے تھے۔ اور بدر میں موجود تھے جوش عقیدت میں کہنے لگے ۔ ابن ہشام اس جوتیل اور کامل الوفا جوان کے اظہار عقیدت کا واقعہ مفصلہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

فقال ابو حذیفۃ انقتل اٰبائنا و ابنائنا و اخواننا و عشیرتنا و نترک العباس واللہ لئن لقیتہ لالحمنہ السیف قال فلما بلغت رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم فقال لعمر بن الخطاب یا ابا حفص قال عمر واللہ لانہ لاول یوم کنانی فیہ رسول اللہ صلعم بابی حفص ایضرب وجہ عم رسول اللہ صلعم بالسیف فقال عمر یا رسول اللہ دعنی فلاضرب

ابو حذیفہ جو موقع پر موجود تھا۔ یہ حکم سنکر کہنے لگا عجب بات ہے کہ ہم اپنے باپ بھائی اور قبیلہ والوں کو مار ڈالیں، اور عباس کو چھوڑ دیں قسم خدا اگر وہ مجھکو ملگئے تو میں ضرور اپنی تلوار سے اسپر حملہ کر دونگا۔ جب اُسکے اس کلام کی خبر آنحضرت صلعم کو ہوئی تو آپ نے حضرت عمر سے پکار کر کہا اے ابا حفص حضرت عمر کا بیان ہے کہ یہ پہلا دن تھا کہ آپ نے مجھ میری کنیت سے پکارا اور کہا اے عمر کیا رسول اللہ کے چچا پر بھی تلوار چلائی جائیگی حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ ابو حذیفہ نے کلمہ نفاق کہا مجھے حکم ہو تو

عنقہ بالسیف فواللہ ناقق ابو حذیفۃ یقول ما انا باعن من تلک الکلمۃ التی قلت یومئذ ولا ازال منھا خائفا الا ان تکفرھا عنی الشھادۃ فقتل الیمامۃ شھیدا جری ۱۳۴

تو بھی اپنی تلوار سے اسکی گردن کاٹ دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ بولے۔ ابوحذیفہ کا بیان ہے کہ میں اپنی تمام عمر اس کلمہ کے کہنے پر توبہ و انابت کرتا رہا۔ اور خدا سے ہمیشہ اس کے کفارے میں طلب شہادت کرتا رہا۔ یہانتک کہ یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

اس واقعہ کی تفصیل یہی تھی۔ جسکو شبلی صاحب نے قطعاً مرفوع القلم فرمادیا۔ اس انداز تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے مفید مطلب مضامین کو صرف لکھتے ہیں اور باقی سب کو اسقاط کردیتے ہیں۔ یہ مولف کا مستندیانہ طرز تالیف نہیں ہے۔ بلکہ خودغرضانہ شان بیان ہے۔ اور سخت قابل اعتراض۔

لیکن غور سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ حذیفہ کے نہ لکھنے میں آپ کی خودغرضی باعث نہیں بھی وہ تو صرف حکم استثنائے بنی ہاشم تک محدود رکھی گئی ہے۔ ابوحذیفہ کے اسقاط واقعہ کا سبب خاص وہی عیسائی معترضین کا خوف تھا جو آنحضرت صلعم کے حکم برارت بنی ہاشم پر ابوحذیفہ کے کلمات تعریض دیکھکر آپ کے اس حکم پر غیر عادلانہ اور نامساویانہ رعایات قرابت اور محبت کا عیب لگائیں گے اور شاید آپ انکے اس اعتراض کا جواب نہ پائینگے۔

حالانکہ یہ آپ کا صرف وہم ہی وہم ہے۔ اگر آپ کو معترضین کے جواب کی تلاش ہوتی تو آپ اسی واقعہ ہی کے الفاظ و معانی سے انکے جواب کو بآسانی پاسکتے تھے۔ اب ہم سے سنئے

حقیقتاً جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم بالکل اصول عدالت اور مساوات پر مبنی تھا اور اس امر کو بنی ہاشم اور دیگر چند قریش کفار و مشرکین کے دباؤ سے شریک جنگ ہوگئے تھے ورنہ آنحضرت صلعم سے لڑنے کا اون کا ارادہ نہیں تھا۔ صرف آنحضرت صلعم ہی نہیں جانتے تھے۔ بلکہ خود کفار قریش کو بھی اس کا اقرار و اعتراف تھا جیسا کہ طالب ابن ابی طالب کے واقعہ سے جسکو طبری نے پوری تفصیل سے لکھاہے۔ اور آپ نے ذکر بنی ہاشم کی ناگواری طبع کے باعث سے بالکل مرفوع القلم فرمادیا ہے طبری کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

قد کان بین طالب بن ابی طالب کان فی القوم وبین بعض قریش محاورۃ فقالوا واللہ لقد عرفنا یا بنی ھاشم وان خرجتم معنا ان ھواکم مع محمد فرجع طالب الی مکۃ فیمن رجع۔

طالب ابن ابی طالب جو قریش کے اسوقت ہمراہ تھے اور بعض قریش کے درمیان تکرار ہوگئی تو قریشیوں نے کہا قسم خدا کی اے بنی ہاشم ہم تم لوگونکو خوب پہچانتے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ تو بظاہر نکل آئے ہو لیکن تمہاری تمنائیں محمد کے ساتھ ساتھ ہیں۔ یہ سنکر طالب اسی وقت مکہ کی طرف واپس چلے گئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ غیرتمند جوان بنی ہاشم قبل از جنگ لشکر قریش سے جدا ہوکر گھر واپس گیا۔ اور چونکہ یہ واقعہ قبل از جنگ ظہور پذیر ہوا۔ اس بنا پر ثابت ہوگیا کہ کفار قریش کے دلیں بنی ہاشم کی طرف سے یہ ہمیشہ خیال

ذہن نشین اور وہ ہمیشہ اس کا اظہار و اقرار کرتے تھے۔

لیکن طبری کی مابعد والی روایت سے جس کو اس نے امام الانساب کلبی کے اسناد سے لکھا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عین مقابلہ کے وقت واقع ہوا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آخر وقت تک کفار قریش کو اپنے اس اقرار پر اصرار تھا۔ اور وہ روایت یہ ہے۔

واما ابن الکلبی فانہ قال فیما حدثت عنہ شخص طالب بن ابی طالب الی بدر مع المشرکین اخرج کرھا فلم یوجد فی الاسری ولا فی القتلی ولم یرجع الی اھلہ وکان شاعراً وھو الذی یقول۔

یارب اما یغزون طالب
فی مقنب من ھذہ المقانب
فلیکن المسلوب غیر السالب
ولیکن المغلوب غیر الغالب

طبری صفحہ ۱۳۰۸

لیکن ابن کلبی مرقومہ بالا روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ طالب بن ابیطالب بدر تک ہمراہی مشرکین دیکھے گئے تھے حقیقتاً وہ کراہت ساتھ آئے تھے۔ لیکن بعد جنگ نہ وہ اسیروں میں قید ہو کر آئے اور نہ مقتولین میں پائے گئے اور نہ لوٹ کر گھر گئے اور وہ مرد شاعر تھے اور اونکے یہ اشعار مشہور ہیں

اے خدا۔ اگر ان لڑائیوں میں سے کسی لڑائی میں لوگ طالب سے لڑیں تو تو اسکو قاتلین میں نہ مقتولین میں نہ غالبین میں نہ مغلوبین میں رکھنا۔

شبلی صاحب کو کیا پڑی ہے کہ بنی ہاشم کے تفصیل حالات پر توجہ کریں۔ یہ تو آپ کے اصلی مقصود و موضوع کتاب کے خلاف ہے۔ لیکن ہم کو بحیثیت واقعہ نگار تمام حالات و واقعات پر نگاہ ڈالنی ضرور ہے اور خصوصاً واقعات کہ جو واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ذی ہمت اور صاحب غیرت شجاع بنی ہاشم کا ذکر خصوصاً اس لئے اور قابل ذکر تھا۔ کہ اس غیرتمند کے متعلق سوائے آج تک اتنے حالات کے جو اوپر لکھے گئے دنیا کو اور کوئی حالات معلوم ہی نہ ہو سکے تمام تاریخیں سیرتیں اور رجال و تذکرے بالکل خموش ہیں اور طالب بن ابیطالب کا کوئی حال نہیں لکھتے۔ اور نہ سوائے اشعار بالا کے اس غیور بنی ہاشم کی کوئی یادگار دنیا میں پائی جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ طعن قریش کا اس غیرتمند کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ سر کوہ و صحرا ہو کر کہیں دور و دراز مقام میں ختم ہو گیا۔ انا للہ

واقعات مرقومہ بالا سے بالتصریح ثابت ہو گیا کہ کفار قریش کو بھی بنی ہاشم کی بکراہیت شرکت و ہمراہی کا اقرار تھا انکی شرکت درواقع محض رسمی تعلقات کی وجہ سے تھی نہ مخالفت اسلام اور نہ قتل اہل اسلام کی غرض خاص سے تو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ایسے غیر جانبدار اور غیر سروکار لوگوں کے بھی قتل کر دیے جانیکا حکم عام دنیا بالکل موافق عدالت

تہا نہ مخالف عدالت اور جب یہ حکم بالکل اصول عدالت اور حقیقت الامری پر مبنی ہے تو اعتراض کیا اور معترض کا خوف کیا یہ تو اس حکم کے مبنی بعدالت ہونیکا ثبوت ہوا۔ اب بقاعدہ مساوات ہونیکا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے اس حکم استثنا میں صرف بنی ہاشم ہی کی خصوصیت قائم فرماتے تو معترضین خلاف مساوات ہونیکا عذر کر سکتے تھے۔ لیکن الفاظ حکم میں فَغَیْرُهُم تو خود موجود ہے یعنی علاوہ بنی ہاشم کے مخصوص قریش میں چند ایسے اشخاص اور بھی موجود ہیں شبلی صاحب خود بھی لکھ چکے ہیں۔ کہ قریش میں ایسے بھی ہیں صفحہ ۲۳۸ تو پھر ثابت ہوگیا کہ اس حکم استثنا و معافی میں تنہا آپکے قرابتدار ہی نہیں تھے بلکہ اصول مساوات کی مطابق غنیم کے قبیلہ خاص میں ایسے غیر جانبدار اور نیک نیت لوگ بھی داخل ہیں جو حقیقتًا مسلمانوں سے لڑنا نہیں چاہتے جیسا کہ ابوالبختری کا نام حکم استثنا میں موجود ہے اور عنقریب اسکے واقعہ سے عملی صورت میں بھی بہت جلد معلوم ہوتا ہے۔ ان شاہدات کی موجودگی میں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے احکام عادلانہ اور مساویانہ کو خودغرضانہ تبلانا کسی عقل والے کا کام نہیں ہو سکتا پھر جب خود اعتراض کی بے وجودی اور عدم اصلیت کی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے تو اُس سے خوف کرنا اور خوف کی وجہ سے تاریخی واقعہ کو عمدًا مرفوع القلم کردینا مؤلف کے حد درجہ کا ضعف قلم اور ضعف رائے ثابت کرتا ہے۔

ابوالبختری کی جاہلانہ غیرت اور وحشیانہ حمیت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ابوالبختری کا نام بھی تبلادیا گیا تھا۔ اور حکم مستثناۃ میں یہ بھی داخل تھے اتفاق وقت سے مجذر بن زیاد بلوی نے جو انصار مدینہ میں سالم بن عوف کا حلیف تھا ابوالبختری کو پالیا۔ دشمن پر حملہ کرنیکے عوض مجذر نے نہایت متانت سے کہا کہ مجھے تمہارے قتل کا حکم نہیں ہے لہذا اب تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ ابوالبختری نے پوچھا او میرے رفیق زمیل کو جو میری رفاقت میں یہانتک آیا ہے کیا حکم ہوا ہے مجذر نے کہا زمیل کو میں نہ چھوڑونگا اسلئے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیلے تجھی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے یہ سنکر ابوالبختری نے نہایت بے پروائی سے عرب کی جاہلانہ شان شجاعت میں جواب دیا۔

والله اذن لاموتن انا وهو جميعا لا تحدث عني نساء | قسم بخدا ہم کیا تمام لوگ ایسی صورت میں مرجانا قبول کرینگے کہ مکہ کی
مكة انى تركت زميلي حرصًا للعيش | عورتیں کہیں ابوالبختری نے اپنی جان کے لالچ میں زمیل کو قتل کرا دیا

مجذر اُس کے یہ احسان فراموشانہ جواب سنکر ابوالبختری پر حملہ آور ہوا۔ اور ابوالبختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر سے مقابل ہوا اور مارا گیا۔

لن يسلم ابن حرة زميله | شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا۔
حتى يموت او يرى سبيله ابن ہشام ص ۱۹ ج ۲ | جب تک نہ مرجائے یا موت کا رستہ نہ دیکھ لے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اب لڑائی چاروں طرف شروع ہو گئی تھی اور مبارزان اسلام لشکر کفار میں ہر جگہ دھنس پڑے تھے ابوالبختری کا ادہر مجذر نے خاتمہ کردیا۔ اور ادہر اُمیہ بن خلف کی موت گلوگیر ہو گئی اسکی تفصیل یہ ہے۔

امیہ بن خلف کا قتل

عبدالرحمٰن ابن عوف کا اپنا بیان ہے کہ مجھ سے اور امیہ بن خلف سے سامنا ہوگیا امیہ سے اور مجھ سے مکہ ہی میں وعدہ ہو چکا تھا کہ اگر وہ مدینہ میں آئیگا اور اسکو کسی مصیبت سے سامنا ہو جائے گا تو میں اسکی جان بچاؤنگا امیہ کہ ایسے سخت دشمن اسلام سے تمام خصومت اسلام اور مسلمانوں کی اذیت عام کے انتقام لینے کا موقع تو خوب ہاتھ آیا تھا لیکن وعدہ کا خیال ایسا لگا تھا کہ میں اس کے قتل سے باز رہا میں اسوقت تک کثیر التعداد زرہیں مقتولین کفار کی اوتھا کر جمع کر چکا تھا اور انکو کاندھے پر اوٹھائے تھا امیہ نے کہا عبدالرحمٰن اپنا وعدہ یاد ہے میں نے کہا ہاں یہ لیکر میں اُسے پہاڑ کے ایک ایسے مقام پر لے آیا۔ جہاں مسلمان اُسے نہ دیکھ سکیں۔ اس اثنا میں امیہ کی نظر دور سے حضرت حمزہ پر پڑی اُس نے اس وقت ان کو کسی وجہ سے نہ پہچان کر مجھ سے پوچھا کہ تمھارے لشکر میں یہ ریش بزرگ والے بزرگوار کون ہیں میں نے دیکھکر کہا کہ حمزہ بن عبدالمطلب ہیں۔ امیہ بولا یہی ہیں جنھوں نے ہمارے ساتھ یہ سب کام مچا رکھے ہیں اثنائے گفتگو میں کہیں بلال حبشی کی نظر امیہ پر پڑگئی۔ یہ امیہ بن خلف وہی شخص تھا جسنے بلال کی غریب جان پر اسلام لانیکے ابتدائی زمانہ میں انواع اقسام کے مظالم ڈہائے تھے ان بیچارہ کی پیٹھ پر پاوں رکھکر جلتی دہوپ میں اُنسے انکار اسلام پر جبر و زبردستی اقرار لیا تھا۔ اور یہ غریب انکار کے عوض میں احداً احداً کے نعرے لگاتے تھے۔ اسوقت حضرت بلال کو امیہ کے دیکھتے ہی اسکے تمام مظالم کا خیال آگیا پھر تو انصار کی جماعت کو بلال نے بیچین ہو کر ان الفاظ میں پکارا ھذا راس الکفر امیة بن خلف دیکھو سراپا رئیس کفر امیہ بن خلف کھڑا ہے بلال کی یہ بات دارد آواز صدائے اذان بنکر تمام مسلمانوں کے کانوں تک پہونچگئی اور سب کے سب امیہ کی طرف لوٹ پڑے عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی یہ یورش دیکھکر میں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ اور امیہ کو چت زمین پر لٹا کر آپ اُسکے اوپر لیٹ رہا۔ اس خیال سے کہ امیہ کے بیٹے کو قتل کر کے مسلمان بس کر دینگے۔ اور امیہ کی آیندہ کی تلاش سے دست بردار ہو جائینگے۔ لیکن انصار نے اسکے بیٹے کو قتل کر کے بھی بس نہیں کی اور امیہ کی تلاش نہ چھوڑی آخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ میری ٹانگوں کے نیچے سے ہاتھ ڈالکر امیہ کو باہر کھینچ لائے اور قتل کر ڈالا۔ اسی کشمکش میں میری ٹانگ بھی زخمی ہوگئی۔ اور مدت تک زخم کا نشان باقی رہا۔

عبدالرحمٰن ابن عوف اکثر یہ تذکرہ کہا کرتے تھے کہ افسوس ہے امیہ بھی گیا۔ اور میری جمع کی ہوئی لوٹ والی زرہیں بھی چلی گئیں۔ مسلمان اُسے بھی لے کر چلتے ہوئے۔ ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۲۰ طبری صفحہ ۱۳۲۶۔

ابوجہل کا قتل

شبلی صاحب نے ترتیب واقعات میں تقدیم و تاخیر ذکر کا خیال نہیں رکھا۔ ابوالبختری اور امیہ بن خلف کے احوال سے پہلے ابوجہل کے حالات کو قلمبند فرمایا ہے۔ حالانکہ ابن ہشام و طبری ان دونوں مشرکین کے واقعات کے بعد ابوجہل کے حالات لکھتے ہیں امیہ بن خلف کے بعد ابوجہل کی موت لکھی ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ قتل ابوجہل کے تفصیلی حالات بھی عبدالرحمٰن بن عوف ہی سے تمام کتب تاریخ و حدیث میں منقول ہیں۔ عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی صف لشکر میں کھڑا تھا۔ اور میرے بیچ والے

میں انصار کے دو نوجوان اپنے بھائی عفراء کے بیٹے عوذ و معوذ نامی دو ہی جنکو منتبہ بوجہ انصار ہونیکے مقابلہ سے واپس دیکھا تھا کھڑے تھے۔ اتنے میں ایک نے میرا دامن کھینچکر مجھ سے راستہ پوچھا۔ کہ اے چچا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں میں نے کہا ہاں میں پہچانتا ہوں۔ لیکن تم کو اس سے کیا کام ہے۔ وہ بولا سنتے ہیں کہ اُس نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی بڑی اذیتیں پہونچائی ہیں۔ اسلئے میں نے یہ عہد کیا ہے کہ اگر آج اُسے میں نے دیکھ پایا تو پھر اُسکے پیچھے ایسا پڑ جاؤں گا کہ پھر یا تو وہی نہیں یا میں ہی نہیں۔ ابھی اسکی بات پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ دوسرے بھائی نے بھی میرے کان میں اپنا منہ لگا کر یہی بات کہی میں ان دونوں نوجوانوں کی ہمت و جگر داری پر تعجب کرتا تھا اور بیحد مسرور ہوتا تھا۔

ابھی اس گفتگو کو کچھ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ابوجہل اپنے اونٹ پر سوار ادھر سے آنکلا اور اپنے لشکر کو ادھر سے ادھر تک معائنہ کرنے لگا۔ میں نے ان دونوں شجاعوں کو دور سے بتلا دیا کہ تمہارا مطلوب یہی ہے۔ انگلی کا اٹھنا کہ یہ دونوں جرار بازشکاری کیطرح اپنے صف سے دوڑ کر اسکی طرف جھپٹے اور دونطرف سے اسپر ٹوٹ پڑے عوذ نے پہونچتے ہی ایسی کاری ضرب لگائی کہ ابوجہل کی ٹانگ ساق (پنڈلی) سے جدا ہو گئی۔ اسکا بیٹا عکرمہ وہیں تھا۔ اُسنے عوذ پر تلوار لگائی اور شانہ سے اسکا ہاتھ جدا کر دیا۔ لیکن ذرا سا تسمہ لگا رہا لیکن یہ دلیر مبارز اسلام اسی حالت میں لڑتا رہا۔ عوذ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ جھولتا ہوا ہاتھ میرے حرب و ضرب میں حارج ہوتا تھا۔ اسلئے میں نے اسکو میں نے اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر ہاتھ کا وہ تسمہ جو ابھی تک لگا ہوا تھا جدا کر ڈالا اور پھر آزادی سے لڑنے لگا۔ اس اثنا میں معوذ نے اپنی تلوار کی ضربوں سے ابوجہل کو مار گرایا اور وہ گرتے ہی خاتمہ کے قریب پہونچگیا۔ رمق جان باقی تھی۔

یہ دونوں دلیر نوجوان۔ مرتے کو کیا ماریں۔ سمجھکر اور اپنے ایسے نمایاں حسن خدمات اور کامیابی کے جوش مسرت میں پرجوش ہوکر فوراً جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کی دونوں نے ابوجہل کے قاتل ہونیکا فخریہ دعویٰ کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم دونوں نے اپنی اپنی تلواریں تو ابھی خون سے پاک نہیں کی ہیں؟ دونوں نے عرض کی نہیں۔ ارشاد ہوا لاؤ اپنی اپنی تلواریں دکھلاؤ دونوں نے دکھلائیں۔ معائنہ فرمائی گئیں اور کہا گیا تم سچ کہتے ہو۔ تمہیں دونوں ابوجہل کے قاتل ہو۔

شبلی صاحب تو کسی کے واقعہ کو نہ پورا لکھیں گے اور نہ اُسکے حال کو خاتمہ تک پہونچائیں گے اس خوف سے کہ ان داستانوں کو طول نہ ہو جائے۔ اور یورپین مورخین انکو شوق سے سنکر اسلام بزور صمصام والا اعتراض نہ کر بیٹھیں شبلی صاحب انکے ذکر سے جو کچھ نہ سمجھیں وہ انکا مختار ہے۔ لیکن ہم ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں کہ ہر واقعہ کو پورا اور ہر شخص کے احوال کو اطلاع عام کی غرض خاص سے خاتمہ تک پہونچا دیں اسلئے ہم ان دونوں مبارزان اسلام۔ عاذ و معوذ۔ اور اُنکے مقتول ابوجہل کے باقی حالات کو حسب ذیل خاتمہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

معوذ تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و زیارت سے مشرف ہو کر پھر فوج کفار میں آکر لڑنے لگے اور عمر ابن عبدود کے ہاتھ سے مارے گئے۔ عاذ حضرت عثمان کی خلافت تک زندہ رہے۔ طبری ص ۱۳۲۷ - ابن ہشام جلد دوم ص ۲۱ -

ابوجہل کے بقیہ حال یہ ہیں۔

یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ عاذ و معوذ - ابوجہل کو سسکتا چھوڑ کر چلے آئے تھے جناب رسولخدا صلعم اسکے نتیجہ آخر معلوم فرمانیکے مشتاق تھے۔ کیونکہ یہی شریر النفس اصل مایہ فساد تھا۔ اس بناپر آپ نے مسلمانوں کو اسکی تلاش کا حکم دے رکھا تھا حسن اتفاق سے عبد اللہ بن مسعود بھی اسی مقام پر پہونچ گئے جہاں ابوجہل پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا۔ ابوجہل نے کسی مرد مسلمان پر ظلم نہیں کیا تھا۔ ؟ عبد اللہ بھی انہیں میں تھے۔ اسکے سینہ پر چڑھ کر ایکبار ابوجہل نے انکو بڑی اذیتیں پہونچائی تھیں۔ اب اسکو اسحالت میں پاکر عبد اللہ فوراً اسکی چھاتی پر بیٹھ گئے۔ ابوجہل نے آنکھیں کھولکر نام پوچھا۔ یہ بولے عبد اللہ بن مسعود۔ ابوجہل نے کہا کہو جنگ کا کیا نتیجہ ہوا کسکی فتح ہوئی کس کی شکست - عبد اللہ بولے اخزاک اللہ تعالےٰ - خدا تجھے اس سے زیادہ ذلیل کرے تو تو فرعون سے بھی زیادہ بدبخت ہے۔ اُس نے تو دریا میں غرق ہونے کیوقت بھی اپنے قصوروں کا اقرار کیا تھا اور اُس نے بیزاری اختیار کی تھی اور تو اس حالت آخر تک پہونچکر بھی اپنی شامت و ضلالت سے باز نہیں آتا۔ مر تو رہا ہے لیکن میدان جنگ اور فتح و شکست کا ارمان ابھی تک تیرے دل سے لگا ہے ابوجہل یہ طعن آمیز سُنکر بولا۔

لقد ارتقیت مرتقی صعبا یا دوعی الغنم	اے بھیڑ چرانیوالے لوگ تمہارے ہاتھ سے قتل ہو کر میری موت بھی ذلیل ہو گئی

عبد اللہ نے تلوار نکالی اور اُس کا سر کاٹ لیا۔

لیکن محدث شیرازی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ کی تلوار خراب تھی اسکا سر کاٹ نہ سکی تو عبد اللہ نے اُسی کی تلوار اسی کی کمر سے کھینچکر اس کا سر کاٹ لیا۔ روضۃ الاحباب ص ۲۳۴ لکھنؤ۔

ابوجہل کا کام تمام کر کے عبد اللہ اسکا سر لئے ہوئے خدمت رسول اللہ صلعم میں حاضر ہوئے۔ اور اُسکا سر قدم مبارک پر ڈالدیا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے سر کیطرف نگاہ کی اور فرمایا۔

الحمد للہ الذی اخزاک یا عدو اللہ	اس خدا کا شکر ہے جسنے تیرے ایسے دشمن خدا کو ذلیل و خوار کیا

پھر دست مبارک آسمان کیطرف بلند فرما کر ارشاد کیا

الحمد للہ الذی نصر عبدہ وانجز وعدہ واعز دینہ	اس خدا کا شکر ہے جس نے اپنے بندے کی نصرت کی اپنے وعدہ کو پورا کیا اپنے دین کو عزت بخشی - ابن ہشام جلد دوم ص ۲۱ طبری ۱۳۲۸ روضۃ احباب ص ۲۳۴

ابوجہل کے مرتے ہی حقیقتاً اصلی مایۂ فساد تہا اور تمام مفسدوں کا مواد لشکر کفار کے قدم کیسے دم اد کھڑ گئے

مبارزان اسلام اور جاں نثاران حضرت خیر الانامؐ نے انکو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا کفار کے دل بیٹھ چکے تھے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ مقابلہ کی طاقت باقی نہیں تھی۔ اول تو ابتدا ہی سے اُنکے لشکر میں نہ کوئی ترتیب تھی اور نہ درستی نہ قاعدے سے صفیں درست ہوئی تھیں۔ اور نہ مورچے طیار کئے گئے تھے۔ لشکر تو نہیں تھا آدمیوں کا جنگل تھا ایسی حالتیں لشکریوں سے گریز پائی۔ نہ کچھ بن آنیوالی تھی۔ اور نہ آخر کار بن آئی۔

فوج کفار کی ابتری اور حضرت علیؑ کی شجاعت و دلیری

اسوقت ان کے انبوہ کثیر میں چاروں طرف قتل و گریز کا عام منظر پیش تھا۔ مشرکین قریش کے بڑے بڑے نبرد آزما شجاع اور آزمودہ کار مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جاتے تھے یا قید کئے جاتے تھے۔ یا مقابل کی آنکھ بچا کر بھاگ جاتے تھے مبارزان اسلام نے اس آخری حملہ میں تقریباً ستر کفار کو قتل کیا۔ اور ان میں سے قریب قریب نصف کی تعداد کو اکیلے حضرت علیؑ مرتضیٰ نے تہ تیغ کیا۔

سیرۃ النبوۃ کے حوالے سے خواجہ عبید اللہ امرتسری (حالیہ قادیانی) اپنی کتاب ارجح المطالب مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۳۱۴ میں لکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت علیؑ ایک کے بعد ایک کو قتل کرتے تھے۔ یہانتک کہ آپ نے نصف کو قتل کیا اور کُل مقتول ستر تھے۔ نصف اور مسلمانوں نے قتل کئے۔ یہی تعداد علامہ کمال الدین طلحہ الشافعی نے اپنی کتاب مطالب السئول میں اور علامہ محمد بن یوسف الگنجی نے کفایۃ الطالب میں بھی بتلائی ہے۔

شبلی صاحب نے غزوہ بدر کے تفصیلی حالات میں اپنے خاص موضوع تالیف کی ضرورت سے تو کہیں بھی حضرت علیؑ مرتضیٰ کے ان محاسن خدمات کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ انکو انکی ان کارگذاریوں اور جاں نثاریوں کی بنا پر فاتح بدر یا کم سے کم مبارزان اسلام کا سر دفتر قرار دیا ہے۔ لیکن پھر بھی حقیقت حقیقت ہی تھی اور اس کا چھپنا یا چھپانا خصوصاً مسلمانوں کے عقائد میں محال قطعی تھا۔ اسلئے ہمارے شبلی صاحب کو خدمات علیؑ کی اس حقیقت اصلیت اور واقعیت کو آخر کار لکھنا ہی ہوا۔ اصل معرکہ آرائی کے حالات میں تو نہیں ہاں تمہید کے ابتدائی مضامین میں اُس موقع پر جہاں آپکو (خدا کی شان) [1] صحیح بخاری کی روایت کو طبری کی روایت سے غلط ثابت کرتی ہوئی اور عیسائیوں کے

[1] شبلی صاحب کی اسوقت پریشان استدلالی ضرور قابل لحاظ و خیال ہے۔ دیباچہ کتاب میں بخاری صاحب کے اعتبار، اعتماد اور وثوق کو عرش الکمال تک اتنا پہونچایا گیا کہ کوئی تاریخ۔ تفسیر اور حدیث و سیرت کی کتاب انکو درجہ ثقاہت تک پہونچتی ہی نہیں اور اسکے ثبوت میں انواع و اقسام کی غلطکاریوں کا طومار تیار کیا گیا ہے لیکن غزوہ بدر کی تمہید تک پہونچتے پہونچتے وہ سلسلۂ اعتبار و اعتماد اتنا نیچے گرا دیا گیا کہ صحاح بخاری اور مسانید و تفاسیر کی مرتبہ سے بھی نہیں اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ روایات تاریخ و سیرت کو روایات حدیث کے مقابلہ میں فروتر لکھ چکے تھے خاص بخاری صاحب کے ایسے راوی کی روایت کو جو جلیل القدر صحابی اور صحابیوں میں بدری ہے طبری کی تاریخی روایت سے مسترد فرما دیتے ہیں۔ دیکھو سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۰۵ یہ کہانتک جائز اور خلاف اصول جائز ہے؟

اس اعتراض کو جو بخاری کی اسی روایت سے ماخوذ و مستنبط تھا کاٹنا پڑا چونکہ اس روایت طبری کے اصل راوی انکاتی سے حضرت علیؑ تھے اسوقت اور مجبوری سے آپکو بالآخر لکھنا ہی پڑا۔ کہ اس کے راوی غزوہ بدر کے **ہیرو** (اسد اللہ الغالب) **علی بن ابی طالب** ہیں سیرۃ النبی جلد اول ص ۳۵۷-

ہم اس مضمون کو جنگ بدر کے ہیرو حضرت علی بن ابیطالب ہیں خاتمہ جنگ تک اوٹھا رکھتے ہیں جہاں آپ کے فاتح بدر ہونے کے شہود و ثبوت تفصیل سے پیش کئے جاویں گے یہاں اُن کا قلمبند کرنا ہمارے سلسلۂ کلام میں فصل پیدا کرے گا۔ لیکن مناسبت مقام اور سلسلۂ کلام قائم رکھنے کی غرض خاص سے اس جملہ اخیر میں جسکے حالات ہم بیان کر رہے ہیں حضرت علی کی مبازرت کی نسبت یہ تفصیل کر دینا ضروری ہے کہ آپ نے اس حملہ میں یکبار بیک وقت عاص بن سعید بن عاص کو قتل ابن ہشام اپنی تاریخ جلد دوم صفحہ ۱۰ میں عاص کے قتل کی شہادت حضرت عمرؓ کی زبانی لکھتے ہیں۔

عاص کے بعد کفار نے حضرت علی کو اپنے مقام سے پیچھے ہٹانا چاہا اور نوفل ابن خویلد بن اسد آگے بڑھ کر آپ پر حملہ آور ہوا یہ نوفل دلاوران قریش میں بڑا مشہور شجاع شخص تھا اور یہ وہی بدبخت تھا جو حضرت صدیقۂ کبرا جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کا بھائی تھا۔ اور آنحضرت صلعم کا سخت دشمن قریش کے مجمع میں ٹھیکر ہن کی زبانی آنحضرت صلعم پر بڑے بڑے اتہام لگایا کرتا تھا اور یہ وہی شریر الطبع تھا جسکو میدان رزم میں دیکھکر آنحضرت صلعم نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجھکو اسکے شر سے محفوظ رکھا جائے جناب علی مرتضیٰ نے اسکی تیز دستیوں کا پورا جواب دیا اور اپنی شمشیر سے اسکو مار گرایا۔ نوفل کے بعد مسعود بن مغیرہ (خالد بن ولید کا چچا) مقابل ہوا وہ بھی قتل ہوا مسعود کے بعد ابو العیس بن الفاکہہ آگے آیا۔ وہ بھی دو ٹکڑے کیا گیا۔ پھر عبد اللہ بن منذر کو موت کھینچ لائی اور وہ بھی مقتول ہوا عبد اللہ کے بعد عاص ابن منبہ ابن حجاج کی نوبت آئی وہ بھی مقابل ہو کر مارا گیا اسکے بعد صاحب ابن سائب سامنے آیا وہ بھی سر بریدہ زمین پر تھا۔

اسی طرح حنظلہ ابن ابوسفیان اور ابو عمر بن ابوسفیان (امیر معاویہ صاحب کے بڑے بھائی) ابو عبیدہ بن الحارث بن ربیعہ اور عقیل بن نوفل ابن مطلب یکے بعد دیگرے آتے گئے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ ؑ کی تیغ آبدار سے قتل ہوتے گئے ان مقتولین میں حنظلہ بن ابوسفیان پر ایسی سخت ضرب لگی تھی کہ اُسکی آنکھیں باہر نکل پڑی تھیں۔ چنانچہ خود حضرت علی مرتضیٰ ؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ قریش سے مجھکو سخت تعجب ہوتا ہے۔ کہ جب وہ میری اُس لڑائی کو جو ولید بن عتبہ سے واقع ہوئی اور میری اس ضرب کو جس سے حنظلہ کی آنکھیں نکل پڑی تھیں دیکھ چکے تھے تو پھر کیونکر میرے مقابلہ کی جرات کرتے تھے۔ ناسخ التواریخ لکھنؤ ص ۲۹ مغازی الصادقہ واقدی ترجمہ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ص ۳۹ روضۃ الصفا جلد دوم ص ۹۰ بمبئی یہی تفصیل مدارج النبوۃ صفحہ ۲۱۳ مطبوعہ لاہور میں باسناد کتاب مطالب السئول اور کفایۃ الطالب میں درج ہے۔

حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ کا نتیجہ جس نے آپکے معیار اختیار اور نیز بخاری صاحب کے مبلغ اعتبار کی حقیقت کھولدی۔ فاعتبروا۔ المؤلف

ہم نے اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں حضرت علیؑ کے حملۂ آخر کی مرقومہ بالا تفصیل کر دی ہے۔ آپکے ایسے دوسرے مبارزین اسلام کے محاسن خدمات اور شجاعت و دلیری کے واقعات کا بھی علی قدر مراتب اندازہ کر لینا چاہئے:۔

سر کرجنگ کا دوسرا عالم جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اسیران کفار کا عبرتاً لاولی الابصار تھا۔ نامبودگان قریش اور ناسپہان مکہ کو مبارزان اسلام انکے انبوہ کثیر میں گرفتار کر رہے تھے اور وہ ہتیاروں ڈالکر اسلام کی فتح اور اپنی شکست کا اقرار کر رہے تھے ارباب تاریخ و سیرت کا بیان ہے کہ مجاہدان اسلام اسوقت بیکبار تین اسلامی خدمات انجام دے رہے تھے جان نثاروں کا ایک گروہ تو قتل کفار میں مصروف تھا۔ دوسرا طبقہ مشرکین کو گرفتار کر رہا تھا تیسرا دستہ عریشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا اسی دستہ میں سعد بن معاذ بھی تھے۔ ابن ہشام بیان کرتے ہیں۔

وانہ صلعم امر باصحابہ فشدّ وفکانت الھزیمۃ فقتل اللہ تعالی من قتل من صنادید قریش واسری من اسری من اسرافھم فلما وضع القوم ایدیھم یاسرون ورسول اللہ صلعم فی العریش و سعد بن معاذ قائم علے باب العریش الذی فیہ رسول اللہ متوشحا السیف فی نفر من الانصار یحرسون رسول اللہ صلعم یخافون کرّۃ الورود العدو ورای رسول اللہ صلعم فیما ذکرنی فی وجہ سعد بن معاذ الکراھۃ لمّا یصنع الناس فقال لہ رسول اللہ صلعم واللہ لکأنّک یا سعد تکرہ ما تصنع القوم قال اجل واللہ یارسول اللہ۳ کانت اول وقعۃ اوقعھا اللہ باھل الشرک فکان الاثخان فی القتل باھل الشرک احب الیّ من استبقاء الرجال ج ۲ ص ۱۶۱ مطبوعہ مصر۔

آنحضرت صلعم نے صحابہ کو حکم دیا اور انھوں نے جہاد میں شدت کی کفار کو ہزیمت ہوئی اور خدا تعالی کو جتنے عمائد قریش کا قتل منظور تھا وہ قتل ہوئے اور جتنے انکے اشراف قوم کی گرفتاری مقصود تھی۔ وہ گرفتار ہوئے جناب رسول خدا صلعم اسوقت اپنے عریشہ میں بیٹھے تھے۔ اور سعد بن معاذ اپنے دستہ انصار کیساتھ تلوار ننگی لئے ہوئے عریشہ کے دروازہ پر اسوجہ سے پہرہ دے رہے تھے کہ خوف تھا کہ دشمن ادھر نہ ٹوٹ پڑیں۔ راوی کا یہ عالم جو میں نے (ابن ہشام نے) اوپر لکھا ہے۔ آنحضرت صلعم اور سعد بن معاذ دونوں کے پیش نگاہ تھا۔ اس اثنا میں جناب رسول خدا صلعم نے سعد بن معاذ کے سونہہ پر اس عالم کے مشاہدے سے آثار کراہت و ناپسندیدگی نمایاں پائے تو استفسار فرمایا۔ کیا سعد تم کو یہ فعل جو تمہاری قوم کے لوگ کر رہے ہیں اچھے نہیں معلوم ہوتے سعد نے عرض کی صحیح ارشاد ہوتا ہے یہ پہلا موقع ہے کہ مشرکین کو خداوند عالم نے اس بلا و مصیبت میں ڈالا ہے اس لئے مجھے ان سب کے باقی رکھے جانے سے ایکبار انکا تمام خاتمہ کر دیا جانا ہی بہتر اور خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکا جواب سنکر خاموش ہو گئے۔

اس خالص جان نثاری پر جوشی اور اسکے مقابلہ میں رحمت عالم ص کی خاموشی انسان کی طبیعت عامہ اور انبیائے علیہم السلام کی فطرت صالحہ کے فرق مابہ الامتیاز کو پورے طور سے ثابت کر رہی ہے سعد ابن معاذ اپنی فوج کی کامیابی سے اتنا پر جوش ہو گئے کہ حدود انتقام سے گذر کر قتل عام کے درجہ تک بڑھ گئے۔ لیکن اس خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

ذات اقدس پر تو خلاف معمول خلاف عادت اور خلاف طبیعت ان مناظر بشارت اور عوالم فتح و نصرت سے کوئی اثر خاص نمایاں نہیں تھے۔ آپکی خموشی ہزار زبان بنکر بتلا رہی ہے کوئی منظر کوئی عالم اور کوئی حالت پیش نظر ہو ہم اپنے اصول اخلاق حدود اشفاق مناسبت موقع اور مصلحت وقت سے سر مو متجاوز نہیں ہو سکتے۔

شہیدان بدر کی دلیرانہ جان نثاریاں۔ ہم نے اسوقت تک اپنے سلسلۂ بیان میں قریش کے مقتولین کے مارے جانیکی تفصیل اور مبارزان اسلام کی خدمات جو انھوں نے مقتولین قریش کے قتل میں انجام دی ہیں بیان کی ہیں اب ہم ان سرفروشان اسلام اور جان نثاران حضرت خیر الانام علیہ السلام کا ذکر تے ہیں۔ جو جنگ بدر میں فائز بشہادت ہوئے اگر ہم اپنے ترتیب بیان میں اُنکے محاسن خدمات کی تصریح سے اعراض کریں۔ تو ہمارا تاریخی مرقع ایک رخی تصویر ہو کر رہجائیگا۔ اور ہمارا یہ طریقہ فروگذاشت ہمارے انداز تالیف کا بہت بڑا عیب ٹھہرایا جائے گا۔ اس بنا پر ہم ان فدائیان اسلام کے حالات بھی اسی تفصیل سے لکھتے ہیں۔ جس تفصیل و تشریح سے ہم فاتحین اسلام کے حالات اوپر لکھ آئے ہیں۔

ہمکو اسکی ذرا پروا نہیں ہے کہ میری تاریخ اسلامی تاریخ نہیں بلکہ اسلامی جنگ نامہ بنجائیگی اور ہمکو اسکی بھی تمنا نہیں کہ بقول شبلی صاحب یورپین مورخین اسکو بڑے شوق سے سنیں گے۔ اور ہم کو اس کا بھی خوف نہیں کہ شبلی صاحب اور ان کے ہمخیال اسکو بے لطفی اور ناتوجہی سے سنیں گے۔ یا ملاحظہ فرمائینگے۔ اسی لئے تو سیرۃ النبی میں سوائے مہجع کے وہ بھی حضرت عمر کے غلام خاندان ہونیکی خصوصیت خاص ظاہر کرنیکی ضرورت سے اور کسی ایک شہید احد کا بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب کے کان مشتاقین یورپ کے کانوں کیطرف لگے تھے اور آپ اس خوف وہراس سے کہ وہ سننے نہ پائیں اور یہ حالات وواقعات درازنفسی اور بلند آہنگی کے حدود تک نہ پہونچنے پائیں (ملاحظہ ہو سلسلۂ غزوات سیرۃ النبی صفحہ ۲۲۲) اسی لئے آپ نے ان تمام واقعات کو حد درجہ کے اختصار تلخیص اور قطع وبرید کے ساتھ غیر مکمل اور مبہم لکھکر تمام کر دئے ہیں اور شہدائے احد کی جاں نثاریوں کے بیان میں تو قلم بھی نہیں اُٹھایا۔ اور اُن کے ذکر حالات سے آپ کا دفتر تاریخی بالکل خالی ہے آپ نے جو میدان جنگ کا جو مرقع کھینچا ہے وہ تو یوروپین مورخین کے انداز تحریر کے مطابق اُنکے نقش ونگار میں صرف کفاروں ہی کے قتل سے چشمہائے خوں بہا دئے ہیں۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبی ص ۲۲۲) اور اس سیلاب خوں میں صرف غریب مہجع کے چند قطرہ ہائے خونکی کہیں کہیں جھلک سی نظر آجاتی ہے۔ محققین واقعات اور متلاشین حالات تو آپ کے اس مرقع بیان کو ایک رُخی اور بالکل ایک رخی تصویر ٹھرائیں گے۔ اور حیرت سے نقش بدیوار بن جائینگے۔

مہجع شہید اول اتنا تمہیداً عرض کرکے ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں تاریخ وحدیث کا اسپر اتفاق ہے کہ مہجع خاندان

حضرت عمرؓ کا غلام جس کا کسی قدر ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ مبارزان اسلام کی فہرست جانبازی میں نمبر اول ہے اور تمام مورخین و محدثین نے شہدائے بدر میں اسکو شہید اول قرار دیا ہے۔ ہذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

حارثہ بن سراقہ کی شہادت

مہجع کے بعد حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے۔ اور بالاتفاق شہدائے بدر میں یہ شہید ثانی تعین کئے جاتے ہیں۔ انکی صورت شہادت زرقانی نے یوں تبلائی ہے۔

حارثة بن سراقة (رضی اللہ عنہ) وکان فی النظارۃ ای الذین لم یخرجوا القتال فلم یخرجوا القتال فجاء سهم غرب فوقع فی نحرہ فقتل فجاءت امه (ام) ربیع فقالت یارسول اللہ قد علمت مکان حارثة منی فان یکن فی الجنة اصبر واحتسب والا فتری ما اصنع فقال صلعم انها لیست بجنة واحدة ولکنها جنان کثیرة وانه فی جنة الفردوس کما فی الصحیح وقتله موحد بن العرقة۔ زرقانی ص ۵۳۰۔

حارثہ بن سراقہ لشکر اسلام کی صفوں میں گھوم گھوم کر دیکھ رہے تھے کہ کون شخص مقابلہ کیلئے نہیں نکلتا ہے اس اثنا میں ایک تیر اوڑتا ہوا آکر انکے وسط حلق پر بیٹھا اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔ انکی غریب ماں ام ربیع یہ حال دیکھکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں دوڑی آئیں اور عرض کرنے لگیں آپ ارشاد فرمادیں اگر حارثہ بہشت میں داخل ہو گیا ہے تو پھر میں صبر کر کے خوش ہو جاؤں ورنہ آپ دیکھ لیجئے میں (دشمنو کیلئے) کیا کرتی ہوں آپ نے فرمایا کہ بہشت ایک بہشت نہیں ہے بلکہ اسکے متعدد درجے ہیں اور حارثہ اس درجہ بہشت میں ہے جسکو جنت الفردوس کہتے ہیں یہ روایت صحاح کی ہے۔ حارثہ کو موحد بن عرقہ نے قتل کیا۔

عمر بن الحمام کی شہادت

جاں نثاران اسلام میں عمر بن الحمام بھی قابل الذکر ہیں۔ ابن ہشام ص ۱۸۔ جلد دوم طبری ص ۱۳۲۴۔ اور زرقانی ص ۳۶ ۵ میں انکے حالات اسطرح لکھے ہیں۔

انه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرج علی الناس فحرضهم فقال والذی نفس محمد بیدہ لا یقاتلهم الیوم رجل فیقتل صابرا محتسبا مقبلا غیر مدبر الا ادخله الجنة فقال عمر بن الحمام وفی یدہ تمرات یاکلهن بخ بخ افما بینی وبین ادخل الجنة الا ان یقتلنی هؤلاء ثم قذف التمرات من یدہ واخذ سیفه فقاتل القوم حتی قتل وهو یقول ؎

رکضا الی اللہ بغیر زاد — الا التقی وعمل الرشاد

والصبر فی اللہ علی الجهاد — وکل زاد عرضة النفاد

غیر التقی والبر والرشاد ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان الفاظ میں لشکر اسلام کو قتال کفار پر تاکید فرمائی کہ اس خدا کی قسم جسکے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے جو شخص صبر و تحمل اور ضبط و خاموشی سے قدم آگے بڑھاتا ہو نہ بھاگنے کیلئے پیچھے ہٹتا ہوا قتل کیا جائیگا وہ یقینی جنت میں داخل ہوگا۔ عمر بن حمام جو اسوقت اپنے ہاتھوں میں کھجوریں لئے کہا رہے تھے۔ کہنے لگے واہ واہ اتو میرے داخلہ جنت میں کوئی شے حائل نہیں ہو سکتی میں خوش ہوں اب یہ قوم مجھے قتل کردے یہ کہکر کھجوریں تو اپنے ہاتھ سے پھینکدیں اور تلوار لیکر لشکر کفار میں جا پڑے اور یہ رجز پڑھنے لگے میں تو اپنے خدا کے پاس بغیر کسی توشہ کے چلتا ہوں اور میرے پاس کوئی توشہ سوائے تقوی عمل آخرت اور خدا کی راہ میں جہاد کرنیکی مصیبت پر صبر کرنیکے سوا نہیں ہے غنیم سے تعاقب کئے

وقتلہ خالد ابن الاعلم العقیلی | اور مارے گئے۔ خالد بن اعلم عقیلی نے انکو شہید کیا۔

عوف بن حارث انصاری کی دلیرانہ شہادت

جنگ کی عین گرم بازاری میں جب طرفین سے شدید حملات ہو رہے تھے عوف بن حارث انصاری جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایکبار جوش شجاعت اور وفور خلوص و عقیدت سے سرشار ہوکر عرض خدمت کرنے لگے۔ طبری ان کے الفاظ تقریر یہ لکھتے ہیں۔

یارسول اللہ صلعم ما یضحک الرب من عبدہ قال غمسہ یدہ فی العدو حاسرا۔ طبری ۱۳۲۲ | یارسول اللہ بندہ کی کونسی ادا پروردگار کو خوش کردیتی ہے ارشاد ہوا دشمنان خدا سے بغیر سلاح جنگ برہنہ ہوکر دست وگریباں ہوجانا

مخبر صادق کی زبان صداقت ترجمان سے آنا سننا تھا کہ

فقذع درعا کانت علیہ فقذفہا ثم اخذ سیفہ فقاتل القوم حتی قتل طبری ۱۳۲۲۔ | اس شیر دل نے سلاح جنگ جو پہنے ہوئے تھا اتار کر پارہ پارہ کر ڈالی اور پھینکدی اور تلوار اٹھا کر کفار سے لڑنے لگا یہاں تک کہ مارا گیا

عمیر ابن ابی وقاص کمسن مجاہد کی دلیرانہ شہادت

عمیر ابن ابی وقاص جو کمسن ہونیکے باعث شریک لشکر نہیں کئے جاتے تھے لیکن جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی گریہ وزاری سنکر اجازت دیدی تھی۔ میدان جنگ میں باوجود کمسنی کے اظہار شجاعت سے باز نہ رہے کفار سے لڑے اور مارے گئے۔ امام سہیلی کے قول سے عاص بن سعید نے اور علامہ ابن حجر کی روایت سے عمرو بن عبدود نے انکو شہید کیا زرقانی ص ۵۳۵

سعد بن خثیمہ اور مبشر بن منذر کی شہادت

ان جانبازان اسلام کی فہرست میں دو بزرگان انصار کے نام نامی اور قابل ذکر ہیں ایک سعد بن خثیمہ دوسرے مبشر بن منذر انصاری۔ سعد بن خثیمہ کی عظمت شان علامہ زرقانی کے بیان سے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

سعد بن خثیمۃ احد النقباء بالعقبۃ الصحابی بن الصحابی الشھید بن الشھید قیل قتلہ طعیمہ بن عدی وقیل عمرو بن عبدود واستشھد ابوہ (خثیمہ) یوم احد۔ | سعد بن خثیمہ طبقہ نقباء میں تھے۔ عقبہ میں بیعت اسلام لائے تھے خود بھی صحابی تھے صحابی کے بیٹے تھے شہید تھے اور شہید کے بیٹے تھے انکو طعیمہ بن عدی نے اور بروایتے عمرو ابن عبدود نے قتل کیا ص ۵۳۵ انکے باپ (خثیمہ) احد میں شہید ہوئے۔

ہم نے ان سرفروشان اسلام کے جانبازانہ اور فدائیانہ خدمات لکھکر اپنے سلسلہ بیان سے صرف ایک رخ ہونیکا عیب مٹادیا اور اپنے ناچیز اور ناقابل قدر بیان میں ان مجاہدان راہ خدا کی کامل لاایمانی ثبات و پاداری اور ہمت وجگرداری کی بے نظیر مثالیں دکھلادیں جو دنیا کے فانی اور منچلے نوا انکے کارنامے اوں میں کیا لوح محفوظ رب العباد میں ابدالآباد تک قدیم اور محفوظ رہیں گی ان شاء اللہ

جنگ بدر کے اصلی | جنگ بدر کے حالات وواقعات ختم ہوگئے فاتحان اسلام فوج کفار کو شکست کامل دیکر آئندہ

ہیرو حضرت علی مرتضیٰ ہیں

جہاد فی سبیل اللہ کی خدمات کے متعلق رہے انکی دلیرانہ اور شجاعانہ حالات اور نیز شہیدان بدر کے سرفروشانہ اور جانبازانہ واقعات جو انھوں نے اپنی جانیں دیکر اپنے بعد دنیا میں بہترین یادگاریں چھوڑیں۔ ایک ایک کر کے ہم نے بیان کر دئے۔

محققین ان مبارزین اسلامی کے تفصیلی کارناموں کو پیش نظر رکھکر مجاہدین بدر کی خدمات میں موازنہ کرینگے تو بالآخر انکو بھی شبلی صاحب کی طرح یہ کہکر اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ اسلام کی اس عظیم الشان جنگ کے فاتح (ہیرو) اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ثابت ہوتے ہیں جنکی فاتحانہ خدمات کی نسبت امام دولابی لکھکر بتا چکے ہیں لا ینصرف حتی یفتح علیہ کسی غزوہ سے تاوقتیکہ فتح نہ فرمالیتے تھے۔ واپس نہ آتے تھے ارجح المطالب مطبوعہ لاہور صفحہ ۵۵۲۔

مقتولین بدر کا دفن

تفصیل جنگ کو تکمیل تک پہونچا کر ہم میدان جنگ کے دوسرے واقعات کے بیان کیطرف رجوع کرتے ہیں جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور قریش کے لشکر گراں نے شکست کامل اوٹھائی انکے بڑے بڑے نبرد آزما اور شجاع زمانہ قوم و قبائل کے سردار مع سوار مارے گئے۔ کفار کیطرف مقتولین کی تعداد ستر تھی اور مقیدین کی تعداد بھی ستر تھی اور مسلمانوں کی طرف چودہ آدمی شہید ہوئے۔ ۶ مہاجرین اور آٹھ انصار مشرکین قریش شکست کے جو پکڑے گئے پکڑے گئے باقی بھاگ گئے۔

غنیم سے جب میدان قتال بالکل خالی ہو گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ میں خود تشریف لائے اور سب سے پہلا کام جو آپ نے کیا وہ جانبین کی مقتولین کی آخر خدمات تھیں۔ ہر شخص رحمت عالم کی رحمدلی درد مندی کے اصول اور اس خلق مجسم کی رقت قلبی کے اس معمول سے خوب واقف تھا۔ کہ آپ جہاں کہیں کسی میت کو افتادہ پاتے تھے اُسکو فوراً زمین میں دفن فرما دیتے تھے میت تو میت استخوانہائے افتادہ تک کے ساتھ بھی یہی عمل کیا جاتا تھا۔ اس بنا پر کیسے ممکن تھا۔ کہ کفار کیطرف والے مقتولین بدر اخلاق و ہمدردی کے اس فیضان علم سے محروم رکھے جاتے شہدائے بدر کی چونکہ تعداد بہت قلیل تھی شمار میں کل چودہ تھے انکی خدمات سے جلد فراغت ہوگئی تو فوراً کشتگان مشرکین کیطرف توجہ فرمائی گئی۔ چونکہ وہ تعداد میں زیادہ تھے اور سب کو جدا جدا دفن کرتے وقت بھی زیادہ درکار تھا اور جنگ سے تھکے ہوئے مسلمانوں کو محنت اور مشقت بھی زیادہ کرنی ہوتی اسلئے ایک قریب کے کنوئیں میں کفار کی لاشوں کو اٹھوا کر دفن کرا دیا گیا[ف۵] اور کنوئیں کے مونہہ کو پتھر اور مٹی سے بھر کر سطح زمین کے برابر کرا دیا گیا صرف امیہ بن خلف کی لاش بگڑ جانے

ف۵ افسوس مسلمانوں نے شہیدان کربلا کیساتھ جو ہیں ہی رسول صلعم کے جگر پارہ تھے اتنا بھی نہ کیا جتنا کفار کی لاشوں کے ساتھ بدر میں کر چکے تھے ان کو برہنہ تن اور طعمۂ جانوران بنائے جانیکی جگہ کم سے کم کسی غار میں ڈالدیا ہوتا۔ یا دریا قریب تھا اسی میں بہا دیا ہوتا۔ ساٹھ ہی برس کی مدت میں مسلمانوں نے رسول اللہ صلعم کی تعلیم و آپ کے شعار اخلاق کو ایسا بھلا دیا۔ فاعتبروا

المولف عفی عنہٗ

کے باعث اٹھانے کے قابل نہ رہی تھی۔ اسلئے وہیں تہ زمین کردی گئی۔

شبلی صاحب کی عجلت رقمی بہت سے قابل الذکر حالات کو چھوڑتی چلی جاتی ہے حالانکہ وہ تمام تاریخوں کے شاہدات متفقہ ثابت ہوتے ہیں چنانچہ دفن مشرکین کے ذکر میں ابو حذیفہ بن عتبہ کا واقعہ اُنکی کامل الایمانی اور راسخ الاعتقادی کی شان کو دوبالا ثابت کر رہا ہے۔ ابن ہشام نے الفاظ ذیل میں اسکی تفصیل کی ہے۔

لما امر رسول الله صلعم ان یلقوا فی القلیب اخذ عتبة بن ربیعة فسحب الی القلیب فنظر رسول الله فیما بلغنی فی وجه ابو حذیفة فاذا هو کئیب قد تغیر فقال یا ابا حذیفة لعلك قد دخلك من شأن ابیك شئ او کما قال صلی الله علیه و آله وسلم فقال لا والله یا رسول الله ما شککت فی ابی ولا فی مصرعه ولکننی اعرف من ابی رایا وحلما وفضلا فکنت ارجو ان یهدیه ذلك الی الاسلام فلما رایت ما اصابه وذکرت ما مات علیه من الکفر بعد الذی کنت ارجو له احزننی ذلك فدعا رسول الله صلعم بخیرا وقال له خیرا۔ ص ۲۳ مصر

جناب رسولخدا صلعم نے جب مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو کنوئیں میں لا لاکر جمع کریں تو عتبہ بن ربیعہ کی لاش کو لوگ زمین پر کھینچے لائے تو ابو حذیفہ کو باپ کے لاشہ کو اس حال سے لاتے ہوئے دیکھکر ملال ہوا جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اسکے چہرے سے آثار حزن و ملال پہچانکر پوچھنے لگے کہ اے ابو حذیفہ کیا تم کو اپنے باپ کیطرف سے کچھ دلمیں خیال آیا ہے۔ جونہی جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوال کیا ابو حذیفہ نے جوش عقیدت سے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ قسم خدا کی اسلام کیطرف سے مجھے خس بھر بھی شک نہیں لیکن مجھے اتنا خیال البتہ ہے کہ میرا باپ صاحب رائے تحمل صاحب آداب و کمال تھا۔ اور اسکی ان صفات سے مجھکو ہمیشہ اُمید قوی تھی کہ وہ اسلام کی خوبیوں کو خود سمجھکر مشرف باسلام ہو جائیگا لیکن خلاف اُمید میں نے دیکھ لیا کہ دولت اسلام سے مشرف نہ ہونیکی وجہ سے بالآخر اسکی کیا حالت ہوئی۔ اور یہ اسکے کفر مرنے کا نتیجہ ہے یہ سُنکر آنحضرت صلعم نے ابو حذیفہ کے لئے دعائے خیر کی اور اسکو کلمات خیر سے یاد و ثنا و فرمایا۔

اسکے بعد ابن ہشام بیان کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم مدفن کافرین پر کھڑے ہوئے۔ اور عبرت انگیز انداز و طریقہ سے گویا مقتولین مشرکین کو مخاطب کر کے یہ کلمات عبرت ارشاد فرمائے۔

یا اهل القلیب بئس عشیرة النبی کنتم لنبیکم کذبتمونی وصدقنی الناس فاخرجتمونی واوانی الناس وقاتلتمونی ونصرنی الناس ثم قال وجدتم ما وعدکم ربکم حقا ص ۲۲ جلد دوم طبری ص ۱۳۲۳

اے افتادگان چاہ تم اپنے نبیؐ کے لئے کیسے بُرے عزیز اور قرابتمند ثابت ہوئے تم نے مجھے جھٹلایا۔ اور غیر لوگوں نے میری تصدیق کی تم نے مجھے گھر سے نکال پھینکا۔ اور غیروں نے مجھے پناہ دی تم میرے قتل پر آمادہ ہوگئے غیروں نے میری نصرت و حمایت کی۔

آپ نے فرمایا تم بالآخر وہ امر پا گئے جس کا خدا نے تم سے سچا وعدہ فرمایا تھا۔

اسیران بدر کے ساتھ ترحمانہ سلوک

ان امور سے فراغت پا کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیدیان قریش کی طرف متوجہ ہوئے پہلے وہ ایک ایک کر کے شمار کیے گئے۔ جو ابن ہشام کی تعداد کے موافق تینتالیس ۴۳ تھے جنمیں آنحضرتؐ کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب برادر عم زاد عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور ابو العاص شوہر حضرت زینب بھی داخل تھے۔ سر دست ان لوگوں کا اسوقت کوئی تصفیہ فرما دینا مناسب نہ سمجھا گیا بلحاظ دخیال قرابت فیہجتی تمام۔ اسیروں کو دو دو چار چار کر کے انصار ومہاجرین کے سپرد کر دیا گیا کہ ہر شخص اپنے همراہی قیدی کو اپنی خراست میں راحت و آرام سے رکھے۔

رسولؐ کا حکم کافی تھا۔ اور اسلام کی عام ہمدردی کی تعلیم کا مقتضی بھی یہی تھا۔ جو فاتحین اسلام نے اپنے معتقدین کی راحت رسانی کی خدمات میں اختیار کیا۔ تمام تاریخ وحدیث کی کتابوں کا یہ متفقہ بیان ہے کہ اسوقت سے بیکہ جب تک اسیران قریش مدینہ میں مہاجرین وانصار کے پاس رہے صحابہ کا برابر قاعدہ رہا کہ گھر میں جو کھانا پکتا تھا تو وہ قیدیوں کو کھلا دیا جاتا تھا۔ اور خود کھجوریں کھا کر رہجاتے تھے۔ ابو عزیز جو مصعب ابن عمیر کے بھائی تھے۔ وہ بھی قید ہو کر آئے تھے اور ایک انصاری صحابی کی حوالگی میں دیے گئے تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ انصاری جب صبح وشام کھانا لا کر سامنے رکھتے آپ بھی ساتھ بیٹھ جاتے تو روٹی وغیرہ میرے سامنے رکھدیتے اور خود کھجوریں اپنے ہاتھوں میں اوٹھا لیتے اور کھانے لگتے۔ مجھکو اُن کے اس مکارم اشفاق سے ایسی شرم آئی کہ روٹی کو ہاتھ لگایا نہیں جاتا تھا وہ میری حالت دیکھکر کہتے کہ میں نے تمھیں روٹی اسلئے دی ہے کہ تم لوگ خورش غلہ کے خوگر ہو بخلاف تمہارے ہم کھجوروں کے عادی ہیں کیونکہ ہمارے علاقہ میں کھجوریں کثرت سے ہوتی ہیں۔ میں انھیں خوشی سے کھا سکتا ہوں اور تم نہیں۔ میں تاہم اصرار کر کے روٹیاں اُنھیں کے ہاتھ میں دیدیتا۔ لیکن وہ منت وسماجت کر کے پھر مجھی واپس کر دیتے۔ طبری ج ۳ ص ۱۳۔

یہ بھی اسلام کی ہمدردی کی تعلیم عام اور معلم الاسلام علیہ السلام کے احکام وتاکید کی تاثیر۔ اسیران بدر جب ملاحظہ کے لئے پیش ہوئے تو اکثر کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ جتنے بھی تو جنگ وپیکار کی کشمکش سے پارہ پارہ ہو کر پہننے کے قابل نہیں رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق عظیم آپکی برہنگی کو کب گوارا کر سکتا تھا صحابہ کو فوراً حکم ہوا انھیں کپڑے پہناؤ۔ تب اپنے اپنے ہمراہیوں کو۔ فوراً حکم کی تعمیل ہونے لگی۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ کا لباس بھی پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ اور کسی طرح استعمال کے قابل نہ تھا۔ اکثر صحابی اپنا کرتہ دینے پر طیار ہو گئے۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ آپ اسقدر طویل القامت تھے کہ کسی کا کرتہ آپکے بدن پر ٹھیک نہیں آتا تھا۔ اتفاق سے عبداللہ ابی سلول رئیس المنافقین نے اپنا کرتہ منگوا کر حضرت عباسؓ کو پہنایا تو بالکل ٹھیک آ گیا۔

امام بخاری لکھتے ہیں عبداللہ بن ابی سلول کو اپنے کرتہ کا کفن جو عنایت فرمایا گیا تھا۔ وہ اسکے اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ بخاری ص ۴۴۲۔

انھیں قیدیوں میں عرب کا شیریں زبان اور سحرالبیان شاعر سہیل ابن عمر بھی شامل تھا یہ شخص تمام عرب میں آنحضرت صلعم کی مخالفت پر اپنی خوش بیانی سے نئی نئی تقریریں کیا کرتا تھا۔ جب یہ شخص سامنے لایا گیا تو حضرت عمرؓ کو جوش آگیا۔ فوراً عرض کی کہ یا رسول اللہ اس دریدہ دہن کے دونوں نچلے دانت اکھڑوائے جائیں کہ اُسکی آواز عیب دار اور تقریر بیکار ہو جائے۔ اس رحم مجسم نے ارشاد فرمایا اے عمرؓ اگر میں اُسکا کوئی عضو بگاڑوں (مثلہ کرنا) تو یاد رکھو اگرچہ میں نبی برحق ہوں اور معصوم۔ لیکن خدا کے منتقم اسکے بدلہ میں میرے اعضا بھی بگاڑ دیگا طبری ص ۱۳۴۴

انہیں سہیل ابن عمر کی نسبت تاریخوں نے یہ بھی لکھ کر بتلا دیا ہے کہ یہ حضرت ام المومنین سودہ کے عزیزوں میں تھے مدینہ میں جب آئے اور اُن محترمہ کی نظر اُنپر پڑی اور انکو اس صورت سے دیکھا کہ ہاتھ پاؤں بندھے ہیں تو ایک شجاعانہ انداز میں بیساختہ کہہ اٹھیں کہ تم نے باشکستہ عورتوں کی طرح بیڑیاں تو پہن لیں مگر تم سے یہ نہ ہو سکا کہ مردانہ وار تلوار سے کر میدان جنگ میں کٹ مرتے۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۳۔

تاریخ و سیر کا متفقہ بیان ہے کہ ان تمام انتظاموں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ رات (اٹھارویں رمضان کی شب) وہیں جنگاہ بدر میں صرف کی طبری کا بیان ہے کہ ان تمام امور انتظام سے فراغت فرما کر جب آپ فرش خواب پر آرام فرمانے گئے تو اپنے عم محترم حضرت عباس ابن عبدالمطلب کے کراہنے کی آواز سنی دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ ہاتھوں کے بندھنے سے اُنھیں تکلیف ہے آپ یہ سنکر تھوڑی دیر تک خاموش رہے لیکن قلب مبارک بیچین رہا۔ اور بیچینی سے نیند نہ آئی صحابہ جو خدمت میں حاضر تھے آپکو بیچین دیکھکر بیچینی کا سبب پوچھنے لگے تو ارشاد ہوا کہ چچا کی کراہ سونے نہیں دیتی میں نہیں چاہتا کہ محض خصوصیت کی بنا پر اصول عدالت اور معمول مساوات سے تجاوز کروں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اُس شخص سے جسکی حراست میں وہ مقید ہیں میری طرف سے کہدو کہ رات بھر کے لئے اُنکے ہاتھ کھولدے کہ وہ بھی آرام سے سو جائیں اور میں بھی صحابہ فوراً اُٹھے اور اُس مرد انصاری سے کہکر حضرت عباس کے ہاتھ کھلوا دئے۔ ہاتھ کے کھلتے ہی حضرت عباس نے بھی نیند سے آنکھیں بند کریں اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سو گئے۔ طبری ص ۱۳۴۱۔

رزمگاہ بدر سے مراجعت اور مدینہ منورہ میں داخلہ

دوسرے دن رزمگاہ بدر سے کوچ ہوا۔ منزل روحا میں جو بدر سے واپسی میں آخر منزل اور مدینہ سے آنے میں اول منزل تھی پہونچکر حضرت عبیداللہ بن الحرث بن عبدالمطلب نے انتقال فرمایا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس شہید راہ خدا کو وہیں مدفون فرما دیا گیا۔ اور یہ بزرگ اسوقت تمام بنی ہاشم میں کبیرالسن تھے اور شہادت کے وقت ان کا سن چونسٹھ برس کئی مہینہ کا بتلایا گیا ہے۔ زرقانی

انکی آخری خدمات سے فارغ ہوکر لشکر اسلامی نے کوچ کیا۔ روانگی سے پہلے زید بن حارثہ کو مدینہ منورہ میں فتح اسلام کی اشاعت و اعلان کے لئے روانہ کر دیا گیا تھا۔ یہ عین اسوقت پہونچے جب حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمانؓ کی میت مدفون کیجارہی تھی۔ اور تمام مسلمان یکجا موجود تھے۔

زید نے جب مژدہ فتح سنایا۔ تو اسامہ خود ان کے بیٹے کا بیان ہے کہ کسی فرد واحد کو اسلام کی اس عظیم الشان فتح کا یقین نہ آیا کیونکہ وہ لشکر اسلام کی قلت تعداد کمی سامان محاربت اور برخلاف انکے قریش کی کثرت فوج اور ساز وسامان کی افراط سے خوب واقف تھے اسامہ کہتے ہیں اور تو اور لوگ تھے مجھکو خود اپنے باپ کے بیان پر اعتبار نہیں آیا تو میں نے پھر دوبارہ اُنسے پوچھا کہ کیا آپ سچ بیان کرتے ہیں کہ ستر سرداران قریش مارے گئے اور تینتالیس اسیر کفار مقید ہوکر مدینہ آرہے ہیں اور کل صبح تک داخل شہر ہو جائینگے۔ میرے باپ نے میرے اور تمام حاضرین کے روبرو شرعی قسم کھائی۔ تاہم اکثر لوگونکو احتمال باقی رہا اور وہ یہی کہتے چلے گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ روضۃ الاحباب محمد شیرازی صفحہ ۲۳۷۔

دوسرے دن موکب رسالت کا شہر میں داخلہ تھا۔ ہرشخص نے فرط مسرت سے جاگ کر رات کاٹی خدا خدا کرکے صبح ہوئی تمام اہل اسلام فریضۂ سحری سے فارغ ہوکر درود پڑھتے ہوئے جناب رسولخدا صلعم کے استقبال کیلئے بیرون شہر جمع ہوئے بعض شائقین چاہ ابی عنبہ تک ایک میل آگے بڑھ گئے۔ دن نکلتے نکلتے کوکب رسالت جنود اسلام کیساتھ نمودار ہو جانبین سے نعرہائے تکبیر بلند ہوئے جب لشکر اسلامی قریب آگیا تو معتقدین فرداً فرداً قدمبوس رسالت ہوئے اور مجاہدین سے معانقہ و مصافحہ کے بعد آنحضرت صلعم کی رکاب میں داخل شہر ہوئے۔

یہاں بھی مسلمین شائقین کی وہی کثرت تھی۔ ہر عقیدتمند شرف قدمبوسی سے شرف دارین حاصل کرتا جاتا تھا اور وہ خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیٰ قدر مراتب ہرشخص کے اظہار عقیدت کے جواب میں اپنی طرف سے انکی تصدیق خلوص وعقیدت فرمایا جاتا تھا۔

تائید غیبی کے چشم دید واقعات

اس اثنا میں دو چار صحابہؓ آپسمیں ملکر وقوعات جنگ کا تفصیلی ذکر کرنے لگے ایک مجاہد اسلام نے اپنی سرگذشت بیان کرکے کہا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں خود نہیں معلوم ہماری فتح کیونکر ہوئی ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ فتح وکامیابی ہماری زور وقوت یا سعی وکوشش کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ محض تائید غیبی تھی اور مشیت الٰہی کی توفیق تھی۔ ثبوت میں ہمارے مشاہدات عینی موجود ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ میدان جنگ میں ہم اپنے مقابل پر جب حملہ آور ہوتے تھے تو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ قبل اسکے کہ ہم اپنی تلوار سے اُسے قتل کریں اسکو مقتول پاتے تھے اور اگر کوئی مقابل تاب مقابلہ نہ لاکر سامنے سے بھاگ جاتا تھا۔ اور ہمکو اسکا تعاقب کرنا ہوتا تھا۔ تو ہمارے پہونچنے سے پہلے ہم اسکو زمین پر مردہ پاتے تھے حالانکہ ہم نہ مقابلہ والے معاملہ میں کسی مارنیوالیکو دیکھتے تھے۔ اور تعاقب والے واقعہ میں دشمن کا کوئی قاتل ہمیں دکھلائی دیتا تھا اسی طرح کفار کے قید کرتے وقت معاملات پیش آئے جس مفرور کے پکڑنے کے لئے ہم دوڑتے تھے پہونچنے سے پہلے

ہم اسکو وہاں دستو بستہ پاتے تھے۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ ہم اپنے سے دونے اور سہ گونے پہلوانان قریش کو بلا تکلف مقید کر لیتے تھے جیسے کوئی ان کے قید کرنے میں ہماری معاونت اور مشارکت کر رہا ہے۔

ان لوگوں کے نقل و بیان کو جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سُن رہے تھے۔ آپ اُنکی طرف مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے وہ ملائکہ مقربین تھے جو تمہاری نصرت و حمایت کیلئے خدائے سبحانہٗ تعالیٰ کیطرف سے خاص طور پر نازل فرمائے گئے تھے طبری صفحہ ۱۳۳۵۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۳۔

قران مجید ان مشاہدات کا اجمالاً خود ان الفاظ میں شاہد ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○	جب تم اپنے خدا سے فریاد کر رہے تھے۔ اُسنے تمہاری سُن لی (اور کہا) میں تمہاری مدد لگاتار ہزار فرشتوں سے کرونگا۔
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○	یقیناً خدا نے بدر کے دن تمہاری مدد کی جب تم کمزور تھے تو خدا سے ڈرو تاکہ شکر گذار بنجاؤ۔

شبلی صاحب نے ان واقعات کو عمداً مرفوع القلم فرمادیا۔ کیوں یوروپین محققین کی تعریض کے خوف سے اور نیز اس خیال سے کہ ان واقعات کے لکھنے سے آپکی تالیف فلسفہ تاریخی کے معیار سے نیچے اتر آئے گی۔

افسوس ایک اسلامی مولف عیسائی مولفین کی تعریض اور عیسائی تالیفات کی عدم تقلید کی دہشت سے کانپا جاتا ہے اور سلف صالحین کی تقلید و اتباع کا قلادہ اپنی گردن سے اتار کے پھینکتا ہے۔ اور اس بندہ خدا کو ذرا خیال نہیں آتا کہ ان واقعات کے اسقاط و اخفاف سے عیسائی مولفین اور اُنکی تالیفات کی پوری تقلید تو ہو جاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ قرآن مجید کی تکذیب بھی ظاہر ہو جاتی ہے نعوذ باللہ۔

اور اگر یہ سبب خاص نہیں ہے تو پھر باوجود اسکے کہ آپکی تمام قدیم تاریخ۔ سیرت حدیث تفسیر کی کتابوں میں یہ واقعات موجود ہیں اور آپکا خدا بھی اپنے کلام پاک میں انکی واقعیت اور حقیقت کی تصدیق کرتا ہے اور آپ کا رسُول برحق بھی عین موقع پر ان واقعات و مشاہدات کے بیان کرنیوالوں کی توثیق فرماتا ہے تو پھر آپ کے لئے ان واقعات کو بیان کرنے سے کون شے مانع آتی ہے؟ کیا آپ یا آپ کیطرف سے کوئی مرد مسلمان آپ کی اس فروگذاشت کے لئے کوئی وجہ معقول اور کوئی عذر قابل قبول پیش کر سکتا ہے۔

شبلی صاحب کی حیلۃ التعلّی کی حقیقت کا ہم تمام ایسے مقامات پر پورا انکشاف کرتے جاتے ہیں۔ اور یہاں بھی ہمکو وہی ضرورت لاحق ہے شبلی صاحب نے تو کمال احتیاط سے ان واقعات کو اصل کتاب سے نکال پھینکا۔ اور اشارتاً و کنایتاً بھی اسکا ذکر نہیں آنے دیا اسلئے کہ روحانیات کے ذکر و مذکور سے آپ کی فلسفانہ تالیف کی کسر شان ہوتی تھی۔ لیکن اسی روحانیت کی حقیقی قوت کا زبردست ہاتھ ایسا ہی قوی تھا کہ اس نے آپ ہی کے دست و قلم سے آپکی اسی کتاب میں لکھوا ہی چھوڑا۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد اول

کے صفحہ ۲۴۵ پر یہ سرخی قایم کیگئی ہے۔ غزوہ بدر کا بیان قرآن میں؟ تمام آیات قرآنی جنمیں بدر کے حالات مذکور ہیں لکھے گئے ہیں انہیں مرقومہ بالا دونوں آیتیں موجود ہیں اس ترتیب سے کہ آیہ اول تو صفحہ ۲۴۶ سطر ۱۳ میں مرقوم ہے اور آیہ دوم صفحہ ۲۴۹ سطر ۱۶ میں مسطور ہے۔

آپ قرآن مجید سے ان روحانی نصرت وحمایت کے شواہد تو نقل کرتے ہیں لیکن انکو اپنے سلسلۂ بیان میں لکھنا نہیں چاہتے گویا نعوذ باللہ انکی اصلیت اور واقعیت آپ پر مشتبہ ہے۔ اس صورت حال کو مشاہدہ کرنے کے بعد کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی سچے اور وفادار ایمان مولف کی یہ شان تحریر ہے اور عنوان تالیف۔ لاحول ولاقوۃ۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ مقیدین قریش دو دو چار چار کرکے پہلے ہی مہاجر و انصار کی سپردگی وحراست میں دیدئے گئے تھے یہ صرف وقتی انتظام تھا۔ مدینہ منورہ میں تشریف لاکر مقیدین کے خاطر خواہ انتظام کی طرف توجہ فرمائی گئی۔ ان میں سے صرف دو آدمی عقبہ بن معیط اور نضر بن الحارث داخلہ مدینہ سے پہلے ہی قتل کردئے گئے تھے اور ان دونوں شریر النفسوں کی عملی سزا انکی بد اعمالیوں کی جزا کے مقابلہ میں کچھ نہیں تھیں۔ انکی مفسدہ انگیزیاں اتنی بڑھگئیں تھیں کہ انکی ناپاک ہستیوں سے دنیا کو بہت جلد پاک وصاف کردینا ہی امن ملک اور امان قوم کیلئے مفید اور ضروری تھا باقی اسیروں کے معاملہ میں صحابہ کا استمزاج لیا گیا حضرت ابوبکرؓ نے صلاح دی کہ عرب کے قدیم دستور کے مطابق فدیہ لیکر چھوڑ دئے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا سب کے سب قتل کردئے جائیں۔ اور اس خصوصیت کیساتھ کہ عباس کو حمزہؓ اور عقیل کو علیؓ اسی طرح ایک عزیز دوسرے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرکے یہ ثابت کردے کہ حصول اسلام کے بعد کفار ومشرکین کیساتھ پھر کوئی قرابت وخصوصیت کی رعایت قائم نہیں رہتی۔

حضرت عمرؓ کی رائے استیصال کفر کی بنا پر چونکہ بہت شدید تھی اور اصول اخلاق ومروت سے بہت بعید اسلئے انکی رائے سے اتفاق نہیں کیا گیا بلکہ بخلاف انکے حضرت ابوبکرؓ کی صلاح کو پسند کرکے مقیدین کو فدیہ لیکر چھوڑ دئے جانیکا حکم دیا گیا۔ ملک وقوم کے قدیم دستور وآئین کے مطابق حکم پاتے ہی مقیدین اپنے فدیہ ادا کرکے بلا عذر وتامل رہا ہوتے گئے۔ اور اپنے اپنے مقام وسکن کو واپس ہوتے گئے۔ جن کے پاس رقم موجود نہیں تھی انھوں نے اپنے اعزہ کو رقم فدیہ لیکر طلب کیا اور انکی آمد تک یہ لوگ ٹھہرے رہے جو لوگ مقیدین میں بالکل نادار تھے اور کسی طرح سے رقم فدیہ نہیں ادا کرسکتے تھے لیکن پڑھنے لکھنے کی صنعت جانتے تھے ان لوگوں کے لئے یہ حکم خاص نافذ فرمایا گیا کہ یہ صحابہ کو جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے فن کتابت تعلیم کریں اور تعلیم کتابت پوری کردینے کے بعد وہ رہا کردئے جائیں انکی یہی خدمت انکا فدیہ قرار دیجائیگی۔ اس تجویز سے بہت سے مہاجر وانصار نے تھوڑے دنوں میں ان لوگوں سے فن کتابت حاصل کرکے لکھنے پڑھنے میں پوری مہارت پیدا کرلی۔ زید بن ثابت وغیرہ انھیں لوگوں میں تھے۔

حضرت عباس کا قبول اسلام

انہیں فدیہ دینے والوں میں حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ یہ بزرگ روسائے بنی ہاشم میں جیسے خوشحال تھے وہ ہر شخص کو معلوم تھا۔ ان سے فدیہ لینے کیلئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا گیا۔ تو ارشاد ہوا کہ ان سے یکبارگی چار فدیے لئے جائیں ایک انکا خاص دوسرا انکے بھتیجے عقیل بن ابی طالب کا تیسرا انکے دوسرے بھتیجے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کا چوتھے ان کے حلیف عتبہ بن جحدم کا حضرت عباس اس حکم سے چیں بجبیں ہوئے۔ اور کہا کہ میں تو مسلمان ہوں مجھ سے فدیہ کیسا۔ ارشاد ہوا قلوب کا حال خدا کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا۔ اسوقت بظاہر آپ کفار کے شریک تھے اور انہیں کیساتھ اسیر ہو کر آئے ہیں یہ سنکر حضرت عباس بولے میرے پاس اسوقت تو کچھ بھی موجود نہیں ہے کیا تم اسے گوارا کروگے۔ کہ تمہارا چچا اپنی ناداری اور تنگدستی کی موجودہ حالت میں ادائے فدیہ کیلئے دوسروں کے آگے دست سوال پھیلائے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ چچا حقیقتاً آپ فضل خدا سے کسی وقت اور کسی مقام میں نادار نہیں کہے جاسکتے ابھی تو آپکے پاس ایک رقم کثیر اس کی ہے جو مکہ سے چلتے وقت ام الفضل کی تحویل میں یہ کہکر رکھوائی گئی ہے۔ کہ اگر آپ لڑائی سے واپس نہ آئینگے تو وہ انکے اور انکے چار بیٹوں میں تقسیم کیجائیگی۔

یہ سنتے ہی حضرت عباس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اور اسی ہیبت وجلال کے خاص عالم میں کہنے لگے محمد صلعم خدا شاہد ہے کہ میرے اس راز سے سوائے میرے اور تمہاری چچی کے کوئی دوسرا مطلق واقف نہیں تھا یہ تمہیں کس نے خبر کردی یہ کہکر اسی جلال وسطوت روحانی کی عین حالت میں حضرت عباس بے اختیار پکار اٹھے اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ انکے اقرار شہادت پر مسلمانوں کی موجودہ جماعت میں تکبیر کے متواتر نعرے بلند ہوئے اور تکبیر کی آوازوں سے سارا مدینہ گونج اٹھا۔

حضرت عباس کے ان حالات کے متعلق اتنا اور اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت عباس نے ادائے فدیہ کے وقت چالیس اوقیہ[سلہ] (اوقیہ بمقدار ایک جو) طلاء جو مسلمانوں نے انکی گرفتاری کے وقت لے لیا تھا رقم فدیہ میں محسوب کرنا چاہا مسلمانوں نے مجرا دینے سے انکار کیا۔ آخر کار آنحضرت صلعم کے پاس یہ معاملہ پیش کیا گیا۔ آپ نے حضرت عباس سے کہا کہ وہ رقم خدا کیطرف سے غنیمت میں مسلمانوں کو عطا ہو چکی ہے۔ نصاب وحساب فدیہ میں محسوب نہیں ہو سکتی طبری ۱۳۳۵ یہ بھی رسالت کے عادلانہ اور غیر جانبدارانہ احکام جو ہر طریقہ اور ہر قرینہ سے اصول عدالت اور مساوات پر مبنی ہیں۔

ادائے فدیہ کا ایک دردانگیز واقعہ۔ ابوالعاص کا اسلام

اس سے بڑھکر فدیہ کا ایک اور دردانگیز واقعہ ہے اوپر لکھا جاچکا ہے کہ گرفتارین میں ابوالعاص حضرت زینبؑ کے شوہر بھی تھے جب انکے جائزہ کی نوبت آئی تو انکے پاس فدیہ دینے کے لئے کچھ

سلہ اوقیہ بتقریب و تخمینہ شبلی صاحب قیمتی دس روپیہ

بھی نہیں تھا۔ حضرت زینب مکہ میں تھیں آنحضرت صلعم نے اُنکے پاس کہلا بھیجا۔ کہ شوہر کے فدیہ کا انتظام کرکے بھیجدو۔ کہ وہ رہا کرکے گھر واپس کردئے جائیں حضرت زینب کا بیاہ ہوا تھا تو حضرت خدیجہ نے انکو ایک ہار جہیز میں دیا تھا غریب زینب نے وہی ہار بھیجدیا۔ جسوقت وہ ہار حضور میں پیش کیا گیا تو آنحضرت صلعم نے فوراً پہچان لیا جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی صورت اور اُس مجسم اخلاص دنیا کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ اور اس محترمہ معظمہ کو یاد کرکے بیساختہ چشم مبارک میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اسی عالم خاص میں دردآمیز انداز سے صحابہ سے مخاطب ہوکر ارشاد ہوا اگر تم مناسب سمجھو تو بیٹی کو ماں کی دی ہوئی چیز واپس کردو سب نے متفق اللفظ ہوکر عرض کی کہ ضرور واپس کردی جائے۔ اور ابوالعاص بھی رہا کردئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

الغرض ابوالعاص رہا ہوکر مکہ آئے حضرت زینب کو مدینہ بھیجدیا۔ اتفاق یہ کہ محل سے بعض ظالم قریش نے جانے میں مزاحمت کی راستہ میں سواری روکدی۔ مبارزین لیبار ایک ظالم نے انکی محل پر اس زور سے نیزہ مارا کہ ضرب کی دہمک سے انکا حمل ساقط ہوگیا۔ لیکن یہ غریب اسی حالت میں ظالمین سے جان بچاکر کسی نہ کسی طرح مدینہ میں پہونچگئیں۔

ابوالعاص کاروباری آدمی تھے۔ مکہ سے بغرض تجارت شام چلے گئے۔ وہاں سے مال تجارت بیچکر لوٹے تو راہ میں پھر مسلمانوں کے ایک دستہ نے گرفتار کرلیا۔ اور ایک ایک کرکے انکا سارا مال آپسمیں تقسیم کرلیا۔ ابوالعاص نے پھر مدینہ آکر حضرت زینب کے پاس پناہ لی۔ آنحضرت صلعم نے پھر صحابہ سے کہہ سنکر انکا تمام مال و اسباب انھیں واپس کرادیا۔ آنحضرت صلعم کے یہ متواتر اخلاق و اشفاق مراحمانہ ابوالعاص کے لئے تازیانہ ہوگئے۔ ابوالعاص مدینہ سے پھر مکہ میں آئے اور تجارت کے شرکار کو حساب وکتاب سمجھاکر پھر مدینہ کو واپس ہوئی تو اب علی الاعلان قریش سے کہتے آئے۔ میں ابکی بار مدینہ سے مکہ میں خاصکر اسی لئے آیا تھا کہ تمہارے حساب وکتاب تمہیں سمجھادوں اور تمہارے مطالبات صاف کردوں تاکہ تم لوگ یہ نہ کہو کہ ہمارے روپیہ کے تقاضہ کے خوف سے ابوالعاص مدینہ میں جاکر مسلمان ہوگیا یہ کہکر مدینہ میں آئے اور حسب الاقرار مشرف با سلام ہوگئے طبری ص ۱۳۴۸۔

جواز فدیہ کی معرکۃ الآرا بحث

حکم فدیہ کیمتعلق جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ سے مشورت اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی مخالف رائے ہم اوپر لکھہ چکے ہیں علمائے محدثین نے اور اُنکے دیکھا دیکھی مورخین اور سیرت کے مولفین نے بھی صرف شوریٰ کی اہمیت اور حضرت عمرؓ کی اصابت رائے کی خصوصیت کے ثبوت و تمہید کے لئے جانکی غرض خاص سے اس واقعہ کو خواہ مخواہ ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بنا رکہا ہے اور چونکہ اسکے متعلق قرآن مجید میں دو آیتیں خطاب ہدایت انگیز کے انداز میں مرقوم ہیں جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مجاہدین اسلام استیصال کفار کے

مقابلہ میں جو عمل عقبیٰ تھا حصول غنیمت اور وصول فدیہ کیطرف جس سے لوث دنیا طمع مال اغراض نفسانی معلوم ہوتے ہیں متوجہ ہونا نہیں چاہتا تھا پہلی آیت یہ ہے

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۔

کسی نبی کو جائز نہیں کہ بغیر اچھی طرح خونریزی کے ہوئے لوگوں کو قیدی بنائے

دوسری آیت یہ ہے ۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا

اگر خدا کا نوشتہ پہلے سے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا ہیں جو تم نے لوٹا ہے کھاؤ کہ تمہارے لئے حلال طیب ہے ۔

ان دونوں آیتوں کے آغاز مفہوم پر غور و تعمق سے نظر فرما کر اور تا آخر حکم جواز کے الفاظ و معانی سے قطع نظر کر کے علماء و محدثین نے عموماً اور انہیں بھی صحاح کے حضرات مولفین خصوصاً اصول عقائد کی بناپر امر شوریٰ کی عظمت اور صحابہ کی اصابت رائے کے اظہار و اثبات کیغرض خاص سے بلا لحاظ و امتیاز شان رسالت اور اقتدار نبوت جیسے جیسے موضوعات و مصنوعات میں دفتر کے دفتر سیاہ کئے ہیں وہ انھیں کی کتابوں میں دیکھنے کے قابل ہیں اور انتہے حد درجہ کی ظلم و تاویل تخیل ۔ دلقل اور ظن و قیاس مندرجہ بالا واقعات ۔ شوریٰ بالصحابہ اور اقوال و آراء صحابہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو ان آیتوں کے الفاظ قرآنی سے تطبیق دی ہے وہ حقیقت میں نگاہوں میں ایک مضحکہ انگیز سعی و کوشش سے زائد ثابت نہیں ہوتی ۔

افسوس ہے کہ ان موضوعات کی تفصیل ہمارے مقاصد تالیف سے بالکل علیحدہ ہے اسلئے اُنکی منقدانہ تفصیل سے ہم یہاں بالکل مجبور ہیں ۔ لیکن چونکہ شبلی صاحب نے بھی تقلید اسلاف اور استحفاظ عقائد کے اصول پر اس مسئلہ کو اگرچہ بمقابلہ دیگر محدثین کے نہایت اعتدال و احتیاط سے لکھا ہے ۔ اسلئے ہم کو کسی قدر اسکے انکشاف کر دینے کی مجبوری ہوئی ۔ ہم پہلے شبلی صاحب کی عبارت سیرۃ النبی ذیل میں نقل کرتے ہیں ۔ اسکے بعد تنقیدانہ انکشاف حقیقت پیش کرینگے

عام روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں آکر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جاوے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں ۔ فدیہ لیکر چھوڑ دئے جائیں لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے معاملہ میں دوست دشمن و بیگانہ اور قریب و بعید کی تمیز نہ تھی اس لئے اُنھوں نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دئے جائیں اور ہم میں ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی اور فدیے لیکر چھوڑ دیا ۔ اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیت اتری ۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اُس پر بڑا عذاب تم پر نازل ہوتا ۔

آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب ربانی سنکر رو پڑے ۔

یہ روایات تمام تاریخوں میں مذکور ہے۔ اور احادیث میں بھی موجود ہے لیکن سبب عتاب کے بیان میں اختلاف ہے ترمذی میں جو روایت ہے اسکا ماحصل یہ ہے کہ اسوقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہیں آئے تھے عرب کے عام دستور کے مطابق صحابہ غنیمت میں مصروف ہوگئے۔ اسی پر عتاب آیا لیکن چونکہ اسکے متعلق پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اسلئے یہ جرم معاف کردیا گیا۔ اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آیا حلال ہے۔ قرآن مجید میں عتاب کے بعد یہ الفاظ ہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا	جو تمنے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال وطیب ہے۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا وہ حلال کردیا گیا۔ اور وہ مال غنیمت تھا غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے ثابت ہے کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں۔

جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب گریہ دریافت کیا آپ نے فرمایا۔

ابكي الذي عرض على اصحابك من اخذهم الفداء	تمہارے بھائیوں نے جو فدیہ لیا اور خدا کی طرف سے پیش آیا اس پر رو رہا ہوں

غلط فہمی سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہیں کر ڈالا۔ اسی پر عتاب آیا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ	کسی نبی کو یہ مناسب نہیں کہ بغیر اچھی طرح خونریزی کئے لوگوں کو قید کرے

لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدان جنگ میں جبتک کافی خونریزی نہ ہو چکے قیدی بنانا مناسب نہیں اسلئے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کرتے گئے تو لڑائی کے بعد بھی قتل کئے جاسکتے ہیں۔

(سیرۃ النبیؐ جلد اول از صفحہ ۲۴۱ تا ۲۴۳)

شبلی صاحب نے اگرچہ بڑے حزم و احتیاط سے اس بحث کو لکھا ہے۔ لیکن تقلید اسلاف خصلان عقائد اور حمایت صحاح سے مجبور تھے تمام اعتراضات مخالفانہ میں صرف ایک تعرض کا جواب جو زیادہ تر عیسائی معترضین سے تعلق ہے دیکھے اور وہ بھی اتنے طولانی استدلال کے بعد بھی بناءً علی الاحتمال رہ گیا۔ اسلئے آپکی اتنی خامہ فرسائی بالکل بیکار ہوگئی آپکی اس تفصیل و تصریح سے نہ ان آیات کے اصلی مدعا نہ شان نزول ثابت ہو سکی۔ نہ عتاب خدا کی اصلی وجہ معلوم ہو سکی اور نہ یہ تحقیق ہو سکا کہ اگر یہ امر حقیقتاً عتاب تھا تو صرف عوام اہل اسلام جو جاہل سمجھے گئے وہی تنہا مجرم و ملزم تھے یا (نعوذ باللہ) رسول بھی ؟ جو نزول آیہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بیٹھا روتا ہوا بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ بھی ضرور داخل تھا۔ اور نہ اس گریہ بے سبب اور بیقراری و زاری بلاوجہی اور کسلئے ؟ ہمسے سنئے یہ تمام بیانات متعلق گریۂ رسول سراپا اتہام ہیں۔ پوچھئے کیوں ؟ توجیہ فوراً آتی ہے اول تو اس آیہ و افی ہدایہ کو خواہ مخواہ خطاب عتاب سمجھنا ہی عقل کی خوبی ہے آیہ اول میں صرف ہدایت کا خطاب ہے۔ عذاب ہے نہ عتاب ہے۔

ارباب احادیث و تفاسیر یا اصحاب سیر و تاریخ تو ابھی اپنے اپنے مقام پر ہیں۔ خود الفاظ قرآنی اسکے قطعی خطاب ہدایت ہونیکے شاہد ہیں اور لولا کتاب من اللہ کے الفاظ شرائطیہ میں صاف تصریح موجود ہے کہ یہ فعل جو مجاہدین اسلام سے اسوقت عمل میں آیا ہے وہ پہلے ہی سے منجانب اللہ مقدر ہو چکا تھا۔ ہاں ایسی حالتیں کہ اگر یہ خدا کی طرف سے اُنکے لئے نہ مقدر رہا ہوتا تو وہ البتہ وہ سزاوار عتاب تھے۔ تو اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ کے اصول عام کے موافق جب وہ شرط ہی باقی نہیں رہی تو مشروط بہ کا ذکر ہی کیا۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ صورت حال تھی تو خدا نے اسکا کیوں ذکر کیا۔ جواب یہ ہے چونکہ خداوند کریم کو مال غنیمت کے متعلق دستور قدیم کی تنسیخ منظور تھی۔ اور شریعت اسلام میں اموال غنیمت کی نسبت مدارج مستحقین اور نصاب تقسیم کے جداگانہ اصول و قواعد قائم کرنے تھے جنکی پوری تفصیل سورہ انفال جو بدر کے بعد ہی فوراً نازل ہوا موجود ہے۔ اس بنا پر رضائے الٰہی کا یہ مقصود کہ اہل اسلام تصرف اموال غنیمت میں نزول حکم الٰہی تک کا انتظار کر لیتے۔ مگر وہ منشار قدرت سے واقف نہیں تھے۔ اور نہ اونکو اسکی نسبت حکم امتناعی دیا گیا تھا اسلئے وہ اپنے دستور قدیم کے مطابق اسپر متصرف ہو گئے۔ چنانچہ انکی اسی لاعلمی کی بنا پر اونکی اس فروگذاشت کی معافی بھی فرمادی گئی۔ اور اُنکے لئے ان اموال غنیمت کا تصرف بھی حلال و طیب فرمادیا گیا۔

چنانچہ امام ترمذی نے جو تصریح کی ہے اور شبلی صاحب نے نقل فرمائی ہے وہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے اُنسے مجھے صرف اتنا ہی اختلاف ہے کہ امام موصوف باوجود ان تصریحات معترفانہ کے بھی ابھی تک اس آیہ کو آیہ عتاب سے تعبیر فرماتے ہیں حالانکہ آپکے الفاظ تصریحات سے اسکا صرف ارشاد ہدایات ہونا صاف صاف ثابت ہے۔

بہرحال۔ الفاظ قرآنی اور امام ترمذی کی (تصریحات (حدیث) دونوں سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیہ وانی ہدایہ عام اس سے کہ عتاب کے معنیوں میں شمار ہو۔ یا صرف خطاب ہدایت سے تعبیر کیا جاوے۔ اموال غنیمت کے تصرف میں بے احتیاطی اور عجلت کرنیکی وجہ سے مسلمانوں کی صرف آگاہی کیلئے نازل فرمایا گیا تھا۔

اسمیں (تصریح ترمذی) صرف غنیمت کا ذکر ہے۔ فدیہ کا کہیں مذکور نہیں لیکن صحیح مسلم نے غنیمت کے ساتھ فدیہ لینے کو بھی باعث عتاب میں داخل کر لیا ہے۔ اور سخت تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے محض تقلید اسلاف کی بنا پر ترمذی کے تصرف غنیمت اور مسلم کی وصولی فدیہ دونوں کو عتاب الٰہی کا باعث بتلایا ہے۔ اور لکھا ہے "غرض ترمذی اور مسلم دونوں سے ثابت ہے" صفحہ ۲۴۲ حالانکہ ترمذی کے جو الفاظ نقل فرمائے گئے اُنمیں فدیہ کا ذکر نہیں ہے پھر آپ تصریح فدیہ کو ترمذی کیطرف منسوب کر کے مسلم و ترمذی کی متفقہ تحریر کیسے قرار دیتے ہیں۔ یہ مؤلف کے لئے کیسی شرمناک عبارت ہے۔

آپ مولفانہ تدین کے کامل انداز میں صاف صاف لکھدیتے جیسا اسی صفحہ ۴۲۲ میں اُوپر لکھ چکے تھے کہ امام ترمذی تفر غنیمت کو آیہ عتاب کا باعث بتلاتے ہیں۔ اور صحیح مسلم انیسال فدیہ کو یا غنیمت و فدیہ دو تو نکو لیکن آپ کی تحریر نے دونوں محدثین مذکورین کو متفقہ رائے بتلائی اور اسطرح اپنی تحریر کو غلط مبحث بنا دیا ہے۔ جو الفاظ قرآنی کے بالکل معارض ہے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ بغیر حکم خدا اور رسولؐ جیکے لئے صحاح کے دو محدثین (ترمذی و مسلم) بیان کر رہے ہیں کہ کوئی حکم ان امور کی تصریح کیلئے نہیں آیا تھا۔ چنانچہ اسی ممانعت کی لاعلمی پر انہیں معافی کی بشارت دیگئی تو ایسی حالت میں اسوقت غنیمت کو فدیہ یا فدیہ کو غنیمت میں شمار کرنا محدثین کی خوش فہمی کے سوا اور کیا کہا جائے۔

ان طومار بیکار سے اصلی غرض تھی۔ شوریٰ کی اہمیت کی اور ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ کی اصابت رائے کی اور یہ ممکن نہیں تھا کہ بغیر حوالہ قرآن و حدیث کے انکی بنیاد قائم ہو سکے اس ضرورت سے ان دونوں آیتوں کو استنباط و استدلال کا ماخذ قرار دیا گیا۔ الفاظ میں تو تغیر ناممکن تھا۔ ہاں معانی میں البتہ سب کچھ ہو سکتا تھا۔ اسلئے معانی میں غنیمت کیساتھ فدیہ کے معنی بھی پہنا دئے گئے ہیں جس سے صرف یہ مقصود تھا کہ امر شوریٰ کی اہمیت اور صحابہ راشدین کی راؤں کی اہمیت تو کسی طرح قائم ہو جائے۔

باقی رہی حدیث وہ گھر کی بات تھی۔ رُواۃ کی کمی نہیں۔ محدثین کا قحط الرجال نہیں جتنے مونہہ اتنی بات موید حدیث بھی تیار ہو گئی۔ پھر ایک نہیں متعدد۔ باعتبار تعداد کے اسی وقت یہ حدیثیں متواترات کے درجہ تک بھی پہنچا دیگئیں (ملاحظہ ہو کتاب الفتن امام مدائنی۔ مکاتبت خوارزمی مطبوعہ مصر) انہیں موضوعات کا نمونہ صحیح مسلم کی روایت ہے جسے شبلی صاحب نے اپنا مختار بناکر نقل فرمایا ہے۔ کہ آیہ عتاب بھی اتروادی اور (نعوذ باللہ) رسولؐ کو رلوا بھی دیا۔ اور اپنی اصابت رائے کے مشاہدے کیغرض خاص سے حضرت عمرؓ کو عین موقع پر پہونچا بھی دیا۔ تعجب تو یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کے اتنے کثیر لوگوں میں سے کسی فرد واحد کو حضرت رسولخداؐ کی نہ اشکباری کی خبر پہونچی اور نہ ان انکے ساتھ حضرت ابوبکر کے گریہ وزاری کی اطلاع۔ مگر صرف حضرت عمرؓ کو بھی اطلاع ہو گئی اور وہ عین وقت میں موقع پر پہونچ بھی گئے۔ گویا خدا نے انہیں بھیجکر دکھلا دیا اور خود مخبر صادق کی زبانی اقرار کرا دیا کہ تم اپنی رائے میں درست و صحیح تھے۔ اور (نعوذ باللہ) ہم اور ہماری سب سے پہلی تصدیق کرنے والے صدیق اکبر بھی۔ غیر صحیح اور نادرست۔

افسوس ان موضوعات نے اقتدار رسالت ہی کو نہیں مٹایا۔ بلکہ الفاظ و معانی قرآن کو بھی بدل ڈالا آیہ مذکورہ بالا میں کسی لفظ سے خاص ذات جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیطرف نکوئی خطاب معلوم ہوتا ہے اور نہ اشارہ نہ تصریح نہ تلمیح جو کچھ بھی ہے وہ مسلمانوں سے مال غنیمت کے حصول میں عجلت کرنے کیوجہ ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے

کہ نہ رسول اللہ حصول غنیمت میں شریک تھے اور نہ آپ نے اسکے لئے انہیں کوئی خاص حکم دیا تھا۔ پھر رسول اللہ کی گریہ زاری کیسی تھی۔ اور اگر یہ اُمت کیساتھ ہمدردی کا تقاضہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عمرؓ سے یہ کہنا کہ تمھارے دوستوں نے جو فدیہ لیا۔ اُسی پہ عتاب اُترا اور اسی پر رو رہا ہوں عجیب مبہم ہے نعوذ باللہ۔ رسول اتنا بیخبر ہے کہ نزول وحی کے صحیح اسباب بھی نہیں بتلا سکتا خدا صاف صاف غَنِمْتُمْ کے لفظ خاص میں صورت جُرم بتلا رہا ہے اور معاذ اللہ رسول اسکو اخذ فدیہ کا سبب بتلا رہا ہے۔

اچھا اگر یہی صحیح ہے تو صحابہ تو درکنار نعوذ باللہ خود ذات رسول پر یہ اعتراض قائم ہو جاتا ہے کہ فدیہ لینے والوں کی (حضرت ابوبکرؓ) رائے اگر خطا پر تھی تو رسول نے اُسے کیوں قبول کیا۔ اور قبول کرنیکے بعد حکم عمل کیوں دیا؟ اس بات پر رائے دینے والیکا صرف ایک قصور اور (معاذ اللہ) رسول اللہ کے دو قصور ظاہر ہوئے اس بنا پر اس خطاب عتاب میں عام اُمت کے ساتھ (نعوذ باللہ) رسول بھی بدرجہ اولیٰ شامل ہے اسکو گریہ وزاری کی جگہ توبہ و انابت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن آداب و اشعار انبیائے مرسلین کے خلاف وہ توبہ استغفار کی جگہہ عام لوگوں کی طرح اضطرار کے عالم خاص میں صرف اشکبار ہو رہا ہے اور زار و قطار رو رہا ہے استغفر اللہ ان لغویات کو حقیقت اور واقعیت سے کیا واسطہ یہ تو تمام تر اہمیت شوریٰ اور اصابت رائے حضرت عمرؓ کے قائم کرنیکی ترکیبیں ایجاد کی گئی تھیں۔ نہ قرآن سے ان موضوعات کی تطبیق ہوتی ہے۔ اور نہ شعار و اوصاف رسالت سے انکو کوئی واسطہ اور سروکار ہے۔

ان تمام خودغرضانہ اور ناعاقبت اندیشانہ خوش اعتقادیوں کا نتیجہ کیا ہوا۔ امت اسلام میں تفریق ہو گئی علمائے اسلام میں ایک خاص فرقہ ایسا پیدا ہو گیا جو نبی کو مُخطی اور رسول کو ناجائز الخطا یقین کرنے لگا۔ اور عصمت انبیاء سے قطعًا منکر ہو گیا۔ اُنکے جواب میں ادھر بھی علماء کے جوڑ تیار ہو گئے۔ وہ ان مرویات و لغویات پر اتنا مصر ہو گئے کہ اسی آیہ کی شان نزول کی بنا پہ وحی کو تمامتر حضرت عمر کی رائے کیمطابق اور تر ثابت کرنے لگے۔ رسالت تو یہی تھی صحابیت ہی صحابیت کے خلاصہ پہ اسلام کا دار و مدار رہگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

رئیس المتکلمین امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کو ان علماء و حکمائے اسلام منکر عصمت انبیاء سے کلام و مناظرے میں جو جو دقتیں پیش آئیں وہ قدم قدم پہ۔ انچہ برماست۔ از ماست کی ناقابل عبور خلیج حائل کر دیتی تھیں جن حضرات نے اون کی تفسیر و کلی متعدد جلدوں میں ان مقامات کی سیر کی ہے۔ وہ انکی دشواریوں کو خوب سمجھتے ہونگے لیکن چونکہ منکرین کا استدلال محض قیاس پر مبنی تھا اور شہود و ثبوت بھی محض ظنی اور متوہمانہ تھے اسلئے امام رازی نے انکے اقوال و استدلال کی معقول تردید فرما دی ہے عجیب تطف یہ ہے کہ منکرین نے اسی آیہ غنیمت سے اپنی مخالفانہ بحث کی ابتدا کی ہے ہم امام فخر الدین رازی کی اصل عبارت ذیل میں

نقل کرتے ہیں۔

انہ تعالیٰ امر للنبی وجمیع قومہ یوم بدر بقتل الکفار وھو قولہ فاضربوا الاعناق واضربوا منھم کل بنان فظاھر الامر للوجوب فلما لم یقتلوہ بل اسروہ کان المعصیۃ

والجواب

عن الوجہ الذی ذکروہ ثانیا ان نقول ان الظاہر من قولہ تعالیٰ فاضربوا فوق الاعناق ان ھذا الخطاب انما کان مع الصحابۃ لاجماع المسلمین علی انہ ما کان مامورا ان یباشر قتل الکفار بنفسہ واذا کان ھذا الخطاب مختصا بالصحابۃ فھم لما ترکوا القتل واقدموا علی الاسر کان الذنب صادرا عنھم لا عن الرسول ونقل ان الصحابۃ لما ھزموا الکفار وقتلوا منھم جمعا عظیما والکفار فروا ذھب الصحابۃ خلفھم وتباعدوا من الرسول واسروا اولئک الاقوام ولم یعلم الرسول باقدامھم علی الاسر فزال ھذا السؤال فان قالوا ھب ان الامر کذلک لکنھم لما حملوا الاساری الی حضرتہ فلم لم یامر بقتلھم امتثالا لقولہ فاضربوا فوق الاعناق قلنا ان قولہ فاضربوا تکلیف مختص بحال الحرب

منکرین کہتے ہیں کہ خدا نے رسولؐ اور تمام مسلمانوں کو بدر کے دن کفار کے قتل کا حکم دیا تھا اور الفاظ حکم یہ تھے کہ ان سب کی گردنیں بیکبار مار دو۔ اور یہی حکم اس امر کے وجوب پر شاہد ہے کہ جب انکو قتل نہیں کیا بلکہ قیدی بنا دیا۔ تو یہ فعل معصیت ہوا۔

جواب یہ ہے۔

خدا کے اس حکم آیہ فاضربوا۔ الآخرہ کے ظاہری معنی سے جو مقصد اعتراض نکالا گیا ہے تو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ اس آیہ کا اصل خطاب علی الخصوص صحابہ کیطرف ہے۔ جو معلوی ہے۔ جو تمام جماعت مسلمین پر جو بذات خاص قتل کفار کی خدمات پر مامور تھے اور چونکہ یہ خطاب محض صحابہ کیطرف تھا جب اُنھوں نے قتل کفار چھوڑ دیا اور انکی گرفتاری میں مصروف ہوگئے تو یہ گناہ اُنسے صادر ہوا۔ نہ رسولؐ سے اور جیسا کہ منقول ہوا ہے کہ جب کفار کو شکست ہوگئی۔ اور اُنکی ایک جماعت کثیر کو قتل بھی کرچکے تب صحابہ نے اُن کفار کا تعاقب کیا جو گریز کرنے لگے اور اس تعاقب میں وہ رسولؐ (کے مقام) سے بہت دور جا پڑے اور ان لوگوں کو گرفتار کرچکے اور رسولؐ خدا کو اُنکی اس گرفتاری کفار کا کوئی علم نہیں ہوسکا تو اس بنا پر (آنحضرت صلعم کی ذات سے) یہ اعتراض تو اسی مقام سے زائل ہوگیا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ پھر جب وہ اسیروں کو گرفتار کرکے رسولؐ کیخدمت میں حاضر لائے تو آپ نے اسوقت اُن کے قتل کا کیوں حکم نہ دیا فاضربوا فوق الاعناق کے حکم کی تعمیل ہوجاتی۔ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ آیا اور اسکا حکم حالت مقابلہ و مقاتلہ ہی تک مخصوص رکھا گیا تھا۔

اب تو امام رازی کی مرقومہ بالا عبارت سے معلوم ہوگیا کہ بنیاد صحابیت رکھنے کی تمنا میں اصل رسالت کی اساس بھی ہلگئی اور صحابہ تو ابھی پیچھے رہے پہلے رسولؐ ہی معترضین کی زد پر آگیا۔ معترضین بھی کوئی مخالف قوم نہیں عیسائی نہیں یہود نہیں مسلمان ہی ہیں۔ اور مسلمان بھی معمولی نہیں بڑے بڑے محدثین۔ اور علمائے محققین۔ تو اس غلط کوشش نے کہ صحابہ کی عظمت اونکے مدارج سے زیادہ اُنکے اقوال و آرائے کی اصابت تجویز رسول سے بڑھکر دکھلائی جائے اور خواہ

مخواہ موضوعات صحاح سے ثابت کیجائے۔ بالآخر وہ فساد برپا کیا کہ علمائے محدثین میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور خواہ مخواہ رسولؐ کی عصمت و تقدیس پر اعتراض ہونے لگے اور ایک فرقہ اسلامی میں رسولؐ جائز الخطا قرار دیا گیا۔

امام فخر الدین رازی کی اسی عبارت سے یہ بھی صاف ظاہر ہو گیا کہ اس عتاب کا خطاب مخصوص صحابہؓ سے ہے انہیں نے خلاف منشائے حکم خدا کیا اور گناہگار ہوئے۔ اور وہی اس عتاب کے مستحق و سزاوار رہے اس عبارت سے صحابیت کی اصل مقدار کا اندازہ بخوبی ہو گیا جنکی اظہار عقیدت اور استقرار عظمت کے لئے یہ طومار تیار کئے گئے تھے

اب فدیہ کے متعلق بھی خطاب عتاب کی حقیقت امام رازی کے الفاظ میں ملاحظہ کر لیجائے وہ یہ ہے۔

الثالث ان النبیؐ حکم باخذ الفداء و کان اخذ الفداء معصیۃ و یدل علیہ وجھان۔ الاول قولہ تعالیٰ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ واجمع المفسرون علی ان المراد من عرض الدنیا ھٰھنا ھو اخذ الفداء والثانی قولہ تعالیٰ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ واجمعوا علی ان المراد بقولہ اخذتم ذلک الفداء

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخذ فدیہ کا حکم دیا حالانکہ فدیہ لینا معصیت تھا اس پر دو دلیلیں شاہد ہیں اول تو یہ قول خدا کہ تم حصول دنیا کا ارادہ کرتے ہو اور خدا حصول عقبیٰ کا قصد رکھتا تھا۔ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ عرض دنیا سے مراد فدیہ لینا ہی دوسرا قول آپ ہی یہ ہے کہ اگر نجات اللہ پہلے سے تمہارے لئے یہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو چیزیں تم نے لی ہیں انکے لئے تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا ہے

الجواب

عما ذکرہ ثالثا و ھو قولھم انہ علیہ السلام امر باخذ الفداء واخذ الفداء محرم فنقول لانسلم ان اخذ الفداء محرم واما قولہ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ھذا لا یدل علی قولکم بیانا من وجھین الاول ان المراد بھذہ الآیۃ حصول العتاب علی الاسر بغرض اخذ الفداء و ذلک لا یدل ان اخذ الفدیۃ محرم مطلقا الثانی ان ابابکر قال الاولیٰ ان تاخذ الفداء لیتقوی العسکریۃ علی الجھاد و ذلک یدل علی انھم انما طلبوا ذلک الفداء لتقوی بہ علی الذین وھذہ الآیۃ تدل علی ذم من طلب الفداء لمحض عرض الدنیا ولا تعلق لاحد البابین بالثانی وھذا ان

جواب یہ ہے

معترضین کا یہ قول کہ آنحضرت صلعم نے فدیہ لینے کا حکم دیا اور فدیہ لینا حرام تھا ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے کہ فدیہ لینا حرام تھا اور معترضین کی یہ دلیل کہ لوگ دنیا کی خواہش کرتے تھے اور خدا انکے لئے ذخیرۂ عقبیٰ کا ارادہ کرتا تھا معترضین کے دعوی سے مطابق نہیں ہوتا مطابق نہ ہونے کی دو دلیلیں ہیں۔ اول یہ ہے کہ اس آیۃ کے استدلال سے یہ غرض ہے کہ گرفتار کرنیوالو نیز اخذ فدیہ کیوجہ سے عتاب خدا نازل ہونیوالا تھا تو اس سے فدیہ لینا حرام کیسے ثابت دوسری یہ کہ حضرت ابوبکر اپنی رائے میں پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اس رقم فدیہ سے سامان لشکر درست کئے جائیں گے اور اس ذریعے سے اسباب و ضروریات جہاد میں قوت پہونچائی جائیگی یہ اسبات کی دلیل واضح ہے کہ یہ فدیہ لینا خاص دین میں قوت پہونچانے کی غرض سے تھا۔ اور یہ معترضین کی پیش کردہ آیت تو ان لوگوں کی رائے

الجوابان بینہما ھما الجوابان من تمسکھم بقولہ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

ظاہر کرتی ہے جو لوگ امور دُنیا کے لئے فدیہ لینا چاہتے تھے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ان دونوں و جہوں کو جو معترضین نے پیش کیا دین کیلئے فدیہ لینے والوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ہمارے بھی دونوں جواب انکی

(معترضین کی) پیش کردہ آیت لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ کی غلط تطبیق کی تنقید و تردید کے لئے بھی کافی ہیں تفسیر امام فخرالدین رازی جلد اوّل جزو اوّل آیہ لولا کتاب الآخرہ

امام فخرالدین رازی کی مرقومہ بالا عبارت سے حسب تفصیل ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱) ان دونوں آیات میں خطاب اہل اسلام سے ہے اور بالخصوص ان لوگوں سے جنھوں نے بغرض دنیا مال و غنیمت لوٹا اور فدیہ لیا۔

(۲) خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس آیہ کے خطاب سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

(۳) فدیہ لینا کبھی حرام نہیں کیا گیا۔

(۴) حرمت فدیہ کا قرآن مجید میں کہیں حکم نہیں ہے

کیا ہماری اتنی طولانی بحث تنقیدی کے بعد اب بھی کسی محقق کو واقعہ فدیہ کی اصل حقیقت سمجھنے میں تامل باقی رہجائیگا؟ اور کیا اب بھی کوئی شخص شبلی صاحب کی طرح حدیث مسلم یا دیگر محدثین کی مرویات پر اعتبار کر کے غنیمت و فدیہ جنگ بدر کو حرام اور حکم رسولخدا کو (نعوذ باللہ) خلاف حکم خدا اور باعث عتاب قرار دیگا؟

ان تمام واقعات اور ان دونوں آیات کے معانی و مطالب پر کامل غور و خوض کے بعد علمائے محققین اور محدثین مستندین نے جو حقیقت حال کا انکشاف فرمایا ہے اور اسی کو اپنا مختار متفقہ ٹھیرایا ہے اسکو ہم زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

روی الترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم باسناد صحیح عن علیؑ قال جبرئیلؑ الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم بدر فقال خیر اصحابك فی الاسری ان شاءوا القتل ان شاءوا الفداء علی ان یقتل منھم عاماً مقبلاً مثلھم قالوا الفداء ویقتل منا ص ۵۲۳ ج اوّل

امام ترمذی۔ امام نسائی۔ ابن حبان اور امام حاکم سند صحیح کے ساتھ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ بدر کے دن حضرت جبرئیل ہوئے اور جناب رسولخدا صلعم سے کہا کہ آپ اپنے اصحاب کو اسیروں کے بارے میں مختار کر دیں چاہے وہ انکو قتل کر دیں چاہے فدیہ لیکر چھوڑ دیں لیکن اس شرط پر کہ جتنے قیدیوں کو وہ قتل نہ کرینگے اسی تعداد میں وہ بھی سال آئندہ مارے جائینگے رسول اللہ صلعم نے یہ اصحاب سے کہا تو انھوں نے فدیہ کو قبول کیا اور ہم میں اتنے ہی احد میں سال آئندہ مارے گئے۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب کی نظر صرف امام مسلم کی حدیث پر پڑی۔ اور امام ترمذی اور امام نسائی اور امام

حاکم اتنے محدثین میں سے کسی کی مرویات پر نگاہ و توجہ نہ گئی۔ اور نہ اسوقت جنگ بدر کے اصلی ہیرو اسد اللہ علی ابن ابیطالب کے قول کو دیکھا گیا۔ اور نہ اسپر اعتبار کیا گیا کہ زرقانی کیطرح آپکو بھی حقیقت حال معلوم ہو جاتی چاہے جتنی روایتیں نہ بیان کی جائیں حقیقت اتنی ہی تھی جو ہم خود بیان کر چکے اور امام فخر الدین رازی کے مختار سے اسکی تصدیق و توثیق بھی کرا چکے۔ اور وہ اسی قدر ہے کہ مسلمانوں نے جنگ بدر کے حصول غنیمت میں عجلت اور بد احتیاطی ضرور کی چونکہ شریعت اسلام میں بخلاف شرائع امم سابقہ۔ نصاب غنیمت میں قدرت الٰہی کو ترمیم و اصلاح منظور تھی اور جو بالتفصیل سورہ انفال میں عنقریب نازل فرمائی گئی۔ جسکے لئے مسلمانوں کو انتظار کرنا لازم تھا مگر وہ اس نظام مشیت سے ناواقف تھے اور انکو قبل سے اسکا حکم امتناعی بھی نہیں ملا تھا صرف ہدایت آمیز الفاظ میں اُنکے جرم کی صورت دکھلا دی گئی پھر انہیں الفاظ چشم نمائی کے ساتھ انکی لاعلمی کی بنا پر انکو معافی کی بشارت بھی سنا دی گئی۔ جیسا کہ الفاظ قرآنی سے صاف صاف ظاہر ہے کہ یہ خطاب صرف واقعہ غنیمت سے متعلق تھا۔ نہ فدیہ لینے کے مسئلہ سے۔ معاملات فدیہ کو اس آیہ کے اسباب نزول میں شامل کرنا صاف صاف معارض الفاظ و معانی قرآنی ہے۔ اور مخالف اوصاف و شعار رسالت

تقسیم غنائم کے نصاب تفصیلی جو سورہ انفال میں واقعہ بدر کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد نازل ہوئے اصلاً اُنکی مبتدا وہی مرقومہ بالا آیہ قرآنی ہے جسکو خطاب ہدایت کے عوض فرمان عتاب بتلایا جاتا ہے اور آیات سورہ انفال اسی مبتدا کی خبر ہیں سورہ انفال کی ان آیتوں کو غور سے پڑھا جاوے اور انکے مفہوم و معانی کو سمجھا جاوے۔ تو معلوم ہو جائیگا کہ تقسیم غنائم میں جو نصاب و مدارج شریعت اسلام میں فی الحال قائم فرمائے گئے ہیں وہ مسلمانوں کیلئے ایسی لازوال اور ابدی نعمتیں ہیں جنکی منت گذاری اور سپاسگذاری سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اسی بنا پر ابن ہشام نے اپنی تاریخ میں گویا پورے سورہ انفال کے اسباب نزول اور اس واقعہ (بدر) کے متعلق تمام آیات سورہ مذکورہ کی پوری تشریح ایک جداگانہ باب میں درج کی ہے اور جب غریب کو اپنے بیان کی تائید و تصدیق میں غالباً کسی رواۃ اور علمائے اسلام کے قول نہیں ملے تو مجبور ہو کر ائمہ اہلبیتؑ سے رجوع کی اور حضرت امام باقر علیہ السلام کی یہ حدیث نقل فرمائی۔

قال ابن اسحاق حدثنی ابو جعفر محمد بن علی بن الحسینؑ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نصرت بالرعب و[1] جعلت لی الارض مسجداً او طھوراً او

مجھ سے حضرت ابو جعفر محمد (باقرؑ) بن علی بن الحسینؑ نے فرمایا کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے اپنی سطوت خاص (نزول ملائکہ) سے میری مدد فرمائی اور میرے لئے تمام طبقہ زمین کو

[1] تواریخ قدیمہ اکتشافات اثریہ اور خود احکام کتب سماویہ قدیمہ سے ثابت ہے کہ سوائے قبۃ الزمان موسیٰ یا ہیکل سلیمان علیہ السلام دربیت المقدس کے نماز پڑھنے یا عبادت خدا کرنی (جو طریقہ عبادت ہو) جائز نہیں تھی سوائے ان مخصوص قطعات زمین کے اور تمام اقطاع زمین نظاہر تھے نہ قابل عبادت

اعطیت جوامع الکلم و احلت لی المغانم ولم تحلل لنبی کان قبلی و اعطیت للشفاعۃ خمس لم یوتھن نبی قبلی ج ۲ ص ۳۸	ظاہر اور قابل عبادت قرار دیدیا اور مجھکو ایسی کتاب جامع عنایت فرمائی جو تمام کتابوں پر محیط ہے اور میری اُمت کیلئے ، اموال غنیمت کو حلال فرمادیا اور اپنی عنایت خاص سے میرے قرابتداروں کے

حقوق خمس قائم فرمائے اور یہ وہ عطایا ہے جو میرے قبل کسی نبی کو نہیں دئے گئے تھے ۔

اس حدیث کے جس فقرے میں حلت غنیمت کا ذکر ہے وہ تو قطعاً اسی آیہ کریمہ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا کے حکم سے ستنبط ہے اور وہ حکم اس حدیث میں عطائے آلہی قرار دیا گیا ہے ۔ اور ابن ہشام نے اسی لئے اسکو حلت غنیمت اور عنایت آلہی ہونیکے ثبوت میں بطور استدلال اپنا سیار تصدیق ٹھہرایا ہے تو پھر اس آیہ کو حکم عتاب سے تعبیر کرنا عقل سے خلاف اور روایت و درایت دونوں کے خلاف ثابت ہوتا ہے ۔

اسی کے ساتھ یہ بھی غور کرلینا نہایت ضروری ہے کہ اس حدیث میں بھی فدیہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے اور کیونکر ہوسکتا تھا کیونکہ جن الفاظ قرآنیہ سے یہ حدیث اصلاً ستنبط ہے اسمیں فدیہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں پھر خواہ مخواہ خفقان عقائد تقلید اسلاف اور مدعائے خاص کی بنا پر مسئلہ فدیہ کو بھی اسکے مفہوم میں داخل کردینا مطالب و معانی قرآن میں صاف صاف تدلیس کرنا ہے حالانکہ اسکے بعد ہی والی آیت میں مدعائے اتصال فدیہ کی حقیقت اُسکی علت اور اُسکی مصلحت و مناسبت کو صاف صاف لفظوں میں بیان کردیا گیا ہے ۔ تعجب ہے کہ شبلی صاحب اس آیہ حلت فدیہ کو اُن آیات قرآنی کے ذیل میں بیان کرچکے ہیں جنکے نزول کو آپ نے موقع بدر میں بتلایا ہے ملاحظہ ہو ۔ سیرۃ النبی ۲۷۹ صفحہ لیکن بحث فدیہ کے موقع پر اسپر دوبارہ نظر نہیں فرمائی جاتی ہم سیرۃ النبی ہی سے اس آیت کو معہ ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں ۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِن يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ	اے پیغمبر جو تمہارے ہاتھ میں جو قیدی ہیں اُنسے کہدو کہ خدا اگر تمہارے دلوں میں کچھ نیکی دیکھو گا تو جو تم سے لیا گیا ہے اسکے بدلے وہ نیکی عطا کریگا اور تمہیں معاف کردیگا وہ بخشش والا مہربان ہے اور اگر یہ قیدی تجھے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے وہ خدا کیساتھ خیانت کرچکے ہیں اسی لئے تو خدا نے تمہارے قابو میں کردیا ہے خدا دانا اور باخبر ہے

اس آیہ وافی ہدایہ میں الفاظ مِمَّا أُخِذَ مِنكُمْ صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ اسمیں فدیہ اور غنیمت دونوں چیزیں شامل ہیں بخلاف آیہ سابقہ کے جسمیں غنمتم کے لفظ سے صرف غنیمت کی تخصیص مذکور ہے اب معاملات فدیہ کیمتعلق عتاب خداوندی کی جیسی جیسی مہیب صورتیں خوش عقیدہ محدثین نے اپنی مصنوعی قلمکاریوں سے تیار کی ہیں وہ ان الفاظ الٰہیہ کے

حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ اسلام کی شریعت سہلہ کی خاص برکت ہے کہ خدا کا عبادت گزار بندہ جہاں چاہے خدا کی عبادت آزادی سے کرسکتا ہے ۱۲ المولف عفی عنہ

انداز خطاب سے مقابل کیجائیں تو بہ تحقیق کنندہ کو پورے طور سے معلوم ہوجائیگا کہ قرآن کے مطالب و مقاصد کو ان احادیث موضوعہ کے مقاصد سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔

خداوند عالم فدیہ لینے کی مصلحت کو خود فدیہ دینے والوں کیلئے مفید ہونیکا صاف صاف اظہار فرمایا ہے کہ جو تم لوگوں سے اب تک لیا گیا ہے عام اس سے کہ غنیمت ہو یا فدیہ۔ اس کے بدلے میں وہ تم کو اپنی نیکیاں عطا فرمائیگا جو تمھارے ان اشیاء سے کہیں زیادہ گراں قدر ہونگی لیکن اس شرط پر کہ اگر تم اب اسوقت سے خدا کے ساتھ اپنے معاملات خوش نیتی کے ساتھ قائم رکھو گے۔

یہ تو خوش نیتی قائم رکھنے کیحالت میں عطائے رحمت و نعمت کی شرط کی گئی لیکن خیانت و بد دیانتی کیحالت میں بھی اُنکے ساتھ جو ہونیوالا ہوگا اسی وقت یوں بتلا دیا گیا ہے کہ اے پیغمبر انکی خیانت اور بد نیتی کیحالت میں بھی تم ذرا بیدل نہو یہ تمھارے ساتھ کیا خدا کے ساتھ بھی پہلے ہی خیانت کر چکے ہیں۔ اسی نے تو تمھارے قابو میں دے دئیے گئے ہیں"۔

اس آیہ وافی ہدایہ کے الفاظ و خطاب سے جو غنیمت فدیہ دونوں معاملات کے صدور حکم پر مشتمل ہے عتاب و عذاب کے کہاں معنی پیدا ہوئے۔ تو پھر اقبال فدیہ کے متعلق خوف۔ اضطراب۔ یہاں تک کہ گریہ و زاری رسول اللہ صلعم اور اشکباری حضرت صدیق اکبر تفصیل و تصریح میں ذمر کے دفتر سیاہ کر ڈالے گئے اور سلف سے خلف تک برابر نقل ہوتے آئے۔ جو زیر بحث ہیں لیکن جب ان طوما پر حقیقت کی نظر ڈالی گئی۔ تو اصلیت کچھ بھی نہ معلوم ہوئی۔ صرف اہمیت شوریٰ اصابت رائے صحابہ کی اظہار کیغرض خاص سے جیز خلافت کی بنیاد قائم کیگئی ہے اس آیہ کے خطابات ہدایات وحثیم نمائی کو عذاب و عقوبت کے معنیوں میں انکے اسباب و نزول کے متعلق طرح طرح کی مرویات موضوعہ بنا بنا کر تغیر و تبدل کیا گیا ہے۔ حالانکہ اہمیت شوریٰ یا اصابت رائے صحابہ نہ جز و اسلام میں داخل ہیں، اور نہ نصوص قرآن میں داخل۔

اصابت رائے صحابہ کیجگہ تو قرآن مجید میں متعدد اور متواتر مقامات پر اسکی نقیض اور مخالف تصریحات موجود ہیں جنکا بیان کرنا ہمارے موجودہ موضوع کتاب سے بالکل علیحدہ ہے۔ لیکن ادھر نہیں تو اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ آپ اسی بحث میں ابھی ابھی امام فخر الدین رازی کا قول مختار پڑھ چکے ہیں جو صاف صاف لفظوں میں ان آیات کے خطاب اور غرض دنیا سے غنیمت فدیہ لینے کے حرکات کو مخصوص صحابہ کیطرف منسوب کرتے ہیں اسی واقعہ بدر میں طبری حضرت عبد الرحمٰن بن عوف (عشرہ مبشرہ) کی نسبت لکھتے ہیں کہ اتنی زرہیں اکیلے یہ لوٹ چکے تھے کہ امیہ بن خلف راس الکفر پر نظر پڑی۔ اور فوراً زرہوں سمیت مسلمانوں سے اس کافر کے بچانے کو تیار ہوگئے۔ لیکر پہاڑ پر چلے گئے مسلمانوں نے دیکھ لیا۔ موقع پر پہونچ گئے۔ اُنھوں نے لاکھ چاہا کہ وہ کافر مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ جائے مگر مسلمانوں

نے اسے مار ہی ڈالا جسپر یہ ہمیشہ کہتے رہے کہ خدا بلال پر رحم کرے جسکی وجہ سے امیہ بھی گیا اور زرہیں بھی گئیں طبری صفحہ ۱۳۲۴
ہم غرض کرینگے کہ مسلمانوں کے خلاف کافر کی امداد کرنے کا یہ نتیجہ ہے۔

شبلی صاحب کی غایت خوش عقیدگی نے عبد الرحمن بن عوف کی اس قابل اعتراض حرکت کو ایفائے وعدہ کی اخلاقی اصول پر اسوجہ سے قابل ستائش تبلایا ہے کہ مکہ میں امیہ اور انسے وعدہ ہوچکا تھا کہ امیہ کو مدینہ میں آکر اگر کوئی مصیبت سے سامنا ہوگا تو یہ مدد کرینگے یہ اسی کی تعمیل تھی۔ لیکن تعجب ہے کہ حضرت عبد الرحمن کو صحابہ رسول ہوکر اور شبلی صاحب کو شمس العلماء ہوکر یہ یاد نہ آیا کہ اسوقت عبد الرحمن کو اس کافر کے ساتھ والا وعدہ تو یاد رہا اور قابل تعمیل سمجھا گیا۔ لیکن جہاد فی البدر میں جو خدا اور رسول سے عہد و پیماں کیا گیا ہے وہ اور اسکی تعمیل کچھ بھی یاد نہ رہی۔ آپ کافر کے مارنے پر خدا اور رسول سے عہد و پیمان کرکے میدان جنگ میں تشریف لائے ہیں اور جب وہ سامنے آتا ہے تو نہ خود اسکو مارتے ہیں اور نہ دوسرے مسلمانوں کو مارنے دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں سے چھپائے چھپائے پھرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان کافر کو نہ مارنے پائیں یہی خدا اور رسول کے ساتھ آپ کی وعدہ وفائی ہے اور یہی آپکے اقرار انا سلم لمن سالمک و حارب لمن حاربک یا رسول اللہ جس سے آپ صلح کرینگے ہم بھی کرینگے جس سے آپ لڑینگے ہم بھی لڑینگے۔ صحابہ میں ہمنے صرف ایک عبد الرحمن ابن عوف کی جو اکابر صحابہ اور عشرہ مبشرہ کی اصابت رائے کے مثال نمونہ کے طور پر دکھلادی ہے۔ اسی سے صحابیت اور صحابہ کی اصابت رائے کی مقدار حقیقت کا اندازہ کرلیا جاوے۔

صحابہ کی اصابت رائے کیمثال حقیقت ہوچکی۔ اب رہی شورے کی اہمیت تو ہمکو اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ شورے اور اسکے جواز کا حکم قرآن مجید میں آیا ہے لیکن وہ صرف تجویز و تدبیر انسانی کے حدود تک محدود ہے۔ اور امتزاج و استظہار آرا و خیالات باہمہ کے مفہوم تک مقصود ہے۔ مقدرات ربانی اپنے نامحدود اور لا انتہا اختیار و اجرا تک بالکل مختار۔ آزاد اور قادر مطلق ہے۔ تدبیر قدرت اور تجویز رسالت کے سامنے شوریٰ کی بساط آیا اس قدر خود شناس ہوکر آگے نہیں بڑھتی لوگ اپنی ضرورت اور خوش عقیدگی سے اسکو جتنا نہ بڑھالیں۔ اسی مقدار حقیقت کی بنا پر علمائے متکلمین اور حکمائے محدثین نے شوریٰ کی مقدار اہمیت جتنی قائم کی ہے اور اسکی اصلیت جتنی تبلائی ہے۔ وہ انکے مفصلہ ذیل اقوال و مختار سے بالتفصیل ثابت ہے امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔

قال قتادہ و مقاتل کانہ سادات العرب اذا لم یشاوروا فی الامر شق علیھم فامر اللہ تعالیٰ نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان نشاورھم فان ذلک اعطف لھم و اذھب لاضغانھم و اطیب لنفوسھم

قتادہ اور مقاتل کہتے ہیں کہ سادات عرب کی یہ خاص عادت تھی کہ اگر کسی امر میں انسے شورہ نہیں لیجاتی تھی تو انپر بہت گراں گذرتا تھا اس بنا پر خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلعم کو انسے شورہ کرنیکی اجازت دیدی اور خدا نے اس حکم سے خاطر تبرّ توجہی کہ اسلام کیطرفسے انکی شکوک رفع ہوجائیں اور انکی قلوب پاک و صاف ہوجائیں

یہاں تک تو حکم شوریٰ کی توجیہ و ضرورت معلوم ہوئی۔ آگے مقدار اہمیت ملاحظہ ہو امام قسطلانی اپنی تحریر کے سلسلۂ بالا میں لکھتے ہیں۔

اخرج ابن عدی والبیہقی فی شعب الایمان عن ابن عباس قال لما نزلت وشاورهم فی الامر قال رسول الله صلعم اما ان الله لغنیان عنها ولکن جعلها الله رحمة لامتی وعند الترمذی الحکیم من حدیث عائشة رفعته قال رسول الله صلعم ان الله امرنی بمداراة الناس کما باقامة الفرائض۔

ابن عدی اور امام بیہقی متفقاً عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیت شوریٰ نازل ہوئی تو جناب رسول خدا صلعم نے علانیہ فرما دیا کہ خدا اور اسکا رسول دونوں تمہارے شوریٰ سے بالکل مستغنی ہیں (یعنی دونوں کو انکی مطلق احتیاج نہیں) لیکن خدا نے اس حکم میں میری امت کیساتھ ایک خاص رحمت رکھی ہے اور حکیم ترمذی نے حضرت عائشہ سے یہ قول مرفوع لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس نے امر شوریٰ سے) مجھکو حکم دیکر صرف مدارات و رعایات امت مقصود ہے جسطرح کہ امت کیلئے فرائض میں بھی رعایت رکھنے کا مجھے حکم ملا ہے)

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:

عن الحسن قد علم الله انه ما به الیهم

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ خوب واقف تھا کہ انکو انکی (صحابہ) مشورت کی ضرورت نہیں لیکن اسکے حکم سے مقصود یہ تھا کہ رسول اللہ کے بعد شوریٰ سنت قرار پاجائے (کیونکہ ذریعہ اطلاعات وحی منقطع ہوجائینگے)

شوریٰ کی مقدار و حیثیت صرف اتنی ہے جو مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوئی لیکن اس بے مقداری اور لا وجودی سے موضوعات و مصنوعات کے جتنے ذخیرے تیار کئے گئے اور اہمیت شوریٰ اور اصابت رائے صحابہ کی بنا پر جیسے جیسے استدلال قائم کئے گئے انسے آخر میں نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا اور اسکی تدبیر قدرت بیکار۔ رسول اور اسکی تجویز رسالت معطل کسی قسم کا نظام ہو دینی ہو یا دنیوی۔ بغیر شورۂ صحابہ ہو ہی نہیں سکتا گویا صحابہ کی مشورت تدبیر قدرت اور تجویز رسالت دونوں پر حاوی ہے اور (نعوذ باللہ) خدا اور رسول دونوں اسکے متبع ہیں پھر دنیا کو ایسے دست بستہ خدا و رسول اور ایسے پاشکستہ مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے؟

بدر میں کفار کی شکست اور مسلمانوں کی کامل فتح کے وجوہ و اسباب

اسباب ظاہر کے تلاش کرنیوالوں اور اصول معمول پر ہمیشہ نظر رکھنے والوں کی نگاہوں میں جنگ بدر کے موقع پر کفار قریش کی کامل شکست اور مسلمانوں کی نمایاں فتح بہت تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے اسمیں کوئی کلام نہیں کہ مسلمانوں کی قلت تعداد۔ بے سروسامانی اور ناداری بطور ظاہر کبھی انکی فتحیابی کی امید نہیں دلاتی تھی بخلاف انکے قریش کی کثرت جمعیت سامان جنگ کی افراط انکی خوشحالی اور دولتمندی۔ انکی کامیابی کی امید افزا قرائن تھے۔ مگر نتیجہ برعکس ہوا بظاہر ان حضرات کو خلاف امید نتیجہ کے مشاہدہ سے تعجب کیوں نہو؟ لیکن غرض یہ ہے کہ ان حضرات کو تعجب کیساتھ دریافت حقیقت کیلئے کچھ غور و تامل بھی کرلینا چاہئے اور فکر و

تعلق ہی۔ تھوڑے سے غور کے بعد انکو اسکے حقیقی سبب کا پتہ آپ لگجائے گا۔

قریش کی شکست کا پہلا اور نمایاں سبب تو یہ تھا کہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں انہیں ابتدا ہی سے اختلاف تھا ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قافلہ ابوسفیان پر مسلمانوں کے متعلق لوٹ کا طوفان پھر خضرمی کے قصاص کی اشتعال دونوں ابوجہل کی چالیں تھیں جنھوں نے قریب قریب تمام عرب کے قوم وقبائل کو اسلام کے خلاف برانگیختہ کردیا۔ لیکن چونکہ ان دونوں فریبانہ ترکیبوں میں حقیقت کا نام تک نہ تہا۔ اور جھوٹی پرجوشی کے عالم خاص کا یہ مقتضی ثابت ہوتا ہے کہ عین وقت پر اسکی اچھائی اور برائی کی تمیز نہیں ہوتی۔ ہاں تھوڑے دنوں کے بعد البتہ اسکے حسن وقبح کے انداز معلوم ہونے لگتے ہیں اس بنا پر ابوجہل کی ترکیبوں کا پردہ بھی چند دنوں میں فاش ہوگیا۔ پہلی تو مخالفت اسلام پر سب لوگ آمادہ ہوگئے مگر آگے چلکر جیوں جیوں حقیقت حال کا انکشاف ہوتا گیا۔ ان کے دل ٹوٹتے گئے۔ اور طبعیں رکتی گئیں۔ ابوسفیان کے قافلہ کی حفاظت یا خضرمی کے قصاص کے خیال سے جو کچھ بھی ہوا ابوجہل اتنا بڑا لشکر تیار کرکے مکہ سے مدینہ کیطرف چلا اور جحفہ تک پہونچگیا۔ چونکہ یہانتک حقیقت حال کسی کو معلوم نہیں ہوئی تھی۔ اسلئے باہم اتفاق واتحاد قائم تھا۔" یہاں (جحفہ) پہونچکر جیسا کہ ابن ہشام اور طبری کی روائتیں بتلارہی ہیں قریشیں اتفاق ویکجہتی جاتی رہی تھی اور نفاق وبیدلی پھیل گئی تھی۔ اسلئے کہ ابوسفیان نے مسلمانوں کے خوف سے ایک غیر متعارف راہ سے مکہ میں مع اپنے قافلہ کے پہونچگیا اور ابوجہل کی فوجکشی کی خبر سنکر اسنے مکہ سے آدمی دوڑایا اور کہلا بھیجا کہ چلے آتے جاؤ اب کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ طبری میں لکھا ہے "

ولما رای ابوسفیان انہ قد احرز عیرہ ارسل الی قریش انکم خرجتم لتمنعوا عیرکم ورجالکم واموالکم فقد نجاھا اللہ فارجعوا فقال ابوجھل واللہ لانرجع نرد بدرا ص ۱۳۰۷

جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو بچالایا تو اسنے قریش کے پاس (لشکر ابوجہل) کہلا بھیجا کہ تمہارا قافلہ بخیر وعافیت پہونچگیا۔ اور خدا نے تمہارے قافلہ کو تمہارے لوگونکو اور تمہارے مال ومتاع کو بچالیا ہے اسلئے تم واپس آؤ ابوجہل نے یہ پیغام سنکر کہا ہم تو بغیر مقام بدر تک پہونچے ہوئے نہیں لوٹیں گے

ابوجہل اور ابوسفیان دو سرداران کفار کا باہمی اختلاف رائے تو یہیں سے ظاہر ہوگیا۔ ایک کہتا ہے فوج کو واپس لاؤ حریف سے جنگ ومقابلہ کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسرے کو اصرار ہے کہ بغیر علیم تک پہونچے ہوئے ہم لوٹنے کے نہیں۔ دو نمودار سرداروں کے اس اختلاف کا فوج اور دیگر قوم وقبائل شریکان لشکر پر کیا اثر پڑا اسکی حقیقت بھی طبری کے مرقومہ ذیل الفاظ میں ملاحظہ ہو

فقال الاخنس بن شریق الثقفی وکان حلیفا لبنی زھرۃ وھم بالجحفۃ یابنی زھرۃ قد نجی اللہ لکم اموالکم وخلص لکم صاحبکم مخرمۃ بن نوفل وانما نفرتم لتمنعوہ ومالہ فاجعلوا الی جنبھا وارجعوا فانہ لا

اس پیام وجواب کو سنکر اخنس بن شریق ثقفی جو بنوزہرہ کا حلیف تھا اور اسوقت منزل جحفہ میں تھے کہنے لگا اے بنوزہرہ خدا نے تمھارے مالوں اور لوگونکو یعنی مخرمہ بن نوفل کو بچالیا اور ظاہر ہے کہ تم انہیں لوگوں کی حفاظت کو نکلے تھے تمہارا مقصود ملگیا اب یہیں سے لوٹ چلو کیونکہ اب ہم کو مسلمانوں نے

حاجۃ بکم فی ان تخرجوا فی غیر ضیعۃ لا ما یقول هذا فرجعوا۔ فرجعت بنو زهرۃ مع الاخنس بن شریق فلم یشهد بدرًا من هاتین القبیلتین

لڑنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔
یعنی ابوجہل کی باتوں میں نہ پڑو چنانچہ تمام بنوزہرہ اخنس کے ساتھ یہیں سے واپس گئے طبری اپنی تحقیق سے لکھتے ہیں کہ ان دونوں قبائل (بنوزہرہ اور انکے حلیف بنی ثقیف) میں سے کوئی فرد واحد بھی جنگ بدر میں شریک نہ ہوا، ص ۱۳۰۷

بعض روایتوں میں ہے کہ یہ اختلاف حکیم بن حزام کے مصلحت والے واقعہ کے بعد عین میدان بدر میں واقع ہوا خیر کہیں بھی ہوا اسکے تصفیہ کا یہ مقام نہیں غرض اتنی ہے کہ ابتدا ہی سے انہیں مسئلہ جنگ پر اتفاق قائم نہیں رہا تھا اور اسی کی بناء پر دو بیرا بر کے قبیلے ٹوٹ کر فوج قریش سے علیحدہ ہو گئے۔

قریش کی یہ نا اتفاقی برابر آغاز جنگ تک قائم رہی بلکہ مقابلہ کے عین وقت تک ایکی یہی صورت رہی اسکی حقیقت تفصیل سے اوپر بیان ہو چکی ہے وہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ قریش میں عین مقابلہ کیوقت تک مسئلہ جنگ پر اتفاق نہیں تھا اور سوائے ابوجہل اور اسکے ہمخیال لوگوں کے دیگر قبائل قریش کو جنگ و قتال پر اصرار نہیں تھا بلکہ یہ لوگ معاملات کو صلح و تصفیہ پر تمام کرنا چاہتے تھے۔

بنی ہاشم کی مخالفت یا رائے کو قریش کی نا اتفاقی کے ثبوت میں اسوقت پیش کرنا میرے نزدیک استدلال کا قوی طریقہ نہیں ہے اسلئے کہ اسلام کیطرف انکا میلان فطرتی تھا لیکن تاہم اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ دو چار بنی ہاشم جو کراہت یا مجبوری کیوجہ سے جتنے بھی اور جیسے بھی مشرکین کے ہمراہ تھے وہ سب کے سب جنگ پر ذرا بھی آمادہ نہیں تھے"

جب ایک امر عظیم کی تنظیم میں اتنے مخالف اجزاء اور عناصر موجود تھے تو انکی کامیابی کی ترکیب و ترتیب کیسے درست ہو سکتی تھی شبلی صاحب کا یہ لکھنا بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ قریش نے صرف اپنی کثرت جمعیت کی ظاہری قوت پر پورا اعتبار کر لیا اور ترتیب و تنظیم فوج کی اندرونی تدبیروں سے بالکل نا عاقبت اندیشانہ طریقہ پر غافل رہے فوج کی صف بندی مورچوں کی درستی سوار و پیادوں کی ترتیب اور مقابلہ کرنیکے قواعد و آداب کی تعلیم و ہدایت پر کوئی توجہ نہیں کی یہ انکا مغرورانہ شان کا تغافل تھا جسکی صورت یہ دیکھنے میں آئی کہ ابوجہل کی ماتحتی قریشیوں کی فوج کوئی باقاعدہ فوج تو نہیں معلوم ہوتی تھی بلکہ بقول اسکے بدر کے سالانہ میلہ کی اچھی خاصی بھیڑ تھی"

بخلاف انکے مسلمانوں کی طرف اگرچہ تعداد بالکل قلیل تھی مگر سب کے سب شروع سے آخر تک ایک امر ایک مدعا اور ایک غرض خاص پر مستعد اور آمادہ تھے اور ایک شخص واحد کے حکم و اشارے پر جاں نثاری کے لئے سر بکف استادہ تھے۔ انکی صفیں درست حفاظت فوج کے مورچے مرتب اور مقابلہ کرنے والے ہمیشہ تیار تھے انمیں سے ہر ایک آغاز محاربت سے لیکر اپنے وقوع شہادت تک بالکل خاموشی سے کام لیتا تھا اور اگر مقابل کو مار بھی لیتا

تھا تاہم خاموشی یا پرجوشی کیوجہ سے نہ چلا اٹھتا تھا۔ نہ کسی قسم کا شور و غل کرتا تھا۔ کامل صبر و خاموشی سے مارتا تھا یا مر جاتا تھا۔ اس کامل انتظام کے سامنے وہ لوگ جو اشمار و اتحاد میں عام اس سے کہ مقابل سے کہیں زیادہ ہوں جنگ و جدال میں اپنی بدنظمیوں اور بے ترتیبوں کے ساتھ اپنی کامیابی کی کیا امید کر سکتے تھے۔

قریش کا مغرورانہ تغافل اتنا بڑھا کہ میدان جنگ میں جائے مقابلہ کی مناسبت کا بھی پہلے سے کچھ خیال نہیں کیا گیا کثرت سے پانی برس جانیکے باعث جس مقام پر قریش کو اپنا لشکر مقابلے کیلئے لاکر کھڑا کرنا ہوا۔ وہ بالکل دلدل ہو گئی تھی اور کیچڑ سے بھر گئی تھی۔ اور کسی طرح مقابلہ و مقاتلہ کے قابل نہیں تھی اسکا نتیجہ یہ تھا کہ نہ وہ اطمینان سے جارحانہ طریقہ پر مقابلہ کر سکے اور نہ مدافعانہ انداز سے۔"

عین مقابلہ کیوقت جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے کہ زور سے ہوا چلنے لگی جسکا رُخ شامت کا تازیانہ بنکر بالکل قریش ہی کے لشکر کیطرف تھا۔ (روضۃ الاحباب محدث شیرازی) ہوا کے جھونکوں نے قریش کے اور بھی ہوش و حواس اڑا دئے اور وہ عاجز آکر مقابلہ کا دلجمعی کے ساتھ کام نہ کر سکے۔

ان تمام موجودہ مخالف اسباب کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ اور ولید بن عتبہ کے بیکبار اور بالکل خلاف قیاس و امید قتل کئے جانیسے تمام لشکر میں ایک غیر متحمل اضطرار و انتشار اس شدت کے ساتھ پھیل گیا کہ پھر آخر وقت تک نہ رفع ہو سکا کوئی سالار و سردار لشکر ایسا مطمئن الحواس نہیں تھا جو فوج کو اس انتشار کے عالم میں تسلی و تشفی دیکر پھر مطمئن اور تازہ دم کر لیتا۔ یہ اضطراب و انتشار بڑھتا ہی چلا گیا اور پھر ابو البختری امیہ بن خلف اور خود ابوجہل کے آئندہ قتل کئے جانے سے اتنا بڑھا کہ آخر کار شکست کامل کیصورت میں نمایاں ہو کر ختم ہو گیا۔

یہ تو مسلمانوں کی فتح و فیروزی کے ظاہری اسباب تھے۔ جنکو دیکھکر ہر شخص آسانی سے فتح اسلام کے اسباب کو سمجھ لیگا لیکن ہر امر پر حقیقت کی نظر ڈالنے والے ان اسباب فتح فیروزمندی کے فراہمی اور تجمیع کے ذرائع اور وسائل کی تلاش کرے گا۔ اور مسلمانوں کی موجودہ قلت۔ ناداری اور بے سرو سامانی کو پیش نظر رکھکر جب طرفین کے معاملات میں موازنہ قائم کریگا تو باوجود ان تمام ظاہری اسباب و علل کے بھی اسلامی فتح کی نسبت کہدے گا کہ بدر میں مسلمانوں کی کامرانی محض تائید ربانی کا کام تھا۔ اور اُسی کے اس بیان کیساتھ قرآن بھی ہمزبان ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ || خدا نے ایسے وقت پر بدر میں تمہاری مدد کی کہ تم کمزور ہو رہے تھے خدا سے تقویٰ اختیار کرو کہ تم شکر گذار (بندے) بن جاؤ۔

فتح بدر کی خوشگوار نتائج | جنگ بدر کی فتح اسلام کے استقرار و وسعت کا سنگ بنیاد تھا اس عظیم الشان فتح نے مدینہ سے لیکر مکہ تک عرب کے ان تمام قبائل و اقوام کو دلوں میں جو چودہ پندرہ برس سے اسلام کے وجود کو محض لاوجود سمجھتے تھے اور اُسکی ہستی کو مٹا دینا ہر وقت اپنے آگے چٹکیوں کا کام یقین کرتے تھے سطوت و رعب اسلامی کے اثر سے کپکپی ڈالدی

وہ مقابل ہو کر اور مقابلہ میں اُنکی شجاعت و جگرداری ثبات و پاداری دیکھکر مجاہدین اسلام کا لوہا مان گئے تھے اور تمام شریر النفس اور مفسدہ انگیز سرداران مشرکین۔ عقبہ، شیبہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، ابوجہل، حنظلہ بن ابوسفیان اور نوفل ابن خویلد بن اسد وغیرہم جو اشاعت اسلام اور جان رسول روحی فداہ کے دشمن تھے ایک ایک کرکے ختم ہو گئے۔ یوں شامام کہ پھر نام ونشان تک نرہا۔ فتح بدر کے بعد عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین نے بھی رنگ بدلے اگرچہ وہ مادام الحیات اسلام کے حق میں مار آستین بنا رہا لیکن فی الحال بطور ظاہر اسلام کا مطیع و منقاد بن گیا۔

فتح بدر کے ناگوار نتائج ان نتائج خوشگوار کے ساتھ فتح بدر کے ناگوار نتائج بھی پیش آئے۔ فتح بدر سے یہودیوں کو امن و امان اموال و جان حفاظت کاروبار اور حراست شہر و دیار کیطرف سے اطمینان کیا ہوگا۔ اسلام کیطرف سے انکو حسد و نفاق نے گھیر لیا اُنھوں نے سمجھ لیا کہ اسلام کی موجودہ کامیابی ہمارے اتنے بڑے قدیم و اقتدار اثر کو جو مدینہ اور گرد و نواح کے تمام قبائل و اقوام کے قلوب سے دھو ڈالیگی اور پھر تمام علاقہ بھر میں ہمیں کوئی کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا جنگ بدر کے خاتمہ سے یہودیوں کی مخالفت کا آغاز ہوا۔ چنانچہ یہود کی مخالفت میں عنقریب ہمارے سلسلہ بیان سے ظاہر ہو جائے گا"

مکہ میں مقتولین بدر کا گھر گھر ماتم۔ بدر میں ابوجہل کے مارے جانے سے کفار قریش کی دستار امارت ابوسفیان بن حرب امیر معاویہ کے پدر بزرگوار کے سر پر باندھی گئی اور ابوجہل کے بعد اب یہ استیصال اسلام کے داعی اول حضرت سید الانام علیہ السلام کے ساعی بنکر تمام قوم و قبائل کو کامل چھ برس (جنگ بدر سے ۲ھ سے لیکر فتح مکہ ۸ھ ہجری) تک برانگیختہ کرتے رہے ابوجہل نے تو چودہ برس تک اسلام پر ہاتھ اُٹھانے میں توقف کیا تھا لیکن یہ مخالفت اسلام میں اتنے پھرتیلے اور جوشیلے نکلے کہ دو مہینہ بھی چین سے نہ بیٹھے۔ اور مقام کدر تک اسلام کے خلاف چڑھ دوڑے اور پھر سال ہی بھر کے اندر احد کے میدان میں خوب دل کھول کھول کے مسلمانوں کے خون سے دریا بہادئے جیسا کہ عنقریب تفصیل سے معلوم ہوگا۔

شکست بدر اور ستر بیکبار ستر جوانان و نمودار ان قریش کے مارے جانیکی خبر مکہ میں پہونچی تو قریب قریب تمام شہر ماتم کدہ بنگیا۔ آہ و زاری نالہ و بیقراری اور فغان فریاد سے تمام گھر وں میں کہرام مچگیا اور عرب کے دستور قدیم کے مطابق تمام قبائل کے مرد اور عورتیں صف ماتم بچھاکر اپنے مقتولین کو صبح و شام رونے لگیں باقیماندہ جوانان قریش نے اس شدت گریہ و بکا کو موقوف کرادیا اسلئے کہ یہ روناد ھونا انکے اظہار ضعف اور زوال قوت کا باعث ہوگا۔ اور مسلمان سنکر شماتت کرینگے۔ لیکن غور کیاجائے تو معلوم ہوجائیگا کہ انکا یہ حکم بھی محض جاہلانہ اور سخت ظالمانہ تھا انسان کے جذبات قلبی کے اجراو اظہار کو روکنا اصل جبر و ظلم ہے۔

خیر۔ رونے کی ممانعت کا حکم عام سنکر دنیوالوں نے رونا موقوف کردیا لیکن دبے دبے رونا اور قلب سے آنسو بہانا نہ گیا اور اسے کون روک سکتا تھا طبری اور ابن ہشام نے اسکے متعلق ایک دردانگیز واقعہ بیان کیا ہے جسکو ہم شبلی صاحب کے الفاظ میں سیرۃ النبی سے نقل کرتے ہیں۔

لڑائی (جنگ بدر) میں اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے اسکا دل امنڈ آتا تھا۔ لیکن قومی غیرت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا اتفاق یہ کہ ایکدن کسی طرف سے رونیکی آواز آئی (اسود) سمجھا کہ اب قریش نے رونیکی اجازت دیدی نوکر سے کہا دیکھنا کون روتا ہے؟ کیا رونیکی اجازت ہوگئی میرے سینہ میں آگ لگ رہی ہے جی کھولکر رولوں تو تسکین ہوجائے آدمی نے آکر کہا ایک عورت کا اونٹ گم ہوگیا ہے اسکے لئے رو رہی ہے اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے

اتبکی ان تضل لہا بعیر تو ایکا اونٹ گم ہوجانے پر کیا روتی ہے	ویمنعہا من النوم السہود اور تجھکو نیند نہیں آتی ہے
ولا تبکی علی بکر ولکن تجھکو بکر پر رونا نہیں آتا۔	علی بدر تقاصرت الجدود دہائے پیچ ہی کہ بدر میں قسمت نے کمی کی
فبکی ان بکیت علی عقیل تجھکو رونا ہے تو عقیل پر رو	وبکی علی حارث اسد الاسود حارث پر رو جو شیروں کے شیر تھے

بکر عقیل حارث تینوں اسود کے بیٹے تھے۔ اصل ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۶۔ سیرۃ النبی صفحہ ۳۴۲

ابولہب کا خاتمہ

بدر کے خاتمہ کے ساتھ بدر کی شکست سے سب سے زیادہ ابولہب کا دل ٹوٹ گیا اور آخر کار یہی کوفت اس کا سبب موت قرار پایا ابن ہشام اور طبری اسکے قلق واضطراب پیچ وتاب اور غصہ وعتاب کی تمام کیفیتوں کو جو اس بدبخت ترین قوم پر طاری ہوئی تھیں ابورافع کی زبانی یوں بیان کرتے ہیں۔

"ابورافع حضرت عباس کے غلام بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عباس کے عیال کے ساتھ جنگ بدر کے موقع پر مکہ ہی میں رہگئے تھے۔ جب بدر میں اسلام کی فتح اور کفار قریش کی ذلت وخواری کی خبر آئی تو اس سے ہم لوگوں (آل عباس یا بنی ہاشم) میں قوت وعظمت آئی۔ ابورافع بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک کبیرالسن آدمی تھے اور اسوقت کعبہ کیمقام حجرہ میں بیٹھے ہوئے عمل اقداح کر رہے تھے اور میرے پاس حضرت عباس کی بی بی ام الفضل بیٹھی ہوئی تھیں اور ہم لوگ چپکے چپکے اسی خبر کیمتعلق باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں ابولہب آیا۔ اور طناب حجرہ کے اوپر اس طریق سے بیٹھ گیا کہ اس کی پیٹھ میری پیٹھ سے ملگئی۔ اس اثنا میں کسی نے کہا کہ وہ ابوسفیان بن الحرث بن عبدالمطلب آرہے ہیں یہ بھی شریک بدر میں تھے جب وہ آئے تو ابولہب نے بیچین ہوکر کہا آؤ تمہیں سے تو تفصیلی حالات معلوم ہونگے یہ سنکر وہ بیٹھ گئے اور تمام لوگ سننے کے لئے کھڑے ہوگئے ابولہب نے کہا ہاں میرے بھتیجے بتاؤ تو کیا ہوا؟ ابوسفیان جنکا نام مغیرہ تھا کہنے لگے چچا کیا کہیں طرفین سے مقابل ہوتے ہی گویا ہم پر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں نے جس طرح چاہا ہم کو قتل کیا۔ اور جب جس طرح چاہا ہمکو اسیر کیا۔ اور خدا کی قسم مسلمانوں کی طرف عجیب وغریب قسم کے لوگ

تھے۔ سفید و نورانی قد و قامت والے کثرت سے لوگ ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان و زمین کے درمیان ہمکو دکھائی دیتے تھے۔ خدا کی قسم نہ ان تک کوئی پہونچ سکتا تھا۔ اور نہ کوئی ان کو روک سکتا تھا یا پھیرا سکتا تھا۔

ابورافع کا بیان ہے کہ یہ سنکر میں فوراً بول اٹھا کہ خدا کی قسم وہ ملائکہ تھے میرا اتنا کہنا تھا کہ ابولہب نے نہایت زور سے میرے موہنہ پر طمانچہ مارا اور پھر مجھکو اٹھا کر زمین پر دے مارا اور مارنے لگا میں ایک کمزور سا دربور ہا آدمی تھا۔ ابولہب کا کچھ نہ کر سکا یہ دیکھکر ام الفضل سے ضبط نہ ہوسکا وہ فوراً اٹھیں اور حجرہ کی لکڑیوں میں سے ایک لکڑی اٹھا کر ابولہب کے سر پر لگائی کہ اسکا سر پھٹ گیا۔ اور کہنے لگیں کہ اسکا مالک یہاں موجود نہیں ہے۔ اسلئے تم اس پر ظلم و ستم کر رہے ہو۔"

ابورافع کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے سات ہی دن بعد ایک دانہ نکلنے کے مرض (زہرباد) میں ابولہب مرگیا۔ خس کم جہان پاک

ابن ہشام صفحہ ۲۶ جلد دوم

عمیر بن وہب اور قتل رسولؐ کا اقرار

واقعہ بدر کو ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ صفوان بن امیہ جس کا باپ امیہ بن خلف بدر میں مارا گیا تھا اور عمیر ابن وہب جسکا ایک بیٹا ابھی تک مسلمانوں کے پاس مدینہ میں اسیر تھا۔ بیرون مکہ تنہائی میں بیٹھکر واقعہ بدر کے متعلق باتیں کرنے لگے۔

دونوں اسلام اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام کیطرف سے بھرے بیٹھے تھے۔ عمیر کہنے لگا قریش قصاص بدر کے متعلق جو تدبیریں نہ سوچیں اور جیسی جیسی ترکیبیں عمل میں نہ لائیں وہ انکا کام ہے لیکن میرا کام تو یہ ہے کہ اگر میں قرضداری اور عیالداری کی کش مکش میں گرفتار نہ ہوتا تو ابھی مکہ سے اوٹھتا۔ مدینہ پہونچتا۔ اور محمدؐ کا کام تمام کر آتا۔ جھگڑا ہی مٹ جاتا پھر کسی کو قتل و قصاص کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ افسوس کہ یہ دونوں ضرورتیں میرے پاؤں کی زنجیریں بنی ہیں۔ صفوان بولا۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہے تم جاؤ اور با اطمینان اپنا کام کر آؤ۔ میں تمہاری قرضداری اور خرچ خانہ داری دونوں کا ذمہ دار ہوں عمیر کہنے لگا واہ تو اب مجھے اب کوئی دشواری نہیں ابھی ابھی میں چلتا ہوں اور اپنے ارادے کو خاطرخواہ پورا کر آتا ہوں اتنی گفتگو کے بعد دونوں گھر لوٹ آئے۔

دوسرے دن عمیر نے طیاری کر دی۔ گھر سے نکلا۔ تلوار پر خوب تیز باڑھ رکھوائی پھر ستواتر زہر میں بجھوائی ان تیاریوں کیساتھ اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کو روانہ ہوا اور بڑی سرعت کیساتھ دو منزلہ کرتا ہوا مدینہ طیبہ میں اسوقت پہنچا جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے دروازہ مسجد پر آ کر عمیر نے اونٹ بٹھلایا خلقی عادت کے موافق بیٹھنے کے وقت اسکا اونٹ بولا تو صحابہ میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ اسکی طرف متوجہ ہوئے دیکھا تو پہچانا کہ عمیر بن وہب ہے مسلمانوں میں اسکی شرطبیعت سے کون واقف نہیں تھا حضرت عمرؓ نے فوراً خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی کہ عمیر شمشیر برہنہ لئے آرہا ہے آپ نے کامل استغنا و متانت سے جواب دیا آنے دو

تو آنے دو اتنے میں عمیر شمشیر برہنہ لئے آہی گیا۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہو عمیر کیسے آئے عمیر بولا لڑکے کو دیکھنے چلا آیا۔ ارشاد ہوا پھر یہ شمشیر برہنہ کیوں آئی ہے۔ عمیر نے کہا تو پھر کیا ہوا ہماری اتنی تلواروں نے بدر میں آپکا کیا کرلیا جو میری یہ ایک تلوار کرے گی آپ نے پھر اصرار فرماکر استفسار کیا سچ کہو۔ یہ شمشیر برہنہ کس قصد وارادے سے ساتھ لائے ہو عمیر نے پھر اُسی جواب کی تکرار کی۔

اب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم خود مجھے حقیقت حال بیان کرنے پر مجبور کرتے ہو تو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ تم نے اور صفوان بن امیہ دونوں نے بیرون مکہ بیٹھکر میرے قتل پر مشورہ کیا ہے اور صفوان نے تمہاری قرضداری اور عیالداری کی ذمہ داری لیکر تم کو میرے قتل کردینے کے لئے یہاں بھیجا ہے سچ کہو عمیر یہ صحیح ہے یا غلط۔ عمیر یہ بھی یقین کرو تم میرا کچھ نہیں کرسکتے میرا پروردگار میرا محافظ ہے۔

یہ ارشاد سُنکر عمیر اپنے آپ میں نہ تھا سکتے میں آگیا۔ خموشی کے عالم میں سر جھکائے دیر تک سوچتا رہا سر اوٹھایا تو عرض کی۔ اب مجھے یقین کامل ہو گیا کہ آپ بلاشبہ و شک نبی برحق ہیں آسمانی بشارات و الہامات اور نزول وحی کے ارشادو ہدایات کی نسبت آپ کو جھٹلا دینا میرے لئے آسان تھا۔ لیکن ان معاملات خاص میں جنمیں میں یقیناً اور بذات خاص جانتا ہوں کہ سوائے میرے اور صفوان کے نہ کوئی اس واقعہ کو جانتا ہے اور نہ کوئی اسکے موقع پر آمیں شریک و حاضر تھا۔ آپکا پورا پورا انکشاف حقیقت فرمادینا کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے یہ کہکر عمیر نے فوراً کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُسی وقت مشرف باسلام ہوا۔

عمیر کیا کرنے آیا تھا کیا کر گیا۔ یہی تصرفات قدرت ہیں۔ معرفت قدرت کے حصول کا قوی ذریعہ انسان کو قصد وارادٰہ کی فسخ وتفسیخ بھی ہے۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔

عرفت ربی بفسخ العزائم || میں نے اپنے پروردگار کو اِتنے ارادوں کے نہ پوری ہونے سے پہچانا

عمیر کے ایسے مخالف اسلام کے اسلام لانے سے عموماً تمام مسلمانوں کو بہت بڑی مسرت ہوئی جناب رسولخدا صلعم نے اسی وقت صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے برادر ایمانی کو اپنے ہمراہ لیجاؤ اسلام کے ارکان اور احکام قرآن تعلیم کرو اور انکے بیٹے کو ان کے اسلام لانے کے عوض میں فوراً رہا کردو۔ صحابہ نے اسی وقت حکم کی تعمیل فرمائی۔

عمیر نے چند دنوں کے بعد عرض کی کہ مجھے مکہ جانیکی اجازت دیجائے اسلئے کہ اب میرا عزم بالجزم یہ ہے کہ وہاں جاکر جسطرح میں اسوقت تک اہل اسلام کو ستایا کرتا تھا اور آزار پہنچایا کرتا تھا۔ اسی طرح اب مشرکین قریش اور کفار مکہ کو ستاؤں اور انکو تبلیغ اسلام کے احکام پہونچاؤں آنحضرت صلعم نے شرط نرمی کی انجام دہی پر اسکو اجازت دیدی صفوان ابن امیہ مکہ میں عمیر کی کارروائیوں کا دن رات منتظر رہا کرتا تھا۔ اور قریش سے باتوں باتوں میں اکثر کہدیا

کرتا تھا کہ دیکھنا دو ہی ایک روز میں مدینہ کے اندر کیا گل کھلتا ہے کہ نقصانات بدر کے داغ دلسے مٹ جائینگے صفوان کو تدبیر مشیت کی کیا خبر۔ دو ہی چار دنوں کے بعد عمیر کی تدبیر کا نتیجہ بالعکس ظاہر ہوا اور اُسکے مسلمان ہوجانیکی خبر مکہ میں پہونچی تو صفوان کے بدنمیں خون نہیں تھا۔ اب عمیر بھی دو ہی چار دن میں کامل مسلمان بنکر اپنے بیٹے کو لئے ہوئے مکہ میں پہونچگیا۔ صفوان نے غم و غصہ کی جہالت سے عمیر کیصورت دیکھنی اور آیندہ اُسکو کسی قسم کا فائدہ پہونچانیکی قسم کھائی لیکن اب دولت ایمان کے آگے صفوان کی بیرخی اور ناتوجہی کی عمیر کو پروا ہی کیا تھی وہ جو وعدہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر آیا تھا بڑے اطمینان و فراعت سے مکہ میں پورا کرتا رہا اور کثیر التعداد و مشرکین کفار کو اپنے پند و موعظت سے ہمیشہ دائرہ اسلام میں لاتا رہا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۳۲۔

غزوۃ الکدر یا غزوۃ السویق

(ذی قعدہ ۲ھ ہجری)

ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ ابوسفیان قصاص بدر کیلئے بیحد بیچین ہو رہا تھا اُس نے عہد کر لیا تھا کہ جبتک کشتگان بدر کا انتقام نہ لیگا نہ غسل جنابت کریگا۔ نہ کپڑے بدلیگا اور نہ سر میں تیل ڈالیگا۔ اُس کا اضطراب قصاص اُس کو ایسا بدحواس بنائے تھا کہ شکست بدر کے مہینہ ہی بھر کے بعد دو سو شترسوار اونکو ہمراہ لیکر قصاص بدر کے ارادے سے مدینہ تک چڑھ دوڑا لیکن اب اسلام کے مونہہ پر ایکبارگی چڑھ دوڑ آنا آسان نہیں تھا۔ بلکہ اب اُسکے آگے نہیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

اس بنا پر ابوسفیان مدینے سے تین میل کے فاصلہ پر چاہ کدر (قرقرۃ الکدر) پر اُتر پڑا۔ اسلام کیطرف سے یہودیونکی سیلی اور بغض کی خبر اُسکو پہنچ چکی تھی اسلئے اُسنے یہودیوں سے پہلے استفسار حالات اور تیز انکو اپنا ہمخیال و ہم آہنگ بنا لینے کی ترکیب سوچی۔ چنانچہ وہ رات کی تاریکی میں چھپ کر مدینہ پہنچا سب سے پہلے حی ابن اخطب کے گھر آیا رات زیادہ گئی تھی اُسکے گھر کے کواڑ بند ہو چکے تھے۔ نہ کھل سکے مجبور ہو کر سلام بن مشکم کے گھر گیا۔ یہ یہود ان بنی نضیر کا سردار اور تمام یہودیوں کے خزانوں کا امانتدار تھا۔ دروازے پر دستک دی کواڑ کھلے ابوسفیان اندر آیا۔ سلام بن مشکم نے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا بڑے اکرام و احترام سے مہمانی کی عمدہ عمدہ کھانے پکوائے کھانے کے بعد رات بھر بادہ نوشی کی صحبت جمی رہی اور اس صحبت میں شغلہ خاص کے ساتھ اصل مدعا پر گفتگو بھی ہوتی رہی۔ سلام بن مشکم نے ابوسفیان کے تمام استفسارات کا خاطرخواہ جواب دیا اور اسلام کے متعلق ہر جزئیات ذہن نشین کرا دی ... مقابلہ کا وقت نہیں ہے تھوڑا ... وقت گزر چکا ہے۔ ابوسفیان ... صبح

مدینہ سے روانہ ہوا اور اپنی قیامگاہ پر پہونچگیا عرب میں اپنے عہد کا پورا کرنا ایسا فرض تھا کہ کسی وقت اور کسی حالت میں چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ ابوسفیان چونکہ قصاص بدر کا عہد کرکے چلا تھا اسکو جزوی یا کلی طور پر پورا کردینا اسکے لئے لازمی تھا اس بنا پر اُسنے کدرسے لے ہوئے مقام عریض پر حملہ کردیا۔ عریض میں انصار کے چند قبائل آباد تھے ایک مرد انصاری سعد بن عمرو کو قتل کردیا اور انصار کے چند مکانات میں آگ لگاکر خاک سیاہ کردئے۔ مویشیوں کے چارہ کے انبار میں بھی آگ لگادی اور انکو بھی بیکار و ضائع کردیا۔ اور اس طریقہ سے جزوی طور پر اپنے عہد و قسم کو پورا کردیا۔

شبلی صاحب نے صرف عمرو بن سعد کا قتل لکھا ہے لیکن ابن ہشام عمرو بن سعد کے ساتھ اسکے حلیف کا قتل کیا جانا بھی بتلاتے ہیں اس بنا پر ابوسفیان نے انصار کے دو آدمیوں کا خون ناحق کیا۔ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۹ء

اس ظالمانہ اور بزدلانہ حملات کے ارتکاب کیساتھ ساتھ ہی اسکو مسلمانوں کا خوف بھی دامنگیر تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے آنیکی خبر بھی لگ گئی۔ جو واقعی صحیح تھی اس خبر کے پاتے ہی اسکے حواس جاتے رہے اور فوراً مکہ کی طرف اس تیزی سے جان بچا کر بھاگا کہ راہ میں بوجھ ہلکا کرنے کی غرض اور جلد مسافت طے کرنیکی ضرورت سے ہمراہی رسد کے سامان تمام راہ میں پھینکتا گیا۔ رسد کے سامان میں اسکے ساتھ صرف ستو بند ہے تھے جسکو عربی میں سویق کہتے ہیں اُسی کے تھیلے راستہ میں گراتا گیا۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ابوسفیان کی تاخت کی خبر ملی تو آپ نے ابو لبابہ کو مدینہ میں نگراں چھوڑکر صحابہ کے ساتھ تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدر تک تشریف لائے لیکن آپکی آمد سے پہلے ابوسفیان مکہ کو چلدیا تھا اسلئے آپکو فوراً واپس ہونا پڑا۔ راستہ میں ابوسفیان کے پھینکے ہوئے تھیلے وہاں پڑے پائے گئے۔ اور وہ مسلمانوں نے اُٹھالئے۔ اس خصوصیت کیوجہ سے اس غزوہ کا نام غزوۃ السویق مشہور ہوا۔

تزویج جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

لولم یخلق علیٌ ما کان لفاطمۃ کفواً — امام دیلمی اگر علی پیدا نہ کئے جاتے تو فاطمہ کیلئے کوئی کفو پیدا نہ ہوتا

جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا سن مُبارک تزویج کے قابل ہوچکا تھا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیاہ کی فکر بھی اوّل تو مدینہ میں تشریف لاتے ہی شب و روز کی تردد و تفکر سے اطمینان دلجمعی حاصل نہیں ہوئی تھی دوسری وجہ تاخیر یہ بھی کہ آپ جناب سیدہ کے مسئلہ تزویج کو مشیت آلہی کی تجویز پر موقوف رکھے تھے اور ہمیشہ اس امر خاص میں حکم آلہی کے منتظر رہتے تھے۔ اس اثنا میں اکثر حضرات نے پیام دئے لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا یہانتک کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی خواستگار ہوئے لیکن آپ نے ان دونوں حضرات کے معروضات پر اعتنا نہ فرمائی۔

شبلی صاحب کے استخفاف و اختصار کے تو یہی خاص مقامات ہیں اسوجہ سے اس واقعہ کی تفصیل میں آپ نے پہلے ہی سے قلم دبانا شروع کردیا ہے۔ اوّل تو اسواقعہ کو مامور بامر الٰہی ہونا اشارتاً و کنایتاً ظاہر ہونے نہیں دیا ہے دوسرے یہ کہ ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کی روایت صرف ابن سعد کے حوالہ سے لکھ کر اسکا

عدم صحت ثابت کرنا چاہا ہے۔ اس غرض خاص سے کہ عوام حضرات شیخین کی خواستگاری والی روایت کو خاص ابن سعد یا زیادہ سے زیادہ اہل سیرت کا مختار سمجھیں اور اسکو مرویات احادیث نہ یقین کریں۔

ثبوت استدلال میں وجہ عدم صحت یہ بتلائی جاتی ہے کہ علامہ ابن حجر نے تزویج جناب سیدہ کے متعلق اور سب مرویات لکھی ہیں مگر اسکو نہیں لکھا؟

محققین آپ کو اس استدلال کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں۔ اور آپکی اس شان و عنوان استخفاف کو بھی پہچانتے ہیں۔ ابن حجر کس گنتی میں ہیں تاریخ و سیرت کی کتابوں کو جانے دیجئے حدیث کی کوئی چھوٹی بڑی کتاب ایسی نہیں ہے جسمیں ان دونوں امور کی خاص طور پر تصریح موجود نہیں ہے۔ حضرات ابوبکر رض و عمر رض کا خواستگار ہونا اور تزویج جناب سیدہ کا تجویز الٰہی پر موقوف ہونا دونوں امور کی نسبت۔ مناقب امام احمد بن حنبل۔ ذخائر العقبیٰ امام طبری۔ معجم ثلاثہ امام طبرانی۔ تاریخ ابن عساکر۔ کتاب الموافقات ابن السمان۔ مواہب لدنیہ۔ امام قسطلانی مودۃ القربیٰ۔ سید علی الہمدانی۔ فردوس الاخبار۔ امام دیلمی۔ اسد الغابہ فی تمیز الصحابہ امام جزری۔ مناقب امام ابوبکر خوارزمی۔ ابن شاذان۔ علامہ ابو الخیر قزوینی حاکمی علامہ عبد الباقی الزرقانی۔ ینابیع المودۃ امام سلیمان بلخی۔ القندوزی۔ مناقب ابن مردویہ روضۃ الاحباب محدث شیرازی۔ مطالب السئول امام ابن طلحۃ الشافعی کفایۃ الطالب علامہ ابن یوسف الگنجی الشافعی اور ارجح المطالب خواجہ عبید اللہ امرتسری نے اپنی اپنی تصنیفات میں بالتفصیل تمام لکھا ہے دیکھئے یہ تفصیل زرقانی جلد دوم ص ۵ ینابیع المودۃ فی القربیٰ امام قندوزی ص ۱۴۴ مطبوعہ بمبئی اور ارجح المطالب خواجہ عبید اللہ امرتسری صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ لاہور سے نقل کی ہے۔)

تعجب ہے کہ شبلی صاحب کو ایسے متواتر اور کثیر الاسناد واقعہ کی تضعیف پر کیسے جرأت ہوئی۔ یہ جرأت بھی اُسی ضرورت و مجبوری پر مبنی ہے جو استخفاف حالات بنی ہاشم کے متعلق مدت قدیم سے آپکے لاحق حال ہے اُسی ضرورت نے یہاں بھی حقیقت حال بیان کرنے سے آپ کا قلم روک لیا۔

اتنا تنقیداً اور تمہیداً لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کے سوالوں کی نامنظوری کے بعد جناب علی مرتضیٰ ع نے خواستگاری کی اور وہ بطیب خاطر منظور فرمائی گئی۔ ہم ان واقعات کو اپنی کتاب الزہرا[۱] میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں صرف زرقانی نے جن خواستگاریوں کو صحیح الاسناد قرار دیکر اس واقعہ کے متعلق سند درج کیا ہے ہم اُسی کو ذیل میں نقل کر دیتے ہیں۔

فی حدیث انس رض عند ابی الخیر الحاکمی وابن عساکر وابن شاذان خطبها علی بعد ان خطبها ابوبکر رض ثم عمر فقال له علیه السلام قد امرنی ربی بذلک قال انس

علامہ ابو الخیر حاکمی ابن عساکر اور ابن شاذان انس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی خواستگاری حضرت ابوبکر رض و حضرت عمر رض کے بعد کی آنحضرت صلعم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ خدا نے

[۱] کتاب الزہرا دفتر کاظم بکڈپو سے طلب فرمایئے۔

ثم دعانی علیه الصلوٰة والسلام بعد ایام فقال ادع
لی ابابکر و عمر و عثمان و عبد الرحمان و عدة من الانصار
فلما اجتمعوا واخذوا مجالسهم فقال صلی الله علیه
و آله وسلم۔

الحمد لله المحمود بنعمته المعبود بقدرته
المطاع المرهوب من عذابه وسطوته النافذ امره
فی سمائه وارضه الذی خلق الخلق بقدرته ومیزهم
باحکامه واعزهم بدینه واکرمهم بنبیه محمد
صلی الله علیه وآله وسلم ان الله تبارک وتعالی اسمه
وتعالت عظمته جعل المصاهرة سببا لاحقا وامرا
مفترضا وشج الارحام واکرم به الانام فقال عز
من قال وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا
وَصِهْرًا فامر الله یجری الی قضائه وقضاؤه یجری
الی قدره ولکل قضاء قدر ولکل قدر اجل
ولکل اجل کتاب يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ
أُمُّ الْكِتَابِ۔

ان الله تعالی امرنی ان ازوج فاطمةؑ من علی
ابن ابی طالب فاشهدوا انی قد زوجته علی اربعمائة
مثقال فضة ان رضی بذلک علی بن ابی طالب ثم
دعا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بطبق
بسر ثم قال انتهبوا فانتهبنا ودخل علی فتبسم النبی
صلی الله علیه وآله وسلم فی وجهه ثم قال ان الله عز وجل
امرنی ان ازوجک فاطمة علی اربعمائة مثقال فضة
ارضیت بذلک فقال رضیت بذلک یا رسول الله
فقال علیه الصلوٰة والسلام جمع الله شملکما واعز جدکما

بھی مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے انسؓ کہتے ہیں کہ پھر ایک دن آنحضرت صلعم
نے مجھے بلایا اور ارشاد فرمایا کہ حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور عبد الرحمٰن
اور انھیں کی تعداد کے مطابق انصار میں سے لوگونکو میرے پاس بلا
لاؤ جب یہ لوگ آپکے پاس جمع ہوئے تو آپ نے انکے ساتھ ایک مجلس
ترتیب دی اور انکو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا۔

جمیع حمد ثابت ہے اللہ کے واسطے جو محمود ہے اپنی نعمتوں کے سبب سے
اور معبود ہے اپنی قدرت کے سبب سے قابل اطاعت ہے اپنی سطوت کی وجہ
کے باعث سے لوگ اسکی طرف اسکے عذاب کیوجہ سے گریز کرتے ہیں
وہ ایسا ہے جسنے تمام مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور
اپنے احکام سے انکو قوت تمیز دی ہے اور اپنے دین کے سبب انکو عزت
بخشی ہے اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باعث سے انکو
بزرگی عطا فرمائی ہے بہ تحقیق اللہ عز وجل نے سسرالی رشتہ کو سبب تازہ
امر واجب حکم عادل اور خیر جامع قرار دیا ہے اور اسکے سبب رحموں کو
ملایا ہے اور تمام خلق پر اسکو لازم گردانا ہے۔ اور فرمایا ہے (وہ اللہ
ایسا ہے جسنے پانی سے انسانکو پیدا کیا۔ پس اسکے واسطے نسب
اور سسرالی رشتہ قرار دئے اور میرا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے)
اور خدا کا حکم اسکی قضا کیطرف جاری ہوتا ہے اور اسکی قضا
اسکی قدر کیطرف جاری ہوتی ہے اور ہر قضا کے لئے ایک قدر ہے
اور ہر قدر کیواسطے ایک وقت خاص ہے اور ہر وقت کیلئے
ایک حکم خاص ہے۔ خدا جسکو چاہے محو کردے جسکو چاہے قائم رکھے
اسی کے پاس اصل کتاب یعنی لوح محفوظ ہے

امابعد خدائے سبحانہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو علیؑ
ابن ابیطالب کے ساتھ چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی کے مہر پر بیاہ
دوں بشرطیکہ علیؑ بھی اسپر راضی ہوں پھر آپ نے ایک طبق چھوہارے
کا بھرا ہوا طلب کیا اور ارشاد کیا کہ اسکو لوگونمیں لٹادو چنانچہ وہ تمام

وبارک علیکما واخرج منکما کثیرا طیبًا۔ | لوگوں میں شادیا گیا اسی اثنا میں علیؑ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم ہوکر انکی طرف دیکھا اور انکو مخاطب فرماکر ارشاد فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کو تمہارے ساتھ چارسو اسّی مثقال چاندی کے مہر پر بیاہ دوں تمہیں منظور ہے؟ حضرت علیؑ نے عرض کی منظور ہے یہ سُنکر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تم دونوں میں محبت عطا کرے تمہاری معاشرت میں عزت دے اور تم دونوں کو برکت عنایت کرے۔ اور تم دونوں سے اولاد طاہرین مخلوق فرمادے

لیکن مناقب احمد بن حنبل اور مسند ابوحاتم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر فقرات دعا سے پہلے اور حضرت علیؑ کے ایجاب فرمانیکے بعد یہ فقرات لکھے ہیں:۔

ثم ان علیًا خر ساجدًا شکرًا للّٰہ تعالیٰ۔ حضرت علیؑ خدا کے سجدہ شکر میں جھک گئے۔

زرقانی نے بھی اسکو لکھا ہے مگر تھوڑے فصل کے بعد یہ تجمیع حدیث کیوقت تقدیم و تاخیر کی صرف سہو ترتیب ہے جو اکثر مولفین کو لاحق ہوجاتی ہے۔ اور چنداں قابل لحاظ نہیں زرقانی ج ۲ ص ۷۔

یہ تو جناب سیدہ کی تزویج کے خاص حالات تھے ارباب سیر و تاریخ اور اصحاب احادیث نے سامان جہیز میں مفصلہ ذیل چیزیں لکھ کر بتلائی ہیں۔

ایک چارپائی جو (بان سے بنی ہوئی تھی)، موٹی گزی کی دو تہالیاں (ایک میں کھجور کی پتیاں بھری تھیں اور دوسری میں غنچہ خرما کی چھالیں) چار تکئے (دو میں کھجور کی پتیاں اور دو میں بھیڑی کے بال بھرے تھے) چاندی کے دو بازو بند۔ بردیمانی کی دو چادریں۔ ایک چادر جو سر سے پاؤں تک نہیں آتی تھی۔ ایک چکی۔ ایک لوٹا۔ ایک کوزہ۔ ایک مشک اور دو مٹی کے گھڑے

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عشا پڑھکر حضرت فاطمہ علیہا السلام کو حضرت ام ایمن کے ہمراہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر بھیجدیا۔

حضرت علی مرتضیٰ کے گھر میں بضعۃ الرسولؐ کے آنیکے بعد جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے ان دونوں حضرات کے ساتھ گھر میں تشریف لاکر جو معاملات ظاہر کیگئے انکو علامہ زرقانی اور خوبی صاحب نعمانی ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت فاطمہ جب نئے گھر میں چالیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے پاس تشریف لیگئے دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا پھر اندر آئے ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہاتھ اسمیں ڈالے اور حضرت علیؑ کے سینہ اور بازو پر پانی چھڑکا پھر حضرت فاطمہ کو بلایا اور وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ انپر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ سیرۃ النبی ص ۲۶۸ زرقانی ج ۲ ص ۷۔

واقعات متفرقہ سنہ ۲ ہجری

اسی سال سے رمضان کے روزے عید کی نماز۔ اور زکوٰۃ فطر کا حکم آیا۔ اور اسی سال مسلمانوں نے نماز عید بالجماعت پڑھی۔

شبلی صاحب کے سلسلۂ بیان میں بدترتیبی

شبلی صاحب کے سلسلۂ بیان میں بے ترتیبی

شبلی صاحب نے سیرۃ النبی میں محض اظہار جدت کے نقطہ نظر سے ترتیب واقعات میں بہانے فصل پیدا کر دیا ہے اور تعیین اوقات میں تاخیر و تقدیم کا نقص ترویج جناب فاطمہؑ کے بعد تمام واقعات کو جو اسی سال کے اندر واقع ہوئے مرفوع القلم فرما دئے ہیں اور اپنا سلسلۂ بیان اور ترتیب تالیف غزوہ احد کے عنوان سے بیکبار آغاز کیا ہے۔ حالانکہ ترویج جناب سیدہ سے لیکر آغاز جنگ تک کے ایام میں باتفاق ابن ہشام وطبری۔ غزوات۔ ذی امر۔ بحران۔ غزوہ بنی قینقاع۔ سریہ زید بن حارثہ سریۂ کعب بن الاشرف وغیرہ کے ایسے چھوٹے بڑے واقعات گذشتہ دس مہینہ کے عرصہ میں برابر اور سلسلہ وار پیش آتے گئے جنکو متقدمین اور متاخرین مؤلفین نے آجتک اپنی تمام تصنیفات و تالیفات میں انکی ترتیب وقوع کے موافق قلمبند فرمایا ہے لیکن شبلی صاحب نے نہیں آپنے جو ترتیب اختیار کی ہے۔ یا تو وہ آپ کی ایجاد خاص ہے۔ یا یورپین مصنفین کی تقلید اور پابندی اور وہ یہ ہے کہ آپ نے غزوات کو دو قسموں پر منقسم فرمایا ہے ایک سلسلہ میں وہ واقعات رکھے ہیں جو قریش سے پیش آئے اور دوسرے میں وہ غزوات جو یہود یوں کے ساتھ واقع ہوئے ترتیب مضامین کی یہ تقسیم بظاہر تو بالکل صحیح ہوتی ہے اسلئے کہ علی الاکثر یہی دونوں مخالف قومیں ہمیشہ اسلام سے مقابل ہوتی رہیں اور انھیں کے ساتھ لگاتار واقعات پیش آتے گئے۔ چنانچہ واقعات سلسلہ ہجری میں خود تحریر فرمایا گیا ہے۔

ارباب سیر کے مطابق غزوہ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال میں ہونا چاہئے تھا لیکن اتصال و تسلسل واقعات کی بنا پر وہ آیندہ مذکور ہوگا۔ سیرۃ النبی ص ۲۶۹۔ ج ۱۔

لیکن غرض یہ ہے کہ اس تقسیم سے واقعات کی تعیین میں بہت فصل واقع ہو گیا۔ مثال کے لئے غزوہ بنی قینقاع ہی کے ذکر کو دیکھنا چاہئے کہ ارباب سیرت کی اسناد کے مطابق آپ تو خود اعتراف فرما چکے ہیں سنہ ہجری میں واقع ہوا ہے لیکن آپ نے اسی ترتیب کی مجبوری سے سنہ ہجری میں غزوہ احد اور سنہ ہجری کے سلسلۂ غزوات وسرایا کی بعد تفصیل کے بعد صفحہ ۲۹۵ میں اس عنوان کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے سنہ ۲ ہجری غزوہ بنی قینقاع اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ سنہ و سنہ ہجری کے تمام واقعات و حالات بیان کر دئے جانے کے بعد اب پھر سنہ ہجری کیسا؟ دوسرے تو اس آپکی نو ایجاد ترتیب کو دیکھکر ایک مہذبانہ تبسم کر کے رہجاتے ہیں۔

سب سے زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ آگے چلکر یہ ترتیب بھی قائم نہیں رکھی گئی یہود کے معاملات کو باستثنائے خیبر ایک جا بیان کرکے پھر جنگ خندق آغاز کر دی گئی ہے۔ جو قریش کے خاص معاملات تھے اور خندق کے بعد معاملات حدیبیہ تک مسلسل اور مفصل طور پر قریش کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ان سبکے بعد غزوہ خیبر کا ذکر کیا گیا ہے تو پھر

تو وہی ارباب سیر کی قدیم ترتیب اختیار کرلی گئی۔ اور اپنی وہ ترتیب خاص جسکو عدم بیان غزوہ بنی قینقاع کی وجہ میں یہ لکھکر دکھلایا گیا تھا کہ اتصال و تسلسل واقعات میں فرق آتا ہے وہ ہی ایک واقعات کی تحریر کے بعد متروک فرما دی گئی حالانکہ اگر ترتیب واقعات میں تبدیلی منظور تھی تو وہ بآسانی یوں ہو سکتی تھی کہ سنہ ۲ھ سے لیکر سنہ ۱۱ھ تک قریش کے ساتھ جتنے واقعات پیش آئے تھے وہ ایک سلسلہ میں بیان کر دیئے جاتے اسی طرح سنہ ۲ھ سے لیکر سنہ ۱۱ھ تک یہودیوں کے جو واقعات ظہور پذیر ہوئے تھے۔ وہ دوسرے سلسلہ میں قلم بند کر دیئے جاتے تو یہ ترتیب بھی ایک قسم کی صحیح ترتیب کہی جاتی اور طرفین کے حالات و واقعات بھی اپنے اپنے سن وقوع کے ساتھ صحیح طور پر بیان ہو جاتے۔ لیکن کمال افسوس تو یہ ہے کہ آپ دونوں سے ایک ترتیب بھی قایم نہ رکھ سکے۔ پہلے تو ارباب سیر کی نقل و تقلید سے اتصال و تسلسل واقعات میں فرق پڑنے کی وجہ دکھلا کر انکار فرما دیا گیا لیکن جب آگے چلکر واقعات کے سن وقوع کی تقدیم و تاخیر کے نقائص پر نظر پڑی تو اس ترتیب جدید کی خرابی کا یقین آیا اور فوراً متروک کر دیگئی۔ اور انھیں سیرتوں کی ترتیبی صورتیں اختیار فرمائی گئیں اُن تمام بد ترتیبیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی سیرۃ النبیؐ میں نہ قدیم سیرتوں کی پوری ترتیب باقی رہی اور نہ آپ کی جدید ترکیب خاص جو کچھ رہی۔ وہ خلط مبحث کی صورت۔

باقی رہے ہم اور ہماری موجودہ ترتیب۔ تو وہی ہے جو تمام ارباب سیرۃ و تاریخ کی قدیم ترتیب ہے اسلیئے کہ ہم سیرت کے موضوع پر تاریخی حالات و واقعات لکھ رہے ہیں۔ ہمارے استنباط و استخراج انھیں ماخذوں ہی سے ہونے چاہئیں ممکن تھا کہ ہم اُنہیں کوئی ترتیب ایسی پیدا کرتے جیسی کہ ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں جس سے تفصیل حالات و واقعات اور اُن کی تعیین اوقات دونوں صحیح طور سے معلوم ہو جاتی لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس ترکیب سے ہمارے سلسلہ بیان میں سوائے ایک جدت یا نوعیت کے کوئی لطف خاص نہیں پیدا ہوتا۔ اور ہمکو مجدد بننا منظور نہیں اس لیئے ہم نے سلف صالحین ہی کی تقلید کو اپنے لیئے اور اپنی ترتیب کتاب کے لیئے بہتر سمجھا۔ اور اُسی کو اپنی کتاب میں قایم رکھا۔

غزوہ بنی قینقاع

(شوال سنہ ۲ ہجری)

اتنا تمہید اً عرض کر کے پھر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ ابن ہشام غزوہ بنی سلیم یا غزوۃ السویق کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔

ثم رجع صلعم الی المدینة ولم یلق کیدا فاقام بها بقیة شوال وذی القعدة واقدی فی اقامة تلک حل الاسارٰی من قریش۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس آئے اور کوئی واقعہ پیش نہ آیا (راہ میں) اور شوال و ذیقعدہ دو مہینے برابر مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ اور مقیدین قریش کو فدیہ لیکر رہا فرمانے کے معاملات میں مصروف رہے

مذکورہ بالا ایام قیام مدینہ میں یہودان بنی قینقاع کے مخالفانہ معاملات پیش ہوئے۔ اس جلد میں ہم اوپر یہودیوں کے حالات بیان کر چکے ہیں۔ لیکن مناسبت مقام کی ضرورت پھر ہم کو اُن کے اعادہ کے لیئے مجبور کرتی ہے۔

یہودیوں کے مخرب اخلاق اور ظالمانہ عادات و اطوار

یہودیوں کی غداری، نااعتباری اور سود خواری اور اُس کے ذریعہ خاص سے عام مردم آزاری اُسوقت تمام قوموں کا مسلمہ تھی۔ لیکن اُنکا حد سے بڑھا ہوا تمول بضرورت سے زائد خوشحالی۔ ایسی تھی کہ تمام قرب وجوار اور گرد ونواح کے اقوام و قبائل ہمہ وقت اُن کے دست نگر تھے۔ اور اس بنا پر اُنکو تمام بلاد پر پورا اختیار و اقتدار حاصل تھا۔ اور پھر اسی اقتدار کے ذریعے اُنہوں نے بڑے بڑے قلعے بنائیے تھے۔ کثرت سے سامان حرب وضرب بھی جمع کر رکھے تھے۔ وہ شمار و تعداد کے لحاظ سے ہر مقام پر بجائے خود ایک فوج کی فوج تھے اور اپنی ذی اختیاری کے باعث اپنی قوم و قبائل کے علاوہ۔ دیگر قبائل و قوم کے سیکڑوں لوگوں کو ایک اشارے میں جمع کر لے سکتے تھے۔

مدینہ اور اُسکا قرب وجوار اسوقت یہودیوں کی آبادی کا مرکز تھا۔ بنی قینقاع بنی نضیر خاص مدینہ کے مشاہیر قبائل یہود تھے۔ اور قبائل اسلام تو گویا مدینہ اور گرد ونواح تمام مقامات کے حاکم و مالک تھے اوس و خزرج قبائل کچھ تو اپنے آپس کی جنگ وجدال اور زیادہ تر اپنی ناداری کی وجہ سے بالکل ان کے زیر اثر آچکے تھے۔ اور گویا ان کے مطیع ومنقاد بن چکے تھے۔

دنیاوی اقتدار کے ساتھ یہودیوں نے انصار پر اپنے دینی اثر بھی جمائیے تھے۔ اسلیئے کہ انصار بالکل جاہل قوم تھے۔ اور عقائد میں بت پرست۔ یہودی پڑھے لکھے تھے۔ اور اہل کتاب۔ اسوجہ سے انصار اپنی جہالت کے باعث اُنکے مروجہ عقائد کے بھی جلد زیر اثر آگئے۔ اور اپنی عقیدت و خلوص کو انکے ساتھ اس حد تک پہونچا دیا۔ کہ ایک لاولد انصار منّت ماننے لگا کہ اگر اس کے بچہ پیدا ہوگا تو وہ یہود بنایا جائے گا۔

ایک واقعہ نگار کی حیثیت میں ہمارا فرض ہے کہ جب ہم یہودیوں کے اقتدار کی یہانتک حالت دکھلا چکے ہیں تو ان ذی اقتدار اختیار لوگوں کے طور و اطوار، طریق و مسالک کے حسبہ حسبہ حالات بھی بیان کر دیں ہم اوپر انکی دینی اور دنیاوی عظمت و ثروت دکھلا چکے ان کی اخلاقی صورت حال یہ ہے۔

اسلام اور اُسکے پہلے تمام شریعتوں نے ضرورت سے زائد جمع اموال اور اُسکے ذرائع افزائش خصوصًا سود خواری کے عالمگیر طریقہ مردم آزاری کو قطعًا ممنوع فرما دیا تھا۔ اسلیئے کہ اس سے اخلاق بگڑتے ہیں ہمدردی کی جگہ بیدردی، رحم و مروت کے بدلے سنگدلی اور شقاوت پیدا ہوتی ہے۔ اور قومی و ملکی اصلاح و رفاہ اور امن و امان کے قیام کے لیئے یہ دولت ثروت مفید کیا ہوگی سخت مضر۔ نقصان دہ و تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ یہودیوں کی دولت مندی اسی نقطہ انتہائی تک پہونچ چکی تھی۔

مدینہ کے یہودی لوگوں کی جائداد۔ اموال گھر بار زیورات متاع و اسباب غرض سب کچھ جب رہن رکھ چکے۔ تو بال بچے اور عورات تک رہن کرانے پر آمادہ ہو گئے۔ اب یہ لین دین اور کاروبار کا طریقہ نہیں رہا۔ بلکہ صاف صاف ملک وقوم کے تباہ و غارت کرنے کا ذریعہ بن گیا جیسا کہ بہت جلد محمد بن مسلمہ اور ابو عمارہ کے ساتھ کعب بن الاشرف یہودی کی گفتگو سے آگے ظاہر ہو جاویگا۔ بچوں کو زیور پہنے ہوئے تنہائی میں اگر یہودی پا لیتے تھے۔ تو اُنکے زیوروں کی قلیل رقم کی لالچ میں پڑ کر بیدردی سے مار ڈالتے تھے۔ اور زیور لے لیتے تھے۔

یہودیوں میں سود خواری سے زیادہ زناکاری کا عام رواج تھا۔ اور یہ بدکاری اُنکا قدیم شعار تھی۔ اور یہ بدشعاری و بدکاری اُنکی کثرت دولت کا نتیجہ تھی۔ اور علی العموم دولتمند طبقہ کے لوگ اس فعل شنیع میں آلودہ ہوتے تھے اور اُنکی دولت و ثروت کیوجہ سے کسی فرد واحد کو اُنکی سزا و تنبیہ پر جرات کیا ہوگی۔ انپر آنکھ اُٹھانے یا اعتراض کرنیکی تو مجال تھی ہی نہیں ایک بار حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب آپ اُنکی حرامکاریوں کی خبر سنتے سنتے عاجز آگئے۔ تو ایک یہودی سے پوچھا۔ کہ کیا توریت میں زنا کی سزا صرف درّہ لگانا ہے۔ یہودی نے کہا۔ نہیں حضور۔ سنگساری زنا کی سزا لکھتی ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ یہ فعل بد ہمارے شرفاء اور امرائے قوم کی عادت عام ہو گئی ہے۔ اسلیے جب کوئی شریف یا امیر شخص مجرم ہو کر آیا چھوڑ دیا گیا۔ عام طبقہ کے مجرمین کو تخفیفاً تازیانے لگا کر چھوڑ دیتے تھے۔ آخرکار یہی تخفیف و ترمیم کی صورت حکم شریعت قرار پا گئی۔ اور ہر شخص کے لیے خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو۔ اسی نصاب کے مطابق سزا دینے کا عام دستور ہو گیا۔ سیرۃ النبیؐ ص ۲۹۰ بحوالہ اسباب نزول واحدی۔

قرآن مجید نے صاف صاف الفاظ میں اُنکے اخلاقی معائب کو جدا جدا بیان کر دیا ہے۔ اور ہم اُن کو شبلی صاحب کی سیرۃ النبیؐ سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ سورہ مائدہ میں ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ | وہ جھوٹ باتوں کے سُننے والے اور مال حرام کے بڑے کھانیوالے ہیں۔

پھر سورہ مائدہ میں ارشاد کیا گیا ہے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ | اور تم نے اُن میں سے اکثروں کو دیکھا ہوگا۔ کہ گناہ اور تعدی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں۔

سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۔ | اور چونکہ یہ سود خواری کرتے ہیں۔ حالانکہ اُن کو سود خواری سے منع کر دیا گیا تھا۔ اور چونکہ یہ غیروں کا مال خورد برد کر جاتے ہیں۔

سیرۃ النبیؐ ج ا صفحہ ۲۹۱۔

قرآن مجید کی ان تصریحات جب اُنکی بدکاریوں کی یوں کھلے کھلے الفاظ میں پردہ دری کر دی۔ تو یہودیوں کی مخالفت میں

سخت اشتعال پیدا ہو گئی۔ اسکے جواب میں اُنہوں نے انواع و اقسام کی بدزبانیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر ایذا پہونچانے لگے۔ اور اہل اسلام کے قتل و غارت کی نئی نئی ترکیبیں سوچنے لگے۔ اُنکے ان جور و ستم کے مشاہدات پر آنحضرت صلعم نے خود بھی صبر و سکوت سے کام لیا۔ اور مسلمانوں کو بھی برابر خاموش رہنے کی ہدایت فرمائی۔ جو عین مدعائے حکم الٰہی تھا۔

شبلی صاحب حضرت عائشہ سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ یہودیوں نے معمول کر لیا تھا کہ آنحضرت صلعم سے سلام علیکم کرتے تو بجائے اسلام علیکم کے السام علیک کہتے تھے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ تجھکو موت آئے ایک دفعہ حضرت عائشہ موجود تھیں اُنہوں نے سنا تو اُن کو سخت غصہ آیا۔ اور بے اختیار ہو کر بول اُٹھیں۔ کمبختو تمکو موت آئے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو۔ حضرت عائشہ نے کہا۔ آپ نے سنا بھی کہ ان لوگوں نے کیا کہا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ لیکن یہ کافی ہے کہ میں نے علیک کہدیا۔ سیرۃ النبی ص ۲۹۱ بحوالہ صحیح بخاری۔

قرآن مجید نے بھی اُن کی بدزبانیوں کے عوض خاموشی اور سکوت اختیار فرمانے کی ایسی ہی ہدایت فرمائی ہے اور وہ آل عمران رکوع ۱۹ کے مفصلہ ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

اور اہل کتاب اور مشرکوں سے تم بہت سی ایذا (کی باتیں) سنوگے اور اگر صبر کرتے رہوگے۔ اور پرہیزگاری پر قائم رہوگے۔ تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

اسلام دنیا میں رحمت عام کا پیغام لیکر آیا تھا۔ با دوستان رعایت با دشمنان مدارا۔ اسکا کام تھا۔ اس بنا پر قرآن مجید نے اُن کی بدکاریوں کے اظہار سے قطع نظر کر کے مسلمانوں کو اُن کے ساتھ مساویانہ اور موافقانہ محاسن سلوک اختیار کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ذیل کے آیہ ہائے قرآنی سے اسپر کافی روشنی پڑتی ہے۔

طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ

اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

يٰبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کا خیال کرو جو میں نے تمکو دیں اور یہ کہ میں نے کبھی تمکو تمام عالم پر فضیلت دے رکھی تھی۔

اسلام نے نہایت نرمی سے ان الفاظ میں تبلیغ کی آواز ان تک پہونچائی تھی۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ

کہدو۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جسکو ہم تم دونوں یکساں مانتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور اُسکا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو اپنا

تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ | رب نہ بنائے تو اگر وہ اپنا سونہ پھیریں تو تم کہدو اچھا۔ تم گواہ رہو۔

ہم تو مسلمان ہیں۔ سورۃ آل عمران رکوع ۹۔

اسلام کی یہ رعایت۔ مسالک مساوات اور موافقانہ تعلقات قایم رکھے جانے کے عوض میں یہودیوں نے اسلام کے ساتھ کیا برتاو رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کے مفصلۂ ذیل الفاظ میں اُنکی یوں تصریح کی ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ سورۂ نسار | اور (یہود) کافروں کی نسبت کہتے ہیں۔ کہ یہ تو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ آل عمران | اور اہل کتاب میں ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ مسلمانوں پر جو اُترا ہے اُس پر صبح کو ایمان لاو۔ اور شام کو اُس سے پھر جاؤ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔

یہ تو اسلام کے ساتھ تبلیغ اور دینی احکام و آئین کی تدوین کے متعلق یہودیوں کی مخالفت کی صورت حال تھی۔ جو عرض کی گئی۔ اب بقائے اسلام اور مسلمانوں کی جان و مال کے قیام اور امن و آرام کی نسبت جو اس شریر الطبع قوم نے مفسدانہ طریقے اختیار کئے۔ اُن کی حقیقت حسب ذیل بیان کی جاتی ہے۔

اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ انصار مدینہ کا اسلام لانا۔ اور جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ میں جلوہ افروز ہونا اُن کی ذی اقتداری اور ذی اثری کیلئے اُنکی سمجھ میں بہت ہی نقصان رساں ثابت ہوا لیکن اُنہوں نے فوری مخاصمت کو خلاف مصلحت سمجھکر بالکل سکوت اختیار کر لیا۔ اور صرف سکوت ہی نہیں۔ بلکہ اسلام کے ساتھ معاہدے میں شامل ہو کر اُسکی رفاقت و حمایت کو بھی قبول کر لیا۔ اور جنگ بدر تک یہ زبانی رفاقت نباہی گئی۔ بدر میں بھی اُنکی شرکت دلیرانہ اور جان نثارانہ انداز سے نہیں تھی۔ بلکہ محض تماشائیانہ اور منافقانہ طریقہ سے۔ اور اس نمائشی مشارکت کے پردے میں وہ اندر ہی اندر استیصال اسلام اور مسلمانوں کی قتل عام کی ترکیبیں کر رہے تھے اپنی اس ترکیب کی کامیابی کیلئے اُنہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ انصار کے دو بڑے اور مشہور قبائل اوس و خزرج میں نااتفاقی پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے حامی اور مددگار یہی دو قبیلے ہیں اگر انمیں نااتفاقی ہو گئی۔ تو پھر اسلام یہیں مٹ کر ختم ہو جائے گا عرب کی کینہ پرور طبیعت کا خاصہ تھا کہ وہ قدیم معرکہائے جنگ کے افسانوں کو سنکر بہت جلد پر جوش ہو جاتے تھے۔

یہودیوں کی مخالفت اسلام اس بنا پر یہ واقعہ ہوا کہ اوس و خزرج کے قبیلے کے بہت سے آدمی ایک جگہ جمع ہوئے۔ آپس میں اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے۔ یہودی ایسے موقعوں کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ فوراً جا پہونچے اور اُنکی قدیم خانہ جنگیوں کا ذکر چھیڑ دیا اور ذکر میں خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا پچھلے واقعات کا سننا تھا کہ فریقین میں قدیم جوش پھر تازہ ہو گئے

اور باتوں باتوں میں تکرار بڑھتے بڑھتے جانبین سے تلواریں کھینچ گئیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فوراً موقع پر خبر پہونچ گئی۔ آپ تشریف لائے اور اُن کو پندو موعظت فرمائی اور آتش فتنہ و فساد کو فرو کر دیا۔ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ۔	مسلمانوں اگر تم اہل کتاب کے بعض لوگوں کا کہا مانو گے۔ تو وہ تم کو ایمان لائیکے بعد پھر کافر بنا دینگے۔ سیرۃ النبی ص ۲۹۴ بحوالہ اصابہ

یہودیوں کی قریش کے ساتھ سازش کی حالت اوپر دکھلا چکی گئی ہے۔ عبداللہ بن ابی سلول کے ساتھ مجالست و مکالمت کی کیفیت بھی بیان ہو چکی ہے۔ ابھی ابھی ابوسفیان مقام کدر پر اپنا دستہ فوج چھوڑ کر اور راتوں رات چھپ کر مدینہ پہونچا۔ اور سلام بن مشکم رئیس یہود کے ساتھ رات بھر صلاح و مشورت کر کے واپس جا چکا ہے اُسکی حقیقت بھی اوپر ہم لکھ چکے ہیں۔

اس مشورت وصلاح سے پہلے۔ قریش کی یہ دھکی ان الفاظ میں یہودیوں کو پہونچ چکی تھی۔

انکم اهل الحلقة والحصون وانکم تقاتلن صاحبنا اولنفعلن کذا ولایحول بیننا وبین خدام نساء کم شیٔ۔ سیرۃ النبی بحوالہ ابن داؤد	تم لوگوں کے پاس اسلحات جنگ۔ اور قلعجات میں۔ تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے لڑو۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ۔ یہ کریں گے اور کوئی چیز ہکو تمہاری عورتوں کے کپڑے تک پہونچنے میں نہ روک سکے گی

یہ تحریر صاف صاف تبلا رہی ہے۔ کہ قریش سے خط وکتابت برابر جاری تھی۔ اور ایذائے اسلام کی غرض سے ریشہ دوانیاں ہمیشہ قایم تھیں۔ اس اثنا میں بدر کی عظیم الشان فتح نے یہودیوں کے تمام رازہائے مخفی کا انکشاف کر دیا اور وہ اسلام کی مخالفت میں بالکل کھل پڑے۔ ان میں سب سے پہلے قبیلۂ بنی قینقاع کے یہود۔ اسلام کے حریف بنکر سامنے آگئے۔ جیسا کہ تمام محدثین و مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں۔

ان بنی قینقاع کانوا اول یهود نقضوا ما بینهم وبین رسول الله صلعم وحاربوا بین بدر واحد۔	بنو قینقاع پہلے یہودی تھے جنہوں نے اس معاہدے کو۔ جو اُن میں اور آنحضرت صلعم کے درمیان تھا۔ توڑ ڈالا۔ اور بدر و اُحد کے درمیان میں مسلمانوں سے لڑ پڑے۔

بنی قینقاع کی خصوصیں ہم اُوپر لکھ چکے ہیں۔ کہ بدر میں یہودیوں کی شرکت منافقانہ اور تماشائیانہ تھی۔ چنانچہ ابن سعد بھی غزوہ بنی قینقاع کے ذکر میں میرے اس بیان کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

فلما کانت وقعة بدر اظهروا البغی والحسد ونبذوا العهد والمرۃ۔	واقعہ بدر ہی سے یہودیوں نے شورش اور حسد کا اظہار کر دیا۔ اور معاہدہ کو توڑا۔

رسالت کی حقیقت بین نگاہ نے اُسی وقت سے اُنکا رُخ پہچان لیا تھا۔ اور معاودت بدر کے بعد سے اُنکی طرف

بڑے حزم و احتیاط اور ہوشیاری اختیار کی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راتوں کو کہیں شہر میں آنے جانے سے پرہیز کر لیا تھا۔ رات کا آنا جانا بالکل موقوف کر دیا گیا تھا۔ اسلیئے کہ یہودیوں کی طرف سے دفعتاً حملے اور جان کے خطرے کا خوف تھا۔ صحابہ پر بھی احتیاط کی تاکید تھی۔ اور صحابہ بھی اس احتیاط کی وجہ سے واقف تھے۔ اور وہ بھی ہمیشہ احتیاط کیا کرتے تھے۔ اور ہوشیار رہا کرتے تھے۔ چونکہ ہر صحابی کو رسولؐ کی جان اپنی جان سے کہیں زیادہ عزیز تھی۔ اسلیئے طلحہ بن براء انھیں ایام میں جب بیمار ہو کر قریب مرگ ہوئے۔ تو انہوں نے اپنے اعزہ و احباب کو پاس بلا کر سب سے پہلے جو وصیت کی۔ وہ نہ اہل و عیال کے متعلق تھی اور نہ اپنی جائداد و اموال کی نسبت تھی۔ اُن کے الفاظ یہ تھے۔

خیال رکھو! اگر میں رات کے وقت مر جاؤں۔ تو تم لوگ ہرگز ہرگز آنحضرت صلعم کو میرے مرنے کی اطلاع نہ کرنا۔ اسلیئے کہ اگر اُن کو اطلاع ہوئی۔ اور آپ میری شایعت جنازہ کی عزت بخشی کے قصد سے باہر نکلے۔ تو مجھے یہودیوں کی طرف سے آپ پر وقوع ضرر کا خوف و اندیشہ ہے اسلیئے مصلحت یہی ہے۔ کہ اُنھیں اطلاع ہی نہ دیجائے۔ اور تم سب مجھے ملکر دفن کر دو۔ سیرۃ النبیؐ ص ۲۹۵ بحوالہ اصابہ ابن حجر۔

بنی قینقاع کے خاص حالات بنی قینقاع یہودیوں کا بہت ہی خوشحال قبیلہ تھا۔ یہ لوگ زیورات کے بہت بڑے کاریگر تھے۔ اور چاندی سونے کے بہت بڑے دستکار اور اہل کاروبار تھے۔ اُنکا بہت بڑا بازار مدینہ میں انہیں کے نام سے مشہور تھا۔ اور سوق بنی قینقاع کہا جاتا تھا۔

بنی قینقاع نے مخالفت اسلام میں یوں پیشدستی کی۔ کہ انصار کے قبیلہ کی ایک عورت اپنی ضرورت سے سوق بنی قینقاع میں ایک یہودی کی دوکان پر گئی۔ یہودی نے اُس کے ساتھ جاہلانہ مذاق کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ اُسکی لاعلمی میں پیچھے سے آکر اُسکے پیراہن کا دامن اس طرح سے چاک کر دیا۔ کہ جب وہ اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر اُٹھی۔ تو بالکل برہنہ تھی۔ اُسکے اُٹھتے ہی یہودیوں میں قہقہے پڑ گئے۔ اور سیکڑوں تالیاں بج گئیں۔ یہ غریب مفت رسوا ہو گئی۔ اور گویا شرم سے مر گئی۔ بھرے مردوں میں ننگی عورت۔ کیسی شرمناک بات ہے۔ اتفاق سے ایک مسلمان بھی بازار میں وہیں سودا لے رہا تھا۔ اسکو یہودیوں کی اس حرکت ناشائستہ پر سخت طیش آگیا۔ اور اُس نے اُس شریر یہودی کو قتل کر ڈالا جس نے یہ حرکت کی تھی۔ یہود کہیں دور تو تھے ہی نہیں۔ فوراً جمع ہو گئے۔ اور اُسکا قیمہ کر ڈالا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ معدودے چند اصحاب کے ساتھ صرف فہمایش کی غرض خاص سے موقع پر تشریف لے گئے۔ اور یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تم لوگوں کو بھی بدر والوں کی طرح مصیبتیں پیش آئیں۔

اتنا سننا تھا۔ کہ تمام یہودی چراغ پا ہو گئے۔ اور آتش غیظ و غضب میں جلکر نہایت دریدہ دہنی سے ان الفاظ میں جواب دیئے۔

یا محمدؐ انک تری انا قومک لا یغرنک انک لقیت قوما لا علم لھا بالحرب فاصبت منھم فرصۃ انا واللہ لئن حاربناک لتعلمن انا نحن الناس	اے محمد (صلعم) کیا تم نے ہمکو بھی اپنی قوم کے لوگ سمجھا ہے۔ اور اس امر پر تم مغرور نہ ہو۔ کہ تم کو ایک ایسی قوم سے سامنا ہوا تھا جو فن جنگ سے بالکل ناواقف تھے۔ خدا کی قسم۔ تم کو ہم سے پالا پڑے گا۔ تو معلوم ہوجائے گا۔ کہ مرد ہم لوگ ہیں۔
ابن ھشام جلد دوم ص ۷۰	

یہ یہودیوں کا صرف گستاخانہ جواب ہی نہ تھا۔ بلکہ اسلام کے مقابلہ میں صاف صاف اعلان جنگ تھا۔ چنانچہ ان مغرور شوخ چشموں نے وہ عہدنامہ جو مسلمانوں کے ساتھ لکھا تھا واپس کر دیا۔

رحمت العالمین نے وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ جاہلوں سے منہ پھیرو۔ کے حکم محکم پر نظر رکھ کر قطعی سکوت اختیار فرمایا۔ اور بالکل خاموشی کے ساتھ موقع سے واپس آئے۔ مراجعت کے بعد فوراً فوج اسلامی سے قبیلہ بنی قینقاع کا محاصرہ کر لیا۔ اس لیے کہ اُن کے روز روز زبانی اعلان جنگ کرنے اور پھر معاہدہ کا خود ہاکے واپس دینے سے اصلاح و یکسوئی معاملات کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی تھی۔

محاصرے کو پورے پندرہ دن بھی نہیں ہوئے تھے۔ کہ یہودیوں کی تمام گرم جوشیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ گو اُن کے قلعے ابھی تک بند تھے لیکن اُنکی ہمت و جرأت کے بند بند کھل گئے تھے۔ آخر کار تصفیہ پر راضی ہوئے۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فیصلہ فرمائینگے۔ وہ ہم کو منظور ہوگا۔ آپ نے اُن کے معاملہ میں خود فیصلہ فرمانے سے احتیاط کی اور عبداللہ بن ابی سلول کو جو اُن کا قدیم حلیف تھا۔ اور آغاز محاصرے سے اُن کے معاملات کو تصفیہ سے طے کر دیئے جانے کے لیئے آنحضرت صلعم کی خدمت میں برابر آرزو و منت کیا کرتا تھا حکم مقرر کر دیا۔ عبداللہ بن ابی نے انکے جلا وطن کرنے کا حکم سنایا۔ بنی قینقاع نے فیصلہ کا حکم منظور تو کر لیا۔ مگر عبادہ بن الصامت کو بھیجکر تین دن کی مہلت مانگی جو منظور کر لی گئی۔ تین دن کے بعد یہ قبیلہ کا قبیلہ جو شمار میں سات سو آدمی تھے۔ اور جن میں صرف تین سو جوانان زرہ پوش تھے۔ مدینہ کو خالی کر کے موضع ورعات میں جو علاقہ شام میں داخل ہے چلے گئے۔

جسقدر مال و اسباب وہ لے جا سکے ہمراہ لے گئے۔ جو چھوڑ گئے وہ مسلمانوں کو غنیمت میں حاصل ہوا۔ اموال غنیمت میں سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقم خمس جدا کر لی۔ اور یہ پہلی رقم خمس تھی جو مال غنیمت سے علیحدہ کی گئی۔ اسکے بعد مال غنیمت تمام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ روضۃ الاحباب ص ۲۵۴۔

۳ سنہ ہجری

(قتل کعب بن الاشرف یہودی۔ ربیع الآخر ۳ سنہ ہجری)

کعب ابن اشرف یہودیوں میں یہ عجیب مایۂ فساد تھا۔ شرارت کا پتلا۔ اسلام کی مخالفت کا پورا مجسمہ۔ اس شریر النفس کا

عضو عضو فتنہ انگیزی اور مفسدہ خیزی سے پُر تھا۔ نسباً عرب تھا۔ اور سبباً یہودی حقیقت نسبی اسکی یوں ہے کہ ایک عرب اشرف نامی جو قبیلہ طے سے تھا۔ اتفاقاً بنی نضیر کا حلیف بنگیا۔ اور اس تعلق سے مدینہ میں اسکی آمد و رفت شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہودیوں میں اسکا اتنا اعزاز و امتیاز بڑھ گیا۔ کہ انہوں نے اسکو مستقل طور سے مدینہ میں بسالیا طرہ یہ ہوا کہ ابو رافع بن ابی حقیق نے جو یہودیوں کا پیشوا اور تاجر الحجاز کے لقب اضافی سے مشہور تھا۔ اپنی لڑکی بیاہ دی۔ اب تو اشرف تمام اشراف یہود کا گویا تاج دار بن گیا۔ کعب اسی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا۔

کعب سن تمیز پر پہونچکر اپنے باپ سے بھی حرفت۔ فتنہ انگیزی اور مفسدہ خیزی میں نمبر لے گیا۔ اور فن شاعری میں تو کامل نکلا۔ بہت بڑا ساحر البیان اور فصیح اللسان مشہور ہوا۔ کعب نے اپنی شہرت کی موجودہ ذریعوں سے سب سے بڑی بات اپنے مقاصد کی کامیابی میں یہ پیدا کرلی۔ کہ اُس نے یہودیوں کے ساتھ اپنے تعلقات وسیع اور پراثر بناتے بناتے قریش کو بھی اپنے مراسم و ارتباط سے اپنا مطیع و منقاد بنالیا۔ ان تمام باتوں کے ساتھ اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کے استیصال کے خیال بھی اسکے رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔

کعب کی مخالفت اسلام

کعب یہودیوں کا مذہبی پیشوا تو تھا ہی۔ اس نے مذہب یہود کی پوری تنظیم کی۔ مدینہ اور اُسکے بیرونی مقاموں میں علمائے یہود کے ماہانہ وظیفے مقرر کیے۔ جب جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے۔ اور اسلام کا چاروں طرف چرچا ہوا۔ تو ایک دفعہ علمائے یہود بیرونجات سے اسکے پاس مقررہ وظائف لینے آئے۔ کعب نے اُن سے آنحضرت صلعم کی نسبت دریافت کیا۔ تو اُن لوگوں نے جواب دیا کہ یہ وہی نبی منتظر ہے جسکی آمد کی خبر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ اتنا سُننا تھا۔ کہ کعب جل اُٹھا۔ اور اُن لوگوں سے کہدیا کہ تمہارے وظیفہ بند۔ تم لوگ گھر لوٹ جاؤ۔ یہ علمائے یہود خالی اپنے گھر واپس آئے۔ پیٹ تو بڑی بُری شے ہوتی ہے۔ آخرکار ناداری اور عسرت نے ایمان فروشی پر تیار کردیا۔ اور بغیر گذارے یا وظیفے کے گذارا نہیں دیکھا۔ تو پھر لوٹ کر کعب کے پاس آئے۔ اور اُسکے آگے ان ایمان فروشوں نے ان الفاظ کے ساتھ دست سوال بڑھائے۔ زرقانی لکھتے ہیں۔

قالوا له انا عجلنا فیما اخبرناك به اولا ولما استبنا علمنا انا غلطنا ولیس هو المنتظر فرضی عنهم ووصلهم کما قال ابن سعد۔ زرقانی	جلدی میں ہم نے آپ کو جواب دیدیا تھا۔ اب جب ہم نے اپنی کتابوں میں اپنے علم سے تحقیق کی تو معلوم ہوا۔ کہ ہم لوگوں نے غلط کہا۔ پیغمبر نبی منتظر نہیں ہے۔ یہ سُنکر کعب راضی ہوگیا۔ اور اُنکے وظائف اُن کو دے دیئے۔ جیسا کہ ابن سعد نے بیان کیا۔

اُسنے مخالفت اسلام میں اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ جب قریش کے پاس کشتگان بدر کی تعزیت کی غرض سے مکہ پہونچا۔ تو ابوسفیان وغیرہ نے اس سے پوچھا۔ کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ ہمارا دین اچھا ہے۔ یا محمد (صلعم) کا دین اور ان دونوں میں تمہارے نزدیک کونسا دین بہتر ہے۔ اور انمیں سے کونسا دین حقیقت اور ہدایت سے قریب تر ہے۔

کعب نے کہا۔ تمہارا دین اُنکے دین سے بہتر ہے۔ اور زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ یہی واقعہ آیہ الم تر کیف الخ کے نزول کا باعث ہوا۔ جیسا کہ عنقریب سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگا۔ زرقانی ص ۱۲ ج ۲۔

یوں تو تمام یہودیوں میں بدر کی فتح نے عموماً آتش حسد بھڑکا دی تھی۔ لیکن وہ انکے دلوں کے اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ لیکن خاصکر کعب کے جلتے انگارے ایسے بھڑکے کہ آخر اُسے باہر کھینچ لائے۔ کسی طرح گھر میں چین نہ لینے دیا اور مدینہ سے مکہ میں پہونچا دیا۔ اور کشتگان بدر کا نوحہ خوان بنا کر صف ماتم میں بٹھلا دیا۔ شاعری میں کعب کی مضمون آفرینی تو مشہور تھی۔ اُس نے کشتگان بدر کے خوب خوب مرثیے کہے۔ اور اُنہیں مخالفت اسلام کے خوب اشتعال انگیز پہلو نکالے۔ ابن ہشام نے اس موقع پر اُس کی مختلف نظمیں لکھی ہیں۔ لیکن ہم اُنہیں سے اسکی ایک نظم کے صرف دوچار اشعار نمونہ کے طور پر ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں۔

طحنت رحی بدر لمهلك اهله	جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا
ولمثل بدر تستهل وتدمع	بدر جیسے واقعات کے لیے رونا پیٹنا چاہیے۔
كم قد اصيب به من ابيض ماجد	کتنے سفید، شریف اور بارونق چہرے
ذی بهجة تأوی اليه الضيع	جنکے یہاں بہت سے اہل حاجت پناہ لیتے تھے۔ مارے گئے۔
ليزور يثرب بالجموع وانما	اپنی فوج کے ساتھ مدینہ چلے چلو۔
يحمی علی الحسب الكريم الاورع	اور عالی خاندان صاحب ورع کی شان سے

(اپنے مُردوں کی) حمایت کرو۔ تاریخ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۷

کعب کے یہ نوحے۔ ایسے پُر درد نکلے۔ اور تمام قریش کو اتنے دل پسند ہوئے۔ کہ گھر گھر میں اُسے بلا بلا کر یہ نظمیں پڑھوائی گئیں۔ ایسے ہی تمام قریش کے مجمعوں میں کعب جاتا رہا۔ اور مردگان بدر پر آپ بھی روتا رہا۔ اور تمام مجمع کو رُلاتا رہا۔

تاریخ الخمیس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تنہا مکہ میں نہیں گیا تھا بلکہ اپنے چالیس رفقا کا پورا دستہ ماتم بنا کر ہمراہ لے گیا تھا۔ ابوسفیان کا مہمان ہوا۔ اور اُسکو ساتھ لیکر حرم میں آیا۔ اور سب نے حرم کا پردہ تھام کر قسم کھائی۔ کہ کشتگان بدر کا مسلمانوں سے ضرور قصاص لینگے۔ شبلی صاحب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں۔

کعب نے انہیں شرارتوں پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل کرا دے۔ علامہ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں بنو نضیر کے واقعہ میں لکھتے ہیں۔

كعب بن الاشرف اليهودی الذی اراد ان يمكر برسول الله صلعم۔	کعب بن الاشرف یہودی۔ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دھوکے سے قتل کر دینا چاہا تھا۔

اس روایت کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جو حافظ ابن حجر نے ذکر کعب بن الاشرف میں (عکرمہ) کی سند سے نقل کی ہے۔ کہ کعب نے آنحضرت (صلعم) کو دعوت میں بلایا۔ اور لوگوں کو معیّن کر دیا۔ کہ جب آپ تشریف لائیں تو دھوکے سے آپکو ہلاک کر دیں۔ حافظ ابن حجر نے گو لکھا ہے۔ کہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے۔ لیکن جب قرائن اور دیگر شواہد موجود ہیں۔ تو یہ ضعف رفع ہو جاتا ہے۔ ص ۲۹۸۔

مکہ میں جو اُسنے اشتعال انگیزی کی اُسکی تفصیل حالت ہم اُوپر لکھ کر دکھلا چکے ہیں۔ کعب مکہ سے مدینہ میں آیا۔ تو پھر اسلام کی ہجو میں اشعار لکھنے کی مشق شروع کر دی۔ اور اب کی بار جدّت طبع کا یہ نمونہ دکھلایا۔ کہ مسلمان عورتوں کی شان میں مختلف گیتیں تیار کیں۔ اور اُن میں جی بھر بھر کے اُن کی پردہ دری اور عیب جوئی سے کام لیا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

ثم رجع الی کعب المدینة فشبّب بنساء المسلمین حتی اذاھم	کعب مدینہ میں آیا اور مسلمان عورتوں کی گیتیں تیار کیں اور یہانتک کہ اُن کو ایذا پہونچائی ص ۳۷ جلد دوم

مکہ ہی سے اس کی زبان خواتین اسلامی کی طرف تیز ہو گئی تھی۔ چنانچہ شکست بدر کی نظموں میں اس نے اُم الفضل حضرت عباس کی زوجہ محترمہ کی طرف خطاب کر کے یہ شعر کہا تھا۔

اراحل انت لم ترحل بمنقبة وتارك انت ام الفضل بالحرم	اے موت تو بدر کے میدان (منقبت) میں کیوں بیٹھ رہی اور تونے اُم الفضل کو حرم میں کیوں زندہ چھوڑ دیا۔

زرقانی ص ۱۰ جلد دوم باسناد روض الانف سہیلی۔

حقیقت میں کعب کے جرائم اب اس حد تک بڑھ گئے تھے۔ کہ کوئی قانون خواہ اخلاقی ہوں یا قومی تحمّل و برداشت کی زیادہ اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ سزائے فوری کا حکم لگاتا۔ اسلیئے کہ اب اُسکی ناپاک ہستی سے دوسرے پاک نفوس کے امن و امان میں سخت نقصان پہونچنے کا یورا الیقین ہو چکا تھا۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو اس شرارت، فتنہ انگیزی اور اشتعال طبعی کی حرکتوں کو دیکھکر عاجز آ گئے۔ اور خدائے سبحانہ تعالی کی جناب میں یوں دعا فرمانے لگے

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ اِبْنَ الْاَشْرَفِ بِمَا شِئْتَ فِیْ اِعْلَانِہِ الشَّرَّ۔	پروردگار، اب تو ابن اشرف کے اظہار شر و فساد سے مجھے بچالے۔

یہ مسلم ہے۔ کہ جب انسان کی تمام امکانی قوتیں کسی امر میں عاجز رہجاتی ہیں۔ تب وہ اس امر کو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی یہی ضرورت پیش آئی۔ مجیب الدعوات نے اُسی وقت رسول اللہ صلعم کی اس دُعا پر لبیک کہی۔ اور ابن اشرف کے متعلق ان الفاظ قرآن میں سزائے کافی کی طرف اشارت فرمائی۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ تحریر فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ ﷺ باصحابہ وقد اخبرنی اللہ بذلک ثم قرأ علی رؤس المسلمین۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا۔

اس آیہ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلعم نے فوراً صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ کہ تم کو اس معاملہ (معاملہ کعب) کے متعلق خدا کا حکم مل گیا۔ اور اُسی وقت آپ نے یہ آیت پوری تمام مسلمانوں کو پڑھکر سنا دی۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو اُن لوگوں کو جنکو کتاب خدا کا کچھ حصہ ملا ہے۔ کہ وہ جبت و طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور کافروں سے کہتے ہیں کہ تم اُن لوگوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو جو لوگ خدا پر اور اُسکی راہ میں ایمان لائے یہی وہ لوگ ہیں جنپر خدا نے لعنت فرمائی اور جنپر خدا لعنت فرماتا ہے اُنکے لیے کوئی معین و مددگار نہیں ہے

نزول حکم کے وقت محمد بن سلمہ۔ ایک خوش عقیدت صحابی حاضر خدمت تھے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ چاہتے ہیں۔ وہ مفسد ختم کر دیا جائے۔ تو میں اس خدمت کی انجام دہی کو حاضر ہوں اور اس بلائے بے درماں کو اسلام اور اہل اسلام کے سر سے ٹال دینے پر تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے منظور ہے۔ لیکن اس امر میں عجلت نہ کرو سعد بن معاذ سے مشورہ کر لو۔ چنانچہ سعد سے مشورہ کیا گیا۔ سعد نے کہا۔ اُسکے پاس غلہ وغیرہ قرض لینے کے حیلہ سے جاؤ۔ وہ قرض کا نام سنتے ہی اپنے قلعہ سے باہر آجائے گا۔ تم اپنا کام کر لینا۔

محمد بن سلمہ نے اپنے اس مشورہ میں ابو نائلہ۔ عباد بن بشر۔ حارث بن اوس بن معاذ۔ اور ابو عبیس بن جبیر چار جوانان انصار کو شریک کر لیا تھا۔ اور اس مہم کی انجام دہی میں اُنکو اپنا رفیق بنا لیا تھا۔ مورخین و محدثین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ یہ پانچوں انصار تھے۔ اور قبیلہ اوس کی یادگار۔ ان میں سے کوئی بھی کسی دوسری قوم و قبیلہ کا آدمی نہیں تھا۔

محمد بن سلمہ نے اس مہم کو کیوں اپنے ذمہ لیا تھا۔ اسوجہ سے کہ واقدی کی روایت کے مطابق محمد کعب کا رضاعی بھائی تھا۔ لیکن واقدی کے خلاف تمام مورخین و اہل سیرت اور نیز علمائے محدثین نے ابو نائلہ کو کعب کا رضاعی بھائی قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ابو نائلہ اسلام لانے سے پہلے کعب کا ندیم خاص تھا۔ اسلام کے بعد آپس میں جدائی ہو گئی محمد بن سلمہ نے پہلے۔ دن کے وقت ابو نائلہ کو کعب کے پاس اُسکی دلجوئی کرنے اور استمزاج لینے کی غرض سے بھیجا۔ ابو نائلہ پہونچا۔ کعب نے بڑے خلوص سے اُسکی خاطر و مدارات کی۔ اور دیر تک آپس میں شعر خوانی ہوتی رہی۔ پھر ابو نائلہ نے اپنے مدعائے بیان کو اس عنوان سے شروع کیا۔

بھائی کیا کہیں۔ اس شخص کا (رسول صلعم) آنا تو ہم لوگوں کے لیے بلائے جان ہو گیا۔ تمام عرب ہمارے دشمن ہو کر ہم سے جنگ و قتال پر آمادہ اور مستعد ہو گئے۔ اور ایک کمان سے ہم پر تیر چلانے لگے۔ ہماری تجارت اور کاروبار کی تمام راہیں بند کر دیں۔ اس شخص (رسول اللہ صلعم) کا یہ حال ہے کہ ہمارے پاس تو خود کھانے کو نہیں ہے۔ ہم اُنکو دیں تو

کہاں ہے۔ یہ ہیں کہ ہم سے ہمیشہ وصولی ہی کی فکر میں ہیں۔ یہ سنکر کعب بولا ابھی کیا ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر بلاو مصیبت میں پڑوگے۔ مگر بھائی یہ بتلاؤ کہ ان مشاہدات مخالف کے بعد بھی مدینہ والوں کے خیال محمد (صلعم) کی طرف سے کیسے ہیں؟ ابونائلہ نے کہا کہ ظن غالب یہ ہے۔ کہ اُن کی حمایت سے لوگ دست بردار ہوجائیں۔ اور اُن سے دوری اختیار کرینگے لیکن بات یہ ہے۔ کہ ابھی ابھی اُنسے عہدو پیمان کرچکے ہیں اسوجہ سے عجلت کرنا نہیں چاہتے۔ یہ سنکر کعب بہت ہی مسرور ہوا۔ ابونائلہ نے کہا محمد صلعم کی نسبت تمھیں میرے ذاتی خیالات تو معلوم ہو چکے۔ اب تمکو یہ بھی سنائے دیتے ہیں اور یقین ہے کہ تم اسے سنکر بہت خوش ہوگے۔ کہ میں نے اپنے اس خیال میں اکثر لوگوں کو شریک کرلیا ہے۔ چنانچہ محمد بن سلمہ عباد بن بشر حارث ابن اوس بن معاذ۔ اور ابو عبس۔ یہ تمام لوگ میرے ہمخیال اور ہم رائے ہو چکے ہیں اور ہم کو اور ہمارے ان تمام دوستوں کو اپنی عسرت و ناداری کی موجودہ حالتوں میں تمہاری استعانت و مددگاری کی ضرورت پیش آگئی ہے اور ہم اسوقت اسی ضرورت کی وجہ سے تمہارے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ کعب نے کہا تمکو کیا ضرورت ہے اگر قرض لینا چاہتے ہو۔ تو اپنی بی بیوں کو رہن رکھدو۔ ابونائلہ نے کہا ہمیں بی بیوں کے رہن میں صرف یہ تامل ہے۔ کہ تم ماشاء اللہ جیسے صاحب حسن وجمال ہو وہ روشن ہے۔ ہماری بی بیاں تمہارے حسن وجمال کے مقابلہ میں اپنی عصمت و وفا پر قایم نہ رہ سکیں گی۔ کعب بولا۔ اچھا لڑکوں کو گروی رکھدو۔ ابونائلہ بولا۔ اسمیں بھی شماتت دنیا کی وجہ سے تامل ہے۔ دُنیا کہے گی۔ کہ جن بچوں کے واسطے قرض لینے گئے۔ انھیں کو گروی رکھ آئے۔ پھر قرض لیا بھی تو کسکے لیئے۔ ہاں ان دونوں چیزوں کی جگہ اگر تم ہمارے اسلحات کو رہن کرکے قرضہ دینے کا وعدہ کرو۔ تو ہم لوگ رات کو اپنے اسلحات لیکر تمہارے پاس آئیں۔ یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ آجکل چاروں طرف جنگ و قتال کی خبر گرما گرم مشہور ہونے سے انسان کو عموماً اسلحات کی کتنی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سنکر کعب نے کہا۔ اچھا اپنے اپنے اسلحات لیکر تم رات کو آنا۔

ابونائلہ یہ قول و قرار کے کعب سے رخصت ہوا۔ اپنے رفقا سے ملا۔ اور ساری سرگذشت سنادی۔ پھر یہ لوگ ملکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور روئداد عرض کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

انطلقوا بسم اللہ اللھم اعنھم | خدا کا نام لیکر جاؤ۔ خدا تمہاری اعانت فرماوے۔

رات ہوئی۔ تو یہ لوگ حصار کعب کی طرف روانہ ہوئے۔ حسن اتفاق سے مہینہ کی چودھویں تاریخ تھی۔ اور رات بھر کی چاندنی۔ یہ لوگ چلے۔ تو چاروں طرف میدانیں چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ رات کاہے کو اچھا خاصہ دن تھا۔ یہ پانچوں جوانان انصار کعب کے دروازہ پر پہونچے۔ آواز دی۔ کعب اسوقت عیش و عشرت کے عالم خاص میں غرق تھا اور دولہا بنا بیٹھا تھا۔ حسین ترین عرب کی ایک دوشیزہ لڑکی سے اسی دن نکاح کیا تھا۔ وہ حسینہ تو عطریات اور دیگر خوشبویات میں ڈوبی ہوئی پوری عروس نو بہاری تھی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کپڑوں اور بالوں میں عطریات و خوشبویات لگائے اسکے پہلو میں سراپا گلدستہ بنے بیٹھے تھے۔ آواز سنکر فوراً چلنے لگے۔ بی بی نے منع کیا۔ انھوں نے کہا جانیدو۔ ہمارے بھائی اور

احباب بلاتے ہیں وہ بولی۔ کہتی ہوں۔ بچاؤ۔ مجھکو اُنکی آواز سے بوئے شرارت آتی ہے۔ کعب نے کہا۔ نہیں۔ کوئی غیر نہیں سب اپنے ہیں۔ ان میں میرا رضاعی بھائی ابونائلہ بھی موجود ہے۔ اور وہ اس قدر میرے آرام کا خواہاں ہے کہ اگر سخت ضرورت کے وقت بھی مجھے سوتا ہوا پلائے۔ تو کبھی نہ جگائے۔ تو پھر ایسے لوگوں سے اندیشہ کیسا؟ بی بی بولی۔ یہ سب صحیح ہے۔ مگر میں کہتی ہوں تم بچاؤ ضرور خطرہ ہے۔ کعب نے کہا۔ تم کیسا بے معنی اصرار کرتی ہو۔ تم نہیں جانتی ہو۔ ہم ان لوگوں سے وعدہ کرچکے ہیں۔ اور شرفا کیلئے ایفائے وعدہ فرض اولین ہے۔ یہ کہا اور بی بی سے دامن چھیڑا کر قلعہ کے نیچے اُتر آیا۔

اس اثنا میں محمد بن مسلمہ نے اپنے ہمراہیوں سے یہ ترکیب قتل کعب کی ٹہرالی۔ کہ میں اُسکے لمبے بال پکڑ لونگا۔ اور اشارہ کرونگا۔ تم تلوار لیکر ٹوٹ پڑنا۔

کعب نیچے آتے ہی ان لوگوں سے بلا تکلف ملا۔ تھوڑی دیر تک باہمانہ مراسم تعظیم و تکریم ہوتے رہے۔ اس اثنا میں ابونائلہ نے کہا کعب کیا اچھی چاندنی ہے۔ کیا تم شب ماہ کی لطف انگیزیوں کی سیر کرنا نہیں چاہتے؟ آؤ ٹہلتے ہوئے بیر عجوز (ایک قریب کے کنوئیں کا نام ہے) تک چلیں۔ چاندنی کا لطف اُٹھائیں۔ اور باہم گفتگو کا حظ حاصل کریں۔ کعب نے کہا۔ ہاں ہاں چلو۔ غرض سب ملکر خراماں چلے۔

اس اثنا میں محمد بن مسلمہ نے کہا۔ کعب حقیقت تو یہ ہے۔ کہ تم سراپا عطر ہو رہے ہو۔ اور ایسی خوشبو تم سے اس وقت آرہی ہے۔ کہ میں نے تو آجتک ایسی خوشبو نہیں سونگھی تھی۔ لاؤ ذرا اپنے بال تو مجھے سونگھنے دو۔ کعب نے بڑھا دیئے۔ محمد نے خود بھی سونگھے اور ہمراہیوں کو بھی سنگھلائے پھر چھوڑ دیئے۔ اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر محمد نے بال سونگھنے کی خواہش کی۔ کعب نے پھر کاکل بڑھا دیئے۔ ابکی بار محمدؓ نے اُسکے بالوں کو مضبوطی سے اپنی کلائی پر لپیٹ لیا۔ اور رفقا کو اشارہ کیا۔ وہ تلواریں لیکر ٹوٹ پڑے۔ لیکن اتفاق سے کوئی تلوار کام نہیں کرتی تھی۔ محمد نے دیکھا دیر ہو رہی ہے۔ فوراً قرولی نکالی اور اُس کے پیٹ پر رکھ کر پوری نیچے اُتار دی کعب نے ایک ایسی چیخ ماری۔ کہ آس پاس کے تمام یہودیوں کے قلعوں میں اُسکی آواز پہنچ گئے

اُسکی بی بی نے کھڑے ہو کر یا آل نضیر یا بنی قریظہ کے نعرے مار کر حمایت طلب کی۔ اُدھر انصار کعب کا سر کاٹ کر چلتے ہوئے جلدی میں حارث کو اپنی تلوار سے خود خفیف سا زخم لگ گیا تھا۔

یہودیوں نے انصار کا فوراً تعقب کیا۔ مگر یہ لوگ راہ کاٹ کر دوسری راہ سے اپنے اپنے مقام پر پہنچ گئے۔ اور فوراً خدمت رسول صلعم میں حاضر ہو کر کعب کا ناپاک سر پائے مطہر پر ڈالدیا۔ آپ نے تبسم فرما کر انصار کے چہروں کی طرف دیکھا۔ اور ارشاد فرمایا افلحت الوجوہ۔ کیسے خوشحال اور بشاش چہرے ہیں عقیدتمندوں نے فوراً عرض کی وجہک یا رسولؐ اللہ۔ حضور کا چہرۂ مبارک بھی یا رسولؐ اللہ۔ اسکے بعد آپنے فوراً سجدۂ شکر ادا فرمایا۔ اور حارث کے موضع زخم پر لعاب دہن لگا دیا۔ وہ فوراً اچھا ہو گیا۔

صبح کو کعب کے قبیلے والے دربار رسالت میں مستغیث بنکر حاضر ہوئے۔ آپنے فرمایا وہ مستوجب القتل تھا۔ دین خدا کی اہانت کرتا تھا مسلمان مرد عورتوں کی ہجو کرتا تھا۔ اور مسلمانوں کے قتل پر دوسری قوموں کو برانگیختہ کرتا تھا اُسکا قتل مسلمانوں پر واجب تھا۔ اگر اُسکے بعد اب تم لوگ کسی مفسدے کا قصد کروگے۔ تو تم بھی سزا پاؤگے۔ یہودیوں کو بنی قینقاع کا نتیجہ پیش نظر آگیا۔ اُنکے ہوش وحواس اڑگئے۔ اور اسلام کے ساتھ معاہدۂ صلح لکھنے پر آمادہ ہوگئے۔ آپنے حضرت علیؑ سے یہ صلحنامہ لکھواکر اُنھیں کے پاس رکھوادیا۔ زرقانی جلد دوم ص ۱۲۔ بحوالہ ابن سعد

شبلی صاحب کا مخوفانہ اختصار

شبلی صاحب نے اس واقعہ کو ضروتاً اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ اور اختصار بھی ایسا جو بالکل واقعہ کی تلخیص ہے۔ اور وہ بھی اس انداز سے تحریر فرمائی گئی ہے۔ کہ گویا کعب کا قتل محمد بن مسلمہ وغیرہم کی اپنی رائے وتجویز کا مقتضا تھا خدا یا رسولؐ کا منشا نہیں تھا۔ اسی وجہ سے آپنے اس واقعہ کے متعلق اُس آیہ قرآنی کو نہیں لکھا جس سے قتل کعب کا حکم مستنبط ہے اور جسکو ہم مفسرین ومحدثین کے اسناد متفقہ سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور نزول حکم کے وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام مسلمانوں کو اس سے آگاہ ومطلع فرمادینا بھی نقل کرچکے ہیں۔ اس شریر النفس یہودی کے جتنے جرائم تھے۔ اُن کو شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے اور اُن سے زیادہ میں نے لکھکر تبلادیا ہے۔ پھر ان تصریحات کے بعد آپکا اس واقعہ کو اختصار وتلخیص کے ساتھ اس انداز سے لکھنا کہ رسولؐ اسکے حکم وعمل سے بال بال الگ دکھلائی دیں کس سبب سے ہے؟

سبب خاص تو وہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ معترضین اور خصوصاً عیسائی مؤلفین کے اعتراض کا قدیم خوف پھر عاید حال ہوگیا۔ کہ وہ کہیں گے۔ کہ مسلمانوں نے حکم رسولؐ سے کعب کو ظلم وجبر اور حیلہ وعذر سے قتل کرڈالا۔ اسی خوف کے خاموش اثر سے جس کو آپ ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب میں تلمیحاً یہ عبارت لکھدی ہے۔ جس کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ارباب روایت نے لکھا ہے۔ کہ محمد بن مسلمہ نے آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا تھا۔ کہ ہم کو کچھ کہنے کی اجازت دیجائے ارباب سیر نے اسکے یہ معنی لگائے ہیں۔ کہ انھوں نے جھوٹ بات کہنے کی اجازت مانگی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دیدی۔ اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ۔ یعنی لڑائی میں دھوکا دینا جائز ہے۔ لیکن بخاری کی روایت میں یہ لفظ ہیں اَذِنْ لَنَا فَلْنَقُلْ یعنی ہم کو اجازت دی کہ ہم گفتگو کریں۔ اس سے غلط گوئی کہاں نکلتی ہے۔ سیرۃ النبی ص ۲۹۸۔

ع نشانہ ہوگئے ہیں تیر جس کمان سے چلے۔ شبلی صاحب کے نزدیک تمام باتوں کے بگاڑنے والے اہل سیرت ثابت ہوتے ہیں لیکن میری تحقیق میں علی الاکثر حضرات محدثین ہی ان غلط فہمیوں کے پھیلانے کے باعث قرار پاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جتنی کثیر التعداد کتابیں حدیثوں میں لکھی گئی ہیں اُتنی سیرت میں نہیں چنانچہ اس واقعہ میں شرح زرقانی صفحہ ۱۰ و ۱۱ پڑھکر لیئے جاویں کہ اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ کے مسلمہ کے تسلیم کرنیوالے کتنے محدثین کرام ثابت ہوئے ہیں

پھر تنہا اہل سیرت کو ملزم بنانا کیسا؟ اور اَلحَربُ خِدعَۃٌ کے مسلمہ صحیحہ سے آپ کو انکار کیوں ہے؟ یہ مسلمہ متفقہ صرف حکم شریعت ہی کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ قانون فطرت کے بالکل موافق ہر قوم وملت کے آگے ثابت ہوچکا ہے۔ اور ابتدائے عالم سے لیکر اسدم تک ہر قوم وملک اور ملت ومذہب میں اسپر عملدرآمد جاری ہے اگر آپ اس مسلمہ سے انکار کرینگے۔ تو پھر آپ کو واقعہ ہجرت میں فرش خواب پر حضرت علیؑ کو سلادینے اور رسول اللہؐ کے یوں مخفی طور سے چلے جانے۔ اور اس موقعہ پر خدا کے اس عملی حکم فرمانے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ۔	جبوقت کافر لوگ تم سے مکر کرتے تھے کہ تم کو قید کرلیں قتل کرڈالیں یا خارج البلد کردیں اور وہ مکر کرتے تھے۔ اور خدا اُنکے مکر کا جواب دیتا تھا اور وہ بہتر جواب دینے والا ہے ماکرین (مکر کرنیوالوں) کا

کے جواب معقول پیش کرنیکے لیے بھی تیار ہوجانا چاہیئے۔

یہ سب توہمات ہیں۔ جو شبہات وقیاسات سے بھی تخیلات انسانی کے دائرے میں فروتر ہیں۔ ہم نے اس واقعہ کے ذکر ونقل میں پہلے ہی سے آپ کے اس اختصار وتلخیص کے سبب اصلی کو پالیا ہے۔ اور اسی وجہ خاص سے قتل کعب کے واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بالکل خدا اور رسولؐ کے مطابق ہونا۔ تمام اسناد صحیحہ وشہود قویہ سے ثابت کردیا ہے اور پوری توضیح وتصریح کے ساتھ یہ بھی تبلادیا ہے کہ کعب کی مخالفت اسلام۔ ایذائے رسول انام۔ اشتعال قریش۔ ہتک ناموس مسلمانان۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ناقابل عفو جرائم تھے۔ جنکی سزا سوائے قتل کے دوسری نہیں ہوسکتی تھی۔ اور وہی منشائے قدرت بھی تھی۔ اور اُسی کے مطابق تعمیل بھی کی گئی۔

جاتی رہی تعمیل کی صورت۔ جبپر شبلی صاحب کی نظر پڑی ہے۔ اور دوسروں کی نظر پڑنے کا بھی خوف ہوا ہے۔ اُسکی حقیقت یہ ہے۔ کہ کعب کے ساتھ لشکر تو تھا ہی نہیں۔ جسکے لیے بہمراہی لشکر مقابلے کی ضرورت ہوتی اور سامان حرب وضرب درست کرنے ہوتے۔ صرف اُسکی ایک ناپاک ہستی کو ختم کردینا تھا۔ کہ مفسدوں کے دروازے بند ہوجائیں۔ اس بناپر اُسکو صرف قتل کردینا تھا۔ اور جب اُسکا اصل قتل حکم خدا اور رسولؐ سے مستحکم ہوچکا تھا تو اُسکی صورت ظاہری اور اُسکے اقسام واطراف کی جزئیات سے بحث کرنا محض بیکار ہے۔

قتل ابورافع سلام ابی الحقیق یہودی	کعب کی طرح ابورافع۔ سلام بن ابی الحقیق۔ یہودی بھی سخت ترین دشمن اسلام تھا۔ جرم ومجرم کی حقیقت ومقدار جب یکساں تھی۔ تو اصول ساوات کی بناپر صورت سزا بھی ساوی ہونی

چاہیئے۔ لہٰذا ابورافع نے بھی جس کا نام سلام بن ابی الحقیق یہودی تھا۔ اپنے مظالم کے آخر نتیجے ویسے ہی دیکھے۔ جیسے کعب بن اشرف نے۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

قتل ابورافع کے تعین وقت کی نسبت تنہا اہل تاریخ وسیرت ہی میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ محدثین میں بھی

زرقانی جلد دوم ص ۱۹۰ میں یہ تمام اقوال جمع کردیئے ہیں۔ اور انکی تجمیع سے جس زمانہ خاص کو مختار قرار دیا ہے۔ وہ حافظ ابن حجر صاحب کے مختار کے موافق جمادی الاولیٰ (قتل کعب سے دو مہینے بعد) ۳ھ ہجری ہوتا ہے اور اسی کو امام المورخین ابن جریر طبری اور رئیس المحدثین حافظ جمال الدین محدث شیرازی نے بھی اپنا قول مختار قرار دیا ہے ہم اسکی تفصیل کو کتب صحاح اور طبری کے ماخذ متفقہ سے ترجمہ کرکے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

کعب کے واقعہ میں اوپر بیان ہوچکا ہے کہ اسکے قتل میں صرف قبیلے اوس کے جوانان انصار شریک تھے اور کوئی دوسری قوم و قبیلے کے لوگ نہیں تھے۔ یہاں تک کہ ان کے ہمسر و ہم چشم قبیلہ خزرج کا ایک فرد واحد بھی شامل نہیں تھا۔ قبیلہ اوس کے اس مخصوص حسن خدمت کے مشاہدے سے قبیلہ خزرج کے انصار کو ایک گونہ مخلصانہ اور عقیدتمندانہ رشک پیدا ہوا۔ اور وہ سمجھے کہ خدمت اسلام کے متعلق قبیلہ والے ہم سے سبقت لے گئے۔ اس بنا پر ابورافع کی مہم کو حاصل کرنے کی خصوصیت کے متمنی ہوئے۔

تاریخ و حدیث دونوں کے شواہد بتلا رہے ہیں۔ کہ کعب اور سلام یہ دونوں سرداران یہود اسلام کے زبردست اور طاقتور دشمن تھے۔ صرف دشمن ہی نہیں۔ بلکہ اپنی فساد انگیزیوں سے دوسری قوم و قبیلے کے لوگوں کو دشمن بنانیوالے مخالفت اسلام اور ایذائے رسول انام علیہ السّلام میں دونوں کے حرکات برابر تھے۔ کعب اگر تقریر سے دیگر اقوام و قبائل کو اسلام کا دشمن بناتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہونچاتا تھا تو ابورافع اپنی دولت کثیر سے مخالفت اسلام اور ایذائے رسولؐ کے مفاسد و مظالم برپا کرتا تھا کعب کا تو خاتمہ ہوگیا تھا۔ لیکن اسکی موجودگی سے ابھی ویسے ہی اندیشے لگے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں رئیسان خزرج نے اس حسن خدمات کی انجام دہی کے لیے عرض خدمت کی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دیدی۔

اجازت لیکر پانچ دلیر ہمت جوان۔ عبداللہ بن عتیک۔ اور عبداللہ ابن انیس۔ عبداللہ ابن عتبہ۔ ابو قتادہ۔ اور ایک شخص جو خزرج کا حلیف تھا۔ اس مہم کی انجام دہی پر روانہ ہوئے۔ جس طرح محمد بن مسلمہ کعب کے واقعہ میں اپنے ہمراہیوں کا افسر تھا۔ اسی طرح عبداللہ ابن عتیک اپنے ہمراہیوں کا موجودہ مہم میں حاکم مقرر ہوا۔ چنانچہ اہل تاریخ و سیرت نے کعب کے واقعہ کو سریہ محمد بن مسلمہ کے نام سے اور ابورافع کے موجودہ واقعہ کو سریہ عبداللہ بن عتیک کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان دونوں واقعات میں ہر قرینہ سے پوری مماثلت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن موقع میں البتہ اختلاف پایا جاتا ہے کعب کا حصار مدینہ سے بالکل قریب تھا۔ اور ابورافع جو کنانہ بن ابی الحقیق (شوہر اول حضرت صفیہؓ) کا اپنا بھائی تھا خیبر کے قریب جا بسا تھا۔ اور عین قریش کے راستہ پر اسکا حصار واقع تھا۔ اور وہیں اسکی تجارت کے مالخانے بھی تھے۔ یہ دونوں بھائی کنانہ اور ابورافع بڑے کثیر المایہ تجار تھے اور چونکہ تمام علاقہ حجاز کی تجارت اسکے ہاتھ میں تھی۔ اسلیئے

دونوں تجار حجاز کے لقب خاص سے مشہور تھے۔ اس بنا پر جو لوگ کعب کے واقعہ میں شریک تھے۔ اُنکو مدینہ سے آگے جانے کی زحمت نہیں ہوئی۔ بخلاف انکے ابورافع کی مہم والوں کو بہت دور جانیکی تکلیف اُٹھانی ہوئی۔

لیکن یہ ہمّت، ہمت مرداں مدد خدا۔ منزل مقصود تک پہونچ ہی گئے۔ عبداللہ ابن عتیک خود بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ غروب آفتاب کے وقت حصار ابورافع کے نزدیک پہونچ گئے۔ ہم نے اپنے ہمراہیوں کو قلعہ کے قریب ایک علیحدہ گوشہ میں بٹھلا دیا اور انسے کہا کہ میں قلعہ میں جانیکی فکر میں جاتا ہوں۔ تم یہیں بیٹھے رہنا ضرورت کے وقت ہم تمہیں آواز دیں تو تم چلے آنا۔ یہ کہکر میں دروازہ قلعہ کے پاس آیا۔ تو دیکھا دربان قلعہ کا دروازہ بند کرنیکو بالکل تیار ہے میں دروازے کے قریب قضائے حاجت کے حیلہ سے بیٹھگیا۔ اُسنے مجھے دیکھکر کہا۔ اے بندۂ خدا اگر تجھے قلعہ میں آنے کی ضرورت ہو تو جلد آ۔ ورنہ میں دروازے بند کردونگا۔ تو پھر رات بھر آنا ممکن نہ ہوگا۔ یہ سنکر میں دروازے میں چلا آیا اور ایک گوشہ میں چھپ رہا۔ دربان نے کیواڑ بند کردیئے۔ اور مکانات قلعہ کی کنجیاں دیوار میں لٹکادیں۔ میں اپنے مقام پر بیٹھا ہوا دیکھتا رہا۔ جب وہ لیٹ کر غافل سوگیا۔ تو میں چپکے سے اُٹھا اور کنجیوں کا گچھا لیکر چلتا ہوا قلعہ کے دروازے کے نیچے آیا کان لگائے۔ تو مجھے ابورافع کی آواز قلعہ کے بالائی حصّہ پر معلوم ہوئی۔ اور ایسا معلوم ہوا جیسا کہ امرائے عرب کا دستور قدیم تھا کہ رات کو کھانے کے بعد ایک داستان گو سے داستانیں سُنا کرتے تھے۔ اور سُنتے سُنتے سو جاتے تھے۔ ابورافع بھی اُسوقت اُسی شغل میں تھا۔ وہ اپنے بستر خواب پر جا چکا تھا۔ اور ایک داستان گو اُسے قصہ سنا کر گویا اُسے سلا رہا تھا۔ میں وہیں منتظر کھڑا انتظار رہا۔ یہاں تک کہ داستان گو کی آواز موقوف ہوگئی۔ اور مجھے یقین ہوگیا کہ ابورافع سوگیا اور داستان ختم ہوگئی۔ میں نے مزید احتیاط کے خیال سے قصداً تھوڑا اور عرصہ لگایا۔ اور جب مجھے پورا یقین ہوگیا۔ کہ اب قلعہ میں کوئی متنفس جاگتا نہیں ہے۔ تو میں نے کنجیوں سے دروازے کھولنے شروع کردیئے اور اسی طرح ایک کمرہ کے بعد دوسرا کمرہ کھولتا ہوا اُس خاص کمرہ میں پہونچا جہاں ابورافع سو رہا تھا۔ میں دروازہ پر کھڑا رہا۔ روشندانوں سے چاندنی کمرے میں تمام پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ تنہا نہیں سو رہا ہے۔ اُسکے تمام بال بچے اردگرد سو رہے ہیں۔ میں نے اس ننگ و عار کے خیال سے کہ سوتے میں مارنے کی وجہ سے عرب میں میری بڑی بدنامی ہوگی۔ اس لیئے میں نے بڑی دلیری سے ابورافع کو آواز دی۔ اور کہا۔ ابورافع سُنو! ابورافع فوراً جاگ پڑا۔ لیکن اُسکے سب بال بچے پڑے سوتے رہے۔ اُن میں سے ایک بھی بیدار نہوا۔

ابورافع۔ جیوں میرے پاس آیا میں نے اُسکو تلوار سے مار گرایا۔ لیکن چونکہ قبل ہی سے میں خود خوف زدہ ہو رہا تھا اسلیئے ضرب کاری نہ پڑی۔ اور میں وہاں سے لوٹ پڑا۔ اس اثنا میں مجھے خود محسوس ہوا کہ اُسکو پوری ضرب نہیں لگی۔ زخم اُوچھا ہے۔ یہ تو میں نے کچھ نہ کیا۔ نہ اُسی کا کام تمام ہوا اور نہ میرا۔ یہ سوچکر میں پھر لوٹا۔ تو میں نے اُسکو وہیں زمین پر تڑپتا پایا۔ لیکن اُسکی بی بی جاگ اُٹھی تھی۔ اور وہ اُسے پکار رہا تھا۔ وہ کہتی تھی کہ میں نے بلانیوالے کی آواز سنکر پہچان

لی ہے۔ عبداللہ ابن عتیک کی آواز تھی۔ ابورافع کہہ رہا تھا۔ او بیوقوف عبداللہ بن عتیک اتنی دور سے رات کے وقت خصوصاً ایسی حالت میں جب قلعہ کے تمام دروازہ بند ہوچکے ہیں۔ یہاں کیسے چلا آسکتا ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ اور اُس کی بی بی اُسکے پاس آنا ہی چاہتی تھی کہ میں پہونچ گیا۔ اور پہونچنے کے ساتھ ہی اُسکے پیٹ پر چھُری رکھکر نیچے تک اُتار دی۔ اور اُس کو خون میں لوٹتا ہوا چھوڑ کر فوراً لوٹا۔ اور بڑی تیزی سے بالائی حصہ سے اُتر کر نیچے کے حصہ میں آیا۔ جلدی میں اوپر سے نیچے اُترنے میں پاؤں چھوٹ پڑا۔ اور میں گر پڑا پاؤں کی پھلی میں سخت چوٹ آگئی۔ نیچے آکر میں نے جلدی سے اپنا عمامہ اتار کر ساق پا کو باندھا۔ اور اپنی ایک ہی ٹانگ سے اُفتاں و خیزاں دروازہ قلعہ پر پہونچا۔ چپکے سے کیواڑ کھولے۔ اور اپنے رفقا سے مل گیا۔ اور پھر ہم سب ملکر مدینہ کی طرف غیر متعارف راستے سے روانہ ہوگئے۔

مدینہ پہونچکر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ روئداد عرض کر دی۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے موضع ضرب پر مس کر دیا۔ اور میرا درد لنگ جاتا رہا۔

محدث شیرازی اس تفصیل کے ساتھ اسواقعہ کو تحریر فرماکر آخر میں یہ عبارت لکھتے ہیں۔

ایں روایت در قتل ابورافع در صحیح بخاری مسطور است و در اکثر کتب سیر قتل وے بطریق دیگر مروی گشتہ وانچہ در صحاح است اولیٰ تر است بایراد روضۃ الاحباب ص ۲۵۱۔

ابورافع کے قتل کی یہی روایت صحیح بخاری میں لکھی ہے اکثر کتب سیرت میں دوسرے طریقوں سے بھی مروی ہے لیکن جو طریقہ کہ صحاح میں ہے۔ اُسکا استنباط کرنا مناسب تر ہے۔

قتل ابورافع کا قریب قریب ایسے ہی واقعہ تاریخ طبری اور تاریخ ابن ہشام میں بھی لکھا ہے طبری ص ۱۳۷۵ ابن ہشام ص ۱۹۰ ج ۲۔

غزوہ اُحد

(۷ شوال پنجشنبہ ۳ھ ہجری)

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ

نہ افسردہ خاطر ہو۔ نہ ملول ہو۔ تم اُونچے ہو کر رہوگے۔ اگر تم لوگ ایمان والے ہو (آل عمران)

شکست بدر سے۔ غم و الم اور مصیبت و ماتم۔ کفار قریش میں جس شدت کے ساتھ برپا تھا۔ اُسکے تفصیلی حالات ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ یہ قریش کے تمام قبائل اور اُن کے ساتھ بیرونجات کی قوموں کے وہ تمام لوگ جنکے اعزہ و اقارب واقعہ بدر میں شریک ہو کر مقتول ہوئے تھے۔ تنہا گریہ کناں اور نوحہ خواں ہی نہیں تھے۔ بلکہ شغل گریہ وزاری کے ساتھ وہ ہمہ دم

مسلمانوں سے عوض و قصاص کے لینے کی تدبیروں میں اپنا آپ لہو پی رہے تھے و دنیا جانتی ہے۔ عرب کے ایسا ملک جہاں صرف ایک تن واحد کے قتل کر دینے کیلئے حریف سے جنگ برپا ہو کر نسلاً بعد نسلاً اور بطناً بعد بطناً سلسلہ محاربت قائم رکھا جاوے۔ وہاں بیکبار ستر آدمی کے قتل کئے جانے میں عوض و قصاص مقتولین کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی جائے۔ کیسے ممکن ہے۔ پھر مقتولین بھی کیسے۔ جو ممتازین قوم تھے۔ اور معززین قبائل۔

قریش میں نوحہ خوانی کے ساتھ قصاص کی سلسلہ جنبانی بھی جاری تھی۔ غزوۃ السویق کے ذکر میں ابوسفیان قریشیوں کے جدید سیر ساماں کی یہودیوں کے ساتھ مخالفت اسلام کی تدبیروں میں ریشہ دوانی اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اس بنا پر یقین کر لینا چاہیئے۔ کہ قریش ایکدم کے لیے بھی اپنے اس خیال و تدبیر سے غافل نہیں تھے۔ لیکن ابوسفیان جو اسوقت تمام کفار عرب اور مشرکین قریش کا سردار تھا۔ جن سامانوں سے آئندہ مقابلۂ اسلام (احد) میں آیا ہے۔ انھیں سے اندازہ کر لیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کر و فر۔ اس ساز و سامان اور اس خدم و حشم کی ترتیب و تزئین میں کتنا وقت اور کتنا سرمایہ صرف ہوا ہو گا۔

غزوۃ السویق سے لوٹ آنیکے بعد ماتم نشینان قریش میں سے چند منتخب نمود اران قریش بسر کردگی عکرمہ بن ابی جہل ابوسفیان کے پاس آئے۔ اور قصاص بدر کے معاملہ میں عجلت کے ساتھ عمل پیرا ہونیکے لیئے ایک طول وطویل زبانی درخواست کرنیکے بعد کہنے لگے کہ ہماری سب کی متفقہ یہ رائے قرار پائی ہے۔ کہ قوم کے منافع کی رقم خاص جو آپ کی تحویل میں موجود ہے۔ وہ کل کی کل اس فرض کی ادا کاری میں صرف کر دیجائے۔ اسکے علاوہ وہ سرمایہ بھی جو تمام قوم و قبائل سے اس ضرورت خاص کیلئے طلب کیا جائیگا۔ اسی مہم میں اُٹھایا جائے گا۔ اور اُسکی فراہمی کے لیئے ہم لوگ خاص طور پر ذمہ دار ہوتے ہیں۔

ابوسفیان نے اُن کی اس درخواست کو قبول کر لیا لیکن ابوسفیان اور اُسکے تمام ہمخیال اور ہم زبان جانتے تھے صرف جانتا ہی نہیں بلکہ کامل طور سے اندازہ کر چکے تھے۔ کہ اب اہل اسلام اپنی قوت اور جمعیت کے لحاظ سے وہ نادار نارسان بے یار و مددگار۔ قوم نہیں رہے تھے۔ بلکہ ایسے تھے۔ اور اتنے ہو چکے تھے۔ کہ اُنکی مخالفت اور مقابلت کیلئے اب ایسے اور اتنے سامانوں کی ضرورت تھی۔ جو بدر کے سامان گذشتہ سے کہیں زیادہ ہو۔

ابوسفیان نے کیا۔ تمام قریش نے اس ضرورت کو ابتدا ہی سے مدنظر رکھا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے بیرونی امداد کے لیئے یہ انتظام کیا کہ مقتولین بدر کے اعزہ اور مشرکین مکہ کے عمائد و روسا کا ایک حلقہ ماتم مرتب کر کے جنمیں عرب کے دو فصیح اللسان اور سحر البیان شاعر عمر بن جمحی اور سافع بھی شامل تھے۔ گرد و نواح کے ایک ایک قوم و قبیلہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور قصاص بدر کے ضروری اور واجب التعمیل ہونے کی نسبت اُنکو برانگیختہ کیا۔ اور امداد طلب کی۔ اعزائے مقتولین کی نوحہ خوانی یا امرائے قریش کی حاضری یا موجودگی نے لوگوں کے قلوب پر اتنا اثر نہیں کیا۔ جتنا ان دونوں شاعروں کی جادو زبانی نے تمام قوم و قبائل

میں مخالفت اسلام کی آگ بھڑکا دی۔ ان دونوں شاعروں میں عمرو بن جمحی وہی احسان فراموش شخص تھا جو جنگ بدر میں گرفتار ہو چکا تھا حضرت عمرؓ نے جسکے دانت تڑوا دینے چاہے تھے۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاص اخلاق و اشفاق کے تقاضہ سے رہا فرما دیا تھا اس احسان کی یہ منت گذاری تھی اور اس عنایت ورعایت کی یہ معاوضت۔ عکرمہ کو بہر حال اپنی موجودہ تحریک و تدبیر میں پوری کامیابی ہوئی۔ اور لوگوں نے بڑے ایثار نفس کیا تھ جان ومال سے اس مہم میں مدد کی۔

ابوسفیان کا سرمایہ جنگ

ابوسفیان نے ابوجہل سے کہیں زیادہ تجمیع و ترتیب فوج میں بڑی کشادہ دلی سے کام لیا۔ پچاس ہزار مثقال سونا جو منافع تجارت کا اُن کی تحویل میں تھا۔ اُنھیں سامانوں میں صرف کر دیا۔ ابوسفیان کے اسی ایثار باطل کا اشارہ قرآن مجید کے اس آیہ میں کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ۔

وہ لوگ جو کافر ہیں۔ اپنے مال کو دین خدا کے روکنے میں خرچ کرتے ہیں۔ اُنھیں لوگوں پر عاقبت میں حسرت آنیوالی ہے۔ اور یہی لوگ مغلوب ہونیوالے ہیں۔ زرقانی جلد دوم ص ۲۴۔

اتنی بڑی رقم کثیر کے صرف سے تین ہزار آہن پوش جوانوں کا لشکر اسلام کا نام مٹانے اور مسلمانوں کا خون بہانے کیلئے تیار ہوگیا۔ راحلہ کا اتنا وافر انتظام کیا گیا کہ لشکر اور بار برداری کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد پانچسو اونٹ اور دو سو گھوڑے کوتل رکھے گئے۔ اس لیئے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

کافرہ عورتوں کا بینڈ

ابوسفیان کے انتظاموں میں سوائے افراط و بہتات کے اور کوئی نوعیت ایسی نہیں تھی جو بیان کے قابل ہو۔ لیکن ہاں ایک نوعیت جو اُنکی جدت طبع کا خاص نمونہ تھی۔ وہ البتہ قابل ذکر ہے۔ اور اسی لیئے تمام مورخین ومحدثین نے اُسکو خصوصیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ لشکر کی تمام تزئین و آرائش کے سامانوں کیساتھ ابوسفیان نے ممتازین قریش کی بہت سی عورتیں بھی ہمراہ لے لی تھیں۔ اس لیئے کہ وہ اپنے جمال جہاں آرا و نغمہائے دلآویز و دلربا سے جوانان قریش کو پرجوش و تازہ دم بنایا کریں

بہر حال جو ضرورت ہو اُس سے بحث نہیں۔ لیکن جیسا کہ آئندہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔ لشکر میں اس صنف نازک کا شمول۔ ابوسفیان کی کامیابیوں کے حصول کا ذریعہ ضرور ظاہر ہوا۔ خصوصاً ہندہ زوجہ ابوسفیان کی مخفی کارروائیوں نے اسلام کو بظاہر بڑا نقصان پہونچایا۔ تفصیل یہ ہے کہ ہندہ زوجہ ابوسفیان کے باپ عتبہ بن ربیعہ کو حضرت حمزہؓ نے بدر میں قتل کیا تھا۔ اور جبیر بن مطعم کے چچا کو بھی آپ نے قتل فرمایا تھا۔ اس بنا پر حضرت حمزہؓ کا قتل ہندہ کو ہمیشہ مدنظر تھا۔ روانگی سے پہلے ہندہ نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کو۔ جو مکہ کا مشہور جنگجو تھا۔ اور جس سے اُن کو ربط خاص تھا حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ وحشی نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ جیسا کہ عنقریب سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگا شبلی صاحب نے ان عورتوں کے یہ نام بتلائے ہیں۔

(۱) ہند۔ عتبہ کی بیٹی۔ امیر معاویہ کی ماں۔
(۲) اُمّ حکیم۔ عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بی بی۔
(۳) فاطمہ۔ حضرت خالد (ابن ولید) کی بہن۔
(۴) برزہ۔ مسعود ثقفی رئیس طائف کی بیٹی (۵) ریطہ عمر و عاص کی زوجہ
(۶) خناس۔ حضرت مصعب ابن عمیر کی ماں۔
سیرۃ النبی جلد اوّل ص ۲۷۱۔

مدینہ میں قریش کی خبر جب لشکر قریش کی تیاری ہو چکی اور وہ مکّہ سے مدینہ چلنے لگے۔ تو حضرت عباس بن عبد المطلبؓ نے جو قبول اسلام کے بعد مکّہ سے مدینہ واپس چلے آئے تھے ایک قاصد تیز رفتار کے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس عظیم فوج کشی کی خبر پہونچادی اور قاصد کو تاکید کردی کہ تین دن کے اندر آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ میں پہونچ جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پانچویں شوال کو آنحضرت صلعم کو یہ خبر ملی آپ نے ارشاد فرمایا۔

حسبنا اللہ نعم الوکیل اللھم بک احول و بک اصول | ہمارے لیے خدا کافی ہے۔ پروردگار تجھی سے مجھ میں قوت ہے۔ اور تجھی سے ابتدا ہے۔

اسکے بعد آپ نے دو مخبروں کو جو قبیلہ انصار سے تھے جنکے نام انیس و مونس تھے۔ مکّہ کی راہ تجسس احوال کی غرض سے بھیجدیا۔ دونوں مخبروں نے فوج غنیم کے مشاہدے کے بعد خدمت رسولؐ میں عرض کی کہ مشرکین کا لشکر مقام عریض میں مقیم ہے۔ اور قبائل انصار کو بالکل تباہ و برباد کر چکا ہے آپ نے خباب بن منذر کو دوبارہ تصدیق حالات کیلئے بھیجا۔ اور انہوں نے فوج غنیم کے تمام جزوی اور کلی حالات سے پورے طور پر مطلع کیا۔ چونکہ قریش سے مدینہ پر فوری تاخت کا قوی اندیشہ تھا اس بنا پر آنحضرت نے شہر کے چاروں طرف پہرے بٹھلا دیئے۔ اور حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ۔ یہ دونوں سردارانِ انصار و شرات ہتھیار باندھے مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے پہرہ دیتے تھے

مقابلہ کی تجویز اور صحابہ سے مشورت شہر کی حفاظت کا کامل انتظام فرما کر آنحضرت صلعم نے مقابلہ و مقاتلہ کیطرف توجہ فرمائی آپکی تجویز یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہکر غنیم کی مدافعت کیجائے۔ اس امر خاص میں صحابہ کا استمزاج لیا۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی سلول جو بظاہر اسوقت تک اسلام کا شریک و رفیق تھا اور اسموقع پر بھی حاضر تھا کہنے لگا میں تو یہی یہ کہونگا کہ آپ مدینہ میں بیٹھے بیٹھے قریش سے مقابلہ کریں۔ کیونکہ سالہا سال کے تجربہ سے مجھے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جب ہم لوگوں نے مدینہ میں رہکر دشمنوں سے مقابلہ کیا ہے ضرور فتحیاب و فیروزمند ہوئے ہیں اور اگر باہر جاکر ان سے مقابلہ کیا ہے ضرور ناکامیاب ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔

وہ انصار جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے ایکبار بول اُٹھے۔ کہ ہم کو اس رائے سے اختلاف ہے۔ ہمکو بدر کے تجربے نے بتلادیا ہے کہ ہم مدینے سے باہر جاکر غنیم پر فتحیاب ہوتے ہیں اس بنا پر ہمکو قریش سے اس معرکہ میں بھی باہر ہی نکل کر مقابل ہونا چاہیئے۔ اتفاق سے اکابرین صحابہ میں سے حضرت حمزہؓ۔ سعد بن عبادہ۔ نعمان بن مالک

وغیرہم کے نام خصوصیت سے بتلائے گئے ہیں۔ اس تجویز و صلاح کے مؤید نکلے اور عرض کرنے لگے کہ مدینہ میں بیٹھکر مقابلہ کرنے سے کفار کی ہمت و جرأت بڑھ جائے گی۔ اور وہ سمجھنے لگیں گے کہ مسلمان ہماری کثرت اور سامان سے خائف ہو کر باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اور گھر میں بیٹھے بیٹھے ہمارے مقابلہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پس اسوجہ سے یہ تجویز اسلام کی عزت اور شجاعان اسلام کی جرأت و ہمت کے مخالف ہے۔

ان لوگوں نے اپنی موجودہ رائے و مختار پر اسقدر اصرار کیا کہ آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں کی رائے و تجویز کو اختیار کیا۔ اور پھر آپ گھر میں تشریف لیگئے اور سلاح جنگ سے آراستہ ہو کر باہر تشریف لائے۔ اس اثنار میں پھر انصار میں مسئلہ زیر بحث پر گفتگو ہوئی۔ سعد بن معاذ۔ اور اسید بن حضیر نے انصار سے مخاطب کرکے کہا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ کی تجویز سے مخالفت کی ہے۔ یہ اچھا نہیں کیا ہے۔ گو کہ غلبہ رائے ہماری ہی طرف ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے اس غلبہ کے خلاف تھی۔ ہمکو اسکا خیال کرنا چاہئے تھا۔ سب نے کہا اگر تمہاری رائے میں ایسا ہی ہے۔ جیسا تم کہتے ہو۔ تو ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں۔

اس اثنار میں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصمت سرائے رسالت سے باہر تشریف لائے۔ سر پر دستار بندھی تھی جسم مبارک پر زرہ آراستہ تھی۔ اور ہمیں کا کمر بند تھا۔ اس میں ترکش لگا تھا۔ پشت مبارک پر سپر۔ دوش اقدس پر کمان گلوئے مطہر میں شمشیر حمائل۔ اور دست مطہر میں نیزہ خارا شکن تھا۔ اس مجاہد فی سبیل اللہ کی حقیقی شان و شوکت کو دیکھکر اخلاص مندان اسلام کی جوش عقیدت میں ایک غیر متحمل تحریک پیدا ہو گئی۔ اور سب کے سب موجودہ سطوت و جلالت رسالت کو دیکھکر فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور سب نے دست بستہ عرض کی کہ ہم نے حضور کو باہر نکلکر مقابلہ کرنیکی بیکار زحمت دی ہے ہم اپنے اُس معروضات کو واپس لیتے ہیں جو تجویز ہو چکا ہے اُسی پر عمل فرمایا جاوے۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبروں کی خصوصیات میں داخل ہے۔ کہ سلاح جنگ باندھ کر پھر قبل از نتیجہ جنگ کمر نہیں کھولتے۔ واللہ یفعل ما یشار و ہو علیٰ کل شئی قدیر

جمعہ کا دن تھا اور نماز کا وقت ہو چکا تھا اسلئے جمعہ کی نماز پڑھا کر آپ نے ایک طولانی خطبہ میں جہاد فی سبیل اللہ پر تقریر فرمائی اور موجودہ مقابلہ کفر و اسلام کے متعلق آپنے کھلے کھلے اور صاف صاف الفاظ میں تمام اہل اسلام کو بتلا دیا۔

ان لھم النصر ما صبروا وامرھم بالتھیو لعدوھم	اس شرط پر تمہاری فتح ضرور ہے۔ کہ تم صبر و تحمل سے کام لو۔ اور بلا شرکت نفس اپنے دشمن سے مقابلہ کرو۔ زرقانی ص ۲۶ ج ۲

لشکر اسلامی اور اُس کا جائزہ

جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر موکب رسالت بیرون شہر خیمہ زن ہوا۔ لشکر ہمراہی کا جائزہ لیا گیا۔ عبداللہ بن ابی سلول کے تین سو ہمراہیوں کو لیکر مجموعاً ایک ہزار جاں نثار رکاب میں حاضر پائے گئے۔ جنمیں کل سو جوان زرہ پوش تھے۔ بدر کی طرح اسموقع پر بھی غیر مکلف مہاجر و انصار کے کمسن لڑکے فرط اخلاص و عقیدت سے مجاہد اسلام بننے کے شوق میں لشکر کے ہمراہ ہو گئے تھے۔ مورخین و محدثین عبداللہ بن عمر۔ زید بن ثابت۔ اسامہ بن زید۔ زید بن ارقم۔ براء

بن عازب۔ اسید بن ظہیر۔ عرابہ بن اوس۔ ابو سعید خدری۔ سمرہ بن جندب۔ اور رافع بن خدیج کے نام لکھتے ہیں۔
جائزہ کے وقت ان تمام پرجوش اور خوش عقیدہ لڑکوں کو غیر مکلف ہونیکی بنا پر سابق کی طرح مدینہ لوٹ جانیکا حکم صادر ہوا۔ ان میں آخر صاحب۔ رافع بن خدیج نے بڑی ذہانت سے کام لیا جائزہ کے وقت اپنی بلند قامتی کے اظہار کی ضرورت سے یہ اپنے پاؤں کے انگوٹھے پر کھڑے ہو گئے۔ اسلئے انتخاب میں آگئے۔ اور اسید بن حضیر نے انکی سفارش کی۔ اور عرض کی کہ تیراندازی میں یہ مشاق ہو چکا ہے۔ ان تمام پرجوش اور خوش عقیدہ لڑکوں کو تو نہیں لیکن سمرہ بن جندب کو بڑا رشک ہوا اُسنے خدمت رسولؐ میں عرض کی کہ رافع اگر منتخب ہوا۔ تو اُس سے قوت وطاقت میں میں کہیں زیادہ ہوں۔ میں بھی منتخب کر لیا جاؤں۔ اور مشاہدے کے طور پر میرے اور رافع کا مقابلہ کرا لیا جاوے۔ جب میں اُنھیں گرا دوں۔ تب میرا انتخاب کیا جاوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم زیر لب فرما کر سمرہ کی درخواست قبول فرمائی۔ دونوں میں کشتی ہوئی۔ اور سمرہ نے حسب الوعدہ رافع کو زمین پر گرا دیا۔ آنحضرت صلعم نے رافع کے ساتھ ان کو بھی منتخب کر لیا۔

ترتیب فوج اور حفاظت لشکر

جائزہ کے بعد لشکر کی ترتیب کی گئی۔ بدر کی طرح تین علم فوج آراستہ ہوئے۔ قبیلہ اوس کا علم اسید بن حضیر کو عنایت کیا گیا۔ خزرج کا خباب بن منذر کو۔ اور بعض روایت کے مطابق سعد بن عبادہ کو۔ مہاجرین کے فوج کا علم خاص حضرت علی مرتضیٰ کو اور بروایت مصعب ابن عمیر کو عنایت ہوا۔ اور عبد اللہ ابن اُم مکتوم کو مدینہ کا نگران کار بنا کر شہر میں بٹھا دیا گیا۔ اور لشکر اسلام۔ احد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ ننگی تلواریں کھینچے مرکب رسالت کے آگے آگے جاتے تھے۔ اُس دن قبیلہ بنی النجار تک پہونچکر شام ہو گئی۔ اور لشکر اسلام وہیں مقیم ہو گیا۔ لشکر میں نہایت بدتمیزانہ شور و شغب کی آواز آئی۔ جو ناگوار طبع ہوئی۔ استفسار کیا گیا تو معلوم ہوا۔ کہ عبد اللہ بن ابی سلول کے ہمراہی شور و ہنگامہ کر رہے ہیں۔ ارشاد ہوا لا تستنصروا باھل الشرک علی اھل الشرک اہل شرک کو مدد پہونچانی چاہیے۔ اور نہ اُنسے مدد لینی چاہیے۔ محمد بن مسلمہ کو پچاس جاں نثاروں کیساتھ رات کے وقت لشکر کی پہرہ داری کا حکم ہوا۔ یہاں سے لشکر قریش بالکل قریب تھا۔ اور اتنا کہ ایک دوسرے کی جماعت کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ ابو سفیان نے عکرمہ بن ابی جہل کو فوج کی پہرہ داری پر تعینات کیا۔

خیمہ خاص کی حفاظت کیلئے آپنے فرمایا۔ میری حفاظت کون کرتا ہے۔ ایک طرف سے آواز آئی "میں"۔ ارشاد ہوا تم کون ہو۔ جواب آیا۔ ذکوان۔ آپنے فرمایا بیٹھے رہو۔ پھر آپنے فرمایا۔ میری حفاظت کون کرتا ہے۔ پھر آواز آئی۔ میں۔ استفسار ہوا کون۔ جواب ملا۔ ابن عبد قیس۔ ارشاد ہوا اچھا تم بھی حاضر رہو۔ تیسری مرتبہ پھر وہی سوال کیا گیا۔ جواب ملا میں۔ پوچھا گیا کون ہے۔ جواب آیا ابو رافع۔ تھوڑی دیر کے بعد آپنے حکم دیا میرے تینوں محافظ کھڑے ہو جائیں۔ اب کھڑے ہونیوالوں میں تنہا ذکوان کھڑا ہو گیا۔ آپنے تعجب میں آکر ذکوان سے پوچھا کہ وہ تمہارے دونوں ہمراہی کہاں گئے اُس نے عرض کی کہ تینوں بار میں نے ہی حکم پر لبیک کہی تھی پہلے بار میں نے اپنا نام بتلایا۔ دوسری بار اپنی نسبت اور

تیسری بار اپنی کُنیت۔ میرا پورا نام۔ ذکوان۔ ابو رافع ابن عبد قیس ہے۔ آپ اسکی عقیدتمندانہ اور مخلصانہ ذہانت اور مطابیت سے بیحد مسرور ہوئے۔ اور فرمایا حفظک اللہ تعالےٰ۔ اچھا اب اُٹھو اور اپنا کام کرو۔ خدا تمھیں محفوظ رکھے حکم پاتے ہی ذکوان اُٹھا۔ زرہ پہنی۔ سپر دوش سے لگائی اور رات بھر خیمہ رسول اللہ صلعم اور لشکر اسلام کی پہرہ داری کی زرقانی ص ۲۸۔ روضۃ الاحباب ص ۲۵۶ مخطوطہ۔

چھٹی شوال کو نماز صبح جماعت سے پڑھکر لشکر اسلام نے کوچ کیا۔ ابو حثیمہ حارثی دلیل لشکر تھے۔ اور لشکر کو نشیب و فراز راہ سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر میں لشکر اسلام فوج غنیم کے مقابل میں پہونچ گیا۔ کوہ احد مدینہ منورہ سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ امام قسطلانی کی تحقیق میں عبداللہ بن ابی سلول اسی منزل سے اپنے ہمراہیوں کو لیکر واپس گیا اسی کے ساتھ عبداللہ بن عمر بن خرام بھی چلتا ہوا۔ ہر چند اُسکے ہمقوم و قبیلہ

عبداللہ بن ابی سلول کی لشکر اسلام سے علیحدگی

لوگوں نے سمجھایا کہ عین وقت پر دغا دینی شرافت کے خلاف ہے۔ لیکن اس منافق نے ایک نہ سُنی۔ عبداللہ بن ابی سلول نے کہا۔ کہ محمد صلعم نے میری صلاح سے کام نہ لیا۔ اور نوجوانوں اور محض ناتجربہ کاروں کی مشورت پر عمل پیرا ہوئے۔ اسلیئے ہمکو اُنکی شرکت و رفاقت منظور نہیں یہ کہا اور چلتا ہوا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی دغا کی جب اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے کچھ بھی تعرض نہ فرمایا۔ لایلتفت الیہ (زرقانی ص ۳۱) اس کی حرکات پر کوئی التفات نہ فرمائی۔

فوج سے خلاف اُمید عین وقت پر تین سو جمعیت کے بیکبار نکلجانے سے فوج اسلامی میں ایک ہراس پیدا ہو گیا بعض خالص الایمانوں نے اُسی وقت ان دغابازوں کو تہ تیغ کر دینا چاہا۔ اور بعضوں نے کچھ تعرض کرنا نہ چاہا۔ زرقانی صحیح بخاری کی اسناد سے اسواقعہ کو اس صورت میں لکھتے ہیں۔

عن عبد اللہ بن زید لما خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم الی غزوۃ احد رجع ناس ممن خرج منہ وکان اصحابہ صلعم فرقتین فرقۃ تقول نقاتلھم وفرقۃ تقول لا نقاتلھم فنزل فما لکم فی المنافقین فِئَتَیْنِ وَاللّٰہُ اَرْکَسَھُمْ بما کسبوا وقال انھا طیبۃ تنفی الذنوب کما تنفی النار خبث الحدید وھذا ھو الاصح فی سبب نزولھا۔

عبداللہ بن زید سے مروی ہے کہ جب جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ احد کیلئے چلے تو کچھ لوگ (عبداللہ بن ابی وغیرہم) جو آپکے ساتھ نکلے تھے واپس گئے۔ اسوجہ سے طبقہ صحابہ میں دو قسم کے لوگ ہو گئے ایک کہتے تھے کہ ان واپس جانیوالوں کو قتل کر دینا چاہیئے دوسرے کہتے تھے ان کو جانے دینا چاہیئے اور تعرض نہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ آیہ وافی ہدایہ نازل فرمایا گیا۔ کہ منافقین کے بارے میں دو فرقے ہونیکی کوئی ضرورت نہیں اسلیئے کہ خدائے سبحانہٗ تعالےٰ نے انکے عمل کی سزا میں بھی اُنکو اُنکی اصل حالت (کفر) کی طرف لوٹا دیا ہے۔ آنحضرت صلعم نے یہ آیت سنا کر مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ اب تم اسطرح سے پاک و صاف کر دیئے گئے جس طرح آگ لوہے کو جلا کر میل سے پاک و صاف کر دیتی ہے۔ زرقانی لکھتے ہیں کہ اس آیہ کے اسباب نزول

میں سب سے زیادہ صحیح یہی واقعہ ہے۔

ترتیب لشکر اسلامی اس قضیۂ نامرضیہ کے تصفیہ سے فارغ ہوکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ترتیب لشکر کی طرف توجہ فرمائی۔ تقسیم علم کے بعد آپ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ میمنۂ لشکر پر عکاشہ بن محصن الاسد مخزومی کو مقرر فرمایا۔ مقدمہ لشکر پر ابو عبیدہ بن الجراح۔ اور سعد بن ابی وقاص کی تعناتی ہوئی۔ ساقہ لشکر پر مقداد بن عمر مقرر ہوئے ان تمام انتظاموں سے زیادہ ضروری کوہ احد کے اس درہ کی محافظت کا انتظام تھا جسے عنین کہتے تھے یہ مقام غنیم کی خاص کمین گاہ تھا۔ اور خالد بن ولید اپنے جرار دستۂ فوج کے ساتھ پہلے سے یہیں آکر چھپا بیٹھا تھا اسکی محافظت کا یہ انتظام کیا گیا کہ عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ہمراہ اُسکے دروازہ پر مقرر فرما دیا گیا۔ اور یہ تاکید شدید کردی گئی کہ نتیجۂ جنگ جو کچھ ہو۔ خواہ جانبین میں کسی کی بھی فتح و شکست ہو تم از آغاز تا بہ انجام جنگ اپنے مقام سے نہ ہٹنا۔ نہ محاربت کے وقت ہماری امداد کرنا۔ اور نہ شکست کے وقت پہونچکر ہمارے سروں سے غنیم کے حملات کی مدافعت کرنا۔ ہماری فتح ہوجانیکی حالت میں بھی مسلمانوں کو غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھکر بھی تم شرکت کی طمع نہ کرنا بلکہ اپنے مقام پر مستقل رہنا۔ تمہارے حقوق ہمارے ساتھ ہیں۔ ترتیب و تنظیم لشکر کے بعد جناب رسولخدا صلعم قریش کی طرف سے پیش دستی کا انتظار فرمانے لگے۔

کفار قریش معرکہ بدر میں اپنی فوج کی بدترتیبی کے نتیجے اُٹھا چکے تھے۔ اور اسمرتبہ وہ پہلے ہی سے ہوشیار تھے ابوسفیان نے اسلیئے میدان میں نکلکر سب سے پہلے جو کام کیا وہ اپنے تین ہزار فوج کی ترتیب تھی۔ خالد بن ولید کو میمنہ کا سردار اور عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ کا افسر مقرر کیا۔ سواروں کے رسالے کی کمان صفوان بن اُمیہ اور عمر عاص کو ملی۔ اور سو تیر اندازوں کے دستہ کا افسر عبداللہ بن ربیعہ کو مقرر کیا۔ خالد موقع پاکر اُنھیں تیر اندازوں کو ہمراہ لیکر اور ابن ربیعہ کو اپنی جگہ فوج میں چھوڑکر اس درہ کوہ میں پہلے سے آچھپا تھا۔ طلحہ بن ابی طلحہ کو جو قریش کے قدیم خاندان بنی عبدالدار سے تھا علمدار لشکر بنایا۔

جانبین سے مقابلہ کا آغاز ہوا کہ پہلے لشکر قریش سے ابوعامر پچاس تیر اندازوں کے تیار دستہ کے ساتھ نکلا اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کا مینھ برسانے لگا۔ مسلمانوں نے بھی بڑی دلیری سے جواب دیا اور اس تیزدستی سے ان پر تیر اور پتھر برسائے کہ ابوعامر کو آخر میدان سے بھاگنا ہی پڑا۔ اُسکی گریزپائی دیکھکر مشرکین کی عورتوں کے بینڈ نے دف بجا بجا کر اُن کو تازہ دم کرنا چاہا اور مبارزان قریش کے دلوں میں اپنی دلکش آواز سے مذکورہ ذیل گیت گا کر بیحد پرجوشی پیدا کردی

نحن بنات طارق	نمشی علی النمارق	ان تقبلوا نعانق	وتدبروا نفارق	فراق غیر وامق
ہم ستارہ کی بیٹیاں ہیں	قالینوں پر چلنے والیاں	اگر تم بڑھوگے تو گلے لگائنگے	پیچھا دکھاؤگے تو جدا ہو جائینگے	ایسا کہ پھر کبھی تمہاری طرف نہ آئینگے

ابوعامر کی گریز کے بعد بھی لشکر اسلام نے اپنی تیراندازی موقوف نہیں کی۔ اب ان لوگوں نے اپنی کمانیں سواران

قریش کی طرف سیدھی کرلیں۔ اور انپر اتنے تیر برسائے۔ کہ انہیں سے قبیلہ ہوازن کے سواروں نے عاجز آکر راہ گریز پکڑی۔ اور سواروں کے دستہ سے علیحدہ ہوکر میدان میں منتشر ہوگئے۔

مبارزان اسلام کی شجاعت اور علمداران قریش کا خاتمہ

یہ حالت دیکھکر طلحہ ابن ابی طلحہ علمدار کفار کو بڑی غیرت آئی۔ اور جوش غیرت میں صف لشکر سے علیحدہ ہوکر لشکر اسلام سے مبارز طلبی کرنے لگا۔ مورخین و محدثین نے اسکی مبارز طلبی کے یہ الفاظ طعن آمیز لکھے ہیں۔

یا معشر اصحاب محمد انکم تزعمون ان اللہ یعجلنا بسیوفکم الی النار و یعجلکم بسیوفنا الی الجنۃ فھل منکم احد یعجلہ بسیفی الی الجنۃ و یعجلنی بسیفہ الی النار

اے اصحاب محمد صلعم تمہارا یقین ہے۔ کہ تم ہمیں قتل کروگے۔ تو خدا ہمیں دوزخ میں پہونچائے گا۔ اور اگر ہم تمہیں مار لیویں گے۔ تو خدا تمہیں جنت میں لے جاویگا۔ تو پھر تم میں سے کوئی جلد نکل آتا کہ ہم جس کو مار کر جلد جنت میں پہونچادیں۔ یا وہ ہمیں مار کر دوزخ میں جلد پہونچادے۔

یہ سنکر جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام نے فوراً جوابدیا۔

فقام علی بن ابی طالبؓ فقال والذی نفسی بیدہ لا افارقک حتی اعجلک بسیفی الی النار و یعجلنی بسیفک الی الجنۃ

حضرت علی نے اسکے مقابلہ میں آکر فوراً جواب دیا۔ کہ اسکی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں تیرے مقابل ہونے پر آمادہ ہوں۔ اور پھر اسوقت سے تیرے سامنے سے ہرگز جدا نہ ہوگا جبتک تجھے اپنی تلوار سے دوزخ میں نہ پہونچالوں۔ یا تو مجھے اپنی تلوار سے جنت میں نہ پہونچادے۔ طبری ص ۱۳۹۶ ابن ہشام ص ۸۱

جانبین کے لشکران دونوں مبارزان نبرد آزما کی سیر جنگ کی غرض سے خموش ہوگئے۔ اور دونوں کے کمالات حرب وضرب دیکھنے لگے۔ حضرت علیؑ نے طلحہ کے سر پر پہونچتے ہی اپنی شمشیر آبدار کی ایسی ضرب شدید لگائی کہ مغز سر تک اتر آئی اور ایک دوسرے قول کے مطابق آپکی یہ ضرب اسکے پاؤں پر لگی۔ لیکن ایسی کاری تھی۔ کہ کمر سے اسکا پاؤں جدا ہوگیا اور وہ فوراً زمین پر گر کر لوٹنے لگا۔ حضرت علی مرتضےٰ اسکے سر کاٹ لینے کی غرض سے اسکے پاس پہونچے۔ دیکھا کہ وہ بالکل قریب مرگ ہے۔ اس نے خود آنکھیں کھولکر آپکو دیکھا۔ اور آپ کے قصد و ارادہ کو بخوبی سمجھ گیا۔ بڑی منت وسماجت سے جان بخشی کی درخواست کی۔ آپ فوراً وہاں سے واپس آئے۔ مبارزان اسلام ان کیفیتوں کو دیکھ رہے تھے۔ پوچھنے لگے کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ گئے تھے تو سر کیوں نہ کاٹا۔ ارشاد فرمایا کہ میں جب اسکے قریب پہونچا تو اسکو ایسی حالتوں میں پایا۔ کہ وہ یقیناً زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ پھر اس نے مجھسے خود چھوڑ دیئے جانیکی درخواست کی اوّل تو یہ باعث تھا۔ پھر یہ سبب ہوا۔ کہ میں اسکے قریب پہونچا۔ تو اسکو بالکل برہنہ پایا۔ میری غیرت وحمیّت نے کسی طرح تقاضا نہیں کیا۔ کہ میں اسکی ایسی بیدست وپائی کی حالت اور اس بیخودی کے عالم میں اسکا سر کاٹ کر اپنی شجاعت و دلیری کو شقاوت کے ساتھ بدنام کروں۔ زرقانی صفحہ ۳۰۔ ابن ہشام صفحہ ۵۱ جلد دوم۔

طبری لکھتے ہیں۔ کہ طلحہ۔ اوّل علمدار قریش کے قتل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کی آواز بلند فرمائی تکبیر رسول اللہ صلعم صدائے مبارک کے ساتھ ہی مسلمانوں کے نعرہائے تکبیر سے اُحد کا میدان گونج اُٹھا۔
طلحہ کے بعد ابو سعد بن ابی طلحہ علم لیکر آیا۔ اُسکو بھی حضرت علی مرتضےٰ نے اور بقولے سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا اسکے بعد مسافع ابن طلحہ علمدار بنکر آیا۔ اُس کو عاصم نے دور ہی سے تیر لگا کر مار گرایا۔ پھر حرث ابن طلحہ آیا۔ عاصم نے اُس خطاکار کو بھی ایک ہی تیر میں ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے بعد جلاس بن طلحہ نکلا۔ اُسکو طلحہ بن عبیداللہ نے قتل کیا اب علم لیکر ارطاۃ بن شرحبیل آیا۔ حضرت علیؑ اُس سے مقابل ہوئے۔ اور قتل فرمایا۔ بعضے کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا۔ ارطاۃ کے بعد شریح بن قارظ کو علمداری ملی۔ یہ بھی آئے تو مارے گئے۔ مؤرخین ان کے قاتل کا نام نہیں لکھتے۔
اب قریش کے خاندان علمدار میں کوئی نہ بچا۔ ایک ایک کرکے سب مارے گئے۔ تو بالآخر اس خاندان کے ایک غلام حبشی صواب نے اس منصب کا اعزاز پایا۔ لیکن منصب کی عزت کے ساتھ اس منصب کی نحوست بھی ساتھ لایا۔ میدان میں آتے ہی حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔
صواب کی وفاداری اور جگرداری ضرور ذکر کے قابل ہے۔ اسپر تلوار کی ایسی ضرب شدید پڑی تھی۔ کہ اس کے دونوں ہاتھ بیکبار کٹ کر گر پڑے تھے۔ ہاتھوں کے ساتھ علم بھی زمین پر گر پڑا۔ لیکن صواب کو قومی علم کے گرنے کی اتنی غیرت آئی۔ کہ علم کے گرتے ہی یہ بھی علم کے اُوپر گر پڑا۔ اس لیئے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ جانے پاوے جو اس کے لیئے ابدی بدنامی کا داغ لگادے۔ اور اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا۔ کہ میں نے اپنا فرض خدمت ادا کر دیا۔ دیر تک اسکے مردے کے نیچے قریش کا قومی علم دبا پڑا رہا۔
خاندان علمدار کی ایک دلیر خاتون جسکا نام علقمہ تھا اس کیفیت کو دیکھ رہی تھی۔ جوش غیرت سے بیتاب ہو کر نکل پڑی۔ اور علم کو صواب کی لاش کے نیچے سے کھینچکر فوراً بلند کیا۔ علم فوج کو بلند دیکھکر قریش جو ادھر اُدھر منتشر ہوگئے تھے۔ پھر اکٹھا ہوگئے۔
علمداران لشکر کا مارا جانا دیکھکر جیسا کہ طبری کا بیان ہے۔ ابوسفیان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُس نے بنی عبدالدار کے قبیلے والوں کو جمع کرکے ایک طولانی تقریر کی۔ اور اُن کو تازہ دم کرنا چاہا۔ اُسکی زوجہ ہند بنت عتبہ نے دف بجا بجا کر یہ گیت گائے۔

ویھا یا بنی عبد الدار ہاں اے بنی عبدالدار	ویھا حمات الادبار ہاں اے گذشتہ نسلوں کے حامی و مددگار	ضرب لکل تبار شدید اور قطع کردینے والی ضربوں سے کام لو

علمداران قریش کا خاتمہ کرکے مبارزان اسلام کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ وہ افواج غنیم پر ٹوٹ پڑے۔ اور شدت سے

بازار گیرودار گرم ہوا۔ اس کی اجمالی کیفیت طبری یوں لکھتے ہیں۔

وقاتل ابو دجانۃ حتی امعن فی الناس وحمزۃ ابن عبد المطلب وعلی بن ابی طالب فی رجال المسلمین فانزل اللہ عزوجل نصرہ وصدقھم وعدہ فحسوھم بالسیوف حتی کشفوھم وکانت الھزیمۃ لاشک فیھا۔ طبری ص ۱۳	ابو دجانہ فوج میں دھنس پڑے اور ایسے ہی حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت علی بن ابی طالب مع اپنے ہمراہی مسلمانوں کے غنیم کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور خدا نے ان کی نصرت کی تو وہ کر دکھایا۔ ان لوگوں نے غنیم کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالا۔ ان کی صفیں توڑ کر میدان صاف کر دیا۔ وہ اس میں کوئی

شک نہیں ہے کہ کفار کی نمایاں شکست تھی۔

شبلی صاحب میدان جنگ کی موجودہ کیفیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ لیکن ان کے (بد نما ترکیب اردو) صاحبزادے حضرت حنظلہ اسلام لا چکے تھے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی۔ لیکن رحمت عالم نے یہ گوارا نہ کیا۔ کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ حنظلہ نے کفار کے سپہ سالار ابو سفیان پر حملہ کیا۔ اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابو سفیان کا فیصلہ کر دے۔ دفعتاً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر وار کو روکا۔ اور انکو (حنظلہ کو) قتل کر دیا۔ تمام لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی کی طرف بھاری تھا۔ علمداروں کے قتل اور حضرت علیؑ اور حضرت ابو دجانہ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہادر نازنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں۔ اور مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھکر تیر انداز جو پس پشت متعین کیے گئے تھے۔ وہ بھی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ (سیرۃ النبی صفحہ ۲۷۶)۔

تیر اندازان اسلام کی لاعلاج غلطی

جنگ دو سردار و غالباً اس سلمہ کی ابتدا جنگ احد ہی کے شاہدات سے ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ معرکہ بدر میں اسی حصول غنیمت کی عجلت کے تعلق خدائے سبحانہ تعالٰی کی طرف سے مسلمانوں کو چشم نمائی کی ہدایتیں آ چکی تھیں۔ اور وہ اپنے کانوں سے مخبر صادق علیہ السلام کی زبانی ایک بار نہیں کئی بار لفظ بلفظ اور حرف بحرف ان کو سن بھی چکے تھے۔ علاوہ بریں اس موقع پر بھی سرور عالم صلعم نے محض یاد دہانی کی غرض سے فرما دیا تھا۔ کہ اگر تم صبر و تحمل سے کام لوگے۔ تو خداوند عالم تمہیں ضرور فتح و فیروزی عطا فرمائیگا لیکن افسوس مسلمانوں نے کچھ بھی یاد نہ رکھا۔

ہزار ہا برس کی بگڑی ہوئی عادت سال دو سال کے عرصہ میں کیسے بدل جاتی۔ پھر ایسی طبیعت والے مسلمانان بدر کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ بُری طرح حصول غنیمت کے پیچھے پڑ گئے۔ نہ خدا کی تاکید کا خیال کیا۔ نہ رسولؐ کی تہدید کا خوف۔

رعایت ہے۔ لیکن ہم آپ کی اتنی ہی حقیقت نگاری کو بڑی منّت گذاری کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

خاندان قریش نے انتقام خون کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ اُنکی ناک کان کاٹے (ہندہ امیر معاویہ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا۔ اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی۔ اور اُن کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا۔ اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے نہ اوتر سکا۔ اُوگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہندہ کا لقب جگر خوارہ جو لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔ ہندہ فتح مکہ میں ایمان لائی۔ لیکن جس طرح وہ ایمان لائی۔ عبرت خیز ہے۔ سیرۃ النبیؐ ص ۲۸۰۔

مسلمانوں کے کردہ خویش آمدہ پیش کے سلسلے نے معرکہ جنگ میں جو شہادات کے مناظر پیش کئے۔ اُسکی ابتدائی کیفیت کسی قدر اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اُسکی باقی تفصیلی کیفیت شبلی صاحب کی زبانی یہ ہے۔

فوج اسلام کی گریزپائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجروح ہونا

بدحواسی میں دونوں فوجیں (فوج مشرکین و مسلمین) اسطرح ملگئیں۔ کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ مصعب ابن عمیرہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صورت میں مشابہ تھے اور علمدار لشکر تھے۔ ابن قمیہ نے اُنکو شہید کر دیا۔ اور غل مچگیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی چھاگئی۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی حضرت حذیفہ کے والد (یمان) اس کشمکش میں آگئے۔ اور اُن پر تلواریں برس پڑیں حضرت حذیفہ چلاتے رہے کہ یہ میرے باپ ہیں لیکن کون سنتا ہے غرض وہ شہید ہو گئے۔ اور حضرت حذیفہ نے ایثار کے لہجہ میں کہا مسلمانوں! خدا تمھیں بخشدے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مڑ کر دیکھا۔ تو صرف گیارہ جاں نثار پہلو میں ہیں جن میں حضرت علیؑ حضرت ابوبکر حضرت سعد بن ابی وقاص۔ زبیر ابن العوام۔ ابو دجانہ اور طلحہ کا نام بالتخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ طلحہ اور سعد بن ابی وقاص رہ گئے تھے۔ سیرۃ النبیؐ ص ۲۷۷۔

شبلی صاحب خواہ مخواہ واقعات کے سلسلہ ترتیب کو اُلٹ پلٹ کر دیتے ہیں۔ اور اپنے قدیم دستور کے مطابق مبہم اور بالکل غیر مفصل طور پر کچھ کہیں کچھ کہیں لکھ مارتے ہیں۔ یہانتک آپکا لکھنا قریب صحت ہے۔ ممکن ہے کہ موجودہ حالت اضطراب تک مرقومہ بالا حضرات رسول اللہ صلعم کے ساتھ موجود ہوں۔ لیکن جیسا کہ آپ خود صفحہ ۲۷۷ میں اسکے بعد ہی لکھتے ہیں۔ کہ اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی۔ لیکن جانبازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا۔" آپکے بتلائے ہوئے گھر کر رہجانیوالے جانبازوں میں وہی حضرت علی مرتضیؑ اور حضرت ابو دجانہ انصاری رضوان اللہ علیہم تھے۔ جو ابتدائے جنگ سے اسوقت تک شرط وفاداری اور عہد جاں نثاری پر قائم رہکر جہاد فی سبیل اللہ کے حقوق خدمات ادا کر رہے تھے۔ باقی رہے آپکے گیارہ میں اور حضرات۔ تو وہ لوگ جب ابن قمیہ اور عتبہ بن ابی وقاص کے حملات خاص رسول اللہ کے پیکر انوار پر ہوئے۔ ایک ایک کر کے سب کے سب رخصت ہو گئے

اور یہ لوگ بھی اس ہنگامہ میں اِدھر اُدھر نکل گئے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

وانکشف المسلمون فاصاب فیہم العدو وکان یوم بلاء وتمحیص اکرم اللہ فیہ من اکرم من المسلمین بالشہادۃ حتی خلص العدو الی رسول اللہ صلعم فدث بالحجارۃ حتی وقع لشقتہ فاصیبت رباعیتہ وشج فی وجہہ وکلمت شفتہ وکان الذی اصابہ عتبۃ بن ابی وقاص قال ابن اسحق حدثنی حمید الطویل عن انس بن مالک قال کسرت رباعیۃ النبی صلعم یوم احد وشج فی وجہہ فجعل الدم یسیل علی وجہہ وجعل یمسح الدم وھو یقول کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیہم وھو یدعوھم الی ربہم فانزل اللہ عزوجل فی ذلک لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْہِمْ اَوْ یُعَذِّبَہُمْ فَاِنَّہُمْ ظٰلِمُوْنَ وذکر ربیع بن عبد الرحمن عن ابی سعید الخدری عن ابیہ عن ابی سعید الخدری ان عتبۃ بن ابی وقاص رمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یومئذ فکسر رباعیۃ الیمنی السفلی وجرح شفتہ السفلی وان عبد اللہ بن الشہاب الزہری شجہ فی جبہتہ وان ابن قمیہ جرح وجنتہ فدخلت حلقتان من حلق المغفر فی وجہہ ووقع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فی حفرۃ من الحفر التی عمل ابو عامر لیقع فیہا المسلمون وھم لا یعلمون فاخذ علی بن ابی طالب بید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ورفعہ طلحۃ بن عبید اللہ

ابن اسحاق حمید طویل سے اور وہ انس بن مالک کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک بروز اُحد شہید ہوئے تھے۔ اور آپکا چہرۂ اقدس بھی مجروح کیا گیا تھا۔ اور زخم سے خون بہہ کر روئے منور پر جاری تھا آپ اُسے پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی۔ کہ اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگین کرتی ہے۔ اُسکا جرم یہ ہے کہ وہ اُنھیں خدا کی طرف بلاتا ہے خداوند عالم نے فوراً یہ آیہ نازل فرمایا کہ یا رسول تمکو ان اُمور مقدرات میں کوئی دخل نہیں ہے۔ نہ تم اُنکی توبہ قبول کر سکتے ہو۔ اور نہ اُن پر عذاب کرنیکی قدرت رکھتے ہو۔ اور یہ لوگ تو بتحقیق ظالم ثابت ہو چکے ہیں۔ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ ربیع عبد الرحمن ابن ابی سعید الخدری سے اور وہ اپنے باپ ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ عتبہ ابن ابی وقاص نے آنحضرت صلعم کو روز احد مجروح کیا۔ آپکے سیدھی طرف والی نیچے کی دو ڈاڑیں ٹوٹ گئیں۔ اور نیچے کے ہونٹ پر بھی زخم آیا۔ اور عبد اللہ بن شہاب الزہری نے چہرۂ اقدس کو زخمی کیا۔ اور ابن قمیہ نے آپکے مغفر پر ضرب شمشیر لگائی۔ کہ مغفر آہنی کے دو حلقے آپکے روئے مبارک میں پیوست ہو گئے۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صدمے سے اُس ایک غار میں گر پڑے۔ جن کو ابو عامر نے مسلمانوں کو لاعلمی میں گرا دینے کے لئے پہلے سے کھود رکھے تھے۔ غار میں گرتے ہی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک حضرت علی مرتضےٰ نے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ اور طلحہ بن عبید اللہ نے ہاتھ پکڑ کر اُوپر کی طرف کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سطح زمین پر سیدھے کھڑے ہو گئے۔

حتّٰی استوی قائمًا۔ | ابن ہشام جلد دوم ص ۸۴ مطبوعہ مصر

ابن ہشام کی یہ روایت لکھکر ہم کو اسوقت کا صرف ہولناک منظر دکھلانا مقصود تھا۔ جسکو آپ نے واقعہ کی تفصیل سے پہلے ہی لکھدیا ہے۔ اور یہ سیاق تحریر سے بالکل خلاف ہے۔

بہرحال۔ یہی وہ قیامت خیز منظر جنگی ہلچل اور اضطراب میں بقول شبلی صاحب اکثروں نے ہمت ہاری صحیح بخاری کی تصریح آپ خود لکھ چکے ہیں۔ کہ صرف دو شخص طلحہ اور سعد رسول اللہ صلعم کے ہمراہ رہگئے | مفرورین اُحد

طلحہ کی موجودگی تو کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ انس بن نضر والی روایت جو حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہے۔ اور جو آگے لکھی جاتی ہے۔ صاف صاف طلحہ کا نام ولدیت کے ساتھ مفرورین کی جماعت میں مشاہدۂ عینی کے طریق سے تبلا رہی ہے جس سے انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

باقی رہے سعد بن ابی وقاص۔ اُنکی شرکت اور حاضری بھی مخالف عقل و قیاس پائی جاتی ہے۔ بلکہ اُنکی موجودگی وحاضری کیوجہ سے اُنکی جان نثاری و رفاقت کی جگہ اُنکی سہل انکاری اور غفلت کے ثبوت معلوم ہونگے۔ اور وہ اس طرح کہ جب اُن کی حاضری تسلیم کرلی جائے گی۔ تو یہ بھی مان لینا پڑیگا۔ کہ اُنکی موجودگی میں۔ اُنکی آنکھوں کے سامنے اُنکے خاص بھائی عتبہ ابن ابی وقاص نے رسول اللہ صلعم کو ایسے سخت آزار جسمانی پہونچائے۔ کہ دندان مبارک تک شہید ہوگئے۔ اور یہ کھڑے منہ دیکھا کئے۔ بھائی پر ہاتھ اُٹھانا کیسا۔ اُسکو ڈانٹا بھی نہ گیا۔ اس بناپر اُنکا آخروقت تک خدمت رسولؐ میں حاضر رہنا بالکل خلاف واقع ہے۔ اگر مطابق واقع سمجھا جائیگا۔ تو پھر سعد بن ابی وقاص ایسے صحابی کبیر کے ثبات ایمان میں لغزش پیدا ہوجانیکے شبہے قایم ہوجائیں گے۔ جو اُن کی شان کے خلاف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ اُس موقع پر موجود ہی نہیں تھے۔ یا تو میدان میں مصروف جنگ تھے۔ یا مصروف غنیمت۔ یا مفرورین کے ساتھ نکل گئے تھے۔

قرینہ غالب مصروفیت غنیمت ہی کا ہے۔ کیونکہ واقعہ بدر میں بھی۔ آپ بہت قبل سے حصول غنیمت میں مصروف ہوگئے تھے۔ اور سعد زرہیں رزمگاہ سے اُٹھا اُٹھا کر جمع کرچکے تھے۔ اسی اثنا میں امیہ بن حلف ملگیا۔ اور آپ اپنے وعدہ کے مطابق مسلمانوں سے اُسکو بچالینے کی غرض سے پہاڑ پر چڑھا لیگئے۔ اور ہر چند اُس کے بچانے کی کد و کاوش کی۔ لیکن مسلمانوں نے اُسے ڈھونڈھ کر قتل ہی کرڈالا۔ اور اُن کی زرہیں بھی اُٹھالے گئے۔ آپ اسواقعہ کو یاد کرکے ہمیشہ کہا کرتے تھے۔ خدا رحم کرے بلالؓ پر۔ اُس نے مجھ سے اُمیّہ بن حلف کو بھی لے لیا۔ اور اُسی کے ساتھ میری زرہیں بھی مفت چلی گئیں۔

واقعات تو یہ تبلاتے ہیں۔ کہ ابن قمیہ کی ضرب کھاکر رسول اللہ صلعم غار میں گرپڑے۔ تو ابن قمیہ نے قد قُتِل محمدًا کا شور کیا۔ اُس کی آواز تمام لشکر میں اِدھر سے اُدھر تک تمام پھیل گئی۔ اس آواز کے سنتے ہی اور نظر سے آنحضرت صلعم کے

اُوجھل ہوتے ہی جتنے صحابہ قریب و دور تھے۔ سب کے سب ایکبار علیحٰدہ ہوگئے۔ اور لشکر اسلام میں چاروں طرف گریز گریز پڑ گئی۔ جدھر جسے راہ ملی وہ چلتا ہوا۔ رسول اللہ صلعم غار سے برآمد ہوئے۔ اور مسلمانوں کی یہ بیدلی اور پست ہمتی دیکھکر سخت ملول ہوئے۔ آپ اپنی آنکھوں سے بھاگنے والوں کو مشاہدہ فرماتے تھے۔ اور نام لے لے کر پکارتے تھے۔ اور کوئی شنوا نہ ہوتا تھا۔ قرآن مجید کے آیہ ذیل میں اسکی طرف یوں اشارت فرمائی گئی ہے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ۔ آل عمران رکوع ۔

(اُسوقت کو یاد کرو) جب تم (بدحواس) بھاگے جاتے تھے (لیکن) تم پھر کر کسی کی طرف کو بھی نہیں دیکھتے تھے۔ باوجودیکہ رسول تمہارے پیچھے کھڑے تم کو پکار رہے تھے۔

اس آیہ کی تفسیر میں امام واقدی اپنی تاریخ کامل کے صفحہ ۲۲۴ میں لکھتے ہیں۔

اذ تصعدون معنے فی الجبل تھربون ولا تلون علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم کانوا یامرون منھزمین تصعدون الی الجبل و رسولھم ینادیھم یامعشر المسلمین انا رسول اللہ الیّ الیّ فلا یلوی علیہ احد۔

جسوقت تم پہاڑ پر بھاگے جاتے تھے۔ اور چڑھے جاتے تھے۔ اور کسی کو مڑکر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ حالانکہ رسول خدا تم کو بلا رہے تھے۔ تمہاری پچھلی جماعت میں تو وہ بھاگے جاتے تھے۔ اور پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے۔ اور رسول اللہ صلعم انکو پکارتے جاتے تھے۔ کہ اے گروہ مسلمین میں رسول اللہ ہوں۔ میرے پاس آؤ۔ میرے پاس آؤ۔ مگر ایک بھی نہ آتا تھا

یہ تو اُس مقام پر آیہ مذکورۂ بالا کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اپنی تاریخ میں اسموقع کی جو عبارت خاص لکھی ہے وہ یہ ہے مسلمان مشرکین کی ان سرگرمیوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ اور بھاگنے پر آمادہ ہوگئے۔ کسی نے پہاڑ کا راستہ کسی نے جنگل کی راہ لی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوج کی یہ حالت دیکھکر سخت متردد ہوئے۔ اور ان سب پست ہمتوں کو اطمینان دلانیکی غرض سے پکارنے لگے۔ اَلا یا فلاں۔ الا یا فلاں۔ اَنا رَسُولُ اللہ۔ مگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کی آواز کی طرف شنوا نہ ہوتا تھا۔ ترجمہ۔ کامل واقدی ص ۲۲۴ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔

ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں اسی امر خاص کو کہ تمام مسلمانوں نے رسول اللہ صلعم کو تنہا چھوڑکر راہ فرار اختیار کرلی ابھی اور صاف کریں گے۔ چنانچہ میرے اس بیان کی تصدیق پر آنحضرت صلعم کو سب نے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ اور کوئی صاحب بھی ساتھ نہ رہے۔ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی عجائب القرآن تفسیر نیشاپوری تفسیر درمنثور امام سیوطی۔ تاریخ خمیس علامہ دیار بکری۔ معارج النبوۃ ملا معین کشمیری۔ مدارج النبوۃ۔ محدث دہلوی وغیرہم کی تحریریں شاہد ہیں۔

شاہ عبد الحق صاحب مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

پس اشرار غلبہ کردند و اخیار ہمہ گریختند الی ان قال و شومی و نافرمانی رسول خدا کہ انجاعت عاد و لشت و طمع وسیل

شریروں کا غلبہ ہوگیا۔ اخیار نیک مذہب سب بھاگ گئے۔ جیساکہ کہا گیا ہے۔ اور اپنی بدبختی اور حکم رسول کی نافرمانی اور نیز طمع مال غنیمت

حطام دنیاوی کہ بالشیاں راہ یافت شکست بلشکر اسلام افتاد

کی وجہ سے جو انکے دلوں میں سمائی تھی۔ فوج اسلام کو شکست پہونچادی۔

پھر کئی صفحوں کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

چون سلمانان روبہزیمت آوردند حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را تنہا گذاشتند حضرت در غضب آمد وعرق از پیشانی ہمایونش متساقط گشت

جب سلمانوں نے ہزیمت اختیار کی اور حضرت رسول خداصلعم کو تنہا چھوڑ دیا حضرت کو غصہ آیا۔ اور آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔

اب ان بیانات کے ساتھ حدیث وتاریخ کے یہ متفقہ بیانات جوانس بن النضر کی زبانی منقول ہیں۔ اور ہم اس کو طبری۔ ابن ہشام اور تاریخ الخمیس سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ ملادیے جائیں۔ تو حقیقت حال پورے طور سے ظاہر ہوجاتی ہے۔

انتھے انس بن النضرعم انس بن مالک الی عمرؓ ابن الخطاب وطلحہ بن عبید اللہ فی رجال من المھاجرین والانصار وقد القوا بایدیھم فقال ما یجلسکم قالوا قتل رسول اللہ ؐ قال فما تصنعون بالحیاۃ بعدہ قوموا فموتوا علی ما مات رسول اللہ ثم استقبل القوم حتے قتل۔

انس ابن نضر۔ انس بن مالک صحابی کے چچا بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم نے اس عالم تحیر میں عمر بن الخطاب۔ طلحہ بن عبید اللہ کو جماعت مہاجرین وانصار کے ساتھ اس حالت میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ کہ سب نے اپنے ہتھیار ڈالدیئے تھے۔ یہ دیکھکر میں نے پوچھا۔ کہ تم لوگ یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ ان لوگوں نے کہا۔ کیا کریں رسول اللہ تو مارے گئے میں نے کہا۔ تو پھر ان کے بعد کیا کروگے۔ اٹھو جس امر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرگئے ہیں۔ تم سب بھی مرجاؤ۔ یہ کہکر انس بن نضر فوج کفار پر جا پڑے۔ اور لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ تاریخ طبری ص ۱۴۰۶۔ ابن ہشام ص ۸۵۔ جلد دوم تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ ۴۸۸ طبع مصر۔

انس ابن نضر کی ہدایت کی طرف ان حضرات نے ذرا بھی التفات نہ فرمائی۔ اور افسوس جہاں بیٹھے تھے۔ وہاں سے کوئی صاحب ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھ سکے۔ تاریخ الخمیس کی ایک روایت سے ان حضرات کی جنبش نہ فرمانے کی وجہ خاص یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ یہ حضرات وہاں بیٹھکر ایک امر خاص میں مشورت فرمارہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کا پورا یقین کرکے اپنی عزیز جانوں کی صحت وسلامتی کا سامان کررہے تھے۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخمیس کی مفصل ذیل عبارت۔

قال بعض المسلمین لیت لنا رسولا الی عبد اللہ بن ابی فیاخذ لنا امانا من ابوسفیان۔ جلد اول ص ۴۸۹

بعض سلمین کہتے تھے۔ کاش ہمکو ایک قاصد مل جاتا کہ اسکو عبد اللہ بن ابی (منافق) کے پاس بھیجتے۔ کہ وہ ہمارے لیئے ابوسفیان سے

امان حاصل کر لیتا۔

نوبت بانیجا رسید اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ ان مایوسین کی جماعت میں ہر شخص انس بن نضر کی طرح ایثار جان کیلئے تیار نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اُن کی غیرت دلانے پر سب کے سب اُن کے ہمراہ ہو جاتے۔ اور اُنکی طرح اسلام کے نام پر اپنی جانیں فدا کر دیتے۔ لیکن بقول شبلی صاحب یہ وہی بزرگوار تھے۔ جو ہمت ہار چکے تھے انکے ثبات واستقلال میں نہ اتنی پاداری تھی۔ اور خود ان میں اتنی جگرداری باقی تھی۔ کہ شجاعت و دلیری سے کار فرما ہوتے۔ جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔ اور خصوصاً اسوقت اور اس تہلکہ کے خاص عالم میں ایسے خطرناک عالم میں اُنکا نقطہ نظر جان کا صرف تحفظ تھا۔ اور اس بدحواسی کی شدت کے ساتھ جیسا علامہ حسین محمد دیار بکری صاحب تاریخ الخمیس میں بیان کرتے ہیں کہ حفاظت جان کی غرض سے ابوسفیان کی امان طلب کرنیکی تجویزیں فرمانے لگے۔ اور عبداللہ بن ابی ایسے منافق اور دشمن اسلام کو واسطہ امان بنانے پر تیار ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر ان حضرات کے لیئے اور کونسی شرمناک بات ہوگی۔

مفرورین کی واپسی گذشت انچہ گذشت۔ اب آئندہ حالات ملاحظہ فرمائے جائیں۔

خبر یہ ہوگئی کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد کعب بن مالک کی نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال مبارک پر پڑی۔ اور مغفر خون آلود میں صرف آپکی آنکھوں کو پہچان کر اُس نے یہ مسرت افزا نعرہ بلند کیا۔ اِنَّ ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ یامعشر المسلمین (اے مسلمانوں! یہ رسول اللہ صحیح وسلامت کھڑے ہیں۔) یہ مژدہ روح افزا سنکر مسلمانوں میں جان آگئی۔ اور جو حضرات جتنے قریب تھے۔ وہ دامن کشاں آپ کی طرف فوراً سمٹ آئے۔

پہلے آنیوالوں میں محدث دہلوی چار بزرگواروں کے نام بتلاتے ہیں۔ ابو دجانہ۔ عاصم۔ سہل۔ اور طلحہ اور صاحب تاریخ الخمیس پہلے لوٹنے والوں میں حضرت ابوبکر کا نام لیتے ہیں۔ اور خود اُن کا قول نقل کرتے ہیں۔

قال ابوبکر انصرف الناس یوم احد عن رسول اللہ صلعم فکنت اول من جاء۔ | حضرت ابوبکر فرماتے ہیں کہ بروز احد رسولخدا صلعم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو وقت مراجعت میں سب سے اول آیا۔ ص ۱۳۱ طبوعہ مصر۔

لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاہ عبدالحق صاحب نے اجمالاً ان حضرات کے نام لکھدیئے ہیں۔ اور ان میں تفریق و تفصیل نہیں کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس میں کلام نہیں کہ یہ چاروں حضرات آپکی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں لیکن ان میں سے ابو دجانہ اور سہل بن حنیف انصاری کا نام مفرورین میں کہیں نہیں پایا جاتا بلکہ بالاتفاق یہ امر ثابت ہے۔ کہ یہ دونوں حضرات کفار سے حرب وضرب میں مصروف تھے۔ اسلیئے یہ ممکن ہے۔ کہ مالک کا مژدہ سنکر صف جنگ سے بغرض تصدیق خبر خدمت رسول اللہ میں حاضر ہوگئے ہونگے۔

جناب شاہ صاحب کا بیان مبہم رہ گیا ہے جس سے اِن دونوں بزرگواروں کا شمول بھی مفرورین میں ہو جاتا ہے

حالانکہ قطعاً ثابت نہیں۔ باقی رہے۔ عاصم۔ ان کی حالت مشتبہ ہے۔ اس لیئے کہ ابتدائے جنگ میں ان کے ثبات و جگرداری کے حالات علمداران قریش کے مقابلہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اسکے بعد پھر انکا ذکر کہیں پایا نہیں جاتا۔ ممکن ہے۔ کہ صف جنگ سے رسول اللہ کی زیارت کیلئے یہ بھی آ گئے ہوں۔ اور اس لیئے معاودین میں شمار کر لئے گئے۔ یا حقیقتاً آگے چلکر ان کے پائے ثبات بھی لغزش میں آ گئے ہوں۔ اور یہ بھی فرار کر کے واپس آئے ہوں۔ باقی رہے طلحہ بن عبید اللہ۔ تو ان کے نہ مفرورین ہونے میں کلام ہو سکتا ہے۔ اور نہ معاودین میں۔ کیونکہ انس بن نضر والی روایت میں انکا نام بالتخصیص قید ولدیت کے ساتھ مندرج ہے۔ جس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہو چکا ہے۔ چونکہ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان حضرات کی مفارقت و معاودت میں تھوڑا ہی عرصہ گذرا اسلئے مورخین و محدثین نے اتنے عرصہ کو قابل لحاظ نہ سمجھکر ان حضرات کو برابر قائمین میں شمار کیا ہے حالانکہ تاریخ الخمیس تفسیر کبیر تفسیر نیشاپوری تفسیر درمنثور سیوطی حبیب السیر معارج النبوۃ۔ اور مدارج النبوۃ کے مرقومہ بالا بیانات سے آنحضرت صلعم کو تنہا چھوڑ کر سب کا چلا جانا ثابت ہو چکا ہے۔ پھر کسی صاحب کی حاضری یا موجودگی کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

اگر محدثین و مورخین کی ان مرویات پر جن میں گیارہ حضرات کی حاضری بتلائی گئی ہے یا صحیح بخاری کے مطابق صرف دو شخصوں (سعد و طلحہ) کی موجودگی کی روایت پر اعتبار کیا جائیگا۔ تو سعد کی تنہا حاضری سے ان گیارہ حضرات کی موجودگی اور زیادہ قابل الزام ثابت ہوگی۔ اسلئے کہ یہ گیارہ جاں نثار عتبہ اور ابن قمیئہ صرف دو شخصوں کی ضرر رسانی سے پیکر رسالت کی حفاظت نہ کر سکے۔ عبرت خیز بھی ہے۔ اور حیرت انگیز بھی حقیقت یہی ہے کہ اُسوقت یہ بزرگوار موجود ہی نہیں تھے۔ ورنہ ان کی عقیدت و جاں نثاری کا مقتضا یہی ہونا چاہتا تھا۔ کہ مارتے یا مرجاتے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم نورانی پر خراش نہ آنے دیتے۔

فرار حضرت عمر کی حقیقت پوشی کی طرف شبلی صاحب کی کوشش محض بیکار ہے۔ آپ اپنے ہی دست و قلم سے اہل سیرت و تاریخ کے مختار اور پھر صحیح بخاری کی تصریحات لکھکر باقی ماندگان ہمراہیان رسول کے تمام نام بتلا چکے ہیں ارباب سیر و تاریخ گیارہ لوگوں کے نام بتلاتے ہیں۔ اور امام بخاری دو شخصوں کے نام لکھتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی میں حضرت عمر کا نام نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ان حضرات سے پہلے ہی چلے گئے۔ اور پھر ان بزرگواروں کے واپس آنے سے بھی پیچھے آئے۔ ان تصریحات کو خود لکھکر اور انس بن نضر کی مجلس مفرورین والی روایت کو نقل کرنے کے بعد جس میں حضرت عمر کا نام مع ولدیت جماعت مفرورین میں موجود ہے۔ شبلی صاحب اصل کتاب کی عبارت میں تو نہیں۔ لیکن حاشیہ میں چپکے سے یہ عبارت لکھتے ہیں۔

یہ عام روایت (انس بن نضر والی ہے صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ لیکن حضرت عمر کا نام نہیں یعنی مجلس مفرورین میں بخاری کے نزدیک گویا یہ نہیں تھے۔ تو اس سے کیا۔ انھیں بخاری نے حاضرین میں بھی تو انکا نام نہیں دیا۔ تو اب یہ

حاضرین میں نہیں ہیں۔ بقول آپ کے مفرورین میں بھی نہیں۔ تو ہیں یہ کہاں۔ یہ بھی تو غور کر لیا جائے۔ شبلی صاحب ہم بار بار آپ کی خدمت میں عرض کرتے جاتے ہیں۔ کہ حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ حقیقتاً حضرت عمر مرد میدان نہیں تھے۔ میر مجلس ضرور تھے۔ صاحب شمشیر نہیں تھے۔ اہل رائے و تدبیر ضرور تھے ۔ ہر کسی را بہر کارے ساختند کے اصول پر نظر رکھیے۔ ایسے عالم رستخیز میں ثبات و استقلال اُن کا کام نہیں تھا۔ وہ دوسروں کے کلیجے تھے۔ جن کا ذکر بہت جلد آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

اس میرے بیان سے اگر شبلی صاحب اور اُنکے ہم خیال حضرات کی تسکین نہ ہو تو امام فخرالدین رازی کی تفسیر کبیر اور علامہ نیشاپوری کی تفسیر عجائب القرآن میں بذیل آیہ

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ	وہ لوگ جو دونوں فوجوں کے مقابلے کے وقت پیچھے پھر گئے

یہ عبارت ملاحظہ فرمائی جاوے۔

ان من المنھزمین عمرو منھم ایضا عثمان	بھاگنے والوں میں حضرت عمر بھی تھے۔ اور انہیں میں حضرت عثمان بھی تھے

اگرچہ اس سے بھی تشفی نہ ہو سکے۔ تو اپنی احسن التفاسیر تفسیر امام جریر طبری۔ اور تفسیر درمنثور امام سیوطی میں خود حضرت عمر کا اقرار ذیل کے الفاظ میں ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

عن عمر قال لما کان یوم احد ھزمنا ففرت حتے صعدت الجبل	حضرت عمر فرماتے ہیں کہ یوم احد جب ہم لوگوں نے گریز کی۔ تو میں بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب کہ اُن کے ہم خیال حضرات تمام توجہ و ہمدردی حضرت عمر وغیرہ صحابہ مخصوصین کے ساتھ دکھلاتے ہیں۔ لیکن حضرت عثمان کی طرف جو صحابہ کے اسی طبقہ عالیہ میں داخل اور خلافت راشدہ میں شامل ہیں۔ کچھ بھی توجہ نہیں کرتے۔ یہ بھی نہیں پوچھتے کہ ان غریب کا کیا حال ہوا۔ ان کی طول طویل فرار کی نسبت نہ کسی کو عذر و معذرت کی فکر ہے۔ اور نہ توجیہہ و تنقیح کا خیال۔ ان کے واقعات کی جب تحقیق کی جاتی ہے۔ تو بخاری نے باب غزوہ احد میں ان کی نسبت ذیل کے مختصرہ پر اکتفا کی ہے۔

اذا سئل من عبد اللہ بن عمر اتعلم ان عثمان ابن عفان فر یوم احد قال نعم	عبد اللہ بن عمر سے جب استفسار کیا گیا۔ کہ حضرت عثمان بن عفان بھی بروز احد بھاگے تھے۔ تو اُنہوں نے کہا ہاں۔

بخاری کی اس اختصار کی تفصیل طبری کے مفصلہ ذیل الفاظ میں ملاحظہ کی جاوے۔

وقد کان الناس انھزموا عن رسول اللہ صلعم حتے انتھی بعضھم الی المنقی دون الاعوص فر عثمان بن عفان وعقبۃ بن عثمان وسعد بن	لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس سے بھاگ کر مقام منقی تک جو عوص کے قریب ہے چلے گئے۔ اور حضرت عثمان بن عفان و دو شخص انصار عقبہ و سعد ابنائے عثمان کے ساتھ بھاگے تو مقام جلعب میں جا کر جو لاح

رجلان من الانصار حتے بلغوا الجلعب بناحیة المدینة مما یلی الاعوص فاقاموا به ثلثا ثم رجعوا الی رسول اللہ صلعم

مدینہ میں بے۔ پناہ گزیں ہوئے۔ اور تین دن کے بعد رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ایسے قیامت انگیز عالم رستخیز میں اُن حضرات کے حالات کی تفصیل کی گئی ہے۔ جو نہ اپنے دلہائے پر اضطراب کو ٹہرا سکے۔ نہ پاہائے ثبات جما سکے۔ اور نہ دشمن سے تاب مقاومت و مقابلت لا سکے۔ اب ہم ان بزرگواروں کے خلاف اُن اسلامی مجاہدین مخلصین اور مبارزین قائمین فی الجہاد کی دلیرانہ جاں نثاریاں اور شجاعانہ ثبات اور جگرداریاں ذیل کے حالات و واقعات میں بیان کرتے ہیں۔ جن سے جانبین کے اختلافات مطابع اور خیالات و جذبات باہمانہ کے فرق مابہ الامتیاز پورے طور سے معلوم ہو جائیں گے۔

مبارزین اسلام اور قائمین فی الجہاد کے حسن خدمات

اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ عبداللہ بن جبیر کے دستۂ فوج کی سرکشانہ نافرانی سے پہلے میدان جنگ میں مسلمانوں کی ایک گونہ جیت ہو چکی تھی اور فوج غنیم کے لوگ بھاگنے لگے تھے اور یہ حضرت حمزہؓ۔ جناب علی مرتضیٰؑ حضرت ابودجانہ انصاری مصعب ابن عمیر سہیل ابن حنیف الانصاری حنظلہ سعد بن الربیع انصاری۔ اور عمارہ بن زیاد کی بے نظیر شجاعانہ حملات اور لاجواب دلیرانہ سعی و کوشش کا نتیجہ تھا۔ یہ حقیقی مجاہدان فی سبیل اللہ اور فدائیان رسول اللہ صلعم اپنی بیمثال ہمت و وفاداری اور استقامت و پاداری سے لشکر کفار کی گھنی صفوں میں گھس پڑے اور اپنے حملات شمشیر سے لوٹ مچا رکھی تھی ان دلاوران اسلامی میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ سب سے زیادہ تیز قدمی اور پیشدستی سے کار فرما تھے۔ اور تنہا بالنفس النفیس کفار کے ٹڈی دل کو چیرتے پھاڑتے اس انتہائے مقام تک پہنچ گئے تھے۔ جو روز ازل سے آپ کی شہادت کا "مقتل" قرار پا چکا تھا۔

حضرت ابودجانہ انصاری کے خاص خدمات

حضرت ابودجانہ انصاری کی دلیرانہ پیشقدمیوں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ سرکار رسالت سے ابتدائے جنگ ہی میں ان کو ایک شمشیر عنایت ہوئی تھی۔ اور یہ اسی تلوار برق رفتار سے لشکر کفار میں خون برسا رہے تھے۔ زبیر بن العوام اس مجاہد کی شان کارزاریاں بیان کرتے ہیں۔

عن الزبیر خرج ابودجانہ بعد ما اخذ السیف و اتبعته فجعل لا یمر بشیٔ الا افراہ وھتکہ و فلق المشرکین وکان اذا کل شحذہ بالحجارۃ ثم یضرب بہ العدو کانہ منجل حتی اتی نسوۃ فی سفح الجبل ومعھن ھند وھی تغنی تحرض المشرکین فحمل علیھا فنادت بالصحرۃ فلم یجبھا احد فانصرف عنھا قلت کل سیفا اینہ

زبیر بیان کرتے ہیں کہ ابودجانہؓ کو دربار رسالت سے سیف بران عنایت ہوئی تھی جسے یہ لیکر مشغول جنگ ہوئے اور یہ نوبت پہونچائی کہ جس پر تلوار پڑتی تھی اسکو قطع کئے بغیر اور صف مشرکین کو شگافتہ کئے بغیر نہیں چھوڑتی تھی اور جس پر پڑتی تھی بغیر زخمی ہوئے کوئی شخص نہیں بچتا تھا یہانتک نوبت پہونچی کہ فوج کفار کی عورتیں پہاڑ پر بھاگنے لگیں انہیں ہندہ بھی تھی جو لوگ کہ مشرکین کو جنگ پر پر جوش بناتی تھی۔ ابودجانہ نے ہندہ پر تلوار کھینچ حملہ کیا

فاعجبنی غیر انّک لم تقتل المراۃ قال کرھت ان اضرب سیف رسول اللہ صلعم امراۃ لا ناصر لھا

اور ہندہ نے گھبرا کر یا آل صخرہ کا نعرہ لگایا لیکن کوئی بھی مدد کو نہ آیا۔ ابو دجانہ نے ایکبار اپنا ہاتھ روک لیا۔ اور اُسے چھوڑ کر چلے آئے۔ زبیر کہتے ہیں کہ میں نے اُنسے پوچھا کہ تمہاری تیغ آبدار کی کارروائی تو دیکھی۔ لیکن تعجب ہے۔ کہ اسوقت سے تم ایک عورت کو نہ قتل کر سکے۔ ابو دجانہ نے کہا مجھے خود غیرت آئی کہ میں رسول اللہ کی عنایت کردہ تلوار سے ایک عورت بے یار و مددگار کا کیا سر کاٹوں۔ زرقانی جلد دوم ص ۳۳ بحوالہ صحیح مسلم

یہ بزرگ انصاری ابتدائے جنگ سے انتہا تک شرط جاں نثاری اور وفاداری پر بکمال ثبات و پاداری قایم رہا۔ فوج اسلامی کی ہزیمت اور رسولؐ اللہ کی خبر شہادت پا کر بھی۔ یہ اُنھیں بزرگواروں میں ہیں جنہوں نے لڑ کر مرجانے اور خدا و رسولؐ کے حکم پر مٹ جانے کو اپنا نصب العین قرار دے لیا تھا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح و سلامت رہنے کا مژدہ سنکر میدان جنگ سے زیارت کے لیئے ضرور حاضر ہوئے تھے۔ اور غالباً اسی وجہ سے محدث دہلوی نے اِن کو بھی مفرورین میں سمجھکر جلد لوٹ آنے والوں میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ صریحاً خلاف واقع ہے۔

مصعب ابن عمیر کے محاسن خدمات

یہ بزرگوار ہاشمی النسل تھے۔ سُبقائے اسلام میں داخل اور نقبائے رسولؐ میں شامل تھے اکثر مورخین و محدثین کے مختار کے مطابق جنگ اُحد میں علمدار لشکر تھے۔ آغاز جنگ سے اتمام تک مخالف کے مقابل ہو کر شجاعت و دلیری اور ہمت و جرأت کی لاجواب مثالیں قایم کر رہے تھے صف کفار کو درہم و برہم کر کے قلب لشکر میں دور تک بڑھ گئے تھے۔ وقت برابر ہو چکا تھا۔ ابن قمیہ کی زد پر آگئے زخم کھا گئے اور شہید ہو گئے۔ آنحضرت صلعم سے مشابہ تھے ابن قمیہؔ نے رسولؐ اللہ سمجھکر شہادت رسولؐ اللہ کی خبر مشہور کر دی۔ جناب رسولخدا صلعم اُنکی خبر شہادت پا کر بیحد ملول و محزون ہوئے اور آدمی بھیجکر جناب علی ؑ مرتضیٰ کے پاس کہلا بھیجا کہ لشکر کا علم لیکر آگے بڑھیں۔ ابن ہشام ص ۸۱ جلد دوم مصر

حنظلہ بن ابو عامر کے محاسن خدمات

حنظلہ بن ابو عامر بھی اُنھیں وفاداران اور پاداران اسلام میں تھے۔ یہ بھی مساعیٔ جہاد میں از ابتدا تا انتہا بے نظیر جگر داریاں دکھلاتے رہے۔ ان کا باپ ابو عامر جب میدان میں آ کر مبارز طلبی کرنے لگا تو اُس کے مقابلہ میں سب سے پہلے اُنھیں نے خدمت رسولؐ سے اجازت جنگ چاہی۔ اور قصد کر لیا کہ دنیا کو کفر و اسلام ظلمت و نور اور سعادت و شقاوت کا نمونہ دکھلا دیا جائے۔ لیکن رحمت العٰلمین نے باپ بیٹے کے مقابلہ کو ناگوار سمجھکر اجازت نہ دی۔

یہ دلیر مجاہد باپ کو چھوڑ کر دوسرے کافر سے مقابل ہوا۔ اور بڑی دیر تک شجاعت و دلیری کے جوہر دکھاتا رہا۔ مقابل کا خاتمہ کر کے کفار کی صفوں پر ٹوٹ پڑا۔ اور اُن کو ضرب شمشیر سے اُلٹ پلٹ کرتا رہا۔ پھر ہمت و جگرداری سے بڑھتا ہوا قلب لشکر میں ابو سفیان سردار لشکر کے سر پر جا پہونچا۔ قریب تھا کہ ضرب شمشیر سے اُسکا کام تمام کر کے جدال و قتال کا ایکبار فیصلہ کر دے۔ کہ شداد بن الاسود جو پہلو میں چھپا کھڑا تھا۔ اُنکے وار کو روکا۔ اور اپنے وار سے اُن کو شہید کر ڈالا۔

سعد بن الربیع انصاری کے محاسن خدمات

سعد بن الربیع جوانان انصار سے تھے۔ اسلام کے جاں نثار کامل تھے اور وفادار خالص۔ آغاز جنگ سے اختتام تک شرط وفاداری اور فرض جاں نثاری پر قایم رہ کر فائز بشہادت ہوئے اور اس قیامت خیز ہنگامہ میں کسی کو نہ اُن کی خبر ہوئی۔ اور نہ یہ معلوم ہوا۔ کہ اُنکا قاتل کون ہے۔ میدان جنگ سے قریش کے چلے جانیکے بعد جب شہدائے اُحد کی تلاش ہونے لگی تو انکی بھی جستجو ہوئی۔ تو ایک مرد انصار کو یہ جانباز اسلام دم توڑتا ملا۔ طبری اور ابن ہشام اس خالص عقیدت مند اور وفادار کی آخری تقریر ان الفاظ میں بیان کرتا ہیں

فنظر فوجدہ (سعد ابن الربیع) جریحا فی القتلیٰ وبہ رمق قال فقلت لہ ان رسول اللہ صلعم امرنی ان انظر فی الاحیاء انت ام فی الاموات قال انا فی الاموات فابلغ رسول اللہ صلعم عنی السلام وقل لہ ان سعد بن الربیع یقول لک جزاک اللہ عنا خیر ما جزی نبیًا عن امتہ فابلغ قومک عنی السلام وقل لھم ان سعد بن الربیع یقول لکم انہ عذر لکم عند اللہ ان اخلص علی نبیکم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم منکم عین تطرف قال ثم لا ابرح حتےٰ مات ص ۹۰ جلد دوم ابن ہشام

وہ بزرگ انصاری بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے انہیں کشتوں میں پڑا پایا۔ رمقے جان اُن میں باقی تھی۔ میں نے پکار کر کہا اے سعد رسول خدا صلعم نے مجھے اسلیئے بھیجا ہے۔ کہ تمہیں تلاش کروں کہ تم زندوں میں ہو یا مردوں میں۔ سعد بولے میں تو مردوں میں ہوں۔ لیکن مہربانی کرکے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں جاکر میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ خدائے تعالےٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی نبی کو اُسکی امت کی طرف سے ندی گئی ہو۔ اور قوم کے لوگوں کو بھی میری طرف سے سلام کہنا۔ اور کہدینا کہ سعد کہہ گیا ہے کہ جبتک تم لوگوں میں ایک آنکھ بھی جھپکنے والی باقی ہے۔ اُسوقت تک اگر دشمن نبی صلعم تک پہنچ گیا۔ تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نکرسکوگے

اس کے آگے ابن ہشام لکھتے ہیں۔

حدثنی ابوبکر الزبیری ان رجلا دخل علی ابوبکر الصدیق وبنت السعد بن الربیع جاریۃ صغیرۃ علی صدرہ یرشفھا ویقبلھا فقال لہ الرجل من ھذہ قال ھذہ بنت رجل خیر منی سعد بن الربیع کان من النقباء فی العقبۃ و شھد بدرا واستشھد یوم احد ص ۹۰

ابوبکر زبیری سے مروی ہے۔ کہ ایکمرتبہ ایک شخص حضرت ابوبکر کے پاس گیا تو دیکھا کہ چھوٹی سی لڑکی اُنکے سینہ پر بیٹھی ہے اور وہ اُسے پیار کررہے ہیں اور اُسکا مونھ چوم رہے ہیں اُس شخص نے پوچھا کہ یہ کس کی لڑکی ہے۔ تو حضرت ابوبکر نے کہا یہ اُس شخص کی لڑکی ہے جو مجھسے بہتر تھا جو بروز عقبہ بیعت سے مشرف ہوا تھا اور آنحضرت صلعم کے نقباء میں تھا۔ شرکاء بدر میں داخل اور شہدائے اُحد میں شامل ہے

عمارہ ابن زیاد کی جان نثاری

عمارہ ابن زیاد کے نام میں اختلاف ہے صاحب رحمۃ العٰلمین نے عمارہ بن زیاد لکھا ہے۔ اور شبلی صاحب زیاد بن السکن لکھتے ہیں۔ دونوں صاحبوں نے طبری سے لکھا ہے طبری نے خود تحقیق نام نہیں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں زیاد بن عمارہ بن زیاد بن السکن (زیاد یا عمارہ بن زیاد بن السکن) ص ۱۴۰۳

بہر حال۔ باپ بیٹوں میں سے جو صاحب ہوں وہ آغاز جنگ سے حصول شہادت تک ضرور قایم بالجہاد رہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اُنکی شہادت کی خبر پہونچی تو آپنے شفقت خاص سے اُنکی لاش حضور میں اُٹھوا منگوائی۔ جب مسلمان اُنکی لاش اُٹھالائے۔ تو فرمایا قریب لاؤ۔ قریب لائے۔ تو ارشاد فرمایا۔ اور قریب لاؤ۔

فوسدہ قدمہ فمات وخدہ علی قدم رسول اللہ	یہانتک کہ اُنکی لاش آپکے قدم سے ملگئی اور وہ اپنے رخسار قدم رسول پر رکھکر مر گیا

اس موقع پر شبلی صاحب نے مناسب حال کسی کا یہ شعر لکھا ہے۔ ؎ بچہ تا زرفتہ باشد زجہاں نیاز مندے۔ کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی۔ (سیرۃ النبی ص ۲۷۸) تاہم واقعیت کا ایک شوشہ رہ گیا ہے صاحب رحمۃ العٰلمین نے مناسب مقام سمجھ کر اُردو کی زبان قدیم کا یہ شعر لکھا ہے۔ زبان میں جو عذر ہو۔ لیکن واقعیت اور تمثلیت میں کوئی کلام نہیں وہ یہ ہے ؎

سر بوقت ذبح اپنا اُسکے زیر پائے ہے (رحمۃ ص ۱۱۰) یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

سہل ابن حنیف انصاری	سہیل ابن حنیف انصاری کے ولآ و وفائے اسلام کی تصدیق اور ثبات فی الجہاد
کے محاسن خدمات	کی توثیق میں یہی کافی ہے۔ جیساکہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ جناب علی مرتضےٰ نے

حضرت سیدہ صلواۃ اللہ علیہا کو ذوالفقار اس غرض سے روز اُحد دی۔ کہ وہ اُسے کافروں کے خون سے پاک کردیں۔ تو ارشاد فرمایا۔

اغسلی عن ھذا دمہ فواللہ لقد صدقنی الیوم	اس کا خون دھوڈالو۔ بخدا میں نے آج اپنی خدمات کی تصدیق کرادی

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قریب تھے۔ سنکر ارشاد کیا۔

یا علی لئن کنت صدقت القتال لقد صدق معک سہل بن حنیف الانصاری وابودجانہ	تنہا تمہیں نے خدمت جنگ کی تصدیق نہیں کرائی۔ بلکہ تمہارے ساتھ سہیل بن حنیف انصاری اور ابودجانہ نے بھی

مخبر صادق کے لفظ معیت میں اتنی کامل صداقت تھی کہ سہیل ابن حنیف الانصاری واقعات صفین تک حضرت علی مرتضےٰ کی معیت میں موجود رہے۔ امارت بصرہ کے وقت جوان کی ذلت و خواری کی گئی۔ اُسکا ذکر ناگفتہ بہ ہے۔ اور بہت قبل از وقت۔

مجاہدین۔ قائمین بالجہاد کی فہرست میں شبلی صاحب۔ زبیر العوام۔ طلحہ اور سعد بن ابی وقاص کے نام بھی بتلائے ہیں۔ اور وہ کیا تاریخ وحدیث کی مرویات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ خصوصًا طلحہ کی تصدیق خدمات خود رسول اللہ صلعم کی زبانی بھی جابجا نقل فرمائی ہے۔ لیکن چونکہ ہم اُنہی تاریخ وحدیث سے ان بزرگوں کو منہزمین اور مفرورین میں اوپر ثابت کر آئے ہیں۔ اسلیئے یہ حضرات اُن بزرگواروں کے مقابلے میں جنکا ذکر ابھی ابھی ہم لکھ چکے ہیں۔ معیار شجاعت وجگرداری اور مقیاس ثبات و پاداری میں مشکل سے کامل اُترتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اُنکے

جن خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اوائل جنگ میں یا قبل مجروحیت رسول صلعم ان سے عمل میں آئی ہوں۔ اور پھر لڑائی بگڑ جانے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخمی ہوجانے اور نظروں سے پوشیدہ ہوجانے کے بعد انکی پائے ثبات میں بھی لغزش آگئی ہو یہی واقعیت ہے۔ اور واقعیت کا انکار حقیقت کا انکار ہے۔

جناب علی مرتضیٰ ع کے محاسن خدمات انھیں قائمین فی الجہاد میں جن کا ذکر خیر اوپر بیان ہوچکا ہے۔ ان کے سر حلقہ اور مقتدا حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام ثابت ہوتے ہیں۔

جنگ اُحد کے قیامت خیز معرکہ میں جو حضرات از ابتدا تا انتہا ثابت قدم رہے اُنکے نام اور تفصیلی خدمات اوپر بیان ہوچکے۔ اور یہ بھی معلوم ہوچکا کہ ان آٹھ وفاداروں اور جگرداروں میں پانچ بزرگوار حضرت حمزہؓ۔ مصعب ابن عمیر حنظلہ۔ سعد بن الربیع اور عمارہ بن زیاد شرائط وفا کے ساتھ فدائے اسلام ہوگئے۔ رضوان اللہ علیہم۔

تین وفادار حضرت علی مرتضیٰ ع۔ حضرت ابو دجانہ انصاری۔ اور حضرت سہیل بن حنیف انصاری انتہائے جنگ تک خدمات جاں نثاری اور وفاداری پر ثابت قدم رہے۔ اور ابن ہشام کے موافق مراجعت مدینہ تک انکی خدمات کی زبان رسالت سے تصدیق فرمائی گئی۔

جناب علی مرتضیٰ ع کی اقامت فی الجہاد کی ابتدائی کیفیت اور علمداران قریش کو آپ کا قتل کرنا اوپر بیان ہوچکا ہے۔ اور اُن کے مجموع علم داروں میں سے۔ رحمۃ للعلمین کے قول کے مطابق آٹھ علم داران قریش کو یکے بعد دیگرے تن تنہا آپ ہی نے قتل فرمایا تھا (ص ۱۰۸) علم داران قریش کے قتل کے بعد آپکی عدیم المثال مبازرت کی تفصیل و تصریح طبری میں یوں مرقوم ہے۔

لما قتل علی بن ابی طالب اصحاب الالویۃ ابصر رسول اللہ صلعم جماعۃ من مشرکی قریش فقال لعلی احمل علیھم فحمل علیھم ففرق جماعتھم وقتل عمر بن عبد اللہ الجمحی قال ثم ابصر رسول اللہ صلعم جماعۃ من مشرکی قریش فقال لعلی احمل علیھم فحمل علیھم ففرق جماعتھم وقتل شیبۃ ابن مالک احد بنی عامر بن لوی فقال جبریل ع یا رسول اللہ ان ھذہ للمواساۃ فقال رسول اللہ انہ منی وانا منہ فقال جبرئیل ع وانا

ابو رافع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جب علی مرتضیٰ ع علمداران قریش کو قتل کرچکے۔ تو آنحضرت صلعم نے مشرکین کی ایک جماعت کو اپنی طرف آتے دیکھکر حضرت علی سے فرمایا کہ انپر حملہ کرو حضرت علی نے اس جماعت پر حملہ کیا اور اسکو متفرق کردیا اور انمیں سے عبد اللہ بن عمر جمحی کو قتل کر ڈالا۔ اسکے بعد پھر جناب رسولخدا صلعم نے دوسری جماعت مشرکین کو اپنی طرف آتے دیکھا پھر فرمایا ان پر حملہ کرو۔ پھر حضرت علی ع نے اُنپر حملہ کرکے انکو متفرق کردیا۔ اور انمیں شیبہ بن مالک جو بنی عامر کے قبیلہ کا ایک آدمی تھا قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھکر حضرت جبرئیل ع نے خدمت رسول صلعم میں عرض کی کہ یہ تو منتہائے محبت و رفاقت ہے جناب رسولخدا صلعم نے

منکما قال فسمعوا صوتاً لا سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی۲ طبری ص ۱۴۰۲ جرمن

ارشاد فرمایا اسلئے کہ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں پس حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ میں تم دونوں میں شامل ہوں انکے بعد یہ آواز سنائی دی کہ کوئی کبھی تلوار ذوالفقار کے ایسی نہیں اور کوئی جوانمرد علیؑ کے ایسا نہیں

ایسا نہیں ہوا کہ شمول کا مواسات میں حضرت جبرئیلؑ صرف وعدہ کرکے رہ گئے ہوں نہیں ایسا نہیں ہوا۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ عملی صورت میں لایا گیا۔ اور پورا فرمایا گیا۔ علامہ یوسف گنجی الشافی اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں اور شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

روی الحافظ محمد بن عبد العزیز الجنابذی فی کتاب معالم العترۃ النبویۃ مرفوعاً الی قیس بن سعد عن ابیه انه سمع علیاً یقول اصابنی یوم احد ست عشر ضربة سقطت الی الارض فی اربع منهن فجاءنی رجل احسن الوجه طیب الریح فاخذ بضبعی فاقامنی ثم قال اقبل علیهم فانک فی طاعة الله ورسوله وهما عنک راضیان قال علیؑ فاتیت النبی صلعم فاخبرته فقال یا علیؑ اقر الله عینک وذاک جبرئیل۲ سوانح عمری حضرت علی ص ۲۱۶ لاہور

حافظ محمد بن عبدالعزیز جنابذی اپنی کتاب معالم العترۃ النبویہ میں بطریق مرفوع قیس بن سعد سے اور وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ انکے والد نے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جنگ احد کے دن مجھے سولہ زخم ایسے کاری لگے تھے۔ کہ ان میں سے چار زخموں کے ساتھ میں زمین پر گرنے کے قریب پہونچ گیا تھا۔ اور ہر بار ایک خوبصورت خوشبو میں ڈوبا ہوا آدمی میرے پاس آکر میرا ہاتھ پکڑ لیتا تھا۔ اور مجھکو کھڑا کر دیتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ بڑھکر دشمنوں پر حملہ کر کہ تو خدا اور اسکے رسول کی اطاعت میں ہے۔ اور وہ دونوں تجھ سے راضی ہیں۔ جناب علی مرتضیٰ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے یہ بات جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں کہی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے علیؑ خدا تمہاری آنکھوں میں ٹھنڈک عطا فرمائے۔ وہ جبرئیلؑ تھے۔

مرقومۂ بالا شاہدات غیب میرے بیان کے شاہد صادق ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی یہ مبارزت اسوقت کی ہے۔ کہ حکم رسول اللہ صلعم سے آپ لشکر کفار کی اس جماعت میں جو بار بار رسول اللہ صلعم کی ذات خاص پر ایذا رسانی کی غرض سے چڑھ چڑھ آتے تھے۔ ہر بار آپ انپر حکم رسولؐ سے حملہ آور ہوتے تھے۔ اور ہر بار بڑی جگر داری سے لڑکر ان کو پسپا کر دیتے تھے۔

شبلی صاحب نے حضرت علیؑ کی ایسی بے نظیر شجاعت و مبارزت کو اول تو آنحضرت صلعم کے مجروح ہونے کے بعد لکھا ہے۔ اور یوں اسکی واقعیت اور اصلیت کو بدل دیا ہے۔ دوسری یہ کہ ان محاسن خدمات کو صرف اتنا لکھ کر "دل کا دل ہجوم کرکے بڑھتا تھا۔ لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا" ص ۲۷۰۔ اسکی حقیقت کو تمام کر دیا ہے۔ ہمکو آپکی اس کوتہ رقمی کی کوئی شکایت نہیں۔ اس لئے کہ ہم کو آپکی خدمت میں عادت شناس اور مزاجداں ہونیکا اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔ ہم خوب واقف ہیں کہ یہ موقع خاص آپکے اختصار و قصداً

اور تلخیص و تلمیح کے مقامات ہیں۔
لشکر اسلام کی ہزیمت اور رسول اللہ صلعم کی شہادت کی خبر سنکر۔ جو کیفیت حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام کے قلب پر مستولی ہوئی۔ وہ خود زبان مبارک سے یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

چون کفار بر مسلمانان غلبہ کردند حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام از نظرمن غائب شد و درمیان کشتگان رفتم و احتیاط کردم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را ندیدم باخود گفتم وے اذاں قبیل نیست کہ از صف جنگ کافران بگریزد و درمیان قتلیٰ نیست۔ گمان من انیست کہ حق تعالےٰ بواسطہ فعل ما بر ما غضب کردہ و پیغمبر خویش باسمان بردہ و باخود گفتم ہیچ بہتر ازاں نیست کہ مقاتلہ نمایم تا کشتہ شوم شمشیر کشیدہ و بر جوق مشرکان حملہ بردم ازہم بپاشیدند۔

جب کفار نے مسلمانوں پر غلبہ کیا۔ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام میری نظروں سے غائب ہوگئے۔ میں آپ کو کشتوں میں ڈھونڈھنے لگا۔ اور اُن میں آپ کو نہ پایا۔ تو میں نے اپنے دل میں سونچا کہ رسول اللہ صلعم سے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ جنگ کفار سے گریز فرمائیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہ ہزیمت خدا کا غضب ہے۔ جو ہمارے افعال کی سزا میں ہم پر اتارا گیا ہے۔ اور خدا نے اپنے رسولؐ کو محفوظ اور مصئون رکھکر آسمان پر اُٹھا لیا ہے۔ یہ سونچکر میں نے اپنے دل سے کہا کہ اب میرے لیے اس سے بہتر کوئی صلاح عمل نہیں ہو سکتی کہ ہم بھی کفار سے لڑکر مرجائیں۔ یہ قصد کرکے میں تلوار لےکر گروہ کفار پر ٹوٹ پڑا۔ اور اتنی جگرداری سے لڑا کہ اُن کو متفرق اور پریشان کردیا۔ روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۶۲۔

ان خدمات کے صلہ میں جناب احدیت کی بارگاہ سے حضرت علی مرتضیٰؑ کو کیا صلہ عطا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جماعت کفار کے متفرق کرنے کے بعد نظر مبارک اُٹھاتے ہیں۔ تو جمال رسالت سامنے ہے۔ صلوا علیہ وآلہ۔
محدث شیرازی اُسی سلسلہ بیان مرقومۂ بالا میں جناب علی مرتضیٰؑ کے زبانی نقل فرماتے ہیں۔

جمال حضرت را دیدم بسلامت دانستم کہ حق تعالےٰ وے را بملائکہ کرام خود محافظت نمودہ۔

اس اثنا میں میری نظر آنحضرت صلعم کے جمال مبارک پر پڑی۔ اور آپ صحیح و سلامت نظر آئے تو مجھے یقین آگیا۔ کہ خدا نے ملائکہ کرام کے ذریعہ سے آپ کی محافظت فرمائی۔

فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اب باہمی مکالمت کی حقیقت بھی محدث شیرازی و محدث دہلوی کی عبارت میں ملاحظہ ہو۔

آنحضرت صلعم نظر کرد۔ دید کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام بر پہلوے مبارکش استادہ است۔ فرمود۔ چون است کہ تو بہ برادران خود ملحق نگشتی۔ علی گفت اا لکفر بعد

آنحضرت صلعم نے نظر اُٹھائی تو دیکھا علی ابن ابی طالبؑ پہلو میں کھڑے ہیں۔ اُن سے استفسار فرمایا کہ تم کیونکر اپنے بھائیوں سے جاکر نہ ملگئے۔ حضرت علیؑ نے عرض کی کیا میں ایمان لانیکے بعد

الایمان الی بلغ اسوۃ ایا کافر شوم بعد از ایمان بدر سیکہ مرا با تو اقتدا است. یعنی مرا انتہا کار ست با یاراں و برادر آں کہ در پے غنیمت اُفتادند و ہزیمت نمودند چہ کار دارم

کافر ہو جاتا. مجھکو آپ ہی کی اقتدا کافی ہے. یعنی مجھے آپ ہی سے صرف سروکار ہے. مجھے اپنے اُن یاروں اور بھائیوں سے کیا کام. جو مال غنیمت کے لالچ میں پڑ گئے. اور بھاگ نکلے

ذکوان کی استمداد و اعانت

جناب علی مرتضیٰؑ کی عدیم المثال شجاعت خودغرض نہیں تھی. اِنکا کوئی پہلو عالی ہمتی اور ہمدردی اور دوسروں کی مدد و اعانت سے خالی نہیں تھا. ایسا نہیں تھا کہ حضرت علی مرتضیٰؑ صرف اپنی حفاظت کے لیئے اپنی قوت و شجاعت صرف کرتے ہوں. اور دوسرے رفیقوں کی مدد و استعانت سے پہلوتہی فرماتے ہوں. واقعات تبلا رہے ہیں. کہ اسی اُحد کی لڑائی میں حضرت علیؑ نے بنی عبدالدار کے علمداروں کا خاتمہ کر کے فوراً حضرت حمزہؓ اور حضرت ابو دجانہ کی حمایت فرمائی اور دیر تک اُنکے شریک رہکر لشکر کفار سے لڑتے رہے حضرت حمزہؓ اور حضرت ابو دجانہؓ ہی کی حمایت و استمداد پر منحصر نہیں. شاید آپ نے اپنے عم محترم کی اعانت کو فرض سمجھ لیا ہو. تو ذکوان بن عبدالعبس کے قصّہ سے آپ کی ہمت و استعانت عام کے ثبوت خاص ملجاتے ہیں ترجمہ مغازی الصادقہ کامل واقدی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ میں اس واقعہ کی نسبت لکھا ہے.

جناب علی مرتضیٰؑ نے محاصرہ کفار سے نکلکر. ذکوان بن عبدالعبس کو جس کا ذکر ابتدا میں ہو چکا ہے جو مجاہدین اسلامی میں داخل. ابوالحکم ابن الاخنس ثقفی کے پنجہ میں گرفتار دیکھا. آپ کی ہمدردی اور غیرت اسلامی اسکی مقتضی نہ ہوئی. کہ اُس کی اعانت و دستگیری سے ناتوجہی کیجائے. حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر شہادت سُنکر آپ حضور کی تلاش میں نہایت بیتاب تھے. اگر ایسے وقت نازک میں پہلوتہی بھی کیجاتی. تو قابل الزام نہیں تھی. لیکن جناب علی مرتضیٰؑ کی حمیت اسکو گوارا نفرما سکی. آپ یہ دیکھکر فوراً موقع پر پہونچے. ابوالحکم کی تلوار اُٹھ چکی تھی. غریب ذکوان کی گردن اُسکے نیچے آچکی تھی. موت ذکوان کے سامنے آکھڑی تھی. سب سے زیادہ دشواری ذکوان کیلئے یہ تھی. کہ یہ پیدل تھے. اور ابوالحکم گھوڑے پر سوار لیکن شہسوار لافتیٰ نے ذکوان کی ان تمام دشواریوں کو طرفۃ العین میں رفع کر دیا. ابوالحکم کا ہاتھ ذکوان پر پڑنے بھی نہ پایا تھا کہ حضرت علی کی ذوالفقار کا تلا ہوا ہاتھ ابوالحکم کے سر پر ایسا کاری پڑا. کہ اُسکا سر کٹ کر ذکوان کے سامنے گر پڑا. ذکوان کی جان بچی. غریب نے اپنی راہ لی ص ۲۱۰

محدث شیرازی اور محدث دہلوی دونوں بزرگوں نے انھیں عدیم المثال مشاہدات شجاعت پر اعتبار کر کے تحریر فرمایا ہے.

وے رضی اللہ عنہ حق مبارزت و مہارت و حلاوت و شجاعت بجا آورد کہ فوق آں تصور نتواں کرد یعنی آپنے ہر طرح سے جدال و قتال. دلیری و شجاعت کے ایسے حقوق ادا فرمائے. کہ اُن سے زیادہ تصوّر نہیں ہو سکتا

شاہ عبد الحق صاحب تو اپنی حد امکان تک تعریف و توصیف ہی کر کے رہ گئے۔ لیکن امام المغازی ابن اسحاق۔ امام المورخین ابن جریر طبری و ابن ہشام بالاتفاق یہ لکھکر فیصلہ کر چکے ہیں۔

وکان الفتح یوم احد بصبر علیؑ علی عنایتہ وثباتہ وحمل بلاءہ۔ | احد کے روز فتح حضرت علیؑ کے مصیبت پر صبر کرنے، ثبات حواس قائم رکھنے اور تکلیف برداشت کرنے کی وجہ سے (نمودار) ہوئی تھی۔

یہی رائے امام المحدثین ابو یوسف الگنجی الشافعی کی بھی ہے۔ جسکو اُنہوں نے اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں حضرت ابن عباس کی سند سے لکھا ہے

نضر ابن انس انصاری کی جان نثاری

اپنے اس سلسلہ بیان میں ابھی ہم کو چند فدائیان انصار کی دلیرانہ جاں نثاریاں اور وفاداریوں کا ذکر کر دینا بہت ہی ضروری ہے۔

انس بن مالک کے چچا۔ انس بن نضر کی دلیرانہ سرفروشی اور جانبازی تفصیل سے اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اور بتلا چکے ہیں کہ یہ گروہ مہاجرین اسلام کو جنگ کفار پر غیرت دلا کر فوج قریش کی گھنی صفوں میں تیرانہ شوکت و شان سے ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے فائز شہادت ہوئے۔ کفار نے ان کو زخموں سے اتنا چور کر دیا تھا کہ لاشوں کے جائزے کے وقت کوئی اُن کی لاش کو نہ پہچان سکا۔ بالآخر اُن کی بہن نصیب بن نے ہاتھ کی انگوٹھی سے پہچانا۔

پانچ انصار کی یکبار جان نثاری

عمارہ ابن زیاد اور زیاد بن السکن کے حالات بھی اُوپر لکھے جا چکے ہیں۔ زیاد اور عمارہ نے تنہا اپنی جانوں کے ایثار نہیں کئے بلکہ اپنے تین اور رفقائے عزیز کو بھی فدائے اسلام کر دیا۔ کیفیت یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت و سلامتی کا مژدہ پاکر یہ پانچوں جاں نثار یکبار میدان جنگ سے حصول زیارت کیلئے حاضر خدمت ہوئے اور کفار کی اُس جمعیت سے جو آنحضرت صلعم کے قریب ایذا دہی کی غرض سے جمع تھی۔ اذن رسولؐ پاکر حملہ آور ہوئے اور پانچوں کے پانچوں شہید ہو گئے۔ ایک بھی جانبر نہ ہو سکا۔ رضوان اللہ علیہم۔

ابو طلحۃ الانصاری کی رفاقت

ابو طلحۃ الانصاری کی خدمات بھی۔ جو انس بن مالک مشہور صحابی کے علاتی باپ تھے۔ قابل الذکر ہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب یہ تیر برساتے تھے۔ تو یہ وفادار اور جگر دار جاں نثار چہرہ مبارک پر اپنی سپر روک لیتا تھا اور موذیوں کے تیر انکو اپنے چہرے پر نہ آنے دیتا تھا اور اسی حالت میں تیراندازوں کی خطاکاری کا جواب بھی دیتا جاتا تھا ابو طلحہ نے اس موقع خاص پر اتنے تیر چلائے تھے کہ دو تین کمانیں اُنکے ہاتھوں میں ٹوٹ گئی تھیں۔ سیرۃ النبی ص ۲۷۰ بحوالہ بخاری۔

خواتین اسلام کی مردانہ ہمت و رفاقت

مردوں کی ایثار نفس اور جانبازی کو تفصیل سے دکھلانا اور خواتین اسلامی کی مردانہ وار رفاقت و ایثار کا ذکر نہ کرنا۔ واقعہ نگاری کی نامردی ہے اور سوانح نویس کی بے دردی۔ اسلئے ہم اپنے سلسلہ بیان کو ان محترمات کے محاسن خدمات سے خالی رکھنا نہیں چاہتے۔ ان میں سب سے پہلے اُمّ عمارہ کا حال ذیل میں لکھتے ہیں۔

اُمّ عمارہ صحابیہ کے محاسن خدمات

یہ عفیفہ محترمہ خود درخواست کر کے لشکر اسلامی کی خدمات کرنے کیلئے ہمراہ آئی تھیں۔ اور فن جراحی سے واقف

تھیں عین اُس موقع پر جب فوج کفار کے سوذی تیرانداز آنحضرت صلعم پر تیروں کا مینھ برسا رہے تھے۔ تو یہ شیر دل خاتون انصاریہ آنحضرت کے آگے کھڑی ہو گئیں۔ اور اُن کے تیروں کو اپنے سینہ پر اُڑنے لگی۔ اور جب وہ خونخوار جماعت نیزہ و تلوار لیکر آپ کا قصد کرتی تھی۔ تو یہ خود تلوار پکڑ کر اُنکے وار کو رد کرتی تھی اور اُنھیں برابر کا جواب دیتی تھی۔ جب ابن قمیہ تلوار پکڑ کر آنحضرت صلعم کے بالکل قریب آگیا۔ تو اُم عمارہ نے بڑھ کر بڑی دلیری کے ساتھ روکا۔ اور اُسی ردوکد میں اُنکے کندھے پر زخم لگا۔ اور غار پڑ گیا۔ مدتوں رہا۔ اس بہادر خاتون نے تلوار لگا کر ابن قمیہ کو اُسکی ضرب کا جواب بھی دیا۔ مگر وہ ظالم دو زرہیں تلے اُوپر پہنے ہوئے تھا۔ اس لیئے اُن کی تلوار کام نہ کر سکی۔

ابن ہشام جلد دوم ص ۴۸ سیرۃ النبی ص ۲۸۱۔

نہیں معلوم کہ سیرت والوں کے گیارہ اور صحیح بخاری کے وہ دو جاں نثار اُسوقت کہاں تھے۔ جو اُم عمارہ کی دلیری کو بھی دیکھکر ابن قمیہ کے مقابلہ پر جرأت نہ کر سکے۔ حقیقت و انصاف تو یہ بتلا رہے ہیں۔ کہ اس خاتون انصاریہ کے خدمات بڑے بڑے مجاہدین اسلام کی کارگذاریوں سے زیادہ قابل قدر و عزت ہیں۔

دوسری خاتون انصاریہ کی جگرداری قبیلہ انصار میں بنی دینار کی ایک عورت کے باپ بھائی۔ اور شوہر سب کے سب کفار سے لڑکر کام آچکے تھے۔ لیکن وہ خاتون رسول اللہ کی خبر شہادت سُکر اسقدر بے چین اور مضطرب الحال ہو رہی تھی کہ اُسکو اپنے تین زخمہائے کاری اور صدمہائے متصل کی کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ رسولؐ کی تلاش میں ادھر اُدھر مجنونانہ وار پھر رہی تھی۔ جو دیکھتا تھا۔ وہ اُس سے اُسکے باپ بھائی اور شوہر کی خبر پوچھتا تھا۔ لیکن وہ بے خود ہو کر اُنسے پوچھتی تھی۔ یہ تو کہو۔ رسول اللہ تو صحیح و سلامت ہیں۔ لوگ کہتے تھے۔ ہاں الحمد للہ آپ بخیرت ہیں۔ اسی حالت میں وہ اُفتاں و خیزاں جناب رسولخداؐ کی خدمت میں پہونچی۔ نظر اُٹھا کر جمال مبارک کی زیارت کی اور عرض کی۔ کل مصیبۃ بعدک جلل یا رسول اللہ آپ موجود ہیں تو پھر تمام مصیبتیں ہیچ ہیں۔ شبلی صاحب نے اس موقع کے مناسب حال یہ شعر لکھا ہے۔ کیا تعجب کہ طبعزاد ہو ؎

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

سعد بن معاذ کی ماں اور عقیدت رئیس الانصار سعد ابن معاذ کی اپنے بھائی عمر بن معاذ درجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔ سعد بن معاذ کو اپنے آپ برابر کے بھائی کا کوئی غم اور کوئی رنج والم رفاقت و اطاعت رسول صلعم کے مقابلہ میں نہیں تھا یہ تو مرد تھے۔ ثبات و وفاداری انکا کام تھا۔ ان کی مادر گرامی قدر کی جگرداری البتہ قابل ذکر ہے۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب داخل مدینہ ہوئے۔ تو آپکے گھوڑے کی لگام سعد ابن معاذ تھامے تھے۔ آمد رسولؐ کی خبر سُنکر اُنکی والدہ معظمہ جنکا نام کبشہ بنت رافع تھا۔ شوق رسولؐ میں بیتاب ہو کر دوڑیں۔ بیٹے کی نظر ماں پر پڑی۔ تو جلکے سے خدمت رسولؐ میں عرض

کی ماں شوق زیارت میں دوڑی آتی ہیں۔ آپ نے فرمایا مرحبا۔ اتنے میں وہ محترمہ آ ہی گئیں جمال مبارک پر چشم عقیدت سے نظر کی۔ اور فرط مسرت سے شگفتہ ہوگئیں۔ اور خلوص سے عرض کی حضور کو زندہ و سلامت دیکھکر تمام رنج و غم فراموش ہوگئے آنحضرت صلعم غایت اخلاق سے اُنکو اُنکے فرزند شہید کی تعزیت دی۔ اور اُن کے فرزند شہید اور دیگر شہدائے انصار کے داخل جنت کئے جانیکی بشارت پہونچائی۔ روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۷۳۔

جراحت رسولؐ سے لیکر خاتمہ جنگ تک کے حالات

جان نثاران اسلام میں اُن تمام بزرگواروں کی خدمات جو حمایت اسلام اور رفاقت حضرت خیر الانام علیہ السلام کے متعلق جنگ اُحد میں واقع ہوئے وہ حدیث و تفسیر اور سیرت و تاریخ کے معتبر ماخذوں سے ایک سلسلہ میں بیان کر دیئے گئے۔ اس تفصیل کو تمام کرکے اب ہم جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخمی ہونے اور مہزمین اسلام کے واپس آنے کے حالات سے لیکر خاتمہ جنگ تک کے باقی واقعات کو موجودہ سلسلہ میں بیان کرتے ہیں۔

یہانتک بیان ہوچکا ہے۔ کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار سے برآمد ہوئے۔ سرور عالمؐ کی خبر شہادت مدینہ تک پہونچ گئی تھی۔ جناب سیدہ اور دیگر خاتونان اسلامیہ جو شمار میں ۱۴ المحترمات تھیں بے تاب ہوکر میدان جنگ تک چلی آئیں۔ اور محدث شیرازی لکھتے ہیں کہ جوہیں جناب سیدہؑ کی نظر اپنے پدر بزرگوار کے چہرہ خون آلود پر پڑی بیقرار ہوکر رونے لگیں۔ آنحضرت نے اپنے پارہ جگر کو سینہ سے لگالیا اور دیر تک اشکبار رہے۔ اس اثنار میں حضرت علی مرتضیٰ بھی پہونچ گئے۔ اُنہوں نے اپنی ڈھال میں پانی لاما۔ اور حضرت فاطمہ زہراؑ نے دھونا شروع کیا۔ لیکن زخم سے خون نہیں بند ہوتا تھا۔ تو بالآخر جناب سیدہؑ نے پارچہ حریر اور بروایت بخاری پارہ حصیر جلاکر لگایا۔ تب خون بند ہوا۔ روضۃ الاحباب ص ۲۷۴۔ رسالت کی صبر و شکیبائی اور نبوت کی رعایت و عفو فرمائی یہ ہے کہ ایسی شدید تکلیف اور درد و محن کی حالت خاص میں بھی آپکی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔ رب اغفر قومی فانھم لا یعلمون۔ پروردگار میری قوم کو بخشدے کہ وہ جانتے نہیں عجیب عالم رستخیز اور ہنگامہ قیامت خیز تھا۔ وہ اضطراب طاری تھا کہ دوست دشمن کی تمیز باقی نہیں تھی۔ شبلی صاحب نے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ اس ہلچل اور کشمکش میں مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور یمان کی شہادت مثال پیش کی ہے۔ تحقیق مزید سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی لاعلمی کی وجہ سے ایسا ہی واقعہ پیش ہونیوالا تھا۔ لیکن خیریت ہوگئی طبری لکھتے ہیں۔

مسلمانوں میں قیامت کی ہلچل

وانطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یدعو الناس حتی انتھی الی اصحاب الصخرۃ فلما رأوہ وضع رجل سھما فی قوسہ فاراد ان

جناب رسول خدا صلعم لوگوں کو پکارتے ہوئے آگے بڑھے یہانتک کہ آپ پہاڑ پر مجمع شدہ جماعت صحابہ (طبری کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہو کہ یہ جماعت وہی تھی۔ جس کا ذکر نضیر بن انس والی روایت میں ہوچکا ہے۔ کیونکہ باقی عبارت بھی اسی پر شاہد ہے۔

ان یرمیہ فقال انا رسول اللہ ص ففرحوا بذلک حین وجدوا رسول اللہ صلعم حیا وفرح رسول اللہ صلعم ان فی اصحابہ من یمتنع بہ فلما اجتمعوا وفیھم رسول اللہ صلعم ذھب عنھم الحزن فاقبلوا یذکرون الفتح وما فاتھم منہ ویذکرون اصحابھم الذین قتلوا فقال اللہ عزوجل للذین قالوا ان محمدا قد قتل فارجعوا الی قومکم۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللہَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی اللہُ الشّٰکِرِیْنَ۔

اور طبری نے اُس روایت کے بعد بھی یہ واقعہ لکھا ہے) کے پاس پہونچ گئے۔ جب اُن لوگوں نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو ایک شخص نے اپنی کمان میں تیر رکھکر آپ کو تیر مارنا چاہا (لاعلمی سے) یہ دیکھکر آپ نے پکارا میں ہوں رسول اللہ صلعم۔ یہ سننا تھا کہ وہ لوگ آپ کو زندہ پاکر مسرور و فرحناک ہوئے۔ اور جناب رسول خدا صلعم بھی اس تیر افگن شخص کو اپنے اصحاب میں داخل سمجھکر بیحد خوش ہوئے پھر سب کے سب رسول اللہ صلعم کے پاس جمع ہو گئے۔ اور اُن لوگوں کے دلوں سے تمام حزن و ملال جاتے رہے۔ پھر آپکے ساتھ فتح حاصل شدہ کے گذرے ہوئے واقعات کا اور شہدائے اُحد کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے چلے۔ خدائے سبحانہٗ تعالےٰ نے اُن لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے جو یہ کہتے تھے۔ اے مسلمانوں اب دین اسلام سے پھر جاؤ۔ اور اپنی قوم میں مل جاؤ کیونکہ محمدؐ تو مارے گئے۔ یہ آیہ نازل فرمایا۔

(محمد صلعم) صرف ایک رسولؐ ہیں۔ جنکے ایسے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ وفات پا جائیں تو کیا تم لوگ اُنکے دین سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ تو جو لوگ اُلٹے پاؤں پھر جائینگے۔ اُن سے خدائے تعالیٰ کو تو کوئی نقصان پہونچنے کا نہیں ہے خدائے تعالےٰ تو اُن کو بدلہ دیگا۔ جو اُس کے شکر گذار بندے ہیں۔ طبری مطبوعہ جرمن ص ۱۴۱۰۔

طبری نے اگرچہ اس آیہ کی خطاب کو خاص اُن کی طرف تبلایا ہے۔ جو شہادت رسولؐ نے غلط خبر کے مشہور کرنے والے تھے۔ یہ طبری صاحب کی اسلامی مُہنر من کی رعایت ہے۔ ورنہ عبارت و الفاظ قرآنی میں خاص بعض حضرات سے مخاطب ہے

ابوسفیان میدان جنگ کے یہ نیرنگ دیکھکر بہت مسرور ہوا۔ خوشی سے اُچھلنے لگا اور اعل ھبل اعل ھبل۔ ہبل تو اونچا رہ ہبل تو اونچارہ کے نعرے مارنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے صحابہ حاضرین نے جوابًا آواز دی اللہ عزوجل۔ خدا سب سے اونچا اور بڑا ہے۔ ابوسفیان نے پھر ترٹ لگائی۔ لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم۔ ہمارے پاس عزیٰ ہے تمہارے پاس نہیں۔ صحابہ پکارے اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم۔ خدا ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں۔

ابوسفیان نے انہیں یا وہ گوئیوں کے ساتھ خوشیاں منائیں۔ اور فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اس عجلت کی وجہ صاف ہے اُس نے دیکھ لیا۔ کہ اہل اسلام اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر پھر کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔ اگر مقابلہ کی نوبت آئی تو مشکل ہو جائے گی۔ اسلیے جس قدر کامیابی اسلام کے مقابل ہو چکی ہے۔ وہی غنیمت ہے۔ اس خیال سے وہ فوراً چل کھڑا ہوا۔ اور مسلمانوں کو بار دیگر مقابلہ کا موقع نہ دیا۔

میدان جنگ سے قریش کی واپسی

آنحضرت صلعم نے دور سے کفار میں شور و ہنگامہ برپا دیکھکر حضرت علی مرتضیٰؑ کو تحقیق حال کی غرض سے بھیجا۔ طبری لکھتے ہیں۔

بعث رسول اللہ صلعم علی فقال اخرج فی آثار القوم فانظر ماذا یصنعون وماذا یریدون فان کانوا قد اجتنبوا الخیل امتطوا الابل فانہم یریدون مکۃ وان رکبوا الخیل وساقوا الابل فہم یریدون المدینۃ الیہم فیہا ثم لا تاجزتہم قال علی ؑ فخرجت فی آثارہم انظر ماذا یصنعون فلما اجتنبوا الخیل امتطوا الابل توجھوا الی المکۃ ص ۱۴۱۹

جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو بلا کر حکم دیا کہ فوج کفار میں جا کر انکی نقل و حرکت کی طرف دریافت کرو۔ کہ اب انکا کیا ارادہ ہے اگر وہ اپنے اونٹوں پر سوار ہوتے ہوں اور گھوڑوں کو پیدل رکھتے ہوں تو سمجھ لینا کہ مکہ کی طرف جاتے ہیں۔ اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہوں اور اگر اونٹوں کو خالی چھوڑتے ہوں۔ تو سمجھ لینا کہ مدینہ کا قصد رکھتے ہیں۔ تو پھر ہم لوگوں کو بھی فوراً کوچ کرکے اُن سے مقابل ہونا ہوگا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ہم اُنکے لشکرگاہ میں پہونچے۔ اور دیکھا کہ وہ گھوڑوں کو چھوڑ کر اُونٹ پر سوار ہوتے ہیں۔ اور مکہ کی طرف جارہے ہیں۔

کفار کے لشکر نے بہت جلد میدان جنگ خالی کر دیا۔ رسول اللہ صلعم نے اُن کے چلے جانے کے بعد اطمینان سے شہدائے اُحد کی تجہیز و تدفین کی طرف توجہ فرمائی۔

شہدائے اُحد کی تدفین حضرت حمزہؓ کی لاش

کفار کے چلے جانے کے بعد شہدائے اُحد کی لاشوں کی تلاش ہونیلگی۔ سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کی لاش تلاش کرنیکا حکم ہوا ایک مرد انصار تجسس میں نکلا۔ اُسکے ڈھونڈنے میں دیر ہوئی تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو بھیجا جب یہ حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہونچے۔ تو دیکھا کہ وہ عقیدت مند مرد انصاری اُس جسم صد پارہ اور پیکر شگافتہ پر کھڑا آنسو بہا رہا ہے۔ عم محترم کی لاش مطہر کی یہ بیحرمتی دیکھکر حضرت علیؑ بھی دیر تک اشکبار رہے پھر خدمت رسولؐ میں حاضر ہوکر روئداد عرض کردی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حزن و ملال کی کچھ انتہا نہیں تھی۔ فوراً اُٹھے۔ اور حضرت حمزہؓ کی لاش پر تشریف لائے۔ مظلوم چچا کی میت پر دیر تک اشکباری فرماتے رہے۔ حضرت حمزہؓ چچا ہونیکے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھے۔ اسلیئے آنحضرت صلعم کو اُن سے کمال اُنس تھا۔ آپنے چچا کی بیحرمتی دیکھکر ارشاد فرمایا

ما وقفت موقفا اغیظ لی من ھذا

مجھے آجتک کسی مقام کے شاہد ہونے ایسا خشمآلود نہیں کیا جیسا اس مقام نے

مصلح قدرت نے فوراً پیام بھیجا۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۔

تم بھی اگر ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی تو برابری ہو جاویگی لیکن صبر کرلو۔ تو صبر کرلینا صبر کرنے والوں کے لیئے بہرحال بہتر ہے۔

آپنے حکم الٰہی سنکر فوراً سمعاً و اطاعتاً کہا۔ اور صبر فرمالیا۔ اور ستر بار اپنے عم مرحوم کے لیئے دعائے مغفرت کی حضرت صفیہ کو بھائی کی خبر شہادت مل چکی تھی۔ بھائی کے درد سے بے چین ہوکر دوڑی چلی آئی تھیں۔ آنحضرت صلعم کی

نظر پڑ گئی۔ زبیرؓ انکے صاحبزادے پاس کھڑے تھے۔ حکم دیا کہ ماں کو جاکے راہ میں روک لو۔ بھائی کی لاش کو بحالت خراب سے دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں گی۔ زبیر ابن العوام دوڑے۔ ماں کو روکنا چاہا۔ لیکن وہ نہ رُکیں بیٹے سے اتنا کہا کہ میں کچھ بھی نہ کروں گی۔ صرف بھائی کو آخری بار دیکھکر چلی آؤنگی۔ چنانچہ یہ معظمہ بھائی کی لاش پر آئیں۔ اور جو کہا تھا وہی کیا۔ بھائی کی لاش صد چاک کو نگاہِ حسرت آلود سے دیکھا اور انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھکر ہٹ آئیں۔ ہٹنا تھا کہ غم و الم صدمہ و ملال کا دل پر ہجوم ہوا۔ کہ ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگیں اور انکے ساتھ جناب سیدہؑ اور دیگر خواتین ہاشمیہ ملکر فریاد و زاری کرنیلگیں۔ اب رسولخداصلعم سے بھی ضبط نہ ہو سکا اس نوحہ خواں گروہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور حضرت صفیہ سے خطاب کرکے صدائے غم آلود کے ساتھ فرمانیلگے۔

یا عمتی لن اصابك بمثلك هذا | اب آپ سے بڑھکر کوئی دوسرا مصیبت زدہ نہ ہوگا

اسکے بعد آپنے شان رسالت سے بار دیگر بیان فرمایا۔ اے صفیہ۔ اے فاطمہؑ تم کو بشارت ہو کہ جبرئیلؑ نے آکر مجھے یہ مژدہ دیا ہے۔ کہ ملائکہ ملاء اعلیٰ نے حمزہؓ کو اسد اللّٰہ و اسد رسولہ کے القاب خاص سے مشہور و مرقوم کیا ہے۔

روضۃ الاحباب ص ۲۷۲۔

حضرت حمزہؓ کے دفن سے فراغت پاکر دوسرے شہدا کی تدفین میں مصروف ہوئے۔ مصعب بن عمیر الہاشمی طویل القامت تھے۔ کفن کی چادر چھوٹی تھی۔ سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے۔ پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ بالآخر سر سے چادر ڈالدی گئی۔ پاؤں کھلے رہ گئے اُن کو گھاس سے چھپا دیا۔

ستر مُردوں کی علیحدہ علیحدہ قبریں کھودنا اور جُدا جُدا دفن کرنا آسان کام نہیں تھا۔ خود مسلمانوں کی جو حالت ہو رہی تھی۔ ظاہر تھی۔ اُن میں شاید کوئی ایسا ہی ہو۔ جو مجروح۔ حد سے زیادہ خستہ اور ملول و پریشان حال نہ ہو جب علیحدہ علیحدہ مدفون کرنا امکان سے باہر دیکھا گیا۔ تو شہدا کی لاشوں کو بے غسل و کفن۔ مجروح و خون آلود اسی حالت سے ایک قبر میں دو دو کرکے مدفون کر دیا۔ ؎ فدیۂ راہ خدا را حاجت کافور نیست۔

مسلمانوں کو اس بے بسی اور بے کسی کا عالم ہمیشہ یاد رہا جب کبھی یاد آجاتا تھا۔ رو دیتے تھے۔ جناب رسالتمآب صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم ہمیشہ اُحد کے دن کو یاد کرکے محزون و ملول ہوا کرتے تھے۔ واقعۂ اُحد سے آٹھ برس بعد اور وفات سے دو برس پہلے آپکا شہدائے اُحد کے مدفن کی طرف سے گذر ہوا مقتل شہیدان دیکھکر اُن کی یاد تازہ ہوگئی۔ صورتیں آنکھوں

ؔ افسوس ہے مسلمان۔ ۶۰ ہی برس میں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم کے یہ سِکھلائے ہوئے آداب تعزیت اور مقتضیات اخلاق و ہمدردی بھول گئے۔ میدان کربلا میں فوج قریش سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی جمعیت کثیر موجود تھی۔ مگر اتنی کثیر تعداد میں کسی فرد واحد کو اتنی توفیق نہ ہوئی۔ کہ نور دیدۂ مصطفےٰؐ۔ جگر پارۂ فاطمہؑ زہرا۔ حضرت زینبؑ کو اپنے مجروح و مقتول بھائی کی لاش صد پارہ پر آنے سے روک لیتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مؤلف عفی عنہ

کچھ دشوار نہیں تھا۔ لیکن نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ مبارزین اسلامی میں قلت و کثرت افراد پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے اُن میں روحانی استقلال اور پاداری ایمان اور شجاعت و جگرداری اتنی قوی ہے کہ اُن کے آگے کثرت یا جمعیت کارگر نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر واقعات کے تحقیق کرنے والے صاف طور سے کہدینگے کہ جنگ اُحد کے نتائج اگرچہ آخر میں خوشگوار نہیں گذرے۔ لیکن وہ کفار قریش کے قلوب میں دلیران اسلام کی شجاعت و دلیری کے کامل اثر پہونچانے سے خالی بھی نہیں گئے۔ اور یہی سبب تھا کہ غنیم کو دسترس پا جانے کے بعد بھی اپنے اصل مدعا کی تعمیل و تکمیل پر جرأت نہ ہو سکی۔ اور یہی اسلام کی وہ عُلوئیت ہے۔ جسکی طرف اس قصہ کے متعلق قرآن مجید میں اشارت ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ | تم طول و محزون نہ ہو۔ تم ضرور برمعکور ہوگے۔

یہی جنگ اُحد کے وہ خوشگوار نتائج ہیں۔ جو مدعائے اسلام کے مفید نمایاں ہوئے۔ جنکی تفصیل آئندہ آتی ہے۔

غزوہ حمراء الاسد

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰؑ کو بخصوص طور پر لشکر کفار میں بھیجکر جب یہ دریافت فرمالیا۔ کہ وہ میدان جنگ سے سیدھے مکّہ کی طرف نکلے ہیں تب آپ نے شہدائے اُحد وغیرہ کی تلاش اور اُنکی آخری خدمات کی طرف توجہ فرمائی۔ لیکن تاہم آپ کفار کی مکارانہ فطرت کی طرف سے پورے مطمئن نہیں تھے۔ جس عجلت سے شہدائے اُحد مدفون کئے گئے۔ اُس کی کیفیت اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ آپ کا یہ خیال اور کفار کی طرف سے یہ شبہہ بالکل صحیح تھا۔

ابوسفیان نے اُحد سے نکلکر آٹھ میل پر قیام کیا۔ وہاں جاکر اُس نے سوچا کہ اُحد میں ہماری کامیابی تو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ صرف یہ ہوا کہ پہلے وہ غالب رہے اور پیچھے ہم۔ اور اسی پر اُحد کے معاملات تمام ہو گئے اس سے تو مخاصمت و مخالفت کے معاملات یکسونہ ہوئے۔ اصل مدعا استیصال اسلام کا تھا۔ وہ نہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور نہ حاصل ہو سکا۔ حالانکہ اس میں کامیابی کا پورا موقع تھا۔

یہ خیال اُٹھتے بعد از جنگ کی صورت میں پیچیدہ ہو کر ابوسفیان کے دماغ میں سمایا۔ اور وہ منزل رَوحا سے جہاں خیمہ زن تھا۔ مدینہ پر ازسرنو حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کی خبر گئی۔ آپ نے پھر سلاح جنگ پہن لی۔ اور فوراً لشکر اسلامی کو بھی تیاری کا حکم دیا۔ مبارزین اسلام اُسی وقت تیار ہو گئے۔

فوج اسلام کے روانگی سے پہلے قبیلہ خزاعہ کا رئیس معبد خزاعی اُحد کی خبر سنکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور مصائب اسلام کے واقعات سنکر اظہار تاسف و ملال کر کے رخصت ہو چکا تھا۔ قبیلہ خزاعہ اگرچہ اُسوقت تک

اسلام نہ لایا تھا لیکن اسلام کا ہمدرد وہی خواہ ضرور تھا معبد آنحضرت صلعم کی خدمت سے رخصت ہوا۔ تو براہ راست ابوسفیان کے پاس پہونچا۔ ابوسفیان نے اُس سے اپنا مدینہ پر قصد حملات بیان کیا۔ اُس نے کہا کہ تم ابھی بیٹھے ہوئے مدینہ کا قصد کر رہے ہو۔ اور وہاں جناب رسولخدا صلعم مدینہ سے بڑے سامان کے ساتھ تمہارے سر پر کوئی دم میں پہونچا ہی چاہتے ہیں۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھے چلا آرہا ہوں۔ کہ وہ اتنے بڑے سامان سے ادھر بڑھتے چلے آرہے ہیں کہ تمہارے موجودہ سامان اور جمعیت اُنکے مقابلہ کے لیئے کسی طرح کافی نہ ہوگی۔ جو کچھ بھی کامیابی اسوقت تک تم کو اُن کے مقابلہ میں حاصل ہوچکی ہے۔ دم کے دم میں ضایع ہو جائے گی۔

یہ سُنتے ہی ابوسفیان کے ہوش اُڑ گئے۔ وہ صرف میر سامان تھے۔ مرد میدان تو تھے ہی نہیں۔ ایسا گھبرایا۔ کہ اُسی وقت خیمہ خرگاہ اُٹھا کر مکہ کی طرف چلتا ہوا۔ آنحضرت صلعم جب یہاں تشریف لائے۔ تو کچھ بھی نہ تھا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید احتیاط کے لحاظ سے وہاں ایک ہفتہ قیام فرماکر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔

دوران قیام میں بنی عبد القیس کے چند آدمی آپ کی خدمت میں ابوسفیان کا یہ پیام لائے۔ کہ ہم لوگ پورا قصد کر چکے ہیں۔ کہ ایک بار اور آپ سے مقابلہ کرکے اسلام کا استیصال کامل کر دینگے۔ آپ کو خبر کر دی۔ آپ تیار رہیں یہ سنکر آنحضرت صلعم نے وہی الفاظ پھر ارشاد فرمائے۔ جو اس سے پہلے اُحد کے پیغام آنے کے وقت فرمائے گئے تھے حَسْبُنَا اللّٰهُ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ہمارا بھروسہ خدا پر ہے۔ اور وہی بہتر مددگار ہے۔ خدائے سبحانہ تعالےٰ نے یہ آیہ تبارک نازل فرمایا

قَالَ لَهُمُ النَّاسُ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۔	وہ لوگ جو کثرت جمعیت سے ڈرائے جاتے ہیں اس ڈرائے جانے سے اُن کے ایمان اور زیادہ ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کچھ بھی ہو۔ ہماری مدد کے لیئے تو خدا ہی کافی ہے۔

ابوعزہ شاعر کا قتل

ایّام قیام میں حضرت عمار بن یاسر اور حارثہ ابن زید۔ ابوعزّہ شاعر۔ اور معاویہ ابن مغیرہ کو گرفتار کر لائے۔ ابوعزہ سامنے لایا گیا۔ تو آپنے استفسار فرمایا۔ کہ تجھکو جنگ بدر میں بغیر کسی فدیہ کے صرف اسی لیئے چھوڑ دیا تھا۔ کہ تو پھر آئندہ ایسی شرارت نہ کرنا۔ لیکن تو اب تک باوجود اقرار کے اپنے مفسدوں سے باز نہ آیا۔ اُس نے عرض کی کہ اب کی بار پھر جان بخشی فرما کر دیکھ لیا جائے۔ ارشاد ہوا۔ اب میں ایسا کروں تو اب کی بار مکہ میں جاکر مونچھیں بگھارنے لگے گا۔ کہ دو بار محمد کو کیسا جل دے آیا۔ اس لیئے میں اب تجھے نہ چھوڑونگا۔ یہ فرماکر بروایتے زبیر بن العوام اور بروایتے عاصم کو حکم دیا اور وہ موذی قتل کر دیا گیا۔

معویہ ابن مغیرہ کا قتل

معاویہ ابن مغیرہ کے قتل کا حکم ہُوا۔ تو حضرت عثمان نے سفارش فرمائی۔ منظور ہوئی۔ مگر اس شرط پر کہ معاویہ تین دن کے اندر نواح مدینہ چھوڑ دے۔ تین دن کے بعد اگر حدود مدینہ کے اندر پایا جائیگا۔ تو مستوجب القتل

معویہ نے اقرار کیا اور چھوڑ دیا گیا لیکن وہ مفسدہ انگیز نواح مدینہ کیا شہر مدینہ سے بھی باہر نہ گیا۔ چھپا چھپا پھرتا رہا۔ ایک دن کسی مسلمان نے دیکھ لیا۔ اور خدمت رسول صلعم میں پھر پکڑ کر حاضر کر دیا اور وہ مفسد بد عہدی کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۹۴ مصر طبری ص ۱۴۴ جرمن

شبلی صاحب پانچ سطروں میں حمراء الاسد کے حالات بیان کرکے تحریر فرماتے ہیں۔

یہی واقعہ ہے جسکو مورخین نے تکثیر واقعات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے۔ اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کر لیا ہے۔ سیرۃ النبیؐ ص ۲۸۳۔

ہم کو معلوم ہے آپ غزوہ کے نام سے کانپ جاتے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ اسلامی واقعات کے سلسلہ میں اسکا بیان آجائے اگر مجبوری ہو۔ تو داستان کو طول نہ دیا جاوے۔ کیونکہ یوروپ اسکو شوق سے سنتا ہے۔ کہیں اس نے سن لیا تو قیامت کر دے گا۔ ہم آپ کی تشفی کیئے دیتے ہیں۔ نہ داستان طویل ہوگی نہ یوروپ شوق سے سننے پائیگا۔ اور نہ انشاء اللہ کوئی واقعہ ذکر سے چھوٹے گا۔ میری ذمہ داری ہے آپ اطمینان رکھیں۔

ہم مولوی صاحب کو سمجھائے دیتے ہیں۔ یہ غزوہ نہیں ہے۔ آپ غزوہ کو عموماً جنگ سمجھے ہیں۔ اور سوئے اتفاق سے آپنے غزوہ کو غزا سے ماخوذ سمجھکر اسکو جنگ وقتل اور کشت وخون ہی کے تنہا معنیوں میں قرار دے لیا ہے۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے جن امور و معاملات کے تصفیہ کے لیئے اہل اسلام کی جماعت کو بیرونی مقامات میں جانے اور سفر کرنے کی ضرورت پیش آئے اور اس جماعت میں رسول اللہ صلعم بھی بذات خاص شریک ہوں۔ تو محدثین مورخین کی اصطلاح متفقہ میں اسے غزوہ کہتے ہیں۔ اور جس جماعت میں آپ موجود نہ ہوں اسے سریہ کہتے ہیں۔ غزوہ یا سریہ کیلئے وقوع جنگ کا ہونا شرط نہیں۔

حمراء الاسد میں اور اسی کے ایسے اور غزوات مثل ذوالعشیرہ۔ ذی امر وغیرہ وغیرہ میں سے کسی ایک میں بھی تلوار نکالنے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن وہ صرف رسول اللہ صلعم کی شرکت و موجودگی کی خصوصیت سے غزوہ کے نام سے مذکور ہوئے ہیں۔ اور آپ نے بھی لکھے ہیں۔ لیکن یہاں خواہ نخواہ غزوہ کو خاص جنگ کے معنیوں میں قرار دے کر آپنے مورخین پر تکثیر غزوات کا اعتراض قائم کر دیا۔ اور پھر محدثین کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ تمام حدیثوں کی کتابوں میں بھی یہ تمام واقعات غزوات ہی کے عنوان سے مرقوم ہیں۔ تنقید سے پہلے مولوی شبلی صاحب کو توجیہہ کی تلاش ضروری تھی۔ اس بنا پر مورخین و محدثین کا حمراء الاسد کو غزوہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ اور شبلی صاحب کا اعتراض غلط۔

واقعات متفرقہ ۳ھ ہجری

اسی سال ۱۵ رمضان المبارک ہجری کو حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ولادت واقع ہوئی۔ اسی سال جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفصہ بنت حضرت عمر سے عقد فرمایا۔ ان کے شوہر جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔

آغاز ۴ھ ہجری

سریہ ابوسلمہ محرم ۴ھ ہجری

یہ مسلم ہے کہ تمام عرب اسلام کا دشمن تھا۔ اور مسلم کا مخالف۔ اسلام کا مقصود بت پرستی کی بیخ کنی تھی۔ مسلم کا جرم خدائے واحد کی پرستش۔ توحید خالص کی تعلیم و تبلیغ۔ عرب قدیم سے بت پرست تھا۔ اور اپنی قدیم عقیدۂ جہالت سے سر مو جنبش کرنے کیلئے راضی نہیں تھا۔ اسلام کی تبلیغ انکے جاہلانہ مراسم و آئین کی سد راہ تھی۔ اس بنا پر تمام عرب اسلام کے استیصال پر ہمیشہ آمادہ اور تیار تھا۔

ان مخالفتوں کے اظہار میں سب سے پہلے محرم ۴ھ ہجری میں طلحہ اور خویلد کی مدینہ پر حملہ آور ہونے کی پے در پے خبریں پہونچیں۔ اس لیئے آنحضرت صلعم نے ایک سو پچاس ۱۵۰ مہاجرین و انصار کو باتحتی ابوسلمہ اُنکی مدافعت میں روانہ فرمایا۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے طلحہ اور خویلد کی جماعت مرعوب ہو کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئی۔ مسلمان پہونچے۔ تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ بالآخر واپس مدینہ ہوئے۔

سریہ ابن انیس

چند ہی دنوں کے بعد سفیان بن خالد جو کوہستانی قبائل عرنہ کا رئیس تھا۔ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس کی خبر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوئی۔ تو آپ نے عبداللہ ابن انیس کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اُن کی تنبیہ کی غرض خاص سے روانہ کیا۔ ابن انیس نے کمال ہنرمندی سے سفیان کو قتل کر دیا۔ اور اپنی ہمراہی جمعیت کو ساتھ لیکر مدینہ چلا آیا۔ ابن انیس کی بڑی جستجو کی گئی۔ لیکن یہ نہ ملا۔ سردار کے قتل کے بعد جمعیت آپ ہی منتشر ہو کر ادھر اُدھر چلی گئی۔

واقعہ ذات الرجیع ۲۳ محرم ۴ھ

عقیل اور قارۃ کے چند آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہم لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ چونکہ ہمارا قبیلہ بہت کثیر ہے۔ اس لیئے ضرور ہے۔ کہ وہاں چند مبلغین اسلام تھوڑے دنوں کے لیئے اس غرض خاص سے بھیجدیئے جائیں کہ وہ ارکان اسلام اور احکام قرآن کی تعلیم دیں اور اسلام کے طریقۂ عمل بتلائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی استدعا کو قبول فرمایا۔ اور دس صحابی کی ایک جماعت تیار کر کے اُن کے ہمراہ کر دی۔ وہ صحابہ یہ تھے۔

مرثد بن ابی مرثد۔ عاصم بن ثابت۔ خبیب ابن عدی۔ زید بن الدثنہ۔ عبداللہ بن الطارق۔ خالد بن البکیر۔ معطب بن عبید۔ اور تین صحابہ اور تھے۔ جنکے نام بصراحت کتابوں میں نہیں ہیں۔

اس جماعت تبلیغی پر مرثد بن ابی مرثد۔ اور بروایتے عاصم بن ثابت امیر سفر ہوئے۔ یہ قافلہ اپنی میزبان جماعت بنی عقیل و قارۃ کے ہمراہ چلا۔ دن کو قیام کرتا تھا۔ رات کو چلتا تھا۔ صاف دل مسلمانوں نے اس نئے طریقۂ سفر پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جسطرح وہ لیجلے یہ چلے گئے۔ کیونکہ مسلمان اُصول میزبانی اور تناسب و تعلق مہمانی کے اعتبار سے اُن لوگوں سے

کسی قسم کے خوف و اندیشہ کا شبہہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن مسلمان ہمہ وقت مسلح رہتے تھے۔ اسلیئے کہ رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایسی ہی تاکید کردی تھی۔ جماعت میزبان نے جو تعداد میں سات آدمی تھے۔ اس کے متعلق اُن سے کہا کہ آپ حضرات ہمیشہ سلاح جنگ کیوں پہنے رہتے ہیں۔ اس احتیاط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو نہ ہمارے اسلام پر اعتبار ہے۔ اور نہ قول و کلام پر۔ آپ جس مقام پر جاتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے مہمان ہوتے ہیں۔ وہ آپ کے اخلاص مند ہم مذہب ہیں۔ پھر اس احتیاط و استحفاظ کی کیا ضرورت ہے۔

مسلمانوں نے جواب دیا کہ سلاح جنگ کا پہنے رہنا بے اعتباری کے اُصول پر نہیں ہے۔ بلکہ حفاظت خود اختیاری کی بنا پر۔ اور ہم اس طریق کو ترک نہیں کرسکتے۔ اس لیئے کہ حکم رسول صلعم ہے۔

جب یہ قافلہ مقام رجیع پر پہونچا جو مکہ اور عسفان کے درمیان واقع ہے۔ اور اُنھیں لوگوں کے علاقہ حکومت میں داخل۔ تو اس مہمان کش قوم نے بد عہدی کی۔ اُسکی تفصیل یہ ہے کہ مقام رجیع پر بلا ضرورت مقیم ہوگئے۔ اور قبیلہ بنی لحیان کے دو سو تیر اندازوں کو مسلمانوں کے قتل کردینے کے لیئے بُلا لیا۔ اور وہ شخص جو ایک منزل پہلے سے بھیجدیا گیا تھا۔ واپس آکر اُن کا رہبر بنا۔ اور وہ ان شکاران اجل کی طرف قاتلوں کو لگا لایا۔ علی الصباح دشمن کا دستہ فوج نمودار ہوا۔ خالد بن البکیر نے دور سے اُس شخص کو دیکھکر پہچان لیا۔ اور عاصم سے کہا کہ دیکھو ہمارے میزبانوں نے ہم سے ضرور دغا کی۔ عاصم بولے تم بالکل سچ کہتے ہو۔ لیکن دشمن سر پر آگئے۔ اب باتوں کا وقت نہیں ہے۔ مقابلے پر آمادہ ہوجاؤ۔ مرو گے ضرور لیکن شریفانہ اور دلیرانہ موت مرو۔ خدا اور رسولؐ کی اطاعت میں جانیں فدا کردو۔ شکر کرو اور یقین رکھو کہ تمہارے لیئے یہ موقع شہادت خدا کی عین عنایت ہے۔ یہ سنکر دس صحابیوں کی جماعت مقابلہ پر تیار ہوگئی۔ اتنے میں خطا کاروں کا دستہ بھی آگیا۔ عاصم سے خطاکار کہنے لگے۔ کہ ہم سے مقابلہ کا قصد نہ کرو۔ مٹھی بھر آدمی اتنی کثیر جمعیت کا کیا کرسکتے ہیں۔ جانیں مفت ضائع نہ کرو۔ ہم تم لوگوں کو اپنی طرف سے خود امان دیئے دیتے ہیں۔ عاصم بولے ہم کو خدا کی راہ میں نہ جان کی پرواہ ہے۔ اور نہ موت کا خوف اور نہ ہم تمہاری امان لیکر اپنے خلوصِ ایمان پر مشرکین کے احسان اور عفو جان کا بدنما داغ لگا سکتے ہیں۔ جو ہم پر پیشدستی کریگا ہم مدافعانہ طریقہ کے ساتھ اُس سے ضرور لڑینگے۔ ماریں گے مریں گے۔

عاصم کا یہ دلیرانہ جواب سنکر مہمان کش جماعت بڑھی۔ دلیر مسلمانوں نے خطا کاروں کا تیروں سے جواب دیا۔ ترکش خالی ہوگئے۔ تو نیزوں سے لڑے۔ نیزے ٹوٹ گئے۔ تو تلواریں لیکر دشمن پر ٹوٹے۔ یہاں تک کہ سب کے سب مارے گئے۔ صرف دو آدمی خبیب بن عدی۔ اور زید بن الدثنہ جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے بچ گئے۔ اور اُن لوگوں نے مشرکین کی شرط ۸
امان قبول کرلی۔ پہاڑ سے نیچے اترے تو کفار نے اُنسے بھی نقض عہد کیا۔ اور اُن کو گرفتار کرکے مکہ میں لے آئے۔

سلافہ کے انعام کے لالچ سے لوگوں نے عاصم کا سر کاٹنا چاہا۔ لیکن قدرت خدا سے اُن کی لاش پر شہد کی مکھیوں کا اتنا ہجوم ہوگیا۔ کہ کسی کو اُن کے سر کاٹنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اسکے بعد بروایت روضۃ الاحباب ایک پہاڑی چشمہ کی سیل

آجانے سے اُن کی لاش اُس مقام سے بہہ گئی۔ اور پھر کہیں نہ ملی۔ اس طرح خدا کی قدرت نے اُنکی لاش کو ذلت وخواری سے بچا لیا

خبیب و زید پر کیا گذری حسب ذیل ملاحظہ ہو

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ خبیب اور زید کو گرفتار کرکے مکہ میں لے گئے۔ اور وہاں پہونچکر دونوں بزرگوں کو کھڑے بازار بیچ ڈالا۔ خبیب کو حارث بن عامر کے لڑکوں نے خرید لیا۔ اس لیئے کہ خبیب نے جنگ اُحد میں اُنکے باپ حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ زید بن الدثنہ کو صفوان بن اُمیّہ نے قتل کی نیت خالص سے خرید لیا۔

خبیب بن عدی کی مصیبتناک سرگذشت

ہم ان دونوں فدایانِ اسلام میں سب سے پہلے خبیب بن عدی کی مصیبتناک سرگذشت ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ حارث کے تینوں بیٹوں نے خبیب کے قتل کئے جانے کے بڑے انتظام کیے۔ اس لیئے فراہمی سامان اور درستی انتظام تک اُنکو اپنے گھر میں قید رکھا۔ اُن کو گھر کے قیدخانہ میں چندروز گذر رہے تھے۔ کہ ایکدن یہ عامر کی نواسی کو گود میں لیئے گھر کے غلاموں کی طرح کھلا رہے تھے۔ اتفاق وقت سے اُن کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چھری تھی۔ لڑکی کی ماں اتفاقاً ادھر سے آنکلی۔ اُنکی گود میں لڑکی ہاتھ میں چھری دیکھکر خوف و اضطراب کے عالم میں زرد ہوگئی۔ خبیب اُسکے چہرے سے اُس کے محسوسات قلبی کو پہچان گئے۔ فوراً کہنے لگے۔ تم ہر طرح خاطر جمع رکھو۔ مسلمان ایسے بے درد نہیں ہیں۔ کہ معصوم کو بے گناہ قتل کر دینگے۔ یہ دینداران اسلام کا کام نہیں۔ بلکہ خونخوار بہائم کا۔ لڑکی کی ماں کو قدرے اطمینان تو ہوا۔ اُس نے لڑکی کو فوراً اُن کی گود سے لے لیا۔ پھر اُن کی باتوں کو حیلۃ الوقتی پر محمول کرکے اپنے بھائیوں سے سارا واقعہ کہدیا۔ وہ بھی باپ کے قاتل ہونیکی وجہ سے ڈر گئے۔ اور خبیب کو کچھ گھر ہی سے نہیں بلکہ حدود حرم سے باہر لے جاکر مقام تنعیم میں جاکر قید کر دیا۔

دو چار روز کے بعد تمام عمائد اور اکابر قریش اور دیگر قبائل کے اشراف و سردار کو دعوت دی گئی۔ اور یہ انبوہ کثیر غریب خبیب کا صلیب پر تماشہ دیکھنے کے لیئے بڑے شوق سے جمع ہوا۔ صفیر بلگرامی مرحوم ؎

تیغ وہ کھینچے ہوئے ہیں اپنے بیگانے ہیں جمع
آج مقتل میں ہمارا امتحاں ہونے کو ہے

خبیب کے لیئے سولی پہلے ہی سے تیار ہو چکی تھی۔ جب یہ کشاں کشاں صلیب تک لائے گئے۔ تو اُنھوں نے استقلال وپاداری سے کہا کہ ہمیں صرف دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ اجازت ملی۔ اُنہوں نے نماز پڑھ لی۔ نماز پڑھ کر کہا جی تو چاہتا تھا۔ کہ نماز آخر تجمیع خاطر کے ساتھ دیر تک پڑھوں۔ لیکن مجھے صرف یہ خیال آیا۔ کہ تم لوگ سمجھوگے۔ کہ موت کے خوف سے ڈرتا ہے۔ اس لیئے نماز میں دیر لگاتا ہے۔ یہ کہکر بکمال استقلال مرنے پر تیار ہوگئے۔ سولی پر چڑھ گئے۔ اور یہ اشعار زبان پر جاری کیے۔

وما ان ابالی حین اقتل مسلما	علی ای شق کان للہ مصرعی
جب میں اسلام کے لیئے قتل کیا جارہا ہوں تو	مجھ کو یہ پرواہ نہیں کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤنگا

وذلک فی ذات الالہ وان یشاء — یبارک علیٰ اوصال شلو ممزع

یہ جو کچھ خاص خدا کے لیئے ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو جسم — کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔

افسوس ہے شبلی صاحب نے اس کامل الایمان بزرگ کے صرف دو شعر لکھکر اپنی اختصار پسندی کی داد لینی چاہی ہے۔ حالانکہ اُن کی یہ نظم طویل ہے۔ اور منظر شہادت۔ ثبات ایمان وپاداری۔ استقلال فی الاسلام اور وفاداری کی پوری تفصیل ہے۔ ہم اُس کو رحمت العالمین بالتمامہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

لقد جمع الاحزاب حولی والبوا — قبائلھم واستجمعوا کل مجمع

انبوہ در انبوہ لوگ میرے گرداگرد جمع ہو گئے ہیں۔ — اور اُنہوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو بلالیا ہے

وکلھم مبدی العداوۃ جاھد — علیّ لانی فی وثاق بمضیع

سب کے سب میرے دشمن اور عداوت کا اظہار کرنے والے ہیں — اور میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں

وقد جمعوا ابناءھم ونساءھم — وقربت من جذع طویل ممنع

قبیلوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلا لیا ہے — اور مجھے ایک مضبوط اور طویل لکڑی میں باندھا ہے

وقد خیرونی الکفر والموت دونہ — وقد ھملت عینای من غیر مجزع

اُنہوں نے کہدیا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے آزادی ملسکتی ہے — اس کو تو موت میرے لیئے آسان تر ہے۔ میری آنکھوں سے لگاتار آنسو جاری ہیں مگر میں بے صبر نہیں ہوں

فلست بمبد للعدو تخشعا — ولاجزعا انی الی اللہ مرجعی

میں دشمن سے نہ عاجزی کرونگا۔ اور نہ چلاؤں گا — اس لیئے کہ میں جانتا ہوں میں خدا کی طرف جاتا ہوں

ومابی حذار الموت انی لمیت — ولکن حذاری جحم نار ملفع

موت سے مجھے ڈر اس لیئے نہیں ہے کہ میں تو مرجاؤنگا — لیکن میں تو لپٹ جانے والی آگ سے ڈرتا ہوں

فذا العرش صبرنی علی ما یراد بی — فقد بضعوا لحمی وقد یاس مطمعی

اُس عرش کے مالک نے کچھ خدمت مجھ سے لینی چاہی ہے — اور مجھے صبر کے لیئے فرمایا ہے۔ اب اُنہوں نے زد وکوب سے میرا تمام گوشت کوٹ ڈالا ہے۔ اور میری اُمید جاتی رہی ہے۔

الی اللہ اشکو غربتی ثم کربتی — وما ارصد الاحزاب لی عند مصرعی

میں اپنی بیکسی اور بیوطنی کی فریاد۔ اور دشمنوں کی — اُن آرزوں کی فریاد جو میری جان لینے کے بعد یہ کہتے ہیں خدا سے کرتا ہوں

فواللہ ما ارجو اذا مت مسلما — علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی

بخدا جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں۔ تو میں — یہ پرواہ نہیں کرتا۔ کہ میں کس پہلو پر گر کر جان دیتا ہوں

وذلک فی ذات الالہ وان یشاء — یبارک علیٰ اوصال شلو ممزع

خدا کی ذات سے اُمید لگی ہے اگر وہ چاہے	تو میرے ہر پارہ گوشت کو برکت عطا فرمائے

اِن اشعار کو پڑھکر اُس اہل وفا اور کامل الولائے بارگاہ خدا میں ہاتھ اُٹھا کر یوں دُعا کی۔

اَللّٰھُمَّ بلغنا رسالت رسولک فبینہ ما تصنع بنا	پروردگار ہم نے تیرے رسولؐ کی رسالت ادا کر دی

تو اپنے رسولؐ کو ہمارے حال سے آگاہ کر دے۔

دعا کے بعد یہ فدائی اسلام سولی پر کھڑا رہا۔ چالیس جوان نیزہ دار نیزوں کی نوکوں سے اُن کے بدن کو کونچنے لگے۔ اُن کی ہر ضرب پر انکا جسم زار ادھر سے ادھر ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ کامل الایمان ہر بار اپنا مُنہ کعبہ کی طرف پھیر کر فرماتا تھا۔

الحمد للہ الذی جعل وجھی نحو قبلۃ التی رضی لنفسہ ولنبیہ وللمؤمنین۔	اس خدا کا شکر ہے جس نے میرے مُنہ کو قبلہ کی طرف پھیر دیا ور میں اپنی ذات سے، اپنے نبیؐ سے اور مومنین سے راضی جاتا ہوں

اس اثنا میں ایک بیدرد نے ایسا نیزہ مارا۔ کہ پشت سے پار ہو گیا۔ اور مظلوم خبیب اقرار توحید و رسالت کرکے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

محدثین کا اتفاق ہے۔ کہ اُسی وقت سے یہ دستور ہو گیا۔ کہ مقتول قاتل سے دو رکعت نماز کی اجازت لیکر نماز پڑھ لیتا ہے۔ تو قتل کیا جاتا ہے۔ اس امر پر بھی تمام محدثین و مورخین کا اتفاق ہے۔ کہ خبیب بن عدی کے مرقومہ بالا اشعار و دعا نے حاضرین مقتل کے قلوب پر ایسا پرہیبت اثر پہونچایا۔ کہ وہ حواس باختہ ہو گئے اور تماشائیان قتل میں سے چند لوگوں کے حال روضۃ الاحباب سے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

معویہ ابن ابوسفیان گویدمن درآں واقعہ حاضر بودم پدرمن مرا برزمین نجوابانیدہ از خوف وہیبت دعائے وے ودرمیان عرب چناں شہرت داشت کہ چوں بر کسے دعائے بد کنند اگر مدعو علیہ بر زمین اضطجاع کند دعا را درحق وے اثرے نباشد۔	امیر معویہ کا بیان ہے کہ میں اس واقعہ میں موجود تھا اور میرے باپ ابوسفیان نے مجھے خبیب کی دعا کی ہیبت و خوف سے اوندھا زمین پر لٹا دیا تھا۔ کیونکہ عرب میں یہ مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کے حق میں دعائے بد کرے۔ تو جس پر دعائے بد کی جاتی ہے وہ شخص زمین پر اوندھا لیٹ جائے۔ تو دعا کا اثر جاتا رہتا ہے۔
از خویطب بن عبدالعزیٰ منقول است کہ گفت من ہر دو انگشت خود را در گوشہائے خود نہادم و از انجا بگریختم از ترس دعوت او۔ روضۃ الاحباب ص۔	خویطب بن عبدالعزیٰ کہتے ہیں۔ کہ خبیب کی ہیبت دعا سے میں نے اپنے کانوں میں اونگلیاں دے لیں۔ اور وہاں سے مارے خوف کے بھاگ آیا۔
حکیم بن حزام گفت من در پس درختے متواری ساختم از ہیبت دعائے او۔ روضۃ الاحباب۔	حکیم بن حزام کہتے ہیں۔ کہ میں اُن کی دعا کی ہیبت سے بھاگ کر اک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔

عمر بن الخطاب سعید بن عامر را در زمان خلافت خویش امیر حمص گردانیدہ بود او را گاہ گاہ غشی حاصل می شد عمر از وے پرسید کہ ترا اگر سودائی در بودگی ہست گفت یا امیر المومنین مرا سودا و در بودگی نیست ولیکن من در روز قتل خبیب حاضر بودم و دعا و را شنیدم ہر گاہ کہ بخاطرم خطور می کند بے خودی شوم

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں سعید بن عامر امیر حمص تھے انکو کبھی کبھی بیہوشی ہوجایا کرتی تھی۔ ایکبار حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا۔ کیا تمھیں جنون و بیہوشی کی بیماری ہے اُنھوں نے کہا یا امیر المومنین نہ مجھے جنون ہے۔ نہ بیہوشی کا مرض۔ بات یہ ہے کہ میں قتل خبیب کے موقع پر حاضر تھا جب میں اُس خوفناک منظر اور اُن کی دعا کو یاد کرتا ہوں بیخود ہوجایا کرتا ہوں۔ روضۃ الاحباب رحمۃ العالمین ص ۱۴۱،۱۳

زید بن الدثنہ کا عبرتناک قتل

زید بن الدثنہ کا قتل بھی تماشہ کی غرض سے منظر عام میں بڑی تیاریوں کے ساتھ عمل میں لایا گیا حاضرین میں ابوسفیان بھی تھے جب یہ اجل نصیب تلوار کے نیچے بیٹھ چکے۔ تو ابوسفیان تعریضاً زید سے پوچھنے لگا۔ کہو زید اگر اسوقت تمہاری جگہ محمد صلعم ہوتے۔ تو کیا تم اسکو اپنی بہت بڑی خوش قسمتی نہ سمجھتے؟ یہ کامل الولا فوراً بول اُٹھا۔ رب کعبہ میں تو اپنی جان کو اُس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا۔ کہ رسول اللہ صلعم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے۔ ان غریب کے قتل میں بھی ذلت کا ایک خاص شعبہ لگا دیا گیا۔ وہ یہ ہے کہ کسی قریش نے اُن کی گردن نہیں ماری۔ بلکہ صفوان بن اُمیّہ نے اپنے غلام نسطاس کو حکم دیا۔ اور اُس بے درد نے اُنکا سر قلم کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ طبری ص ۱۴۳۵

ان شہیدان راہ خدا کے حالات کو خاتمہ تک پہونچا کر اب ہم مہمان کش سفیان بن خالد کی محرومی قسمت کی کیفیت لکھتے ہیں۔

صاحب روضۃ الاحباب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں فدایان اسلام کے قتل کے بعد سفیان سلاقہ بنت سعد کے پاس سو اُونٹ کا سو عودہ انعام جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ لینے گیا۔ اُس عورت نے جواب دیا۔ کہ ہم سے عاصم کے سر لانے کا وعدہ تھا۔ جو ہمارے بیٹے کا قاتل تھا۔ تم تو اُن لوگوں کے سر لائے ہو جن میں سے کوئی بھی میرے بیٹے کا قاتل نہیں ہے اس بنا پر میں تمھیں کچھ نہیں دونگی۔ سفیان اپنا سا منہ لیکر واپس آیا۔ ص ۲۸۴

واقعہ بیر معونہ صفر ۴ھ ہجری

بیر معونہ کا واقعہ صفر ۴ھ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ مشرکین عضل و قارہ کی مکارانہ مفسدہ انگیزیوں کی طرح قبائل نجد عصیہ۔ رعل اور ذکوان بھی استیصال اسلام پر کمربستہ ہو گئے۔ تفصیل یہ ہے ابوالبراء کلابی جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔ کہ میری تمام قوم اسلام لانے کیلئے تیار ہے چند مبلغین اسلام ہمارے قبیلہ میں بھیجے جائیں کہ وہ اُن کو دین اسلام کے احکام و ارکان کی تعلیم دیں۔ قبیلہ کلاب اتنا بڑا تھا کہ علاقہ نجد تک پھیلا ہوا تھا۔ اور نجد کے قبائل عصیہ۔ رعل اور ذکوان سب اسکے زیر سایہ و زیر اثر تھے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسکی درخواست کے جواب میں فرمایا

انی اخشی علیھم اھل النجد | مجھکو مسلمانوں کی نسبت اہل نجد کی طرف سے خوف ہے۔

آنحضرت صلعم کا یہ جواب بے سبب نہیں تھا۔ قبائل نجد کے امیر عامر بن الطفیل نے ایک بار آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا تھا۔ کہ اگر آپ میرے شرائط کو قبول کرلیں۔ تو میں اسی وقت سے اسلام کا رفیق بن جاتا ہوں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ عرب کے جتنے صحرا و بادیہ ہیں اُن کی ملکیت خاص الخاص آپکے تعلق رہے۔ دوسری یہ کہ عرب میں جتنی بستیاں اور آبادیاں ہیں اُنکا مالک و متصرف میں بنایا جاؤں۔ تیسری یہ کہ آپ اپنے بعد مجھے اپنا قائم مقام مقرر کرجائیں اگر یہ شرائط منظور ہیں۔ تو میں خدمت و رفاقت کو حاضر ہوں۔ ورنہ قبیلہ غطفان کو لیکر مدینہ کا محاصرہ کرونگا اُسوقت آپ کو مشکل ہوجائے گی۔ آنحضرت صلعم نے اُسکے مجنونانہ اور مغرورانہ شرائط کو مسترد فرما دیا۔ اور قاصد کو واپس دیا۔ اُسوقت نجدیوں سے بھی خوف تھا۔

ابو البراء نے گذارش کی۔ آپ مطمئن رہیں میں جماعت مبلغین کی حفاظت جان کا ضامن ہوں۔ ابو البراء کی ضمانت قبول کرلی گئی۔ اور ستر انصار ساتھ کر دیئے گئے۔ چونکہ ابو البراء پر پورا اعتبار تھا۔ اور کسی مخالفت کا اندیشہ نہیں تھا۔ اور ضرورت بھی صرف تبلیغ و تعلیم دین کی تھی۔ اس لیئے موجودہ جماعت مبلغین میں کوئی بزرگ نبرد آزما اور جنگی خدمات کے قابل نہیں تھے۔ قریب قریب تمام بزرگوار صاحبان تقویٰ و عبادت تھے۔ اکثر صاحب صُفّہ تھے۔ جو بالکل درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

مبلغین دین کی یہ جماعت بیر معونہ پر پہونچکر مقیم ہوئی۔ اور حرام بن ملحان کو جناب رسول خدا صلعم کا کرامت نامہ دیکر قبائل کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے بھیجا عامر بن طفیل کو حرام نے جب نامۂ رسول دیا۔ تو عامر نے خط لیکر حرام کو قتل کرا دیا۔ اور قبائل عُصَیّہ۔ رِعل۔ اور ذکوان کو جمع کرکے مبلغین اسلام کی جماعت پر چڑھ آیا صحابہ مبلغین حرام کی واپسی کے منتظر بیٹھے تھے۔ جب اُمید سے زائد دیر ہوئی۔ تو یہ سب کے سب خود چلے۔ راستہ ہی میں تھے کہ فوج مخالف سے مقابلہ ہوگیا۔ وہ جنگجو جماعت آلات حرب و ضرب سے تیار تھی۔ اور ان فقرا اور صلحائے اسلام کے پاس سوائے مُصلا و عصا کے کچھ بھی نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب راہ خدا میں وہیں شہید کر دیئے گئے۔ صرف عمرو بن اُمیہ کو عامر نے یہ کہکر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مان لی ہے۔ اس لیئے میں تجھے چھوڑے دیتا ہوں۔ یہ کہکر اُن کے سر کے آگے والے بال کاٹ لیئے۔ اور نشان غلامی بنا کر چھوڑ دیا۔ عمرو بن اُمیہ بڑی مشکل سے دن کو چھپتے۔ راتوں کو چلتے چلتے مدینہ پہونچے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر بلا و مصیبت کی روداد عرض کردی۔ آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کا ایسا صدمہ ہوا۔ کہ ایسا غم والم آپ کو کبھی نہ ہوا تھا۔ مہینہ بھر کامل صبح کی نماز میں ان قبائل پر بد دعا فرماتے رہے۔

عمرو بن اُمیہ الضمیری نے رستہ میں دو آدمیوں کو بنی عامر کے قبیلہ سے سمجھکر قتل کر ڈالا تھا حالانکہ وہ عامر کے

قبیلے کے آدمی نہیں تھے۔ ان کا یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار ہوا۔ آپ نے دونوں مقتولین کی دیت اپنے پاس سے اُن کے ورثا کے پاس بھجوا دی۔ زرقانی جلد دوم ص ۸۰ طبری ص ۱۴۴۸۔

غزوۂ بنی نضیر

(ربیع الاولی ۴ھ ہجری)

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمرو بن اُمیہ الضمیری نے غلط فہمی سے دو آدمیوں کو جو بنی عامر کے قبیلے سے نہیں تھے۔ لیکن اُنکے علاقہ کے تھے۔ قتل کر ڈالا تھا۔ رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مبادرت ناگوار ہوئی تھی۔ اور آپ اُنکی دیت ادا ہونے پر فوراً آمادہ ہو گئے۔ چونکہ یہودان بنی نضیر بظاہر اُسوقت تک اسلام کے ساتھ شریک معاہدہ تھے۔ اس بنا پر دیت کا ایک حصہ اُنکے ذمہ بھی واجب الادا تھا۔ اسی کی وصولی کے لیئے آپ چند ممتاز ین صحابہ کو جن میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام۔ حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ زبیر بن العوام۔ سعد بن ابی وقاص۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ وغیرہم کے نام خصوصیت سے تبلائے جاتے ہیں۔ ہمراہ لیکر بنی نضیر کے محلہ میں جو مدینہ سے کل دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ تشریف لے گئے۔

بدر کے بعد ہی سے یہودیوں کے خیال میں اسلام کی طرف سے جو انقلاب عظیم پیدا ہوا تھا۔ وہ تمام اوپر بیان ہوتا آیا ہے۔ ایک تو اسلام کی طرف سے اُن کا فطرتی بغض و عناد۔ دوسری قریش سے ساز باز اور اتحاد۔ اُن کے رنگ و پے میں اسلام کے استیصال کے لیئے اشتعال دے رہا تھا۔ ان اسباب کے علاوہ۔ اُن کا انتہا درجہ کا تمول۔ کثرت سے مال و دولت۔ فروغ یافتہ تجارت۔ عالمگیر کاروبار۔ بڑے بڑے مضبوط اور سنگین قلعے۔ ضرورت سے زائد اسلحے و آلات جنگ۔ ان سب کے ساتھ فوج کی فوج حشم وخدم۔ نوکر چاکر ہر دم موجود اور اُن کے پیش نظر تھے اتنی ذی اقتداری اور خود اختیاری کی حالت شباب میں پھر وہ کس کی سننے والے تھے۔ ان تمام اسباب نے اُنکے دماغوں میں نخوت و غرور کی یہ کیفیت پہونچا رکھی تھی۔ کہ وہ اپنے آگے بڑے بڑے ملوک و سرداران عرب کی کوئی ہستی نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن باایں ہمہ ساز و سامان۔ ان سے مقابلہ و مقاتلہ کے معاملات تبلا رہے ہیں۔ کہ یہ مُنہ کے کڑے تھے۔ مگر دل کے بڑے بودے۔ تن و توش کے بھاری۔ طبیعت کے بالکل ہلکے۔ جوڑ توڑ۔ ساز باز اور مکر و دغا سے پُر تھے۔ مگر شجاعت و دلیری سے علی الاکثر خالی تھے۔

قتل رسولؐ کی مکارانہ ترکیب

چنانچہ اس موقع پر بھی جراءت و ہمت پر تو کلیجہ نہ کر سکے۔ کرنے بھی چلے تو وہی مکاری۔ دغابازی اور غداری۔ تفصیل یہ ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے محلہ میں آئے تو ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھکر یہودیوں سے ادائے دیت کے

متعلق گفتگو فرمانے لگے۔ یہودیوں کے تمام عمائد و اکابر سلام ابن مشکم۔ سلام بن ابی الحقیق[۵۱]۔ کنانہ بن ربیع۔ اور حیی بن اخطب وغیرہ سب موجود تھے۔ آپ کی تجویز کی نسبت یہ مکارانہ رضامندی اور اتفاق کا اظہار بھی کر رہے تھے۔ اور ادھر عیاری اور مکاری کی چھپی چھپی چشمکیں بھی چل رہی تھیں اور مخفی طور پر اس پر اتفاق کر لیا گیا تھا۔ کہ اب اس سے بہتر موقع ہاتھ نہ آئیگا۔ ہم میں سے ایک آدمی مکان کی چھت پر جاکر ایک بڑا بھاری پتھر آپ کے سر پر چپکے سے گرا دے۔ سب قصہ تمام ہے پہلے اس تجویز میں کچھ اختلاف ہوا۔ لیکن پھر فوراً اتفاق بھی ہوگیا۔ اور عمر بن حجاش تعمیل کے لیے پتھر لیکر مکان کی چھت پر چڑھ بھی گیا اُدھر حافظ حقیقی نے خبر کر دی۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً قضائے حاجت کی ضرورت بیان فرماکر وہاں سے اُٹھے۔ اور برائے راست مدینہ چلے آئے۔ صحابہ کو وہیں چھوڑ دیا۔ ان حضرات کو سوائے اسکے کہ رسول اللہ صلعم قضائے حاجت کی ضرورت سے گئے ہیں۔ فوراً چلے آئیں گے۔ اور کیا معلوم تھا۔ چنانچہ یہ حضرات دیر تک آپکی واپسی کا انتظار کرتے رہے جب انتظار انتشار کی حدتک پہونچ گیا۔ تو یہ لوگ بھی مدینہ کی طرف لوٹے۔ راستہ میں ایک آدمی سے آنحضرت صلعم کی خبر پوچھی۔ تو اُسنے بیان کیا۔ کہ میں آپ کو ابھی ابھی مدینہ میں دیکھتا چلا آتا ہوں۔ یہ سنکر سب مطمئن ہوگئے۔ مدینہ پہونچے اور خدمت رسولؐ میں حاضر ہوکر دریافت کیا۔ تو حقیقت معلوم ہوئی۔ چنانچہ تفسیر مجاہد وغیرہ سے آیہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ	اے ایمان والو۔ یاد کرو خدا کی نعمت کو۔ اُس دن جبکہ ایک قوم نے تم پر دست (غداری) بڑھانے چاہے تھے۔ تا آخر آیہ (روضۃ الاحباب)

میں اسی طرف اشارت فرمائی گئی ہے۔ یہودیوں کی یہ غداری اگر چل جاتی۔ تو کیا قیامت ہوتی۔ ابھی وقت اسلام کا خاتمہ تھا۔ یہی واقعہ بنو نضیر کی اہمیت جرم کے ثبوت میں کافی ہے۔

بنی نضیر کا محاصرہ

جناب رسولخدا صلعم نے صحابہ کو بھی بخیر و عافیت واپس آتے ہوئے دیکھ لیا۔ تو آپ بنی نضیر کی تنبیہ کیطرف سے ایک لحظہ کے لیے بھی توقف کو مصلحت نہ سمجھا۔ محمد بن مسلمہ کی معرفت اُن کے پاس بیک لفظ کہلا بھیجا۔ کہ تم لوگ اپنے اس مکارانہ اور غدارانہ قصد و حرکات کی یاداش میں ایک بار جوار مدینہ کو چھوڑ دو۔ اور چلے جاؤ۔

ادھر یہ پیام گیا ادھر رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی سلول نے جو ہر وقت پہلو کا دشمن تھا۔ اپنا آدمی بھیجکر بنو نضیر سے کہلا بھیجا کہ تم ہرگز جلاوطن ہونے پر راضی نہ ہونا۔ ہم دو ہزار آدمیوں کی جماعت سے تمہاری حمایت پر تیار بیٹھے ہیں اور یہودان بنی قریظہ بھی تمہاری استمداد و استعانت کو فوراً پہنچ جائیں گے۔ قرآن مجید میں اس منافق کی فتنہ انگیزی کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

---

۵۱ سلام ابن ابی الحقیق جسکی کنیت ابو رافع تھی۔ وہ سنہ ۳ ہجری میں قتل ہوچکا تھا جیساکہ زرقانی باسناد علامہ ابن حجر کے حوالہ سے اُوپر بیان ہوچکا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سلام بھی بن ابی الحقیق کوئی دوسرا یہودی ہو۔ اگر یہ نہیں ثابت ہے۔ تو پھر اس اختلاف کا باعث وہی علماء کا اختلاف بیان ہے جو سلام ابن ابی الحقیق کے واقعہ قتل کو واقعہ بنی نضیر کے بعد بتلاتے ہیں لیکن اس سے صحیح بخاری کی تکذیب ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو روضۃ الاحباب ص ۳۵۱

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ۔	تم نے دیکھا منافق اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم نکلو گے۔ تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ اور ہم تمہارے باب میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے اگر کوئی تم سے لڑا تو ہم تمہاری مدد کو آئیں گے۔

عبداللہ بن ابی کی اس بھڑکی نے بنی نضیر کے غرور و نخوت کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ محمد بن سلمہ وہیں موجود تھے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان کا ابھی کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ یہودیوں میں ابھی تک کھچڑی پک رہی تھی۔ کیا جواب دیا جائے۔ اس اثنا میں عبداللہ بن ابی کا پیام سنکر یہودی بکلے سب پھر تن گئے۔ حی بن اخطب رئیس بنو نضیر نے محمد بن سلمہ سفیر اسلام سے کہدیا کہ جا کر محمد (صلعم) سے کہدو۔ ہم اپنے مقام سے کہیں جنبش نہیں کرنے والے۔ اُن کے جو جی میں آوے۔ وہ کریں۔ دیکھا جائے گا۔

محمد بن سلمہ نے واپس آکر یہودیوں کا یہ مغرورانہ جواب خدمت رسول صلعم میں عرض کر دیا۔ اور اُنکے محاصرہ کا حکم فرمایا۔ ان اسباب کے ساتھ شبلی صاحب نے سنن ابوداؤد کے حوالے سے ان واقعات کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ آپکی عبارت داخلی یہ ہے اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ قریش نے بنی نضیر سے کہلا بھیجا تھا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل کر دو۔ ورنہ ہم خود آکر تمہارا بھی استیصال کر دینگے۔ بنو نضیر پہلے ہی سے اسلام کے دشمن تھے۔ قریش کے پیام نے اُن کو اور زیادہ آمادہ کر دیا بنو نضیر نے آنحضرت صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمیوں کو لیکر آئیں۔ ہم بھی اپنے احبار لیکر آئینگے اگر ہمارے احبار (علمائے یہود) آپ کی تصدیق کریں گے۔ تو ہم کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے۔ آپنے کہلا بھیجا کہ جب تک ایک معاہدہ نہ لکھدو میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپ یہود ان بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اُن سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی۔ اُنہوں نے تعمیل کی۔ بنو نضیر کے پیے یہ نظیر موجود تھی۔ کہ اُنکے برادران دینی نے معاہدہ لکھدیا ہے۔ لیکن وہ کسی طرح معاہدہ لکھنے پر راضی نہ ہوئے۔ بالآخر اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس پیام بھیجا۔ کہ آپ تین آدمی لیکر آئیں۔ ہم بھی تین آدمی لیکر آتے ہیں۔ یہ علماء اگر آپ پر ایمان لائیں گے۔ تو ہم بھی لائیں گے۔ آپنے منظور فرمایا۔ لیکن راہ میں آپ کو ایک صحیح ذریعہ سے یہ خبر معلوم ہوئی کہ یہود تلواریں باندھ کر آمادہ ہیں کہ جب آپ تشریف لائیں۔ تو آپ کو قتل کر دیں۔ سیرۃ النبی ص ۳۰۰۔

شبلی صاحب نے انہیں واقعات کو اصلی سبب قرار دے کر اپنا مختار بنایا ہے۔ چنانچہ فوٹ نوٹ میں یہ عبارت تحریر فرمائی ہے۔

یہ تفصیل سنن ابوداؤد میں ہے۔ تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابوداؤد کی اس روایت سے بالکل بے خبر ہیں۔ پھر حاشیہ نمبر (۲) کی یہ عبارت فتح الباری۔ واقعہ غزوہ بنی نضیر جلد سابع صفحہ ۲۵۵ میں یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ بنو نضیر نے آنحضرت صلعم کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا۔ بخاری میں

ترجمۃ الباب یہ ہے۔ باب حدیث بنی النضیر و مخرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فی دیۃ الرجلین وما ارادوا من الغدر برسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حقیقت حال کی طرف جب تحقیق کی جاتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نصرف ارباب حدیث پر اعتبار کرکے اپنا یہ مختار قائم کیا ہے۔ اور جس روایت کو معاملات بنی نضیر کا اصلی سبب قرار دیا ہے۔ وہ خود ارباب سیرت کیا اصحاب حدیث کے نزدیک بھی ثابت نہیں۔ افسوس ہے کہ فتح الباری کی عبارت پر غور کی نظر نہیں کی گئی۔ اور نہ اُسکی پوری عبارت لکھی گئی۔ اُس میں تلاش نہیں کی گئی۔ ورنہ اسکی صحت و اعتبار کی حقیقت کا اُسی وقت پورا انکشاف ہوجاتا۔ تعجب تو یہ ہے۔ کہ زرقانی جو ہر وقت پیش نظر ہے۔ اُس میں بھی اُس کی قرار واقعی تلاش نہیں کی گئی۔ ورنہ یہ غلط فہمی واقع نہ ہوتی۔

زرقانی جلد دوم ص ۹۲ میں اسباب واقعات بنی نضیر کے متعلق ابن حجر صاحب فتح الباری کا یہ قول مرقوم ہے۔

واذا ثبت ان سبب جلاء بنی النضیر ھمھم بالفتك به وھو انما وقع عند ماجاء الیھم یستعین فی دیۃ قتلی عمر	جلاء بنی نضیر کا سبب وہی ثابت ہے۔ جو بیان کیا گیا ہے کہ بنی نضیر نے آنحضرت صلعم کے ساتھ دغا کا ارادہ کیا تھا جب آپ اُن کے کشتگان عمر کی وصولی دیت کے خواستگار ہوئے تھے۔

اسکے بعد آپنے جس عبارت فتح الباری سے اسکی صحت ثابت کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ ابن مردویہ کی روایت لکھکر ابن حجر لکھتے ہیں

وفی ھذا رد علی زعم ابن التین انه لیس فی ھذه القصۃ حدیث باسناد - فھذا اقوی مما ذکر ابن اسحاق ان سبب غزوہ بنی نضیر طلبه صلی اللہ علیه وآله وسلم ان یعینوه فی دیۃ الرجلین لکن وافقه جل اهل المغازی - زرقانی ص ۹۴	اس روایت میں علاوہ ابن التین کی رد ہے جنکا یہ زعم ہو کہ بنی نضیر کے قصہ میں (سوائے دیت کے واقعہ کے) اور کوئی حدیث نہیں ہے اور یہ قوی ہے اُس سے۔ جو ابن اسحاق نے جلاء بنی نضیر کے سبب میں لکھی ہے۔ کہ غزوہ بنی نضیر کا سبب دونوں مقتولین کی دیت تھی۔ لیکن (اسکو کیا کیاجائے گا) کہ اسی حدیث پر تمام اکابر اہل مغازی کا اتفاق ہو چکا ہے۔

یہی حال ہے صحیح بخاری کی سند کا شبلی صاحب عبارت عنوان میں عذر کا لفظ دیکھکر اپنے دعوے کی تصدیق فرماتے ہیں حالانکہ دیت رجلین کے صاف الفاظ موجود ہیں۔ یہ بتلاتے ہیں کہ سبب اصلی وہی رجلین کا معاملہ ہے۔ اور لفظ عذر سے بھی وہی پتھر گرا کر مار ڈالنے والی غداری مقصود ہے۔ نہ آپکے مرقومہ اسباب و مناظرہ و کلام اور حملات بالسیف جسکو آپ سنن ابو داؤد کے حوالے سے لکھکر ارباب سیر و تاریخ کو چیلنج دے رہے ہیں۔ بخاری کا ایک لفظ بھی آپ کے دعوے کا مؤید نہیں ہے۔ بلکہ صریح مخالف ہے۔

بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو شبلی صاحب کے غلط مختار اور تحکمانہ اصرار سے ہمارے سلسلہ بیان میں خواہ مخواہ حائل ہوگیا ہم مجبور ہیں شبلی صاحب علی الاکثر اپنے مختارات اور اجتہادات سے دوسروں کو مرعوب بنالینا چاہتے ہیں۔ جو حقیقت

کے صریح مخالف ثابت ہوتا ہے۔ اس بنا پر اُن کا انکشاف ضروری ہو جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت سے عدم فہمی رہجائے گی

ہم اس بحث کو تمام کرکے اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

یہانتک بیان ہو چکا ہے۔ کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرۂ بنی نضیر کا اعلان فرما دیا۔ فدائیان اسلام لبیک گویاں تیار ہو گئے۔ سلاحیں پہنکر ہتیار لگاکر خدمت رسول صلعم میں حاضر ہو گئے۔ آنحضرت صلعم نے جائزہ فوج لیکر علم فوج حضرت علی مرتضٰے علیہ السّلام کو عنایت فرمایا۔ اور محلہ بنی نضیر کی طرف جمعیت اسلامی کے ہمراہ روانہ ہوئے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ بنی نضیر کی آبادی مدینہ سے کل دو میل کے فاصلہ پر تھی۔ دم کے دم میں فوج اسلامی نے پہونچکر اُن کے تمام محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہودیوں کے اتنے کلیجے کہاں تھے۔ کہ میدان پکڑ کر فوج اسلام سے مقابل ہوں۔ سب کے سب قلعہ بند ہو کر عبداللہ بن ابی کی دو ہزار والی جمعیت موعودہ کا انتظار کرنے لگے۔ اور اسی کے ساتھ بنی قریظہ کی کمک کی بھی اُمید لگائے رہے۔ پندرہ روز اسی انتظار میں گذر گئے۔ اور کوئی کہیں سے نہ آیا۔ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ کہ عبداللہ بن ابی مسلمانوں کے سامنے نہ آسکا۔ اس لیئے کہ اگر وہ آجاتا۔ تو پھر خود اُسکے نفاق کا راز سربستہ کھل جاتا۔ اور اُسکے اظہار کفر کے چشم دید واقعہ کو دیکھکر مسلمان کیا۔ خود اُس کے قبیلہ والے دیندار انصار۔ اُسکو قتل کرڈالتے۔ لیکن اُسکا کام تھا۔ زبانی طمطراق۔ سازباز اور فساد و نفاق۔ وہ اُس نے کر دکھایا۔

باقی رہے بنو قریظہ۔ اُنکی یہ حالت تھی۔ کہ وہ بنی نضیر کے ہم قوم و ہم مذہب تو ضرور تھے۔ لیکن دو روز پیشتر اسلام سے معاہدۂ صلح کی تجدید کر چکے تھے۔ اُس سے خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے۔ اس لیئے وہ بھی مجبور تھے۔ اب یہودیوں کی محرومی کی حد نہ تھی۔

بنو نضیر اور شبخون کا ارادہ

ہر طرف سے مایوس ہو کر اب بنو نضیر کے پاس سوائے مکاری اور غداری کے کچھ اور نہ تھا۔ اور اس میں یہ بہت مشاق تھے۔ محدث دہلی اور صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ حی ابن اخطب سردار یہود نے اپنے فطرتی بزدلی تقاضہ سے لشکر اسلامی پر شب خون کی تدبیر نکالی۔ اور خود تو جرأت نہ کر سکا۔ عروہ بن انیس ایک شریر النفس یہود کو اس مہم پر تعینات کر دیا۔ دریافت احوال کی غرض سے خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر پھینکے۔ مسلمانوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور خموش رہ گئے۔ اُنکی خموشی اُن کی غفلت کی علامت سمجھی گئی۔ دوسرے دن یہودی قوی دل ہو کر شب خون پر بالکل آمادہ ہو گئے۔

شام ہوئی تو حسب المعمول صحابہ نماز مغرب پڑھ کر خدمت رسولؐ میں بیٹھ گئے۔ خلاف معمول حضرت علی علیہ السّلام کو نہ پایا۔ کچھ دیر تک انتظار کیا۔ وہ نہ آئے۔ تو چونکہ دشمن کی طرف سے ہر وقت اندیشہ تھا۔ اس لیئے صحابہ کو اُنکی طرف سے تشویش ہوئی۔ بالآخر آنحضرت صلعم سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اُن کے لیئے تردد نہ کرو۔ اُن کی غیر حاضری

مصلحت سے خالی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودیوں کے ان سکارانہ قصد و ارادہ کی خبر لگ گئی تھی۔ اور آپ حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام کو اس کے تدارک کیلئے مقرر فرما چکے تھے۔ اس بنا پر حضرت علی علیہ السلام شام ہوتی ہی دشمن کی غداریوں کے سراغ میں مصروف تھے۔ اور اُن کے آنے والے راستہ میں جا بیٹھے تھے۔ اُنکی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ یہانتک کہ تین ثلث رات گذر گئی۔ کچھ رات رہے عزوہ بن انیس اپنے چند رفقا کے ساتھ آتا ہوا معلوم ہوا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے مقام سے جھپٹ کر اس پر حملہ کیا۔ اور اُسکو وہیں قتل کر دیا۔ اُسکے رفقا اُس کی اعانت کو پہونچے مگر اب کیا کر سکتے تھے۔ حضرت علیؑ کے شیرانہ حملوں سے اُن کے مُنہ بھی پھر گئے۔ اس اثنا میں شور و غل سنکر حضرت ابو دجانہ انصاری اور سہل ابن حنیف بھی پہونچ گئے۔ یہودی مجبور ہو کر بھاگ گئے ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام عزوہ کا سر لیکر خدمت رسول صلعم میں حاضر ہوئے۔ نماز صبح کے بعد آپ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ صلعم نے نظر مبارک اُٹھائی۔ تو سامنے علی مرتضےٰ علیہ السلام کھڑے تھے۔ اور پائے مُبارک کے قریب عزوہ بن انیس کا سر کٹا پڑا تھا۔ صحابہ سے ارشاد ہوا۔ کہ شام سے علیؑ اس کام میں تھے۔ ترجمہ مدارج النبوۃ جلد دوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۳۱۷۔ روضۃ الصفا جلد دوم۔ تاریخ الانبیا جلد دوم مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۱۵۔

محاصرہ کو جتنا طول ہوتا جاتا تھا۔ بنو نضیر کی مایوسی بڑھتی جاتی تھی۔ شب خون کی ناکامیابیوں نے اُنکی اُمیدوں کا اور بھی خون کر دیا۔ یہود ان بنی قینقاع کے نتیجے پیش نظر تھے۔ وہ اور دل ہلائے دیتے تھے۔ اصول جنگ و محاصرہ کے مطابق جتنا عرصہ ہوتا تھا۔ محصورین کی طرف سے وقوع جنگ کے قرائن قوی ہوتے جاتے تھے اس بنا پر آنحضرت صلعم نے مقابلہ کے احتمال سے قلعہ بنی نضیر کے سامنے والے نخلستان صاف کرا دیئے۔ تاکہ میدان صاف ہو جائے اور غنیم اُن سے کینگاہ کا فائدہ نہ اٹھائیں۔ خاصکر وہی درخت کٹوائے گئے تھے۔ جو محض معمولی اور جنگلی پھل لاتے تھے۔ اور جو عمدہ درخت تھے۔ وہ چھوڑ دیئے گئے تھے۔ قرآن مجید میں بھی اُسکا ذکر موجود ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ۔	تم نے لینہ کے جو درخت کٹوائے۔ اور جسقدر درخت قائم رہنے دیئے وہ سب خدا کے حکم سے ہے۔ تاکہ خدا فاسقوں کو رسوا اور خوار کرے

لینہ جنگلی کھجوروں کو کہتے ہیں۔ جو اہل عرب کی خورش میں نہیں ہے۔

بالآخر بنی نضیر کے لیئے اب کوئی چارہ نہیں رہا۔ تو انھوں نے صلح کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شرائط پر صلح منظور کر لی۔ کہ بنو نضیر مال و اسباب اونٹوں پر جتنا لیجا سکیں لے جائیں۔ اور مدینہ سے باہر نکل جائیں۔ یہود کو جانوں کی پڑی تھی۔ فوراً راضی ہو گئے۔ صلح نامہ لکھا گیا۔ اور سب نے دستخط کر دیئے۔

یہود کی مدینہ سے شاندار جلا وطنی | روسا بنی نضیر سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن الربیع۔ اور حی بن اخطب وغیرہ مدینہ سے

نکل کر خیبر چلے گئے۔ وہاں اُن کا اتنا اعزاز و اکرام کیا گیا کہ رئیس خیبر تسلیم کرلیئے گئے۔ اُنکی جلاوطنی اور خارج البلدی بڑی شاندار لکھی گئی ہے۔ چنانچہ شبلی صاحب طبری کی عبارت سے ترجمہ فرما کر لکھتے ہیں۔

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے تھے۔ لیکن اس شان سے نکلے تھے۔ کہ جشن (روان) کا دھوکا ہوتا تھا۔ اونٹوں پر سوار تھے ساتھ ساتھ باجا بجاجاتا تھا۔ مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گاتی جاتی تھیں۔ عروہ بن الورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا۔ اور وہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کی سواری کبھی اُن کی نظر سے نہیں گذری تھی۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۳۰۲۔

بنو نضیر جو لیجا سکے لیگئے۔ جو بچ گیا وہ خدا و رسول صلعم کا عین المال قرار پایا۔ غیر منقولات میں مکانات اور قلعہ جات تھے۔ جن میں اکثر کو وہ اپنے ہاتھوں سے مسمار کر گئے تھے۔ اور نخلستان اور قطعات آراضی تھے منقولات میں پچاس زرہیں۔ پچاس خود۔ اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔

قرآن مجید میں اسکا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

وہ خدا ہی تو تھا جس نے کفار اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ اور یہ اُن کی تقدیر کا پہلا حشر تھا۔ جس کیلئے نکالے گئے (مسلمانو) تمکو تو (وہم و) گمان بھی نہ تھا کہ (وہ اپنے گھروں سے) نکلیں گے۔ اور وہ اس خیال میں (مست) تھے۔ کہ اُنکے قلعے اُنکو (خدا کی) پکڑ سے بچا لینگے۔ تو جدھر سے اُن کو گمان بھی نہ تھا خدا کے لشکر نے اُن کو آلیا۔ اور اُن کے دلوں میں (مسلمانوں کی) دھاک ڈالدی کہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اُجاڑنے لگے۔ اُن کا یہ واقعہ صاحبان بصیرت کے لیئے باعث عبرت ہے۔

انصار کا مہاجرین کیساتھ بے مثال ایثار

تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے مدینہ میں آمد مہاجرین کے ذکر میں تو انصار کے محاسن سلوک رعایات۔ مدارات غرض تمام احسانات کا بالاختصار ذکر فرمایا ہے۔ اور اُسی کے ساتھ انصار کے اس عظیم الشان ایثار کا بھی درمیں اشارہ کر دیا ہے۔ خیر وہ تو عنوان تھا۔ اور تمہیدی بیان۔ اسمیں اُسکی تفصیل قبل از وقت کا نقص پیدا کر دیتی لیکن یہ مقام تو اس ایثار کا خاص تھا۔ یہاں کیوں نہ بیان کیا گیا۔ وجہ یہی ہے کہ انصار کی تفصیل خدمات کی طرف ابتداہی سے نظر توجہ بہت کم رہی ہے۔ تمہیداً اتنا عرض کرکے ہم اُسکی تفصیل کو ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

اوپر گذر چکا ہے کہ جس قدر جائداد منقولہ و غیر منقولہ بنی نضیر چھوڑ گئے تھے۔ وہ سب خدا اور رسولؐ کا عین المال تھا۔ قرآن مجید اس کا حکم صریح یوں ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ

(جو مال) اللہ اپنے رسولؐ کو ان بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوادے

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔

تو وہ) اللہ کا حق ہے اور رسولؐ کا اور رسولؐ کے قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور (بے توشہ) مسافروں کا (یہ حکم) اسلئے دیا گیا جو لوگ تم میں مالدار ہیں۔ یہ (مال) اُن ہی میں دائر نہ رہے (مسلمانو) جو چیز پیغمبر تمکو دے۔ وہ تو لے لیا کرو اور جسکے لینے سے تمکو منع کرے اس سے دست کش رہو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ خدا کی مار بڑی سخت ہے۔ (ترجمہ شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب ص ۸۷۲۔

پھر وجہ اختصاص خدا اور رسولؐ میں ارشاد ہوتا ہے

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ

جو مال خدا نے اپنے رسولؐ کو (بے لڑے) مفت دلوا دیا۔ تو مسلمانو تم نے اُسکے لیے کچھ دوڑ دھوپ تو کی نہیں (اور نہ اونٹوں سے مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے مسلط کردے۔

اب فے اور غنیمت میں یہ فرق ہے۔ تاریخ ابن ہشام میں ہے۔

مَا یُوجف علیہ المسلمون بالخیل والرکاب وفتح بالحرب۔ واَمّا ما یحصل بالحرب والقتال وھی غنیمۃ۔

جو مال مسلمانوں نے بغیر کوشش کئے اور جنگ وجدال بغیر اور لڑے فتح کئے بغیر حاصل کیا۔ وہ فے ہے۔ اور جو لڑائی سے ملا وہ غنیمت ہے

بہر حال اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے مہاجرین کے انصار کو کچھ نہیں دیا حقیقت یہ ہے کہ آپ کے عطا فرمانے پر بھی انصار نے کچھ نہ لیا۔ اور اپنے عدیم المثال ایثار کی یاد ابد الآباد تک قائم رہیگی ہم اُس کی پوری کیفیت مفصلۂ ذیل عبارت میں شرح زرقانی سے نقل کرتے ہیں۔

لما ھاجروا (المھاجرین) واٰخی بینھم صلعم فذھب کل انصاری بالمھاجری الذی واخی بینہ وبینہ صلعم الی منزلہ وکفاہ المؤنۃ سنخمر تنافسوا حتی اٰل امرھم الی قرعۃ فای انصاری تخرج القرعۃ باسمہ یذھب بالمھاجری فبلغت مواساتھم الغایۃ القصوی۔ فلم غنم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی النضیر دعا ثابت بن قیس بن شماس فقال ادع الی قومک قال ثابت الخزرج فقال صلی اللہ علیہ وآلہ

جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ میں آئے۔ اور جناب رسولخدا صلعم نے مہاجر و انصار میں اخوت قائم کردی۔ تو ہر ہر انصاری اُس مہاجر کو جو اُسکا بھائی تھا اپنے گھر لے گیا اور ہر طریقہ سے اُسکی کفالت کرتا رہا۔ پھر انصار نے آپس میں قرعہ ڈالا (غالباً اُن فقرائے مہاجرین کے لیے جو کسی کے بھائی نہ بنے تھے۔ یا جو واقعہ اخوت کے پیچھے آئے تھے) اور جس کے نام قرعہ نکلتا وہ اُسکو اپنے گھر لیجا کر اُسکی کفالت کرتا۔ اور یہ اُسکی مفرط درجہ کی محبت و شفقت تھی یہاں تک کہ اموال بنی نضیر آنحضرت صلعم کے قبضہ میں آئے تو آپ نے ثابت بن قیس کو بلا کر فرمایا کہ انصار کو بلا لاؤ۔ ثابت بولے کیا قبیلۂ خزرج کے انصار کو حاضر کروں۔ ارشاد ہوا

وسلم الانصار کلھا قد عاالاوس والخزرج فحمد اللہ واثنی علیہ بما ھو اھلہ ثم ذکر الانصار وما صنعوا بالمھاجرین وانزالھم ایاھم فی منازلھم واموالھم واثرھم علی انفسھم ثم قال ان احببتم اعطیتھم وخرجوا من دورکم فقال سعد بن عبادہ وسعد بن معاذ یارسول اللہ صلعم بل تقسم بین المھاجرین ویکونون فی دورنا کما کانوا وقالت الانصار وقسم ما افاء اللہ واعطی المھاجرین ولم یعط احد من الانصار وذکر البلاذری انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال للانصار لیست لاخوانکم من المھجرین اموال فان شئتم قسمت ھذہ واموالکم بینکم وبینھم جمیعا وان شئتم امسکتم اموالکم وقسمت ھذہ خاصۃ قالوا بل اقسم ھذہ فیھم واقسم لھم من اموالنا ماشئت فنزلت ویؤثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصۃ۔

نہیں تمام انصار کو بلا لاؤ۔ قیس نے اوس وخزرج دونوں قبیلوں کو اکٹھا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے۔ اور خطبہ میں حمد وثنائے الہٰی کما حقہٗ ادا کر کے قبیلہ انصار کے ان تمام احسانات وعنایات کو جو اُنہوں نے مہاجرین کے ساتھ اُنکی مہمان نوازی امداد مالی اور نصرت وحمایت کے متعلق کی تھی بتفصیل طور پر بیان فرمائی۔ پھر انصار کی طرف مخاطب ہو کر استفسار فرمایا۔ کہ اگر تم لوگ قبول کرو تو یہ تمام مال ہم تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیں۔ اور غریب مہاجرین جیطرح تمہارے اموال پر بسر کرتے ہیں۔ ویسے ہی گزران کریں۔ اور اگر تم پسند کرو۔ تو یہ سب مال اُنھیں کو دے دیا جاوے۔ اور آج سے تم اُن کی کفالت سے سبکدوش ہو جاؤ۔ یہ سنکر سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ دونوں قبائل انصار کے سردار اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلعم تمام مال اُنھیں کو دیدیا جاوے۔ اور یہ لوگ جس طرح سے ہمارے گھروں میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں رہنے دیئے جائیں۔ اپنے اپنے سردار قبیلہ کا حکم سنکر تمام انصار کہنے لگے۔ یارسول اللہ صلعم ہم راضی ہیں۔ اور ہم سب کو قبول اور منظور ہے۔ اُن کی آوازوں سے تمام مسجد گونج اُٹھی۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اس عدیم المثال ایثار کو سن کر کہنے لگے۔ پروردگارا تو قبائل انصار پر رحمت نازل کر۔ اس کے بعد آپ نے مال لے کر صرف مہاجرین پر تقسیم فرما دیا (تفصیل آگے آتی ہے) اور انصار میں سوائے ابودجانہ اور سہیل بن حنیف کے) کسی کو کچھ نہ دیا۔ علامہ بلاذری اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلعم نے انصار سے یوں ارشاد کیا۔ کہ تمہارے مہاجرین بھائیوں کے پاس کچھ مال نہیں ہے۔ اگر تم قبول کرو۔ تو میں تمہارے اور اُن کے دونوں حصوں کا مال اُنھیں کو دیدوں۔ اگر تم چاہو تو اپنے حصہ کا مال لے لو۔ اور میں اُنکا اُن کو دیدوں۔ انصار نے عرض کی اُن کا حصہ تو اُنھیں دیدیجئے۔ بلکہ ہمارے حصے بھی اُنھیں میں تقسیم فرما دیجئے۔ اسی واقعہ ایثار انصار کے متعلق یہ آیہ نازل ہوا

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسوں پر ترجیح دیکر (اپنے اور تنگی سہکر) اپنے بھائیوں پر اُن چیزوں کا جو اُن کی خاص ہوتی ہیں ایثار کر دیتے ہیں۔ زرقانی جلد دوم ص ۹۹ ہم

تفصیل تقسیم یہ تقسیم اس طرح فرمائی گئی۔ کہ جو زمین خراج پر پہلے سے بندوبست تھیں۔ وہ ویسی ہی قائم رکھی گئیں اُنکا خراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص فَے تھا۔ اور آپ اُسکو حکم خدا کے موافق اپنے اہل و عیال اپنے ذوالقربیٰ کے مصارف کے بعد۔ فقرا و محتاجین۔ مساکین۔ یتیمی اور مسافرین کے مصارف میں صرف فرماتے تھے۔ اور جو بچتا تھا۔ وہ تیاری لشکر اور فراہمی اسلحات وغیرہ میں صرف ہوتا تھا۔

نخلستان یہود اور مکانات مع اُنکے اسباب تعمیر وغیرہ۔ مہاجرین کو کلیۃً دیدیئے گئے۔ نخلستان کے متعلق اُنکی ملکیت و سقالیت پھلوں اور لکڑیوں تک محدود تھی۔ آراضی سے اُن کو کوئی واسطہ نہیں تھا۔ جیسا اوپر لکھا گیا ہے۔ حضرت ابودجانہ اور حضرت سہیل بن حنیف انصاری کو اُسمیں سے کچھ عطا فرمایا گیا۔ اسلیئے کہ یہ دونوں بزرگوار از حد تنگدست و نادار تھے تین سو چالیس تلواروں میں سے ایک تلوار جو ابن ابی الحقیق رئیس بنی نضیر کی خاص تھی۔ اور بہت مشہور تھی۔ خاص طور پر سعد بن معاذ کو عنایت ہوئی

علمائے سواد اعظم میں اختلاف ہے۔ کہ اموال بنی نضیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقم خمس نکالی تھی۔ یا نہیں امام اعظم ابوحنیفہ کوفی تو قطعی انکار کرتے ہیں۔ اور فَے میں خمس کو جائز نہیں جانتے لیکن امام شافعی اُن سے پورا اختلاف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اموال بنی نضیر سے رقم خمس نکالی گئی۔ اور فَے میں خمس کی ادائگی جائز ہے۔

زرقانی جلد دوم ص ۹۵۔ روضۃ الاحباب ص ۲۹۲۔

واقعات متفرقہ اسی سال تیسری شعبان کو حضرت خامس آل عبا۔ شہید کربلا جناب امام حسین علیہ السّلام کی ولادت ہوئی۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُم سلمہ سے عقد فرمایا۔

اسی سال حضرت علی مرتضیٰ کی والدۂ گرامی قدر حضرت فاطمہ بنت اسد نے رحلت فرمائی۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں ہے

حضرت فاطمہ بنت اسد کی رحلت عن انس بن مالک قال لما ماتت فاطمة بنت اسد بن هاشم ام علی فدخل علیها رسول الله صلی الله علیه واله وسلم وجلس عند راسها و قال رحمك الله یا امی کنت امی بعد امی تجوعین وتشبعنی وتعرین وتلبسنی وتمنعین نفسك طیب الطعام وتطعمنی وتریدین بذلك وجه الله والدار الاخرة وقال انس یغسلها فلما بلغ الماء الذی فیه الکافور اسکبه رسول الله صلی الله علیه واله وسلم بیداه و

انس بن مالک سے روایت ہے۔ کہ جب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم جناب علی مرتضیٰ کی مادر مہربان نے انتقال فرمایا۔ تو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنکی میت کے پاس گئے سرہانے بیٹھ گئے۔ اور فرمایا اے میری ماں خدا تجھ پر رحم کرے تو مری ماں تھی میری ماں کے بعد۔ تو آپ بھوکی رہتی تھی۔ اور مجھے کھلایا کرتی تھی تو آپ ننگی رہتی تھی اور مجھے پہنایا کرتی تھی۔ تو اپنی جان کو اچھے کھانے سے باز رکھتی تھی اور مجھے کھلاتی تھی۔ تو خاص خدا کیلئے اور آخرت کیلئے یہ حسن سلوک مجھ سے کرتی تھی

انس کہتے ہیں۔ کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنکے غسل کا حکم دیا جب اُس پانی کے غسل دینے کی نوبت پہونچی جس میں کافور ملا ہوا تھا۔ تو آپنے اپنے دست مبارک سے اُنپر پانی ڈالا۔ اور حضرت عمر۔ اسامہ بن زید اور

البسها قميصه وامر عمر او اسامة بن زيد وابو ايوب الانصاری يحفر قبرها فلما حفروا وبلغو الحد احفره سول الله صلی الله عليه وسلم بيده واخرج ترابه ثم اضطجع فيه وادخل فيه هو وابو بكر والعباس ثم دعا بهذا الدعاء اللهم اغفر لامی فاطمة بنت اسد والقنها حجتها ووسع عليها مدخلها بحق نبيك محمد والانبياء من قبلی انت ارحم الراحمين و روی عن ابن عباس نحو ذلك وزاد فقالوا ما رأينك صنعت باحد ما صنعت بهذه قال انه لم يكن بعد ابی طالب ابر منها البستها قميصی لتكتسی من حلل الجنة و اضطجعت فی قبرها ليهون عليها عذاب القبر وروی ايضا عن علی باختلاف يسير۔

منقول از اریح المطالب مطبوعہ لاہور جلد اول ص ۲۷۹

ابو ایوب انصاری نے ملکر قبر کھودی، جب قبر کھد کر لحد تک پہنچی، تو آپ نے اپنے دست مطہر سے قبر کھودنی شروع کر دی۔ اور اُسکی مٹی نکالی۔ پھر خود اُس میں لیٹ گئے۔ پھر اُن کو خود آپ نے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عباس نے قبر میں اُتارا۔ پھر آپ نے اُن کے لیے یہ دُعا کی۔ پروردگار میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما۔ اور اُسکی دلیل اُسکو تلقین فرما اور اُس پر اُسکی قبر کو کشادہ فرما۔ بطفیل اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیا علیہم السلام کے جو مجھ سے قبل گذرے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔ اُنہوں نے اتنا اضافہ اپنی روایت میں کیا ہے، کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اُنکے ساتھ جو معاملات کیئے۔ وہ آج تک کسی کے ساتھ بھی نہیں کئے تھے آپ نے ارشاد کیا۔ بعد حضرت ابی طالبؑ کے میرے ساتھ نیکی کرنیوالا ان سے بڑھکر کوئی نہیں تھا۔ میں نے اس لیے اپنا پیرہن اُن کو دیا کہ وہ جنت کی پوشاکیں پہنیں۔ اور اُن کی قبر میں اسلیئے لیٹ گیا کہ اُنپر عذاب قبر آسان ہوجاوے۔ جناب امیرؑ نے بھی اس روایت کو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۵ سنہ ہجری

(ذات الرقاع)

اوپر بیان ہو چکا ہے، کہ قریش کی کاوش اور یہود کی سازش نے مخالفت اسلام کو مکّہ سے لیکر مدینہ تک عرب کے تمام اقوام وقبائل کو اسلام کے استیصال پر آمادہ کر دیا تھا آئے گئے دن چھوٹے بڑے قبیلہ خود یا دو تین باخود ہا ملکر مدینہ پر فوج کشی کرنے پر مستعد ہوجایا کرتے تھے۔ ذات الرجیع۔ بیر معونہ وغیرہ وغیرہ سب اسی سلسلہ کی جزئیات ہیں۔ جو اپنے اپنے مقام پر اوپر بیان ہو چکے۔ محرم ۵ سنہ ہجری میں قبائل انمار وثعلبہ نے مدینہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا، فوجیں جمع کرنے لگے۔ مقابلہ کے سامان درست ہونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی۔ تو آپ چار سو صحابہ کے ساتھ موقع پر پہونچ گئے۔ تشریف آوری کی خبر پاتے ہی غنیم دلاوری بھول گئے۔ اور بزدل تنکر پہاڑوں پر بھاگ کر چھپ گئے۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع الخیر ایک ہفتہ کے بعد مدینہ میں واپس

آئے

غزوہ دومتہ الجندل

ربیع الاول ۵ھ ہجری

ایک مہینہ کے بعد ربیع الاول کے مہینہ میں دومتہ الجندل سے پھر ایک جمعیت کثیر کے جمع ہونے کی خبر آئی۔ اُن کا مقصد بھی وہی تھا۔ مدینہ پر چڑھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات سو مہاجرین و انصار کے ساتھ دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن لشکر اسلام کی آمد سے پہلے ہی مخالفین خائف ہوکر منتشر ہو چکے تھے۔ وہاں پہونچکر کسی کو بھی نہ پایا۔ اس لئے لشکر اسلام واپس آیا۔

غزوہ بنی المصطلق یا غزوہ بنی مریسیع

۲ شعبان ۵ھ ہجری

خزاعہ عرب کا مشہور، زور آور اور نامور قبیلہ تھا۔ زور آور اس لئے کہ اُن کی تعداد بہت کثیر تھی۔ نامور اس لئے کہ وہ قریش کی اصل شاخ تھے۔ جو عرب میں احمس کے لقب سے مشہور تھے۔ احمس کیا ہے؟ قریش نے اپنی قدامت۔ تولیت کعبہ۔ اور امارت کے اعزاز کے اعتبار پر اقوام عرب میں اپنا فرق امتیازی قائم کرنے کیلئے کچھ خصوصیات اختیار کر لیں تھیں۔ اس لئے ایام حج میں عام عرب کی طرح عرفات میں قیام کرنے کی جگہ قریش نے مزدلفہ میں۔ جو حدود حرم کے اندر داخل تھا۔ اپنے لئے قیام کرنا اختیار کر لیا۔ ایسے ہی خود اختیارانہ طریقہ سے اور بھی امتیازی خصوصیات قائم کر لیں تھیں انھیں خصوصیات کی بنا پر اپنا لقب خاص بھی احمس قرار دے لیا تھا۔ لیکن پھر ان کا یہ اعزاز چند دنوں کے بعد مرتبہ تخصیص سے اُتر کر حدود تعمیم تک پہونچ گیا۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہونچ گئی۔ کہ عام عرب میں جو ان خصوصیات کو اختیار کرنے لگے۔ وہ بھی احمس کہلانے لگے۔ اور قریش نے جس قبیلہ عرب سے قرابتداری اور رشتہ سندی قائم کی۔ وہ بھی احمس کہلانے لگا۔ قبیلہ خزاعہ بھی اسی جہت سے احمس مشہور تھا۔ خزاعہ ہی کی ایک شاخ بنو المصطلق کہلاتی تھی مدینہ سے ۹ میل پر بمقام مریسیع پر آباد تھی۔ اس قبیلہ کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا۔ اُس نے کچھ اپنی شریر الطبعی اور کچھ قریش۔ اپنے قرابت داروں کی تحریک سے مدینہ رسولؐ پر فوج کشی کی تیاری کر دی۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سامانوں کی خبر لگی۔ تو آپ نے ان کی تنبیہہ سے پہلے اس خبر کی تفتیش و تحقیق کی تجویز فرمائی۔ بریدہ بن خصیب انصاری کو پہلے دریافت حقیقت کی غرض سے بھیجا۔ اُنہوں نے واپس آکر تصدیق کی۔ دومتہ الجندل سے ربیع الاول کے آخر ماہ میں واپس آکر چار مہینے سے آپ مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ رجب کے مہینے سے بنی المصطلق کی مخالفت کی خبریں پہونچنے لگی تھیں۔ اس لئے ۲ شعبان کو آپ نے لشکر اسلام کے ساتھ مریسیع کی طرف کوچ فرمایا۔ لیکن یہاں پہونچکر بھی غنیم کی وہی صورت نمایاں ہوئی۔ جو اس سے پہلے دو مقاموں میں ظاہر ہو چکی تھی۔

حارث بن ابی ضرار اور دیگر اکابر و عمائد قبائل۔ فوج اسلامی کی آمد سنتے ہی پہاڑوں پر جا کر روپوش ہو گئے۔ اور ضعفائے قوم کو بے پشت و پناہ چھوڑ گئے۔ سرداروں سے اچھی جرأت و ہمت تو بے سر کے فوج والوں نے دکھلائی اور لشکر اسلام سے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔

اُن کی جرأت بیجا کو دیکھکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو ان لوگوں کے پاس بھیجکر کہلا بھیجا کہ تم لوگ کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرو تم سب کو امان ہے۔ لیکن وہ جاہل نہ مانے۔ اور اس فرمان رحمت کے مقابلہ میں مقابلت پر آمادہ ہوئے فوج اسلام پر تیر بارانی شروع کر دی۔ لیکن اسلام کے مبارزین نے جب جواب دینا شروع کیا تو یہ فوراً میدان سے بھاگ نکلے۔ ان کے دس آدمی مقتول ہوئے۔ چھ سو آدمی مقید ہوئے غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں دستیاب ہوئیں۔ ابن سعد جلد مغازی ص ۴۵۔

شبلی صاحب سے خاص غرض

یہ تو عام اہل سیرت و تاریخ کی اور خاصکر ابن سعد کی روایت ہے۔ لیکن صحیح بخاری و مسلم کی مرویات اس غزوہ کو ایسے قابل اعتراض طریقہ بیان سے نقل کیا ہے کہ بالآخر شبلی صاحب کو بھی مرویات صحیحین کی تنقید (خدا کی شان) صحیحین کی مرویات پر سیرت و تاریخ کی مرویات کو ترجیح دینے کی مجبوری ہوئی۔ چنانچہ سیرت النبیؐ میں تحریر ہے۔

یہ ابن سعد کی روایت ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو المصطلق پر اس حالت میں حملہ کیا۔ کہ وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے۔ اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ ابن سعد نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ لیکن لکھدیا ہے۔ کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی یہ روایت بھی اصول کی رو سے قابل حجت نہیں۔ کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہونچکر ختم ہو جاتا ہے۔ اور جنگ میں شریک ہونا ایک طرف نافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا۔ اس لیئے یہ روایت اصطلاح محدثین میں منقطع ہے۔ ص ۳۰۴۔

کیا شبلی صاحب اپنی اس عبارت تنقیدی کی تحریر کے بعد بھی اس غلط دعوے کے لکھنے پر جرأت کریں گے۔ جس کو وہ یوں دیباچہ میں لکھ چکے ہیں۔

حدیث میں ایسی مستند کتابیں موجود ہیں۔ جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں۔ جیسے بخاری و مسلم۔ دیباچہ حاشیہ ص ۵۔

ابن حجر نے تو تحکمانہ طریقہ پر صحیحین کی مرویات کو بمقابلہ سیرت و تاریخ کے ترجیح دینی چاہی تھی۔ اور تعلید اسلاف کے اصول کی تبعیت کرنی چاہی تھی۔ اور آپ نے بھی دیباچہ میں انہی اصول موضوعہ کو اپنا معیار مختار بنانے کا اقرار فرمایا تھا۔ لیکن یہاں پہونچکر آپ کو اُن اصول کی خود تنقید کرنی پڑی۔

آخر یہ کیوں؟ وہی معترضین یورپ کا خوف۔ وہ غفلت کی حالت میں بنی المصطلق پر حملہ کیئے جانے کا ذکر مرویات صحیحین میں دیکھکر آپ پر الٹ پڑیں گے۔ چونکہ یہ روایتیں سوء اتفاق سے صحیحین کے دونوں دفتروں میں موجود ہیں اسلیئے کوئی تاویل ممکن ہی نہیں تھی۔ سوائے اُس تحکمانہ اصول کے۔ جسکو ابن حجر نے اپنا مختار بنا رکھا تھا۔ آپ کو بھی لکھکر صحیحین کی فروگذاشت سے کف لسان کرنا چاہتا تھا۔ مگر آپ نے ان مرویات کے مقطوع الاسناد ہونے کی بحث نکالدی

اور نافع کی عدم شرکت کی بنا پر انکے غیر صحیح ہونیکا اعلان کر دیا۔ اگر آپ اب بھی اس اصول پر قایم رہیں۔ تو اُسکی ایسی کتنی مرویات صحیحین کی تردید اور اُن کے رواۃ غیر حاضرین موقع کی تکذیب کرنی پڑے گی۔ جن میں سے صرف چند مرویات کا ذکر ہم اپنے دیباچہ میں بھی کر رہے ہیں۔

کیا اس کے بعد بھی ہمارے شبلی صاحب کو صحاح کے ذخائر یا صرف صحیحین کے دفاتر میں منقطع الاسناد اور ناقابل اعتماد مرویات کے نقل و اندراج سے انکار ہو سکتا ہے؟ اگر ہو تو بدیہیات سے انکار ہو گا۔

ہم شبلی صاحب کی شان بیان سے مجبور ہیں۔ جکی درجہ خاص سے ہمارے سلسلۂ بیان میں یہ جملات معترضہ حائل ہو جاتے ہیں۔ اور ہم کو اُن کی حقیقت کا انکشاف ضروری ہو جاتا ہے۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔

عبداللہ بن ابی کی فتنہ انگیزی

غزوہ مریسیع باعتبار جنگ کے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا لیکن اسکے گردو پیش تاریخوں میں آکر قابل الذکر واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ جو اُس کی شہرت کے خاص باعث ہوئے ہیں۔

اس غزوہ میں حصول غنیمت کی خاص لالچ سے بہت سے منافقین بھی لشکر اسلامی کے ساتھ ہو گئے تھے اور بے غیرت عبداللہ بن ابی بھی اُن کے ساتھ تھا۔ جو غزوہ اُحد میں عین موقع سے اپنی جمعیت کے ساتھ واپس گیا۔ اُسکو اعانت تو منظور نہیں تھی شرارت اور فتنہ انگیزی ضرور مقصود تھی۔ چنانچہ محاصرہ مریسیع کے زمانہ میں ایک دن پانی لینے کی نسبت قبائل مہاجر و انصار میں حجت ہو گئی۔ بات بڑھ گئی۔ انصار نے یاللانصار کی صدا لگائی تمام انصار جمع ہو گئے۔ مہاجرین نے بھی ایسا ہی کیا۔ فوراً سب مہاجر جمع ہو گئے۔ اب فی مابین نزاع لفظی اتنی بڑھی کہ دست بقبضہ ہونے کی نوبت آگئی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تو ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتا تھا۔ مجمع میں کھڑا ہو گیا۔ اور قوم انصار کو غیرت دلانے والے لہجہ میں پکار کر کہا۔ یہ بلا تو تم نے خود اپنے سر لی ہے۔ تم ہی نے ان وطن آواروں کو بلا کر اور گھر میں بٹھلا کر آج اس قابل کر دیا۔ کہ اب وہی تم سے مساوات کے دعوے کرتے ہیں۔ اب بھی آنکھیں کھول لو۔ ہوشیار ہو جاؤ وقت ہاتھ سے ابھی تک نہیں گیا ہے تم نے اُن کی کفالت سے ہاتھ اُٹھائے۔ اور اُنہوں نے پیٹھ پھیری۔

اس تقریر نے اور آگ بھڑکا دی۔ خیریت ہوگئی کہ اس اثنا میں جانبین کے کچھ فہمیدہ اور سنجیدہ حضرات موقع پر پہونچ گئے۔ اور آتش فتنہ و فساد کو فوراً فرو کر دیا۔ اور تمام لوگ اپنے اپنے مقام پر واپس گئے۔

دربار رسالت میں جب اس واقعہ کا ذکر آیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اُس کے سننے سے رنج و ملال تو ضرور ہوا لیکن آپ نے بالکل سکوت و خاموشی اختیار فرمائی۔ حضرت عمر کہاں چپ رہجانے والے آدمی۔ فوراً غصہ سے بیتاب ہو گئے۔ یہی موقع آپ کے عتاب کے خاص ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنے لگے۔ کہ کسی سے کہدیجاو کہ اُس منافق کی گردن قلم کردے۔ ارشاد ہوا۔ اے عمر تم یہ مشہور کرانا چاہتے ہو۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اپنے ہمراہیوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔ صحیح بخاری باب غزوہ مریسیع ص ۷۲۸

حضرت عمرؓ کی اس مشورت پر عبداللہ بن ابی کے بیٹے کی ناراضی

اچھوں کے اچھے تو ہوتے ہی ہیں۔ مگر کبھی بروں کے بھی اچھے نکل آتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی جیسا دشمن اسلام تھا ظاہر ہے۔ لیکن اُسکا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا۔ اسلام کا بڑا جان نثار تھا۔ اور کامل دیندار، حضرت عمرؓ کی مشورے کی بناء پر منافقین نے یہ افواہ اڑادی۔ کہ دربار رسالت سے عبداللہ بن ابی سلول کے قتل کا حکم صادر ہونیوالا ہے۔ یہ سنکر عبداللہ (ابن عبداللہ بن ابی) خدمت رسولؐ میں حاضر ہوا۔ اور نہایت مخلصانہ اور عقیدتمندانہ طریقے سے عرض خدمت کرنیلگا۔ کہ علی العموم ہر شخص جانتا ہے۔ کہ میں اسلام کا صدق دلسے مطیع ہوں۔ فرمانبردار ہوں اور جاں نثار لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ تمام لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ باوجود کفر وضلالت کے میں اسوقت تک اپنے باپ کا تابعدار ہوں اور خدمتگذار، حالانکہ میں اُسکے طریق وملت سے بالکل بیزار ہوں۔ اگر حضور کی یہ مرضی ہو جیساکہ سنا جاتا ہے۔ تو باپ کے قتل کی خدمت مجھی کو دی جائے میں حکم خدا ورسولؐ کی متابعت میں بڑی خوشی سے خود قتل کر ڈالوں گا۔ اور اُسکی موت کی عزت کو بچالونگا اور اگر وہ کسی غیر سے قتل کرایا گیا۔ تو شاید میری غیرت میں اشتعال پیدا ہو جائے۔ اور میں باپ کے قاتل کو قتل کر دوں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا عبداللہ کیسی باتیں کرتے ہو۔ تم سے کس نے اُسکے قتل کی خبر کہی ہے کیسا قتل؟ میں تو قتل کی جگہ اُسپر خاص شفقت کرنیوالا ہوں۔ عبداللہ کو اطمینان ہو گیا۔ خدمت بابرکت سے واپس آئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وعدہ کو یوں پورا کیا کہ عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیئے اپنی خاص قمیص مبارک کا خلعت پہنایا۔ جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ کو پھر اس موقع پر حرارت آئی۔ اور نہ رہا گیا بقول شبلی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن پکڑ لیا۔ اور عرض کی یہ کیا کیا جاتا ہے۔ منافق کے مردے پر نماز پڑھائی جاتی ہے" لیکن شبلی صاحب لکھتے ہیں:"دریائے کرم کے بہاؤ کو کون روک سکتا ہے" لیکن ہمارا یہ قول ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ || خدا اپنی ودیعت رسالت کے مقام کا سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

حضرت عمرؓ اسرار رسالت کی حقیقت سمجھنے سے ابھی بہت دور تھے۔

حضرت جویریہ کا قصہ

حضرت جویریہ۔ بنی المصطلق کے سردار قوم۔ حارث بن ابی ضرار کی لڑکی تھیں۔ حسن وجمال میں مشہور تھیں۔ قید ہو کر آئیں۔ ثابت بن قیس صحابی کے حصہ میں پڑیں۔ جویریہ کو یہ تناسب نہایت ناموزوں معلوم ہوا۔ اور دستور عرب کے موافق اُنہوں نے مکاتبت کے قاعدے سے روپیہ دیکر ثابت سے اپنی خلاصی کرانی چاہی ثابت جب مکاتبت پر راضی ہوگئے۔ تو جویریہ کو روپیہ کی فکر ہوئی۔ پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ بیرونی امداد کی ضرورت ہوئی حفظ مراتب کی ضرورت اسقدر شدید تھی کہ اُس نے اس دست نگری کے اقدام پر جرأت دلائی۔ بیباکانہ قوم وقبیلہ ہر شخص سے طالب امداد ہوئیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر خواہان امداد ہوئیں۔ حضرت عائشہ موجود تھیں۔ بیان کرتی ہیں۔ کہ اُن کی صورت کی پاکیزگی دیکھکر میرے دل میں کراہیت سی ہوئی۔ کہ یہ کیوں آئیں میں یہ سمجھی۔ کہ ان کے حسن وجمال کا اثر قلب مبارک رسولؐ پر بھی ویسا ہی موثر ہو۔ جیسا مجھ پر ہوا ہے۔

شبلی صاحب کہتے ہیں کہ یقیناً یہ ابن اسحٰق کی ذاتی رائے ہے۔ لیکن ابن ہشام نے ابن اسحاق کا یہ قول ہم نے دیکھ لیا ہے سیاق عبارت سے ابن اسحاق کا خاص قول یا اُن کی ذاتی رائے ذرا بھی معلوم نہیں ہوتی۔ ص ۰ ۷ ۱۔

یہ فطرت نسوانی کا مقتضا ہے۔ اور اس سے اس صنف نازک کی برارت دشوار ہے

بہر حال جویریہ کی درخواست پر ارشاد ہوا۔ کہ اس سے بھی اچھی تجویز تمھیں بتلاؤں۔ اگر تم قبول کرو۔ جویریہ نے عرض کی بتلائی جائے۔ کیوں نہیں قبول کروں گی۔ ارشاد ہوا۔ میں تمہاری مکاتبت کا کل روپیہ ادا کر دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم مجھ سے عقد کر لو۔ جویریہ راضی ہو گئیں۔ روپیہ ادا کر دیا گیا۔ اور اُن سے عقد کر لیا گیا۔

یہ روایت ابن اسحاق کی ہے۔ مورخین میں ابن ہشام نے اور محدثین میں ابوداؤد صاحب سُنن نے اسی کو لکھا ہے لیکن شبلی صاحب امام سندہ کے اسناد سے ایک روایت لکھتے ہیں جو اس سے زیادہ واقعیت اور حقیقت پر مبنی ہے امام سندہ کی یہ روایت وہ حافظ ابن حجر کی فتح الباری سے نقل کرتے ہیں۔ جو صحت و اعتبار کے لحاظ سے بھی کامل العیار اور زیادہ قابل اعتبار ہے۔ وہ یہ ہے۔

اصل واقعہ ہے۔ کہ حضرت جویریہ کا باپ حارث (پھر وہی اُردو غلط ترکیب!) کی رئیس عرب تھا۔ حضرت جویریہ جب گرفتار ہو کر آئیں۔ تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور کہنے لگا کہ میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی۔ میری شان اس سے بالاتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بہتر ہو گا۔ کیا خود جویریہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ حارث نے جا کر جویریہ سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیری مرضی پر رکھا۔ دیکھنا مجھے رسوا نہ کرنا۔ اُنہوں نے کہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شادی کر لی یہ وہ حدیث ہے۔ جو حافظ حجر نے ابن سندہ سے نقل کی ہے۔ اور لکھتا ہے۔ کہ اسکی سند صحیح ہے۔ ابن سعد میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت بھی لکھی ہے۔ کہ حضرت جویریہ کے والد نے ان کا زرفدیہ ادا کر دیا۔ اور جب یہ آزاد ہو گئیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ سیرۃ النبی ج ص ۳۰۷

حضرت جویریہ سے نکاح فرما لینے کی یہ برکت ہوئی۔ کہ تمام مسلمانوں نے اسیران بنی المصطلق کو یہ کہکر آزاد کر دیا۔ کہ جس قبیلے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرابت قائم کی۔ ہم اُن کو اپنا خادم و مملوک بنانا ترک ادب سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ شاندار ایثار اُن کی عقیدت کا آج تک یادگار ہے

حضرت عائشہ پر غلط اتہام قصہ افک

حضرت عائشہ کے اُفک کا بھی یہی موقع ہے۔ جس کی طوالت کو اس موقع بیان سے مناسبت نہیں۔ وہ حضرت عائشہ کے خاص حالات میں بیان ہو گا۔ لیکن اتنا لکھ دینا ضروری ہے۔ کہ ان پر جو الزام لگایا گیا تھا۔ وہ بالکل غلط اور بے اصل نکلا۔

غزوہ خندق یا جنگ احزاب

(۲۳ ذیقعدہ ۵ھ ہجری)

واقعہ بدر ہی کے بعد سے مخالفت اسلام اور استیصال اہل اسلام کی تمام قبائل عرب میں جیسی جیسی سازشیں ہو رہی تھیں۔ اور واقعہ اُحد سے مدینہ پر حملہ آوریوں کی مختلف اقوام و قبائل میں جو جو تیاریاں زیر تجویز ہو رہی تھیں وہ انفرادی قالب بدلکر مجموعی ہیکہ میں جلوہ گر ہو گئیں۔ اور مختلف مقامات میں جلوہ آرا ہونے کی جگہ خاص مدینہ کی زمین پر ایک عظیم الشان اور طول طویل محاصرہ کی صورت میں واقع ہوئیں۔ جو اسلامی اور غیر اسلامی کتابوں میں آج تک غزوہ خندق یا جنگ کے احزاب کے نام سے مشہور ہے۔

جنگ احزاب اسلئے کہتے ہیں۔ کہ عرب کے تمام غیر مسلم قومیں اسلام کے استیصال کیلئے آمادہ ہو کر آئیں تھیں۔ غزوہ خندق اسوجہ سے مشہور ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر کفار سے مدافعانہ مقابلہ فرمایا تھا۔ جیساکہ سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

کفار عرب کی استیصال اسلام کیلئے یہ عظیم الشان سازش تھی۔ اور مشرکین قریش مکہ کی مقابلہ اسلام میں آخری کوشش اس عظیم الشان سازش میں قریش و یہود کے عناصر غالب تھے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ کہ اس مہتم بالشان سازش کے اصل مہتم وہی تھے۔ جنہوں نے صرف اسلام کی عام مخالفت اور استیصال پر عرب کے تمام قبائل و اقوام کی چوبیس ہزار جمعیت ایک مقام پر جمع کردی تھی۔ اس عظیم الشان سازش کی تفصیل یہ ہے۔

بنی نضیر کی جلاوطنی نے اُن کی قدیم ہستی کو یثرب کے علاقہ میں گویا فنا کر دیا تھا۔ اسکا انہیں جتنا قلق ہو گا۔ وہ بیان کا محتاج نہیں۔ ان غیر متحمل صدمات سے بیحد متاثر ہو کر رؤسا بنی نضیر۔ سلام ابن ابی الحقیق۔ حیی ابن اخطب اور کنانہ بن الربیع وغیرہ اکٹھا ہو کر مکہ میں ابو سفیان کے پاس آئے۔ اور درخواست کی۔ کہ اگر قریش استیصال اسلام میں ہمارے ہم دوش ہو جائیں۔ تو ابھی ہم اسلام کو مٹا دیں۔

ابو سفیان کے لئے اس سے بڑھ کر مژدہ جانفزا اور کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے فوراً قبول کر لیا۔ تمام عمائد قریش رفتہ رفتہ جمع ہو گئے۔ اور خانہ کعبہ میں بیٹھ کر عہد و قسم اور حلف و پیمان کے ساتھ فی مابین معاہدہ ہو گیا۔ مکہ سے اُٹھ کر رئیسان یہود و قبیلہ غطفان میں پہونچے۔ وہ بھی گویا تیار بیٹھے تھے۔ اُسپر ان لوگوں (یہودان بنی نضیر) کے اُس وعدے نے کہ اگر وہ اُن کے شریک ہو جائیں گے۔ تو علاقہ خیبر کا نصف خراج اُن کو برابر ملتا رہے گا۔ اور ابھی بنی غطفان کو مستعد کر دیا۔ غطفان جب اس سازش میں شریک ہو گئے۔ تو اُنہوں اپنے حلیف قبیلہ بنی اسد کو بھی اپنی طرف خود سمیٹ لیا۔ اور وہ اپنی جمعیت کے ساتھ آکر ان سے مل گئے۔

بنو سعد کا کثیر التعداد قبیلہ یہودیوں کا خاص حلیف تھا۔ یہودیوں نے اُنکو بھی بلاکر اپنے ساتھ لے لیا۔ یہود کی طرح قریش نے بھی اپنے متفرق اجزا کی شیرازہ بندی کرلی۔ قبیلہ بنو سلیم کے تمام لوگوں کو دعوت دیکر بلالیا۔ اور اپنی جمعیت میں ملالیا۔ اور اسی طرح مخالف اسلام کا یہ مجموعہ تیار کیا گیا۔ جسکی تعداد چوبیس ہزار سے بھی بڑھ گئی

بنی قریظہ سے سازش

اتنے کثیر سامان پر بھی اطمینان نہوا۔ تو بنی قریظہ سے ریشہ دوانیاں شروع کیں۔ بنی قریظہ اُس وقت تک غیر جانبدار تھے۔ اور ابھی چند دن پیشتر وہ اسلام کے ساتھ معاہدہ صلح میں داخل ہوچکے تھے۔ اس بنا پر وہ خلاف ورزی نہیں کرسکتے تھے۔ اس دشواری کے دفع کرنے کے لیے حی بن اخطب خود کعب بن اسد کے پاس گیا۔ جو قریظہ کا رئیس تھا۔ کعب نے پہلے تو اتنی احتیاط برتی۔ کہ حی بن اخطب کے ملنے سے بھی انکار کردیا۔ اور جب طوعاً و کرہاً ملا بھی۔ تو کہدیا۔ کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آج تک کوئی خلاف وعدگی یا نقض پیمانی نہیں مشاہدہ کی۔ ایسی حالت میں اپنی طرف سے بدعہدی نامردی ہے۔ آدمی کا شیطان آدمی ہوتا ہے۔ پھر حی ابن اخطب کی سحربیانی سے یہودیوں کی طرف سے موم اور مسلمانوں کی طرف سے پتھر ہوگیا۔ اور مخالفت اسلام پر تیار ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی قریظہ کی بدعہدی کی خبر لگی۔ تو آپ نے تحقیق احوال کی غرض سے سرداران انصار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو اُن کے پاس بھیجا۔ اور تاکید فرمادی۔ کہ اُنکے نقض عہد کی خبر لیکر بھی جب ہمارے پاس آنا۔ تو اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا۔ کہ کوئی سمجھے اور کوئی نہ سمجھے۔ اس لیے کہ قریظہ کی علیحدگی کی خبر پاکر فوج اسلامی میں انتشار نہ بڑھے۔ اور بے دلی نہ پیدا ہو۔

سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ۔ جب کعب بن اسد کے پاس پہونچے تو اُسکے تیور بدلے ہوئے تھے۔ اسلام کی طرف سے گویا بھرا بیٹھا ہوا تھا۔ اور مخالفت کے جنون میں وارفتہ ہورہا تھا۔ ان لوگوں کے ذرا سے استفسار پر فوراً برس پڑا اور کھلے کھلے الفاظ میں کہنے لگا۔ ہم نہیں جانتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون ہیں۔ اور اُن کا معاہدہ کیا چیز ہے

دربار رسالت کے دونوں ایلچی اُسکا جواب صاف سنکر واپس آئے۔ اور بڑے حزم و احتیاط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقت حال عرض کردی۔

بنی قریظہ جیسا کہ بیان ہوچکا ہے۔ اپنی کثیر التعداد جمعیت سے مل گئے۔ تو اب گویا تمام عرب کے چوبیس[۲۴] ہزار سے زیادہ جمعیت کا متحدہ لشکر سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا۔ اور عالمگیر سیلاب کی طرح چشم زدن میں مدینہ طیبہ کے چاروں طرف دور دور تک پھیل گیا۔ اسکی آمد سے سارا شہر دہل گیا۔ قرآن مجید میں اسکا یوں ذکر آیا ہے۔

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ	جبکہ دشمن اوپر کی طرف سے اور نشیب کی طرف سے آپڑے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں۔ اور کلیجہ منہ کو لگ گئے۔ اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت

وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (سورہ احزاب) | آگیا۔ اور وہ سب کے سب زور زور سے لرزنے لگے۔

لرزنے کی بات ہی تھی۔ مسلمانوں میں سب ہی تو شیر دل اور قوی ہمت نہیں تھے۔ وقت ہی ایسا تھا۔ موجودہ حالات بھی ایسے ہی تھے۔ جو اضطراب قلبی کو بڑھا رہے تھے۔ مٹھی بھر مسلمانوں پر سارا رعب ٹوٹ پڑا تھا۔ تمام معین و مددگار حمایت و استعانت سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اور چوبیس ہزار سے زائد جمعیت والی فوج گراں کا مقابلہ تھا مگر پہلی تیاریوں میں نہیں۔ تو اب کی بار خود مسلمانوں کی نگاہوں میں استیصال کے خطرے دکھلائی دے رہے تھے لیکن ہر شخص

وَاللّٰہُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ | اللہ جو چاہے گا۔ کرے گا۔ وہی سب چیزوں پر قادر ہے۔

پر تکیہ کر کے خموش تھا۔

قریش کا لشکر عظیم تین حصوں پر منقسم تھا۔ قبیلہ غطفان۔ عینیہ بن حصین فرازی کے ماتحت رکھا گیا۔ جو قبیلہ غطفان میں بنو اسد وغیرہ کا رئیس تھا۔ قریش اور ان کے تمام قبائل و عشائر۔ اور ہم معاہدہ قوموں کا سردار عثمان ابن طلحہ بن ابی طلحہ تھا۔ اور ابوسفیان ان سب کا سپہ سالار کل یا کمانڈر ان چیف تھا۔

خندق کھودنے کی تجویز اور حضرت سلمان کے محاسن خدمات

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس لشکر عظیم کی خبر مدینہ میں ملی۔ تو آپ نے ایک مجلس خاص میں صحابہ سے مشورت فرمائی۔ حضرت سلمان الفارسی ایرانی نژاد تھے۔ اپنے ملک و قوم کی بڑی بڑی لڑائیاں۔ طرز جنگ اور طریق مقابلہ دیکھے ہوئے۔ اور خندق کھود کر غنیم سے لڑنے کی ترکیبوں سے خوب واقف تھے۔ اس لیئے انہوں نے اپنے ملک کے دستور کے موافق عرض کی۔ کہ اپنی قلت اور غنیم کی کثرت کے موقع پر ملوک ایران خندق کھود کر مقابلہ کرتے ہیں۔ اور اس ترکیب و تدبیر سے اپنے کثیر التعداد غنیم کے مقابلہ میں اکثر کامیاب ہوئے ہیں

صلاح نیک تھی اور تجویز مناسب۔ بلا اختلاف منظور کرلی گئی۔ مسلمانوں کی تمام و کمال جمعیت تین ہزار سے زائد نہیں تھی۔ سب کے سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور بلا امتیاز و اختصاص ہر شخص مزدور بن گیا۔ پھاوڑا لیکر خندق کھودنے لگا اور مٹی پھینکنے لگا۔ سرور کائنات بھی انھیں مزدوروں میں تھے۔ چونکہ شہر کے تین طرف مکانات اور نخلستان ایسے کثیر اور عظیم الشان تھے۔ جو شہر پناہ کی ضرورت کا کام دیتے تھے۔ شہر کا اکیلا شامی رُخ بالکل کھلا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرف خندق کھودی۔ جانے کا حکم دیا۔ اور کام شروع ہوگیا۔

خندق کھودنے کا انتظام یوں کیا گیا۔ کہ دس دس آدمیوں پر دس دس ہاتھ لمبی اور پانچ پانچ گز عمیق خندق تیار کرنے کیلئے زمین تقسیم کردی گئی۔ یہ تمام جماعتیں بڑی مستعدی اور کامل تندہی سے کام کرنے لگیں۔ انھیں جماعتوں میں ایک فرد رسول اللہ کی خاص ذات اقدس بھی تھی۔ آپ بھی عام مزدوروں کی طرح مٹی کھودتے تھے۔ اور برابر پھینکتے جاتے تھے۔ اتفاقاً کسی حصہ زمین میں ایک پتھر کی چٹان نکل آئی۔ سارے مسلمانوں نے ہزار زور لگایا۔ لیکن وہ پتھر نہ ٹوٹا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی۔ آپ اپنا کام چھوڑ کر پھاوڑا لیئے آئے۔ اور ایک ضرب اس پتھر پر لگائی کہ وہ چور چور تھا۔ شبلی صاحب

لکھے ہیں۔ یہ زور رسالت تھا ہم اُن کو یاد دلاتے ہیں۔ جسمانیت سے کیا واسطہ۔ یہ روحانیت کی قوت تھی۔ جس کے ذکر مخصوصہ کو آپ برابر قلم انداز کرتے آتے ہیں۔

رسالت کی مزدورانہ شان آج نئی نہیں تھی۔ اس سے قبل مسجد نبوی کی تیاری کے وقت بھی پیکر رسالت اسی شان خاص میں جلوہ نما ہو چکا ہے۔ تمام صحابہ مہاجر و انصار بلا خیال مراتب مٹی کھودتے جاتے تھے۔ اور اپنے فرائض کی ادا کاریوں کی خوشی میں ہم آواز ہو کر کہتے جاتے تھے۔

نحن الذین بایعوا محمدا علی الاسلام مابقینا ابدا	ہم لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت اسلام کی ہے۔ اور ہم ہمیشہ اسپر قائم رہیں گے۔

ان خوش آئند نغمہائے عقیدت کو سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسی ہیئت و شان سے کہ گرد و غبار سے عبائے رسالت آلودہ تھی۔ یوں رجز خواں تھے۔

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا فانزلنا سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا ان الاولی قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃ ابینا	اگر خدا نے ہمیں ہدایت خاص نہ عطا فرمائی ہوتی تو نہ ہمیں صدقہ دینے کی اور نہ نماز پڑھنے کی توفیق ہوتی خدا نے ہم لوگوں پر سکینۂ الٰہی نازل فرمایا اور اُس نے ہم کو ثابت قدمی عطا فرمائی کہ ہم اُس کے لقائے قدرت سے مشرف ہوں وہی ہمارا سب سے بہتر مددگار ہے۔ اُن کی مخالفت کے موقع

پر۔ جنہوں نے ہم سے بغاوت کی۔ ہم پر حملہ کا قصد کیا۔ اور ہمارے دین سے انکار کیا۔

تمام مورخین و محدثین کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ لفظ ابینا پر پہونچکر آپ آواز کو بلند فرما دیتے تھے۔ اور اسی لفظ کو مکرر کہتے تھے۔ سیرۃ النبیؐ بحوالہ بخاری۔

اسی رجز کے ساتھ مہاجر و انصار کے لیئے دُعائے خیر بھی فرماتے جاتے تھے۔

اللّٰھم انہ لاخیر الاخیر الاخرۃ فبارک فی الانصار والمھاجرۃ	پروردگار کوئی خیر عاقبت کی خیر سے بہتر نہیں ہے تو انصار اور مہاجرین کے اُمور میں برکت عطا فرما۔

یاد ہوگا۔ کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں سب سے زیادہ حضرت عمار یاسر کے کام کرنے کی خصوصیت لکھی جا چکی ہے۔ اسیطرح حفر خندق میں حضرت سلمان الفارسی کی محنت شاقہ خصوصیت سے لکھی گئی ہے۔ جناب سلمان روزانہ پانچ گز لمبی اور پانچ گز گہری خندق کھود کر تیار کرتے تھے۔ اور ہر شخص اُن کی اس محنت اور اس عجلت سے کام تمام کرنے پر تعجب کرتا تھا۔ چونکہ اس فن خاص میں یہ مہارت کامل رکھتے تھے۔ اسلیئے ہر شخص انھیں کی ہدایت خاص سے کام کرتا تھا۔ یہاں

تک کہ مہاجرین نے کہنا شروع کیا۔ اَلسَّلْمَانُ مِنَّا۔ سلمان تو ہم لوگوں میں ہیں۔ انصار نے سُنا تو کہا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا سلمان تو ہم لوگوں میں ہیں۔ سلمان سُن سُن کر خوش تھے لیکن حقیقتاً جس کے تھے۔ جب اُس نے سُنا۔ تو ارشاد فرمایا۔ اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ۔ سلمان تو ہمارے اہلبیت کے ایک فرد خاص میں ہیں۔ طبری ص ۱۴۸۶۔ روضۃ الاحباب ص ۳۱۶۔

مدبران قدرت ایک طرف تو اہل ایمان کی حمایت و نصرت کا سامان کرتے تھے۔ دوسری طرف ابتلا و مصیبت میں اُن کی جگرداری و پاداری کا امتحان بھی لیتے جاتے تھے۔ تفصیل یہ ہے۔

منافقین کی علیحدگی

مدینہ میں مہینوں پہلے سے قحط تھا۔ خورمے کی پوری فصل ماری گئی تھی۔ اس لیے خوراک کی کمی تھی۔ عرب کی فوجوں کی محاصرے کی وجہ سے بیرونی رسد کا سلسلہ بھی بالکل منقطع تھا۔ تمام عسرت تنگی اور فقر و فاقہ تھا۔ اُس پر مزید۔ دن رات کی تند و تیز ہوا۔ اور ابر و باراں۔ کئی کئی دن کا فاقہ۔ دن دن بھر پھتریلی زمین کا کھودنا۔ ایسا سخت اور دشوار گذار کام تھا۔ کہ بڑے بڑے دلیروں کے کلیجے ہلے جاتے تھے۔ جی چھوٹے جاتے تھے سلمانوں کے ساتھ ابھی تک فوج منافقین بھی شمار میں داخل تھی۔ سب سے پہلے وہ ان تکلیفوں سے عاجز آکر سہلو بچانے لگے۔ اور کھلے کھلے لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم سے کہنے لگے۔ کہ ہم تو شہر میں جائینگے ہمارے گھر اور بال بچے محفوظ نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں اُن کے حیلوں کا یہ ذکر ہے۔

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (احزاب)

کہتے ہیں۔ کہ ہمارے گھر کھلے ہوئے ہیں۔ وہ کھلے تو نہیں ہیں بلکہ اُن کو خود بھاگ جانا مقصود ہے۔

رحمت عالم کے پاس اُن کی سکارانہ درخواست پر۔ سوائے ایجاب و منظوری اور کیا تھا۔ شہر میں لوٹ جانے کی اجازت ملگئی۔ اور وہ سب کے سب ایک بار چلے گئے۔ لشکر اسلام کے موجودہ مجموعہ میں اور کمی آگئی۔ پھر کیسے نازک موقع پر کہ دشمن کے لشکر گراں کی آمد کا یہ عالم تھا۔ کہ اب آیا اور اب آیا۔

انکا چلا جانا کوئی نئی بات تو تھی ہی نہیں۔ غزوہ اُحد میں بھی ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ ان کے چلے جانے نے بظاہر تو سلمانوں کا کچھ بگاڑا نہیں۔ لیکن اکثر اہل اسلام اُن کی تفرقہ کے اثر سے خالی بھی نہیں رہے۔ اکثر نرم دل سلمان کچھ تو بالطبع خائف ہو کر۔ اور کچھ بھوک۔ پیاس۔ شدت کی سردی اور رات دن کی ہوائے تند سے عاجز آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بھوک کی شدت رسد کی کمی کی شکایت کرنے لگے۔ تصدیق

بھوک کی شدت اور رسول اللہ کا تحمل

بیانات کے لیے اپنے اپنے پیٹ کھولکر دکھلادیے۔ جو پیٹھ سے لگ کر تختہ ہو رہے تھے۔ اور بھوک کی شدت روکنے کے لیے سفریوں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھے ہوئے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ بھوک کی شدت روکنے اور مستقیم القامت رہنے کی غرض سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی دستور و عادت کے موافق اُسوقت بھی کیا تھا۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی یہ حالت زار دیکھکر بیحد ملول ہوئے۔ لیکن آپ نے جب اُن کے سامنے اپنی قمیص کا دامن اُٹھا کر اپنا شکم مبارک دکھلایا۔ تو اُنکے دیدہ ہائے حقیقت کھُل گئے۔ دیکھا کہ رسولؐ کے پیٹ پر ایک کی جگہ دو دو پتھر بندھے ہیں۔ اس حالت کے دیکھنے کی کسے تاب تھی۔ تمام دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو جاری ہوگئے سب کے سب نادم ہوکر عرض خدمت کرنے لگے۔ کہ ہمیں معلوم ہوتا۔ کہ حضور ہم سے زیادہ بھوکے ہیں۔ تو ہم کبھی مُدعا کے اظہار کی جرات نہ کرتے۔ ارشاد ہوا۔ کہ ہر حالت میں ہم کو اور تم کو خدا کے حکم پر قائم اور اُس کی عنایت وکرم پر متوکل رہنا چاہیے۔

جناب فاطمہؑ اور رسولؐ کی خدمت

حقیقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیسرا فاقہ تھا۔ اسلیئے کہ تین دن سے اسقدر مشغولیت بڑھی ہوئی تھی کہ دولت سرا تک جانیکی فرصت ہی نہیں ملی۔ اور عسرت وتنگی کی وجہ سے ازواج مطہرات بھی کوئی سامان نہ کرسکیں۔ اسکی خبر جناب فاطمہ زہراؑ کو ملی۔ تو بیتاب ہوکر ایک پارہ نان جو گھر میں موجود تھا۔ لیکر حاضر خدمت ہوئیں۔ امام الحرمین علامہ طبری الشافعی ذخائر العقبیٰ میں لکھتے ہیں

عن علی قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی حفر الخندق اذ جاءتہ فاطمۃ بکسرۃ من خبز وقالت اخبزت لابنی جئتک منہ بھذہ الکسرۃ فقال بنیۃ انھا لاول الطعام دخل فی فم ابیک منذ ثلاثۃ ایام

حضرت علیؑ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف تھا کہ فاطمہؑ آئیں۔ اُنکے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا حضرت رسولؐ میں عرض کرنے لگیں۔ کہ میں نے اپنے دونوں بچوں کے لیئے روٹی پکائی تھی۔ اُسمیں کا ٹکڑا یہ آپ کیلئے لائی ہوں۔ تناول فرمایا جاوے۔ آپنے وہ پارہ نان لیکر ارشاد فرمایا۔ بیٹی یقین جان کہ تین دن کے فاقے کے بعد یہ پہلی خوراک ہے جو تیرے باپ کے منہ میں پڑتی ہے۔ بحوالہ ینابیع المودۃ امام سلیمان القندوزی مطبوعہ بمبئی ص ۱۴۵۔

مقابلہ قریش کا انتظام

الغرض خندق کھُد کر تیار ہوگئی۔ قریش کا ٹڈی دل لشکر بھی آگیا۔ اور اُنہوں نے مدینہ کو نگینہ کی طرح بیچ میں لے لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفظ ماتقدم کے خیال سے اپنے اور صحابہ کے عیال کو قلعہ میں بھیجدیا۔ اور حسان بن ثابت کو اُن کی حفاظت پر تعینات کیا۔ تمام لشکر خندق کے پاس پار جمع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبل سلیع کو جو بالکل متصل تھا۔ پشت پر لیکر صف آرائی کی۔ لشکر اسلامی تین حصوں پر تقسیم کیا گیا اور خندق کے تین مختلف حصوں پر مقرر کیا گیا۔

ایام محاصرہ میں رسول اللہ کی ذاتی تکلیفیں

محاصرہ کی مدت کے ساتھ شدت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ دن کی ہوائے تند کے بعد رات کی سردی قیامت برپا کردیتی تھی۔ اُس پر پانی پڑنے لگتا تھا۔ تو تکلیف ومصائب میں اور اضافہ ہوجاتا تھا ایک بار رات کو ایسے ہی پانی برستا تھا۔ اور زوروں سے ہوا چلتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخالفین کی طرف سے حملہ کا اندیشہ ہوا۔ تو آپنے تحقیق کرنی چاہی۔ خیمہ کے اندر ہی سے آواز دی۔ سب اپنے اپنے خیموں میں سردی کی وجہ سے

پٹے پڑے تھے کوئی نہ بولا۔ زبیر بن العوام جاگ رہے تھے۔ لبیک کہتے ہوئے دوڑے۔ آپ نے انکو تحقیق حال کیلئے حکم دیا یہ گئے۔ اور واپس ہو کر عرض کی۔ کہ غنیم کی جمعیت میں چاروں طرف بالکل سناٹا ہے۔ کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔ امام بخاری لکھتے ہیں۔ کہ اس خدمت کے صلہ میں آپ نے زبیر بن العوام کو حواری کے لفظ سے مخاطب فرمایا۔

محاصرہ کو تین ہفتہ گذر چکے تھے۔ کفار کی بے شمار فوج چاروں طرف سے شہر کو گھیرے تھی۔ مدینہ بتیس ۳۲ دانتوں میں ایک زبان کی طرح گرفتار تھا۔ تمام شہر طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا تھا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات رات بھر عالم اضطراب میں بیدار رہتے تھے۔ نظر اقدس ہمیشہ غنیم کی نقل و حرکت پر رہتی تھی۔ جہاں سے اندیشہ ہوا۔ وہیں فوری حفاظت و مدافعت کا انتظام کیا گیا۔

جناب اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ میں اکثر غزوات۔ مریسیع۔ خندق۔ خیبر۔ حدیبیہ۔ فتح مکہ اور حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھی۔ لیکن کسی غزوہ میں آپ کو ایسی تکلیف اور اتنا اضطراب نہیں ہوا تھا۔ جتنا خندق میں۔ رات رات بھر جاگتے کٹ جاتی تھی۔ ہمیشہ باہر نکل نکل کر ہر مورچے پر خود تشریف لیجاتے تھے۔ اور نگہبانوں اور پاسبانوں کو خود دیکھ آتے اور ہوشیار فرماتے تھے۔

عباد بن بشر کی خدمات

کفار دن سے زیادہ رات کو ستاتے تھے۔ خندق کے کنارے پر تاریکی میں پتھر اور تیر اس زور سے برساتے تھے۔ کہ اتنی کو راہ چلنا دشوار تھا۔ اُنکے پتھر خیمہ اقدس تک آ آکر گرتے تھے۔ ایک رات کو صبح کے قریب خندق پر زور سے شور و غوغا ہونے لگا۔ اُسدن رات کو خیمہ اقدس کی پاسبانی عباد بن بشر کے متعلق تھی۔ اور وہ اپنی ماتحتی دستہ فوج کے ساتھ پہرے پر تھے۔ شور و غوغا سُن کر آپ نے عباد کو آواز دی۔ وہ حاضر ہوئے۔ حکم ہوا۔ خبر لاؤ۔ وہ اپنے رفقا کے ساتھ گئے۔ اور آپ مضطرب ہو کر خیمے کے دروازے پر عباد کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ یہانتک کہ عباد آئے اور بیان کرنے لگے۔ کہ ابو سفیان اپنے چند رفقا کو ساتھ لیکر شبخون کے ارادے سے خندق کے پار ہونا چاہتا تھا لیکن مسلمانوں نے دیکھ لیا اور وہیں روک دیا۔ اس اثنا میں خادم بھی اپنی جمعیت کے ساتھ پہونچ گیا۔ اور ابو سفیان کی جماعت کو اپنے تیروں کے نیچے رکھ لیا۔ اور اسقدر تیر برسائے کہ آخر اُس موذی کو مجبور ہو کر واپس جانا پڑا۔ اور وہ ناکامیاب رہ کر لوٹ گیا اور اب کوئی اندیشہ نہیں۔ حضور اطمینان سے آرام فرمائیں۔ یہ روئداد سنکر آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللّٰھم ارحم عباد بن بشر۔ خدایا عباد بن بشر پر رحمت نازل فرما۔ حضرت اُم سلمہ بیان فرماتی ہیں۔ کہ اس کے بعد آپ تھوڑی دیر کے لیئے آرام فرما گئے۔ پھر بلال نے اذان دی تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خیمے سے باہر نکل کر جماعت کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی۔ صلو علیہ وآلہ۔ روضۃ الاحباب ص ۳۲۲۔

انصار کا کمال استقلال

محاصرے کے طول سے تمام مسلمان گھبرا گئے تھے۔ رسد کی قلت۔ بھوک کی شدت ہوا۔ پانی اور سردی کی تیزی اور سختی نے اُن کے ہوش و حواس پریشان کر رکھے تھے۔ بڑے بڑے جگر داروں کے کلیجے پانی ہوئے جاتے تھے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کی حالت ابتر دیکھ کر سخت متردد تھے۔ قبیلہ غطفان سے

جنکو یہود خیبر کی نصف محاصل کی شرط پر اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اس شرط پر مصالحت کی سلسلہ جنبانی کی گئی۔ کہ وہ خیبر کی جگہ مدینہ کی نصف پیداوار لیلیں۔ اور قریش کا ساتھ چھوڑ دیں۔ وہ راضی ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے روسائے انصار سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ سے اس امر خاص سے مشورت فرمائی۔ دونوں نے مقتضائے اخلاص مندی اور منتہائے غیرت سے عرض کی کہ یہ کیا ارشاد ہوتا ہے۔ ہم نے ایام جہالت میں تو اس ذلیل قبیلہ کو ایک کوڑی خراج میں دی نہیں۔ اب ایسی حالت میں کہ خدا کے فضل و کرم اور اسلام کے فیض قدم کی بدولت ہم ہر طرح خوشحال ہیں۔ طاقتور ہیں۔ صاحب اقتدار و اختیار ہیں۔ تو اب اُن کو خراج دیکر کیونکر اس بے عزتی کا داغ لگا سکتے ہیں۔ اگر یہ مصالحت خدا کے حکم سے کی جاتی ہے تو ہمیں کوئی عذر نہیں۔ اور اگر کسی کی تحریک سے یہ تجویز ہے تو ہمیں منظور نہیں۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تو تمہاری پریشانیوں اور غیر اطمینانیوں کو جلد رفع کر دینے کے خیال سے یہ تدبیر نکالی تھی۔ تم جب خود مطمئن ہو۔ تو اب تم سے زیادہ مجھو اطمینان ہے۔ اسکے بعد معاہدہ کا کاغذ سعد نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُسکی لکھی ہوئی عبارت مٹا دی۔ طبری ص ۱۴۷۴۔

حضرت صفیہ کی مردانہ وار جراءت و دلیری

اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ ایک قلعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے عیال اور صحابہ کے عیال کو رکھکر حسان ابن ثابت کو اُنکی حفاظت و نگرانی پر مقرر فرما دیا تھا۔ محاصرہ و مقابلہ والے دن بنی قریظہ نے مستورات کے قلعہ پر جو اُنکی جائے سکونت سے متصل تھا۔ نامردانہ وار حملہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک یہود قرظی اس غرض سے چلکر قلعہ کے پھاٹک تک پہونچگیا۔ اور قلعہ میں اندر جانے اور حملہ کرنے کے موقع ڈھونڈنے لگا۔ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب آپکی پھوپھی نے دیکھ لیا۔ مستورات کی حفاظت پر حسان بن ثابت تعینات تھے۔ ان سے کہا۔ کہ اُترکر اسکو قتل کر دو۔ ورنہ یہ جاکر دشمنوں کو پتہ دیدیگا۔ حسان شاعر بالطبع۔ میدان خیال کے مرد تھے۔ نہ میدان قتال کے۔ اسکے علاوہ بقول شبلی صاحب اُنکو ایک عارضہ ہو گیا تھا۔ جس نے اُن میں اسقدر جُبن پیدا کر دیا تھا۔ کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس بنا پر اُنہوں نے حضرت صفیہ سے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ اور کہا کہ میں اسی کام کا ہوتا۔ تو یہاں کیوں ہوتا۔ یہ سنکر حضرت صفیہ نے خیمہ کی ایک چوب اُکھاڑ لی۔ اور قلعہ سے اُترکر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری۔ کہ اُسکا سر پھٹ گیا۔ حضرت صفیہ قلعہ پر چلی آئیں۔ اور حسان سے کہنے لگیں۔ کہ اُس کے ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حسان بولا جانے دیجئے مجھو اسکی ضرورت نہیں۔ حضرت صفیہ نے کہا اچھا اسکا سر کاٹ لاؤ۔ اور قلعہ کے نیچے پھینکدو۔ کہ یہودی مرعوب ہو جائیں۔ لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ ہی کو انجام دینی ہوئی۔ یہودیوں کو یقین ہو گیا۔ کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج ہے۔ اس خیال سے پھر کسی نے حملہ کی جرأت نہ کی۔ سیرۃ النبی ص ۳۱۵ بحوالہ زرقانی باسناد طبرانی و ابو یعلی بسند صحیح جلد دوم ص ۱۲۹۔

محاصرے میں یہود کی شرارت

حاضرے میں کفار بڑی شدت کرنے قوت دکھلانے اور مسلمانوں کو ستانے اور مرعوب بنانے کی غرض خاص سے انواع و اقسام کی تکلیفیں پہونچاتے تھے۔ خندق ایسی حائل تھی کہ اُس پار آنے سے تو مجبور تھے لیکن تاہم اُس پار خندق کے کنارے روزانہ کھڑے ہو کر مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کا مینھ برساتے تھے۔ بعض دریدہ دہن

بزدل سخت کلامیوں اور بد زبانیوں سے اپنے دل کے بخار نکالتے تھے۔ لیکن مسلمان بھی باوجود اتنے مصائب کے بھی اُن کو ہمیشہ کلا بکلہ جواب دیتے تھے۔ قرآن مجید میں اسکی طرف یوں اشارہ فرمائی گئی ہے۔

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (احزاب)

جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اُٹھے۔ کہ یہ تو وہی ہے جسکا وعدہ خدا نے اور اُس کے رسولؐ نے کیا تھا۔ اور خدا اور اُسکا رسولؐ دونوں سچے تھے۔ اور اُس نے اُنکے یقین و اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔

باہمی مقابلہ اور عمرو ابن عبدود کی شاندار آمد۔ فوج اسلام پر اُسکا رعب و سطوت

محاصرے کی سختی اور طول سے اکیلے محصورین اسلام ہی نہیں گھبرا گئے تھے۔ مشرکین عرب بھی تکلیف سفر، دیار غیر۔ اور روزانہ ناکامیوں سے خستہ اور بیدل ہو رہے تھے۔ ایک مخالفت اسلام کی دل سے ایسی لگی تھی۔ جو رہ رہ کے اُن کو تازہ دم کر دیتی تھی۔ آخر کار کفار نے باہمۃ مشورت سے روز روز کی کشمکش کو یکسو کر دینے کی یہ ترکیب نکالی کہ تیئس ۲۳ محرم ۵ھ ہجری کو عمرو بن عبدود کو جو عرب کا مشہور رستم دستاں تھا۔ ایک دستہ فوج کے ساتھ فوج اسلامی سے خاتمہ کن جنگ کرنے کیلئے صبح ہی سے بھیجدیا یہ دستہ فوج عرب کے انتخابی نبرد آزماؤں کا لشکر تھا۔ جسمیں عکرمہ بن ابی جہل۔ ہبیرہ بن ابی وہب اور مرداس المحاربی ذوعزم شامل تھے اور سپلوانوں کا یہ دستہ دو مشہور شجاعان عرب ضرار بن الخطاب (حضرت عمرؓ کے بھائی) اور نوفل بن عبداللہ کے زیر کمان تھے۔

کفار کا یہ جرار دستہ بڑی دلیری کے ساتھ بڑھتا ہوا لشکر اسلامی کے سامنے اُس مقام پر آ کھڑا ہوا۔ جہاں خندق کا عرض نہایت کم تھا۔ اور اپنے جوش ہمت میں خندق کے اُس پار ہو جانے کا پورا ارادہ کر لیا۔ سوء اتفاق سے لشکر عمرو ابن عبدود کی صورت دیکھتے ہی اپنی طرف سے ایسی مرعوبیت۔ خوف اور بیدلی کا اظہار کیا۔ کہ کوئی بھی اس بڑھتی ہوئی سیل کو نہ روک سکا۔ عمرو بن عبدود معرکہائے جنگ کا تجربہ کار تھا۔ سمجھ گیا۔ کہ مقابل پر ہماری سطوت کے سکے جم گئے۔ پھر کیا تھا۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ خندق کے اس پار تھا۔

خندق کے اس پار آ کر جس کے لیے تیئس دنوں سے روزانہ کوششیں کی جاتی تھیں۔ عمرو بن عبدود نے یقین کر لیا کہ اب کیا ہے۔ جنگ کا میدان لے لیا۔ اور اس کامیابی کی پُر جوشی میں آواز بلند سے مبارز طلبی کرنے لگا۔ پہلے ہم عمرو بن عبدود کے مختصر حالات۔ شبلی صاحب کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ اُسکے بعد اُسکے رعب و خوف سے لشکر اسلام میں جو عالم اضطراب طاری ہوا تھا۔ بیان کریں گے۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا۔ اور قسم کھائی تھی۔ کہ جب تک انتقام نہ لوں گا۔ بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ اُس وقت اُسکی عمر نوے برس کی تھی۔ سیرۃ النبیؐ ص ۳۱۲۔

عمر بن عبدود کی سطوت آج ہی سے نہیں۔ بلکہ سالہا سال سے اہل عرب کے دلوں پر اپنے سکہ جمائے تھی۔ یہ تو انکا اتفاقی مسئلہ تھا۔ کہ وہ تنہا ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ پھر ہزار کے مقابلہ میں لشکر اسلامی میں۔ کون تن واحد ایسا کلیجہ والا تھا جو اُسکے مقابلہ کو اکیلا نکلتا۔ سب کے دلوں میں پنکھے لگے تھے۔ دلوں میں کپکپی پڑی تھی۔ فوج کے اسطرف سے اُسطرف تک خوشی کا ایک عالم تھا۔ ہر شخص سر بزانو خوف جاں میں مبتلا تھا۔ محدث شیرازی اُنکے عالم اضطراب کو ان چند الفاظ میں لکھکر دکھلاتی ہیں

یاران رسول ہمہ ایستادہ بودند و ہیچ نمی گفتند۔ کانما علی رؤسھم الطیر چہ دلاوری و شجاعت عمر بن عبدود را می دانستند۔	تمام اصحاب رسول کھڑے تھے۔ اور کچھ نہ بولتے تھے۔ جیسے اُن کے سروں پر جانور بیٹھا ہو۔ کیونکہ وہ عمر بن عبدود کی دلاوری و شجاعت کو جانتے تھے۔

معارج النبوۃ اور حبیب السیّر وغیرہ کی مرویات سے ستفاد ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے اُسکی آواز کو پہچان کر کہا۔ یہ تو عمر بن عبدود ہے مجھے اس دیو عرب کی بے نظیر شجاعت و دلیری کا خود تجربہ ہو چکا ہے۔ اور وہ یوں ہے کہ ایک بار سفر میں میرا اسکا ساتھ ہو گیا۔ اثنائے راہ میں ڈاکو ہمارے قافلہ پر ٹوٹ پڑے۔ تنہا اسی شخص نے قزاقوں کی جماعت کثیر سے مقابلہ کیا اثنا مقابلہ میں اسکی سپر ٹوٹ گئی۔ تو فوراً ایک اُونٹ کے بچے کی ٹانگ تھام کر اُسکو اپنی سپر بنا لیا۔ اور قزاقوں کے وار روکتا رہا۔ یہانتک کہ تمام قزاقوں کو اسی ایک نے مار بھگایا۔ میں اسکی عظیم طاقت و شجاعت دیکھکر حیران ہو گیا۔

ایک تو تمام فوج اسلام پر یونہی خوف طاری تھا۔ اس چشم دید واقعہ کی نقل نے اور حواس باختہ کر دیئے۔

حضرت علیؑ کی بینظیر سبادرت اور عمر بن عبدود سے مبارزت

تمام محدثین اور مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ لشکر اسلامی نے خوف و بیم۔ اضطراب والتہاب خموشی و پست ہمتی کے خلاف حضرت علی مرتضیٰؑ نے عمر بن عبدود کی آواز سنتے ہی خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی۔ انا یا رسول اللہ میں اس سے مقابلہ کرونگا۔ بروایتے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن شبلی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

عمر بن عبدود کے سوال کے جواب میں حضرت علیؑ نے اُٹھ کر کہا کہ میں ہوں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روکا۔ اور کہا کہ یہ عمر بن عبدود ہے۔ یعنی یہ ایک نبرد آزما اور تجربہ کار مرد میدان ہے۔ اور تم نو مشق دلیر۔ برابر کا جوڑ نہیں۔

تھوڑی دیر اور مقابل کا انتظار کر کے عمر بن عبدود نے پھر بڑے زوروں سے مبارز طلبی کی۔ حضرت علی مرتضیٰؑ نے خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پھر اجازت جنگ چاہی۔ جناب سرور کائنات کا پھر وہی جواب تھا۔

عمر بن عبدود نے پھر کچھ انتظار کر کے تیسری بار ایک غیرت دہ شان میں پکارا۔ حضرت علی مرتضیٰؑ پھر ویسے ہی خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اجازت حرب کی درخواست کی۔ پھر ارشاد ہوا۔ کہ یہ عمر بن عبدود ہے۔ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

کہ حضرت علیؑ نے جواب میں عرض کی۔ کہ ہاں میں جانتا ہوں۔ یہ عمر بن عبدود ہے۔ غرض آپ نے اجازت دیدی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا ص ۳۱۲۔

شبلی صاحب کی اختصار پسندی کے یہ خاص مقامات ہیں۔ آپ کی کوتہ رقمی اس سے زیادہ تفصیل کی مجوز نہیں۔

تھی اس لیے اتنے ہی پر اکتفا کی گئی لیکن امام ابن طلحۃ الشافعی اپنی کتاب مطالب السئول میں۔ امام الحرمین علامہ طبری الشافعی کتاب ذخائر العقبیٰ میں محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں۔ اور محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ عمر بن عبدود نے تیسری بار ہل من مبارز کا نعرہ مار کر یہ غیرت دہ اشعار رجز پڑھے۔

ولقد بححت من الندا ء | بجمعکم ھل من مبارز
ووقفت اذجبن الشجاع | بموقف البطل المناجز
وکذلک انی لم ازل | متسرعا نحو الھزاھز
ان الشجاعۃ فی الفتیٰ | والجود من خیر الغرائز

ترجمہ:۔ تحقیق کہ میری آواز تم لوگوں کو ھل من مبارز پکارتے پکارتے تھک گئی جبکہ بہادر نامردی کرتے تھے۔ میں دلیروں کی صف میں کھڑا تھا میں اسی طرح لوگوں کی صف میں دوڑتا تھا کیونکہ جوانمرد کے لیے سخاوت اور شجاعت بہت اچھی صفت ہے۔ ارجح المطالب لاہور جلد اول ص ۴۱۸

خدمت رسولؐ سے حضرت علیؑ کی رخصت

حافظ جمال الدین فضل اللہ محدث شیرازی خدمت رسولؐ سے حضرت علیؑ کی رخصت ہونے کی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

پس حضرت شمشیر خود ذوالفقار را بوے داد و زرہ خود را درو بے پوشانید و دستار خود را بر سر وے نہاد و در روایتے آنکہ عمامہ از برائے وے لبست وگفت اللّٰھم اعنہ علیہ۔ بار خدایا علیؑ را یاری دہ بر عمر بن عبدود و روایتے آنکہ دستہائے خود را برداشت بسوے آسمان وگفت الٰہی عبیدہ را روز بدر از من گرفتی و حمزہ را در روز احد از من جدا ساختی واین علی ست برادر من و پسر عم من فَلَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تلوار خاص ذوالفقار حضرت علیؑ کو عنایت کی اپنی زرہ اپنے ہاتھوں سے پہنائی۔ اپنی دستار مبارک اُن کے سر پر رکھی۔ اور ایک روایت کے موافق اُن کے سر پر اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا۔ اور کہا۔ بار خدایا تو عمر کے مقابلہ میں علیؑ کی مدد کر اور ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے۔ اور کہا کہ الٰہی تو نے عبیدہ کو بدر کے دن مجھ سے لے لیا۔ اور حمزہؓ کو اُحد کے دن مجھ سے جدا کر لیا۔ یہ علی میرا بھائی اور ابن عم ہے تو مجھے تنہا نہ فرما۔ حالانکہ تو سب سے بہتر وارث ہے۔

امام ابن طلحۃ الشافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ مجاہد فی سبیل اللہ علی شان سے رخصت ہو کر عمر بن عبدود کے مقابلہ میں اُس کی رجز کے جواب میں اپنے یہ اشعار پڑھتا ہوا چلا۔

یا عمرو ویحک قد اتاک | مجیب صوتک غیر عاجز
ذو نیۃ و بصیرۃ | والحق منجی کل فائز
انی لارجو ان اقیم | علیک النائحۃ العجائز
من ضربۃ تفنی ویبقی | ذکرھا عند الھزاھز

ترجمہ:۔ اے عمر تجھ پر افسوس ہے۔ تیرے پاس وہ آرہا ہے، جو تیری آواز کے جواب دینے میں عاجز نہیں ہے۔ اور صاحب ارادہ وبصیرت ہے۔ اور سچ ہے، کہ ایک فیروز مند کو نجات دینے والا ہے۔ میں بیشک امید رکھتا ہوں، کہ میں بوڑھی عورتوں کے بین تجھ پر جاری کراؤں گا۔ ایک ایسی ضرب سے کہ تو فنا ہو جائے گا۔ اور سعرکوں میں میری ضرب کا ذکر باقی رہ جائے گا۔

حضرت علیؑ اور عمر بن عبدود سے مقابلے کے وقت مکالمہ

شبلی صاحب نے بلا رسم معرفت جانبین کی وقت مقابلت مکالمت شروع کر دی ہے حالانکہ یہ عرب کے دستور جنگ کے بالکل خلاف ہے۔ جیسے آپ جنگ بدر میں کفار قریش۔ اور انصار مدینہ کے متعلق خود تفصیل سے اوپر لکھ کر بتلا چکے ہیں۔ چنانچہ امام ابن طلحۃ الشافعی۔ مطالب السئول میں مکالمت کی ابتدا معرفت سے یوں کرتے ہیں۔

جب حضرت علی مرتضیٰؑ عمر بن عبدود کے پاس پہونچے۔ تو اس نے آداب جنگ کے مطابق آپ سے آپکا حسب و نسب دریافت کیا۔ تو حضرت علیؑ نے کہا۔ انا علی بن ابی طالب ابن عم رسول اللہ وصھرہ۔ میں علی بن ابی طالب ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی اور داماد۔ عمر متعجب ہو کر کہنے لگا۔ تم ابی طالب کے بیٹے ہو۔ ابی طالبؑ تو میرے بڑے دوستوں میں سے تھے۔ تم لوٹ جاؤ۔ مجھے یہ گوارا نہیں ہو سکتا کہ میرا نیزہ تم کو زخمی کرے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا اے عمر یہ باتیں چھوڑ دے۔ جو میں کہتا ہوں سُن۔ اگر تیرا جی چاہے۔ تو تو میری بات کو مان لے ورنہ نہیں۔ عمر بولا کہو۔ کیا کہتے ہو۔ آپ نے کہا تمام عرب میں مشہور ہے۔ کہ تو اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک بات کو ضرور اُسکی درخواست کرنے کے وقت قبول کر لیتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو میری بھی تجھ سے تین درخواستیں ہیں۔ اُن میں جو تجھے پسند ہو۔ اُسکے مطابق عمل کر۔ عمر بن عبدود بولا۔ کہو۔

پھر جانبین سے یوں مکالمت شروع ہوئی۔

حضرت علیؑ۔ میری پہلی درخواست یہ ہے۔ کہ تو دین اسلام کو قبول کرلے۔ اور مرنے کے وقت یہ ہدیہ خدا کے دربار میں اپنے ہمراہ لیتا جا۔

عمر بن عبدود۔ یہ مجھے کسی طرح قبول نہیں ہے۔

حضرت علیؑ۔ تو اچھا جنگ میں قریش کا ساتھ نہ دے۔ اور گھر لوٹ جا۔

عمر بن عبدود۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ مرد ہو کر مکہ کی عورتوں کا طعنہ کون سُنے گا۔

حضرت علیؑ۔ پھر مقابلہ کرے اور لڑے۔

غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ اپنی بے نظیر شجاعت اور طاقت کے غرور میں چور ہو کر جہالت کا سب سے پہلا کام جو عمر بن عبدود نے کیا۔ وہ یہ تھا کہ گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور اپنے ہاتھوں کی صفائی دکھلانے کی غرض سے تلوار کا ایک ہاتھ بے زبان اور بے گناہ جانور پر ایسا لگایا، کہ اُسکی کونچیں کٹ گئیں۔ اور وہ فوراً گر کر مر گیا۔

اس رجبانہ حرکت سے عمر کی خاص غرض یہ تھی، کہ حضرت علیؑ خصوصاً اور تمام فوج اسلامی اسکی تیز دستی دیکھکر مرعوب ہوجائے یہ لڑائی کے وہ چٹکلے ہیں۔ جو عمر بن عبدود کے ایسے مشاق اور تجربہ کار تیر آزما۔ اپنے مقابل پر دھاک جمانے کی غرض سے ضرورت کے وقت عمل میں لاتے ہیں۔ اور انھیں ٹٹکولتی چٹکیوں میں اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ لیکن عمر کا یہ جادو کارگر نہوا بخلاف اسکے کرشمۂ قدرت نے اسکا برعکس نتیجہ یوں دکھلایا۔ کہ حضرت علی مرتضیٰؑ کو اس کے مقابلہ میں پہلے سے زیادہ سہولت اور آسانی ہوگئی۔ کیونکہ عمر پہلے گھوڑے پر سوار تھا۔ اور اب پیدل ہوگیا۔ وہ طویل القامت بھی تھا۔ اور حضرت علیؑ ابتدا ہی سے پیدل تھے۔ اور اس سے قصیر القامت۔ ممکن تھا کہ اُسکے سوار رہنے کی حالت میں بلندی کی وجہ سے ذوالفقار کارگر نہ ہوتی۔ لیکن گھوڑے سے اُتر آنے پر اب یہ تمام دشواریاں جاتی رہیں۔ اور مقابلہ برابر کا ہوگیا ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

عمر بن عبدود کا قتل

عمر بن عبدود اس مغرورانہ خیالوں میں سرشار تھا۔ کہ مقابل محض ایک کمسن جوان ہے۔ عرب کا کوئی اتنا مشہور اور کہن مشق جنگ آزما بھی نہیں۔ برابر کا جوڑ نہیں۔ اسکا مار لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ تعجب نہیں کہ اسکے مار لینے سے نیکنامی تو نہو۔ ان توہمات کی بنا پر عمر نے آپکا جلد خاتمہ کردینا چاہا۔ نہایت پھرتی کے ساتھ اپنی تلوار کا وار حضرت علیؑ کے سر پر اس شدت سے لگایا کہ گو آپنے سپر پر روکا۔ لیکن تاہم اُسکی تلوار سپر کو کاٹتی ہوئی آپکے جبین اقدس پر زخم لگا گئی۔ اور یہ نشان عمر شجاعت بنکر ہمیشہ کے لیے پیشانی نورانی پر قائم رہا۔

ذوالقرنین حضرت علیؑ کا لقب ہوا

حضرت علیؑ کے کثیر التعداد القاب میں ایک لقب ذوالقرنین بھی ہے۔ علامہ مجدالدین فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علی مرتضیٰؑ کو ذوالقرنین اسوجہ سے کہتے ہیں۔ کہ آپ کی پیشانی پر دو تلواروں کی ضربتوں کے نشان تھے۔ پہلا نشان تو یہی تھا۔ دوسرا ابن ملجم کی تلوار کا۔

عمر ابن عبدود نے جونہی اپنی تلوار اُٹھائی۔ ویسے ہی حضرت علی مرتضیٰؑ نے وہ تلا ہوا ہاتھ لگایا۔ کہ ذوالفقار آبدار شانہ کو کاٹتی ہوئی پہلو تک اُتر آئی۔ اور عمر بن عبدود لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔

زرقانی حضرت علیؑ کی ضرب کی یوں تفصیل کرتے ہیں۔

وطعنه فی ترقوته حتی اخرجها من مراقه فسقط ثم اقبل نحوه صلی الله علیه واله وسلم وهو متهلل فقال عمر بن الخطاب هلا سلبته درعه فانه لیس فی العرب درع خیر منها فقال انه حین ضربته استقبلنی بسوأته فاستحییت۔

حضرت علیؑ نے اُسکو نیزہ لگایا۔ اور وہ ایسا کاری تھا کہ گردن میں پیوست ہوکر پیٹ سے نکل آیا۔ اور عمر گر پڑا۔ اور آپ اسی طرح جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لا الہ الا اللہ کی صدا بلند فرماتے ہوئے حاضر ہوئے حضرت عمر بن الخطاب نے کہا۔ کہ آپنے اُسکی زرہ کیوں نہ اُتارلی۔ اُسکی زرہ سے اچھی عرب میں کوئی زرہ نہیں ہے حضرت علیؑ نے کہا جب میں اُسکے قریب گیا۔ تو وہ برہنہ تھا مجھکو حیا آگئی

عمرو بن عبدود کے گرتے ہی حضرت علیؑ نے تکبیر کا پرزور نعرہ بلند فرمایا۔ نعرۂ تکبیر نہ تھا۔ بلکہ شادیانۂ فتح تھا۔ تکبیر کی آواز سُنتے ہی جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ علیؑ نے عمرو بن عبدود کو مار گرایا۔

حضرت عمرا اور بھائی سے مقابلہ

عمرو بن عبدود کے بعد اُسکے دو ہمراہیوں ضرار بن الخطاب۔ اور جبیرہ نے حضرت علیؑ پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن حضرت علی مرتضیٰؑ نے اپنے متواتر حملات سے دونوں کو مار بھگایا۔ یہ حضرت عمر اپنی اظہار شجاعت کے موقعوں کو خوب پہچانتے تھے۔ اپنے بھائی ضرار کو بھاگتے دیکھکر لپکے۔ اُسنے پیچھے پھر کر دیکھا۔ تو بھائی چلے آ رہے ہیں۔ وہیں سے نیزہ سیدھا کیا اور بڑی سختی سے وار کیا۔ لیکن پھر ہاتھ روک لیا اور یہ کہکر چلتا ہوا عمر اس احسان کو یاد رکھنا۔ سیرۃ النبیؐ ص ۲۱۳

نوفل کا قتل

نوفل بھی کمینگاہ میں چھپا کھڑا تھا۔ وہ بھی اُنھیں کے ساتھ بھاگا۔ لیکن اتنا گھبرایا ہوا تھا۔ کہ خندق میں گر پڑا مسلمانوں نے موقع پاکر اوپر سے اُسپر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ وہ چلایا۔ میں حقیرانہ موت مرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ مردانہ طریقے سے مرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علی سُن رہے تھے۔ فوراً خندق میں کود پڑے۔ اور کہا۔ لے تجھے میں شریفانہ طریقہ سے ختم کئے دیتا ہوں۔ یہ کہا۔ اور نوفل کا سر ذوالفقار سے کاٹ لیا۔ اور مسلمانوں کی جمعیت میں پھینکدیا۔

نوفل کی قیمت لاش لینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار

نوفل قریش کو اتنا عزیز تھا۔ کہ مسلمانوں کو اُسکی لاش کی قیمت میں دس ہزار دینار دیتے تھے۔ اور مسلمان راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہونچا آپ نے فرمایا۔ لاش دیدو اور کہدو ہمیں تمہارے روپیہ کی ضرورت نہیں۔

عمرو بن عبدود کی بہن نے بھائی کی لاش کو محفوظ دیکھکر قاتل کی تعریف کی

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ نے عمرو بن عبدود کا صرف سر کاٹ لیا تھا۔ اور اُسکے ہتھیار اور کپڑے وغیرہ سب ویسے ہی رہنے دیئے چھوڑ دیئے تھے آپکے اس مردانہ استغنا و مروت کے متعلق امام ابن طلحہ الشافعی لکھتے ہیں

عن ابی الحسن مدائنی قال لما قتل علی عمرو بن عبد ود نعی الیہ اخته فقالت من ذا الذی اجترئ علیہ فقالوا علی بن ابی طالب فقالت کانت منیه علی ید کفو کریم ما سمعت بافخر من ھذا یا بنی عامر فانشات

لو کان قاتل عمرو غیر قاتله لکنت ابکی علیہ آخر الابد

لکن قاتله لا یعاب به من کان یدعی قدیماً بیضة البلد

ابوالحسن مدائنی روایت کرتے ہیں۔ کہ جب حضرت علیؑ نے عمرو بن عبدود کو مارا تو اُسکی بہن اُسکی لاش پر رونے آئی۔ اُسکی لاش کو محفوظ و سلم دیکھکر لوگوں سے پوچھنے لگی۔ کہ اسپر کسکا قابو چل گیا۔ لوگوں نے کہا کہ علی بن ابیطالبؑ کا۔ وہ کہنے لگی۔ اسکی موت انکو بزرگ بھائی بند کے ہاتھ سے ہوئی ہے اے بنی عامر اس سے بڑھکر اسکے لیئے (عمر کیلئے) فخر کی اور کونسی بات ہو سکتی ہے۔ پھر اُس نے یہ اشعار پڑھے۔ اگر عمر کا قاتل اس قاتل کے سوا کوئی اور ہوتا تو میں ہمیشہ اسپر رویا کرتی لیکن اسکا قاتل ایسا ہی ہے جسپر کوئی عیب نہیں ہے۔ اور وہ ہمیشہ سے شہر کا سردار پکارا جاتا ہے۔ ارجح المطالب جلد اوّل ص ۲۱۹۔

زبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مبارزت علیؑ کی اہمیت

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس عالم اضطراب میں حضرت علی مرتضیٰؑ کو رخصت فرمایا تھا۔ اور عمر کی ضرب سے محفوظ رہنے کے خیال سے اسلحات و آلات جنگ سے اپنے امکان کے مطابق اُنکی حفاظت کے

پورے سامان کر دیئے تھے۔ وہ سب بیان ہو چکا ہے۔ لیکن تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطمینان نہ تھا درخیمہ پر استادہ تھے۔ جانبین کا مقابلہ پیش نظر تھا۔ ارشاد فرماتے تھے۔

برز الایمان الکفر کلہ

آج پورے ایمان کے ساتھ پورے کفر کا مقابلہ ہے۔

اس اثنا میں حضرت علی نے عمر بن عبدود کو مار گرایا۔ سر لیکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پائے اقدس پر عمر کا سر ڈالدیا جناب رسول انام علیہ السلام اور تمام اہل اسلام کی مسرت کی کوئی حد نہ تھی۔ امام حاکم مستدرک میں۔ امام دیلمی فردوس الاخبار میں۔ محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں۔ اور محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بن عبدود کا سر دیکھکر ارشاد فرمایا۔

المبارزۃ علی بعمرو بن عبدود فی الیوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیمۃ

خندق کے روز عمر ابن عبدود کے ساتھ علیؑ کی لڑائی میری امت کے تمام اعمال موجودہ قیامت تک بجا لائینگے بہتر ہے۔ روضۃ الاحباب ص ۲۶۷

ابن طلحۃ الشافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں۔

زبانِ خدا سے مبارزت علی علیہ السلام کی مدح

عن عبداللہ بن مسعود قال کان یقرء وکفی اللہ المؤمنین القتال بعلی وکان اللہ قویاً عزیزاً

عبداللہ بن مسعود اسطرح پڑھا کرتے تھے کہ لڑائی میں مومنوں کی اللہ نے علی کے سبب مدد کی اور اللہ غالب ہے اور مہربان ہے۔ ارجح المطالب ص ۲۱۹ مطالب السئول

ابن مردویہ۔ ابن ابی حاتم۔ ابن عساکر اور امام سیوطی نے بھی آیہ کفی اللہ المؤمنین الخ کے اسباب نزول میں یہی لکھا ہے۔

پھر اسی مطالب السئول میں مرقوم ہے۔ اور زرقانی بھی علامہ عطاردی اور یحیٰی ابن آدم کے قول سے اُسکی تائید کرتے ہیں ص ۱۳۳ ج ۲

عن جابر بن عبداللہ قال فما شبہت قتل علی عمرو الا بما قص اللہ تعالٰی من قصۃ داؤد علیہ السلام وجالوت حیث قال عزوجل فھزموھم باذن اللہ وقتل داؤد جالوت

جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ کا عمر کو قتل کرنا بالکل حضرت داؤد علیہ السلام اور جالوت کے قصہ سے متشابہ ہے جسکا ذکر خدا نے اسطرح پر کیا ہے۔ کہ وہ خدا کے حکم سے بھاگ گئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ ارجح المطالب ص ۲۱۹

امام سلیمان القندوزی البلخی ینابیع المودۃ میں آیہ کفی اللہ المؤمنین کے اسباب نزول میں وہی واقعہ لکھکر جو اوپر لکھا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں

قال الشیخ العطار فی کتابہ مظہر الصفات کنت عند شیخی وسندی الشیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ فحدثنی ھذا الحدیث فغلب علیہ الحال القوی فبکیت معہ فحقرت الدنیا فی اعیننا وقلعنا حب الدنیا عن قلوبنا ببرکۃ

شیخ فریدالدین عطار اپنی کتاب مظہر الصفات میں ناقل ہیں کہ میں نے ایکدن اپنے پیر و مرشد شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں اس حدیث خندق کو سنایا شیخ پر یہ سنتے ہی عالم وجد اور قوی حال طاری ہوا۔ اور میں اُنکے ساتھ ملکر رونے لگا۔ اسی وقت سے ہم دونوں نے دنیا کی محبت کو اپنے قلوب سے نکال پھینکا

میدانِ جنگ سے قریش کا فرار

ابوسفیان کا اتنا کلیجہ کہاں کہ عمر بن عبدود کے ایسے رستم دستاں کے مارے جانیکے بعد وہ ایک لحظہ کیلئے بھی میدان کارزار میں ٹہر سکے عمر بن عبدود۔ نوفل۔ جبیرہ۔ ضرار کے نتیجہ کار نے اُسکے حواس کو اور باختہ کر دیا۔ اور ابوسفیان پہلو بچا کر

چلدینے کو تیار ہو گیا۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

قریش کی اسلام کے خلاف یہ آخری مقابلت و محاربت تھی جو بالتمامہ ختم ہو گئی۔ اور ایسی کہ پھر قریش آج سے اسلام کی مخالفت پر قدم نہ بڑھا سکے۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے توجہ خاص سے نہیں۔ بلکہ ضرورت خاص سے بحث وقوع بدر میں ایک مقام پر حضرت علی مرتضیٰؑ کو جنگ بدر کا ہیرو تسلیم کیا ہے۔ بدر میں حضرت علی مرتضیٰؑ کی نمود داریوں میں تو حضرت حمزہ۔ عبیدہ اور دیگر حضرات بھی شریک بتلائے جا سکتے ہیں۔ لیکن خندق کے محاسن خدمات میں۔ تو حضرت علی مرتضیٰؑ کے سوا مہاجرین و انصار کی تین ہزار موجودہ جمعیت میں کسی صحابی کو بھی قدم بڑھانے کی اور دشمن پر ہاتھ اٹھانے کی زحمت نہ ہوئی۔ اور حضرت علی مرتضیٰؑ نے تن تنہا اتنی بڑی جنگ عظیم کا جس میں ۱۴ ہزار شجاعان جرار شریک تھے خاتمہ کر دیا۔ با اینہمہ شبلی صاحب نے اس معرکہ کی تفصیل میں کہیں بھی انکے ہیرو ہونیکا ذکر نہ فرمایا۔ خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمرو بن عبدود کے قتل ہوتے ہی جنگ خندق کا خاتمہ ہو گیا۔ قریش کے عظیم الشان اور کثیر التعداد لشکر کے دل کے دل پرے کے پرے ٹوٹ ٹوٹ کر میدانوں میں اور پہاڑوں پر منتشر ہونے لگے۔ کوئی کدھر گیا کوئی کدھر۔ نصف شب تک مدینہ کا مطلع صاف ہو گیا۔

سعد ابن معاذ کا زخمی ہو کر شہید ہونا

اسلام کو اس جنگ میں عظیم الشان کامیابی کے ساتھ بہت بڑا نقصان بھی ہوا۔ وہ سعد بن معاذ کے ایسے جلیل القدر اور وفادار صحابی کی شہادت تھی۔ اگرچہ وہ عین معرکہ میں شہید نہ ہوئے۔ لیکن تیر سے ایسے زخمی ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ شبلی صاحب نے اُن کی شہادت کی یہ تفصیل فرمائی ہے

حضرت عائشہ جس قلعہ میں پناہ گزین تھیں۔ اُسی میں سعد بن معاذ کی ماں بھی تھیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے نکلکر باہر پھر رہی تھی عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ مڑ کر دیکھا۔ تو سعد ہاتھ میں حربہ لیے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جاتے ہیں۔ اور یہ شعر زبان پر ہے۔

لبّث قلیلا تدرک الهیجا جمل	ذرا ٹھہر جا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہونچ جائے۔
لا باس بالموت اذا الموت نزل	وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر ہے۔

سعد کی ماں نے سنا تو کہا بیٹا دوڑ کے جا۔ تو نے تو دیر لگا دی۔ سعد کی زرہ اتنی چھوٹی تھی کہ انکے دونوں ہاتھ باہر تھے حضرت عائشہ نے سعد کی ماں سے کہا کاش سعد کی زرہ لمبی ہوتی۔ اتفاق کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کھل گئی۔ رفیدہ ایک خاتون تھیں۔ جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں۔ اور زخم کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ انکا خیمہ مسجد رسولؐ میں خندق کے غزوہ کے بعد کھڑا کر دیا گیا۔ اور یہ خاتون سعد کا علاج کرنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود دست مبارک سے مشقص لیکر داغا لیکن پھر ورم آگیا۔ دوبارہ داغا لیکن پھر فائدہ نہ ہوا۔ کئی دن کے بعد یعنی بنی قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انہوں نے وفات پائی سیرۃ النبی

قریش کے جلد فرار کے اسباب

بایں شور و شوری وہاں یہ بے نمکی۔ قریش کہاں تو ایسے ساز و سامان اور اتنی تیاریوں سے مدینہ میں مسلمانوں کا استیصال کرنے آئے تھے۔ کہاں صرف دو یا تین آدمیوں کے قتل کے بعد ایسا ہراساں اور حواس باختہ ہو گئے۔ کہ اسی وقت مدینہ

سے محاصرہ اٹھا خیمے اکھاڑ یہ جل وہ چل۔ آخر اس عجلت کی کوئی وجہ بھی ہے؟ اس اضطراب کے کچھ اسباب بھی ہیں؟ اصلی سبب تو وہی جو اوپر ہو چکا ہے۔ کہ عمرو بن عبد ود کا کے ایسے ہزار کے برابر والے پہلوان اور رستم دستاں کے مارے جانے نے جو قریش کی تمام اُمیدوں کا مرکز تھا۔ فوج کے پاؤں اُکھاڑ دیئے اور اُنکے تمام ارادے۔ اس لئے وہ فوراً میدان جنگ خالی کر کے لشکرگاہ واپس گئے۔ لشکرگاہ میں پہونچے۔ تو دو مصیبتوں کا پے در پے سامنا ہوا۔ ایک بنی قریظہ کی مفارقت۔ دوسرے ہوائے تند کی آفت پہلے ہم بنی قریظہ کی مفارقت کے تفصیلی حالات لکھتے ہیں۔

بنی قریظہ نے قریش کا ساتھ چھوڑ دیا | اس کے متعلق شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

نعیم ابن مسعود ثقفی ایک غطفانی رئیس تھے۔ قریش اور یہود دونوں ان کو مانتے تھے۔ وہ اسلام لا چکے تھے۔ لیکن کفار کو ابھی اسکا علم نہیں تھا۔ اُنہوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتیں کیں۔ جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی میں دونوں سے جھوٹ باتیں کیں۔ اس بنا پر کہتے ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الحرب خدعۃ کی تعلیم کی تھی۔ لیکن ابن اسحٰق نے روایت کی سند نہیں نقل کی ہے اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحٰق کا یہ پایہ نہیں کہ ایسا واقعہ محض اُنکی سند سے قبول کر لیا جاوے اسکے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے۔ کہ دونوں فرقوں کا اتحاد بغیر اسکے توڑ دیا جا سکتا تھا کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے۔ ابن اسحٰق کی روایت میں اسقدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا۔ کہ قریش تو چار دن کے بعد یہاں سے چلے جائینگے تمہارا اور مسلمانوں کا ہموطنی کا ساتھ ہے۔ اسلئے تم کیوں بیچ میں پڑ کر ہمیشہ کے لیے لڑائی مول لیتے ہو۔ اور اگر ابھی برآمادہ ہو تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمہارے ہاں بھجوا دیں۔ کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کئے بغیر چلے جانا چاہیں۔ تو تم اُن لوگوں کو روک لینا یہ بھی ظاہر ہے کہ یہود بنی قریظہ اول اول نقض عہد پر راضی نہ تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کیوں توڑیں۔ لیکن حی بن اخطب نے اس شرط پر اُن کو راضی کیا تھا۔ کہ قریش چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آجاؤنگا۔ قریش اس قسم کی ضمانت نہیں منظور کر سکتے تھے۔ جب اُنہوں نے انکار کیا ہوگا۔ تو خود اُن میں پھوٹ پڑ گئی ہوگی۔ اس لیئے ایک صحابی کو دروغ گوئی کے داغ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔[۱]

[۱] شبلی صاحب کی چشم کرم ہمیشہ صاحبان سیرت ہی پر رہا کرتی ہے اور اسوقت بھی آپکا سارا غصہ امام المغازی علامہ ابن اسحٰق صاحب سیرت پر اتر گیا ہے سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ مگر ہم بار بار گذارش کرتے آئے ہیں کہ سیرت و تاریخ کے ساتھ محدود نہیں کیا جاوے۔ بلکہ یہ امور محدثین و مفسرین کی تالیفات میں بھی دیکھ لیئے جایا کریں۔ ورنہ فیصلہ یکطرفہ ہو جائے گا۔ اگر تمام عربی ماخذوں کے دیکھنے میں زحمت ہو۔ تو صرف زرقانی ہی میں جو ہر وقت پیش نظر ہے۔ یہ بحث دیکھ لی گئی ہوتی۔ تو اس دروغ گوئی کی حقیقت معلوم ہو جاتی کہ اصحاب سیرت ہی پر منحصر نہیں۔ بڑے بڑے محدثین و مفسرین جو فضلائے اسلام میں بہت بڑے صاحبان بصیرت گذرے ہیں۔ اس دروغ گوئی کو وہ سفید جھوٹ نہیں سمجھے۔ جو غلط فہمی سے آپ سمجھے ہیں۔ بلکہ اسے سعبہ مدبر سے تعبیر کرتے ہیں جسے موجودہ زمانے والے پولیسی بتلاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ زرقانی کی یہ فیصلہ کن عبارت۔

حکی مکی ومحمد بن عبد الواحد اصل الخدع اظہار امر و اظہار خلافہ وفیہ التحریص علی اخذ الحذر فی الحرب والندب الی خداع الکفار وان لم یتفطن لذالک لم یامن ان ینعکس الامر علیہ قال النووی اتفقوا علی جواز

مکی اور محمد بن عبد الواحد کہتے ہیں کہ اصل خدع اصل امر کا مخفی کرنا۔ اور اُسکے خلاف ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اس سے مقصود حیلہ ہائے کفار کا جواب دینا اور اُن میں خوف حرب پیدا کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ حیلہ کی اصلیت سے آگاہ نہ ہوئے۔ تو اس کے مخالف نتائج سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتے امام نووی فرماتے ہیں۔ مسئلہ خدعہ متفق علیہ ہے اور کفار کے ساتھ موقع

شبلی صاحب کی اس دروغ گوئی قائم کرنے کی حقیقت اسکی صحت اور جواز ہم اوپر بھی لکھ آئے ہیں۔ اور پھر اس موقع کی دروغ گوئی کی صحت و حقیقت بھی اکابر محدثین خصوصاً شارحین صحیحین کے اسناد سے حاشیہ میں لکھدیتے ہیں۔ اس لیئے کہ اسکو اصل کتاب میں مندرج کرنا سلسلہ بیان میں فصل پیدا کر دیتا۔

فرار کفار کی دوسری وجہ

لشکر کفار کے جلد نکل جانےکی وجہ اوّل تو ہم بیان کر چکے۔ اب ہم دوسری وجہ بھی شبلی ہی صاحب کی زبانی لکھکر بتلاتے ہیں۔ موسم کی سختی۔ محاصرہ کا امتداد۔ آندھی کا زور۔ رسد کی قلت۔ یہود کی علیحدگی۔ یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات لغزش میں آ گئے تھے۔ ابوسفیان نے فوج سے کہا۔ رسد ہو چکی۔ موسم کا یہ حال ہے۔ یہود نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اب محاصرہ بیکار ہے۔ یہ کہکر طبل رحیل بجنے کا حکم دیا۔ غطفان بھی اسکے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بنو قریظہ بھی محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے۔ اور مدینہ کا اُفق ۲۰۔۲۲ دن تک غبار آلودہ رہکر صاف ہو گیا۔ سیرۃ النبیؐ ص ۳۱۷۔

حذیفہ بن یمان کی محاسن خدمات

شبلی صاحب نے اشاروں میں بات کر دی۔ اور الگ ہو گئے۔ تفصیلی کیفیت یہ ہے۔ محدث شیرازی لکھتے ہیں۔ یہ سلم ہے کہ مقابلہ والا دن بلکہ اسکی ایک رات پہلے ہی سے دن رات لگاتار طوفانی ہوا چل رہی تھی اور سردی بھی برابر بڑی شدت کے ساتھ قائم تھی۔ کفار کی ہزیمت کے بعد شام ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ رات گئے نماز پڑھی اور اصحاب کو یہ کہکر پکارا کہ جو کوئی شخص اسوقت لشکر مخالف میں جاکر انکے جانےکی خبر لائے۔ وہ بہشت میں حضرت ابراہیمؑ کا رفیق ہوگا۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی۔ دوسری بار آپ نے یوں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی فوج کفار انکے احوال دریافت کر آئے وہ بہشت میں میرا رفیق ہوگا۔ اب بھی کسی طرف سے آواز نہ آئی۔ اسکے بعد حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے میرا خاص نام لیکر پکارا۔ تو میں سردی سے کانپتا ہوا آپکی خدمت میں حاضر ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے میری آواز سنی تھی۔ میں نے عرض کی ہاں سنی تھی۔ لیکن بھوک اور سردی کی شدت سے حاضر نہ ہو سکا۔ یہ سنکر آپنے دست اقدس میرے سر پر مس فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ براہ راست یہاں سے لشکر گاہ کفار میں چلے جاؤ۔ اور دیکھ آؤ وہ کیا کر رہے ہیں اور اب انکا کیا ارادہ ہے۔ لیکن اُنپر ہاتھ نہ اٹھانا۔ اور نہ کسی کو قتل کرنا۔ میں نے عرض کی کہیں وہ مجھے قید نہ کرلیں۔ آپنے فرمایا نہیں وہ تمھیں اسیر نہیں کر سکتے۔ یہ کہکر آپ نے میرے حق میں یہ دعا فرمائی۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ: بـ الکفار فی الحرب کیف ما امکن الّا ان یکون فیہ نقض عھد او امان فلا یجوز قال ابن العربی ویقع الخداع بالتعریض والکمین ونحو ذالک وفی الاحادیث الاشارۃ الی استعمال الرای فی الحرب بل الاحتیاج الیہ اکثر من الشجاعۃ ولذا اقتصر علیٰ ما یشیر الیہ بھذا الحدیث وھو کقولہ الحج عرفۃ قال ابن المنیر معنی الحرب خدعۃ ان الحرب الجیدۃ لصاحبھا الکاملۃ فی مقصودھا انّما ھی المخادعۃ لا المواجھۃ وذلک لخطر المواجھۃ وحصول الظفر مع المخادعۃ بغیر خطر۔ زرقانی جلد دوم ص ۱۳۵

جنگ میں جائز ہے۔ ایسی حالت میں کہ جب کوئی صورت امکان باقی نہ رہے اور اُس خدعے سے نقض امان یا خلاف عہد و پیمان ہوتا ہو تو جائز نہیں ہے۔ ابن عربی کا قول ہے۔ خدعے مخالف کے جواب۔ سراغ کمین اور دیگر ایسی ضروریات میں واقع ہوتی ہیں اور اسی کی نسبت حدیث میں اشارہ ہے اور وہ صرف حکم ورائے نہیں ہے بلکہ اسکی پوری احتیاج و ضرورت اظہار شجاعت سے زیادہ تاکید بتلائی گئی ہے۔ اس لیے مختصر طور پر اس قول میں اشارہ ہے کہ حج عرفہ ہے۔ ابن منیر تحریر کرتے ہیں کہ جنگ حقیقتاً خدعہ ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ جنگ بالمقابلہ صاحب جنگ کی کوشش کاملہ بالمواجہ ہے۔ نہ بالخادعہ۔ وہ ترکیب ہے جو بلا مقابلہ اور مواجہ خطیر کے حصول ظفر و کامیابی کا ذریعہ ثابت ہو

(المولف الاحقر سید اولاد حیدر)

اَللّٰھم احفظہ من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ ومن فوقہ ومن تحتہ

پروردگار تو اُسکی سامنے سے۔ پشت سے۔ داہنے سے۔ بائیں سے اوپر سے اور نیچے سے اُسکی حفاظت فرما اور محفوظ رکھ۔

حذیفہ کا بیان ہے کہ اس دعا کے بعد پھر مجھے سردی اور بھوک کی شدت محسوس نہ ہوئی۔ اور نہ خوف ودہشت معلوم ہوئی۔ میں نے صلاح جنگ پہنی۔ اور لشکر قریش میں جا پہونچا۔ وہاں پہونچکر ہوا کی تیزی یہاں سے اور زیادہ معلوم ہوئی۔ اور ایسی کہ خیمے کی طنابیں اُکھاڑ پھینکے دیتی تھی۔ اور چولہوں پر سے پتیلی اور دیگچے اُلٹے دیتی تھی ابوسفیان کا یہ عالم تھا کہ باربار خیمہ سے کانپتا ہوا باہر آتا تھا۔ اور آگ کے پاس بیٹھکر تھوڑی دیر تک گرم ہوتا تھا۔ اور پھر خیمہ میں جاکر پڑ رہتا تھا۔ پھر نکلتا تھا۔ اور ایسا ہی کرتا تھا۔ تاہم سردی سے تسکین نہوتی تھی۔ تمام فوج آگ کے پاس جمع تھی۔ گویا تمام عرب بت پرست سے آتش پرست ہوگیا تھا۔ لیکن بایںہمہ کسی کی جان میں جان نہ تھی۔ ابوسفیان نے خیمہ سے نکلکر حکم دیا۔ کہ ہر شخص اپنے رفیق کو باہم لپٹاکر آگ کے پاس بیٹھے۔ کہ بدن کی اور آگ کی گرمی ملکر خوب گرم ہوجائے

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں بھی یہ حکم سنکر ایک جماعت میں ملکر بیٹھ رہا۔ اور جو شخص میرے پہلو میں تھا۔ اُسکو لپٹا لیا۔ نام ونسب پوچھا۔ تو اُس نے کہا کہ میں قبیلہ ہوازن سے ہوں۔ میں نے اپنے دل میں قصد کیا۔ کہ ابوسفیان کو تیر لگاکر ٹھنڈا کردوں۔ لیکن مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم امتناعی کا خیال آگیا۔ اور میں اپنے قصد سے باز رہا۔ ابوسفیان کی یہ ترکیب بھی کارگر نہوئی۔ اور فوج کو سردی سے تسکین نہوئی۔ بلکہ جیوں جیوں رات بڑھتی گئی سردی بھی بڑھتی گئی۔ اور سردی کے ساتھ ہوا بھی تیز وتند ہوتی گئی اب تو یہ نوبت پہونچی کہ سانس کا لینا اور منہ سے بولنا دشوار ہوگیا۔ بالآخر ابوسفیان نے دیگر سرداران لشکر سے باہم مشورت کرکے لشکر میں اعلان کردیا۔ کہ اب یہاں ٹھہرنا محض بیکار ہے ٹھہرے میں انسان اور جانور دونوں کی جانوں کا نقصان ہے۔ اگر تھوڑی دیر یہاں اور مقیم رہے تو سب کے سب یہیں ڈھیر ہوکر رہجائینگے اس لیے فوراً بار کرکے کوچ کردو۔ اب ٹھہرکے کیا کروگے۔ یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑدیا۔ بنی قریظہ اپنے اپنے گھر بیٹھ رہے۔ اس حکم کے سنتے ہی لشکر میں کوچ کا شور برپا ہوگیا۔ اور نصف شب جاتے جاتے کفار کے لشکر نے میدان جنگ کو خالی کردیا۔

حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے قصد سے واپس چلا راستہ میں مجھے کچھ لوگ سفید عمامے باندھے ملے۔ اور اُن لوگوں نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا کہ اپنے سردار کو جاکر کہدو کہ خداوند عالم نے دشمنوں سے تمہاری مدد فرمائی۔ اور تم کو محفوظ رکھا۔ حذیفہ کہتے ہیں جسوقت خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو آپ نماز پڑھ رہے تھے فارغ ہوئے۔ تو میں نے مژدہ سنایا۔ یہ مژدہ مسرت افزا سنکر آپ خنداں ہوئے۔ اور اتنا کہ میں نے آپکے دندان مبارک کی زیارت کرلی۔ ارشاد ہوا کہ رستہ میں جن لوگوں نے تمھیں بشارت دی تھی۔ وہ خدا کے فرشتے تھے۔ جو نصرت اسلام کیلئے بھیجے گئے تھے روضۃ الاحباب ص ۳۳۱

قرآن مجید میں یوں تفصیل مندرج ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا۔ (احزاب)

مسلمانوں خدا کے احسان کو یاد کرو جبکہ تم پر فوجیں آپڑیں۔ تو ہم نے اُن پر آندھی بھیجی۔ اور وہ فوجیں بھیجیں۔ جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

غزوہ بنی قریظہ

۲۴ ذی الحجہ ۵ ہجری

غزوہ بنی قریظہ

محدث شیرازی حضرت ابن عباس کی اسناد سے لکھتے ہیں۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا۔ کہ جب آپ سفر سے واپس آتے تھے۔ تو سب سے پہلے حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے پاس تشریف لیجاتے تھے ۲۳ ذی قعدہ کو خندق کی فتح ہوئی۔ ۲۴ کو آپ مع الخیر مدینہ میں واپس آکر حسب معمول حضرت فاطمہؑ کے دیکھنے کو تشریف لیگئے۔ سلاح جنگ اوتاری۔ اور جناب سیدہ اپنے پدر عالیمقدار کے چہرے اور پوشاک سے گرد وغبار پاک کرنے لگیں۔

ابھی حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مونہہ ہاتھ دھوکر فارغ بھی نہیں ہوئے تھے۔ کہ بنی قریظہ کی تنبیہہ وتادیب کا حکم نازل ہوا۔ حضرت جبرئیلؑ نے عرض کی کہ آپ نے سلاح جنگ اُتار دی حالانکہ ملائکہ کی فوج ابھی ویسی ہی مسلح ہے (زرقانی وبخاری) یہ حکم سنتے ہی آپ نے پھر سلاح جنگ آراستہ کرلی اور ہتھیار لگاکر باہر تشریف لائے اور تمام اہل اسلام کو حکم دیا ارکبوا یا خیل اللہ اے لشکر خدا کے لوگو۔ سوار ہوجاؤ۔

جناب علی مرتضیٰؑ اور یہود کی سخت کلامی

حکم کی دیر تھی۔ مجاہدین اسلام کمریں کس کر تیار ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو علمدار و سردار لشکر بناکر فوج اسلامی کے ساتھ آگے روانہ کردیا۔ اور بقیہ فوج اسلامی لیکر آپ عقب سے روانہ ہوئے حضرت علی مرتضیٰؑ نے بنی قریظہ کے قلعوں کے سامنے آکر اسلام کا علم نصب کردیا۔ یہ دیکھکر یہود قلعہ کی فصیلوں پر نکل آئے۔ اور فوج اسلامی کو دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں کلمات ناسزا کہنے لگے۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اُن کی زبان درازیوں کو سُنتے تھے۔ لیکن جہاد کا اذن تو تھا ہی نہیں۔ بالکل خموش تھے۔ مگر جب تحمل کی طاقت نہ رہی تو آپ وہاں سے اذن جہاد لینے کے لئے واپس ہوئے۔ راہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔ طبری میں ہے۔

فسار علیاً حتی اذا دنا من الحصون سمع منہا مقالۃ قبیحۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہم فرجع حتی لقیہ بالطریق فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا علیک لا تدنوا من ہؤلاء الاخابث قال لم اظنک سمعت منہم لی اذی قال نعم یا رسول اللہ فقال لو رأونی لم یقولوا من ذلک شیئاً۔ ابن ہشام ص ۱۲۶ وطبری ص ۱۴۸۷

حضرت علی مرتضیٰ جب اُنکے قلعوں کے قریب پہنچے تو اُن لوگوں کے کلمات قبیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کہے حضرت علی سے تحمل نہ ہوسکا تو آپ واپس لوٹے رستہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملگئے۔ حضرت علیؑ نے عرض کی کہ مصلحت وقت یہی ہے کہ آپ ان خبیث قوم کے پاس خود تشریف نہ لیجائیں۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ کیا اُن لوگوں نے تم نے میری نسبت کچھ کلمات بد سُنے ہیں۔ حضرت علیؑ بولے جی ہاں۔ ارشاد ہوا کہ جب میں اُنکے سامنے جا کھڑا ہونگا۔ تو پھر وہ ایک کلمہ بھی اپنی زبان سے نہ نکال سکیں گے۔

الغرض لشکر اسلامی نے بڑی استحکامی سے حصار بنی قریظہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور اُنکی فراہمی ضروریات کی تمام راہیں مسدود کردیں۔ ایک مہینے کے قریب تک محاصرہ قائم رہا۔ اس درمیان میں بنی قریظہ نے بیرونی امداد کے حصول کیلئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ اور

حی بن اخطب جو اسوقت تک بنی قریظہ کے ہمراہ تھا۔ وہ بھی اپنے کاغذی گھوڑے اِدھر اُدھر کو دوڑاتا رہا۔ لیکن کچھ مفید کار نہوا۔ اسلام کی مخالفت میں کسی قوم و قبیلہ کا تیار ہوجانا۔ اب بہت دشوار تھا۔ ان خراب حالتوں پر بھی یہوئیکہ بنی قریظہ اپنی فطرتی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے۔ ایک دن اُنکی ایک شریر عورت نے ایک مسلمان انصاری خداش نامی کے سر پر تاک کر بھاری پتھر گرا دیا کہ وہ غریب وہیں کچل کر رہ گیا۔ لیکن رحمت عالم نے ان مظالم پر صبر فرمایا۔ اور کسی فوری تنبیہہ و تادیب کا قصد نہیں کیا۔

اسلام نے یہودان بنی قریظہ کے ساتھ ابتداہی سے خاص رعایت ملحوظ رکھی تھی۔ جسطرح بنی نضیر آل ہارون ہونیکے دعویدار تھے اُسی طرح بنی قریظہ اپنا نسب نامہ حضرت شعیبؑ سے ملاتے تھے۔ اس لیئے باعتبار قومیت کے وہ بنی نضیر سے زیادہ قدیم تھے لیکن باوجود دعویٰ شرافت کے ان لوگوں سے کوئی شریفانہ عمل نظر نہیں آئے۔ بلکہ بجائے اسکے وہ بدعہد۔ بدخلق۔ بدکار اور محسن کش قوم ثابت ہوئے اوپر بیان ہوچکا ہے۔ کہ مدینہ میں ظہور اسلام کے وقت ہی تمام یہودیوں نے ملکر اسلام کیساتھ معاہدہ لکھدیئے تھے کہ بلا خیال اختلاف مذہب مسلمان اور یہود ایک قوم واحد کی صورت میں ایک دوسرے کے شریک و مددگار رہا کریں گے۔ اس بنا پر اسلام نے اُن کے ساتھ آزاد قوم کے ایسے معاملات قائم رکھے اور اُنکو مراسم مذہبی کی ادائیگیوں میں پوری آزادی عطا فرمائی لیکن بنی قریظہ نے بدر ہی سے خلاف عہدی شروع کر دی۔ اور سلاح جنگ سے قریش کی مدد کی تھی۔ اور یہ بات جنگ بدر کے بعد فوراً کھل بھی گئی تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے حسن اخلاق سے کبھی اسکا ذکر بھی نہ کیا۔ جنگ بدر کے بعد ہی یہودیوں کے خیالات میں اسلام کیطرف سے اتفاق و اتحاد کی جگہ نفاق و فساد اور محبت و مساوات کے عوض رشک و حسد پیدا ہوگیا۔ پھر قریش نے ان لوگوں پر سازش کے جال پھیلائے۔ اور یہ سب کے سب اُنکے دام فریب میں آگئے۔ اور استیصال اسلام پر تیار ہوگئے۔

بنی قینقاع کی سزا و تنبیہہ کے بعد جب بنی نضیر کی سزا دہی کی نوبت پہونچی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پہلے اُنہی یہود کی سعد بن معاذ اُنکے معاملات میں خاص طور ساعی تھے۔ اس لیئے کہ بنی قریظہ کے حلیف تھے۔ کچھ آج سے نہیں بلکہ زمانہ جہالت کی اُسوقت سے جب انصار میں خانہ جنگیاں جاری تھیں۔ اُسیوقت سے بنی قریظہ اُنکا جانبدار تھا۔ عرب میں حلیف ہونیکا تعلق نسبی تعلقات سے کم اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اس بنا پر سعد بن معاذ نے اُنکے معاملات میں پیش و پس ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اُنکے معاملات میں مصالحت پر رضامند کر لیا۔ اور اُن سب نے بکمال رضا و رغبت تجدید معاہدہ کر دی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں تحریر ہے

فاجلی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنی النضیر واقر قریظۃ ومنّ علیھم	آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بنی نضیر کو جلا وطن فرما دیا اور بنی قریظہ کو رہنے دیا۔ اور اُنپر احسان خاص کیا۔

اس احسان کا یہ جواب تھا کہ حی بن اخطب کی ذرا سی بھڑکی میں آکر قریش کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور یہ نہ سوچا کہ صلحنامہ جدید پر دستخط کئے ابھی کے دن ہوئے ہیں۔ غزوہ خندق سے شکست کھا کر لوٹے۔ تو حی بن اخطب کے ایسے سخت ترین دشمن اسلام کو اپنا مہمان بناکر گھر لیتے آئے۔ اور اُسکے ذریعہ سے چار طرف استیصال اسلام کیلئے ریشہ دوانیاں کرتے رہے۔ انہی ناقابل عفو جرائم پر بھی اسلام نے صرف اُنکی محاصرے سے اُن کی تنبیہہ کی ابتدا کی مقصد یہ تھا کہ اگر وہ مرعوب ہوکر پھر معاہدہ سابقہ پر آجائیں گے تو اسلام کو پھر اُنسے

کوئی شکایت باقی نہیں رہے گی۔ اور جنگ خندق کی ناکامی یقین بھی ایسا ہی دلاتی تھی۔ اور اگر اپنی شامت سے مقابلہ ہی پر آمادہ ہوگئے تو پھر مقابلہ بھی کیا جائیگا۔ اور معاملہ بھی لیکن آغاز محاصرہ ہی سے ان کے رنگ بیرنگ نظر آنے لگے۔ وہ شکست کھا کر مخاصمت سے خالی کیا ہوتے عداوت و شقاوت سے اور بھر گئے۔ اور فوج اسلامی کے آتے ہی زبان درازیوں سے کام لینے لگے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس انتظار میں تاخیر فرماتے رہے۔ اور محاصرہ میں طوالت ہوگئی۔ کہ شاید یہ بدبخت اب بھی اسلام کے ساتھ یکسوئی کی راہ پر آجائیں۔ لیکن وہ راہ پر کیا آئیں گے اور گمراہ ہوتے چلے گئے۔ خداش کے شہید کردیئے جانیکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انکی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ تو بالآخر آئین جنگ کے مطابق محاصرے میں سختی سے کام لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے مایوس و مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تصفیہ کے خواہاں ہوئے۔ آپ ان غداروں کی مفسد طبیعتوں سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ اور انکی فتنہ انگیز حرکتوں کا متواتر تجربہ اٹھا چکے تھے۔ اس بنا پر خود تصفیہ کرنے سے انکار کردیا۔ اور کہلا بھیجا کہ میں تصفیہ کرنے پر راضی تو ضرور ہوں۔ لیکن میں خود تصفیہ نہیں کرونگا۔ تم ہی اپنی طرف سے کسی کو حکم کردو جو وہ تصفیہ کردے اسی پر ہم تم دونوں راضی ہو جائیں بنی قریظہ نے قبول کرلیا۔ اور اپنے قدیم تعلقات کی بنا پر سعد بن معاذ کو حکم مقرر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سعد کی تحکیم کو منظور فرمالیا۔

سعد بن معاذ کی تحکیم

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سعد بن معاذ خندق کی لڑائی میں تیر سے سخت زخمی ہوگئے تھے۔ اسلیئے اسوقت لشکر اسلام میں موجود نہ تھے قبیلہ اوس کے چند آدمی خود انکے لانیکے لیئے مدینہ گئے اور ایک گدھے پر سوار کرکے ان کو اپنے ہمراہ لیتے آئے۔

بنی قریظہ کے ہوا خواہ مدینہ تک دوڑ گئے۔ اور خود بھی اور قبیلہ اوس کے چند لوگوں کو اپنا ہم زبان بنا کر سعد سے روابط سابقہ کی بنا پر فیصلہ میں رعایت و نرمی کیلئے عرض و معروض کرنیلگے۔ لیکن ان کے متواتر اصرار کے مقابلہ میں سعد کا ایک ہی جواب تھا۔ زرقانی لکھتے ہیں

فلما اکثروا علیہ قال لقد ان لسعد ان لا تو اخذہ فی اللہ لومۃ لائم ص ۱۵۵ ج دوم

جب کثرت سے ان لوگوں نے ان کو گھیر لیا۔ سعد بولے کہ سعد کیلئے وہ وقت آگیا ہے۔ کہ وہ راہ خدا میں کسی طعنہ زن کی طعن و تشنیع کی پرواہ کرے

ایسے صاف اور بیلوث جواب سے سائلین کو مایوسی ہوگئی پھر کسی کو آئندہ عرض و معروض کی جرأت نہوئی۔ لشکر گاہ اسلامی کچھ دور نہ تھی سعد آرام و اطمینان سے خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ قریظہ کے نمائندگان جو معاملات کے طے کرنیکے لیئے حاضر دربار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو مخاطب کرکے کہا قوموا الی سید کم۔ اپنے سردار کی تعظیم کیلئے اٹھو الغرض سعد کو لوگ ہاتھوں ہاتھ سواری سے اُتار کر آہستہ آہستہ آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے۔ اور آپنے نمائندگان بنی قریظہ کے سامنے صورت حال ارشاد کی۔ بنی قریظہ کے نمائندے لفظاً لفظاً آپ کی تقریر کو سنتے رہے۔ مزید احتیاط کے خیال سے پھر قریظہ کے لوگوں سے پوچھ لیا۔ کہ تم لوگ سعد کو اپنا حکم مقرر کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ ہمیں انکا حکم قبول اور منظور ہے۔ یہ سنکر آپنے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اسلام کی طرف سے سعد کو حکم مقرر کرتا ہوں۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین کرلینا چاہیئے۔ کہ جب تک کسی امر میں قرآن مجید کا حکم خاص نازل نہیں ہوتا تھا۔ اسمیں احکام توراۃ کے مطابق حکم نافذ ہوتا تھا۔ اس بنا پر سعد نے جو کچھ فیصلہ کیا۔ وہ بالکل حکم توریت تھا اور

وہ یہ تھا کہ سعدؓ نے تھوڑے غور و خوض کے بعد طرفین کے مقابلہ میں یہ حکم سنایا کہ یہودان قریظہ کے جنگجو مرد قتل کر دیئے جائیں اُن کے اہل و عیال اسیر ہوں۔ اور سلاح و مال غنیمت میں لے لیے جائیں۔ توراۃ کتاب تثنیہ۔ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے۔

جب تو کسی شہر میں حملہ کرنے کے لیے جائے۔ تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صلح تسلیم کر لیں۔ اور تیرے لیے دروازے کھول دیں۔ تو جتنے لوگ ۸
وہاں موجود ہوں۔ وہ سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں۔ تو اُنکا محاصرہ کر۔ اور جب تیرا خدا تجھکو اُن پر قبضہ دلا دے۔ تو جسقدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں۔ سب تیرے لیے مال غنیمت ہونگے۔

جانبین کو فیصلہ حکم کے ایجاب و تعمیل میں عذر کی کوئی گنجائش نہیں تھی تعمیل کی گئی۔ اور چار سو یہودان قریظہ قتل کر دیئے گئے۔ یہ اُن کی غداری اور فتنہ انگیزی کے نتیجے تھے۔ جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اور لب نہ ہلا سکتے تھے۔

یہود کی ایک دلیر عورت

عورتیں فیصلہ کے مطابق قتل سے مستثنیٰ تھیں۔ لیکن وہ عورت جس نے خداش کو پتھر گرا کر قتل کر دیا تھا۔ مقتول کے قصاص میں واجب القتل تھی۔ یہ بڑی دلیر عورت تھی۔ اپنے حکم کو مقتضائے عدالت سمجھکر اپنے قتل سے ذرا بھی ہراساں نہیں تھی شبلی صاحب حضرت عائشہؓ کی زبانی اُسکی داستان قتل یوں لکھتے ہیں۔

ایک عورت تھی۔ وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی۔ کہ اُس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خداش) کو قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے جس جرأت و دلیری سے جان دی۔ سنن ابوداؤد میں حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے۔ اُسکو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست میں اُسکا بھی نام ہے۔ قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جارہا تھا۔ اور یہ ہوش ربا صدا بار بار اُسکے کانوں میں آتی تھی۔ لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتی جاتی تھی اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی۔ دفعتاً قاتل نے اُسکا نام پکارا۔ وہ بے تکلف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہاں؟ بولی میں نے ایک جرم کیا تھا اُسکی سزا اُٹھانے جاتی ہوں۔ خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی۔ اور تلوار کے نیچے سر رکھدیا۔ سیرۃ النبیؐ ص ۳۲۲۔

فیصلہ کے خداوندانہ ہونے کی نسبت یہودیوں کی تصدیق

تمام محدثین و مورخین کا اسکی نسبت اتفاق ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعدؓ کی زبانی یہ فیصلہ سنکر اُسی وقت یہ فرما دیا تھا کہ یہ فیصلہ آسمانی حکم کے موافق ہے۔ اس ارشاد میں اُسی حکم کی طرف اشارہ ہے۔ جو اوپر لکھدیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منحصر نہیں خود یہودیوں نے بھی اسکا اعتراف کیا ہے۔

جو کلمات اُن کے منہ سے نکلے وہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ اس حکم کو حکم خدا کے مطابق سمجھتے تھے۔ چنانچہ حی بن اخطب جسکی فتنہ انگیزیوں نے قریظہ کو یہ بُرے دن دکھلائے تھے۔ قتل گاہ میں لایا گیا۔ تو اس کی زبان پر یہ فقرے جاری تھے۔

اما واللہ مالمت نفسی فی عداوتک ولکنہ من یخذل اللہ یخذل	ہاں خدا کی قسم مجھکو اسکا افسوس نہیں کہ میں نے تیرے ساتھ کیوں عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے۔ خدا بھی اُسکو چھوڑ دیتا ہے

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

ایھا الناس انہ لا باس بامر اللہ کتاب وقدر وا	لوگو خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں یہ لکھا ہوا تھا یہ ایک سزا تھی

ملحمۃ کتبہا اللہ علی بنی اسرائیل ۔ | جو خدا نے بنی اسرائیل کے لئے پہلے ہی لکھدی تھی۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ حی بن اخطب کو قانون فطرت کے مطابق موت کے وقت بنی قریظہ کے افعال ذمیمہ کے ساتھ اپنی کرتوت بھی تو پیش نظر تھی۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ واقعۂ بنی نضیر میں خارج البلد ہونیکے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص طور پر معاہدہ کرچکا تھا۔ کہ آج سے وہ اسلام کی مخالفت میں کسی قوم وقبیلہ کی حمایت نہیں کریگا۔ اس اقرار پر وہ خدا کو ضامن دیچکا تھا۔ لیکن اسکے خلاف اسوقت تک جو جو اُسنے کیا تھا جنگ خندق میں قریش سے جاملا۔ بنی قریظہ سے اسلام کا معاہدہ صلح تڑوانا اور خود بذات شریک جنگ رہنا۔ یہ سب اُسوقت اُسکی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا اور حقیقت حال اُسکی زبان سے کہلوا رہا تھا۔

لیکن واہ رے عیسائیوں کی متعصبانہ بے بصیرتی اور مغویانہ کوتہ فہمی۔ بقولیکہ مدعی سُست گواہ چست۔ یہودیوں کو تو اپنی سزا کی نسبت کوئی عذر و کلام نہوا۔ اور وہ اسکو عدالت خداوندی کا مقتضا سمجھے۔ لیکن عیسائی تعصب ونفسانیت کی بنا پر سزائی بنی قریظہ کو اسلام کا سخت ظلم وجور قرار دیکر خواہ مخواہ چیخ اُٹھے اور اپنے مغویانہ طریقہ بیاں سے اسمیں اعتراض کے نئے نئے پہلو نکالے۔ عیسائیوں کے قدیم اعتراضات کا تو ہزاروں بار جواب ہوچکا ہے۔ اور آجتک دیا جاتا ہے۔ لیکن زمانۂ حال کے جدید عیسائی محقق مسٹر مارگیولوس کو اس کے متعلق اعتراض میں کوئی جدت کا پہلو نہ ملا۔ تو کہنے لگے کہ سعد بن معاذ کو جنگ خندق میں ایک یہود قرظی نے تیر مار کر زخمی کیا تھا۔ ایسا سخت حکم اُسی کا قصاص تھا۔ باوجود اتنی دعوئی عربی دانی اور کتب اسلامی کی ورق گردانی کے ابھی تک مسٹر مارگیولوس کو اتنا نہ معلوم ہوسکا کہ سعد کا قاتل قرظی تھا۔ یا قریشی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تصریح نام کے ساتھ تصریح قومیت بھی درج ہے وھو ابن العرقۃ القریشی۔ وہ ابن عرقہ قریشی تھا سعد کے قاتل کا نام ابن عرقہ قریشی تھا

سزائے قریظہ اُصول قصاص کے مطابق تھی

عیسائی معترضین اگر حقیقتاً انصاف پسند ہوتے۔ تو حکم سزا کو سخت قرار دینے سے پہلے مجرمین کی فرد جرم پڑھ لیتے۔ اور اُنکے جرائم کی اہمیت پر غور کر لیتے۔ تب کچھ لکھنے کی جرات کرتے۔ شبلی صاحب نے مجرمان بنی قریظہ جو فرد جرم بنائی ہے۔ وہ اُن کے تمام ناقابل عفو جرائم کی مکمل اور مفصل فہرست ہے۔ اور حقیقتاً اُس سے اچھی فہرست مرتب ہونا دشوار ہے۔ ہم اُسی کی نقل کو کافی سمجھکر حسب ذیل درج کرتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں آکر اُنکے (قریظہ کے) ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا۔ جس میں اُنکو پوری مذہبی آزادی دی گئی۔ اور اُن کی جان ومال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا۔

(۲) بنو قریظہ رتبہ میں بنو نضیر سے کم تھے۔ یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کردیتا تھا تو اُسکو صرف آدھا خوں بہا دینا ہوتا تھا۔ بخلاف اسکے بنو قریظہ پورا خوں بہا ادا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قریظہ پر احسان کیا۔ کہ اُن کا درجہ بنو نضیر کے برابر کردیا۔ (بحوالہ ابو داؤد احکام دیت)

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کی جلاوطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی۔

(۴) باوجود ان باتوں کے عہد شکنی کی اور جنگ خندق میں شریک ہوئے۔

(۵) ازواج مطہرات قلعہ میں حفاظت کے لیے بھیجدی گئیں تھیں۔ اُن پر جا کر حملہ کرنا چاہا۔

(۶) حی بن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اور جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کر کے جنگ احزاب قائم کی تھی۔ اُس کو اپنے ساتھ لائے۔ جو آتش جنگ کی اشتعال کا دیباچہ تھا۔،، ان حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جا سکتا تھا۔ سیرۃ النبیؐ ص ۳۲۱۔

افسوس ہے کہ عیسائی متعصبین حکم سزا کے ساتھ مجرمین کے فرد جرم کا مطالعہ نہیں کر لیتے۔ کیا یوروپ میں انصاف پسندی کے یہی اصول قائم کیے گئے ہیں۔ کہ صرف حکم کے الفاظ سے بحث کی جائے۔ اور توجیہات حکم پر نظر نہ ڈالی جائے اگر ہم اُنکے اسی کج فہمانہ اور محض مغویانہ قول کو بنو قریظہ کے معاملہ میں اسلام نے بڑی سختی سے کام لیا۔ تھوڑی دیر کے لیے بفرض محال اگر مان بھی لیں۔ تو اسکے جواب میں ہم یہی کہیں گے۔ کہ اسلام کا یہ فیصلہ حکم توریت کے بالکل مطابق تھا۔ وہ یہودی تھے۔ اُنکی الہامی کتاب توریت تھی۔ جن جرائم کے وہ مرتکب ہوئے تھے۔ اُنکی سزا توریت میں وہی تھی۔ جو اُن کو دی گئی۔ اور اسی لیے مجرمین نے اسمیں کوئی عذر و کلام نہیں کیا۔ جیسا کہ اُن کے اصل قول و اعتراف سے ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں۔

بنو قریظہ کے معاملات میں اسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ رعایت کی

اگر اس پر بھی متعصبین یوروپ کی تشفی نہو۔ تو ہم اُنکو یاد دلاتے ہیں۔ کہ بنو قریظہ حضرت شعیبؑ نبی اللہ کی اولاد تھے۔ جو حضرت موسیٰؑ کے خسر تھے۔ ارباب سیر و تاریخ کے مشاہدات سے ثابت ہے کہ حضرت شعیبؑ کی اولاد عرب کے علاقہ مدین میں آباد تھی۔ اور مدیان کے نام سے توریت میں تمام مذکور ہے۔ یہ امور پہلے ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ کہ حضرت موسیٰؑ نے باوجود اتنی قرابت کے اُن کے ساتھ کیا سلوک قائم کیے۔ توریت کتاب الاعداد۔ باب ۳۱ از آیت ۶ تا ۳۵ میں ہے۔

بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور اُن کے بچوں کو اسیر کیا۔ اُن کے مویشی بھیڑ بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ اور اُن کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے۔ اور اُن کے تمام قلعوں کو پھونک دیا۔ موسیٰؑ اُن پر غصہ ہوا۔ کہ کیا تم نے اُن کی سب عورتوں کو جیتا رکھا۔ اُن کے تمام بچوں کو جو نادان ہیں۔ قتل کر ڈالو۔ اسی طرح ایسی ہر ایک عورت کو۔ جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہے۔ قتل کر ڈالو لیکن وہ لڑکیاں جو مردوں کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں۔ اُن کو اپنے لیے زندہ رکھو۔

محققین یوروپ توریت کھولکر دیکھ لیں۔ کہ حضرت موسیٰؑ خود اپنے وقت میں بنی قریظہ کے اسلاف کے ساتھ کیا کچھ کر چکے ہیں اور اُنکو اُنکی غداری اور کفر کرداری کی کیا سزا دے چکے ہیں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے حکم کو حضرت محمدؐ حبیب اللہ کے حکم سے مقابلہ کریں تو اُنکو معلوم ہو جائے گا۔ کہ حضرت موسیٰؑ کے حکم کے مقابلہ میں رحمت اللعالمین اور اشرف المرسلین کا حکم زیادہ نرم اور ملائم تھا۔ رحمت عالم کے حکم میں قتل و قصاص سے عورتیں اور بچے بالکل مستثنیٰ تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے حکم میں تاکید تھی کہ بیاہی عورتیں اور نادان بچے ضرور قتل کر دیے جائیں۔ کیا ان احکام توریت کے معائنہ کے بعد بھی عیسائی متعصبین کو اپنی مغویانہ عالم فریبیوں پر اصرار رہیگا۔ اگر حقیقتاً رہے گا۔ تو یہ اُن کی کورچشمی اور سیاہ قلبی کا روشن ثبوت ہوگا۔

آخر بحث میں ہم کو یہ بھی لکھکر دکھلا دینا ضروری ہے۔ کہ حضرت موسیٰ کے حکم سابق میں مجرمین کی جماعت میں کسی اکے استثنا کا حکم نہیں تھا۔ اسی طرح سعد کے فیصلہ حال نے بھی حکم سزا میں کسی فرد واحد کو مستثنی انہیں کیا تھا۔ لیکن تاہم اُس خلق مجسم اور رحمت عالم روحی فداہ نے اپنے خلق عظیم سے زبیر یہودی کی مع اُس کے اہل وعیال کے جان بخشی کا حکم دیا۔ اور رفاعہ بن شموئیل کو اپنی مرحمت خاص سے رہا فرما دیا۔ صلوٰا علیہ وآلہ۔

ریحانہ کا غلط واقعہ ریحانہ کو بعض مورخین بنی نضیر کی عورت بتلاتے ہیں۔ اور بعض قرظی۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ بنی نضیر کے قبیلہ یہود سے تھی اور بنی قریظہ میں ایک شخص یہود حکیم قرظی نامی سے بیاہی تھی۔ اُس کا شوہر قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ اسیر ہو کر لشکر اسلام میں آئی آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے عقد کر لیا۔ زرقانی میں اسکی پوری کیفیت ان الفاظ میں درج ہے۔

فتزوجها بعد ان اسلمت اصدقها اثنی عشرة اوقية واعرس بها فی المحرم سنة ست فی بيت سلمى بنت قيس النجارية وضرب عليها الحجاب فغارت عليه غيرة شديدة فطلقها تطليقة فشق عليها فاكثرت البكاء فراجعها ولم تزل عنده حتى ماتت راجعة من حجة الوداع سنة عشر ودفنها بالبقيع ذكره الواقدی وابن سعد وغيرهما جلد دوم ص ۱۵۸

آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم نے ریحانہ کے ساتھ اُس کے اسلام لانے کے بعد نکاح کر لیا اور بارہ اوقیہ (چاندی) اُسکے مہر میں دیا اور محرم ۶ھ ہجری میں خرف قربت سے اُسکو مشرف فرمایا اور سلمیٰ بنت قیس نجاریہ انصاریہ کے گھر میں اسکو پردہ کے ساتھ رکھا۔ ریحانہ کو پردہ میں رہنے سے بڑی غیرت آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُنکی آزادی اور بے حجابی ناگوار خاطر ہوئی آپ نے اُسکو طلاق رجعی دیدی۔ طلاق پاکر ریحانہ نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنکی گریہ وزاری پر رحم کر کے پھر اُسکو زوجیت میں لے لیا پھر اُس وقت سے ریحانہ برابر آپ کی خدمت میں حاضر رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۰ھ حجۃ الوداع سے جب آپ واپس آئے تو ریحانہ نے انتقال کیا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ اس واقعہ کو واقدی اور ابن سعد وغیرہما نے نقل کیا ہے

زرقانی نے مورخین ومحدثین کی اس روایت کو بھی لکھا ہے۔ جسمیں ریحانہ پر بقاعدہ سبایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متصرف ہونا لکھا ہے۔ اور عیسائی معترضین کا یہی آلہ اعتراض ہے۔ شبلی صاحب اسکی نسبت ایک زبان دراز عیسائی کے حسب ذیل الفاظ اعتراض نقل کر کے یوں تنقید فرماتے ہیں۔

بانی اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشوں کے تڑپنے کا تماشہ دیکھ چکا۔ تو گھر پر آکر تفریح طبع کے لیے......... لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے۔ ریحانہ کی حرم میں داخل ہونے کی جسقدر روایتیں ہیں۔ سب واقدی اور ابن اسحاق سے ماخوذ ہیں۔ لیکن واقدی نے بتصریح بیان کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا۔ ابن سعد نے واقدی سے جو روایت نقل کی ہے۔ اُس میں خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

فاعتقنی وتزوج لی　|　مجھ کو آزاد کر دیا اور پھر مجھ سے بیاہ کر لیا۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے یہ روایت نقل کی ہے

وکانت ریحانة القرظیة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسکنہ۔ | ریحانہ قرظیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ اس مکان میں رہتی تھیں۔

حافظ ابن مندہ جنکی کتاب طبقات الصحابہ تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔

واستری ریحانة من بنی قریظة ثم اعتقها فلحقت باھلھا واحتجبت وھی عند اھلھا | ریحانہ کو گرفتار کیا پھر آزاد کر دیا۔ تو وہ اپنے خاندان میں چلی گئیں اور وہیں پردہ نشین ہو کر رہیں۔

حافظ ابن حجر اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وھذہ فائدة جلیلة اغفلھا ابن الاثیر۔ | یہ بڑی مفید تحقیق ہے۔ جس سے ابن اثیر نے غفلت کی ہے۔

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو آزاد کر دیا تھا۔ اور وہ اپنے گھر میں جا کر بیویوں کی طرح پردہ نشین ہو کر رہیں۔ ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں، تب بھی قطعاً وہ منکوحات میں داخل تھیں۔ کنیز نہ تھیں۔ سیرۃ النبیؐ ص ۳۲۳۔

ہمکو شبلی صاحب کی مرقومہ بالا تنقید سے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ پورا اتفاق ہے۔ ریحانہ کی زوجیت کے متعلق جو مختار قائم کیا گیا ہے وہی ہمارا بھی مختار ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ریحانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکوحات میں تھیں، نہ مملوکات میں لیکن حافظ ابن مندہ کی روایت سے جسمیں یہ تصریح ہے کہ ریحانہ گرفتار کر کے آزاد کر دی گئیں۔ اور وہ اپنے خاندان میں واپس جا کر پردہ نشین ہو کر بیٹھ رہیں ہمکو اتفاق نہیں ہے اسلئے کہ اس سے زوجیت کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ مبہم طریقہ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غایت شفقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں آزاد کر دیا۔ اور وہ گھر چلی گئیں۔ یہ روایت آپکی یہی روایتوں کے صریح معارض بھی واقع ہوتی ہے۔ جنکو آپ طبقات ابن سعد اور ابن حجر کے اصابہ سے باسناد تاریخ مدینہ محمد بن الحسن لکھکر ریحانہ کا زوجہ ہونا بیان کر چکے ہیں

مشکل یہ ہے کہ آپنے ابن حجر کی عبارت سے حافظ ابن مندہ کی صرف روایت نقل کر دی ہے۔ اُس کے رواۃ کی کوئی تفصیل نہیں کی۔ جس سے معلوم ہوتا کہ اصول حدیث کے مطابق یہ روایت کیسی ہے۔ ریحانہ کا اسیر ہو کر آزاد کر دیا جانا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن اشفاق اور مکارم اخلاق سے مستبعد نہیں لیکن ریحانہ کا گھر جا کر اور ہمیشہ پردہ میں بیٹھ کر اپنی عمر تمام کر دینا خلاف واقع معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ رسم حجاب کا یہود کی معاشرت میں داخل ہونا کہیں سے ثابت نہیں۔ اس بنا پر جو روایت کہ زرقانی سے اوپر لکھی گئی ہے اسمیں بکمال تصریح بیان ہے۔ کہ پردہ میں نہ رہنے کی وجہ سے ایکبار ریحانہ کو طلاق رجعی دی گئی تھی۔ لیکن طلاق کے بعد اُنھوں نے بڑی آہ و فریاد کی۔ تو پھر زوجیت میں لے لی گئیں۔ اس بنا پر محض آزادی کے بعد خلاف فطرت و معاشرت انکا پردہ میں رہنا خصوصاً ایسی حالت میں کہ زوجیت سے واسطہ بھی نہیں ہوا۔ کس قدر لغو اور بے اصل ہے۔

اس لئے شبلی صاحب نے ریحانہ کے آزاد کر دیئے جانے اور گھر جا کر پردہ میں بیٹھ رہنے کی جو روایتیں لکھی ہیں۔ وہ اوّل تو مبہم ہیں اصل ماخذ کے مختصر اقتباسات ہیں۔ دوسرے یہ کہ باخود باہم متعارض ہیں۔ اسلئے قابل احتجاج نہیں۔ زرقانی

کی وہ روایت جسپر ہم نے اپنا مختار قائم کیا ہے۔ وہ بالکل واضح ہے اور مفصل۔ ریحانہ سے بقاعدہ شرعیہ بعد مسلمہ ہونے کے عقد فرمایا گیا۔ مہر دیا گیا۔ ازواج مطہرات کی طرح پردہ میں رہنے کی تاکید کی گئی۔ چونکہ حجاب اُن کی معاشرت کے خلاف تھا انھیں پسند نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی ناپسندیدگی ناگوار گذری۔ اسلیئے طلاق رجعی دی گئی۔ پھر انہوں نے بالحاح تمام معذرت کی معاف کی گئیں۔ اور زوجیت میں لے لیگئیں۔ اور اُسدن سے موت کے دن تک سائر ازواج مطہرات کی طرح خدمت میں حاضر رہیں۔ حجۃ الوداع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے۔ تو ریحانہ نے انتقال کیا اور بقیع میں مدفون ہوئیں
زرقانی نے بھی تاریخوں کی غیر منقید روایتوں کا ذکر کرکے لکھدیا ہے۔

قال الواقدی بعد ان اخرج من عدۃ طرق انہ تزوجہا وضرب علیہا الحجاب ہذا اثبت عند اہل العلم واقتصر علیہ ابن الاثیر۔ ص ۱۵۸ جلد دوم

واقدی نے اس روایت کو متعدد طریقوں سے بیان کرکے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریحانہ سے عقد کرلیا تھا۔ اور اُسکو پردہ میں رکھا تھا۔ اور یہی روایت صاحبان علم کے نزدیک ثابت ترین روایت ہے۔ لیکن ابن اثیر نے اسے نہیں لکھا اور تقصیر کی۔

شبلی صاحب نے بھی اسکو تسلیم کیا ہے۔ مگر درجہ دوم میں رکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اور اگر یہی مان لیا جاوے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں تب بھی وہ قطعاً منکوحات میں تھیں۔ کنیز نہ تھیں،،

حقیقت وہی تھی جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ ریحانہ مشکوئے رسالت میں داخل ہوئیں۔ اور علامہ زرقانی کے مطابق پانچ برس کے بعد ۱۰ھ ہجری میں قضائے الٰہی کو لبیک کہکر انتقال فرما گئیں۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

ایسے صاف اور واضح شہادات تاریخی سے بھی اگر عیسائی متعصبین کا اطمینان نہ ہو۔ تو بفرض محال ریحانہ کی کنیزی کے غلط واقعہ کو تسلیم کرکے ہم دکھلائیں گے۔ کہ حضرت موسیٰؑ نے باوجود دعوے قرابت کے زنانِ خاندان حضرت شعیبؑ سے جو سلوک کیا۔ اُس سے کہیں زیادہ پیغمبر اسلام کے سلوک مرحمانہ اور عادلانہ تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے وقت میں غلبہ پاکر اُن کی شوہر والیوں کو بالکل قتل کروا ڈالا۔ اور کنواری لڑکیوں کو فوج کے معمولی سپاہیوں کی گرم آغوشیوں کے لیئے وقف کردیا۔ یہاں ان سے کیا کیا گیا؟ بلا امتیاز شوہردار و غیر شوہر دار اُن کی تمام عورتیں قتل وخون سے محفوظ رکھی گئیں۔ اور آئین جنگ کے موافق مقید کرلی گئیں اُن میں سے ایک عفیفہ کو جو بیوہ ہوگئیں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجیت کا شرف عنایت فرمایا۔ تو اب اس تقابل و توازن باہمانہ کو غور سے دیکھکر عدالت پسند اور منصف مزاج حضرات کہدیں۔ کہ دونوں طریقہائے سلوک میں کونسا طریقہ بدسلوکی اور بے دردی پر مبنی ثابت ہوتا ہے۔ اور کونسا حسن سلوک اور ہمدردی کے ثبوت دیتا ہے۔ نہیں معلوم عیسائی متعصبین کیسے غیرت دار ہیں۔ جو اپنی کتب الہامیہ میں ایسے جابرانہ طریقہ سلوک کو گودمیں دباکر اسلام کے ایسے ہمدردانہ محاسن سلوک سے آنکھیں ملاتے ہیں۔

حضرت زینب سے نکاح

اسلام اور عیسائیت کا یہ بھی ایک بہت بڑا اور قدیم معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ جسپر ایکبار نہیں بیشمار بار عیسائیت

کی طرف سے اعتراض ہوچکا۔ اور ہر بار اسلام کی طرف سے دنداں شکن اور مسکت جواب دیئے جاچکے ہیں۔ لیکن متعصبین یوروپ ابھی وہی راگ گائے جارہے ہیں۔

یہ مسلم ہے کہ اسلام تمام شریعتوں کا متمم اور مصحح بنکر نازل ہوا تھا۔ اس لیئے کہ آخر شریعت تھی۔ اور اُس کے بعد ابواب رسالت بند ہونے والے تھے یہ بھی مسلم ہے۔ کہ ادعیان گذشتہ کے ایسا۔ اسلام کی تعلیم دینیات اور اُسکی تبلیغ الٰہیات ہی تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ وہ دین کا معلم بھی تھا اور دنیا کا حاکم بھی۔ ملک کا معاون بھی تھا۔ اور قوم کا مصلح و محسن بھی تمام جاہلانہ مراسم اور آئین کی بیخکنی اس کا فرض اوّلیں تھا۔ طبقات قومی و ذاتی مفاخرت کو اُٹھاکر اُصول مساوات کا قائم کرنا اس کے واجبات ضروریہ میں داخل تھا۔

عرب جہالت میں اسوقت ذاتی مفاخرت باہمانہ کا قدیم دستور بڑے زوروں سے جاری تھا۔ اور اس کثرت و قوت سے کہ ایک شخص دوسرے کو مشکل سے اپنے برابر سمجھنے پر راضی ہوسکتا تھا۔ آپس کی مساویانہ ہم نسبی اور ہم خاندانی کے معاملات میں اسی مفاخرت کی بنا پر مختلف اقوام و قبائل میں مشاجرت شروع ہوکر نسلوں کی نسلیں برباد کردی تھیں مخدومان ملک تو ان مشاجرت میں مبتلا تھے۔ طبقہ خادمان و غلامان کی کیا حالت ہوگی۔ اسی سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

اسلام اُس دین کی نعمت ہمراہ لایا تھا جس کے اقرار و اختیار کے بعد خادم و مخدوم اور حاکم و محکوم اور مالک و مملوک سب برابر تھے۔ اور ایک صف و قطار میں بلا امتیاز و اختصاص کھڑے ہوتے تھے اور ایک دوسرے کے پہلو میں زانو توڑ کر بیٹھتے تھے۔ جب خدا کی عبادت میں اسلام نے باہمانہ مساوات کی یہ صورت قائم کی ہوتب قومی اور دیگر ضروریات میں وہ مساوات و یکجہتی کی ایسی ہی شان نہ کھلائے۔ تو اُسکے آئین انصاف اور اُصول اخلاق دونوں کے خلاف ہوگا

جناب زینب کے ساتھ نکاح کا واقعہ پہلے تو اسی تعلیم و تبلیغ اسلامی کا آئینہ ہے۔ پھر ان کے موجودہ واقعہ نکاح کو ایک دوسرے دستور قومی کی بھی اصلاح مقصود تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ عرب میں اسوقت تک متبنّٰی کی جاہلانہ رسم بڑی شدت سے جاری تھی۔ باپ کا پروردہ لڑکا صلبی لڑکے کا حکم رکھتا تھا۔ نسب۔ توریث۔ حقوق دینی اور معاملات دنیاوی میں مشارکت۔ غرض کسی امر میں متبنّٰی اور صلبی فرزند میں کوئی تفریق و تمیز باقی نہیں تھی۔ اور یہ قانون فطرت کے اعتبار سے صلبی فرزند کی بڑی حق تلفی کا باعث تھی۔ اور قاعدہ وراثت کے لحاظ سے اگر صلبی اولاد نہو۔ تو دوسرے قریبی عزیز و اقارب کے حقوق کی بھی صریح پامالی تھی۔ حضرت زینب کے اس ایک واقعہ سے ان دونوں جاہلانہ اور جابرانہ دستور و مراسم کی تنسیخ منظور تھی۔

یہ واقعہ اگر عقل سلیم نظر انصاف اور خوش نیتی سے دیکھا جاوے۔ تو بیک جا و بیک وقت دو خراب رسموں کی اصلاح خاص پر مشتمل تھا۔ اس بنا پر اُسکو موجودہ تہذیب و روشنی کے زمانہ میں لائق تعریف ہونا چاہیئے تھا نہ قابل تشنیع و تعریض۔ لیکن اسکو کیا جاویگا کہ تعصب اور نفسانیت والے دونوں آنکھیں رکھکر بھی۔ ہر امر کو ایک ہی آنکھ

سے دیکھتے ہیں۔ چشم بدبین کا خاصہ ہے۔ کہ وہ ہمیشہ ہر امر کے سمت بد پر پڑتی ہے۔ اور محاسن کی طرف مشاہدے سی ہمیشہ خیر گی کرتی ہے۔ گویا دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اگر اس واقعہ میں اسکے محاسن و افادات پر تھوڑی دیر کیلئے نگاہ کی جائے تو تحسین و آفرین کے سوا اعتراض کی آواز نہیں نکالی جاسکتی۔ لیکن چونکہ طبیعت کی بدی اسی کی عادی ہو گئی ہو اسلئے کور سوادی اور سیہ قلبی سے برابر کام لیا جاتا ہے۔ اور حقیقت کی روشنی کی طرف آنکھ اٹھائی نہیں جاتی۔

اسلام نے عرب میں چشم رحمت کھولی۔ تو غلاموں کے ساتھ ظلم و جور کا خونی منظر پیش نظر تھا۔ جو ہرگز نہ مدعائے قدرت ربانی تھا۔ اور نہ مقتضائے فطرت انسانی بعلم اسلام علیہ السلام کو اپنے طریقہ عمل سے اسکی اصلاح ضروری تھی اور آپ کا فرض منصبی تھا کہ اپنے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق سے ملک و قوم کو مالک و مملوک کے فی مابین اصول مساوات قائم رکھکر اپنے اسوہ حسنہ کی تعلیم دے۔

حضرت زید ابن حارثہ زید ابن حارثہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں آئے۔ آپ کی خدمت میں تربیت پا کر جوان ہوئے۔ ابتدا ہی سے ان کے ساتھ ایسے مربیانہ اور مساویانہ محاسن اشفاق قائم کیے گئے۔ کہ تمام قریش اپنے دستور جہالت کے موافق زید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متبنیٰ کہنے لگے۔ اولاد ذکور کے نہ باقی رہنے کی وجہ سے اُن کا یہ قیاس بطور ظاہر صحیح بھی معلوم ہونے لگا تھا حالانکہ اس میں جتنی اہمیت اور حقیقت تھی اُسکو خدا اور خدا کا رسول خوب جانتا تھا۔ اس عام خیال نے آئندہ اس سے بھی زیادہ اور قوت پکڑلی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب بنت امیمہ بنت حضرت عبد المطلب اپنی خاص پھوپھیری بہن کا نکاح زید ابن حارثہ سے کر دیا۔

حضرت زینب نے پہلے اُسی نقص غلامی کے لحاظ سے انکار کیا۔

وکان رسول اللّٰہ صلعم اراد ان تزوجھا زید بن حارثۃ مولاہ فکرھت ذالک۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری باسناد زید بن ارقم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا نکاح اپنے غلام زید بن حارثہ کے ساتھ کر دینا چاہا۔ تو انہوں نے ناپسند کیا۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری

لیکن چونکہ زینب بنت امیمہ بھی آپ ہی کی دامن تربیت میں پلی تھیں۔ اور مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ اس لیے جب آپ نے اِن کو اسلام میں مملوکیت کی شان اعزاز و اکرام بتلائی۔ تو یہ راضی ہو گئیں۔ اور زید سے نکاح ہو گیا۔ لیکن غلامی کا داغ ایسا نہیں تھا۔ جو اسلام کی فوری شست و شو سے دھل جاتا۔ اس بنا پر نکاح ہو جانے کے بعد بھی حضرت زینب کے دل میں اُس کی خلش باقی رہی۔ جس نے زن و شو کے باہمانہ تعلقات میں ناگوار صورت اختیار کی۔ فریقین میں سال بھر سے زیادہ اتفاق قایم نہ رہ سکا۔ زید برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں زینب کی تند مزاجی اور ترش روئی کی شکایت کرتے تھے۔ اور آپ برابر اُنھیں سمجھا بجھا کر راضی کر دیتے تھے۔ لیکن زینب کے مزاج کی برہمی کبھی کم نہیں ہوتی تھی۔ ایک بار آپس میں ایسی بگڑی کہ زید اُن کے طلاق دینے پر پورے تیار ہو کر آنحضرت صلعم

کی خدمت میں اطلاع و اجازت کی غرض خاص سے حاضر ہوئے۔ ساری روئداد عرض کی۔ اور کہا کہ اب مجھے صبر و تحمل کی طاقت نہیں۔ فتح الباری میں ہے۔

جاء زید بن حارثۃ فقال یارسول اللہ صلعم اِن زینب اشتدَّ عَلَیَّ لسانھا وانا ارید ان اُطَلِّقَھَا۔	زید آنحضرت صلعم کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کی کہ زینب مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں۔ اور میں اُن کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اب کی بار بھی اُن کو سمجھا بجھا کر طلاق دینے سے باز رکھا۔ قرآن مجید ان الفاظ میں اُسکی تصدیق کرتا ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ (احزاب)	اور جبکہ تم اُس شخص سے جسپر خدا نے اور تم نے احسان کیا۔ یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں لیے رہو۔ اور خدا سے خوف کرو۔

جانبین سے تاہم صفائی قلوب نہ ہوئی۔ اور باوجود باکی معاشرت روزانہ مشاجرت کی صورت پکڑتی گئی۔ تو بالآخر زید بن حارثہ نے زینب بنت امیمہ کو طلاق دیدی۔ اور وہ زید کے عقد نکاح سے نکلکر آزاد ہو گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت نکاح میں زینب کو شوہر کی اطاعت کرنے اور راضی رکھنے کے لیے جیسی تاکید فرماتے تھے۔ ویسے ہی اب اُن کے آزاد ہو جانے پر۔ اُن کی دلجوئی، تسکین اور تفقد احوال کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور یہ بالکل فی الواقع اور صحیح ہے۔ کہ مدینہ میں زینب کا اُسوقت خبر گیراں اور تفقد احوال کرنے والا سوائے ذات اقدس کے اور کون تھا۔ اس بنا پر آپ نے زینب کو اپنے حبالۂ نکاح میں لے لینا چاہا۔ لیکن زید کی تبنیت کے خیال موہومہ کی وجہ سے جہال کی طعن و تشنیع کا اندیشہ تھا۔ اور اسی وجہ سے آپ نے چندے تامل فرمایا۔

چونکہ تبنیت ہی کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں تھی۔ اور جہالت کی وجہ سے اس میں جو کچھ اہمیت پیدا ہو گئی تھی اُسکا محو و مستاصل کر دینا منظور تھا۔ اس بنا پر فرمان ربانی ان الفاظ قرآنی میں نازل ہوا۔

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ	اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے۔

افسوس ہے۔ شبلی صاحب کی اختصار پسندی اقتباسات قرآنی میں بھی ابہام پیدا کرتی ہے۔ کوتہ رقمی کے قدیم اصول مطابق اس کی نقل و استنباط میں بھی صرف مبتدا سے تعلق رکھا گیا ہے۔ اور خبر سے واسطہ نہیں۔ جو اصلی مدعائے بحث تھا۔ یعنی مسئلہ تبنیت کی عدم اصلیت جو اسی آیہ کے آخری فقرات ہیں۔ میری دانست میں آیہ کے موجودہ مختصرات سے نہ معتقدین امت کا اطمینان ہو سکتا ہے۔ نہ معترضین عیسائیت کی تشفی۔ اس لیے ہم اس پورے آیہ وافی ہدایہ کو ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں جس کے مطالب و مقاصد سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۝ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا -

اور اے پیغمبر اُس بات کو یاد کرو جب تم اُس شخص کو سمجھاتے تھے (یعنی زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے (اپنا احسان کیا (کہ اُسکو اسلام کی توفیق دی) اور تم بھی اُس پر احسان کرتے رہے۔ کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے۔ اور اللہ سے ڈر (اور اُسکو چھوڑ نہیں) اور تم اُس (بات) کو اپنے دل میں چھپاتے تھے (جسکو آخر کار) اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور تم (اس معاملہ میں) لوگوں سے ڈرتے تھے۔ اور خدا اس سے زیادہ حقدار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ اور پھر جب زید اُس عورت سے بے تعلق کر چکا (یعنی طلاق دی اور مدت عدت تمام ہو چکی) تو ہم نے تمہارے ساتھ اُس (عورت) کا نکاح کر دیا۔ تاکہ (عام) مسلمانوں کے لیے پالک جب اپنی بیویوں سے بے تعلق ہو جائیں۔ تو مسلمانوں کے لیے اُن عورتوں سے نکاح کر لینے میں (کسی طرح کی) تنگی نہ رہے۔ اور خدا کا حکم تو ہو ہی کر رہتا ہے۔ اللہ نے پیغمبر کے لیے جو بات ٹھہرا دی ہو اُس (کے کرنے) میں پیغمبر کے لیے کچھ مضائقہ (کی بات) نہیں۔ جو (پیغمبر) پہلے ہو چکے ہیں ان میں (بھی یہی) عادت الٰہی جاری ہوتی رہی ہے (کہ اُن پر خدا نے نکاح کے بارے میں تنگی نہیں کی) اور خدا کے جتنے کام ہیں (ہر ایک امر تقدیری) (میں جو روز ازل سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اور وہ اگلے پیغمبر (اس صفت کے تھے کہ) خدا کے پیغام (لوگوں) کو پہونچاتے تھے۔ اور خوف خدا کرتے تھے۔ اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے (تو اے پیغمبر تم کیوں ڈرو) اور حساب (اعمال) کے لیے اللہ ہی بس ہے۔ وہ سب سے سمجھ لے گا۔ لوگو؟ محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (تو زید کے کیوں ہوں؟) وہ تو اللہ کے رسولؐ ہیں (اور خطوں کی مہر کی طرح سب) پیغمبروں کے آخر میں اور اللہ تمام چیزوں کے حال سے واقف ہے۔ ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد ص ۶۷۶-

اس آیہ قرانی میں اس واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے۔ تبنیت کی بے حقیقتی۔ زینب و زید کی سوء مزاجی۔ زید کی شکایت پر برابر آپکی طرف سے اُنکی تشفی و دلجوئی۔ زید کے طلاق دینے اور زینب کے آزاد ہو جانے کے بعد خدا کے حکم سے اُن کے ساتھ آپ کا نکاح کر لینا۔ متبنّیٰ کا اسلام میں لاشے ہونا۔ اور متبنّیٰ کی عورت کا آزاد ہو جانے کے بعد تمام عورتوں کی طرح ہر مسلمان کے ساتھ جائز النکاح ہونا۔ واضح طور پر بیان فرما دیا گیا ہے۔

معترضین اگر دیدۂ بینا رکھتے ہیں۔ تو وہ اس آیت سے حقیقت حال پورے طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن تعصب اور نفسانیت کی گھٹا ٹوپ میں حقیقت کی روشنی کا معلوم ہونا معلوم۔ ہر مذہب اپنے اُصول کا پابند ہے۔ اور اسلام بھی۔ یہ تمام دنیا کا کلیہ مسلمہ ہے۔ اور اسلام کا بھی۔ اس بنا پر جو واقعات اسلامی کلام الٰہیہ اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہیں۔ وہ اہل اسلام

کیلئے قابل تسلیم ہیں۔ اور لائق اعتبار۔ اور جو نہیں ہیں۔ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ قابل احتجاج ہیں نہ لائق اعتبار۔
اس لیئے وہ مرویات اسلامی جو معارض کلام الہٰی اور مخالف شان و بیان رسالت پناہی میں وہ کسی طریق سے مسلمانوں کے لیئے حجت نہیں ہوسکتے۔

یہی حالت طبری کی اس روایت کی ہے۔ جو عیسائی معترضین کی سرمایہ ناز ہے۔ جکی تنقید کے لیئے شبلی صاحب کی یہ عبارت کافی ہے۔

تاریخ طبری میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زید سے ملنے کے لیئے اُن کے گھر گئے۔ زید نہ تھے۔ زینب کپڑے پہن رہی تھیں۔ اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُن کو دیکھ لیا۔ اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ مصرف القلوب	پاک ہے خدائے برتر۔ پاک ہے وہ خدا جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔

زید کو یہ حالات معلوم ہوئے۔ تو اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ کہ اگر زینب آپ کو پسند آگئی ہوں۔ تو میں اُن کو طلاق دیدوں۔

میں نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کرکے نقل کی ہے۔ نقل کفر کفر نباشد۔ یہی روایت ہے جو عیسائیوں کی مایۂ استناد ہے۔ لیکن ان غریبوں کو یہ نہیں معلوم ہوا۔ کہ اُصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پائے کی ہے۔ مورخ طبری نے واقدی کے ذریعے سے نقل کی ہے۔ جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے۔ اور جس کا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتوں سے صرف یہ تھا۔ کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لیئے سند ہاتھ آئے۔ طبری کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس قسم کی بیہودہ روایتیں نقل کی ہیں۔ لیکن محدثین نے اُن کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ اُن سے تعرض کیا جائے۔ حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہیں۔ تاہم فتح الباری۔ سورہ احزاب کی تفسیر جہاں اس واقعہ سے بحث کی ہے لکھتے ہیں۔

ووردت آثار اخریٰ اخرجھا ابن ابی حاتم وطبری ونقلھا کثیر من المفسرین لا ینبغی للتشاغل منھا	اور بہت سی روایتیں آئی ہیں۔ جنکو ابوحاتم اور طبری نے لکھا ہے۔ اور اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے۔ ان روایتوں میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔

حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین میں ہیں۔ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ذکر ابن حاتم وابن جریر ھھنا آثارا عن بعض السلف رضی اللہ عنھم احببنا ان نضرب عنھا صفحا لعدم صحتھا فلا نوردھا وقد روی الامام احمد ھھنا ایضا من روایت حماد بن زید عن ثابت عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیہ غرابۃ ترکنا سیاقۃ ایضاً	ابی حاتم اور ابن جریر نے بعض اسلاف سے روایتیں نقل کی ہیں۔ جنکو ہم نظرانداز کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ وہ غلط ہیں اور امام احمد نے جو روایت باسناد حماد بن زید ثابت کی زبانی انس سے منقول ہے۔ ایک روایت نقل کی ہے جو غریب ہے ہم نے اسکا بھی ذکر چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی غریب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اُسوقت تک منافقوں کا بڑا زور تھا حضرت عائشہ کی تہمت میں خود چند مسلمان بھی آلودہ ہوگئے تھے۔ جنکو شریعت کے مطابق سزائے قذف دی گئی۔ یہی وہ روایتیں ہیں جو کچی کچی غیر محتاط کتابوں میں باقی رہ گئیں۔ لیکن وہ محدثین جنکا معیار تحقیق بلند ہے۔ اور عدالت روایت کے حاکمان مجاز ہیں۔ مثلاً امام بخاری۔ اور امام مسلم وغیرہ۔ اُن کے ہاں ان روایتوں کا ذکر تک نہیں آتا۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ ۲۷ ۳ ؁ ۵

اسلام کے ساتھ عیسائیوں کی عیب جوئی اور غلط گوئی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مبلغین شریعت ہمیشہ ہدف ملامت بنتے چلے آئے ہیں۔ مخالفین اپنی فطرتی کج فہمی سے اُن کے محاسن کو بھی بدنما صورتوں میں دکھلاتے آئے ہیں۔ جناب زینب کا واقعہ بھی اسی کی مثال ہے۔ اس واقعہ میں منشائے قدرت۔ مُدعائے رسالت۔ اور مقتضائے عدالت تو وہی تھا۔ جو بالتفصیل اوپر بیان ہو چکا ہے۔ معترضین کو اسکے اصلی مدعا سے تو کوئی غرض ہی نہیں ہے۔ اور نہ اسکے محاسن سے کوئی واسطہ۔ ہاں جاہل مشرکین اور مفسد منافقین کے ہمزبان بنکر۔ اس پر وہی اعتراض کرتے ہیں۔ جو مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ ان سے ہزار برس پہلے کرتے آئے ہیں۔ ان کی ان تعریضات میں سوائے نفسانیت کے نہ کوئی اصلیت ہے۔ اور نہ حقیقت۔ جیسا کہ تفصیل سے اوپر لکھدیا گیا ہے۔

واقعات متفرقہ:۔ (۱) عورتوں کو پردے میں رکھنے کا اسی سال حکم ہوا۔

(۲) عورتوں کو نقاب پوش ہو کر باہر نکلنے کی اجازت ملی۔

(۳) جہالت کی رسم تبنیت کی کامل تنسیخ فرمائی گئی۔

(۴) متبنّی لڑکی منکوحہ کو اُسکے آزاد ہو جانے۔ اور مدت عدت پوری ہو جانیکے بعد نکاح کرنیکی اجازت عام دی گئی۔

۵؁ اس میں کوئی کلام نہیں۔ کہ طبری کی یہ روایت سراپا غلط ہے۔ اور صریح معارض کلام احدیت اور مخالف شان رسالت۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ متقدمین و متاخرین عیسائی متعصبین کے تمام اعتراضات کا مرکز بھی یہی ہے۔ لیکن شبلی صاحب نے اپنی تنقید کی مذکورہ بالا عبارت میں اپنی قدیم عادت کے مطابق طبری ہی کو ہدف اعتراض اور سبب فساد ٹھیرایا ہے۔ حالانکہ آپ ہی کی آئندہ الفاظ و عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس غلط نگاری کی ابتدا بھی محدثین و مفسرین ہی سے قائم ہوئی ہے۔ اور تفسیر ابن ابی حاتم رازی سے لیکر امام احمد بن حنبل کے مسند تک کے ایسے معتبر و مستند سواد اعظم ان موضوعات و مکذوبات سے بھرے پڑے ہیں تب آپ کا یہ لکھنا۔ کہ یہی روایتیں جو کچی کچی غیر محتاط کتابوں میں باقی رہ گئی ہیں۔" کیسے قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ جب مسند امام احمد بن حنبل تک میں یہ مرویات موجود ہیں۔ تو آپکے نزدیک مسند امام احمد بن حنبل بھی غیر محتاط کتابوں میں داخل ہو گئی۔ تو صحیح بخاری کی صحت کب قابل اعتبار رہ سکتی ہے۔ جب اُنکے شیخ الشیوخ امام احمد بن حنبل صاحب خود غیر محتاط ثابت ہوتے ہیں۔ اس بنا پر ان سے مستخرجات صحیح بخاری و مسلم۔ حاکمان مجاز نے اپنی کتابوں میں داخل کئے ہیں۔ کب قابل احتجاج و اعتبار ہو سکتی ہیں

بہر حال نہ ہم کو امام احمد بن حنبل کی تائید منظور ہے اور نہ بخاری و مسلم آپکے حاکمان مجاز کی تنقید و تردید۔ ہم کو تو صرف اس جانب دارانہ طرز بیان کی شان حقیقت کا انکشاف کرکے یہ دکھلا دینا مقصود تھا۔ کہ یہ غلط روایت اکیلے طبری ہی نے نہیں لکھی ہے۔ بلکہ قریب قریب تمام محدثین و مفسرین کی تالیفات میں منقول ہے۔ اس لیے تنہا طبری کو اسکی نقل و استنباط کے لیے ملزم ٹہرانا مولفانہ دیانت اور محققانہ عدالت سے بعید ہے۔

المولف الاحقر

سید اولاد حیدر عفی عنہٗ

(۵) پرائی عورت پر غلط تہمت لگانے کے لیے حد قذف کا حکم ہوا۔
(۶) زن و شو کے درمیان لعان کے طریقہ مفارقت کا بھی اسی سال حکم دیا گیا۔ لعان قسم حلفی کو کہتے ہیں۔ جانبین کے بیان پر جب شاہد صادق موجود نہوں۔ تو جانبین اپنے اپنے دعوے کی صداقت کی نسبت قسم شرعی کھائیں۔ اور اُسکے بعد دونوں میں تفرقہ کر دیا جائے
(۷) دستور جہالت کے مطابق عرب میں ظہار بھی ایک قسم کی طلاق تھی۔ اسلام کی شان انصاف اور معدلت نے جانبین کی اس اتفاقی شکر رنجی اور نزاع لفظی کو طلاق شرعی کی اہمیت نہیں دی۔ اور صرف کفارہ (حقیقتاً غیظ و غضب کا بدل) کی ادا کاری کی حد تک رکھا۔ اس کفارہ کے نزول حکم کا بھی یہی سال محقق ہوتا ہے۔
غرضکہ یہ تمام تر سال حقوق نسواں میں مساوات و سہولیات کے قائم ہونے کا مبارک عنوان ثابت ہوتا ہے۔ برا ہو ان بدبیں نگاہوں کا۔ جو ان واقعات کو دیکھکر بھی اسلام کو صنف نسواں کی نسبت شدت و جبر کا ملزم ٹہراتے ہیں ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنر ش در نظر دیگراں

(۸) اسی سال پانی نہ ملنے کی حالتوں میں تیمم کا بھی حکم نازل ہوا۔
(۹) نماز خوف کا بھی اسی سال حکم ہوا۔

تمت بالخیر

تمّ المجلد الثانی من السیرۃ المصطفویۃ الموسوم
بالاسوۃ الرّسول صلوات وسلام علیہ
واٰلہ من رب القلوب والعقول

کوانتھ ضلع آرہ
شریف عمارت

المولف الاحقر
سیّد اولاد حیدر عفی عنہ

۹ شعبان سہ شنبہ ۱۳۴۴ھ ہجری

تاریخ اختتام اسوۃ الرسول جلد دوم بار دوم ۱۱ محرم الحرام بروز جمعہ ۱۳۵۸ ہجری مطابق ۳ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء

توریث القرآن

احکام میراث کے متعلق ہماری چند عملی بدعنوانیاں

مولف ممدوح نے حال ہی میں یہ رسالہ بڑی محنت و جانفشانی سے ترتیب فرمایا ہے۔ جو مومنین کی خدمت میں برائے ملاحظہ پیش کیا جاتا ہے۔ مضامین حسب ذیل ہیں۔

تمہید۔ آیات توریث۔ عورتوں کے حقوق کی بنا۔ امارت توریث کی شان نزول۔ آیات توریث کے مفاد رسم و رواج ملکی و قومی مخالف شرع بیوہ کے حقوق مخالف قرآن۔ قانون ریاست۔ حکومت کی مداخلت اور ضبط شاہی کا قانون خاص۔ شرعی معاملات میں بدعنوانیاں۔ اسلامی اوقاف۔ پبلک وقف۔ وقف علی الاولاد کی دوسری شاخ۔ آیہ وصیت و وصیت کی تجدید۔ اولاد الارحام اور ذوی الحقوق۔ وارثوں کی تقسیم و ترتیب عصبہ کا بیان۔ عصبات میراث کلالہ میں۔ میراث کلالہ کی تقسیم۔ تعصیب ایک غلط فہمی کی اصلاح اسلام کا خالص تمدن۔ اسلام کی تعلیم معاشرت۔ اقتصادیات کی تعلیم۔ مسٹر گوئی ڈآرمین بیناپ آف مین چسٹر کی تقریر۔ نہایت بہترین کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گیا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قیمت صرف چار آنے (۴؍)

ہر قسم کی مذہبی کتابیں ہمارے یہاں بکفایت ملتی ہیں حسب ذیل پتہ سے طلب فرمائیے

منیجر کاظمؑ بکڈپو رجسٹرڈ شہر دہلی

(کتبہ سید نجم الحسن امروہوی)

اعلانِ عام

الحمد اللہ کہ مومنین اور علم دوست حضرات کو خوشخبری دی جاتی ہے کہ جناب رسولِ خدا مقبولِ بارگاہِ رب العزت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس ومعتبر سیرت ولادت باسعادت سے لیکر آخر تک کے حالات حسن اخلاق، مہماں نوازی، علم وفضل، قابلیت و ذہانت، مع معجزات، وخرق عادات اور جہاد کے مفصل ومکمل حالات واذکار اور آپکے پاک وپاکیزہ فضائل اور بہت سی قیمتی ونایاب تاریخوں کا گرانبہا خلاصہ تمام دُنیا کیلئے نادر الوجود اور بہترین سبق ہے اور ہر مسلمان کا اخلاقی فرض ہے کہ اپنے سچے رسول حبیب خدا کی سوانح عمری کا مطالعہ کریں اور حتی المقدور اس نایاب تحفہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ایسی نادر الوجود کتابیں جو عرصہ دراز سے مفقود تھیں اور نہ اسطرف کسی نے توجہ کی تھی ہم نے اس کی طباعت واشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور ہمارا ارادہ ہے کہ اس سلسلہ کو اوّل جلد سے لیکر جلد پنجم تک طبع وتیار کرکے مومنین کی خدمت بابرکت میں پیش کردیں۔

اور اس کارِ خیر اور ثواب عظیم میں عالی جناب فخر الحاج والزوار حاجی خواجہ شریف حسین صاحب کربلائی ومشہدی بڑے انہماک وکوشش سے حصہ لے رہے ہیں اور اُن کی دلی خواہش ہے کہ اسوۃ الرسولؐ کی بقیہ جلدیں جو چھپنے سے باقی ہیں اعلےٰ پیمانہ پر چھپواکر مومنین کی خدمت میں پیش کردی جائیں۔ خداوندعالم حاجی صاحب کے اس ارادے میں کامیابی دے اور مومنین وناظرین سے التماس ہے۔ کہ جناب حاجی صاحب کو دعائے خیر میں یاد فرماویں۔ اور جناب حاجی صاحب قبلہ کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہے کہ۔

الحمدللہ کہ پہلی اور دوسری جلدیں اسوۃ الرسولؐ کی چھپ کر تیار ہوگئیں۔ کاغذ نہایت نفیس ولائتی لگایا گیا ہے۔ لکھائی چھپائی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ قیمت جلد اوّل سات روپیہ جلد دوم پانچ روپیے چار آنے (صہ) علاوہ محصولڈاک

ہماری یہاں ہر قسم کی مذہبی کتابیں ارزاں قیمت پر ملسکتی ہیں حسب ذیل پتہ پر طلب فرمایئے

چونکہ اس کتاب کے ایک ایڈیشن کی ہمیں اجازت ہے لہٰذا جب تک ہماری جلدیں ختم نہ ہوں۔ کوئی صاحب قصد طبع نہ فرمائیں ورنہ بجائے نفع کے نقصان ہوگا

منیجر کاظم بکڈپو رجسٹرڈ شہر دہلی

SYED F. RAZA.
14-H. Rizvia Society,
KARACHI-18.

(مطبوعہ نایاب پریس دہلی)